آئینہ مذہب شیعہ

2

آئینہ مذہبِ شیعہ

شیعہ مذہب کے اصول وقواعد
اور
عقائد وافکار کا جائزہ

تالیف
ڈاکٹر ناصر بن عبداللہ بن علی القفاری

ترجمہ
حافظ ابوالحسنین الاثری

مکتبۃ آل البیت، کراچی

أصول مذهب الشيعة

الإمامية الإثنىٰ عشرية

عرض و نقد

تالیف

ڈاکٹر ناصر بن عبداللہ بن علی القفاری

ترجمہ

حافظ ابو الحسنین الاثری

مکتبہ آل البیت، کراچی

بسم الله الرحمن الرحيم

تیسرا باب

شیعہ کے دیگر انفرادی اصول اور اعتقادات

اس باب میں درج ذیل آٹھ فصلیں ہیں:

① امامت۔

② عصمتِ امام۔

③ تقیہ۔

④ مہدی اور رُوپوشی۔

⑤ رجعت۔

⑥ ظہور۔

⑦ بدا۔

⑧ طینہ۔

پہلی فصل:

امامت

شیعہ کے نزدیک امامت وہ اصل اور بنیاد ہے، جس کے گرد ان کی احادیث گھومتی ہیں اور جس کی طرف ان کے عقائد لوٹتے ہیں۔ ان کی فقہ، اصول، تفاسیر اور تمام علوم میں اس کا اثر جھلکتا ہے۔ جدید و قدیم دونوں ادوار میں شیعہ نے اس کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔ درج ذیل سطور میں اس کی اہم جوانب، مفہوم، آغاز، ان کے مذہب میں اس کا مرتبہ، آغاز میں اس کو چھپانا، پھر شیعہ علما کا اس سے استدلال شروع کرنا، ان کی سب سے اہم شمار کی جانے والی دلیل پر بحث وتمحیص، پھر ان کی منکرینِ امامت کی تکفیر کے متعلق گفتگو ذکر ہوگی۔

یاد رہے کہ انھوں نے صحابہ کرام، اہلِ بیت عظام رضی اللہ عنہم مسلمان حکمران، قضاۃ، اسلامی ممالک اور ان کی اقوام، تمام رجحانات کے حامل اسلامی فرقوں اور امتِ اسلامیہ کو بالخصوص اور معین طور پر کافر قرار دیا ہے۔ یہ تمام امور آیندہ صفحات میں شیعہ کی معتبر کتابوں کے حوالوں سے واضح ہوجائیں گے۔

شیعہ کے نزدیک امامت[1] کا مفہوم اور اس کا آغاز:

شیعہ کے ہاں امامت کی جو موجودہ صورت ہے، شاید سب سے پہلے اس کے متعلق ابن سبا نے سخن آرائی کی ہے، جس نے یہ قول عام کرنا شروع کر دیا کہ امامت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وصیت ہے اور صرف وصی (نامزد) کے نام میں محصور ہے۔ اگر اس کے سوا کسی دوسرے نے اس کو سنبھالا تو اس کی تکفیر اور اس سے براءت کا اظہار کرنا لازمی ہے۔ شیعہ کتب اعتراف کرتی ہیں:

[1] امامت کا لغوی معنی تقدم اور آگے بڑھنا اور پیشوائی کرنا ہے۔ عرب کہتے ہیں: "ام القوم" أم بهم. وہ ان کے آگے بڑھا، اس عمل کا نام امامت ہے، امام اس کو کہا جاتا ہے، جس کی لوگ اقتدا کریں، خواہ وہ صراطِ مستقیم پر گامزن ہوں یا گمراہی کے مسافر۔ امام کا لفظ خلیفہ پر بھی بولا جاتا ہے اور اس عالم پر بھی جس کی اقتدا کی جاتی ہے اور امام پر بھی جس کی نماز میں اقتدا اور پیروی کی جاتی ہے۔ (اللسان، القاموس، المصباح، مادة: أم) اہل سنت کے نزدیک امامت کی تعریف ملاحظہ کرنے کے لیے دیکھیں: الأحكام السلطانية للماوردي (ص: ٥) مقدمة ابن خلدون (٢/ ٥١٦۔ ٥١٨)

''ابن سبا وہ پہلا شخص تھا، جس نے امامتِ علی کی فرضیت کا قول مشہور کیا، ان کے دشمنوں سے براءت کا اظہار کیا، ان کے مخالفین سے پردہ اٹھایا اور ان کو کافر قرار دیا۔''[1]

کیوں کہ وہ یہودی نژاد تھا اور اس کا خیال تھا:

''یوشع بن نون موسی کے وصی ہیں، جب وہ مسلمان ہوا تو اس نے حضرت علی کے متعلق بھی یہی نظریہ پیش کر دیا۔''[2]

اس پر اب شیعہ علما کا اتفاق ہو چکا ہے۔ چناں چہ ابن بابویہ قمی، جس نے چوتھی صدی ہجری میں شیعہ عقائد لکھے، وہ کہتا ہے:

''وہ (شیعہ) اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہر نبی کا کوئی وصی (نامزد) ہوتا ہے، جس کو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وصیت کرتا ہے۔''[3] وہ ذکر کرتا ہے کہ اوصیا کی تعداد ''ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔''[4]

مجلسی اپنی اخبار و روایات میں ذکر کرتا ہے: ''علی آخری وصی ہیں۔''[5] کافی کے بعض ابواب کے عناوین کچھ اس طرح ہیں:

''باب أن الإمامة عهد من الله عزوجل معهود من واحد إلى واحد''[6]

''یہ باب کہ امامت اللہ کی طرف سے عہد ہے، جو یکے بعد دیگرے ہر ایک کے لیے صادر ہوا ہے۔''

''باب ما نص الله عزو جل ورسوله على الأئمة واحدا فواحدا''[7]

''یہ باب کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ایک ایک کر کے ترتیب کے ساتھ ائمہ کی وصیت کی ہے۔''

ان دونوں ابواب میں کلینی نے اپنی روایات کا ایک مجموعہ ذکر کیا ہے، جن کو وہ اپنی ایسی دلیلیں قرار دیتے

---

[1] رجال الكشي (ص: ۱۰۸۔ ۱۰۹) القمي: المقالات والفرق (ص: ۲۰) النوبختي: فرق الشيعة (ص: ۲۲) الرازي: الزينة (ص: ۳۰۵) نیز دیکھیں: الملل والنحل (۱/ ۱۷٤) شہرستانی نے ابن سبا کے متعلق کہا ہے کہ وہ سب سے پہلا شخص ہے، جس نے امامتِ علی کے منصوص علیہ ہونے کا قول پیش کیا۔

[2] المصدر السابق.

[3] عقائد الصدوق (ص: ۱۰٦)

[4] المصدر السابق.

[5] بحار الأنوار (۳۹/ ۳٤۲) جس کا یہ مطلب ہوا کہ علی کے بعد کوئی وصی نہیں اور ان کے بعد امامت باطل ہے، کیوں کہ وہ اوصیا نہیں۔ یہ روایت یک قلم اثنا عشریہ مذہب کی عمارت کو منہدم کر دیتی ہے۔

[6] أصول الكافي (۱/ ۲۲۷)

[7] المصدر السابق (۱/ ۲۸٦)

ہیں، جن کو شک چھو کر بھی نہیں گزرا۔ اس لیے شیعہ کے عالم مقداد حلی (المتوفیٰ ۸۲۱ھ) نے کہا ہے:

''شیعہ کے نزدیک امامت کے مستحق شخص کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے معہود (جس کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے) ہونا ضروری ہے نہ کہ ہر وہ شخص جس پر اتفاق ہو جائے۔''[1]

شیعہ کا عصر حاضر کا مرجع تقلید محمد حسین آلِ کاشف الغطا، یہ قاعدہ مقرر کرتا ہے:

''امامت، نبوت کی طرح ہی ایک منصب الٰہی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں نبوت اور رسالت کے لیے جس کو چاہتا منتخب کرتا ہے، جو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نص اور تعیین کی طرح ہے، اسی طرح وہ امامت کے لیے بھی جس کو چاہتا پسند فرماتا ہے اور اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس کی تنصیص وتعیین کرے اور اس کو اپنے بعد کے لوگوں کا امام مقرر کرے۔''[2]

آپ دیکھ رہے ہیں کہ شیعہ کے نزدیک امامت کا مفہوم نبوت ہی کے مفہوم کی طرح ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں انبیا کا انتخاب کرتے ہیں، ایسے ہی وہ ائمہ کا بھی چناؤ کرتے ہیں، ان کی تعیین کرتے ہیں، مخلوق کو ان کے متعلق آگاہ کرتے ہیں، ان کے ساتھ حجت قائم کرتے ہیں، ان کی معجزات کے ساتھ تائید و نصرت فرماتے ہیں، ان پر کتابیں نازل فرماتے ہیں، ان کی طرف وحی کرتے ہیں اور وہ جو بھی کہتے یا کرتے ہیں، اللہ کے حکم اور وحی کے ساتھ کرتے ہیں.... مطلب یہ ہوا کہ امامت نبوت ہی ہے اور امام اور نبی میں صرف ناموں کا فرق ہے، اسی لیے مجلسی نے کہا ہے:

''ان روایات سے نبی اور امام کے درمیان فرق نکالنا اشکال سے خالی نہیں۔''[3]

پھر وہ کہتا ہے:

''ہمیں ان کے نبوت کے ساتھ موصوف نہ ہونے میں خاتم الانبیا کے مرتبے کا خیال رکھنے کے علاوہ کوئی وجہ سمجھ نہیں آتی، نہ ہماری عقلوں تک نبوت اور امامت کے درمیان جو فرق ہے، اس کی رسائی ہے۔''[4]

امامت کے مفہوم کے متعلق یہ ان کا قول اور نظریہ ہے، اس کی تنقید میں اتنا ہی کافی ہے کہ اس میں ان کے پاس ابن سبا اور یہودیت کے علاوہ کوئی سند نہیں۔

---

[1] النافع يوم الحشر (ص: ٤٧)

[2] أصل الشيعة وأصولها (ص: ٥٨)

[3] بحار الأنوار (٢٦/ ٨٢)

[4] المصدر السابق.

شیعہ کے نزدیک امامت کا مرتبہ واہمیت:

مسئلہ امامت اہلِ سنت و کے نزدیک اصولِ دین میں داخل نہیں کہ جس میں مکلّف کو ناواقف رہنے کی گنجایش نہ ہو، جس طرح اہلِ علم کی ایک جماعت نے اس کو ثابت کیا ہے۔[1] لیکن یہ شیعہ کے ہاں (اس کے سبائی مفہوم میں) ایک دوسری ہی شان کا حامل ہے۔نوبختی ذکر کرتا ہے کہ شیعہ کے کچھ فرقوں نے یہ مذہب اختیار کیا ہے کہ ''امامت نبوت کے بعد تمام امور میں عظیم تر ہے۔''[2] لیکن یہ آلِ کاشف الغطا کی رائے میں ''نبوت کی طرح کا منصب الٰہی ہے۔''[3] کلینی کی کافی کی احادیث کے مطابق یہ نبوت کے مرتبے سے بلند ہے۔''[4] شیعہ کے کئی ایک شیوخ و علما بانگ دہل اس کا اعلان بھی کرتے ہیں۔ شیعہ کے عالم نعمت اللہ جزائری کا کہنا ہے کہ ''امامت عامہ وہ ہے، جو نبوت و رسالت کے درجے سے بھی بلند ہے۔''[5]

عصرِ حاضر کے شیعہ کے مرجعِ تقلید اور آیت اللہ ہادی طہرانی نے کہا ہے:

''امامت، نبوت سے بھی عظیم تر ہے۔ یہ تیسرا مرتبہ ہے، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو نبوت اور خلّت (خلیل و دوست بنانے) کے بعد سرفراز کیا...''[6]

کافی میں ایسی روایات ذکر ہوئی ہیں، جو امامت کو اسلام کا سب سے بڑا رکن قرار دیتی ہیں۔کلینی اپنی سند کے ساتھ جعفر سے روایت کرتا ہے کہ انھوں نے کہا:

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، جن میں نماز، زکات، روزہ، حج اور ولایت شامل ہے۔ جس طرح ولایت کی منادی کرائی گئی ہے، اس طرح کسی چیز کی منادی نہیں کرائی گی۔ لوگوں نے چار کو تو اپنا لیا اور اس کو یعنی امامت کو چھوڑ دیا۔''[7]

آپ دیکھتے ہیں کہ انھوں نے ارکانِ اسلام میں شہادتین کو ساقط کر دیا ہے اور ان دونوں کی جگہ ولایت کو

---

[1] دیکھیں: الآمدي: غاية المرام (ص: ٣٦٣) الغزالي: الاقتصاد (ص: ١٣٤) مقدمة ابن خلدون (٣/ ١٠٨٠)
[2] فرق الشيعة (ص: ١٩)
[3] أصل الشيعة (ص: ٥٨)
[4] دیکھیں: أصول الكافي (١/ ١٧٥)
[5] زهر الربيع (ص: ١٢)
[6] ودايع النبوة (ص: ١١٤)
[7] أصول الكافي، كتاب الإيمان والكفر، باب دعائم الإسلام (٢/ ١٨) رقم (٣) شرح کافی میں مولف نے اس حدیث کا درجۂ صحت بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ "موثق كالصحيح" چناں چہ یہ ان کے نزدیک معتبر ہے۔

رکھ کر اس کو تمام ارکان سے بڑھ کر شمار کیا ہے، جس طرح شیعہ کا یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ ''جس طرح ولایت کی منادی کی گئی ہے، اس طرح کسی چیز کی منادی نہیں کی گئی۔'' ان کی ایک دوسری حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔ اس میں سابقہ روایت کی عبارت بھی مذکور ہے اور یہ اضافہ بھی ہے کہ راوی کہتا ہے: ''میں نے کہا: اس میں کون سی چیز افضل ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا: ولایت افضل ہے۔''[1]

ایک تیسری روایت بھی پہلی روایت ہی کی طرح ہے، جس میں یہ اضافہ ہے:

''اس نے ان کو چار[2] فرائض میں سے کچھ اشیا کی رخصت دی، لیکن کسی مسلمان کو ہماری ولایت ترک کرنے کی رخصت نہ دی، نہیں، خدا کی قسم! اس میں کوئی رخصت نہیں۔''[3]

شیعہ نے اپنی روایات میں یہاں تک کہا ہے:

''نبی اکرم ﷺ کو آسمان کی طرف ایک صد بیس مرتبہ لے جایا گیا۔ ہر مرتبہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو ولایتِ علی اور ان کے بعد والے ائمہ کی ولایت کی وصیت فرائض کی وصیت سے زیادہ کی۔''[4]

''اس نے بندوں پر امامت کے اقرار سے بڑھ کر کسی چیز کی تاکید نہیں کی، لیکن بندوں نے بھی سب سے زیادہ اسی کا انکار کیا ہے۔''[5]

اس گمراہی کو شیعہ کے علما پھیلاتے اور اس کے ساتھ ہرزہ سرائی کرتے ہیں۔ شیعہ کا عصر حاضر کا ایک مرجع کہتا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو جو سب سے عظیم چیز دے کر مبعوث کیا ہے، وہ امامت کا حکم ہے۔''[6]

یہ ہے شیعہ کے نزدیک بارہ اماموں کا مرتبہ اور مقام۔ خدا معلوم اس مزعومہ مرتبے کی کوئی سند اور دلیل بھی

---

[1] المصدر السابق (٢/ ١٨) شیعہ علما کی صراحت کے مطابق یہ حدیث صحیح سند والی ہے۔ دیکھیں: الشافي (٥/ ٥٩) یہ حدیث مندرجہ ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے: تفسیر العیاشي (١/ ١٩١) البرهان (١/ ٣٠٣) بحار الأنوار (١/ ٣٩٤)

[2] مجلسی کہتا ہے کہ چار اشیا میں رخصت سے مراد سفر میں نماز قصر کرنا، بیماری اور سفر میں روزہ چھوڑ دینا اور طاقت نہ ہونے پر حج اور زکات ادا نہ کرنا ہے۔ (مرآة العقول (٤/ ٣٦٩)

[3] أصول الکافي (٢/ ٢٢) مجلسی نے کہا ہے: "حدیث صحیح" یعنی شیعہ کے اصول کے مطابق یہ روایت صحیح ہے۔ (مرآة العقول: ٤/ ٣٦٩)

[4] ابن بابویہ: الخصال (ص: ٦٠٠۔ ٦٠١) بحار الأنوار (٢٣/ ٦٩)

[5] الحمیری: قرب الإسناد (ص: ١٢٣) بحار الأنوار (٢٣/ ٦٩)

[6] هادي الطهراني: ودایع النبوة (ص: ١١٥) نیز دیکھیں: محمد حسین آل کاشف الغطا: رسالة عین المیزان (ص: ٤)

ہے کہ نہیں؟ قرآنِ کریم اسلام کی کتابِ عظیم بار بار ارکانِ اسلام ذکر کرتی ہے اور تاکید کے ساتھ ذکر کرتی ہے کہ وہ شہادتین، نماز، روزہ، زکات اور حج ہیں، لیکن اس میں شیعہ کے ائمہ کی ولایت کے متعلق کچھ بھی مذکور نہیں۔

نظریہ امامت کی راز داری:

شیعہ کے مفہوم میں امامت کا مسئلہ اس حقیقت کو بے نقاب کرتا ہے کہ اسلامی خلافت کے ارکان کو زمین بوس کرنے کے لیے ایک خفیہ نیٹ ورک قائم کیا گیا، جس نے اس مقصد کے لیے اپنے کارکنان کے لیے یہ عقیدہ اور نظریہ وضع کیا، اس لیے جونہی خلافتِ راشدہ کے عہد سعید میں اس کے چہرے سے نقاب اترا تو امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف بڑا سخت گیر مگر حکیمانہ موقف اپنایا۔ چناں چہ انھوں نے ابن سبا کا تعاقب کیا، اس کو مدائن کی طرف جلا وطن کیا اور اسلامی معاشرے میں اس نے جو افکار پھیلانے کوشش کی، انھوں نے ان کی تردید کی۔خود شیعہ کی کتابوں کو بھی اس کا اعتراف ہے۔[1] لیکن بعد میں یہ جماعت (ابن سبا کے پیروکار) لوٹ آئی اور انھوں نے انتہائی راز دارانہ انداز میں اس نظریے کا پرچار شروع کر دیا۔

یہ گروہ علی رضا کے زمانے میں کہا کرتا تھا، جس طرح ان کی طرف یہ روایت منسوب کرنے سے ظاہر ہوتا ہے:

> ''اللہ تعالیٰ نے اپنی ولایت کو راز دارانہ طریقے سے جبرائیل کے سپرد کیا، جبرائیل نے اس کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کان میں ڈال دیا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے وہ خفیہ خفیہ علی کو دے دی اور علی نے اس کو جس کو اللہ نے چاہا، دے دیا، پھر تم اس کو پھیلاتے ہو۔کون ہے وہ جس نے کسی حرف کو سنا تو اس کو روک لیا......؟''[2]

ابو جعفر نے کہا: آلِ داود کی حکمت و دانائی کی باتوں میں سے ایک یہ حکمت ہے:

> ''مسلمان کو اپنے نفس کا مالک ہونا چاہیے، ذات کی اصلاح پر توجہ رکھنی چاہیے، اپنے اہلِ زمانہ کی معرفت ہونی چاہیے، لہٰذا اللہ سے ڈرو اور ہماری بات نہ پھیلاؤ۔''[3]

یہ روایت اشارہ دیتی ہے کہ ولایت اصلاً تنزیل الٰہی میں اسرار اور خفیہ امور میں داخل ہے اور اس کے بارے میں اظہارِ خیال سے خبردار کیا گیا ہے۔یعنی اسلام کے ترقی یافتہ عہد زریں میں ولایت اور اس کے

---

[1] دیکھیں: القمي: المقالات والفرق (ص: ۲۰) النوبختي: فرق الشيعة (ص: ۲۲۔ ۲۳) اور "رجال الكشي" (ص: ۱۰۷) میں مذکور ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے ابن سبا کو قتل کر دیا تھا۔

[2] یعنی ایسا کوئی نہیں۔(المازندراني: شرح جامع: ۹/ ۱۲۳)

[3] أصول الكافي (۲/ ۲۲٤)

معاملے کے متعلق کسی آواز کی شنوائی نہیں...شارح کافی اس کی یہ علت بیان کرتا ہے:

''جب ان کے زمانے میں تقیہ شدت اختیار کر گیا تو انھوں نے اپنے شیعہ کو اپنے اسرار، امامت، احادیث اور ان کے مذہب کے خصوصی احکام سب کچھ چھپانے کا حکم دے دیا۔''[1]

کلینی کی اس حدیث: ''ہمارا راز افشا نہ کرو نہ ہمارا معاملہ نشر کرو۔''[2] کی شرح میں شارح کافی کہتا ہے:

''یہ امامت اور خلافت کا معاملہ ہے۔''[3] ایک دوسری حدیث میں ہے، جس کو وہ جعفر کی طرف منسوب کرتے ہیں:

''ہماری بات نشر کرنے والا اس کا انکار کرنے والے کی طرح ہے۔''[4]

اس کے متعلق شارح کافی کہتا ہے:

''جان لو! ان کو دشمنانِ دین سے اپنی اور شیعہ کی جان کا خوف تھا۔ وہ ان کی وجہ سے شدید تقیے کی کیفیت میں تھے، اس لیے انھوں نے اپنی امامت یا اپنے آبا کی امامت پر دلالت کرنے والی خبر کو پھیلانے سے منع کر دیا۔''[5]

ان کے درمیان راز داری قائم رکھنے کے لیے ایک دائمی میثاق تھا، انھوں نے کہا ہے:

''ہمارا معاملہ مخفی اور میثاق کے نقاب میں محفوظ ہے۔[6] جس نے ہمارا پردہ چاک کیا، اللہ اس کو ذلیل کرے گا۔''[7]

شیعہ کی بعض روایات ولایت کے راز کے افشا کے آغاز کی تعیین میں ذکر کرتی ہیں کہ یہ کام کیسانیہ فرقے کے ہاتھوں ہوا۔ ایک روایت میں ہے:

''ہمارا راز چھپا ہوا تھا کہ یہ کیسان[8] کی اولاد کے ہاتھ لگا تو انھوں نے اس کو گلی بازار اور مضافات

---

[1] المازندراني: شرح جامع (٩/ ١١٨)

[2] أصول الكافي (٢/ ٢٢٢)

[3] المازندراني: شرح جامع (٩/ ١١٩)

[4] أصول الكافي (٢/ ٢٢٤)

[5] شرح جامع (١٠/ ٢٦)

[6] کافی کے محقق نے یہاں حاشیے میں کہا ہے کہ میثاق سے مراد وہ عہد ہے، جو اللہ اور اس کے رسول نے ائمہ علیہم السلام سے لیا تھا کہ اس معاملے کو دوسروں سے چھپا کر رکھیں۔ (أصول الكافي: ٢/ ٢٢٧، حاشيه: ١)

[7] أصول الكافي (٢/ ٢٢٧)

[8] کیسان: مختار بن ابی عبید کا لقب ہے، جس کی طرف کیسانی فرقہ منسوب ہے۔ شرح جامع على الكافي (٩/ ١٢١۔ ١٢٢)

کوفہ و بصرہ کی بستیوں میں موضوعِ سخن بنا دیا۔‘‘[1]

یہ جماعت جس نے سبائی منہج کے مطابق ولایت کے بنیادی تانے بانے بنے، یہ اپنے پیروکاروں کو یہ نصیحت کرنا قطعاً نہیں بھولی کہ وہ لوگوں کے درمیان اپنے افکار پھیلانے کے لیے متعدل شیعہ رجحان کا لبادہ پہنے رکھیں۔ اصولِ کافی میں مذکور ہے:

’’اپنی زبانیں روکے رکھو اور اپنے گھروں میں دبکے رہو، تو تمھیں مخالفین سے قطعاً کوئی ضرر نہیں کہ پہنچے گا اور تمھارا معاملہ تمھی تک مخصوص رہے گا اور زیدیہ تمھارے لیے ہمیشہ ڈھال رہیں گے۔‘‘[2]

اس میں اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ زیدیہ کو طلبِ ولایت کے اظہار کی پاداش میں موردِ الزام ٹھہرایا جائے گا اور ان کی پکڑ دھکڑ ہوگی اور تم تقیے کو اپنائے رکھنے کی بنا پر بچ جاؤ گے، جس طرح شارح کافی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔[3] اگر ولایت، نبوت کی ہم جولی یا اس سے بھی بڑھ کر اہمیت رکھتی ہے تو پھر یہ خفیہ اور راز داری میں کیوں لپٹی ہوئی ہے؟ حتی کہ رسول کریم ﷺ بھی، جن کو اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ ان پر جو نازل ہوا ہے اس کی تبلیغ کریں، اس کو چھپا رہے ہیں اور بڑے راز دارانہ انداز میں اسے علی کے سپرد کر رہے ہیں، پھر علی جس کو چاہیں اس کے سپرد کر دیں۔ یہ روایت ان اشخاص کی تعیین بھی نہیں کرتی، جن کو حضرت علی نے رازِ امامت سپرد کیا اور معاملہ ان کی مرضی پر چھوڑ رہی ہے کہ وہ جس کو چاہیں منتخب کر لیں، لیکن حضرت علی کے علاوہ کسی کے پاس اختیار نہیں! اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ ولایت جو شیعہ کے نزدیک نجات کا قانون، قبولیتِ اعمال کی بنیاد اور کفر و ایمان کے درمیان فیصل قاطع ہے، اتنی دیر خفیہ کیوں رہی کہ اس کو کیسان کی اولاد نے پھیلانے کی ذمے داری سنبھالی...! پھر وہ اس کام کو اس اصل حکم سے خروج قرار دیتے ہیں، جس کا انھیں حکم دیا گیا تھا!

یہ تمام عبارات اور روایات اس حقیقت پر دلالت کرتی ہیں کہ اس نظریے کے خالق امت کے دشمن ہیں، انھوں نے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اس مسئلے کو استعمال کیا، پھر بڑی مشاقی سے اس کو راز داری اور پوشیدگی کی فضا میں گھیر کر آلِ بیت کی طرف منسوب کر دیا، تاکہ وہ ان لوگوں کے دلوں میں جگہ بنا سکیں، جن کو بعض علمائے آلِ بیت کے ساتھ پیش آنے والے المناک حادثات نے دکھی کر دیا، جن کا ایک اہم سبب تشیع کے لبادے میں چھپے بیٹھے یہ کینہ پرور گروہ بھی تھے۔

---

[1] أصول الكافي (٢/ ٢٢٣)

[2] أصول الكافي (٢/ ٢٢٥)

[3] شرح جامع (٩/ ١٢٦)

ائمہ کو ایک متعین تعداد میں محصور کر دینا:

ابن سبا وصیتِ امامت کو حضرت علی تک محدود رکھتا تھا، لیکن اس کے بعد ایسے لوگ آئے، جنھوں نے اس کو حضرت علی کی اولاد کے کئی افراد تک وسعت دے دی۔ شیعہ جماعتیں اور نیٹ ورکس بڑی رازداری اور مکمل خاموشی کے ساتھ اپنے کام میں لگے ہوئے تھے، اس کے باوجود جب ان کے یہ کچھ دعوے آلِ بیت کے چند افراد تک پہنچ جاتے تو وہ اپنے جد امجد حضرت علی کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے بڑی شدت کے ساتھ ان کی تردید کرتے، چناں چہ ان کذابوں نے اہلِ بیت کی نسبت عقیدہ تقیہ اختراع کر لیا، تاکہ وہ بڑی آسانی کے ساتھ اپنے افکار پھیلا سکیں اور ان کو پیروانِ مذہب کا اہلِ بیت کے سچے اور سرعام پیش کردہ افکار سے متاثرہ ہونے کا کوئی خدشہ نہ ہو۔

شیعہ کی ایک اہم کتاب "رجال الكشي" میں یہ روایت ذکر ہوئی ہے، جو یہ انکشاف کرتی ہے کہ شیطان الطاق[1] وہ شخص تھا، جس نے یہ قول مشہور کرنا شروع کر دیا کہ امامت آلِ بیت کے مخصوص افراد میں منحصر ہے۔ جب زید بن علی کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے اس افواہ کی حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے اس کے پاس پیغام بھیجا۔ انھوں نے اس سے کہا: مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ تم یہ خیال کرتے ہوئے کہ آلِ محمد میں ایک امام ہے، جس کی اطاعت فرض کی گئی ہے؟ شیطان الطاق نے جواب دیا: ہاں، اور تمھارا باپ علی بن حسین ان میں ایک تھا، تو انھوں نے کہا: یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ اس کے پاس روٹی کا ایک گرم لقمہ لایا جاتا، وہ اس کو اپنے ہاتھ سے ٹھنڈا کرتا اور میرے منہ میں ڈالتا۔ تمھارا کیا خیال ہے کہ وہ جو میرے لیے روٹی کا گرم ٹکڑا برداشت نہیں کرتا تھا، میرے لیے جہنم کی گرمی برداشت کرتا؟!

شیطان الطاق نے کہا: میں نے ان سے کہا: اس نے یہ بات اس خوف کے پیشِ نظر تجھ کو بتانے سے گریز کیا کہ کہیں تم انکار کر کے کفر کا ارتکاب نہ کر لو اور اس کے پاس تمھاری شفاعت کا اختیار بھی نہ رہے اور تجھے جنت میں داخل کرنے کی اللہ کی بھی مشیت نہ رہے۔"[2]

کلینی کی کتاب کافی کی ایک روایت میں ہے:

"زید بن علی نے ابوجعفر سے کہا: اے ابوجعفر! میں اپنے باپ کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھتا تو وہ مجھ

---

[1] شیعہ اس کو "مومن طاق" کا لقب دیتے ہیں۔ (دیکھیں: رجال الكشي: ص: ١٨٥) اس کے حالات کے لیے اسی کتاب کا صفحہ نمبر (٢٣٣) دیکھیں۔

[2] رجال الكشي (ص: ١٨٧)

کو گھی والا ٹکڑا کھلاتے اور مجھ پر شفقت کرتے ہوئے گرم لقمہ ٹھنڈا کر کے دیتے، لیکن انھوں نے مجھ پر جہنم کی گرمی سے ترس نہیں کھایا، کیوں کہ انھوں نے تجھ کو دین کے بارے میں بتا دیا اور مجھے نہیں بتایا؟ تو شیطان الطاق نے ان کو جواب دیا: میری جان آپ پر فدا ہو! انھوں نے آپ پر جہنم کی گرمی سے ترس کھا کر ہی آپ کو یہ نہیں بتایا، ان کو یہ خوف محسوس ہوا کہ اگر آپ نے اس کو قبول نہ کیا تو دوزخ میں داخل ہو جائیں گے اور انھوں نے مجھے بتا دیا، اگر میں قبول کر لوں تو نجات پا جاؤں گا اور اگر قبول نہ کروں تو انھیں اس کی کوئی پروا نہیں کہ میں جہنم میں داخل ہو جاؤں۔'' [1]

استاذ محبّ الدین خطیب اس عبارت کو "تنقيح المقال للممقاني" [2] سے نقل کرتے ہیں اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ شیطان الطاق ہی وہ پہلا شخص ہے، جس نے یہ گمراہ کن عقیدہ ایجاد کیا، امامت اور تشریع کو محصور و محدود کر دیا اور آلِ بیت میں سے مخصوص افراد کے لیے عصمت کا دعویٰ کر دیا۔ [3]

اسی طرح محبّ الدین خطیب نے مختصر تحفہ اثنا عشریہ پر اپنی تعلیق میں بھی ''تنقیح المقال'' سے یہی روایت نقل کی ہے اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے:

''اس طرح شیطان الطاق نے امامت کا یہ جھوٹ اختراع کیا، جو شیعہ کے ہاں دین کے اصول میں داخل ہو چکا ہے۔ اس نے امام زین العابدین علی بن حسین کو یہ الزام دیا کہ انھوں نے دین کی اساس کو چھپا دیا، حتی کہ اپنے بیٹے سے بھی جو آلِ محمد کے چنیدہ افراد میں تھے۔

اسی طرح اس نے امام زید پر یہ تہمت لگائی ہے کہ وہ اپنے باپ کی امامت پر ایمان لانے کی قابلیت میں خسیس ترین شیعہ کے درجے پر بھی نہیں۔ شیعہ خود اس روایت کو اپنے معتبر ترین مصادر میں روایت کرتے ہیں اور اس میں یہ اعلان و اظہار کرتے ہیں کہ شیطان الطاق بڑی ڈھٹائی سے یہ خیال پیش کرتا ہے کہ وہ امام زید کے والد کے بارے میں ان کے دین کی اصل کے متعلق وہ کچھ جانتا ہے، جو امام زید بھی اپنے والد کے متعلق نہیں جانتے۔ شیطان الطاق کے بارے میں یہ سب بہت زیادہ نہیں۔ اس سے جاحظ نے نقل کیا ہے کہ اس نے امامت کے بارے میں اپنی کتاب میں یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ نہیں کہا:

---

[1] أصول الكافي (١/ ١٧٤)

[2] دیکھیں: تنقيح المقال (١/ ٤٧٠)

[3] مجلة الفتح (ص: ٥) العدد (٨٦٢) خاتمة العام الثامن عشر، ذوالحجة ١٣٦٧هـ

﴿ ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾ [التوبة:٤٠]

''جب کہ وہ دو میں دوسرا تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے۔''[1]

شیعہ کی کتابیں ذکر کرتی ہیں کہ شیطان الطاق جو امامت کے متعلق باتیں اور بحث مباحثہ کرتا تھا اس کی جعفر کو خبر پہنچی تو انھوں نے کہا:

''اگر اس کے مخالفین میں سے کوئی ظریف اور بذلہ سنج اس کے ساتھ بحث کرنا چاہے تو وہ کر سکتا ہے، راوی کہتا ہے: میں نے پوچھا: وہ کس طرح؟ تو انھوں نے کہا کہ وہ اس سے کہے: تم یہ جو بات کر رہے ہو، اس کے بارے میں اپنے امام کا کلام پیش کرو۔ اگر اس نے کہا کہ ٹھیک ہے، میں پیش کرتا ہوں تو وہ جھوٹ بولے گا اور اگر وہ کہے: نہیں، تو پھر حریف اس سے کہے گا: تم وہ بات کس طرح کہہ رہے ہو جو تمھارے امام نے کہی ہی نہیں؟ پھر جعفر صادق نے کہا: یہ ایسی باتیں کرتے ہیں، اگر میں ان کا اقرار کرلوں اور ان کو پسند کروں، تو میں گمراہی پر قائم ہو جاؤں گا اور اگر ان سے براءت کا اظہار کروں تو یہ مجھ پر گراں گزرے گا، ہم تھوڑے ہیں اور ہمارے دشمن زیادہ۔

''راوی کہتا ہے: میں آپ پر قربان ہو جاؤں! کیا میں آپ کی بات اس تک پہنچا دوں؟ انھوں نے کہا: بات یہ ہے کہ وہ ایسے معاملے میں داخل ہو چکے ہیں کہ ان کو اس سے رجوع کرنے میں حمیت اور تعصب مانع ہے۔ راوی کہتا ہے: میں نے یہ بات ابوجعفر احول تک پہنچائی تو اس نے جواب دیا: خدا کی قسم! مجھے اس سے رجوع کرنے میں حمیت کے علاوہ اور کوئی چیز مانع نہیں۔''[2]

شیطان الطاق کے ساتھ ہشام بن حکم (المتوفی ۱۷۹ھ) نامی ایک شخص بھی اس امر میں شریک ہے، جس کا تعارف گزر چکا ہے۔ بلکہ قاضی عبدالجبار ہمدانی کی تو یہ رائے ہے کہ اسی شخص نے وصیت کا دعویٰ کیا تھا اور لوگوں کی حضرت ابوبکر وعمر، عثمان اور مہاجرین و انصار پر سب وشتم کرنے کے لیے ہمت بڑھائی۔ ہشام بن حکم ہی نے اس کا آغاز کیا اور اس کی ایجاد کی۔ اس سے پہلے کسی نے بھی اس وصیت اور نص کا دعویٰ نہیں کیا۔[3]

---

[1] دیکھیں: مختصر التحفة الاثنی عشریة (ص: ۱۹۵۔ ۱۹۶، حاشیہ) جاحظ کی شیطان طاق سے نقل کردہ یہ بات گذشتہ صفحات (۲۳۲) میں گزر چکی ہے۔

[2] رجال الکشي (ص: ۱۹۰۔ ۱۹۱)

[3] تثبیت دلائل النبوة (۱/ ۲۲۵) شاید قاضی صاحب کی وصیت سے مراد اہلِ بیت کے مخصوص افراد و اشخاص کی تعیین ہے، کیوں کہ صرف حضرت علی کے بارے میں نص اور تعیین کا دعویٰ تو اس سے پہلے ابن سبا نے کر دیا تھا۔

"رجال الکشي" کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہشام بن حکم کی مسئلۂ امامت کے لیے سازش کی خبر ہارون الرشید تک پہنچی تھی، کیوں کہ ان سے یحییٰ برمکی نے کہا تھا:

''امیر المومنین! میں نے ہشام کے معاملے کی چھان پھٹک کی ہے، اس کا یہ دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس کی زمین میں آپ کے علاوہ بھی کوئی امام ہے، جس کی اطاعت فرض ہے۔ انھوں نے کہا: سبحان اللہ! اس نے کہا: ہاں! بلکہ اس کا یہ زعم ہے کہ اگر وہ اس کو خروج کا حکم دے گا تو وہ خروج کرے۔''[1]

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہارون الرشید یہ بات سن کو چونک گیا، جو اس کے نئے شۓ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ ہشام بن حکم نے یہ بات بھی پھیلا دی کہ امامت کے بارے میں وہ جو کچھ کہتا ہے، وہ موسیٰ کاظم کے حکم سے کہتا ہے۔ اس نے ان کو یہ الزام دے کر ان کے ساتھ بہت زیادہ برا کیا اور اس پاداش میں خلیفہ مہدی نے ان کو قید میں ڈال دیا، پھر نکال دیا اور ان سے یہ وعدہ لیا کہ وہ اس پر خروج کریں گے نہ اس کی اولاد ہی میں سے کسی کے خلاف بغاوت کریں گے تو انھوں نے جواب دیا:

''خدا کی قسم! یہ میری شان ہے نہ میرے دل میں اس کا کوئی خیال ہی پیدا ہوا ہے۔''[2]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ موسیٰ کاظم رحمہ اللہ پر بادشاہت پر نظر لگائے بیٹھنے کا الزام تھا، اس لیے ان کو پہلے مہدی پھر ہارون الرشید نے قید میں ڈال دیا تھا۔[3] بہ ظاہر یہی لگتا ہے کہ ان کے خلاف خفیہ طور پر اس افواہ کو پھیلانے والا یہی ہشام بن حکم اور اس کے جال میں آئے ہوئے لوگ تھے۔ لہٰذا شیعہ کی روایات یہ اقرار کرتی ہیں کہ موسیٰ کی قید کا سبب ہشام بن حکم تھا، جو امامت اور اس کے استحقاق کے متعلق ان کی طرف سے باتیں بنا کر پیش کرتا، اس لیے جب ہارون کو ہشام کے بارے میں ایسی باتوں کا علم ہوا تو اس نے اپنے عامل سے کہا: اس کو اور اس کے ساتھیوں پر اپنی گرفت مضبوط رکھنا، پھر اس نے ابو الحسن موسیٰ کی طرف کسی کو بھیج کر گرفتار کیا اور قید میں ڈال دیا، چنانچہ ان کے دیل کی سلاخوں کے پیچھے جانے کے اسباب میں سے ایک یہ سبب بھی تھا۔''[4]

---

[1] رجال الکشي (ص: ۲۵۸)

[2] ابن کثیر: البدایة والنهایة (۱۰/ ۱۸۳)

[3] منهاج السنة (۲/ ۱۵۵)

[4] رجال الکشي (ص: ۲٦۲)

بلکہ شیعہ روایات وعبارات نے ہشام کو موسیٰ کاظم کے قتل میں شراکت کا مورد الزام ٹھہرایا ہے،[1] چناں چہ روایت کہتی ہے: ''ہشام بن حکم گمراہ اور گمراہ کن ہے، یہ ابوالحسن کو قتل کرنے میں شریک تھا۔''[2]

ابوالحسن نے اس سے التماس کی، جس طرح ان کی روایات کہتی ہیں کہ وہ ایسے کلام سے رک جائے، وہ ایک مہینا خاموش رہا، پھر اپنی پرانی روش پر چل نکلا تو اس سے ابوالحسن نے کہا:

''کیا تم کسی مسلمان آدمی کے خون بہانے میں شریک ہونے سے خوش ہوگئے؟ اس نے کہا: نہیں، تو انھوں نے کہا: پھر تم میرے خون میں کس طرح شریک بننا پسند کرو گے؟ اگر تم خاموش رہے تو صحیح، وگرنہ (میرا) ذبح ہونا مقدر ہوگا۔ لیکن وہ خاموش نہ ہوا، حتی کہ وہ اپنے انجام تک پہنچ گئے۔''[3]

اس لیے ابوالحسن رضا نے کہا، جس طرح شیعہ کتب روایت کرتی ہیں:

''ہشام بن حکم ہی وہ شخص ہے، جس نے ابوالحسن کے ساتھ وہ کیا جو کیا، اسی نے ان کو بتایا اور ان کی خبر دی۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ اللہ اس کو معاف کر دے گا، جو اس نے ہمارے ساتھ بدسلوکی کی ہے؟''[4]

شیعہ کتب یہ انکشاف بھی کرتی ہیں کہ ہشام نے بعض زنادقہ کی گود میں تربیت پائی۔ رجال الکشی میں ہے: ''ہشام ابوشاکر کے لونڈوں میں سے ہے اور ابوشاکر زندیق ہے۔''[5]

ان ساری باتوں کے باوجود شیعہ کا عصر حاضر کا ایک آیت اللہ ان تمام مصائب کے ذمے دار، جن کو شیعہ کی ثقہ ترین کتبِ رجال نے نقل کیا ہے، اس ہشام کے بارے میں کہتا ہے:

''ہمارے اسلاف میں سے کسی کو کوئی ایسی چیز نہیں ملی، جو حریف نے اس کی طرف منسوب کی ہے ...''[6]

خدا معلوم، حقیقت میں یہ بات اس سے مخفی رہی ہے یا وہ تقیے کی ڈھال میں اس کا انکار کر رہا ہے؟ کیوں کہ وہ سمجھتا ہے کہ لوگوں کو شاید اس کا علم نہیں، جو ان کی کتابوں میں موجود ہے، چنانچہ ہشام بن حکم، شیطان الطاق اور ان دونوں کے پیروکار ہی وہ لوگ ہیں، جنھوں نے امیر المومنین حضرت علی کے متعلق ابن سبا کے

---

[1] کیوں کہ شیعہ کا دعویٰ ہے کہ انھیں ہارون کی جیل میں زہر خورانی کے ذریعے قتل کیا گیا تھا۔

[2] رجال الكشي (ص: ٢٦٨)

[3] المصدر السابق (ص: ٢٧٠۔ ٢٧١، ٢٧٩)

[4] رجال الكشي (ص: ٢٧٨)

[5] المصدر السابق (ص: ٢٧٨) ابوشاکر دیصانی، فرقہ دیصانیہ کا سربراہ ہے، اس کا تعارف گذشتہ صفحات (۲۳۱) میں گزر چکا ہے۔ اسی نے ہشام بن حکم کو گمراہ کرنے میں بھرپور کردار ادا کیا تھا۔ دیکھیں: الرافعي: تحت راية القرآن (ص: ٢١٣)

[6] عبد الحسين الموسوي: المراجعات (ص: ٣١٣)

نظریے کو زندہ کیا، پھر اس کو آلِ بیت کی نسل سے دوسروں تک پھیلا دیا اور اہلِ بیت کو جن بعض حادثات کا سامنا کرنا پڑا، جیسے، علی و حسین رضی اللہ عنہما کی شہادت، ان کو انھوں نے لوگوں کے جذبات و احساسات کو انگیخت کرنے اور ان کے ساتھ کھیلنے کے لیے استعمال کیا اور سلطنت اسلامی کے خلاف اپنے اغراض و مقاصد کے حصول کے لیے اس پردے کے سائے میں لوگوں کے دلوں میں جگہ بنائی۔[1] چناں چہ معلوم ہوتا ہے کہ ہشام اور شیطان کے پیروکاروں کے ہاتھوں، امامت کو مخصوص افراد میں محصور کرنے کا عقیدہ، کوفہ میں سرایت کر گیا۔

اسلامی معاشرے میں جن لوگوں کے سامنے یہ عقیدہ پیش کیا گیا، ان میں سے چند افراد جعفر کے پاس اس کی حقیقت دریافت کرنے کے لیے حاضر ہوئے۔ الکشی اپنی سند کے ساتھ سعید اعرج سے روایت کرتا ہے کہ وہ کہتا ہے:

''ہم ابو عبداللہ کے پاس بیٹھے تھے کہ دو آدمی اجازت لے کر حاضر ہوئے، ایک نے کہا: کیا تم میں وہ امام ہے، جس کی اطاعت فرض کی گئی ہے؟

''انھوں نے کہا: میں اپنے خاندان میں کسی ایسے کو نہیں جانتا۔ اس نے کہا: کوفہ میں کچھ لوگ ہیں، جن کا یہ دعویٰ ہے کہ تم میں ایک امام ہے، جس کی اطاعت فرض کی گئی ہے۔ وہ جھوٹ نہیں بولتے، وہ بڑی متقی اور عبادت گزار ہیں، ان میں ایک عبداللہ بن یعفور اور فلاں، فلاں ہیں۔ ابو عبداللہ نے کہا: میں نے نہ ان کو اس کا حکم دیا ہے، نہ یہ کہا ہے کہ وہ یہ بات کہیں۔''[2]

اس نے کہا: میرا کیا گناہ ہے؟ پھر ان کا چہرہ غصے سے لال بھبوکا سا ہو گیا۔ راوی کہتا ہے: جب انھوں نے ان کے چہرے پر غصے کے آثار دیکھے تو چلتے بنے۔ انھوں نے کہا: کیا تم ان دونوں آدمیوں کو جانتے ہو؟ ہم نے کہا: ہاں، یہ دونوں زیدیہ ہیں۔''[3]

معلوم ہوا کہ اہلِ بیت کے ساتھ تعلق خاطر رکھنے کا دعویٰ کرنے والے شیطان الطاق اور ہشام بن حکم جیسے افراد کے ہاتھوں دوسری صدی میں ائمہ کو مخصوص تعداد میں محصور کرنے کے نظریے کے بیج بوئے گئے تھے۔ ائمہ کی تعداد کے بارے میں بھی شیعہ کے مذاہب اور رجحانات میں اختلاف اور تضاد پایا جاتا ہے۔ مختصر تحفہ اثنا عشریہ میں ہے:

---

[1] دیکھیں: بحار الأنوار (۱۰۰/ ۲۵۹)

[2] اس عبارت میں بین السطور یہ باور کروایا جا رہا ہے کہ جعفر کا انکار تقیے کی بنا پر تھا!!

[3] رجال الكشي (ص: ٤٢٧)

''جان لو! امامیہ ائمہ کو مخصوص افراد میں منحصر کرنے کے قائل ہیں، لیکن ان کا ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ بعض پانچ کہتے ہیں، بعض سات، بعض آٹھ، بعض بارہ اور کچھ تیرہ۔''[1]

شیعہ کے اس باب میں لا تعداد اقوال ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر میں کتبِ فرق سے ان کے اس مسئلے میں رجحانات اور افکار نقل کرنا شروع کر دوں تو ان کے ایک ہی ڈھنگ کے کثرتِ اختلاف کی وجہ سے قاری پڑھتے پڑھتے اکتا جائے گا اور مطالعہ چھوڑ دے گا، کیوں کہ اہلِ بیت کے ہر امام کی وفات کے بعد کئی فرقے جنم لے لیتے ہیں، کچھ اسی پر توقف کرتے ہیں اور ائمہ کی تعداد اسی پر ختم کرتے ہیں اور کچھ امام بنانے کے لیے آلِ بیت میں سے کوئی دوسرا آدمی تلاش کر لیتے ہیں، اس کو ذریعہ آمدن بناتے ہیں، اپنے دل میں خوابیدہ سابقہ قومی، دینی یا نسل پرستی پر مبنی خواہشات کی تکمیل کرتے ہیں یا پھر اس کے پردے میں اپنے مقاصد اور نفرتوں کو رو بہ عمل لاتے ہیں۔

قاری کو ان تمام باتوں سے آگاہ ہونے کے لیے کتبِ فرق کا مطالعہ ہی کافی ہے، بلکہ خود شیعہ کی کتبِ فرق نے بھی اس تباین اور تضاد کی تصویر کشی کی ہے، چاہے اسماعیلیہ کی کتابوں سے ہوں، جیسے ناشی اکبر کی ''مسائل الإمامة'' یا ابو حاتم رازی کی ''الزينة'' یا اثنا عشریہ کی کتابوں سے ہوں، جیسے: اشعری قمی کی ''المقالات والفرق''، نوبختی کی ''فرق الشيعة''، یا زیدیہ کی کتابوں سے ہوں، جیسے مرتضٰی کی ''المنية'' اور ''الأمل'' ہیں۔

شیعہ کے نزدیک مسئلہ امامت کوئی فرعی مسئلہ نہیں کہ جس میں اختلاف ایک عام نوعیت کی چیز ہو، بلکہ یہ ان کے دین کی اساس اور اس کی مضبوط بنیاد ہے، جو ان کے امام پر ایمان نہیں رکھتا، اس کا کوئی دین نہیں۔ اس لیے وہ ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے ہیں، بلکہ ایک ہی امام کے پیروکار ایک دوسرے پر کفر اور لعنت کی بوچھاڑ کرتے ہیں،[2] تاہم اثنا عشریہ کا قول بعد میں ائمہ کو بارہ کی تعداد میں محصور و محدود کرنے پر ایک ہو گیا ہے۔

امام ابن تیمیہ ذکر کرتے ہیں:

''نبی اکرم ﷺ کی عترت، بنی ہاشم میں سے کوئی بھی عہدِ رسالت اور ادوارِ خلافت راشدہ میں بارہ کی امامت کا قائل نہیں تھا۔''[3]

---

[1] مختصر التحفة (ص: ١٩٣)

[2] اسی لیے وہ اس سے شکوہ کناں رہے ہیں۔ دیکھیں: رجال الكشي (ص: ٤٩٨۔ ٤٩٩) نیز دیکھیں: اسی کتاب کا صفحہ نمبر (٤٩٨، ٤٩٩)

[3] منهاج السنة (٢/ ١١١)

بلکہ بارہ اماموں کی امامت کا اعتقاد حسن عسکری کی وفات کے بعد معروف ہوا، جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے۔[1] آپ اثنا عشریہ کی کچھ روایات میں ائمہ کی تعداد کے بارے میں حیرت اور تردد کے آثار ملاحظہ کریں گے، جو اس حقیقت کی دلیل ہے کہ یہ روایات حسن عسکری کی وفات سے پہلے ہی وضع کر لی گئی تھیں اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے بارہ اماموں کی امامت کا عقیدہ معروف نہیں ہوا تھا، جن کی طرف اثنا عشریہ مذہب منسوب ہے یا بات یہ ہے کہ یہ روایات جعفریہ کے ہاں اس عقیدے کی تحدید سے پیشتر وضع کی گئیں، تاہم یہ روایات اثنا عشری رجحانِ فکر پر کی گئی واضح تنقید ہیں۔

کافی کی روایات میں ذکر ہوا ہے کہ حضرت علی جس کو چاہیں رازِ امامت اس کے سپرد کر دیتے ہیں۔[2] شارح کافی کہتا ہے: ''ائمہ معصومین میں سے جس کو چاہیں۔''[3]

یہ روایت تعداد کی تحدید کرتی ہے نہ کسی شخص کی تعیین ہی کرتی ہے، گویا جس دورانیے میں یہ روایت وضع کی گئی، اس وقت تک معاملہ ابھی غیر محکم تھا، جب کہ آپ کو ان کی ایسی روایات بھی ملیں گی، جو ائمہ کو سات قرار دیتی ہیں اور کہتی ہیں: ''ہمارا ساتواں ہمارا قائم ہوگا۔''[4]

اسماعیلیہ کا اس پر اتفاق اور ٹھہراؤ ہو چکا ہے، لیکن جب موسویہ یا قطعیہ کے نزدیک، جن کو اثنا عشریہ کا نام دیا گیا، ائمہ کی تعداد اس سے زیادہ ہوگئی، تو اس فرقے کے پیروکاروں کے دل میں یہ مذکورہ بالا روایت امامت کے عقیدے کے بارے میں مورد شک ہوگئی تو بانیانِ مذہب نے اس سے چھٹکارا پانے کی اپنی سی کوشش کی اور اس درج ذیل روایت سے ان کا شک دور کیا۔ داود رقی سے مروی ہے:

> ''میں نے ابوالحسن رضا رحمہ اللہ سے کہا: میں آپ پر فدا ہو جاؤں! خدا کی قسم! میرے دل میں آپ کے متعلق کوئی وسوسہ نہیں، مگر یہ ایک حدیث ہے، جس کو مَیں ذریح سے سنا ہے، وہ اس کو ابوجعفر سے روایت کرتا ہے۔ انھوں نے مجھ سے کہا: وہ کیا ہے؟ اس نے کہا: میں نے اس سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے: ہمارا ساتواں ۔ان شاء اللہ۔ ہمارا قائم ہوگا۔ اس نے کہا: تم نے بھی سچ کہا، ابو ذریح نے بھی اور ابوجعفر نے بھی۔ خدا کی قسم! میرا شک مزید بڑھ گیا، پھر انھوں نے کہا: اے داود بن ابو

---

[1] دیکھیں: (ص: ۱۲۲)

[2] اس روایت کا ذکر گذشتہ صفحات (۷۰۰) میں ہو چکا ہے۔

[3] المازندراني: شرح جامع (۹/ ۱۲۳)

[4] رجال الكشي (ص: ۳۷۳)

کلدہ! خدا کی قسم! اگر موسیٰ علیہ السلام نے عالم سے یہ نہ کہا ہوتا: ﴿سَتَجِدُنِيٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا﴾ (تم مجھے ان شاء اللہ صابر پاؤ گے) تو وہ اس سے کچھ سوال نہ کرتا، ایسے ہی اگر ابوجعفر نے بھی ''ان شاء اللہ'' نہ کہا ہوتا تو ایسا ہو جاتا، جس طرح اس نے کہا تھا۔ اس نے کہا: تو میں نے ان کی امامت کا اقرار کر لیا۔''[1]

گویا وہ لوگ اس کو بدا (ظہور علم الٰہی) اور مشیت الٰہی میں تبدیلی قرار دیتے ہیں اور یہ ان کا ایک عقیدہ ہے، جس کی تفصیل آیندہ صفحات میں آئے گی۔ کیوں کہ وہ اس میں ان جیسے اقوال سے گلوخلاصی پانے کے لیے ذریعہ پاتے ہیں۔ شیعہ کی سب سے پہلی منصۂ شہود پر ظاہر ہونے والی کتاب ''سلیم بن قیس'' یہ فیصلہ کرتی ہے کہ ائمہ کی تعداد تیرہ ہے اور یہی بات اثنا عشریہ علما کے ہاں اس کتاب پر تنقید کا باعث بنی۔

اسی طرح آپ دیکھتے ہیں کہ کافی، جو ان کے چار معتبر کتابوں میں صحیح ترین ہے، بہت ساری ایسی روایات پر مشتمل ہے، جو یہ ذکر کرتی ہیں کہ ائمہ تیرہ ہیں۔ کلینی نے اپنی سند کے ساتھ ابوجعفر سے روایات کیا کہ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں اور میری اولاد سے بارہ امام اور تم اے علی! زمین کا بٹن یعنی اس کی میخیں اور پہاڑ ہو۔ ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ نے زمین کو لوگوں کو دھنسانے سے باندھ دیا ہے۔ جب میری اولاد سے بارہ چلے جائیں گے تو زمین اپنے اہلیان سمیت دھنس جائے گی اور ان کو مہلت نہیں دی جائے گی۔''[2]

یہ روایت بتاتی ہے کہ حضرت علی کے علاوہ ان کے ائمہ ۱۲ ہیں اور علی کے ساتھ تیرہ ہو جاتے ہیں اور یہ بات ان کی بنیادیں اڑا دیتی ہے۔ اس لیے ظاہر ہوتا ہے کہ شیعہ کے عالم طوسی نے اپنی کتاب ''الغیبة'' میں، اس میں کچھ تصرف اور تبدیلی کر کے ان الفاظ کے ساتھ اس روایت کو ذکر کیا ہے: ''میں اور میری اولاد میں سے گیارہ۔''[3]

اسی طرح شیعہ کی کتابیں ابوجعفر عن جابر کی سند سے ذکر کرتی ہیں:

''انھوں نے کہا: میں حضرت فاطمہ کے پاس حاضر ہوا تو ان کے پاس ایک لوح تھی، جس میں ان کی اولاد میں سے اوصیا کے نام تھے۔ میں نے ان کو شمار کیا تو وہ بارہ تھے، آخری قائم تھا، تین ان میں محمد نامی اور تین ان میں علی نام کے تھے۔''[4]

---

[1] رجال الكشي (ص: ٣٧٣۔ ٣٧٤)

[2] أصول الكافي (١/ ٥٣٤)

[3] الطوسي: الغيبة (ص: ٩٢)

[4] أصول الكافي (١/ ٥٣٢) ابن بابويه: إكمال الدين (ص: ٢٦٤) المفيد: الإرشاد (ص: ٣٩٣) الطوسي: الغيبة (ص: ٩٢)

چنانچہ دیکھیے! انھوں نے کس طرح اپنے تمام بارہ اماموں کو حضرت فاطمہ کی اولاد میں سے خیال کیا ہے، لہٰذا حضرت علی ان میں نہیں، کیوں کہ وہ حضرت فاطمہ کے شوہر ہیں، اولاد نہیں، یا پھر مجموعی طور پر تیرہ امام ہوں گے۔ ان کا یہ کہنا کہ ''تین ان میں علی ہیں'' یہ بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انھوں نے حضرت علی کو اپنے ائمہ میں شمار نہیں کیا، کیوں کہ اثنا عشریہ کے ہاں علی نام کے یہ چار امام ہیں: ① امیر المومنین حضرت علی۔ ② علی بن حسین۔ ③ علی رضا۔ ④ علی الہادی۔

اس لیے یوں لگتا ہے کہ ابن بابویہ نے اپنی کتاب "الخصال" میں اس روایت کے الفاظ میں تبدیلی کی ہے، کیوں کہ اس نے یہ الفاظ ''ان کی اولاد میں سے'' ذکر نہیں کیے، لیکن وہ باقی عبارت کی طرف متوجہ نہیں ہوا، جو یہ ہے کہ ''ان میں سے تین علی ہیں'' اس کو اس نے اسی طرح ذکر کیا ہے، جس طرح وہ اثنا عشریہ کے دیگر مصادر میں مذکور ہے۔[1] لیکن اس نے اپنی کتاب "عیون أخبار الرضا" میں اس روایت کو اپنے مذہب وموقف کے موافق بنانے کے لیے دو جگہوں میں تبدیل کیا ہے، یا اس کے علاوہ کسی دوسرے نے یہ تبدیلی کی ہوگی۔[2]

پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ ان کے بعض علما نے محض اس وجہ سے کتابِ سلیم بن قیس کے موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے کہ اس میں یہ ذکر ہے کہ ائمہ کی تعداد تیرہ ہے، لیکن اس نے یہی حکم کافی پر نہیں لگایا، جس میں اس جیسی بات ہی مذکور ہے۔ اس طرح ان دیگر مصادر کو بھی اس نے معاف ہی رکھا ہے، جو اس اندازِ فکر میں اس کے ساتھ شریک ہیں!

یہ قول کہ ائمہ تیرہ ہیں، شیعہ کا ایک فرقہ اسی کا قائل ہے، یہ نصوص اور روایات شاید اسی کے اثرات ہیں۔ طوسی نے اثنا عشری زاویہ فکر کے، جس کی طرف وہ خود بھی منسوب ہے، مخالفین کی تردید کرتے ہوئے اس فرقے کا ذکر بھی کیا ہے۔[3] اسی طرح نجاشی نے ''ہبۃ اللہ احمد بن محمد''[4] کے ترجمے میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ہر فرقہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہی حق پر ہے، اس کے ائمہ کی تعیین کی روایت متواتر ہے اور یہ اپنے علاوہ دوسرے فرقوں کو باطل قرار دیتا ہے۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ کسی ٹھوس دلیل پر قائم نہیں، کیوں کہ اگر ایک

[1] دیکھیں: ابن بابويه: الخصال (ص: ٤٧٧۔ ٤٧٨)

[2] دیکھیں: ابن بابويه: عيون أخبار الرضا (٢/ ٥٢)

[3] الغيبة (ص: ١٣٧)

[4] اس نے ذکر کیا ہے کہ ہبت اللہ علم کلام حاصل کرتا اور ابو الحسن ابن شیبہ علوی زیدی المذہب کی مجلس میں حاضر ہوتا تھا۔ اس نے اس کے لیے ایک کتاب بھی تیار کی اور ذکر کیا کہ ائمہ زید بن علی بن حسین سمیت تیرہ ہیں اور کتاب سلیم بن قیس الہلالی میں مذکور اس حدیث سے استدلال کیا کہ ''امیر المومنین کی اولاد سے ائمہ ۱۲ ہیں۔'' (رجال النجاشي، ص: ٣٤٣)

فرقے کی خبر اور روایت بھی متواتر ہوتی تو ان کے درمیان قطعاً اختلاف رونما نہ ہوتا۔

یہ تمام مزاعم انھوں نے وقتی مصلحت کے پیشِ نظر تخلیق کیے اور اہلِ بیت کی طرف منسوب کر دیے ہیں۔ ہر گروہ اپنا امام نصب کر کے اس کی طرف بلاتا ہے، تاکہ اس ذریعے سے مزعومہ امام کے نام پر وہ اپنے پیروکاروں سے خمس، نذریں اور تحائف و ہدایا وصول کریں اور زندگی کے مزے لوٹیں۔ متاخرین نے بلا دلیل اوائل کی تقلید شروع کر دی اور گمراہی کے بھنور میں پھنس گئے:

﴿ اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ۝ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ﴾ [الصافات: ٦٩۔ ٧٠]

''بے شک انھوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایا۔ تو وہ انھی کے قدموں کے نشانوں پر دوڑائے چلے جاتے ہیں۔''[1]

ائمہ کو متعین تعداد میں منحصر کرنے پر نقد و تبصرہ:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ﴾ [النساء: ٥٩]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں۔''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اولو الامر کو ایک مخصوص تعداد میں محصور نہیں کیا اور یہ بات بالکل واضح اور روشن ہے۔ شیعہ کے نزدیک ائمہ کی تعیین وتنصیب کا معاملہ دین کے تمام امور میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، بلکہ وہ نبوت کی ہجولی یا اس سے بھی عظیم تر ہے۔ اگر یہ اتنا ہی اہم ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس کو کیوں بیان نہیں کیا اور ائمہ کے اسما و اعیان کا ذکر تک کیوں نہیں کیا؟

چناں چہ کتاب اللہ میں ان کے ائمہ کا کہیں ذکر ہے نہ ان کی تعیین میں کوئی صحیح اور متواتر روایت ہی مروی ہے۔ اگر کوئی ایسی دلیل موجود ہوتی تو شیعہ امام کی تعیین میں اتنی ٹھوکریں نہ کھاتے اور افتاں و خیزاں نہ رہتے۔

''نبی اکرم ﷺ نے مشہور اور ثابت شدہ احادیث میں والیانِ حکومت و ریاست کی کہیں معین تعداد مقرر نہیں کی۔ صحیح میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا:

''میرے خلیل (ﷺ) نے مجھے یہ وصیت کی کہ میں سمع و طاعت بجا لاؤں، خواہ وہ کوئی اعضا بریدہ

---

[1] مختصر التحفة (ص: ٢٠٠)

حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔"[1]

اس معنی و مفہوم کی کئی ایک احادیث ہیں۔[2] جہاں تک شیعہ کی کتابیں ہیں تو وہ ایسی روایت سے لبا لب بھری ہوئی ہیں، جو ائمہ کی بارہ میں تحدید کرتی ہیں، لیکن یہ بات یاد رہے کہ ان روایات کا خفیہ اور راز دارانہ تبادلہ ہوتا تھا اور ائمہ ان کے راویوں کی تکذیب کرتے تھے، جو ان کی صداقت پر شکوک کو جنم دیتی ہے، بالخصوص کتاب اللہ میں بھی، جس کی طرف ان کے ائمہ کی طرف منسوب اقوال میں بھی فیصلے کے وقت رجوع کا حکم دیا گیا ہے، ان روایات کا سوائے اس کے کوئی شاہد نہیں کہ اس کی باطنی تاویلات اور موضوع روایات کے ذریعے اس کی مفہوم سازی کی جائے۔

پھر آخر میں یہ موضوع روایات ہی شیعہ کا اہم سہارا رہ جاتی ہیں، جن کے جھوٹ ہونے پر تمام شواہد تاکیدی دلالت کرتے ہیں۔ ایسے ہی ان روایات کو جمع کرنے والے: صفار، ابراہیم قمی اور کلینی جیسے اوائل شیعہ، یہ وہ غالی لوگ تھے، جن کو اسلامی صفوف سے خارج سمجھنا ضروری ہے، کیوں کہ انھوں نے ہی قرآن کے ناقص اور تحریف کی خیالی کہانیاں اور تصوراتی افسانے نقل کیے ہیں، اس طرح یہ لوگ غیر دیانت دار اور ان کی کتابیں غیر معتبر ہیں۔

پھر "نہج البلاغة" جو شیعہ کی صحیح ترین کتاب ہے، اس میں بھی متعین شخصیات کے ساتھ بارہ اماموں کے نام مذکور نہیں، بلکہ اس میں تو ایسی بات منقول ہے جو جو ائمہ کی تعداد، متعین کرنے کے نظریے کے بخیے ادھیڑ دیتی ہے۔ صاحبِ "نہج البلاغة" کہتا ہے:

> "لوگوں کا امیر ہونا ضروری ہے، خواہ وہ نیک ہو یا بد ... جس کی معیت میں دشمن کے ساتھ لڑائی کی جائے، راستے پر امن ہو جائیں اور اس کے ذریعے طاقت ور سے کمزور کا حق لیا جائے، تاکہ نیک راحت پائے اور فاجر سے سکون ہو جائے۔"[1]

اس نے بھی ائمہ کی مخصوص تعداد متعین نہیں کی۔ شیعہ کہاں گھوم رہے ہیں، حالاں کہ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ "نہج البلاغة" کے ایک ایک حرف کو سچا مانتے ہیں؟ ایسے ہی اس مسئلے میں شیعہ فرقوں کے اقوال میں اختلاف اور ائمہ کی تعداد اور ان کے اعیان و ذوات میں ان کے مذاہب میں تباین و تضاد، اس دعوے کی قلعی

---

[1] منهاج السنة النبوية (٢/ ١٠٥) **مذکورہ بالا حدیث** (صحيح البخاري مع الفتح: كتاب الأذان، باب إمامة المفتون والمبتدع (٢/ ١٨٨) رقم الحديث (٦٩٦) (صحيح مسلم: كتاب الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية (٢/ ١٤٦٧، ١٤٦٨) رقم الحديث (١٨٣٧) میں ہے۔

[2] جن میں سے کئی ایک شیخ الاسلام نے ذکر کی ہیں۔ دیکھیں: منهاج السنة (٢/ ١٠٥۔ ١٠٦)

[3] نهج البلاغة (ص: ٧٢)

کھول دیتے ہیں، کیوں کہ ہر گروہ دوسرے کے مزاعم اور خیالات کی تکذیب وتردید کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ مومنوں کو لڑائی سے بچانے کے لیے خود ہی کافی ہے۔ ①

ائمہ کو ایک محدود تعداد میں منحصر کر دینا ایک ایسا مسئلہ ہے، جس کو عقل اور زمینی حقائق کی منطق بھی قبول نہیں کرتی، کیوں کہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ متعین تعداد ختم ہو جانے کے بعد کیا امت امام کے بغیر ہی رہے گی؟ کیوں کہ آپ دیکھتے ہیں کہ اثنا عشریہ کے ظاہر ہونے والے اماموں کا زمانہ اڑھائی صدیوں سے تھوڑا ہی زیادہ بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ ائمہ کو محدود تعداد میں متعین کرنے سے نکلنے کے لیے نیابتِ مجتہد کے مسئلے کے لیے مجبور ہوئے ہیں اور نیابت امام کی حدود میں بھی ان کا اختلاف ہے۔ ② لہٰذا عصرِ حاضر میں یہ لوگ اپنی اس اساس سے، جو ان کے دین کا قاعدہ ہے، مکمل طور پر فرار ہونے کے لیے لاچار ہو چکے ہیں اور انھوں نے سربراہِ مملکت کے چناؤ کے لیے انتخابی طریق کار کو مقرر کیا ہے، لیکن انھوں نے حصرِ تعداد کو چھوڑ کر حصرِ نوع کی راہ اختیار کر لی ہے اور ملک کی سربراہی شیعہ فقیہ تک محدود کر دی ہے، جسے ''ولایتِ فقیہ'' کا نام دیا جاتا ہے۔ ③

علاوہ ازیں ائمہ کی تعداد متعین کرنے کے سلسلے میں اثنا عشریہ ان روایات کے ساتھ ساتھ کتبِ اہلِ سنت میں مذکور روایات سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ مثلاً حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا:

> ''بارہ امام ہوں گے۔ پھر آپ نے کوئی بات کہی، جو میں نہ سن سکا تو میرے باپ نے کہا کہ آپ نے یہ کہا ہے: وہ تمام کے تمام قریش سے ہوں گے۔'' یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔ ④

صحیح مسلم میں حضرت جابر سے مروی ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے ہوئے سنا:

> ''اسلام بارہ خلفا تک غالب رہے گا۔ پھر آپ نے کوئی بات کہی، جو میں سمجھ نہ سکا، میں نے اپنے باپ سے پوچھا: آپ نے کیا کہا؟ انھوں نے کہا: وہ تمام کے تمام قریش سے ہوں گے۔'' ⑤

ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں:

> ''یہ دین بارہ خلفا تک غالب اور مضبوط رہے گا۔'' ⑥

---

① جعفر صادق کے بعد بارہ اماموں کی امامت میں تشکیک کے متعلق ابو حاتم رازی اسماعیلی کی تحریر سے آگاہ ہونے کے لیے اس کی کتاب ''الزینة'' (ص: ۲۳۲۔ ۲۳۳ قلمی نسخه) ملاحظہ کیجیے۔

② دیکھیں: محمد مغنية: الخميني والحكومة الإسلامية (ص: ٦٨)

③ دیکھیں: الخميني: الحكومة الإسلامية (ص: ٤٨)

④ صحيح البخاري: كتاب الأحكام، باب الاستخلاف (٨/ ١٢٧)

⑤ صحيح مسلم: كتاب الإمارة، باب الناس تبع لقريش والخلافة في قريش (٢/ ١٤٥٣)

⑥ المصدر السابق.

ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''لوگوں کا معاملہ اس وقت تک چلتا رہے گا، جب تک ان کے بارہ لوگ حکمران بنیں گے۔''[1]

سنن ابو داود کی روایت میں ہے:

''یہ دین اس وقت تک قائم رہے گا، جب تک تم پر بارہ خلفا رہیں گے، ان تمام پر امت کا اتفاق ہوگا۔''[2]

ابو داود نے اسود بن سعید عن جابر کی سند سے گذشتہ روایت کی طرح ہی ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے، جس میں یہ اضافہ ہے:

''جب آپ اپنے گھر لوٹ کر آئے تو آپ کے پاس قریش کے چند لوگ آئے اور پوچھا: پھر کیا ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: قتل و غارت۔''[3]

اثنا عشریہ اس روایت کے ساتھ بھی تعلق خاطر رکھتے ہیں اور اس کو اہلِ سنت کے خلاف بہ طورِ دلیل بھی پیش کرتے ہیں، اس لیے نہیں کہ ان کا اہلِ سنت کی کتابوں میں مذکور احادیث پر ایمان ہے،[4] لیکن صرف جوابی الزام کے لیے، کیوں کہ وہ (اہلِ سنت) تو ان کو تسلیم کرتے ہیں۔

اس حدیث پر اگر مکمل غیر جانبداری اور موضوعیت کے ساتھ غور وفکر کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان بارہ کے متعلق اثنا عشریہ نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ منصبِ خلافت پر متمکن ہوں گے، ان کے عہد میں اسلام عزیز اور قوی ہوگا (کوئی اس کی طرف میلی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکے گا) لوگوں کا ان پر اتفاق و اجماع ہوگا اور ان کے عہد میں لوگوں کے معاملات پرسکون اور درست سمت میں چلتے رہیں گے۔

لیکن یہ تمام اوصاف ان پر منطبق نہیں ہوئے، جن کے بارے میں اثنا عشریہ امامت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان میں صرف حضرت علی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما وہ بھی بہت تھوڑی مدت کے لیے خلیفہ بنے ہیں، ان دونوں کے ادوار میں بھی امت اکٹھی نہیں ہوئی تھی، اس طرح خود شیعہ کی نگاہوں میں بھی، ان بارہ اماموں

---

[1] المصدر السابق (ص: ١٤٥٢)

[2] سنن أبي داود، كتاب المهدي (٤/ ٤٧١)

[3] المصدر السابق (٤/ ٤٧٢) امام بزار نے ایک دوسری سند سے یہ روایت ذکر کی ہے، جس میں ہے کہ پھر آپ ﷺ اپنے گھر واپس آ گئے تو میں آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: پھر کیا ہوگا؟ فرمایا: قتل و غارت۔ (ابن حجر: فتح الباري: ١٣/ ٢١١)

[4] دیکھیں: ان شیعہ علما نے اس روایت سے احتجاج کیا ہے: ابن بابويه: الخصال (ص: ٤٧٠) الطوسي: الغيبة (ص: ٨٨) الأربلي: كشف الغمة (ص: ٥٦- ٥٧) البياضي: الصراط المستقيم (٢/ ١٠٠) شبر: حق اليقين (ص: ٣٣٨) السماوي: الإمامة (١/ ١٤٧) ان کے علاوہ بھی بہت زیادہ ہیں۔

میں سے کسی ایک کی مدت میں بھی امت کا معاملہ درست نہیں ہوسکا، بلکہ ابھی تک امت اسی خرابے اور فساد سے دوچار ہے، ان پر ظالم بلکہ کافر حکمران مسلط ہوتے رہے ہیں۔[1] خود ائمہ بھی اپنے دینی امور میں تقیے کی آڑ میں پناہ لیتے رہے ہیں۔[2]

امیر المومنین حضرت علی جب کرسیِ خلافت پر براجمان تھے، تب بھی ان کا دور دورِ تقیہ تھا، جس طرح شیعہ کے عالم مفید کا یہ صاف صاف کہنا ہے،[3] چناں چہ وہ قرآن کو ظاہر کر سکے نہ جملہ احکامِ اسلام کے مطابق فیصلے کر سکے، جس طرح نعمت اللہ جزائری نے اس بات کی وضاحت کی ہے۔[4] اور دین کے معاملے وہ صحابہ کرام کے قدم کے ساتھ قدم ملا کر ان کی معاونت و خاطر داری کرتے رہے، جس طرح شیعہ کے عالم مرتضیٰ یہ اقرار کرتا ہے۔[5] چناں چہ اس حدیث اور شیعہ کے مزاعم کے درمیان بعد المشرقین ہے۔

مزید برآں اس حدیث میں ائمہ کی یہ تعداد حصراً ذکر نہیں ہوئی، بلکہ یہ نبی اکرم ﷺ کی پیشین گوئی ہے کہ ان کے زمانے میں اسلام غالب اور بلند ہوگا۔ بلاشبہہ خلفاے راشدین اور بنی امیہ کا زمانہ خلافت عزت و قوت کا زمانہ تھا، اس لیے شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

> ''اسلام اور اسلامی قانون بنی امیہ کے زمانے میں بعد والے زمانوں کی نسبت زیادہ وسیع اور غالب تھا، پھر انھوں نے اسی حدیث سے استشہاد کیا ہے کہ ''یہ امر (اسلام) بارہ خلفا تک عزیز و غالب رہے گا، وہ تمام قریش سے ہوں گے'' پھر کہا: اور ایسا ہی ہوا، چناں چہ ابوبکر، عثمان و علی خلفا تھے، پھر وہ خلیفہ بنا، جس پر لوگوں کا اجماع ہوگیا اور اس کے لیے عزت و قوت لوٹ آئی۔ معاویہ اور اس کا بیٹا یزید، پھر عبد الملک، پھر اس کے چاروں بیٹے، ان میں عمر بن عبدالعزیز بھی ہیں۔ ان کے بعد جو نقص اور کمی واقع ہوئی، وہ آج تک موجود ہے۔'' اس کے بعد انھوں نے اس کی تفصیل ذکر کی ہے۔[6]

---

[1] منهاج السنة (٤/ ٢١٠) المنتقىٰ مختصر منهاج السنة (ص: ٥٣٣) عنقریب شیعہ کی روایات کا ذکر ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد تین کے سوا تمام لوگ مرتد ہوگئے تھے اور حسین کی وفات کے بعد بھی تین کے سوا تمام لوگ مرتد ہوگئے تھے۔

[2] مختصر الصواقع (ص: ٢٣١) مخطوط.

[3] اسی کتاب کا صفحہ نمبر (٦١) دیکھیں۔

[4] اسی کتاب کا صفحہ نمبر (٢٢٨) دیکھیں۔

[5] اسی کتاب کا صفحہ نمبر (٤٥٤) دیکھیں۔

[6] منهاج السنة (٤/ ٢٠٦)

ہم دیکھتے ہیں کہ اثنا عشریہ آخری زمانے تک ولایتِ منتظر کے دوام کے قائل ہیں، ان کے نزدیک کوئی زمانہ بھی بارہ اماموں میں سے کسی امام سے خالی نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہی ہے، تو زمانے میں دو انواع باقی نہیں رہیں۔ ایک وہ نوع جس میں امت کا معاملہ قائم اور درست ہو اور دوسری وہ نوع جس میں وہ قائم نہیں ہوتا، بلکہ وہ تمام زمانوں میں قائم ہے اور یہ بات حدیث کے خلاف ہے،[1] اور ان کے اس اعتقاد کے بھی خلاف ہے کہ بارہ کا زمانہ منتظر کے خروج تک تقیے کا زمانہ ہے۔ شیعہ کے نزدیک جس نے تقیے کو ترک کر دیا، وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے نماز ترک کر دی۔[2]

ایسے ہی امت کا ان پر اجماع بھی نہیں ہوا، کیوں کہ ان میں سے حضرت علی اور حضرت حسن کے سوا کوئی بھی زمامِ اقتدار تک نہیں پہنچا، بلکہ خود شیعہ بھی ان کے متعلق اور ان کی تعداد و اعیان کے متعلق شدید ترین اختلاف کا شکار ہیں، جس کو احاطہ شمار میں لانا بجائے خود تکلف کا باعث ہے۔ افکار و نظریات اور فرق کی کتابیں بھی اس کی صورت گری سے لبا لب بھری ہوئی ہیں۔

پھر اس حدیث میں یہ بھی ذکر ہوا ہے کہ ''وہ سارے کے سارے قریش سے ہوں گے'' اس کا یہ مطلب ہے:

> ''وہ حضرت علی اور ان کی اولاد کے ساتھ مخصوص نہیں، اگر وہ حضرت علی اور ان کی اولاد کے ساتھ مخصوص ہوتے تو ان کی امتیازی حیثیت بیان کی جاتی۔ کیا آپ دیکھتے ہیں کہ آپ نے یہ نہیں کہا کہ وہ تمام اسماعیل کی اولاد سے ہوں گے اور نہ یہ کہا ہے کہ وہ عرب سے ہوں گے، اگر چہ وہ انہی میں سے ہیں، کیوں کہ آپ ﷺ کا اس سے مقصود ایک قبیلہ تھا، جس میں وہ دوسروں سے ممتاز اور منفرد تھے۔ اگر ان کی امتیازی حیثیت یہ ہوتی کہ وہ بنی ہاشم سے ہوں گے یا حضرت علی کی اولاد اور قبیلے سے، تو ان قبائلی امتیازات کے ساتھ ان کا ذکر ہوتا۔ اس لیے جب آپ ﷺ نے ان کو مطلقاً قریش میں سے قرار دے دیا تو یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ وہ قریش سے ہوں گے، بلکہ کسی قبیلے کے ساتھ مخصوص نہیں ہوں گے، بلکہ خلفاے راشدین بنو تیم، بنو عدی، بنو عبد شمس اور بنو ہاشم، ان تمام قبائل سے تھے۔''[3]

چناں چہ اس حدیث میں مذکور صفات میں سے تعداد کے علاوہ کوئی ایسی صفت نہیں بچتی، جو اس پر صادق

---

[1] المصدر السابق (٤/ ٢٠١)

[2] اس روایت کے الفاظ ''تقیہ'' کے مبحث میں ملاحظہ کریں۔

[3] منهاج السنة (٤/ ٢١١)

آ سکے، جس کی یہ تمنا رکھتے ہیں، لیکن محض تعداد کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ یہ تعداد جس کے ساتھ ان صالح خلفا کو بیان کیا گیا ہے، ان کے اَضداد (متضاد صفات کے حاملین) کو بھی بیان کرتی ہے۔ صحیح مسلم میں ذکر ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں بارہ منافق ہیں۔''[1]

بہ ظاہر یوں لگتا ہے کہ یہ تعداد جس کے شیعہ دعوے دار ہیں، حقیقت میں اس قدیم یہودی خیال کی طرف لوٹتی ہے، جس کا دانیال کی کتاب میں ذکر ہوا ہے۔[2] شیخ الاسلام نے بھی یہ اشارہ کیا ہے کہ تورات میں بھی اس طرح ہے۔[3]

مسئلہ امامت پر شیعہ کا استدلال:

روافض کا یہ ایک قاعدہ اور اصول ہے:

''رعیت (عام لوگ) کے لیے امام کا اختیار و انتخاب جائز نہیں، بلکہ اس میں نص اور وصیت کا ہونا ضروری ہے۔''[4]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''امامت وصیت کے بغیر نہیں ہوتی۔''[5] چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے خود حضرت علی اور ان کی اولاد کی تعیین و تنصیص کی،[6] لہٰذا وہی قیامت کے قائم ہونے تک امام ہوں گے۔

ہم نے یہ دیکھا ہے کہ اس عقیدے کی شروعات سبائی، ہشامی اور شیطانی ہاتھوں سے ہوئیں، لیکن شیعہ علما کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ معاملہ اللہ، اس کے رسول اور اقوالِ ائمہ اہلِ بیت کی طرف سے مقرر کردہ اور شریعت کا جزو ہے۔ انھوں نے اس کے لیے ایسی نصوص و روایات سے استدلال اور ان کو نقل کرنا شروع کر دیا، جن کی وہ اپنے مذہب کے تقاضوں کے مطابق تاویل کرتے ہیں اور ان کو ماہرینِ سنت اور شریعت نقل کرنے والے اہلِ علم

---

[1] صحيح مسلم: كتاب صفات المنافقين و أحكامهم (٣/ ٢١٤٣۔ ٢١٤٤) رقم الحديث (٢٧٧٩)

[2] ابو الحسین المنادی نے اس جزو میں، جس میں اس نے مہدی کے متعلق روایات جمع کی ہیں، ذکر کیا ہے کہ میں نے کتاب دانیال میں یہ لکھا ہوا پایا: جب مہدی وفات پا جائے گا تو اس کے بعد سبط اکبر کی اولاد سے پانچ لوگ بادشاہ بنیں گے، پھر پانچ سبط اصغر کی اولاد سے ہوں گے، پھر ان میں سے آخری خلیفہ سبط اکبر کی اولاد میں سے کسی کے نام خلافت کی وصیت کرے گا، اس کے بعد اس کا لڑکا بادشاہ بن جائے گا، اس طرح بارہ بادشاہ ہوں گے اور ان میں سے ہر ایک امام مہدی ہوگا۔ دیکھیں: فتح الباري (١٣/ ٢١٣)

[3] منهاج السنة (٤/ ٢١٠)

[4] الحر العاملي: الفصول المهمة في أصول الأئمة (ص: ١٤٢) نیز دیکھیں: ابن المطهر: نهج المسترشدين (ص: ٦٣)

[5] المظفر: عقائد الإمامة (ص: ١٠٣)

[6] الكليني: أصول الكافي، باب ما نص الله ورسوله على الأئمة (١/ ٢٨٦ وما بعدها)

وفن بھی نہیں جانتے، ان میں سے اکثر روایات موضوع یا سند کی حیثیت سے مطعون ہیں یا وہ ان کی فاسد تاویلات کے ساتھ کچھ لگا ؤنہیں کھاتیں۔ [1]

شیعہ نے اپنی عادت کی طرح اس مسئلے میں بھی روایات اورنصوص کو جمع کر کے ان کے ڈھیر لگانے میں بڑی مبالغہ آرائی دکھائی ہے۔ یہی وجہ ہے شیعہ کے عالم ابن مطہر نے ایک کتاب تالیف کی اور اس کا یہ نام رکھا: ''الألفين في إمامة أمير المؤمنين'' [2] (یعنی امیر المومنین کی امامت کے متعلق دو ہزار روایات) بہت کم ایسے شیعہ مولفین ہوں گے، جنھوں نے اس مسئلے پر خامہ فرسائی نہ کی ہو اور اس کے لیے استدلال نہ کیا ہو، [3] کیوں کہ یہ ان کے دین کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔

جب آپ کو یہ معلوم ہوگیا ہے کہ ان تمام روایات کو شیعہ کی منطق کے مطابق صرف اکا دکا لوگوں نے نقل کیا ہے، بلکہ ایک ہی نے نقل کیا ہے اور وہ علی ہیں، کیوں کہ وہی دروازہ ہیں، لہٰذا جس نے ان کے علاوہ کسی دوسرے سے سماع کا دعویٰ کیا تو اس نے شرک کیا۔ [4]

اسی طرح حضرت علی اور تین، چار یا سات صحابہ کے سوا تمام صحابہ پر شیعہ کی کتابوں میں مرتد ہونے کا حکم لگایا گیا ہے، چناں چہ ان کی روایات تو کسی صورت قبول نہیں کی جائیں گی! لیکن کسی بات کو نقل کرنے میں کسی کا صرف ایک ہونا یہ بھی مقامِ شک ہے، خصوصاً جب ایک جم غفیر اس کے خلاف کہہ رہا ہو!

لہٰذا ان کو مجبوراً عصمت کا قول اختیار کرنا پڑا، لیکن عصمت بھی اس کی خبر کے ساتھ کس طرح ثابت ہو سکتی ہے، جس نے اس کا دعویٰ کیا ہے اور وہ بھی ایک ہے، چناں چہ یہ ائمہ کے لیے اثباتِ معجزات کی ایک دوسری بدعت اختیار کرنے کے لیے مجبور ہوگئے۔ اب مسئلہ امامت شیعہ کے نزدیک نص، عصمت اور معجزے کی تکون پر مرتکز ہے۔ شیعہ کے عالم مفید کا کہنا ہے:

''اثنا عشریہ کے نزدیک امامت صاحبِ امامت کے لیے عصمت، وصیت اور معجزے کو لازمی قرار دیتی ہے....'' [5]

---

[1] ابن خلدون: المقدمة (٢/ ٥٢٧) تحقيق الدكتور علي عبدالواحد وافي.

[2] لیکن جس طرح اس نے کتاب کا عنوان رکھا ہے، اس کی تعداد کو پورا نہیں کر سکا اور صرف ایک ہزار اڑتیس ایسی روایات ذکر کیں، جن کو وہ اپنے مقصد کے دلائل خیال کرتا ہے۔ (الأعلمي: مقدمة المؤلفين، ص: ١٠)

[3] الذريعة إلى تصانيف الشيعة (١/ ٣٢٠)

[4] أصول الكافي (١/ ٣٧٧) اس روایت کے الفاظ گزر چکے ہیں، دیکھیں (ص: ٣٧٨)

[5] العيون (٢/ ١٢٧)

یہ قول پہلے گزر چکا ہے کہ معجزات انبیا کے سوا کوئی بھی پیش نہیں کر سکتا، لیکن شیعہ نے یہ بات ائمہ کے حق میں کہی ہے، کیوں کہ انھوں نے امامت کو اگر چہ نبوت کا نام نہیں دیا، لیکن نبوت کا معنی ضرور پہنا دیا ہے اور یہ دعویٰ پیش کیا ہے کہ وہ بندوں پر حجت الٰہی ہیں، لیکن ان کے پاس اس دعوے کی بہ جز اس کے کوئی دلیل نہیں کہ انھوں نے ماضی کے زندیقین کی دیکھا دیکھی ان کی وضع کردہ خیال آرائیوں کی پیروی کی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ [النساء: ١٦٥]

''تاکہ لوگوں کے پاس رسولوں کے بعد اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ رہ جائے۔''

چناں چہ اللہ رب العزت نے رسل کی جگہ یا اس کے بعد ''والأئمة'' نہیں کہا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی حجت بندوں پر رسولوں کے ذریعے قائم ہوگی اور ان کی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے معجزات اور نشانیوں کے ساتھ تائید کی۔ شیعہ کے پاس معجزاتِ ائمہ کے باب میں خالی دعوؤں کی پونجی ہے، جن کو بنانے سے حیلے باز اور سازشی افراد کبھی نہیں تھکتے۔[1]

شیعہ مذہب میں مسئلہ عصمت کی اہمیت کے پیش نظر اس کے لیے اس موجودہ فصل کے بعد ایک مکمل فصل مخصوص کی گئی ہے۔ پھر معجزہ بھی بہ فرضِ ظہور خبر پر موقوف ہے، تو مرتدین کی خبر کی توثیق و تصدیق کیوں کر کی جائے گی؟!

عصمت کا بھی یہی حال ہے، اس کے باوجود شیعہ نص اور وصیت کے دعوے پر مشتمل خبر کے مسئلے کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں، یہ ان کے مذہب کا سنگِ بنیاد اور ان کے اعتقادی ڈھانچے کا ایک بنیادی قاعدہ ہے۔

بلاشبہہ ایسی نص اور وصیت جو قیامت تک مسلمانوں کی امامت و راہبری کے لیے مخصوص شخصیات کی تعیین کرتی ہو، اس کا وجود رافضہ کی عقل کے علاوہ کہیں محال اور ناممکن ہے، اس اعتقاد نے ان کو اس انجام تک پہنچا دیا ہے کہ یہ قرونِ مدیدہ اور طویل مدتوں تک ایک انسان کی زندگی کے پھیلاؤ کے بہت بڑے خیالی قول کو اختیار کرنے کے لیے مجبور اور سرنڈر ہو چکے ہیں، یعنی یہ ان کا مہدی ہے، جس کا یہ آج تک انتظار کر رہے ہیں اور اضحوکہ روزگار بنے ہوئے ہیں۔ صرف اہلِ سنت ہی نہیں، بلکہ ان کے امام علی رضا نے بھی اس مسئلے میں ان کا بڑا بلیغ اور قوی رد کیا ہے، چنانچہ شیعہ اپنی رجال کی ثقہ ترین کتاب میں نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا:

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ نمبر (٦٧١) دیکھیں۔

''اگر اللہ تعالیٰ بنی آدم میں سے کسی کی عمر میں اس وجہ سے توسیع کرنا چاہتے کہ لوگ اس کے محتاج ہیں تو وہ رسول اللہ ﷺ کی عمر میں توسیع کرتے۔''[1]

لیکن یہ لوگ اس واضح دلیل کی مخالفت کرتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان تمام صدیوں تک منتظر کا انتظار اس وجہ سے ہے کہ نہ صرف مخلوق کو اس کی ضرورت ہے، بلکہ پوری کائنات اس کی ضرورت مند ہے۔ اگر وقت کے کسی لمحے بھی زمین اس سے خالی ہوجاتی تو اپنے بسنے والے سمیت دھنس جاتی....

مسئلہ وصیت اور تنصیبِ امام کے بارے میں اس اصل اور قانون سازی کے بعد میرا نہیں خیال کہ اس کے بارے میں نصوص و روایات کی تلاش و جستجو کی کوئی ضرورت باقی رہتی ہو، کیوں کہ یہ مسئلہ آج شیعہ کے نزدیک اس منتظر پر آکر ختم ہو چکا ہے، جس کا کوئی وجود، کوئی نام ونشان اور کوئی اتا پتا نہیں۔ اگر لوگوں کو اس کی ضرورت ہوتی تو رسول اللہ ﷺ جو اس سے افضل ہیں، باقی رہتے، لیکن امت اپنے رب کے قرآن اور اپنے نبی کے فرمان کے ہوتے ہوئے ہر موہوم منتظر اور ہر مزعوم کتاب سے بے نیاز ہے۔

مسئلہ غیبتِ امام (امام کی روپوشی) کی تردید بھی آگے ذکر ہوگی۔ لیکن شیعہ کی یہ خام خیالی ہے کہ قرآنِ کریم ان کی امامت کی تعیین کرتا ہے، ایسے ہی یہ بھی ان کا محض دعویٰ ہے کہ ''نص'' یعنی وصیت اور تعیین کا معاملہ شیعہ اور اہلِ سنت کے درمیان اتفاقی مسائل میں سے ہے، یہ چاہتے ہیں کہ اپنی خیال آرائیوں میں اہلِ سنت کو بھی شریک کر کے اپنے اَتباع کو دام فریب میں پھنسا سکیں۔ اگر یہی بات ہے کہ قرآن کریم ان کی امامت کی تعیین کرتا ہے تو ہم ان دلائل کا مطالعہ وتجزیہ پیش کرتے ہیں، جو اس باب میں شیعہ کی کتابیں پیش کرتی ہیں۔

ہم اس مسئلہ میں شیعہ قرآن وسنت سے پیش کردہ قوی ترین دلائل منتخب کریں گے، پھر اس کے بعد اس مسئلے میں ان کے خاص دلائل کی طرف آئیں گے اور آخر میں کتاب وسنت اور عقلی اعتبارات اور معلوم ومتفق علیہ امور کے ذریعے مسئلہ امامت پر نقد وتبصرہ کرتے ہوئے اس بحث کو ختم کریں گے۔

شیعہ کے قرآن سے دلائل:

شیخ الطائفہ طوسی نے لکھا ہے:

''قرآنِ کریم میں وصیت وتخصیصِ امامت کے سلسلے میں قوی ترین دلیل یہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ

---

[1] رجال الكشي (ص: ٤٥٨)

الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ﴾ [المائدة: ٥٥]

''تمھارے دوست تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، وہ جو نماز قائم کرتے اور زکات دیتے ہیں اور وہ جھکنے والے ہیں۔''[1]

طبرسی نے کہا ہے:

''یہ آیت نبی کریم ﷺ کے بعد حضرت علی کی ولایت بلافصل کے صحیح ہونے کی واضح ترین دلیل ہے۔''[2]

قریب قریب شیعہ کے علما و شیوخ اس بات پر متفق ہیں کہ یہ ان کی قوی ترین دلیل ہے اور وہ اپنی کتابوں میں استدلال کے وقت اس کو سب سے مقدم رکھتے ہیں۔[3]

لیکن اس آیت سے وہ اپنے مقصد پر کس طرح استدلال کرتے ہیں؟ اس کی تفصیل میں وہ کہتے ہیں:

''عامہ و خاصہ سب کے محدثین اور مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب حضرت علی نے نماز میں اور صحابہ کی موجودگی میں ایک مسکین کو صدقے میں اپنی انگوٹھی دے دی تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہو۔ یہ حدیث صحاح ستہ میں مذکور ہے۔''[4]

اہلِ لغت کا اتفاق ہے:

''کلمہ ''إنما'' حصر کے معنی دیتا ہے اور ولی کا معنی سے تصرف و تدبیر کے زیادہ لائق، جو امام اور خلیفہ کے مترادف ہے۔''[5]

چنانچہ آپ نے ملاحظہ کیا ہے کہ شیعہ اس آیت مبارکہ سے اپنے استدلال میں اس کے شانِ نزول پر اعتماد کرتے ہیں، کیوں کہ آیت کے الفاظ میں کوئی ایسی بات نہیں، جو ان کی مراد پر دلالت کرتی ہو، لہٰذا ان کا استدلال روایت سے ہوا نہ کہ قرآن سے، لیکن کیا یہ روایت ثابت ہے اور ان کی وجہ استدلال سلیم اور درست

---

[1] تلخيص الشافي (٢/ ١٠)

[2] مجمع البيان (٢/ ١٢٨)

[3] مثال کے طور پر دیکھیں: ابن المطهر الحلي في منهاج الكرامة، حيث اعتبره البرهان الأول (ص: ١٤٧) وشبر في حق اليقين (١/ ١٤٤) و الزنجاني في عقائد الإمامية الاثنى عشرية (١/ ٨١۔ ٨٢)

[4] یاد رہے کہ ''صحاح ستہ'' کا نام درست نہیں ہے، کیوں کہ اہلِ سنت تمام چھے کتابوں کو صحاح شمار نہیں کرتے، اس لیے وہ ان کو کتبِ ستہ کا نام دیتے ہیں، لیکن روافض مبالغات کے شوقین ہیں، جو جان بوجھ کر اللہ اور اس کے رسول کے سر جھوٹ لگا سکتے ہیں، ان کے لیے یہ کوئی بڑی بات نہیں!!

[5] شبر: حق القين (١/ ١٤٤) الزنجاني: عقائد الإمامية الاثنى عشرية (١/ ١٨۔ ٨٢)

ہے؟ اس کا جواب درج ذیل پہلوؤں سے واضح ہوگا:

① ان کا یہ دعویٰ کہ ''اہلِ سنت کا اس پر اجماع ہے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی'' سب سے بڑا جھوٹا دعویٰ ہے، بلکہ اہلِ علم نے اجماعاً یہ بات نقل کی ہے کہ یہ آیت خصوصی طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل نہیں ہوئی اور انھوں نے نماز میں اپنی انگوٹھی کا صدقہ نہیں کیا تھا۔ محدثین کا اتفاق ہے کہ اس سلسلے میں بیان کیا جانے والا یہ قصہ جھوٹا اور موضوع ہے۔[1]

شیعہ کا یہ کہنا: ''یہ صحاح ستۃ میں مذکورہ ہے'' دروغ محض ہے، کیوں کہ کتبِ ستہ میں اس کا کہیں وجود نہیں۔[2] امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے وہ تمام آثار نقل کیے ہیں، جو یہ ذکر کرتے ہیں کہ یہ آیت جب حضرت علی نے اپنی انگوٹھی صدقہ میں دی تو ان کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس پر نقد وتبصرہ کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں:

''ان میں سے کوئی روایت بھی بالکل صحیح نہیں، کیوں کہ اس کی اسانید ضعیف اور اس کے رجال مجہول ہیں۔''[3]

② یہ دلیل، جس سے یہ لوگ استدلال کرتے ہیں، اثنا عشریہ کے مذہب کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہے، کیوں کہ یہ بہ لفظ حصر ''إنما'' ولایت کو حضرت علی تک محدود کرتی ہے، جو باقی ائمہ سے امامت سلب کرنے پر دلالت کرتا ہے۔

اگر یہ اس رد کا یہ جواب دیں کہ حصر ولایت سے مراد بعض اوقات میں ہے، یعنی ان کی اپنی امامت کے وقت تک نہ کہ ان کے بعد والوں کی امامت کے وقت تک، تو وہ اس بات میں اہلِ سنت کے ساتھ اتفاق کریں گے کہ ان کی ولایت عامہ (عامہ حکمرانی) صرف اس وقت تھی، جب آپ لوگوں کے امام وخلیفہ بنے، نہ کہ اس

---

[1] منهاج السنة (٤/ ٤)

[2] یہ ایسا جھوٹ ہے، جس کو ثابت کرنے میں شیعہ کو قطعاً کوئی شرم محسوس نہیں ہوتی۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ یہ دعویٰ شیعہ کے عصرِ حاضر کے شبر اور زنجانی جیسے آیات کی زبانوں پر بھی عام ہے۔ کیا ان کو اس کی خبر نہیں کہ کتبِ ستہ میں اس کا کوئی وجود نہیں؟! آج معاجم اور فہارسِ حدیث کی کتابوں کی کثرت ہے، جو اس حقیقت کو کھول دیتی ہیں۔ ''المعجم الفهرس لألفاظ الحديث'' اور ''مفتاح كنوز السنة'' میں لفظ ''علي بن أبي طالب'' نکالیے۔ تفسیر اور اسبابِ نزول کے متعلق روایات جمع کرنے والی کتب جیسے ''الدر المنثور'' (٣/ ١٠٤۔ ٦۔١) وغیرہ کو دیکھیے، یا کتبِ ستہ کی روایات جمع کرنے والی کتب، جیسے ''جامع الاصول'' وغیرہ کا مطالعہ کریں تو آپ کو ان کے دعوے کی کوئی بنیاد نظر نہیں آئے گی۔
اس لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ''جمہور امت نے یہ خبر نہیں سنی، نہ یہ مسلمانوں کی معتبر اور بنیادی کتابوں اور صحاح وسنن، جوامع اور معجمات وغیرہ میں کہیں موجود ہے۔'' (منهاج السنة: ٤/ ٥)

[3] تفسير ابن كثير (٢/ ٧٦۔ ٧٧)

سے پہلے جو خلفائے ثلاثہ کی امامت کا زمانہ تھا۔[1]

③ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندے کی اسی کام میں تعریف و مدح سرائی کرتے ہیں، جو کام خود اس کے ہاں محمود اور قابلِ تعریف ہو، خواہ وہ کام واجب ہو یا مستحب، لیکن نماز کے دوران میں صدقہ کرنا علمائے امت کے اتفاق کے ساتھ کوئی مستحب فعل نہیں۔ اگر یہ عمل مستحب و پسندیدہ ہوتا تو رسولِ کریم ﷺ اس کو خود بھی کرتے، اس کی ترغیب بھی دلاتے اور اس کا اعادہ وتکرار بھی کرتے۔

یہ تو نماز میں شغل ہے اور سائل کو دینا ایسا کام نہیں جو ہاتھ سے چھوٹ جائے تو دوبارہ نہ ہو سکے، کیوں کہ صدقہ کرنے والا نماز کے بعد بھی دے سکتا ہے، بلکہ سائلین کو دینے میں مشغول ہو جانا نماز باطل کرنے والا عمل ہے اور یہی جملہ اہلِ علم کی رائے ہے۔[2]

④ اگر یہ فرض کیا جائے کہ یہ کام نماز ہی میں مشروع اور جائز قرار دیا گیا ہے تو یہ رکوع ہی کے ساتھ مخصوص نہ ہوتا، لہٰذا یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ ولی صرف وہ ہیں جو حالتِ رکوع میں صدقہ کرتے ہیں؟ اگر یہ کہا جائے کہ اس سے حضرت علی کی تعریف اور پہچان کروانا مقصود ہے، تو کہا جائے گا کہ حضرت علی کی معروف ومشہور امور کے ساتھ تعریف کروانے کو کیوں ترک کر کے اس غیر معروف کام کے ساتھ تعریف کروائی جا رہی ہے؟ جس کو صرف وہ جانتا ہے، جس نے اس بات کو سنا اور اس کو سچ تسلیم کیا، لیکن جمہور امت نے یہ بات سنی ہے نہ مسلمانوں کے قابل اعتماد کتابوں ہی میں کہیں اس کا ذکر ہے۔''[3]

⑤ شیعہ کا یہ کہنا کہ حضرت علی نے حالتِ رکوع میں اپنی انگوٹھی زکات میں دی تو یہ آیت نازل ہوئی، یہ زمینی حقائق کے بھی خلاف ہے، کیوں کہ حضرت علی ان لوگوں میں سے نہیں تھے، جن پر عہدِ نبوی میں زکات فرض ہوئی ہو، کیوں کہ وہ فقیر تھے۔ چاندی کی زکات اس پر فرض ہوتی ہے، جو ایک سال تک نصابِ زکات کا مالک رہے اور حضرت علی ان لوگوں میں سے نہیں تھے۔ اسی طرح زکات میں انگوٹھی دینا اکثر فقہا کے نزدیک کفایت نہیں کرتا۔ الا یہ کہا جائے کہ زیورات میں زکات نکالنا فرض ہے اور وہ زیور کی جنس ہی سے نکالی جائے گی، لیکن جس نے اس کی قیمت ادا کرنے کو بھی جائز قرار دیا ہے تو نماز میں اس کا حساب اور قیمت نکالنا ناممکن ہے، کیوں کہ قیمتیں اختلافِ حال کے ساتھ مختلف ہو جاتی ہیں۔[4]

---

[1] دیکھیں: روح المعاني (٦/ ١٦٨)

[2] دیکھیں: منهاج السنة (١/ ٢٠٨۔ ٤/ ٥)

[3] المصدر السابق (٤/ ٥)

[4] منهاج السنة (٤/ ٥)

٦ جب یہ بات عیاں ہوچکی ہے کہ وہ روایات جن کے تقاضے کے مطابق انھوں نے آیت کی تاویل کی ہے، سند اور متن دونوں حیثیتوں سے باطل ہیں تو ان کے لیے اب اسی آیت کے ساتھ چمٹے رہنے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی، بلکہ یہ آیت ان پر حجت ہے، کیوں کہ یہ مومنوں کے ساتھ موالات کا حکم دیتی ہے اور کافروں کی دوستی سے منع کرتی ہے (اگر یہ بات ثابت بھی ہو جائے کہ اس کا ایک خاص پسِ منظر اور سببِ نزول ہے، تب بھی قاعدہ یہ ہے کہ ''العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب''عموم لفظ کا اعتبار ہوگا نہ کہ خصوص سبب کا) اور رافضہ کے لیے، جس طرح ان کی نصوص اور تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے، اس میں کوئی حصہ نہیں۔

آیات کے سیاق سے بڑی وضاحت کے ساتھ اس مفہوم کا ادراک ہو جاتا ہے، اس آیتِ کریمہ سے پہلی آیت اس طرح ہے:

﴿ يَأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ [المائدة:٥١]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، ان کے بعض بعض کے دوست ہیں اور تم میں سے جو انھیں دوست بنائے گا تو یقیناً وہ ان میں سے ہے، بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

یہ آیت یہود و نصاریٰ کے ساتھ موالات، مودت، محبت اور نصرت کی پینگیں چڑھانے کی ممانعت پر مشتمل ہے۔ یہاں تمام مفسرین کے اتفاق کے ساتھ ولایت سے امارت مراد نہیں، نہ اصلاً اس معنی میں یہ لفظ وارد ہی ہوا ہے۔ اس کے متصل بعد ان کے ساتھ موالات قائم کرنے کا ذکر ہوا ہے، جن کے ساتھ محبت و موالات رکھنا واجب ہے اور وہ اللہ اس کے رسول ﷺ اور مومن ہیں۔ چناں چہ اس سے واضح ہوا کہ پہلی آیت میں جس موالاتِ محبت اور نصرت سے منع کیا گیا ہے، یہ بعینہٖ وہی ہے، جس کا اس آیت میں، اسلوبِ مقابلہ میں، مومنوں کو حکم دیا گیا ہے اور یہ بات عربی ادبیات میں بڑی واضح ہے۔

امام رازی رقم طراز ہیں:

''جب پہلی آیات میں موالاتِ کفار سے منع کیا تو اس آیت میں جس کے ساتھ موالات قائم کرنا واجب ہے، اس کے ساتھ موالات و محبت رکھنے کا حکم دیا۔''[1]

---

[1] تفسير الفخر الرازي (١٢/ ٢٥)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ ذکر کرتے ہیں:

''متقدم و متاخر مفسرین کے ہاں یہ بات معلوم اور مشہور ہے کہ یہ آیت کفار کے ساتھ تعلق وِلا سے منع کرنے اور مومنوں کے ساتھ موالات قائم کرنے کے حکم کے متعلق نازل ہوئی ہے۔''[1]

⑦ شیعہ کا یہ کہنا کہ ''اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ﴾ سے مراد امارت و حکمرانی ہے'' اس فرمانِ الٰہی کے ساتھ بھی موافقت نہیں کرتا:

﴿ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا﴾ [المائدة: ٥٥]

''تمھارے ولی (دوست) اللہ، اس کے رسول اور مومن ہیں۔''

کیوں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ اپنے بندوں کا والی اور ان کا امیر ہے، بلکہ وہ ان کا خالق، رازق، رب اور مالک ہے، اسی کا حکم اور اسی کی تخلیق ہے، یہ نہیں کہا جاتا کہ اللہ تعالیٰ امیر المومنین ہیں، جس طرح والیِ ریاست وغیرہ کو امیر المومنین کہا جاتا ہے، جیسے امیر المومنین حضرت علی[2] وغیرہ۔

لیکن ولایت دوستی کے معنی میں جو عداوت کا متضاد ہے، اس معنی میں وہ اپنے مومن بندوں کے ساتھ ولایت اور دوستی رکھتا ہے، وہ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ اس سے، وہ ان سے راضی ہوتا ہے اور وہ اس سے، اور جس نے اس کے ولی اور دوست کے ساتھ عداوت رکھی تو اس نے اس کو جنگ کے لیے للکارا[3]، اس آیت میں یہی ولایت مقصود ہے۔[4]

﴿وَھُمْ رَاکِعُوْنَ﴾ کا معنی ہے: وہ اپنے رب کے سامنے جھکنے والے اور اس کے حکم کے فرمانبردار

---

① منهاج السنة (٤/ ٥)

② بلکہ رسولِ کریم کو بھی لوگوں کے والی اور امیر المومنین نہیں کہا جاتا، آپ ﷺ کی شان اس سے کہیں بڑھ کر ہے، بلکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی وہ خلیفہ رسول ہی کہا کرتے تھے۔ خلفا میں سے سب سے پہلے جس کو امیر المومنین کا نام دیا گیا، وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔ (منهاج السنة : ٤/ ٩)

③ یہ ولایت اس کی رحمت اور احسان کا مظہر ہے، لوگوں کی لوگوں کے لیے ولایت اور کارسازی کی طرح نہیں، جس میں وہ اس کے محتاج ہوتے ہیں۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَ لَمْ یَکُنْ لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ﴾ [الإسراء: ١١١] ''اور کہہ دے سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے نہ کوئی اولاد بنائی ہے اور نہ بادشاہی میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ عاجز ہوجانے کی وجہ سے کوئی اس کا مددگار ہے۔'' اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا عاجزی و کمزوری کی بنا پر کوئی مددگار اور کارساز نہیں، بلکہ وہ تو فرماتا ہے: ﴿مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْعِزَّۃَ فَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ جَمِیْعًا﴾ [الفاطر: ١٠] ''جو شخص عزت چاہتا ہو سو عزت سب اللہ ہی کے لیے ہے۔'' (منهاج السنة: ٤/ ٩)

④ المصدر السابق.

ہیں۔ رکوع لغت میں خضوع کے معنی میں ہے۔ یعنی وہ حالتِ رکوع میں نماز قائم کرتے ہیں اور زکات ادا کرتے ہیں، جس کا معنی ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے خشوع، خضوع اور عجز و نیاز کا اظہار۔[1]

⑧ لغت میں وِلایۃ (زیر کے ساتھ) اور وَلایۃ (زبر کے ساتھ) میں جو فرق ہے، وہ بالکل واضح ہے۔ وَلایۃ زبر کے ساتھ عداوت کا متضاد ہے اور ان آیات ونصوص میں یہی مذکور ہے۔ یہ وِلایۃ زیر کے ساتھ نہیں، جس کا معنی امارت ہوتا ہے۔ یہ جاہل لوگ ولی کو امیر خیال کرتے ہیں اور دونوں لفظوں میں کوئی فرق نہیں کرتے، حالاں کہ یہ بالکل واضح بات ہے کہ وَلاء زبر کے ساتھ عداوت کے متضاد ہے اور اس سے لفظِ مولیٰ اور ولی بنتا ہے، جب کہ وِلایۃ زیر کے ساتھ امارت کے معنی میں ہے اور اس سے والی اور متولی اسم بنتے ہیں۔[2]

اسی لیے فقہا نے کہا ہے کہ جب جنازے میں والی اور ولی اکٹھے ہو جائیں تو کہا گیا ہے کہ والی کو آگے کیا جائے گا اور یہ اکثریت کا قول ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ ولی کو آگے کیا جائے گا، چناں چہ لفظ ولی اور وَلایۃ، لفظ والی کے علاوہ دوسرے لفظ ہیں۔''[3]

اگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ وِلایۃ جو امارت کے معنی میں ہے، مراد لینا چاہتے تو اس طرح فرماتے: ''إنما یتولی علیکم...'' اس طرح واضح ہوتا ہے کہ یہ آیت موالات پر دلالت کرتی ہے، جو معادات (عداوت) کے متضاد ہے اور یہ تمام مومنوں کے لیے ایک دوسرے کے لیے ثابت ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جمع کے صیغوں کے ساتھ فرمایا ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا﴾ اگر۔شیعہ علما کے یہ قول۔ یہی ان کی سب سے زیادہ قوی دلیل ہے، تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ان کے پاس حقیقت میں کوئی بھی دلیل نہیں۔

اصولی طور پر یوں ہونا چاہیے تھا کہ اس نازک ترین مسئلے میں، جو شیعہ کے نزدیک تمام امورِ دین میں عظیم ترین معاملہ اور اس کا منکر کفار کی صف میں داخل ہو جاتا ہے، کوئی واضح اور صریح صیغہ بولا جاتا، جس کو مختلف طبقات اور ذہنیت کے لوگ سمجھ جاتے، جس طرح ایک عالم، متقدم اور شہری کو اس کا ادراک ہو جاتا، اسی طرح ایک عام آدمی، دیہاتی اور متاخر شخص کو بھی اس کا معنی معلوم ہو جاتا، لیکن جب کتاب اللہ میں کوئی بھی اس طرح کا صریح لفظ استعمال نہیں ہوا تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ ایسی کوئی نص ہے ہی نہیں جس طرح یہ دعویٰ کرتے ہیں۔

---

[1] دیکھیں: الكشاف للزمخشري (١/ ٦٢٤) تفسير الرازي (١٢/ ٢٥)

[2] المقدسي: رسالة في الرد على الرافضة (ص: ٢٢٠۔ ٢٢١) نیز دیکھیں: مختار الصحاح (مادة ''ولى'')

[3] منهاج السنة (٤/ ٨)

چنانچہ یہ مذکورہ آیت اور وہ دیگر آیات، جن سے یہ استدلال کرتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی ایسے الفاظ پر مشتمل نہیں، جو عربی زبان میں استخلاف (خلیفہ اور افسر بنانے) کے معروف معنی میں ہو، حالانکہ قرآن عربی مبین کی زبان میں نازل ہوا ہے۔

اس صورتِ حال میں شیعہ کے پاس دو ہی راستے ہیں، یا تو قرآن کے ساتھ کفر کریں، جو اسلام کے ساتھ کفر ہے، یا پھر غلو تعصب اور انتہا پسندی کو چھوڑ کر راہِ حق کی طرف رجوع کر لیں اور یہی مطلوب ہے۔

یہ شیعہ کی کتاب اللہ سے قوی ترین دلیل ہے، جس کو یہ ''آیتِ ولایۃ'' کا نام دیتے ہیں، تاہم یہ دوسری کئی آیات کے ساتھ بھی تعلقِ خاطر رکھتے ہیں، جن کو ابن مطہر حلی نے ذکر کیا ہے اور شیخ الاسلام نے ان کے بڑے جامع جوابات دیے ہیں۔[1] جو شیعہ کی کتبِ حدیث و تفسیر کا مطالعہ کرتا ہے، وہ یہ ملاحظہ کرتا ہے کہ انھوں نے سارے ہی قرآن کو ولایت اور ائمہ کے مدار میں گھما دیا ہے، جس طرح اس کے کچھ نمونے پہلے ذکر ہو چکے ہیں، یہ ان کی ناکامی اور درماندگی کی واضح دلیل ہے۔

ان معروضات سے واضح ہو جاتا ہے کہ ظاہر قرآن میں کوئی ایسی آیت نہیں، جو شیعہ کے اس موقف پر دلالت کرتی ہو کہ اس میں حضرت علی یا باقی بارہ اماموں کی امامت و امارت کی وصیت اور تعیین کی گئی ہے۔

وہ تمام آیات جن سے وہ استدلال کرتے ہیں، ان کے معانی کو موضوع روایات اور باطل تاویلات کو بنیاد بناتے ہوئے اپنے مطلب کا معنی پہناتے ہیں، لہٰذا وہ حقیقت میں قرآن سے استدلال نہیں کرتے، بلکہ اخبار و روایات سے استدلال کرتے ہیں، چنانچہ ان کا قرآن سے دلائل اخذ کرنے کا دعویٰ بالکل بے حقیقت ہے۔

شیعہ کے سنت سے دلائل:

جہاں تک سنت مطہرہ کا تعلق ہے تو شیعہ نے اہلِ سنت کی اسانید سے فضائلِ علی میں وارد احادیث سے وصیت امامت ثابت کرنے پر استدلال کیا ہے، لیکن یہ بات خاطر میں رہے کہ فضائل کے باب میں بہت زیادہ جھوٹ کہا گیا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کی جڑ اور بنیاد شیعہ ہیں۔ ابن ابی الحدید کا کہنا ہے:

[1] ڈاکٹر علی السالوس نے اپنے مقالے بہ عنوان ''الأئمة عند الجعفرية والأدلة من القرآن العظيم'' میں وہ قرآنی آیات ذکر کی ہیں اور ان کی تحلیل و تجزیہ بھی کیا ہے، جن سے امامیہ اپنے امامت کے عقیدے پر استدلال کرتے ہیں، اس میں وہ اس نتیجے تک پہنچا ہے کہ شیعہ کے استدلالات، اسبابِ نزول کے ساتھ تعلق رکھنے والی روایات اور ان تاویلات پر بنیاد رکھتے ہیں، جن میں وہ منفرد ہیں، لیکن ان دونوں چیزوں ہی سے کوئی بھی چیز صحیح نہیں، جو ان کے مذہب کی تائید کرنے والی دلیل بن سکے۔

''فضائل کی احادیث میں جھوٹ شیعہ کی جانب سے در آیا ہے۔''[1]

اس لیے آپ موضوعات کی کتب میں خلفاے اربعہ میں سے سب سے زیادہ موضوع روایات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق پائیں گے۔ یہ بھی یاد رہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق وارد فضائل کوئی ایسے الفاظ پر مشتمل نہیں، جو لغتِ عرب، اصطلاح شریعتِ اسلام، عرفِ عامہ یا اصحابِ فکر و منطق کی عقلوں میں نصوص، وصایا اور استخلاف کے معنی میں ہوں۔ یہ محض فضائل ہیں، جن کو ان لوگوں نے اپنے دعوؤں میں داخل کر لیا ہے۔ امام ابن حزم نے حضرت علی کے فضائل کے بارے میں ذکر ہونے والی تمام احادیث شمار کیں اور کہا:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں جو صحیح احادیث مروی ہیں، ان میں سے ایک یہ حدیث ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''تم میرے لیے وہی مرتبہ رکھتے ہو، جو موسیٰ کے لیے ہارون رکھتے تھے، فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔''[2] اس میں رافضہ کے لیے کوئی حجت اور دلیل نہیں۔''[3]

---

[1] شرح نهجة البلاغة لابن أبي الحديد (٢/ ١٣٤) بحواله السنة ومكانتها في التشريع (ص: ٧٦)

[2] اس حدیث کی عبارت بخاری شریف میں اس طرح ہے: ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کے سفر پر نکلے اور حضرت علی کو اپنا قائم مقام بنایا تو حصرت علی نے کہا: ''آپ مجھے بچوں اور عورتوں پر قائم مقام بنا رہے ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ تم میرے لیے اسی مرتبے پر فائز ہو جاؤ، جو موسیٰ کے لیے ہارون رکھتے تھے، سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں؟'' (صحيح البخاري مع الفتح: كتاب المغازي، باب غزوة تبوك (٨/ ١٢) رقم الحديث (٤٤١٦) صحيح مسلم: كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب (٢/ ١٨٧٠) رقم الحديث (٢٤٠٤) سنن الترمذي: كتاب المناقب (٥/ ٦٤٠۔ ٦٤١) رقم الحديث (٣٧٣٠۔ ٣٧٣١) سنن ابن ماجه: المقدمة (١/ ٤٢۔ ٤٣) رقم الحديث (١١٥) مسند أحمد (١/ ١٧٠، ١٧٣، ١٧٤، ١٧٥، ١٧٧، ١٧٩، ١٨٢، ١٨٤، ١٨٥، ٣٣٠) (٣/ ٣٢، ٣٣٨)، (٦/ ٣٦٩ و ٤٣٨)

[3] امام ابن حزم اس کے اِثبات کے متعلق خامہ فرسا ہیں: ''یہ بات ان کے لیے اپنے علاوہ دیگر پر فضیلت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت و نیابت لازمی قرار نہیں دیتی، کیوں کہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کے والی نہیں بنے تھے، بلکہ ان کے صاحبِ موسیٰ اور حضرت خضر کی تلاش میں ان کے رفیقِ سفر حضرت یوشع بن نون ان کے امیر اور حکمران بنے تھے۔ بالکل اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یارِ غار اور رفیقِ سفرِ ہجرت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے بعد خلیفہ بنے۔ اگر علی نبی نہیں تھے، جس طرح ہارون نبی تھے، تو ہارون بھی حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کے خلیفہ نہیں بنے۔ لہٰذا یہ مماثلت اس اعتبار سے درست ثابت ہوئی کہ حضرت علی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ حیثیت صرف قرابت کے لحاظ سے رکھتے تھے، جو ہارون موسیٰ کے لیے رکھتے تھے۔

یہ بھی یاد رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ بات اس وقت کہی تھی، جب ان کو غزوہ تبوک کے وقت مدینہ پر نگران مقرر کیا تو منافقوں نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بوجھ سمجھ کر پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ لہٰذا حضرت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جا ملے اور آپ سے یہ شکوہ کیا، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے یہ کہا کہ تم میرے لیے وہی حیثیت رکھتے ہو جو موسیٰ کے لیے ہارون رکھتے تھے اور ان کو یہ بتانا چاہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کو منتخب کر کے مدینے کی نگرانی کے لیے نائب مقرر کیا ہے۔ ←

آپ ﷺ کا یہ فرمان: ''کل میں ضرور ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا، جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت رکھتا ہے اور جس کے ساتھ اللہ اور اس کا رسول بھی محبت رکھتے ہیں۔''[1]

یہ ہر مسلمان اور صاحبِ فضیلت انسان کی لازمی صفت ہے۔[2]

نبی اکرم ﷺ کا یہ عہد کہ ''علی سے صرف مومن محبت کرتا ہے اور جو منافق ہے، وہی ان سے بغض رکھتا

← پھر سفرِ تبوک سے پہلے بھی اور بعد میں بھی کئی سفروں میں آپ ﷺ نے حضرت علی کے علاوہ کئی اصحاب کو مدینہ پر نگران مقرر کیا ہے۔ چناں چہ یہ درست ثابت ہوا کہ یہ استخلاف اور نیابت حضرت علی کی دوسروں پر فضیلت اور آپ ﷺ کے بعد ان کی حکومت وخلافت کو لازمی قرار نہیں دیتی۔ جس طرح یہ نیابت وخلافت دوسرے نگرانوں کی حکومت وخلافت کو بھی واجب قرار نہیں دیتی۔ (الفصل: ٤/ ١٥٩۔ ١٦٠)

نیز حضرت علی کو حضرت ہارون کے ساتھ تشبیہ دینا حضرت ابوبکر کو حضرت ابراہیم اور عیسیٰ علیہما السلام کے ساتھ اور حضرت عمر کو حضرت نوح وحضرت موسیٰ کے ساتھ تشبیہ دینے سے بڑی تشبیہ نہیں۔ (جس طرح امام احمد نے مسند (١/ ٣٨٣، رقم الحدیث: ٣٦٣٢) میں حاکم نے مستدرک (٣/ ٢١۔ ٢٢) میں اور امام ترمذی نے کتاب الجہاد (٤/ ٢١٣) میں اس کا ایک حصہ ذکر کیا ہے)

یہ چاروں انبیا حضرت ہارون سے افضل ہیں اور ابوبکر وعمر دونوں کو ایک کے ساتھ نہیں، بلکہ دو کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، لہٰذا یہ تشبیہ علی کی تشبیہ سے زیادہ بڑی ہے۔ پھر حضرت علی کو نگران مقرر کرنے میں کئی دیگر صحابہ کی مثال بھی موجود ہے، لیکن اس تشبیہ میں ان دونوں کا کوئی شبیہ نہیں، چنانچہ یہ استخلاف خصائص میں داخل ہے نہ کسی نبی کے ساتھ بعض احوال میں مشابہت خصوصیت شمار ہوگی۔ (المنتقی، ص: ٣١٤۔ ٣١٥)

رافضہ کے اس حدیث سے استدلال کی تردید کے لیے مزید دیکھیں: شرح صحيح مسلم للنووي (٥/ ١٧٤) الإمامة والرد على الرافضة لأبي نعيم (ص: ٢١١۔ ٢٢٢) منهاج السنة (٤/ ٨٧ وما بعدها) المنتقى (٢١٢۔ ٢١٣، ٣١١) فتح الباري (٧/ ٧٤) المقدسي: الرد على الرافضة (ص: ٢٠١۔ ٢٠٨) مختصر تحفة الاثنى عشرية (ص: ١٦٣۔ ١٦٤) السالوس: الإمام عند الجعفرية في ضوء السنة (ص: ٣٣۔ ٣٤) وغیرہ۔

[1] صحيح البخاري: كتاب فضائل الصحابة، باب مناقب علي بن أبي طالب (٧/ ٧٠) صحيح مسلم: كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب (٢/ ١٨٧١۔ ١٨٧٣)

[2] یعنی یہ صفت حضرت علی کے خصائص میں داخل نہیں، بلکہ ان کے علاوہ بھی بہت سارے ایسے لوگ ہیں، جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت رکھتے ہیں اور اللہ اور اس کا رسول ان کے ساتھ محبت رکھتے ہیں، جس طرح دس متعین اشخاص کو جنت کی بشارت دی گئی ہے، چناں چہ اس صفت کا ان کی امامت اور عصمت پر نص ہونا تو درکنار ان کی خصوصیات میں بھی داخل نہیں۔ روافض جن کا یہ دعویٰ ہے کہ صحابہ کرام رسولِ کریم ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہوگئے تھے۔ ان کے لیے اس حدیث سے استدلال کرنا ممکن نہیں، کیوں کہ خوارج تو ان سے یہاں تک کہتے ہیں کہ جو مرتد ہوئے تھے، ان میں حضرت علی بھی شامل ہیں۔ امام اشعری فرماتے ہیں کہ خوارج کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کافر ہونے پر اجماع ہے۔ (مقالات: ١/ ١٦٧) لیکن اہلِ سنت بہت سارے دلائل کے ساتھ خوارج کی تردید کرتے ہیں، لیکن یہ براہین مشترکہ طور پر تینوں خلفا کے ایمان پر دلالت کرتی ہیں۔ دیکھیں: منهاج السنة (٤/ ٩٨۔ ٩٩)

ہے۔''[1] اس جیسا قول رسول ﷺ سے انصار کے حق میں بھی صحیح ہے کہ جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ ان سے بغض نہیں رکھے گا۔[2]

یہ حدیث: «مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِي مَوْلَاہُ» ''جس کا میں مولیٰ، اس کا علی مولی ہے۔''

ثقہ راویوں کی سند سے قطعاً ثابت ہی نہیں۔ (اس کی تخریج اور اس پر تعلیق آگے ذکر ہوگی)۔

ان کے علاوہ وہ تمام روایات جن کے ساتھ شیعہ تمسک کرتے ہیں، موضوع اور من گھڑت ہیں۔ جس شخص کا علم روایات و اخبار اور ناقلینِ احادیث کے متعلق کچھ تھوڑا سا بھی شغف اور تعلق خاطر ہے، وہ ان کو بڑی اچھی طرح پہچان لیتا ہے۔[3]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے امام ابن حزم سے یہ عبارت نقل کرنے کے بعد اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''اگر یہ کہا جائے کہ ابن حزم نے صحیحین میں مذکور یہ فرمانِ نبوی: «أنت مني وأنا منك»[4] ''تم مجھ سے ہو اور میں تم سے۔'' حدیثِ مباہلہ[5]، اور حدیثِ کساء[6] (یعنی چادر) ذکر نہیں کی تو کہا جائے

---

[1] سنن الترمذي: کتاب المناقب (٥/ ٦٤٣) رقم الحدیث (٣٧٣٦) امام ترمذی نے اس حدیث کو ''حسن صحیح'' کہا ہے۔

[2] صحیح مسلم: کتاب الإیمان، باب الدلیل علی أن حب الأنصار و علي رضی اللہ عنہ من الإیمان وعلاماته، وبغضهم من علامات النفاق: ١/ ٨٦، رقم الحدیث: ١٣٠) اسی طرح کئی دیگر روایات میں بھی حضرت علی کی طرح ہی انصار کی فضیلت بھی بیان ہوئی ہے، جیسے فرمایا کہ انصار سے صرف وہی محبت کرے گا جو مومن ہے اور ان سے صرف وہی نفرت کرے گا جو منافق ہے۔ (صحیح البخاري مع الفتح: کتاب مناقب الأنصار، باب حب الأنصار من الإیمان: ٧/ ١١٣، رقم الحدیث: ٣٧٨٣۔ ٣٧٨٤، رقم الحدیث: ١٢٩، سنن الترمذي: کتاب المناقب، باب فضل الأنصار وقریش: ٥/ ٧١٢، رقم الحدیث: ٣٩٠٠)

[3] الفصل (٤/ ٢٢٤)

[4] صحیح البخاري مع الفتح، کتاب الصلح (٥/ ٣٠٣۔ ٣٠٤) رقم الحدیث (٢٦٩٩) و کتاب المغازي: باب عمرة القضاء (٧/ ٤٩٩) رقم الحدیث (٤٢٥١)

[5] صحیح مسلم میں حضرت سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے، جس میں ہے: ''جب یہ آیت: ﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَ اَبْنَآءَ کُمْ﴾ [آل عمران: ٦١] نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی، فاطمہ اور حسن وحسین کو بلایا اور کہا: ''اے اللہ! یہ میرے اہل ہیں۔'' (صحیح مسلم: کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب: ٢/ ١٨٧١)

یہ حدیث امامت پر دلالت کرتی ہے نہ افضلیت ہی پر، کیوں کہ مباہلہ قریبی ونسبی رشتے داروں کے ساتھ ہوتا ہے، لہٰذا اگر آپ نسبی طور پر دور کے رشتے داروں کے ساتھ مباہلہ کرتے، چاہے وہ اللہ کے ہاں افضل ہی کیوں نہ ہو، تو مقصود حاصل نہ ہوتا، اس کا تفصیلی جواب ملاحظہ کرنے کے لیے دیکھیں: منهاج السنة (٤/ ٣٤۔ ٣٦) المقدسي: رسالة في الرد على الرافضة (ص: ٢٤٣۔ ٢٤٥)

[6] صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک صبح باہر نکلے، آپ پر ایک منقش کالی ←

گا کہ ابن حزم کا مقصود صحیح میں وہ احادیث تھیں۔ جن میں اکیلے حضرت علی کا ذکر ہوا ہو، لیکن ان روایات میں ان کے علاوہ دیگر کا بھی ذکر ہوا ہے، آپ ﷺ نے حضرت جعفر سے کہا تھا: ''تم میری سیرت وصورت دونوں میں مشابہت رکھتے ہو۔'' حضرت زید سے کہا تھا: ''تم ہمارے بھائی اور مولیٰ یعنی آزاد کردہ ہو''، لیکن حدیثِ مباہلہ اور حدیثِ کساء میں حضرت علی، فاطمہ اور حسن وحسین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کا بھی ذکر ہے، چنانچہ ابن حزم پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا۔''[1]

لیکن روافض اس باب میں بہت دور نکل گئے ہیں، انھوں نے روایات گھڑ کر صحیح نصوص و روایات میں جھوٹی روایات کا اضافہ کر دیا ہے۔ موضوعات کے متعلق کتب نے وہ جملہ روایات ذکر کی ہیں، جن سے رافضہ سند لیتے ہیں۔[2] ابن جوزی فرماتے ہیں:

''ان کے یعنی حضرت علی کے فضائل بہت زیادہ ہیں، لیکن رافضہ ان پر مطمئن نہیں، چناں چہ انھوں نے ان کے فضائل میں ایسی روایت وضع کر لی ہیں، جو ان کا مرتبہ بڑھانے کے بجائے ان کی شان گھٹاتی ہیں۔''[3]

لہٰذا آپ دیکھتے ہیں کہ یہ اپنی کتابوں میں بہت ساری ایسی روایات سے استدلال کرتے ہیں، جن کو یہ دروغ گوئی اور دھوکا دہی کی غرض سے اہلِ سنت کی کتابوں کی طرف منسوب کرتے ہیں، حالاں کہ ان کا حقیقت میں کوئی وجود ہی نہیں ہوتا۔ اسی لیے شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

''میں نے ان کی بہت ساری منسوب کردہ روایات کو دیکھا، جن کو انھوں نے (شیعہ کے علما نے جن کی انھوں نے کتابیں دیکھی) مسند اور صحیحین وغیرہما کی طرف منسوب کیا ہے، وہ باطل اور بے حقیقت ہیں۔''[4]

← چادر تھی، حسن بن علی آئے تو آپ نے ان کو اس میں داخل کر لیا، پھر حسین آئے، ان کو بھی اس میں داخل کر لیا، پھر فاطمہ آئی، ان کو بھی اس میں داخل کر لیا، آخر میں علی آئے تو ان کو بھی اس میں داخل کر لیا، پھر کہا: ﴿إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾ [الأحزاب: ٣٣] (صحيح مسلم: كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل أهل بيت النبيﷺ: ٢/ ١٨٨٣، رقم الحديث: ٢٤٢٤) روافض کا اس حدیث سے استدلال کا جواب جاننے کے لیے دیکھیں: منهاج السنة (٤/ ٢٠۔ ٢٥) المقدسي: رسالة في الرد على الرافضة (ص: ٢٤٦) مختصر التحفة (١٥٥۔ ١٥٦)

[1] منهاج السنة (٤/ ٨٦)

[2] مثال کے طور پر دیکھیں: الموضوعات لابن الجوزي (١/ ٣٣٨ وما بعدها)

[3] المصدر السابق (١/ ٣٣٨)

[4] منهاج السنة (٤/ ٢٧)

ابن المطہر حلی نے تقریباً وہ تمام روایات جمع کر دی ہیں، جن سے شیعہ اس باب میں استدلال کرتے ہیں اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ان میں حق و باطل کی تمیز کر دی ہے۔[1] لیکن روافض کے پاس اہلِ سنت کی کتابوں سے استدلال کرنے کے طریقے میں بڑے خفیہ مگر مکارانہ وسائل ہیں۔

علامہ ہند شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ شاید وہ پہلے شخص ہیں، جنھوں نے اپنی کتاب ''تحفہ اثنا عشریہ'' میں ان کی نقاب کشائی اور شرح و بیان کے لیے خامہ فرسائی کی ہے۔[2] اسی طرح علامہ آلوسی کے الفاظ میں شیخ علمائے اعلام، نابغہ روزگار، شیخ محمد المعروف، خواجہ نصر اللہ ہندی مکی نے اپنی کتاب "الصواقع المحرقة" میں ان کی حقیقت بیان کی ہے۔ علامہ آلوسی نے اس کتاب کا اختصار کیا ہے اور اس کا نام "السیوف المشرقة"[3] رکھا ہے۔ شیخ سویدی رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب ''نقض عقائد الشیعة''[4] کے ذریعے اس میں اپنا حصہ ڈالا ہے۔ میں نے اپنے مقالے ''فكرة التقريب...''[5] میں بھی ان وسائل کا ایک مجموعہ ذکر کیا ہے، جس کے تکرار کی ضرورت نہیں۔

جس طرح ہم نے شیعہ کی رائے اور مفہوم کے مطابق امامت کے اثبات میں ان کی قرآنِ کریم سے قوی ترین دلیل ذکر کی ہے، اسی طرح ہم وہ حدیث بھی ذکر کریں گے، جس کو وہ سنت سے سب سے زیادہ مضبوط دلیل خیال کرتے ہیں اور اس میں جو ذکر ہوا ہے، اس کی تفصیل ذکر کریں گے۔

شیعہ کی سنت سے بنیادی دلیل:

ان کی بنیادی اور رئیسی دلیل ''حدیثِ غدیر'' ہے۔ روافض نے اس کو اس قدر زیادہ اہمیت دی ہے کہ شیعہ کے ایک معاصر عالم نے اس حدیث کی شہرت اور صحت ثابت کرنے کے لیے سولہ جلدوں میں ایک کتاب تالیف کی ہے جس کا "الغدير في الكتاب والسنة والأدب" نام رکھا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب حجۃ الوداع سے واپس لوٹے اور غدیر خم[6] نامی جگہ پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے بیان کیا کہ علی بن ابی طالب

---

[1] خصوصاً "منهاج السنة" کی آخری جلد میں۔ ڈاکٹر علی سالوسی نے امامت کے متعلقہ، کتبِ ستہ، موطا اور مسند احمد میں مذکور تمام روایات جمع کر کے ان کی اسانید و متون پر تحقیق پیش کی ہے اور یہ نتیجہ نکالا ہے کہ سنتِ نبویہ امامت کے مسئلے میں جعفریہ کے مذہب کی تائید نہیں، بلکہ صحیح و ثابت احادیث کے ساتھ اس کی مخالفت کرتی ہے۔

[2] دیکھیں: تحفة الإثنى عشرية (الورقة: ٤٤ وما بعدها) مختصر التحفة الإثنى عشرية (ص: ٣٢ وما بعدها)

[3] دیکھیں: السيوف المشرقة، ومختصر الصواقع المحرقة (الورقة: ٥٠ وما بعدها)

[4] دیکھیں: نقض عقائد الشيعة، (مخطوط، الورقة: ٢٥ وما بعدها)

[5] فكرة التقريب (ص: ٥٢ وما بعدها)

[6] خم۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان جحفہ کے پاس ایک وادی ہے، جہاں ایک تالاب بھی ہے، یہ وادی بہت زیادہ تعفن اور خرابیِ آب و ہوا میں مشہور ہے۔ (معجم البلدان: ٢/ ٣٨٩)

میرے بعد خلیفہ اور وصی ہوں گے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت: ﴿يَآيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ﴾ [المائدة: ٦٧] میں آپ ﷺ کو اس کا حکم دیا ہے۔ شیعہ کے عالم مجلسی نے اس مفہوم کی اپنی ۱۰۵ روایات ذکر کی ہیں۔[1] وہ کہتا ہے:

''ہم نے اور ہمارے مخالفین نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ غدیر خم کے دن تمام مسلمان اکٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرت ﷺ کھڑے ہوئے اور کہا: لوگو! کیا میں مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھنے والا نہیں؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جس کا میں مولا اس کا علی مولی۔ اے اللہ! جو اس کے ساتھ محبت رکھے، تو بھی اس کے ساتھ محبت رکھ، جو اس کے ساتھ عداوت رکھے، تو بھی اس کے ساتھ عداوت رکھ، اس کی مدد کر، جو اس کی مدد کرے اور اس کو رسوا کر جو (اس کی مدد چھوڑ کر) اس کو رسوا کرے۔''[2]

شیعہ کی کتبِ تفسیر نے اس آیت: ﴿يَآيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ﴾ [المائدة: ٦٧] کی تفسیر میں حضرت علی کی امامت پر استدلال کرتے ہوئے یہ حدیث ذکر کی ہے۔ اسی طرح ان کی وہ تمام کتب جو مسئلہ امامت کے موضوع پر ہیں، وہ بھی اس کو ذکر کرتی ہیں۔[3]

یہ لوگ اس حدیث کو ان احادیث کے سرفہرست رکھتے ہیں، جن سے یہ اہلِ سنت کے خلاف استدلال و احتجاج کرتے ہیں۔ شیعہ کے عالم عبداللہ شبر کا کہنا ہے:

''تمام عامہ (اہلِ سنت) نے جو متواتر طرق اور کثیر اسانید کے ساتھ روایت کی ہے، وہ سو طرق کے قریب ہے، ان کا اس کی صحت پر اتفاق ہے اور ان کے اس کے وقوع پذیر ہونے کا بھی اتفاق ہے اور وہ حدیث غدیر ہے۔'' پھر اس نے اس کا تقریباً وہی خلاصہ ذکر کیا ہے، جو ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔''[1]

---

[1] بحار الأنوار (٣٧/ ١٠٨۔ ٢٥٣)

[2] المصدر السابق (٣٧/ ٢٢٥)

[3] دیکھیں: ابن المطهر: كشف المراد (ص: ٣٩٥) القزويني: الشيعة في عقائدهم (ص: ٧١) الصادقي: علي والحاكمون (ص: ٥٥۔ ٧٦) خليل ياسين: الإمام علي (ص: ٢٩٢) الزنجاني: عقائد الإمامية الإثنى عشرية (١/ ٩٠) الأصفهاني: عقيدة الشيعة في الإمامة (ص: ٥٥)

[4] حق اليقين (١/ ١٥٣) صادقی کہتا ہے: ''قصہ غدیر ان ثابت ترین آثار میں سے ہے، جن کو راوی نقل کرتے ہیں۔'' (علي والحاكمون، ص: ٧٢) یہ حاضر اور غائب سب کے لیے حجت ہے، اب اللہ تعالیٰ کی اس کے بعد کوئی حجت نہیں۔ المصدر السابق (ص: ٧٣)

ابن المطہر نے بھی اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور شیخ الاسلام نے اس کا تسلی بخش جواب دیا ہے۔[1]
اسی طرح امام محمد بن عبدالوہاب نے بھی شیعہ کے عالم مفید کے ساتھ، اس حدیث کو اس شکل میں پیش کرنے پر جس میں اس کو شیعہ دیکھتے ہیں، مناقشہ اور بحث مباحثہ کیا ہے۔[2] اسی طرح وہ اکثر اہلِ سنت علما جنھوں نے روافض کا رد کیا ہے، ان تمام نے بھی اس حدیث کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔[3]

ہم ذیل کی سطور میں اہلِ سنت کے جواب کا خلاصہ پیش کرتے ہیں:

اس حدیث میں وضاعین نے اضافہ کیا ہے۔ اہلِ علم کی ایک جماعت کے نزدیک اس حدیث میں صرف آپ ﷺ کے یہ الفاظ صحیح ثابت ہیں: «مَن کُنتُ مَوْلَاہُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاہُ»[4] جب کہ بعض اہلِ علم کا کہنا ہے کہ اس حدیث کی قطعاً کوئی بات بھی صحیح ثابت نہیں۔

امام ابن حزم کہتے ہیں:

''یہ حدیث «مَن کُنتُ مَوْلَاہُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاہُ» ثقات کے طریق سے قطعاً ثابت ہی نہیں۔''[5]

انھوں نے امام بخاری، ابراہیم الحربی اور محدثین کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے اس میں جرح کی ہے اور اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔[6]

---

[1] دیکھیں: منهاج السنة (٤/ ٩ـ ٦، ٨٤ـ ٨٧) المنتقیٰ (ص: ٤٢٢ـ ٤٢٥، ٤٦٦، ٤٦٨)

[2] دیکھیں: رسالة في الرد علی الرافضة (ص: ٦ـ ٧)

[3] دیکھیں: أنو نعیم: الإمامة والرد علی الرافضة (ص: ١٣) المقدسي: رسالة في الرد علی الرافضة (ص: ٢١١ـ ٢٢٤) الطفیلي: المناظرة بین أهل السنة والرافضة (ص: ١٥ـ ١٦) الألوسي: روح المعاني (٦/ ١٩٢ـ ١٩٩)

[4] محمد بن عبدالوهاب: رسالة في الرد علی الرافضة (ص: ١٣) سنن ابن ماجه (١/ ٤٣) سنن الترمذي: كتاب المناقب، باب مناقب علي بن أبي طالب: ٥/ ٦٣٣، رقم الحدیث: ٣٧١٣) وقال: هذا حدیث حسن صحیح. امام ابن ماجہ نے اپنی سند سے براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ ہم حج کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آئے تو آپ نے راستے میں ایک جگہ اتر کر نماز کھڑی کرنے کا حکم دیا، پھر علی کا ہاتھ پکڑا اور کہا: کیا میں مومنوں سے ان کی جانوں سے زیادہ خیر خواہ نہیں ہوں؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں، فرمایا: یہ (علی رضی اللہ عنہ) ولی ہے، اس شخص کا، جس کا میں مولیٰ ہوں، اے اللہ! جو اس سے محبت کرے تو بھی اس سے محبت کر اور جو اس سے عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ۔ (سنن ابن ماجه: ١/ ٤٣، رقم الحدیث: ١١٦) زوائد ابن ماجہ میں ہے کہ اس کی سند علی بن زید بن جدعان کی وجہ سے ضعیف ہے۔ (الزوائد، ص: ٦٩) علامہ احمد شاکر نے کہا ہے کہ اس حدیث کا متن صحیح ہے، بہت زیادہ اسانید کے ساتھ مروی ہے۔ وہ اکثر طرق ''مجمع الزوائد'' میں ہیں۔ (الإمام أحمد: ١/ ٨٤، المسند: ٢/ ٥٦، تحقیق أحمد شاکر، و مجمع الزوائد (٩/ ١٠٣ـ ١٠٩)

[5] ابن حزم: الفصل (٤/ ٢٢٤) نیز دیکھیں: ابن تیمیة: منهاج السنة (٤/ ٨٦) والذهبي: المنتقی مختصر منهاج السنة (ص: ٤٦٧)

[6] منهاج السنة (٤/ ٨٦)

شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

''اس کا کہنا: «مَن كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ» یہ صحاح میں موجود نہیں۔ لیکن اس روایت کو اہلِ علم نے ذکر ضرور کیا ہے اور لوگوں کا اس کی صحت میں تنازع اور اختلاف ہے۔'' [1]

''پھر اس کا یہ کہنا: «اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ، وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ، وَنْصُرْ مَنْ نَّصَرَهٗ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَهٗ» یہ حدیث کی معرفت رکھنے والوں کے اتفاق کے ساتھ جھوٹ ہے۔'' [2]

اس کے بعد شیخ الاسلام نے بیان کیا ہے کہ محض اس کے متن پر ایک نظر ڈالنے سے اس کا جھوٹ عیاں ہو جاتا ہے، کیوں کہ یہ قول: «اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ، وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ، وَنْصُرْ مَنْ نَّصَرَهٗ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَهٗ» [3] تاریخی طور پر ثابت شدہ حقائق کے بالکل خلاف ہے، چناں چہ یہ رسول اللہ ﷺ سے صحیح ثابت نہیں اور اس کا یہ قول «اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ، وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ» اسلام کے قانون ہی کے خلاف ہے، کیوں کہ قرآنِ کریم نے بیان کیا ہے کہ مومنین آپس میں قتال اور ایک دوسرے سے پر ظلم و زیادتی کے باوجود بھائی بھائی ہیں۔ [4]

شیخ الاسلام اس قول: «مَن كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ» کے ثبوت میں اہلِ علم کا اختلاف ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اگر یہ رسول اللہ ﷺ نے نہیں کہا تو پھر کوئی کلام ہی نہیں اور اگر کہا ہے تو اس سے اپنے بعد خلافت مراد نہیں لی، کیوں کہ اس لفظ میں اس کی دلالت موجود نہیں۔ یہ اتنا عظیم معاملہ تھا کہ اس کا واضح ابلاغ اور اعلان کرنا ضروری تھا...۔ یہ بھی یاد رہے کہ موالات (دوستی) معاداۃ (عداوت) کا متضاد ہے اور یہ حکم ہر مومن کے لیے ثابت ہے۔ (حضرت علی کو یہاں اس کے ساتھ کیوں مخصوص کیا گیا ہے، اس کا سبب آگے ذکر ہوگا) حضرت علی ان مومنین میں سے ہیں، جو مومنین کے ساتھ وِلا رکھتے ہیں اور حضرت علی ان کے ساتھ وِلا اور محبت رکھتے ہیں۔ اس حدیث میں حضرت علی کے

---

[1] المصدر السابق.

[2] منهاج السنة (٤/ ١٦)

[3] جنگِ صفین میں ان کے ساتھ بہت سارے لوگوں نے شرکت کی، لیکن ان کو فتح نصیب نہیں ہوئی اور کچھ لوگوں نے ان کے ساتھ لڑائی میں حصہ نہیں لیا تھا، لیکن وہ رسوا نہیں ہوئے، جیسے حضرت سعد، جنھوں نے عراق فتح کیا، وہ ان کے ساتھ لڑائی میں شریک نہیں ہوئے تھے، ایسے ہی اصحابِ معاویہ رضی اللہ عنہ اور بنو امیہ جنھوں نے ان کے خلاف لڑائی لڑی، انھوں نے بہت زیادہ کفار کے علاقے فتح کیے اور اللہ نے ان کی مدد کی۔ (مجموع فتاویٰ شيخ الإسلام: ٤/ ٤١٨)

[4] المصدر السابق.

باطن میں بھی ایمان کی تصدیق ہے اور اس بات کی تصدیق ہے کہ حضرت علی ظاہر اور باطن دونوں اطراف میں موالات کے مستحق ہیں۔ اس میں ان کے جو دشمن مراد لیے ہیں، وہ خوارج اور نواصب ہیں، لیکن اس میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ مومنوں میں ان کے سوا کوئی مولیٰ نہیں، یہ ہو بھی کس طرح ہوسکتا ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کے موالی اور محبت رکھنے والے صالح مومنین ہیں۔''[1]

قاموس کے مولف فیروز آبادی لکھتے ہیں:

''رافضہ میں سے جو کوئی یہ گمان رکھتا ہے کہ اس آیت ﴿اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ﴾ یا حدیث میں حضرت علی کی رسول اللہ ﷺ کے بعد خلیفہ ہونے پر کوئی دلالت موجود ہے تو یہ ایسے شخص کی جہالت اور خطا کی قطعی دلیل ہے، کیوں کہ وَلایۃ (زبر کے ساتھ) عداوت کا متضاد ہے، اس سے اسم مولیٰ اور ولی ہوتا ہے اور وِلایۃ (زیر کے ساتھ) امارت کے معنی میں ہے اور اس سے اسم والی یا متولی ہے، اسی طرح موالات، معادات کی ضد اور الٹ ہے، اس میں دونوں اطراف شریک ہوتے ہیں، جس طرح اس آیت میں ہے:

﴿ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ﴾ [التحريم: ٤]

''اور اگر تم اس کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو تو یقیناً اللہ خود اس کا مددگار ہے اور جبریل اور صالح مومن اور اس کے بعد تمام فرشتے مددگار ہیں۔''

اور اس آیت میں ہے:

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴾ [محمد: ١١]

''یہ اس لیے کہ بے شک اللہ ان لوگوں کا مددگار ہے جو ایمان لائے اور اس لیے کہ بے شک جو کافر ہیں ان کا کوئی مددگار نہیں۔''

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ﴾ [التوبة: ٧١]

''اور مومن مرد اور مومن عورتیں، ان کے بعض بعض کے دوست ہیں۔''[2]

---

[1] منهاج السنة (٤/ ٨٦)

[2] القضاب المشتهر (الورقة: ١٣)

اس مفہوم کی آیات بہت زیادہ ہیں۔[1] بہ ظاہر یوں لگتا ہے کہ رافضہ نے جب یہ دیکھا کہ یہ حدیث ان کی مطلب برآری نہیں کرتی تو انھوں نے اس میں بڑے کھلے اضافہ جات کر لیے۔ امام محمد بن عبدالوہاب ان جملہ اضافہ جات میں سے، جو روافض نے اس حدیث میں کیے ہیں، بعض کے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ بہ اجماع اہلِ اسلام کفر ہیں۔[2]

جو شخص ان اضافہ جات کا مجلسی نے اپنی کتاب ''بحار الأنوار'' میں جو جمع کیا ہے، اس کے تناظر میں مطالعہ کرتا ہے تو اس کو اس میں اتنا زیادہ کفر اور گمراہی نظر آتی ہے، جس کی تفصیل اور شرح بیان کرنے کے لیے سیکڑوں صفحات کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اس کے جھوٹ کو ثابت کرنے کے لیے محض اس کے متن پر نظر ڈال لینا ہی کافی ہے۔

شریعت تو ایک طرف رہی یہ بات لغت، عقل اور عرفِ عامہ کی روشنی میں واضح اور معلوم ہے کہ یہ استخلاف (خلیفہ مقرر کرنا) ان جیسے الفاظ سے نہیں ہوتا، اسی لیے جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے کہا گیا، جیسا کہ امام بیہقی نے روایت کیا ہے، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا: «مَن كُنتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ» ''جس کا میں مولیٰ اس کا علی مولیٰ ہے۔'' تو انھوں نے جواب میں فرمایا:

> ''خدا کی قسم! اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے مراد اپنے بعد امارت، اقتدار اور لوگوں کی سربراہی ہوتی، تو آپ ان سے اس طرح واضح الفاظ میں بیان کرتے، جس طرح آپ نے ان کے سامنے نماز، زکات، روزے اور حج کے احکام واضح انداز میں بیان کیے اور آپ ان سے کہہ دیتے: یہ میرے بعد تمھارے ولیِ امر ہوں گے، ان کی بات سننا اور ان کی اطاعت کرنا، تو اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہ ہوتی، کیوں کہ مسلمانوں کے ساتھ سب سے زیادہ خیر خواہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔''[3]

مطلب یہ ہوا کہ حدیث میں جس وَلایۃ کا ذکر ہوا ہے، وہ ہر مومن کو شامل ہے، لیکن حضرت علی کو اس کے ساتھ اس لیے مخصوص کیا تھا، کیوں کہ بعض لوگوں نے ان پر زبان طعن دراز کی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے لیے مدینے سے نکلنے سے پہلے انھیں یمن بھیجا تو انھوں نے ان کے خلاف شکایات کی بھرمار کر دی۔[4] اس لیے

---

[1] دیکھیں: المجعم الفهرس، مادة "ولي"

[2] دیکھیں: رسالة في الرد على الرافضة (ص: ٦ وما بعدها)

[3] البهيقي: الاعتقاد (ص: ١٨٢۔ ١٨٣) نیز دیکھیں: تهذيب تاريخ دمشق (٤/ ١٦٩) أبو حامد المقدسي: رسالة في الرد على الرافضة (ص: ٢٢٢۔ ٢٢٣)

[4] دیکھیں: سيرة ابن هشام (٢/ ٦٠٣) البداية والنهاية (٥/ ١٠٤۔ ١٠٥)

امام بیہقی ذکر کرتے ہیں:

''اگر اس کی سند صحیح بھی ہو، تب بھی اس میں آپ ﷺ کے بعد حضرت علی کے ولیِ امر بننے پر کوئی نص اور وصیت مذکور نہیں۔ ہم نے کتاب الفضائل میں طرقِ حدیث سے اس سے نبی ﷺ کا مقصود بیان کیا ہے۔ جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ جب آپ ﷺ نے ان کو یمن بھیجا، تو ان کے بارے میں بہت زیادہ شکایات آنے لگیں اور انھوں نے ان کے خلاف بغض ونفرت کا اظہار کیا تو نبی اکرم ﷺ نے ان کے ساتھ اس بات اور اپنی محبت کا بالاختصاص ذکر کیا اور اس کے ذریعے ان کو ان کے ساتھ محبت وموالات رکھنے اور ان کے ساتھ عداوت ترک کرنے کی ترغیب دلائی، چنانچہ فرمایا: ﴿مَنْ كُنْتُ وَلِيُّهُ فَعَلِيٌّ وَلِيُّهُ﴾ ''جس کا میں مولیٰ، اس کا علی مولی۔'' بعض روایات میں ہے: ﴿مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ﴾ ''جس کا میں دوست، اس کا علی دوست۔'' اس میں اسلام کی ولا اور مودت مراد ہے اور مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ محبت رکھیں، عداوت نہ رکھیں۔''[1]

---

[1] الاعتقاد (ص: ۱۸۱) آخر میں ہم حدیثِ غدیر کے متعلق چند ملاحظات کرکرنا چاہتے ہیں:

① یہ فرمانِ الٰہی: ﴿يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ آپ ﷺ کے حج سے بہت عرصہ پہلے نازل ہوا اور غدیر کا واقعہ آپ کے حج سے لوٹنے کے بعد ۱۸ ذوالحجہ کو رونما ہوا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: منهاج السنة: ٤/ ٨٤) لہٰذا ان کا یہ کہنا: ''جب آپ ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے خطبہ غدیر ارشاد فرمایا۔ یہ بات ایسے شخص نے گھڑی ہے، جس کو صحیح گھڑنا بھی نہیں آتا۔

② یہ جو امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے غدیر خم میں فرمایا: ''میں تو صرف ایک بشر ہوں، ہوسکتا ہے کہ میرے رب کا ایلچی آجائے اور میں اس کا پیغام قبول کرلوں، لہٰذا میں تم میں دو قیمتی ونفیس چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، پہلی کتاب اللہ ہے، جس میں ہدایت اور نور ہے، کتاب اللہ کو تھامے رکھو اور اس کے ساتھ تمسک کیے رکھو۔'' آپ نے کتاب اللہ کی ترغیب دی۔ پھر فرمایا: اور میرے اہلِ بیت۔ میں تمھیں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ یاد کرواتا ہوں...'' (صحيح مسلم: كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب رضي الله عنه: ۲/ ۱۸۸۳، رقم الحديث: ۲٤۰۸)

اس کے متعلق شیخ الاسلام فرماتے ہیں: ''امام مسلم اس کو روایت کرنے میں منفرد ہیں، بخاری نے اس کو روایت نہیں کیا۔ اس میں کتاب اللہ کی اتباع کی وصیت کے سوا اور کچھ نہیں، اس کے بارے میں حجۃ الوداع کے موقع پر پہلے بھی وصیت ہوچکی تھی، آپ ﷺ نے عترت یعنی اپنی آل کی اتباع کا حکم نہیں دیا، لیکن یہ فرمایا کہ میں تمھیں اپنے اہلِ بیت کے متعلق اللہ تعالیٰ کو یاد کرواتا ہوں۔ امت کا ان کو یاد رکھنا یہ تقاضا کرتا ہے کہ ان کو جو پہلے ان کے حقوق عطا کرنا اور ان سے ظلم روکنے کے متعلق حکم دیا گیا تھا، اس کو یاد رکھیں۔ اس امر کا بیان غدیر خم سے پہلے ہو چکا تھا، تو معلوم ہوا غدیر میں کوئی ایسا حکم نہیں دیا گیا جو حضرت علی کے متعلق نازل ہوا، نہ کسی دوسرے کے متعلق ہی اترا۔'' (منهاج السنة: ٤/ ٨٥) ←

کتاب اللہ سے ان کی سب سے اہم دلیل اور سنتِ رسول ﷺ سے ان کی قوی ترین برہان ذکر کرنے کے بعد ان کے باقی دلائل کا جائزہ ہم اہلِ سنت کی کتب پر چھوڑ دیتے ہیں، جن میں روافض کے ان شبہات اور اعتراضات کا تتبع کیا گیا ہے اور ان کی بیخ کنی کر دی گئی ہے، جو وہ کتبِ سنت سے اٹھاتے ہیں۔

بلاشبہہ اس شبہے کو جاننا اور اس کا جواب دینا ایک آسان کام ہے، کیوں کہ صرف ''منهاج السنة'' اور اس طرز کی دیگر اہلِ سنت کی کتب کی طرف رجوع کرنا کافی ہے، لیکن ہماری اس بحث میں ان تمام کا جائزہ لینا کئی جلدوں کا پیٹ بھر دے گا، لیکن کوئی نئی چیز پیش نہیں کرے گا، اس لیے ہم نے ان کی کتاب وسنت میں سے قوی ترین دلیل ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

ایک اور انتہائی زیادہ اہمیت کا حامل سبب یہ بھی ہے کہ روافض سردست ان روایات پر یقین ہی نہیں رکھتے، جو اہلِ سنت کے طریق سے نقل ہوئی ہیں، خواہ وہ صحت کے سب سے بلند درجے پر ہی کیوں نہ فائز ہوں۔ جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ لیکن میری رائے کے مطابق وہ یہ شبہات ان دو امور کے حصول کے لیے پیدا کرتے ہیں:

① اپنے پیروکاروں میں سے شک، تردد اور حیرانی کے شکار افراد کو یہ دھوکا دے کر مطمئن کرنا کہ یہ عقائد شیعہ اور اہلِ سنت کے درمیان اتفاقی عقائد ہیں، لیکن اہلِ سنت انکار وعناد کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

② اہلِ سنت کو ان مسائل اور ان کے دفاع میں مشغول رکھنا، تاکہ وہ روافض کی حدیث، تفسیر اور رجال کی معتبر کتابوں تک رسائی حاصل نہ کر سکیں اور بصیرت وژرف نگاہی سے ان کا مطالعہ وتحقیق نہ کر سکیں، تاکہ جاہل پیروکاروں کے سامنے ان کی حقیقت منکشف نہ ہو سکے۔

اس لیے مَیں کہتا ہوں کہ علمائے اہلِ سنت نے پہلے معاملے کا سامنا کرنے میں بڑی زبردست کوششیں پیش کی ہیں، لیکن دوسرے معاملے میں روافض کی کتب کی عدم دستیابی ان کے اور ان پر تنقید کے درمیان بہت بڑی رکاوٹ رہی ہے۔ البتہ عصورِ متاخرہ میں علمائے پاک وہند نے اس کام میں بہت زیادہ حصہ ڈالا ہے، لیکن ابھی علمی وموضوعاتی تحقیقات کے ذریعے اس سلسلے کو جاری رکھنے اور اس میں کوششیں تیز کرنے کی اشد ضرورت ہے، تاکہ ان دھوکے کا شکار ہونے والے جاہلوں کے سامنے ان کا جھوٹ اور جعلی پن کھل کر سامنے آجائے۔

← فیروز آبادی کا کہنا ہے: ''آپ کا یہ فرمان: مَیں تم کو اپنے اہلِ بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرواتا ہوں'' یہ حضرت علی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ وہ تمام اہلِ بیت کے درمیان مشترک ہے، جس میں آلِ علی، آلِ جعفر، آلِ عقیل اور آلِ عباس داخل ہیں، لیکن رافضہ اس وصیت کو قبول کرنے میں تمام لوگوں سے پیچھے ہیں، کیوں کہ وہ جمہور اہلِ بیت کے ساتھ دشمنی رکھتے ہیں اور اہلِ بیت کے خلاف کفار کی مدد کرتے ہیں۔'' (القضاب المشتهر، ص: ۱۳)

مسئلہ نص و وصیت کے متعلق ان کی سنت سے اہم دلیل ذکر کرنے کے بعد اب ہم شیعہ کتب کی طرف آتے ہیں۔

نص (وصیتِ امامت) شیعہ کی کتابوں میں:

رافضہ کے قول اور نظریے کی بنیاد صرف ان کا دعویٰ وصیت ہے۔[1] ان کا اس مسئلے پر استدلال بھی اپنے اندر بڑی بوقلمونی رکھتا ہے۔ کبھی آسمانی کتابیں علی اور ائمہ کی امامت کی وصیت وتخصیص لے کر نازل ہوتی ہیں، لیکن یہ کتابیں ۲۶۰ ہجری سے غائب منتظر کے ساتھ ہی غائب ہو چکی ہیں۔[2] کبھی یہ کہتے ہیں کہ بارہ کی تعیین کے متعلق کچھ دوسری صریح قرآنی نصوص بھی تھیں، جو صحابہ کی کوشش کے نتیجے میں قرآنِ کریم سے چھپا دی گئیں۔[3] تیسرے موقع پر وہ یہ کہتے ہیں کہ کئی صریح نصوص اور روایات تھیں، جو رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلیں، لیکن امت نے ان کو چھپانے پر اتفاق و اجماع کر لیا۔ رجال الکشی وغیرہ کے مطابق سب سے پہلے جس نے اس قول کو علی الاعلان پیش کیا، وہ ابن سبا تھا۔[4] بسا اوقات چوتھی جگہ پر وہ باطنی تاویلات کا سہارا لیتے ہوئے قرآنی آیات سے ائمہ مراد لیتے ہیں، لیکن ان تاویلات کو ائمہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔[5]

اس نظریے کو مزید تقویت پہنچانے کے لیے وہ ائمہ کے بارے میں یہ بڑے عجیب وغریب دعوے کرتے ہیں کہ ان سے خارقِ عادت امور یعنی معجزات کا ظہور ہوتا ہے، وہ عصمت مطلقہ کے حامل ہیں۔ ان کے پاس آسمانی وحی سے حاصل ہونے والے علوم اور موروثی کتابیں ہیں اور ائمہ میں ایسی علامات ہوتی ہیں، جن کے ہوتے ہوئے وہ ساری انسانیت سے منفرد نظر آتے ہیں...الخ

آغاز میں ابن سبا نے وصیت کا دعویٰ صرف حضرت علی تک محدود رکھا تھا، اس کے بعد اس دعویٰ میں آلِ محمد ﷺ کے دیگر افراد کو بھی شامل کر لیا گیا، لیکن شیعہ فرقوں کا ان کی تعداد اور اعیان و اعلام کے بارے میں بڑا سخت اختلاف ہے۔ اہلِ علم کی ایک جماعت کے مطابق ہشام بن حَکم اور شیطان الطاق نے اس نظریے کو پھیلانے کا بیڑا اٹھایا، پھر ۲۶۰ ہجری کے بعد امام غائب کا نظریہ تخلیق کرنے والی ایک جماعت کے ہاتھوں،

---

[1] دیکھیں: ابن تیمیة: منهاج السنة (۳/ ۳۵٦)
[2] اسی کتاب کا صفحہ نمبر (٦۳۱) دیکھیں۔
[3] اسی کتاب کا صفحہ نمبر (۲۲۵) دیکھیں۔
[4] اسی کتاب کا صفحہ نمبر (۷۰۰) دیکھیں۔
[5] اسی کتاب کا صفحہ نمبر (۱۴۹) دیکھیں۔

جنھوں نے اس کی نیابت اور اس کے نام پر روزی کے اڈے لگا لیے، بارہ اماموں کی امامت کا قول قرار پا گیا، اس کی تفصیل مسئلہ ''غیبت'' (روپوشی) کے ضمن میں آئے گی۔

شیعہ کی وصیتِ ائمہ کے متعلق روایات نے ان کی معتبر کتب میں، جیسے: الکافی، بحار الانوار اور کتبِ تفسیر میں، اسی طرح شیعہ علما کی عام کتابوں میں، جیسے مفید، ابن بابویہ، طوسی اور ابن مطہر وغیرہم کی تصانیف ہیں، بہت زیادہ جگہ گھیری ہے۔ جب اس بات میں شیعہ اور اہلِ سنت کی کتابوں میں تقریباً اتفاق ہو چکا ہے کہ وصیتِ امام کا جھوٹ گھڑنے والا پہلا شخص ابن سبا تھا۔ شیعہ کی کتابوں نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ وصیت و تخصیص امام کی روایات شیعیت کی طرف منسوب افراد کے درمیان خفیہ انداز میں رائج پذیر تھیں۔ علمائے اسلام کے سامنے، جن میں ائمہ اہلِ بیت بھی شامل تھے، اس کا اعلان و اظہار نہیں کیا گیا اور یہ راز داری پر مبنی فضا افترا پردازی اور جھوٹ سازی کے لیے بڑی سازگار تھی، پھر تدوین مذہبِ شیعہ اور افترا سازی کا آغاز بھی صفار، ابراہیم قمی اور کلینی جیسے عناصر کے ہاتھوں ہوا، جن کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔ اگر معاملہ ایسے ہی تھا تو کیا ایک مسلمان ان جیسی نصوص اور روایات پر یقین کر سکتا ہے، جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ زیادہ ہوتی رہیں؟

بعض اصولی شیعہ ان مدونات اور بڑی بڑی کتابوں میں مذکور تمام روایات پر ہو سکتا ہے کہ اعتماد و یقین نہ کرتے ہوں، حتی کہ جعفر آلِ کاشف غطا نے اپنی کتاب ''کشف الغطا'' میں، جس پر آج شیعہ اعتماد کرتے ہیں، لکھا ہے:

''تینوں محمدوں پر تحصیلِ علم میں کس طرح اعتماد کیا جا سکتا ہے؟!''[1]

شیعہ کی وہ اکیلی کتاب جس کے ہر جملے پر ان کو اطمینانِ خاطر حاصل ہے، وہ ''نهج البلاغة'' ہے، حالانکہ یہ چوتھی صدی میں امیر المومنین سے نقل کی گئی اور امیر المومنین پہلی صدی میں ہوئے ہیں، اس کی کوئی معروف سند بھی نہیں۔[2] اگر ان کی بنیادی اور رئیسی کتاب کا یہ عالم ہے تو باقیوں کا کیا حال ہوگا؟!

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

اسی لیے شیخ الاسلام نے ذکر کیا ہے:

''کوئی امامی بھی اس نص کو متواتر تو کجا متصل سند کے ساتھ بھی نقل نہیں کرتا۔''[3]

---

[1] صفحہ نمبر (۴۰۱) پر اس کے الفاظ گزر چکے ہیں، تینوں محمدوں سے اس کی مراد کتبِ اربعہ کے مولفین ہیں۔

[2] دیکھیں: صفحہ نمبر (۴۲۳)

[3] منهاج السنة (٤/ ٢١٠)

اس کے باوجود اگر ہم ''نهج البلاغة'' ہی کی عدالت میں فیصلہ لے جائیں تو وہ بھی دعوائے وصیت و تنصیص کے خلاف ہی فیصلہ دیتی ہے اور اس باب میں ان کے تمام مزاعم کو پاش پاش کر دیتی ہے، پھر تناقض ثابت کرتی ہے اور تناقض بطلانِ مذہب کی دلیل ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ ''نهج البلاغة'' میں مذکور ہے:

''لوگوں نے جب امیر المومنین حضرت علی کی بیعت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو انھوں نے کہا: مجھے چھوڑ دو اور میرے علاوہ کوئی دوسرا شخص تلاش کرو۔ ہم ایسے امر کا سامنا کرنے والے ہیں، جس کے کئی وجوہ اور رنگ ہوں گے، دل اس کے لیے قائم نہیں رہ سکیں گے اور عقلیں اس پر ثابت نہیں رہ سکیں گی۔ اگر تم مجھ کو چھوڑ دو گے تو میں تم میں سے ایک آدمی کی طرح ہوں گا، بلکہ جس کو تم اپنا حکمران بنا لو گے، اس کا تم سب سے زیادہ اطاعت گزار اور فرمانبردار ہوں گا۔ میرا تمھارے لیے وزیر ہونا امیر ہونے سے زیادہ بہتر ہے۔''[1]

یہ روایت اس حقیقت پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت علی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے امامت کے لیے منصوص علیہ اور متعین نہیں تھے، وگرنہ ان کا یہ کہنا قطعاً درست نہ ہوتا کہ ''مجھ کو چھوڑ دو'' شاید میں زیادہ فرمانبردار ہوں گا... میں تمھارے لیے وزیر بن کر امیر سے بہتر ثابت ہوں گا...۔''[2]

امام معصوم یہ کہہ کر ''مجھ کو چھوڑ دو'' کیوں کر اپنی بیعت امامت سے انکار کر سکتا ہے؟ اگر یہ دین کے ارکان میں شامل ہے تو پھر وہ یہ بات کہہ کر ''میرے علاوہ کوئی دوسرا تلاش کر لو'' کس طرح کسی دوسرے کی

[1] نهج البلاغة (ص: ١٣٦) شیعہ عالم مفید نے ارشاد میں کہا ہے: میں علما نے امیر المومنین کا یہ کلام بھی محفوظ کیا ہے کہ انھوں نے کہا: ''تو تم میرے پاس آئے، تم نے کہا: ہم سے بیعت لو، میں نے کہا: میں ایسا نہیں کروں گا، تم نے کہا: ضرور ایسا کہو، میں نے کہا: نہیں، میں نے اپنی مٹھی بند کر لی، تم نے اس کو پھیلا دیا، میں تم سے دور ہوا، تم نے مجھ کو اپنی طرف کھینچ لیا، تم نے مجھ کو ایسے کھینچا، جیسے پیاسے اونٹ کو پانی پلانے کے لیے گھاٹ پر لایا جاتا ہے، حتی کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ تم مجھے قتل کر دو گے، تم میرے سامنے آپس میں لڑنے لگے تو میں نے اپنا ہاتھ پھیلا دیا اور تم نے میری بیعت کی۔'' (الإرشاد، ص: ١٣٠۔ ١٣١) ط الأعلمي، بیروت، (ص: ١٤٣۔ ١٤٤) ط: الحيدرية بالنجف.

کیا جو شخص خلافت کی آرزو رکھتا ہو اور حضرت فاطمہ کو اپنے ساتھ لے کر صحابہ کے گھروں کے چکر لگاتا پھرتا ہو اور ان سے بیعت کی درخواست کرتا ہو، جس طرح شیعہ افسانے بیان کرتے ہیں، وہ اس جیسا کلام کہہ سکتا ہے؟ کیا اس قول کے بعد بھی وصیتِ امامت کے دعوے اور مخالفینِ امامت کے کفر کے قول کی کچھ حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟ کیا یہ کہیں اس خیال کو تو پڑوان نہیں چڑھا رہے کہ حضرت علی لوگوں کو کفر کی دعوت دیتے تھے؟ کیوں کہ جو شخص منصوص علیہ اور متعین امام کی بیعت نہیں کرتا، وہ شیعہ کی لغت میں کافر ہے، جب کہ یہاں حضرت علی بیعت سے انکار کر رہے ہیں؟

[2] محمود شكري الآلوسي: تعليقات على ردود الشيعة (مخطوط)

بیعت کا حکم دے سکتا ہے؟ حالاں کہ شیعہ کی کتابیں کہتی ہیں:

''تین اشخاص ایسے ہوں گے، جن کی طرف اللہ تعالیٰ دیکھیں گے نہ ان سے کلام کریں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا، ان میں سے ایک وہ ہوگا، جس نے کسی ایسے امام کی بیعت کی، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر نہ کیا گیا ہو...''

تو کیا وہ ان کو ایمان کے بعد کفر کا حکم دے رہے تھے؟ یا پھر یہ ہے کہ اس باب میں شیعہ نے جتنے دعوے کیے ہیں، ان کا حضرت علی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ کسی کینہ پرور کی سازش اور عقل کے اندھے کافر کی کارستانی ہے، جس نے امت کی صفوں میں فرقے بازی اور اختلاف و انتشار کو داخل کرنا چاہا ہے؟

ابن مطہر حلی یہ قاعدہ ذکر کرتا ہے:

''جو استعفا پیش کرتا ہے، وہ امام نہیں، کیوں کہ اگر وہ امام ہوتا تو اس کے لیے استعفا پیش کرنا روا نہ ہوتا۔''[1]

لیکن جو بیعت ہی سے انکار کر دے اور دوسرے کی بیعت کا حکم دے، کیا اس کے متعلق یہ احتمال زیادہ قرینِ قیاس نہیں کہ اس کے پاس رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مقرر اور متعین کیے جانے کی کوئی وصیت اور حکم موجود نہیں؟!

یہ مفہوم جو ''نهج البلاغة'' میں ذکر ہوا ہے، ان تاریخی قرائن اور واقعات کے ساتھ اتفاق رکھتا ہے، جو یہ ذکر کرتے ہیں کہ خلفائے راشدین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) منصبِ خلافت کی کوئی آرزو رکھتے تھے نہ اس پر نظریں جمائے بیٹھے تھے، کیوں کہ یہ ان کی نگاہ میں ایک بہت بڑی امانت اور غیر معمولی شرعی حکم تھا۔

''اہلِ سنت اور شیعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے عہدِ خلافت میں کسی کو اپنی خلافت کی بیعت کرنے کی دعوت دی نہ کسی نے ان کی بیعت کی ہے۔''[2]

لیکن شیعہ اس کی ایسی توجیہ پیش کرتے ہیں، جو امیر المومنین علی کے شایانِ شان ہی نہیں، کیوں کہ ان کا اعتقاد ہے کہ آپ اس کا ارادہ رکھتے تھے اور یہ بھی وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہی امامت کے مستحق امام تھے، کوئی اور نہیں، لیکن وہ اس کو حاصل کرنے سے عاجز تھے۔[3]

چناں چہ وہ تقیے کی گود میں پناہ لیتے تھے اور انھوں نے شیعہ کی نگاہ میں دین کے سب سے اہم مسئلے اور

---

[1] ابن المطهر: منهاج الكرامة (ص: ١٩٥)

[2] منهاج السنة (١/ ٢٢٥)

[3] المصدر السابق.

معاملے سے دست کشی اختیار کر لی۔ ان کے اس معاملے سے دست بردار ہوجانے اور اس کا مطالبہ نہ کرنے نے شیعہ کے ایک کاملیہ نامی فرقے کو ان کی تکفیر پر آمادہ کر دیا، کیوں کہ جس شخص نے یہ عقیدہ گھڑا تھا، اس کا مقصد امیر المومنین کی نصرت یا محبت و اطاعت تھوڑا ہی تھی، اس مقصد نے تو امت کو سازشوں اور فرقے بندی سے دوچار کرنا تھا، چناں چہ اس کے اس نظریے اور عقیدے کا یہ نتیجہ نکلا کہ امیر المومنین حضرت علی سمیت ساری امت ہی گمراہی کے حکم میں داخل ہوگئی۔

اس کے بعد امیر المومنین یہ فیصلہ سناتے ہیں، جس طرح ''نهج البلاغة'' کا مولف ذکر کرتا ہے:

''جس کو تم اپنا حکمران بنا لو گے، میں شاید تم سب سے زیادہ اس کا حکم سننے والا اور ماننے والا ہوں گا۔''

یعنی جس کو مسلمان اپنا حکمران اور خلیفہ بنائیں گے، وہ تمام لوگوں سے بڑھ کر ان کی سمع و اطاعت بجا لائیں گے۔ یہ بات اس دعوے کی قلعی کھول دیتی ہے کہ انھوں نے اپنے پیش رووں کی بیت و اطاعت تقیے کی آڑ میں کی تھی، کیوں کہ جو ان کے ساتھ تقیے سے پیش آتا ہے، وہ بیعت کرنے والے مسلمانوں کی طرح بھی نہیں ہوتا، چہ جائے کہ وہ ان کی بڑھ چڑھ کر سمع و اطاعت بجا لانے والا ہو۔

ان کا یہ کہنا: ''جس کو تم اپنا ولی امر بنا لو گے'' اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ ولایت و امارت کا معاملہ جمہور مسلمانوں کی رائے اور اتفاق کے ساتھ مربوط ہے، وہ نہ کسی مزعوم نص اور وصیت کا محتاج ہے نہ کسی ایک معلوم شخصیت ہی میں منحصر ہے۔

وہ ایک مرتبہ پھر ایک دوسرے طریقے سے اپنی بیعت کے معاملے کو رفع کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ ''میرا تمھارا لیے وزیر ہونا، امیر ہونے سے زیادہ بہتر ہے۔'' ان کا یہ قول ان باتوں کی بھی نفی اور تردید کرتا ہے، جو روافض ان کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ وہ اپنے خصائل کو فخریہ انداز میں بیان کرتے، معجزات اور خوارق پیش کرتے اور اپنا امامت و امارت کا زیادہ استحقاق ثابت کرنے کے لیے سابقہ خلفا پر طعن و تشنیع کرتے....۔ وہ ایک دوسرے اقتباس میں اشارہ کرتے ہیں:

> ''انھوں نے خلافت کسی رغبت یا آرزو کے پیش نظر قبول نہیں کی، بلکہ مسلمانوں نے ان کو اس پر مجبور کیا، تب کہیں جا کر انھوں نے خلافت قبول کی۔ انھوں نے کسی نص یا وصیت کا دعویٰ نہیں کیا، وہ فرماتے ہیں: خدا کی قسم! مجھے خلافت میں کوئی رغبت ہے نہ ولایت کی کوئی ضرورت یا طلب، لیکن تم نے مجھے اس کی دعوت دی اور مجھے اس پر سوار کر دیا۔''[1]

---

[1] نهج البلاغة (ص: ٣٢٢)

وہ ذکر کرتے ہیں کہ ان کی خلافت مہاجرین و انصار کی بیعت کے ساتھ پایۂ ثبوت وتکمیل تک پہنچی، ان کی شوریٰ کا فیصلہ تھا اور اس موقع پر ان کا اجماع ہی معتبر تھا۔ اگر وہ مرتد ہوتے، جس طرح شیعہ کی کتب ان کے بارے میں کہتی ہیں تو ان کی بیعت اور اجماع کا کوئی اعتبار اور حیثیت نہ ہوتی، پھر اگر کوئی نص ہوتی تو ان کو ان کے اجماع اور بیعت کی قطعاً کوئی ضرورت نہ ہوتی، امیر المومنین فرماتے ہیں، جس طرح نہج البلاغہ میں مذکور ہے:

''میری اس قوم نے ان امور پر بیعت کی ہے، جس قوم نے جن امور پر ابوبکر، عمر اور عثمان کی بیعت کی تھی۔ (چناں چہ ان کی بیعت کا طریقہ ان سے پہلے خلفا کی بیعت سے مختلف نہیں تھا) نہ حاضر کے پاس انتخاب کا اختیار تھا نہ غائب کے پاس انکار کا (یہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اس سے پہلے ان کی بیعت ثابت نہیں تھی، جس طرح امامیہ کی خیال آرائی ہے، بلکہ ان کی بیعت ثابت ہوجانے کے بعد اس کو رد کرنے کی کوئی گنجایش نہیں تھی) بلکہ شوریٰ صرف مہاجرین و انصار تک محدود تھی، اگر ان کا کسی آدمی پر اجماع ہوجاتا، وہ اس کو امام نصب کر دیتے تو یہ رضا ہوتی (چناں چہ انتخابِ خلیفہ میں اصل ان کا اجماع تھا نہ کہ نص) اگر کوئی ان کے حکم سے کوئی اعتراض یا بدعت لے کر خارج ہو جاتا، وہ اس کو اسی کی طرف لوٹاتے، جہاں سے وہ نکلا ہوتا، اگر وہ انکار کر دیتا تو مومنوں کی راہ چھوڑ کر غیر کی راہ کی اتباع کرنے کی وجہ سے اس کے خلاف لڑائی کرتے۔''[1]

یہ روایت بھی وصیت کے عدمِ وجود پر صریحاً دلالت کرتی ہے، چناں چہ ولایت و امارت کے معاملے میں مہاجرین و انصار کی شوریٰ ہی فیصلہ کن تھی۔ جس پر ان کا اجماع ہو جاتا، وہ امام و خلیفہ مقرر ہو جاتا اور جو اس سے خروج کرتا، مسلمانوں کی راہ چھوڑ کر غیر کی راہ اختیار کرنے پر اس کے خلاف لڑائی واجب ہو جاتی۔ اگر امام کے متعلق کسی وصیت کا وجود ہوتا تو حضرت علی اس کے متعلق یہ نہ کہتے۔

یہ ''نهج البلاغة'' کے اقتباسات اور نصوص ہیں، جس کے بارے میں شیعہ کی یہ رائے ہے کہ یہ کلام شک سے بالاتر ہے، باطل کا اس کے آگے پیچھے سے کہیں گزر نہیں ہوتا۔ یہ ان کے نزدیک علی وجہ الیقین معصوم کا کلام ہے۔ شیعہ اس کے ایک جملے میں بھی شک نہیں کرتے۔ یہ نصوص، حضرت علی اور ائمہ کی امامت کی وصیت کے متعلق شیعہ نے جتنے دعوے کھڑے کیے ہیں، ان تمام کو زمین بوس کر دیتی ہیں۔

''نهج البلاغة'' میں حضرت علی سے مروی یہ مفہوم اہلِ سنت کے طریق سے بھی امیر المومنین سے جو

---

[1] نهج البلاغة (ص: ٣٦٦۔ ٣٦٧) اس کا موازنہ مفید کے قول سے کریں، جو اس نے الإرشاد (ص: ١٣٠) ط: الأعلمي بیروت، و (ص: ١٤٣) ط: الحیدریة بالنجف. میں ذکر کیا ہے۔

کچھ ثابت ونقل ہوا ہے، اس کے ساتھ بھی مطابقت رکھتا ہے۔ گویا اس کو فریقین کے نزدیک اجماع کی حیثیت حاصل ہے۔

امام احمد اپنی مسند میں "عن وكيع عن الأعمش عن سالم بن أبي الجعد عن عبدالله بن سبع" کی سند سے نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ بن سبع نے کہا:

"میں نے حضرت علی سے سنا، جب یہ ذکر ہوا کہ ان کو قتل کر دیا جائے گا تو لوگوں نے کہا: ہمارے خلیفہ بن جاؤ، تو حضرت علی نے کہا: نہیں، لیکن میں تمھیں اسی کے سپرد کرتا ہوں، جس کے تم کو رسول اللہ ﷺ نے سپرد کیا تھا، انھوں نے کہا: کل جب تم اپنے رب کے پاس حاضر ہوگے تو اس کو کیا جواب دو گے؟ انھوں نے کہا: میں کہوں گا: اے اللہ! جب تک تم نے چاہا، مجھے ان میں چھوڑا، پھر تم نے میری روح قبض کر لی اور تم ان میں تھے، اگر تُو چاہتا تو ان کی اصلاح کر دیتا اور اگر چاہتا تو ان کو خراب کر دیتا۔"[1]

امام احمد نے اسی جیسا اثر "أسود بن عامر بن الأعمش عن سلمة بِن كهيل عن عبدالله بن سبع" کی سند سے بھی نقل کیا ہے۔[2] اس باب میں اور روایات بھی ہیں۔[3]

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: آؤ ان کے پاس (یعنی رسول اللہ ﷺ) چلیں اور ان سے پوچھیں کہ یہ معاملہ (خلافت کا معاملہ) کس قوم میں ہوگا؟ اگر تو ہم میں ہوا تو ہمیں اس کا علم ہو جائے گا، اگر کسی اور میں ہوا، ہم آپ سے کہیں گے اور آپ ہمارے متعلق وصیت کر دیں گے۔[4]

بعض روایات میں ذکر ہوا ہے:

"یہ واقعہ سوموار کے روز پیش آیا، جو رسول اللہ ﷺ کی وفات کا دن تھا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ امارت وخلافت کی وصیت کیے بنا ہی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوئے۔"[5]

صحیح بخاری میں مذکور ہے:

---

[1] مسند أحمد (٢/ ٢٤٢) رقم الحديث (١٠٧٨) وقال أحمد شاكر: إسناده صحيح. مجمع الزوائد (٩/ ١٣٧) وقال الهيثمي: رواه أحمد و أبو يعلى، و رجاله رجال الصحيح، ورواه البزار بإسناد حسن.

[2] المسند (٢/ ٢٤٠) رقم الحديث (١٣٣٩) قال أحمد شاكر: إسناده صحيح.

[3] دیکھیں: الدارقطني: السنن (٨/ ١٤٩) نیز دیکھیں: البداية والنهاية (٥/ ٢٥٠_ ٢٥١، ٧/ ٣٢٤_ ٣٢٥)

[4] صحيح البخاري: كتاب الاستئذان (٧/ ١٣٦)

[5] ابن كثير: البداية والنهاية (٥/ ٢٥١)

’’انھوں نے حضرت عائشہ کے پاس یہ ذکر کیا کہ حضرت علی کے متعلق وصیت کی گئی تھی تو حضرت عائشہ نے پوچھا: کس وقت آپ ﷺ نے وصیت کی تھی؟ میرے سینے یا گود میں آپ آرام فرما تھے، آپ نے ایک ٹرے منگوائی، میری گود ہی میں آپ کا جسم ڈھیلا پڑ گیا اور مجھے محسوس تک نہ ہوا کہ آپ وفات پا چکے ہیں، لہٰذا کب آپ نے ان کو وصیت کی تھی؟‘‘[1]

حضرت عباس سے صحیح ثابت ہے کہ ’’رسول اللہ ﷺ نے وصیت نہیں کی تھی۔‘‘ اس کو ابن ابی شیبہ نے ارقم بن شرحبیل کی سند سے نقل کیا ہے۔[2]

مسئلہ نص (وصیت) میں معلوم اور متفق (عقلی) امور کے ساتھ استدلال:

اہلِ سنت کے پاس صحیح اور محکم دلائل موجود ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت و امامت کی وصیت نہیں کی اور اس سلسلے میں شیعہ جو نصوص اور روایات اہلِ سنت کی طرف منسوب کرتے ہیں یا تو وہ اصلاً باطل اور بے حقیقت ہیں یا ان کی دلالت صحیح نہیں اور ان دلائل میں ان (اہلِ سنت) کے خلاف کوئی حجت نہیں۔

شیعہ کے پاس نص و وصیت کے ثبوت میں اپنے دلائل ہیں، جن کو انھوں نے اپنی مخصوص کتابوں میں درج کیا ہے، لیکن اہلِ سنت ان پر یقین نہیں رکھتے اور سمجھتے ہیں کہ یہ روایات بعض روافض کی طرف سے ائمہ کے نام پر گھڑی گئی ہیں۔

خود شیعہ کی کتابوں میں ایسے دلائل موجود ہیں، جو اس باب میں شیعہ کے دعوے کی مخالفت کرتے ہیں، جس طرح ’’نهج البلاغة‘‘ وغیرہ میں ہے، وہ ان کو رد کرنے کے لیے یا تاویل کا سہارا لیتے ہیں یا تقیے کا، چناں چہ اس مسئلے پر حکم لگانے کے لیے، جو شیعہ کے نزدیک اصل الاصول ہے، معلوم، متواتر اور متفق امور کو بھی نگاہ میں رکھنا چاہیے۔ ہم فرض کرتے ہیں، جس طرح شیخ الاسلام کا کہنا ہے کہ ’’اس مسئلے میں متنازع اخبار و روایات موجود ہی نہیں، یا یہ معلوم نہیں کہ ان میں سے صحیح کون سی ہے اور غیر صحیح کون سی؟ لہٰذا دونوں اطراف میں ہم ان سے استدلال ترک کر دیتے ہیں اور ان امور کی طرف رجوع کرتے ہیں، جو ان کے علاوہ تواتر، عقل و منطق،

---

[1] صحيح البخاري: كتاب الوصايا (٣/ ١٨٦) و كتاب المغازي (٥/ ١٤٣) صحيح مسلم: كتاب الوصية، باب ترك الوصية لمن ليس له شيء يوصي فيه (٢/ ١٢٥٧) رقم الحديث (١٦٣٦) سنن النسائي: كتاب الأحباس، باب هل أوصى النبي ﷺ (٦/ ٢٤٠) مسند أحمد (٦/ ٣٢)

[2] مصنف ابن أبي شيبة (١١/ ٢٠٧) رقم الحديث (١٠٩٨٨) اس کو حافظ ابن حجر نے صحیح کہا ہے۔ فتح الباري (٥/ ٣٦١)

عادات واطوار اور متفق نصوص سے ثابت ہیں۔''

ذیل کی سطور میں ہم ان میں سے چند امور کا ذکر کرتے ہیں، جو حقیقت میں بہت زیادہ ہیں اور ایک مکمل کتاب کے متقاضی ہیں۔[2]

1 اختلافی روایات کو ہم ایک طرف رکھ دیتے ہیں اور کتاب اللہ کو عربی زبان کی روشنی میں سمجھ کر اس سے فیصلہ کرواتے ہیں، کیوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن کریم کو عربی مبین میں نازل کیا ہے۔ اہلِ سنت اور شیعہ دونوں کا عربی کی حدود پر اتفاق ہے اور اس کے الفاظ کے جو معانی مقرر کیے گئے ہیں، ان پر بھی ان کا اتفاق ہے، اس کا یہ مطلب ہوا کہ اس معاملے میں فیصلہ صادر کرنے کے لیے عربی زبان مرجع بن سکتی ہے۔

اس سلسلے میں پہلا سوال یہ ہے کہ کیا قرآنِ کریم میں بارہ اماموں کا تذکرہ اور ان کے نام مذکور ہیں، جس طرح رسولِ ہدایت ﷺ کا نام اور اوصاف ذکر ہوئے ہیں؟ کیوں کہ امام ان کے نزدیک نبی کی طرح ہے اور امام کا منکر نبی کے منکر کی طرح یا اس سے بھی بڑا جرم ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ جس طرح قرآن کریم میں متفرق مقامات پر صریح اور واضح الفاظ میں ارکانِ اسلام کا ذکر ہوا ہے اور ان کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے کسی باطنی تاویل یا موضوع روایات کی ضرورت نہیں، کیا اس طرح صریح الفاظ میں ہمیں کہیں بارہ اماموں کی امامت کا ذکر بھی ملتا ہے، جو شیعہ کے نزدیک اسلام کے تمام ارکان میں سب سے زیادہ عظیم رکن ہے؟

اس کا کوئی ذکر یا اس کی طرف اشارہ تک کیوں نہیں کیا گیا؟ کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ اس باب میں امامیہ کے مزاعم اور دعویٰ جات کی کوئی حقیقت نہیں؟ اگر یہی بات ہے تو پھر ان مزاعم کو کتاب اللہ کے مخالف اور متضاد ہونے کی بنا پر ایک طرف پھینک دینا ضروری ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ابن مطہر کے ساتھ بحث وتمحیص کرتے ہوئے اس منہج کی طرف اشارہ کیا ہے اور فرمایا ہے:

---

[1] منهاج السنة (٤/ ١٢٠)

[2] شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
''اہلِ علم یہ بات یقیناً جانتے ہیں، جسے تسلیم کیے بنا کوئی چارہ نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی کی امامت کے متعلق کچھ بھی ذکر نہیں کیا اور ان کے پاس یہ بات ثابت کرنے کے کئی طریقے ہیں۔'' (منهاج السنة: ٤/ ١٤) ''منہاج السنۃ'' میں متفرق مقامات پر شیخ الاسلام نے جو ذکر کیا ہے، اسے نقل کرنا ہی کافی ہے اور حقیقت میں وہ بہت بڑا خزانہ ہے۔

''اگر یہ لوگ یک قلم روایت ترک کر دیں تو ممکن ہے کہ روایت کو کلیتاً ہی ترک کر دیا جائے۔''[1]

اس کے بعد انھوں نے امامت کے متعلق روافض کے دعویٰ جات کے ابطال و تردید میں اسی منہج کو عمل میں لاتے ہوئے کہا ہے:

''فرض کیجیے! ہم حدیث سے استدلال نہیں کرتے، تاہم اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ﴾ [الأنفال: ٢۔ ٤] ([اصل] مومن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات پڑھی جائیں تو انھیں ایمان میں بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسا رکھتے ہیں۔ وہ لوگ جو نماز قائم کرتے ہیں اور اس میں سے جو ہم نے انھیں دیا، خرچ کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے مومن ہیں، انھی کے لیے ان کے رب کے پاس بہت سے درجے اور بڑی بخشش اور با عزت رزق ہے) یہاں اللہ تعالیٰ نے امامت کا ذکر کیے بغیر ان تمام کے ایمان کی گواہی دی ہے۔ ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ [الحجرات: ١٥] (مومن تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر انھوں نے شک نہیں کیا اور انھوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی لوگ سچے ہیں) یہاں بھی انھیں امامت کا ذکر کیے بغیر ایمان میں صادق قرار دیا ہے۔'' شیخ الاسلام نے اس قبیل کے کئی شواہد ذکر کیے ہیں۔[2]

یہ اور دیگر شواہد و دلائل یہ ثابت کرتے ہیں کہ بارہ اماموں کی امامت، جس کو اثنا عشریہ دین کی اصل اور اساس قرار دیتے ہیں، اس کی کتاب اللہ میں کوئی حقیقت اور اصلیت نہیں۔

(۲) اس امر کو نقل کرنے کے اسباب اور اس کے لیے ہمتیں بہ کثرت موجود تھیں۔ اگر اس کی کوئی اصل ہوتی تو جس طرح دیگر احادیث نقل کی گئیں، اسے بھی نقل کیا جاتا، بالخصوص باوجودیکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں اس کثرت کے ساتھ جھوٹ نقل کیا گیا، جس کی کوئی حقیقت ہی نہیں، اگر کوئی حق ہوتا جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] منهاج السنة (١/ ٣٢)

[2] دیکھیں: منهاج السنة (١/ ٣٣)

نے لوگوں تک پہنچایا ہوتا تو اس کو کیوں نقل نہ کیا جاتا، جب کہ آپ ﷺ نے اپنی امت کو تلقین کی تھی کہ وہ جو بھی آپ ﷺ سے سنیں، اس کو آگے پہنچا دیں۔ لہٰذا جس امر کی تبلیغ کا حکم ان کو اللہ تعالیٰ نے دیا تھا، ان کے لیے اسے چھپانا کسی صورت روا نہیں تھا۔[1]

اگر صحابہ نے حضرت علی کی تعیین کے متعلق نص اور وصیت کو چھپایا ہوتا تو وہ حضرت علی کے فضائل و مناقب بھی چھپا لیتے اور ان کے متعلق کوئی بات بھی نقل نہ کرتے، جب کہ یہ بات خلافِ حقیقت ہے، تو معلوم ہوا کہ اگر اس جیسی کوئی چیز موجود ہوتی تو اسے نقل کیا جاتا، کیوں کہ خلافت کے لیے وصیت کی نص ایک بہت بڑا واقعہ ہے اور عظیم واقعات کو بہت زیادہ مشہور کرنا ضروری ہوتا ہے، اگر کوئی ایسی شہرت پھیلتی تو مخالف اور موافق دونوں ہی اس کو جان لیتے، چناں چہ جب کسی فقیہ یا محدث تک اس کی کوئی خبر نہیں پہنچی تو یہ ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے۔[2]

اسے نقل کرنے میں شیعہ منفرد ہیں۔ یہی اس کے متعلق دعویٰ کرنے والے ہیں اور یہ لوگ جو شۓ نقل کرتے ہیں، اس میں تہمت زدہ ہیں، خاص طور پر جو ان سے جھوٹ، فسق، بدعت، گمراہی کے راستوں پر چلنا، محال امور کا دعویٰ کرنے کی بہتان بازی، اصول کی مخالفت اور اصحابِ رسول ﷺ کو سب وشتم کرنا معروف ہے۔''[3]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے جو قول فعل، امر اور نہی صادر ہوئی اور آپ کے کھانے پینے، سونے جاگنے کے حالات اور دیگر جتنے بھی احوال تھے، وہ تمام ہم تک نقل کر دیے۔ چناں چہ یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت علی کے متعلق وصیت کریں اور ان کو خلافت کے لیے متعین کریں اور اس کو قطعاً نقل نہ کیا جائے؟!

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جو ضروری اور نا قابلِ انکار دلیل ہے، وہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو جمہور صحابہ وہاں موجود تھے، بجز ان کے جو مضافات کے علاقوں میں لوگوں کو دین کی تعلیم دینے کے لیے وہاں گئے ہوئے تھے۔ ان میں سے کسی ایک نے بھی حضرت علی کے متعلق یہ اشارہ تک نہیں دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی خلافت کے لیے تعیین کی ہے۔ یہ ایک محال اور قطعاً ناممکن امر ہے کہ

---

[1] المصدر السابق (٤/ ١٤)

[2] الرازي: أصول الدين (ص: ١٣٧)

[3] الآمدي: غاية المرام (ص: ٣٧٧)

مختلف ہمتوں، نیتوں اور انساب کے حامل بیس ہزار سے زیادہ انسان اس عہد کو لپیٹنے اور چھپانے پر اتفاق کر لیں، جو رسول اللہ ﷺ نے ان سے لیا ہو! ہمیں اس وصیت مزعومہ کے متعلق کسی ایک سے کوئی ایک روایت بھی نہیں ملی، سوائے ایک کمزور روایت کے جو مجہول راویوں سے شروع ہو کر ایک مجہول تک پہنچتی ہے، جس کو ابو الحمراء کی کنیت سے یاد کیا جاتا ہے، جس کا خلقِ خدا میں کوئی اتا پتا ہی نہیں۔''[1]

(ج) امامت ان فرضی امور میں داخل ہے، جن کے ساتھ مفاداتِ عامہ وابستہ ہیں۔ اگر اس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ نبی ﷺ نے تو کسی ایک متعین شخص کو مقرر کیا تھا، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس میں تغیر و تبدل کر لیا، تو ہر ملحد و بے دین شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ پانچ نمازیں تو حقیقت میں دس تھیں، یہ صحابہ کرام تھے، جنھوں نے ان کو اپنی مرضی کے مطابق پانچ کر دیا، اسی طرح جب ہر کوئی دعویٰ کرنے والا یہ دعویٰ کرے کہ نبی اکرم ﷺ کی وصیت کو تبدیل کر دیا گیا ہے تو یہ ہر فریضے کے متعلق کہا جا سکتا ہے اور نتیجے میں دین کے تمام امور سے سراسر اعتماد ہی اٹھ جائے گا۔[2]

(د) روافض کا وصیتِ علی کا قول بعینہٖ اس شخص کے قول کی طرح ہے، جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق نص اور تعیین کا دعویٰ کرتا ہے۔ اگر وہ یہ کہیں کہ عباس رضی اللہ عنہم کے متعلق نص صحیح نہیں، تو کہا جائے گا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی نص صحیح نہیں۔ حضرت عباس کے متعلق نص کی اگر وہ تردید کریں گے تو اس کے ساتھ ہی حضرت علی کے متعلق نص کی بھی تردید ہو جائے گی، کیوں کہ دونوں کے متعلق ہی کوئی صریح نص ذکر نہیں ہوئی۔

شیعہ کے ایسے بہت سارے فرقے ہیں جو اپنے اکثر ائمہ کی نص کے بارے میں، جن کی امامت کا وہ دعویٰ کرتے ہیں، روافض کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں، بلکہ بیس فرقے ان کے بارھویں امام کے بارے میں روافض کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں اور ہر کوئی دوسرے کی نص کے باطل ہونے کا دعویٰ کرتا ہے!!

''نص'' لغت میں ''منصۃ'' سے ماخوذ ہے، جس کا معنی سٹیج ہوتا ہے اور وہ ظاہر اور ہر ایک کے سامنے ہوتا ہے، چناں چہ یہ نص کہاں ظاہر ہوئی؟ اگر اس کی کوئی اصل ہوتی تو وہ ظاہر اور مشہور ہوتی، اسے نقل کیا جاتا، وہ زبانِ زد عام ہوتی اور عام و خاص ہر ایک کے درمیان معروف و مشہور ہوتی۔

---

[1] الفصل (٤/ ١٦١)

[2] دفع شبه الخوارج والرافضة (الورقة: ١٥)

اگر وہ کہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تو تعیین فرما دی تھی، لیکن صحابہ کرام نے اس کو چھپا دیا، تو ان سے کہا جائے گا کہ آپ ﷺ نے اپنے چچا عباس کی تعیین کی تھی اور اس کو انھوں نے چھپا دیا؟ نیز اگر اس جیسے معاملے کا چھپنا ممکن ہوتا اور وہ ظاہر نہ ہوتا تو کہنے والے کے لیے یہ کہنا بھی جائز ہوتا کہ نبی ﷺ کا ایک بیٹا تھا، آپ ﷺ نے اس کی تعیین کی تھی، لیکن صحابہ نے اس سے حسد کیا اور اس کو قتل کر دیا، اس طرح اس جیسے کئی فاسد اور غلط اسباب ذکر کیے جا سکتے ہیں، جنھیں کوئی عقل مند تسلیم نہیں کرتا۔[1]

5. ہم نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعیین کر دی اور ان کو خلیفہ مقرر کر دیا تو دو آدمیوں کے درمیان بھی کوئی اختلاف نہ ہوا اور اس میں کوئی پوشیدگی رونما نہ ہوئی، اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قریش میں سے چھے افراد متعین کر دیے اور یہ معاملہ بالکل عیاں ہوگیا، جس کے انکار اور رد کرنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔

رسول اللہ ﷺ تو ان تمام سے افضل تھے، لوگ آپ ﷺ کا حکم بجا لانے میں سب سے آگے ہوتے اور جو الفاظ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلتے، دل ان کو حاصل کرنے اور نقل کرنے میں زیادہ مستعد اور پرازشوق ہوتے، چناں چہ یہ بالکل محال بات ہے کہ حضرت ابوبکر ایک شخص کو متعین کر دیں، ان کے کسی کو خلیفہ مقرر کرنے میں کوئی اختلاف رونما نہ ہو اور کسی کے لیے اس کو چھپانا ممکن نہ ہو، اسی طرح حضرت عمر بھی، بلکہ حضرت معاویہ بھی جنھوں نے یزید کو متعین کر دیا تھا، یہ بات اتنی عام اور مشہور ہوگئی اور ظاہری اور متواتر انداز میں ان سے نقل کی گئی کہ اس میں کوئی جھگڑا یا اختلاف واقع نہ ہوا۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنصیص تعیین تو نقل کی جائے اور رسول اللہ ﷺ کی نص تعیین چھپا لی جائے اور اس کو کوئی بھی نقل نہ کرے؟![2]

خود شیعہ کو بھی اس کا اعتراف ہے اور وہ یہ اقرار کرتے ہیں کہ ولایت کا مسئلہ اور اس کی احادیث ان کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔

6. مہاجرین و انصار اور تمام مسلمانوں نے حضرت ابوبکر کے حکم کو کس طرح قبول کر لیا، جب انھوں نے حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کیا، بلکہ دو لوگوں نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی امامت و امارت کے بارے میں اختلاف نہ کیا، لیکن انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے معاملے میں رسول اللہ ﷺ کا حکم تسلیم نہ کیا؟ کیا مسلمان رسول اللہ ﷺ سے زیادہ حضرت ابوبکر کے اطاعت گزار تھے؟

---

[1] دفع شبه الخوارج والرافضة (الورقة: ١٤ ب)

[2] المصدر السابق (الورقة: ١٤، ١٥، مخطوط)

''کسی عقل مند کی عقل یہ کس طرح احتمال رکھ سکتی ہے یا کسی نیک یا بد پر یہ بات کس طرح مشتبہ ہوسکتی ہے سوائے اس کے جس کو اللہ تعالیٰ نے آزمایش میں مبتلا کرنا چاہا ہو کہ مہاجرین و انصار اور تمام تابعین کو علم ہوگیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی بن ابو طالب کی تعیین کر دی ہے اور ان کو ان کی موالات و محبت کا حکم دیا ہے، لیکن انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی اور آپ ﷺ کا حکم پسِ پشت ڈال دیا، لیکن جب ابوبکر نے ان کو حکم دیا کہ عمر کو اپنا حکمران تسلیم کر لیں تو انھوں نے ان کی اطاعت اور فرماں برداری اختیار کی، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو حکم دیا کہ چھے میں سے اپنا سربراہ منتخب کر لیں تو انھوں نے ان کی بھی مخالفت اور نافرمانی نہ کی!''[1]

یہ کس طرح تصور کیا جا سکتا ہے کہ مسلمان نماز، زکات، روزہ، حج اور جہاد جیسے اسلامی فرائض پر تو عمل پیرا ہوں، لیکن ایک ایسے فریضے کو چھوڑ دیں، جو ان کے سارے اعمال کو ضائع کر دینے والا ہو۔ یہ فریضہ بیعتِ علی ہے! حضرت ابوبکر کی بیعت کرنے اور حضرت علی کی بیعت ترک کر دینے میں ان کے سامنے کون سی مصلحت اور مفاد تھا؟![2]

4. اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق وصیت صحیح ہوتی تو ان کے لیے کسی صورت ان چھے افراد میں شامل ہونا جائز نہ ہوتا، جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متعین کیا تھا اور ان کو کہنا چاہیے تھا: میری تعیین وتقرری تو کر دی گئی ہے، مجھے ان میں داخل ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، جن کو حضرت عمر نے متعین کیا ہے۔[3] اسی طرح ان کے لیے حضرت ابوبکر عمر اور عثمان (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی بیعت کرنا بھی جائز نہ ہوتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بدگمانی کرنا روا نہیں کہ انھوں نے موت کے ڈر سے اپنے متعین و منصوص ہونے کا ذکر نہ کیا۔ وہ تو شجاعت میں شیر سے بڑھ کر تھے، انھوں نے کئی مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں اپنے آپ کو موت کے سامنے پیش کیا تھا، اس کے بعد جنگِ جمل ہوئی، پھر صفین ہوئی۔ وہ کون سی چیز تھی، جس نے ان کو ان دونوں حالتوں کے درمیان بزدل بنا دیا[4] اور تقیے کی پناہ لینے پر مجبور کر دیا؟

اگر آپ کی امامت و امارت منصوص علیہ اور متعین ہوتی اور رسول اللہ ﷺ کے بعد امت کا معاملہ آپ

---

[1] أبو بكر محمد بن حاتم بن زنجويه: إمامة أبي بكر الصديق (مخطوط غير مرقم الصفحات)

[2] المصدر السابق.

[3] دفع شبة الخوارج والرافضة (الورقة: ١٥) سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت اور ان پر اتفاق کا واقعہ امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ نیز دیکھیں: صحيح البخاري، كتاب فضائل الأصحاب، باب قصة البيعة والاتفاق على عثمان ... (٤/ ٢٠٤ وما بعدها)

[4] الفصل (٤/ ١٦٢)

کے سپرد کیا جانا ہوتا تو وہ اس منصب کو سنبھالتے، جس کو سنبھالنا ان کے لیے واجب و لازم تھا اور تمام وجوہ سے اس کا دفاع کرتے، لیکن اگر آپ رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی سبب کے اس میں غفلت دکھائی اور اسے ترک کر دیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس حکم کی مخالفت کی اور حاشا وکلا آپ ایسا کریں۔ اگر آپ مغلوب و مجبور تھے تو اس سبب کا واضح ہونا ضروری ہے، جو ان کے نامزد ہونے کے باوجود اپنا حق نہ لینے کی عذر خواہی کر سکے۔

ہم نے دیکھا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جو تمھارے نزدیک حضرت علی سے زیادہ کمزور ہیں، انھوں نے خلافت ان کے سپرد نہیں کی، جو اس کے اہل نہیں تھے اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور حکم پر راضی ہوگئے، لیکن انھوں نے اس امانت کو ضائع نہیں کیا، جو ان کے سپرد کی گئی تھی۔

ہم نے یہ بھی دیکھا کہ جب عرب کے قبائل مرتد ہوگئے اور انھوں نے زکات ادا کرنے سے انکار کر دیا تو حضرت ابوبکر نے امت کے معاملے میں کسی قسم کی غفلت کا مظاہرہ نہ کیا۔ اگر آپ رضی اللہ عنہ اس سلسلے میں سستی دکھاتے تو اسلام منہدم ہو جاتا، چنانچہ آپ نے ان کے خلاف جنگ کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے خلاف نصرت عطا کی۔ صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کوئی صحابی بھی ایسا نہیں تھا کہ وہ کسی شے کو حق سمجھتا تو اس سے خاموش رہتا۔[1]

لہٰذا یہ روافض کس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف باطل پر راضی رہنا اور اپنے حق کے مطالبے سے بزدلی اور خوف دکھانا منسوب کرتے ہیں، حتی کہ ان کے اپنے حق کے اعلان اور اس کی دعوت میں تاخیر کی وجہ سے چند افراد کے سوا تمام لوگ مرتد ہوگئے، جس طرح یہ لوگ کہتے ہیں، حالاں کہ وہ شیرِ خدا اور شیرِ رسول تھے!!

ایں چہ ابو العجبی است!

بلکہ ان سے یہ کہیں بھی نقل نہیں کیا گیا کہ انھوں نے لوگوں کو اپنی طرف بلایا ہو اور اپنی بیعت لینے کے لیے کسی سے بحث و مباحثہ کیا ہو، اس کے لیے لڑائی لڑنا تو ایک طرف رہا۔ اگر اس طرح کا کوئی واقعہ رونما ہوتا تو ضرور مشہور ہوتا۔ امت کو بڑے اہم سانحات اور حوادث کا سامنا کرنا پڑا اور اگر کوئی وصیت ہوتی تو وہ حالات اس وصیت کے اظہار کے بڑی شدت سے متقاضی تھے، جس طرح سقیفہ بنی ساعدہ کا واقعہ پیش آیا اور شوریٰ کا حادثہ رونما ہوا۔ لیکن انھوں نے کسی ایسی چیز کا کوئی اظہار نہ کیا،[2] بلکہ انھوں نے اپنے اصحاب کو اپنی بیعت کی

[1] دفع شبه الخوارج والرافضة (الورقة: ١٦۔ أ)

[2] شیعہ عالم بیاضی لکھتا ہے کہ انھوں نے نصِ وصیت کے ذکر سے ان دو وجوہ کی بنا پر اعراض کیا تھا:

① اگر حضرت علی اس کا ذکر کرتے اور وہ اس کا انکار کر دیتے تو ان پر کفر کا حکم لگ جاتا ہے، کیوں کہ انھوں نے متواتر کا انکار کر دیا ہوتا۔

② شوریٰ میں انھوں نے افضل شخص کو منتخب کرنے کا ارادہ کیا تو وہ ان کے خلاف اس شے سے استدلال کرتے، جو ان کو ←

دعوت دی، جس طرح شیعہ کی کتابیں اقرار کرتی ہیں اور کسی نص وصیت کا دعویٰ نہ کیا۔[1]

شیخ الاسلام نے ذکر کیا ہے کہ وہ طریقے جن سے قطعاً معلوم ہوجاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی کی امارت کے متعلق کچھ بھی ذکر نہیں کیا، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی اور بعض انصار نے یہ مطالبہ پیش کیا کہ ایک امیر ان میں سے ہونا چاہیے اور ایک مہاجرین سے۔[2] تو انھوں نے اس کی مخالفت کی اور کہا:

''امارت قریش کے سوا کسی قبیلے میں نہیں ہوسکتی۔''[3]

صحابہ کرام نے متفرق احادیث میں رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا ہے کہ امامت قریش میں ہوگی، ان میں سے کسی صحابی نے بھی اس مجلس میں نہ کسی دوسرے موقعے ہی پر کوئی ایسی بات نقل کی ہے، جو حضرت علی کی

← مقدم کرنا واجب قرار دیتی۔ (الصراط المستقیم: ١/ ٢٩٩)

آپ اس جواب پر غور کریں تو یہ آپ کو باہم متضاد نظر آئے گا، کیوں کہ اس شیعہ عالم نے دعویٰ کیا ہے کہ علی (رضی اللہ عنہ) نے اس خدشے کے پیشِ نظر کہ کہیں نص وصیت کا انکار کر کے کوئی مرتد نہ ہو جائے، وصیت کے اظہار سے چشم پوشی کی تھی، حالاں کہ یہ لوگ اپنی مزعومہ نصِ وصیت ہی کے انکار کی بنا پر صحابہ کرام کی تکفیر کرتے ہیں، مزید برآں یہ دلیل اس لیے بھی بڑی فضول اور باطل ہے، کیوں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین کی اساس اور اس کے جوہر کی طرف اس لیے دعوت نہ دی جائے کہ کہیں کوئی اس کا انکار نہ کر دے اور پھر اس کا منکر کافر نہ بن جائے!!

علاوہ ازیں اس شیعہ عالم نے واقعہ شوریٰ میں حضرت علی کے وصیت کو ذکر کے متعلق جو عذر خواہی کی ہے تو اس سلسلے میں اس کا یہی اقرار کافی ہے کہ انھوں نے نصِ وصیت کو ذکر نہیں کیا تھا، کیوں کہ اس کا یہ دعویٰ کہ نص ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، عقل و نقل سے مطابقت نہیں رکھتا، خصوصاً جب یہ امر منصبِ امامت سے تعلق رکھتا ہے، جو ان لوگوں کا اصل دین ہے۔:

[1] شیعہ عالم بیاضی نے کہا ہے: لوگ کہتے ہیں کہ علی (رضی اللہ عنہ) کا اپنے اصحاب سے بیعت طلب کرنا ان کے حق میں عدمِ وصیت کی دلیل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ خلاف ان کا حق ہے، لہٰذا ان کے لیے ہر ممکن وسیلے سے اس تک پہنچنا درست ہے۔ (الصراط المستقیم: ١/ ٢٩٩) یہ شیعہ کی طرف سے اس بات کا اعتراف ہے کہ جب علی رضی اللہ عنہ کو عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت ملی تو انھوں نے اپنے اصحاب کے سامنے کوئی نصِ وصیت ذکر نہیں کی تھی، کیوں کہ اگر کوئی ایسی وصیت ہوتی تو وہ اس وقت ضرور اس کا اظہار کرتے اور بیعت و انتخاب تک معاملہ نہ پہنچتا۔ اس شیعہ عالم کا یہ کہنا کہ ''بیعت ان کا حق ہے، لہٰذا ان کے لیے ہر امکانی ذریعے سے اس تک پہنچنا درست ہے، یہ دلیل خود شیعہ کے ہاں بھی مردود ہے، کیوں کہ یہ معاملہ شیعہ کے نزدیک لوگوں کے ایمان یا کفر سے تعلق رکھتا ہے اور ان کے ہاں یہ منصب نبی کی مانند یا اس سے بھی بڑھ کر ہے اور کوئی ذاتی حق نہیں ہے، لیکن روافض کی یہ عادت ہے کہ وہ ہر مسئلے پر اس طرح گفتگو کرتے ہیں، جو خود ہی اس کی تردید کر دیتا ہے اور وہ اس سے پہلے طے شدہ بات کو بھول جاتے ہیں۔

[2] شیعہ خود بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ نیز دیکھیں: الصراط المستقیم (١/ ٢٩٩)

[3] مسند أحمد (٣/ ١٢٩، ٤/ ٤٢١) مسند أبي داود الطيالسي (ص: ١٢٥) رقم الحديث (٩٢٦ و ٢١٣٣) صحیح مسلم میں یہ حدیث بالفاظ دیگر مروی ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الإمارة: ٢/ ١٤٥١۔ ١٤٥٢) رقم الحديث (١٨١٨۔ ١٨٢٠)

امامت پر دلالت کرتی ہو۔ مسلمانوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ بنو امیہ اور بنو ہاشم میں سے اکثر بنو عبد مناف اور دیگر قبائل کا حضرت علی کی طرف بڑا قوی جھکاؤ تھا، وہ ان کی ولایت کا انتخاب کرتے، لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی اس نص اور وصیت کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

حضرت عمر اور حضرت عثمان کے دور میں بھی ایسے ہی ہوا، بلکہ حضرت علی کے اپنے زمانے میں بھی جب ولایت ان کے پاس آ گئی، تب بھی آپ نے، آپ کے کسی فردِ خانہ نے اور نہ معروف صحابہ ہی نے اس نص کا ذکر کیا۔ اگر اس وصیت کا کہیں وجود ہوتا تو ان کے عہدِ خلافت میں اختلاف رونما نہ ہوتا، کیوں کہ اس دور میں امت آپ پر متفق تھی نہ آپ کے علاوہ کسی دوسرے شخص پر۔ دو فیصل مقرر کر کے ان سے فیصلہ کروانے کا معاملہ بھی ہوا، آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ لوگوں کی اکثریت تھی، اس جیسے موقع پر بھی دوسرے لوگ تو کجا آپ کے اصحاب میں سے بھی کسی نے اس سے استدلال نہ کیا، حالانکہ ان میں ہمت بھی موجود تھی اور اظہارِ نص کے اسباب بھی میسر تھے۔ انھوں نے اس حدیث سے تو استدلال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو باغی گروہ قتل کرے گا۔[1] (چونکہ یہ موجود تھی)

یہ حدیث ایک دو یا تین چار افراد کی خبر ہے، لیکن متواتر نہیں، جب کہ وصیت کی خبر قائلینِ وصیت کے نزدیک متواتر ہے، چناں چہ تعجب ہوتا ہے کہ شیعانِ علی کا اس حدیث سے استدلال کرنا کیوں کر جائز ہوا اور ان میں سے کسی ایک نے بھی نصِ وصیت سے استدلال نہ کیا؟![2]

رہا یہ دعویٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ اماموں کی امامت کی تعیین اور وصیت فرمائی ہے تو اس سے بڑھ کر محال، اس سے واضح باطل اور اس سے زیادہ روشن اور کوئی جھوٹ نہیں، اس کو صرف اثنا عشریہ نقل کرتے ہیں اور شیعہ کے باقی تمام فرقے جو ستر کے قریب ہیں، اس کی تکذیب کرتے ہیں۔

وہ نصوص اور روایات جن کو اثنا عشریہ نقل کرتے ہیں، ان کے ساتھ شیعہ کے ان بہت زیادہ فرقوں کی نصوص اور روایات متعارض ہیں، جو بارہ کے علاوہ دیگر کی امامت کے قائل ہیں۔ ہر فرقہ اثنا عشریہ کے دعوائے نص سے ہٹ کر ایک نئی نص کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہ تمام دعوے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ۲۵۰ سال سے زیادہ

---

[1] صحیح البخاري، کتاب الجهاد والسیر، باب مسح الغبار عن الناس (۳/ ۲۰۷) صحیح مسلم، کتاب الفتن (۳/ ۲۲۳۵) رقم الحدیث (۲۹۱۵) سنن الترمذي، کتاب المناقب، باب مناقب عمار بن یاسر (۵/ ٦٦۹) رقم الحدیث (۳۸۰۰) مسند أحمد (۲/ ۱٦۱، ۱٦٤، ۲۰٦ ـ ۳/ ۵، ۲۲، ۲۸، ۹۰ـ ٤/ ٦/ ۲۸۹، ۳۰۰، ۳۱۱، ۳۱۵)

[2] منهاج السنة (٤/ ١٤ـ ١٥)

عرصے کے بعد ظاہر ہونا شروع ہوئے۔ یہ متاخرینِ شیعہ کی اختراع ہے، ان سے پہلے جو شیعہ تھے، وہ ان کی اس معاملے میں مخالفت کرتے ہیں۔

اہلِ سنت اور علماے اہلِ سنت، جن کی تعداد شیعہ سے کئی گنا زیادہ ہے، وہ یقینی طور پر جانتے ہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی ذات پر دروغ بافی ہے، اس میں ان کو قطعاً کوئی شک نہیں اور وہ اس بات میں شیعہ کے ساتھ مباہلہ کرنے کے لیے بھی تیار ہیں۔

اہلِ بیت سے جو متواتر روایات نقل ہوئی ہیں، وہ بھی اس جیسی بات کی تکذیب کرتی ہیں، ان کا یہ کبھی دعویٰ نہیں رہا کہ ان کی تعیین کی گئی ہے، بلکہ بارہ کی امامت کی وصیت کی توثیق و اثبات کرنا تو درکنار، وہ اس بات کے قائل ہی کی تکذیب کیا کرتے تھے۔[1]

اگر امامت کے متعلق معاملہ ایسے ہی ہوتا، جس طرح یہ روافض کہتے ہیں تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی گنجایش نہ ہوتی کہ وہ خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر کے ان کی گمراہی، ابطالِ حق اور شکستگیِ دین میں معاونت کرتے۔ اس طرح وہ ان کے ہر ظلم میں شریک ہوجاتے اور رسول اللہ ﷺ کے عہد کی عہد شکنی کرتے! پھر ان کے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی ان کی موافقت کرتے ہیں، انھوں نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات تک کبھی ان کی خلافت کی مخالفت نہیں کی، چناں چہ حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ کس طرح تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ کسی جبر کے بغیر بہ صد رضا و رغبت رسول اللہ ﷺ کے اس عہد کی پاسداری نہ کریں، جو آپ ﷺ ان دونوں کے لیے لیا تھا؟!

مزید برآں حضرت حسن کے ساتھ ایک لاکھ سے زیادہ نفوس تھے، جو ان کے ایک اشارے پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے تیار بیٹھے تھے۔ اللہ کی قسم! اگر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو یہ یقین نہ ہوگیا ہوتا کہ وہ خلافت کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کرنے اور نہ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں تو دونوں معاملوں کو اکٹھا نہ کرتے، لہٰذا چھے ماہ تک آپ نے خلافت اپنے پاس رکھی اور یہ آپ کا حق تھا، اس کے بعد آپ نے بلا ضرورت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو منتقل کر دی اور یہ آپ کے لیے مباح بلکہ بلاشبہہ افضل تھا، کیوں کہ آپ کے نانا حضور ﷺ نے برسرِ منبر کہا تھا:

> ''میرا یہ بیٹا سردار ہے اور شاید اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان صلح کروا دے۔''[2] (البخاري)

---

[1] دیکھیں: منهاج السنة (٤/ ٢٠٩۔ ٢١٠)

[2] ابن حزم: الفصل (٤/ ١٧٢۔ ١٧٣) یہ حدیث صحیح بخاری میں موجود ہے۔ دیکھیں: صحیح البخاري، کتاب الصلح، باب قول النبي ﷺ للحسن بن علي رضي الله عنهما: ابني هذا سيد، ولعل الله أن يصلح به بين فئتين عظيمتين (٣/ ١٦٩) سنن ←

یہ اور اس طرح کے بدیہی و عقلی دلائل اس باب میں بہت زیادہ ہیں، لیکن ہوٰی اور تعصب سے پاک ذہن کے لیے جو حق کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے، ان میں سے چند ایک ہی کافی ہیں۔

بارہ اماموں میں سے کسی ایک کی بھی امامت کے منکر کا حکم:

امامت شیعہ کے نزدیک نبوت کی ہم جولی یا اس سے بھی بلند رتبہ رکھتی ہے، بلکہ یہ شیعہ کے ہاں دین کی بنیاد اور اساسی قاعدہ ہے، اسی لیے جو ان کے بارہ اماموں میں سے کسی ایک کی امامت کا بھی انکار کرتا ہے، اس کے متعلق ان کا حکم اسی غلو کی تکمیل کرتا ہے، کیوں کہ وہ اس پر کفر اور جہنم میں دائمی قیام کا حکم لگاتے ہیں۔ ابن بابویہ کہتا ہے:

''جو امیر المومنین اور ان کے بعد ائمہ کی امامت کا انکار کرتا ہے، اس کے متعلق ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ وہ اسی شخص کے قائم مقام ہے، جو انبیا کی نبوت کا انکار کرتا ہے اور وہ جو امیر المومنین کی امامت کا تو اقرار کرتا ہے، لیکن ان کے بعد کسی ایک امام کا بھی انکار کرتا ہے تو اس کے متعلق ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ اس شخص کے قائم مقام ہے، جو تمام انبیا پر ایمان رکھتا ہے، لیکن محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کرتا ہے۔''[1]

یہ اقتباس تقاضا کرتا ہے کہ اثنا عشریہ نہ صرف تمام مسلمان فرقوں کو کافر قرار دیتے ہیں، بلکہ تاریخ کے مدار میں پائے جانے والے شیعہ فرقوں کی بھی تکفیر کرتے ہیں، حالاں کہ یہ لوگ اپنا دین انہی سے حاصل کرتے ہیں، کیوں کہ ان کے راوی انہی فرقوں کے رجال ہیں۔ شیعہ عالم طوسی کہتا ہے:

''امامت کا انکار کفر ہے، جس طرح نبوت کا انکار کفر ہے، کیوں کہ دونوں کے متعلق جہالت اور ناواقفیت ایک ہی پلڑے میں ہے۔''[1]

تاہم بہ ظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابن مطہر حلی اس بات پر مطمئن نہیں، چناں چہ اس کی رائے میں بارہ اماموں کی امامت کا انکار، نبوت کے انکار سے شدید تر ہے۔ وہ کہتا ہے:

''امامت لطفِ عام ہے اور نبوت لطفِ (مہربانی، عطا) خاص، کیوں کہ امام کے برعکس زمانے کا کسی

←أبي داود، كتاب السنة، باب ما يدل على ترك الفتنة (٥/ ٤٨) رقم الحديث (٤٦٦٢) سنن الترمذي، كتاب المناقب، باب مناقب الحسن والحسين رضي الله عنهما (٥/ ٦٥٨) رقم الحديث (٣٧٧٣) سنن النسائي، كتاب الجمعة، باب مخاطبة الإمام رعيته وهو على المنبر (٣/ ١٠٧) مسند أحمد (٥/ ٣٧ـ ٣٨، ٤٤، ٤٩، ٥١)

[1] الاعتقادات (ص: ١١١) بحار الأنوار (٢٧/ ٦٢)

[2] الطوسى: تلخيص الشافي (٤/ ١٣١) بحار الأنوار (٨/ ٣٦٨)

زندہ نبی سے خالی رہنے کا امکان موجود ہے۔لطفِ عام کا انکار لطفِ خاص کے انکار سے زیادہ بُرا ہے۔''[1]

وہ، ان لوگوں کو جو ان کے ائمہ پر ایمان نہیں رکھتے، یہود و نصاریٰ سے بھی زیادہ شدید کفر کا حامل قرار دیتا ہے، اس تکفیر کی بنا اس نظریے پر رکھی گئی ہے کہ زمانہ امام سے خالی نہیں ہوتا، جو حقیقت میں ان کے غائب امام منتظر کے وجود پر ایمان کے عقیدے کی طرف اشارہ ہے، جس کا شیعہ کے کئی فرقوں نے بھی انکار کیا ہے، جب کہ محققین علمائے انساب اور تاریخ دانوں کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ وہ اصلاً پیدا ہی نہیں ہوا (جس کی تفصیل آگے ذکر ہوگی) لیکن یہ شیعہ عالم یہ خیال پیش کرتا ہے کہ اس کا انکار سب سے بڑا کفر ہے!

شیعہ کا عالم مفید امتِ اسلام کی تکفیر کے سلسلے میں اس مذہب پر شیعہ کا اتفاق نقل کرتے ہوئے کہتا ہے:

''امامیہ کا اتفاق ہے کہ جس نے کسی ایک امام کی امامت کا بھی انکار کیا اور اللہ تعالیٰ نے جو اس کی اطاعت فرض کی ہے، اس کو ٹھکرا دیا تو وہ کافر، گمراہ اور جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کا مستحق ہے۔''[2]

بلکہ شیعہ کے عالم نعمت اللہ جزائری نے تو معاملے کو اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ اس نے صرف مسئلہ امامت کی وجہ سے شیعہ کی تمام مسلمانوں سے علاحدگی کا اعلان کر دیا ہے، چناں چہ وہ کہتا ہے:

''ہم ان کے ساتھ اِلٰہ، نبی اور امام کے معاملے میں اکٹھے نہیں، کیوں کہ وہ کہتے ہیں کہ ان کا رب وہ ہے، جس کا محمد ﷺ نبی تھا اور اس کے بعد ابوبکر ان کا خلیفہ تھا، لیکن ہم اس رب کے قائل ہیں نہ اس نبی کے، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ وہ رب جس کے نبی کا خلیفہ ابوبکر تھا نہ وہ ہمارا رب ہے اور نہ وہ نبی ہمارا نبی ہے۔''[3]

اس عام تکفیر کے بعد انھوں نے امامیہ کے سوا مسلمانوں کے تمام گروہوں اور جماعتوں کو مرتد قرار دیتے ہوئے ان کو لعنت کے لیے مخصوص کیا ہے۔ ان کی تکفیر درج ذیل اشخاص و افراد کو شامل ہے:

- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان میں سرفہرست خاتم الانبیاء ﷺ کے بعد امت کے بہترین افراد حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔
- اہلِ بیت۔
- مسلمانوں کے خلفا اور ان کی حکومتیں۔

---

[1] ابن المطهر الحلي: الألفين (ص: ٣)
[2] المسائل للمفيد، اسی سے مجلسی نے بحار الأنوار (٨/ ٣٦٦) میں نقل کیا ہے۔
[3] الأنوار النعمانية (٢/ ٢٧٩)

- اسلامی بلاد وممالک اوران کے باشندگان۔
- مسلمان قاضی۔
- مسلمانوں کے ائمہ اور علما۔
- اسلامی فرقے۔
- امتِ اسلامیہ۔

مَیں ذیل کی سطور میں ان تمام گروہوں کے متعلق شیعہ کا عقیدہ تفصیل کے ساتھ ذکر کروں گا۔

① صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین:

شیعہ کی کتابوں میں مہاجرین و انصار، اہلِ بدر، بیعتِ رضوان میں شریک ہونے والے اصحابِ محمد ﷺ اور دیگر تمام صحابہ کرام پر، جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے، تکفیر اور لعن طعن کی بھرمار ہے۔ وہ ان میں سے صرف معدودے چند افراد کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، جن کی تعداد پانچ انگلیوں کے برابر بھی نہیں۔

یہ مسئلہ ان کی کتابوں کے ظاہر اور شائع ہوجانے کی وجہ سے ان امور میں داخل ہو چکا ہے، جو تقیے کی آڑ میں بھی نہیں چھپتے، جو اگر چہ اس سے پہلے بعض ائمۂ اسلام کی نظروں سے اوجھل تھا۔ امام نووی کی شرح مسلم میں ہے:

> ''امامیہ اس بات کے قائل ہیں کہ صحابہ کرام حضرت علی پر دیگر کو مقدم کرنے کی وجہ سے خطا کار ہیں، کفار نہیں۔''[1]

لیکن کچھ اہلِ علم اور عقائد کی کتابوں کے مولفین ایسے ہیں، جن کو امامیہ کے اس عقیدے کی خبر تھی، چناں چہ قاضی عبد الجبار کہتے ہیں:

> ''امامیہ کا یہ مذہب ہے کہ بارہ اماموں کی امامت نص جلی سے ثابت ہے، جس کے انکار کرنے والے کو کافر قرار دیا جاتا ہے اور اس کی تکفیر واجب ہوتی ہے، لہٰذا اس وجہ سے انھوں نے اصحابِ نبی ﷺ کو کافر قرار دیا ہے۔''[2]

قریب قریب یہی معنی ومفہوم عبد القادر بغدادی[3] اور ابن تیمیہ[4] وغیرہما[5] نے بھی ذکر کیے ہیں۔ لیکن وہ

---

[1] شرح صحيح مسلم للنووي (١٥/ ١٧٤)

[2] شرح الأصول الخمسة (ص: ٧٦١)

[3] الفرق بين الفرق (ص: ٣٢١)

[4] منهاج السنة (٤/ ١٢٨)

[5] دیکھیں: البزدوي: أصول الدين (ص: ٢٤٧۔ ٢٤٨)

تعداد جس کو شیعہ اس تکفیر کے عام حکم سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، اس کے متعلق میں نے کسی محقق کو نہیں دیکھا کہ اس نے اس کے متعلق کوئی ایسا اشارہ دیا ہو، جو اثنا عشریہ کی کتابوں میں مذکور تعداد کے مطابق ہو۔

عبدالقادر بغدادی کہتے ہیں:

''امامیہ کی اکثریت کا یہ نظریہ ہے[1] کہ صحابہ کرام، حضرت علی، ان کے دونوں بیٹوں اور تیرہ کے قریب صحابہ کے سوا (نعوذ باللہ) سب مرتد ہوگئے تھے۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''رافضہ کہتے ہیں: مہاجرین و انصار نے نص وصیت چھپا لی تھی، چناں چہ چند افراد کے سوا وہ تمام کافر ہوگئے، وہ چند دس کے قریب تھے یا اس سے زیادہ، پھر وہ کہتے ہیں کہ ابوبکر و عمر اور ان دونوں جیسے ہمیشہ منافق رہے۔ کبھی وہ کہتے ہیں کہ وہ پہلے ایمان لائے، پھر کافر ہوگئے۔''[2]

آپ دیکھیں گے وہ تعداد، جس کو اثنا عشریہ مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، ان کی ذکر کردہ تعداد سے کم ہے۔ یہ تو وہ باتیں تھیں جو اہلِ سنت وغیرہ کی کتابوں میں شیعہ کے صحابہ کرام کے متعلق مذہب کے حوالے سے ذکر ہوئی ہیں۔ آیندہ صفحات میں ہم ملاحظہ کریں گے کہ شیعہ اپنے معتبر مصادر کے حوالے سے کیا کہتے ہیں۔

اثنا عشریہ کی کتابیں کہتی ہیں:

تین صحابہ کرام کے سوا باقی تمام حضرت ابوبکر کو زمامِ خلافت سونپنے کی وجہ سے مرتد ہوگئے۔ بعض روایات تین چار دیگر افراد کا تذکرہ بھی کرتی ہیں، جو امامتِ علی کی طرف لوٹ آئے، اس طرح مجموعی لحاظ سے ان کی تعداد سات ہوجاتی ہے، اس سے وہ زیادہ نہیں کرتے۔

شیعہ نے ''اس افسانے کی خبریں'' اپنی معتبر کتابوں میں ذکر کیں اور انھوں نے اپنی سب سے پہلی ظاہر ہونے والی کتاب سلیم بن قیس میں اس کہانی کو لکھا۔[3] اس کے بعد ان کی کتابوں نے مسلسل اس مسئلے کے اثبات اور اشاعت کو آگے بڑھایا، جن میں سرِفہرست ان کی کتبِ اربعہ میں سب سے زیادہ معتبر کتاب ''الكافي''[4]

---

[1] دیکھیں عبدالقادر اس مذہب کو عمومی طور پر تمام امامیہ کا مذہب قرار نہیں دیتے۔ امام اشعری نے بھی یہ ذکر کیا ہے کہ یہ اس مسئلے میں دو فرقوں میں بٹ گئے ہیں۔ (مقالات الإسلاميين: ١/ ١٢٨، ١٢٩)

[2] مجموع الفتاویٰ (٣/ ٣٥٦)

[3] دیکھیں: كتاب سليم بن قيس (ص: ٧٤۔ ٧٥)

[4] الكليني: الكافي (٢/ ٢٤٤)

کتبِ رجال میں اساسی کتاب ''رجال الكشي''[1] اور ان کے علاوہ ان کے دیگر مصادر میں، جیسے ''تفسیر عیاشی''[2]، ''برھان''[3]، ''الصافي''[4]، ''تفسیر نور الثقلین''[5]، ''الاختصاص''[6]، ''السرائر''[7] اور ''بحار الأنوار''[8] ہیں۔

یہ ان کے بعض علما کی محض آرا نہیں، بلکہ ان کے معصومین سے روایات ہیں، جو ان کے نزدیک عصمت اور تقدس کی حامل ہیں، لیکن اس مثالی، قرآنی تربیت کے سائے میں پروان چڑھنے والی نسل کو سب وشتم کرنا تو ان کے علما کی زبان پر عام اور ان کی اکثر کتابوں میں جگہ جگہ موجود ہے۔

اگر میں وہ سارا کوڑا کرکٹ ذکر کرنا شروع کر دوں، جو میں نے دیکھا ہے تو وہ کئی جلدوں میں بھی نہ سمائے، چناں چہ میں وہ بعض اقتباسات نقل کرنے پر اکتفا کروں گا، جن میں ان کی تکفیر صریحاً ذکر ہوئی ہے اور وہ باقی طعن وتشنیع کے انکشاف اور اس کا اندازہ لگانے کے لیے کافی ہوں گے۔ شیعہ کے ثقہ عالم کلینی نے اپنی کتاب ''الكافي'' میں روایت ذکر کی ہے کہ حمران بن اعین نے کہا:

''میں نے ابوجعفر سے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں! ہم کتنے تھوڑے ہیں؟ اگر ہم ایک بکری کے لیے اکٹھے ہوں تو اس کو بھی ختم نہ کر پائیں! انھوں نے کہا: میں تم کو اس سے بھی عجیب تر بات نہ بتاؤں، مہاجرین اور انصار تین کے سوا تمام پھر گئے۔''[9]

چناں چہ یہ تکفیر، جس طرح آپ ملاحظہ کر رہے ہیں، مہاجرین و انصار کو، جو رسول اللہ ﷺ کے افضل اصحاب ہیں، شامل ہے۔ یہ روایت بیان کرتی ہے کہ شیعہ ابوجعفر کے زمانے میں ایک منحرف قلت کے سوا، جو

---

[1] رجال الكشي (ص: ٦، ٧، ٨، ٩، ١١)
[2] تفسير العياشي (١/ ١٩٩)
[3] هاشم البحراني: البرهان (١/ ٣١٩)
[4] محسن الكاشاني: الصافي (١/ ٣٨٩)
[5] الحويزيني: نور الثقلين (١/ ٣٩٦)
[6] المفيد: الاختصاص (ص: ٤-٥)
[7] ابن أدريس: السرائر (ص: ٤٦٨)
[8] بحار الأنوار (٢٢/ ٣٤٥، ٣٥٢، ٤٤٠)
[9] شیعہ کے معاصر عالم علی اکبر غفاری نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے: یعنی آپ نے اپنی تین انگلیوں کے ساتھ اشارہ کیا اور تین سے مراد سلمان، ابوذر اور مقداد ہیں۔ (الكافي، حاشية: ٢/ ٢٤٤) دیکھیے! صدیاں گزر جانے کے باوجود شیعہ کے علما کی عقلوں سے یہ خرافات پر مبنی مفاہیم مٹ نہیں سکے۔ اس کی مزید تفصیل معاصر شیعہ کے باب میں ذکر ہوگی۔

ان کی رائے کی ہم نوا تھی، کسی مسلمان کو اسلام پر قائم نہیں سمجھتے تھے۔

مسلمانوں کے تناسب سے یہ اتنی زیادہ قلت تھی کہ اگر یہ سارے ایک بکری کھانے کے لیے اکٹھے ہوتے تو اسے ختم نہ کر سکتے۔ اس بات کا انھوں نے اپنے امام سے شکوہ کیا تو اس نے ان کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ اوائلِ شیعہ بھی تین سے زیادہ نہیں تھے، باقی تمام مرتدوں کے حکم میں تھے۔

یہ اقتباس واضح کرتا ہے کہ رافضہ ابوجعفر محمد باقر کے زمانے تک مسلمانوں کی نسبت بہت زیادہ قلیل تعداد میں تھے اور ان کے مخالف تھے۔ ان کی دعوت کو قبولیت حاصل ہوئی تھی نہ ان کا مذہب پھیلا تھا۔ یہ تقیے اور رازداری کے غاروں میں رہتا تھا اور ان کے روساء اور سربراہان اپنے پیروکاروں کو اہلِ بیت کی طرف اس طرح کے جھوٹ گھڑ کر تسلی دیتے تھے۔

کافی کی روایت نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام بیان نہیں کیے، جو ارتداد سے محفوظ رہے تھے اور انھوں نے رافضہ کے مذہب کی ہمنوائی کی تھی۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ مذہبِ رفض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کہیں ظاہر ہوا تھا اور یہ لوگ صحابہ نہیں تھے، بلکہ ان کا سبائی ہونا کچھ بعید نہیں، جن کے کندھوں پر رافضی سرگرمی کا آغاز ہوا تھا۔ یہ بھی کچھ بعید از عقل نہیں کہ ان سبائیوں نے استعاراتی نام استعمال کیے ہوں اور وہ ان کی جگہ صحابہ کے نام ہوں۔ یہ بات رجال الکشی میں ذکر ہوئی ہے:

> ''حنان بن سدیر عن ابیہ عن ابی جعفر کی سند سے ذکر کرتا ہے کہ ابوجعفر نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تین آدمیوں کے سوا سب لوگ مرتد ہوگئے۔ میں نے پوچھا: وہ تین کون تھے؟ انھوں نے جواب دیا: مقداد بن اسود، ابو ذر غفاری اور سلمان فارسی۔ پھر تھوڑی دیر بعد لوگوں نے سارے معاملے کو پہچان لیا۔ پھر کہا: انھیں لوگوں پر سارے معاملے کا دارومدار تھا اور انھوں نے ابوبکر کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا، حتیٰ کہ وہ امیر المومنین کو مجبور کر کے لے آئے تو انھوں نے بیعت کی۔''[1]

یہ اقتباس اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکفیر کے ساتھ ساتھ رفض و انکار کے مذہب کے پہلے خلیے کی بھی نشان دہی کرتا ہے، جو ان مستعار ناموں کا نقاب اوڑھے ہوئے تھے۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ یہ تین افراد بھی بجز ایک کے جن کو شیعہ روایات مستثنیٰ قرار دیتی ہیں، امام کی ''معرفت'' میں شک سے محفوظ نہیں رہ سکے، جو اصل ایمان ہے! یہی وجہ ہے کہ جب ابوجعفر نے کہا کہ تین کے سوا سب لوگ مرتد ہوگئے تو اس کے فوراً بعد کہا: اگر تم ایسا

---

[1] رجال الكشي (ص: ٦) الكافي: كتاب الروضة (١٢/ ٣٢١۔ ٣٢٢) مع شرح جامع للمازندراني.

شخص چاہتے ہو جس نے قطعاً شک نہیں کیا اور اس کے دل میں کسی شبہے نے جنم نہیں لیا تو وہ شخص صرف مقداد تھا، جہاں تک سلمان کا تعلق ہے تو ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ امیر المومنین کے پاس اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے، اگر وہ اس کو زبان پر لائیں تو ان لوگوں کو زمین پکڑے گی، وہ ایسے ہی تھا تو اس نے اس کی گردن میں کپڑا ڈال کر اس کو کھینچا اور تکلیف دی، جس کے نتیجے میں اس کی گردن پر ایک گلٹی بن گئی۔

اس کے بعد اس کے پاس سے امیر المومنین کا گزر ہوا اور انھوں نے کہا: اے ابوعبداللہ! لگتا ہے یہ گلٹی اس کے نتیجے میں ہے، تم بیعت کر لو تو انھوں نے بیعت کر لی۔ ابوذر کا یہ معاملہ تھا کہ انھوں نے امیر المومنین کو چپ رہنے کے لیے کہا اور ان کو اس معاملے میں کوئی شرمندگی نہ ہوئی، لیکن انھوں نے خاموش رہنے سے انکار کر دیا، پھر ان کے پاس عثمان کا گزر ہوا تو اس نے بھی اس کا حکم دیا۔[1]

یہ تین ارتداد سے تو نجات پا گئے، لیکن شیعہ کی تنقید اور عیب جوئی سے محفوظ نہ رہ سکے۔ شیعہ کی روایات ذکر کرتی ہیں کہ ان تینوں کے درمیان ظاہری تعلقات بڑے اچھے تھے، لیکن اگر ہر ایک کو دوسرے کے دل میں مچلنے والے خیالات کا علم ہو جاتا تو وہ اس کو قتل کر دیتا یا اس کے قاتل کے لیے جذبہ ترحم رکھتا، کیوں کہ ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کے باطن اور اعتقاد سے ناواقف تھا۔

رجال الکشی میں ہے کہ امیر المومنین نے کہا:

''اے ابوذر! سلمان جو جانتا ہے، اگر تجھ سے کہہ دیتا تو تم کہتے: اللہ سلمان کے قاتل پر رحم کرے۔''[2]

ابوبصیر سے مروی ہے کہ میں نے ابوعبداللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اے سلمان! اگر تیرا علم مقداد پر پیش کیا جائے تو وہ کافر ہو جائے۔ اے مقداد! اگر تیرا علم سلمان پر پیش کیا جائے تو وہ بھی کافر ہو جائے۔''[3]

اس لیے ان کا ایک دوسرے کے ساتھ معاملہ (حالاں کہ وہ روافض کی نگاہ میں شیعہ کا خلاصہ تھے، یعنی مخلص ترین شیعہ تھے) بھی تقیے اور رازداری کی اساس پر قائم تھا۔ جعفر اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ انھوں نے کہا:

میں نے ایک دن حضرت علی کے سامنے تقیے کا ذکر کیا، تو انھوں نے کہا: اگر ابوذر کو علم ہو جائے کہ سلمان کے دل میں کیا ہے تو وہ اس کو قتل کر دے، حالاں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو آپس

---

[1] رجال الكشي (ص: ١١) بحار الأنوار (٢٢/ ٤٤٠)

[2] المصدر السابق (ص: ١٥)

[3] المصدر السابق (ص: ١١)

میں بھائی بھائی بنایا تھا، پھر باقی تمام لوگوں کے بارے میں تمھارا کیا گمان ہوگا؟''[1]

یہ تمام نصوص و اقتباسات اہلِ کفر و بدعت پر صادق آتی ہیں، کیوں کہ ﴿تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَّقُلُوبُهُمْ شَتّٰى﴾ [الحشر: ١٤] ''آپ انھیں اکٹھا سمجھتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں انتشار ہے۔'' ان سے اصحابِ رسول ﷺ بَری ہیں، لیکن ان عبارات سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ شیعہ صحابہ کرام کو کافر قرار دیتے ہیں، نیز ان سے یہ استنباط بھی کیا جا سکتا ہے کہ اہلِ رفض کی ظاہر میں ایک نہ نظر آنے والی صورت بھی ہے، کیوں کہ ان کی تعداد کم ہے، ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے نفرت اور بد نیتی چھپی ہوئی ہے اور ان کا یہ اعتقاد ہے کہ ان کے سوا کسی کے پاس بھی ایمان کی دولت نہیں۔

یہ ہیں ان کے نزدیک اسلام کے ہراول دستے اور پہلی جماعت کی خصوصیات، لہٰذا باقی تمام کے بارے تمھارا کیا گمان ہوگا!

شیعہ روایات کہتی ہیں کہ ان تین کے ساتھ چار لوگ مزید آ ملے تھے، تا کہ عصر صحابہ میں مومنین (بلکہ روافض) کی تعداد سات ہو سکے، لیکن اس سے ان کی تعداد زیادہ نہیں ہوئی۔ اس کے متعلق شیعہ کی روایات کہتی ہیں، چناں چہ ایک روایت میں ہے:

''حارث بن مغیرہ نصری سے مروی ہے کہ میں نے عبد الملک بن اعین کو ابوعبداللہ سے بار بار سوال کرتے ہوئے سنا، حتی کہ اس نے کہا: تو کیا لوگ تب (یعنی، شیعہ نظریے کے مطابق، رسول اللہ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر کی بیعت کر کے) ہلاک ہوگئے؟ انھوں نے کہا: ہاں، خدا کی قسم! اے ابن اعین! تمام لوگ ہلاک ہوگئے۔ میں نے کہا: مشرق و مغرب کے تمام باشندے؟ انھوں نے کہا: یہ تمام علاقے گمراہیوں کے ہاتھوں فتح ہوئے۔ یعنی خدا کی قسم! تین کے سوا تمام ہلاک ہوگئے، پھر ابوساسان،[2] عمار،[3] شتیرہ[4] اور ابوعمرہ[5] آ ملے اور وہ سات ہوگئے۔''[6]

---

[1] المصدر السابق (ص: ١٧)

[2] شیعہ عالم اردبیلی کہتا ہے: ''ابوساسان کا نام حصین بن منذر تھا، اس کو ابوسنان بھی کہا جاتا ہے، اس کے بعد اس نے الکشی سے مذکورہ روایت نقل کی ہے۔ (جامع الرواۃ: ٢/ ٣٨٧)
حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے کہ اس کا نام حضین (ض کے ساتھ) بن منذر بن حارث رقاشی ہے۔ یہ صفین میں حضرت علی کے امراء میں سے تھا، وہ ثقہ ہے، پہلی صدی کے اختتام کے وقت اس کی وفات ہوئی۔ (تقریب التہذیب: ١/ ١٨٥)

[3] اس سے ان کی مراد عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما ہیں۔

[4] اردبیلی کہتا ہے: ''شتیرۃ'' امیر المومنین کے ساتھیوں میں سے تھا، پھر اس نے دوبارہ الکشی کی روایت نقل کی۔ (جامع الرواۃ ١/ ٣٩٨) ←

یہ جملہ نصوص و روایات اس امر کی توثیق کرتی ہیں کہ یہ تعداد اس سے نہیں بڑھی۔ ابو جعفر نے کہا:

''وہ سات تھے اور ان سات کے سوا کوئی بھی امیر المومنین کا حق نہیں پہچانتا تھا۔''[1]

ابو عبداللہ حلفاً کہتے تھے:

''خدا کی قسم! ان کے ساتھ سات لوگوں کے سوا کسی نے وفا نہیں کیا۔''[2]

ان سات کی تعیین میں بھی ان کی روایات میں اختلاف اور تفاوت ہے۔[3] بہ ظاہر ایسے لگتا ہے کہ ان افراد کی شخصیات کی تعیین میں شیعہ فرقوں کے درمیان اختلاف ہے اور ہر کوئی اپنی طرف سے گھڑتا ہے یا پھر یہ ہے کہ اختلاف اور تناقض جھوٹ کے مزاج میں شامل ہے۔ اگر یہ احتمال ہے، جس طرح میں نے کہا ہے کہ رافضہ تمام صحابہ کرام کی تکفیر کرتے ہیں اور یہ سات رافضیت کی پہلی جماعت کے رموز ہیں، کیوں کہ شیعہ کی صفات، تعلقات اور مذہب کا صحابہ سے کچھ تعلق نہیں۔

رافضہ بعض اوقات[4]، ایمان اور صحابہ کی تعریف کے متعلق آیات کی اس معمولی سی تعداد کے ساتھ تاویل کرتے ہیں، جس کو وہ تکفیر کے عمومی قاعدے سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ تفسیر قمی میں اس آیت: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ کَرِیْمٌ﴾[الأنفال: ٢۔٤] کی تفسیر میں صاحبِ کتاب لکھتا ہے:

← [5] اردبیلی کہتا ہے: ''ابوعمرہ انصاری کا نام ثعلبہ بن عمرو تھا۔ یہ امیر المومنین کے چیدہ ساتھیوں میں سے تھا۔'' (جامع الرواۃ: ٢/ ٤٠٨) حافظ ابن عبدالبر کہتے ہیں: ''ابوعمرہ انصاری کے نام میں اختلاف ہے۔ عمرو بن محصن بھی ذکر ہوا ہے۔ ثعلبہ بن عمرو بن محصن بھی اور بشیر بن عمرو بن محصن بن عتیک بھی۔'' ابن عبدالبر کہتے ہیں: ''ان شاء اللہ یہی درست ہے۔ یہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔'' الإستیعاب (٤/ ١٣٣۔ ١٣٤ نیز دیکھیں: الإصابة (٤/ ٤٤١) أسد الغابة (٥/ ٢٦٣)

[6] رجال الكشي (ص: ٧)

[1] المصدر السابق (ص: ١١۔ ١٢)

[2] المفيد: الاختصاص (ص: ٦٣) الحميري: قرب الإسناد (ص: ٣٨) بحار الأنوار (٢٢/ ٣٢٢)

[3] مثال کے طور پر سات کی تعیین کے بارے میں الکشی اور طوسی کی روایت، جو میں نے ذکر کی ہے، اور ''قرب الإسناد للحميري'' کی اس روایت میں تقابل کریں، جس میں ہے: ''خدا کی قسم! سات لوگوں کے سوا کسی نے اس کے ساتھ وفا نہیں کی اور وہ یہ ہیں: سلمان، ابو ذر، عمار، مقداد بن اسود کندی، جابر بن عبداللہ انصاری، رسول اللہ کا ایک آزاد کردہ ثبیت نامی غلام اور زید بن ارقم۔'' (قرب الإسناد، ص: ٣٨، بحار الأنوار: ٢٢/ ٣٢٢)

[4] کیوں کہ ان کی اکثر نصوص و روایات میں ان آیات کی تاویل ائمہ کے ساتھ کی جاتی ہے۔

''یہ امیر المومنین، ابوذر، سلمان اور مقداد کے بارے میں نازل ہوئی۔'' [1]

لیکن شیعہ کے دماغ سے یہ بات غائب ہوگئی ہے کہ وہ ان تینوں کی تعریف اور ان کو مومنوں کی صف میں اس آیت میں مذکورہ صفات کی بنا پر شامل نہیں کرتے، بلکہ اس لیے ان کی مدح سرائی کرتے ہیں کہ ان تین لوگوں نے حضرت علی کی امامت تسلیم کی اور حضرت ابوبکر کی امامت وخلافت کا انکار کیا۔

یہ قاعدہ اور معیار، جس پر شیعہ اپنے مخالفین کو تولتے ہیں، اس کا اس آیت میں کہیں ذکر نہیں، جس کو یہ ان تین اصحاب کے ایمان میں نص اور صریح عبارت قرار دیتے ہیں، باقی قرآنی آیات کی بھی یہی صورتِ حال ہے۔ وہ تمام ان کی تردید اور مخالفت کرتی ہیں اور ان میں ان کے لیے کوئی حجت نہیں۔

انھوں نے کفر، کافرین اور شرک اور مشرکین کے بارے میں آیات تمام صحابہ کرام کے متعلق قرار دی ہیں، جس طرح ہم کافی اور بحار الانوار کے متعدد ابواب میں پاتے ہیں۔[2] اصحابِ محمد ﷺ، احبابِ محمد ﷺ، انصارِ محمد ﷺ اور اصفیاے محمد ﷺ کی تکفیر کے عام حکم کے باوجود وہ کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خصوصی طور پر مزید طعن وتکفیر کا نشانہ بناتے ہیں، ان کے اس باب میں ایسے اقوال اور اقتباسات ہیں، جن کو سن کر اہلِ ایمان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ وہ خلفاے ثلاثہ، وزراے رسول اور آپ ﷺ کے اَصہار و داماد حضرت ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے لیے اس تکفیر سے وافر مقدار میں حصہ مخصوص کرتے ہیں۔

شیعہ عالم مجلسی نے اپنی کتاب "بحار الأنوار" میں، جو ان کے بعض معاصر علما کی نگاہ میں ''معارفِ مذہب کی تحقیق کے لیے یکتا ماخذ ہے،''[3] "باب کفر الثلاثة ونفاقهم و فضائح أعمالهم"[4] (تینوں ابو (ابوبکر و عمر وعثمان رضی اللہ عنہم) کے کفر، نفاق اور رسوا کن اعمال کا بیان) کے عنوان سے ایک باب قائم کیا ہے۔ شیعہ کے ایک دوسرے عالم بحرانی نے اس موضوع پر متعدد ابواب قائم کیے ہیں، جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

''باب ۹۷: وہ دونوں جو امیر المومنین سے پہلے (خلیفہ) ہوئے ہیں، ان کے اوپر قیامت تک امتِ محمد ﷺ سے سرزد ہونے والے گناہوں کے برابر گناہ ہیں۔''[5]

---

[1] تفسير القمي (١/ ٢٥٥) بحار الأنوار (٢٢/ ٣٢٢)

[2] دیکھیں: الكافي: باب فيه نكت ونتف من التنزيل في الولاية (١/ ٤١٢۔ ٤٣٦) اس میں ۹۲ روایات ہیں۔ اس سلسلے میں گذشتہ صفحات (۱۷۹) بھی ملاحظہ کریں۔

[3] البهبودي: مقدمة البحار ج: صفر (ص: ١٩)

[4] بحار الأنوار (٨/ ٢٠٨۔ ٢٥٢) من الطبعة الحجرية.

[5] المعالم الزلفى (ص: ٣٢٤)

''باب ۹۸: ابلیس جہنم میں عمر سے بلند مرتبے پر فائز ہوگا اور یقیناً ابلیس کو دوزخ میں اس پر شرف حاصل ہوگا۔''[1]

شیعہ کی روایات اس کفر میں ناک و ناک ڈوبی ہوئی ذکر ہوتی ہیں اور اس کی ہر جہت میں ہاتھ پاؤں مارتی ہیں۔ یہ صرف شیخین کی تکفیر ہی پر اکتفا نہیں کرتیں، بلکہ ان دونوں کو مسلمان کہنے کو سب سے بڑا کفر قرار دیتی ہیں۔ صاحبِ کافی روایت کرتا ہے:

''تین لوگ ایسے ہوں گے جن سے اللہ تعالیٰ روزِ قیامت کلام کریں گے نہ ان کو پاک ہی کریں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا:[2] جس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امامت کے لیے مخصوص کیا گیا ہے اور وہ اس کے لیے نہ ہو۔[3] جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصب کردہ امام کا انکار کیا اور جس نے یہ دعویٰ کیا کہ ان دونوں (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کا اسلام سے کوئی حصہ ہے۔''[4]

بعض اوقات یہ روایات ان کو ''جبت'' اور ''طاغوت'' سے متصف کرتی ہیں۔[5] کبھی ان پر لعن طعن کے تیر برساتی ہیں، خصوصاً زیارات[6] اور نماز کے بعد کی دعاؤں میں۔ یہ لوگ ان اذکار کو شیخین اور تمام مسلمانوں پر لعن طعن میں بدل دیتے ہیں۔[7] عصرِ حاضر میں شیعہ کے متعلق لکھنے والے بعض اصحابِ قلم نے صدیقِ امت حضرت ابوبکر صدیق اور فاروقِ امت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی تکفیر کے بارے میں شیعہ کی غلیظ اور گندی باتیں نقل کی ہیں۔[8]

لیکن مَیں یہاں یہ اضافہ کرنا چاہوں گا کہ شیعہ نے جو کچھ دولتِ صفویہ کے سائے میں تحریر کیا ہے، اس میں اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے افضل افراد کی تکفیر بالکل کھلی اور صریح ہے، لیکن جو اوائلِ شیعہ نے کلینی کے زمانے میں اور اس کے بعد لکھا، وہ اشارے کنائے اور رمزیہ زبان میں تھا۔ جب ایک حد تک تقیے کا حکم ختم ہوگیا اور اثنا

---

1. المصدر السابق (ص: ۳۲۵)
2. یہ قیامت تک آنے والے مسلم خلفا کی تکفیر میں نص ہے۔
3. یہ ان تمام پہلے اور بعد میں آنے والے مسلمانوں کی تکفیر ہے، جو ان کے بارہ اماموں کی امامت کو تسلیم نہیں کرتے۔
4. أصول الكافي (۱/ ۳۷۳، ۳۷٤) النعماني: الغيبة (ص: ۷۰) تفسير العياشي (۱/ ۱۷۸) بحار الأنوار (۲۵/ ۱۱۱)
5. دیکھیں: أصول الكافي (۱/ ٤۲۹)
6. دیکھیں: من لا يحضره الفقيه (۲/ ۳٥٤)
7. دیکھیں: مستدرك الوسائل (۱۰/ ۳٤۲)
8. جس طرح شیخ موسیٰ جار اللہ کی "الوشيعة" اور احسان الٰہی ظہیر کی "الشيعة والسنة" کی تحریروں میں یہ حوالہ جات ذکر ہوئے ہیں۔

عشریہ کی حقیقت ظاہر ہوگئی، تب ان کے متاخر علما نے ان رموز سے نقاب اٹھایا۔

شیعہ کی اس سلسلے میں چند ایک مخصوص اصطلاحات کچھ اس طرح ہیں۔ یہ شیخین کو ''فصل'' اور ''رمع'' کے نام سے ذکر کرتے ہیں، کیوں کہ یہ سلطنتِ اسلام کی قوت کے ایام میں صریحاً نام لینے کی جراَت نہیں رکھتے۔ تفسیر عیاشی میں ذکر ہوا ہے:

''راوی اپنے امام سے کہتا ہے: اللہ آپ کی اصلاح کرے! اللہ کے دشمن کون ہیں؟ انھوں نے کہا: چاروں بت۔ میں نے کہا: وہ کون ہیں؟ انھوں نے کہا: ابو الفصیل، رمع، نعثل، معاویہ اور جو ان کے دین پر چلنے والا تھا۔ جس نے ان سے دشمنی رکھی، اس نے اللہ کے دشمنوں سے دشمنی رکھی۔''[1]

شیعہ عالم مجلسی ان اصطلاحات کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

''ابو الفصیل سے ابوبکر مراد ہے، کیوں کہ فصیل اور بکر دونوں کا معنی قریب قریب ہے۔ رمع عمر کی مقلوب شکل ہے اور نعثل سے عثمان مراد ہے۔''[2]

اس آیت: ﴿ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴾ [الحجر: ٤٤] کی تفسیر میں عیاشی روایت کرتا ہے:

''ابو بصیر، جعفر بن محمد سے بیان کرتا ہے کہ انھوں نے کہا: دوزخ کو لایا جائے گا، اس کے سات دروازے ہوں گے، پہلا دروازہ ظالم کے لیے ہوگا اور وہ زریق ہے۔ دوسرا حبتر کے لیے، تیسرا تیسرے کے لیے، چوتھا معاویہ کے لیے، پانچواں عبدالملک کے لیے، چھٹا عسکر بن ہوسر کے لیے اور ساتواں ابو سلامہ کے لیے اور یہی دروازے ان کے لیے بھی ہیں، جنھوں نے ان کی پیروی کی۔''[3]

مجلسی اس روایت کی تفسیر میں کہتا ہے:

''زریق پہلے (ابوبکر رضی اللہ عنہ) سے کنایہ ہے، کیوں کہ عرب آنکھ میں نیلاہٹ سے نحوست لیتے ہیں۔ حبتر لومڑ کو کہتے ہیں، شاید اس نے اس کی مکاری اور حیلے سازی کی وجہ سے اس کے لیے اس کنائے کا انتخاب کیا ہے، اس کے علاوہ دیگر روایات میں اس کے عکس ذکر ہوا ہے اور وہ زیادہ واضح ہے، کیوں کہ حبتر پہلے کے لیے زیادہ مناسب ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں وہی مراد ہو، دوسرے کو اس

[1] تفسير العياشي (٢/ ١١٦) بحار الأنوار (٢٧/ ٥٨)

[2] بحار الأنوار (٢٧/ ٥٨)

[3] تفسير العياشي (٢/ ٢٤٣) البرهان (٢/ ٣٤٥)

لیے مقدم رکھا ہو کیوں کہ وہ زیادہ سخت اور درشت مزاج تھا۔ عسکر بن ہوسر بنو امیہ یا بنو عباس کے بعض خلفا سے کنایہ ہے، اس طرح ابو سلامہ ابو جعفر الدواشیقی سے کنایہ ہے، یہ بھی احتمال ہے کہ عسکر عائشہ اور تمام اہلِ جمل سے کنایہ ہو، کیوں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کا نام عسکر تھا۔ یہ بھی مروی ہے کہ اس کا نام شیطان تھا۔''[1]

اسی طرح شیعہ کی اکثر روایات میں ان دونوں عظیم شخصیات کی طرف ''فلاں فلاں'' کے لقب کے ساتھ بھی اشارہ کیا جاتا ہے، جس طرح ابو عبداللہ سے مروی اس آیت: ﴿ وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ﴾ [البقرة: ١٦٨، ٢٠٨الأنعام: ١٤٢] کی تفسیر میں ہے کہ اس نے کہا:

''شیطان کے قدم سے مراد، خدا کی قسم! فلاں فلاں کی ولایت (امارت وخلافت) ہے۔''[2]

اس آیت: ﴿ اَوْ كَظُلُمٰتٍ ﴾ [النور: ٤٠] کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ فلاں فلاں (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) مراد ہیں۔ ﴿فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ﴾ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس سے نعثل مراد ہے، ﴿مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ ﴾ اس سے طلحہ وزبیر مراد ہیں، ﴿ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ﴾ سے معاویہ مراد لیتے ہیں۔[3]

مجلسی کہتا ہے:

''فلاں فلاں سے ابوبکر وعمر اور نعثل سے عثمان مراد ہیں۔''[4]

شیعہ کی اصطلاحات میں ''حبتر'' اور ''دلام'' بھی رمزیہ الفاظ ہیں، جن سے یہ لوگ شیخین کو مراد لیتے ہیں، مثال کے طور پر سورۃ الشمس کی تاویل میں مذکور ہے:

﴿ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ﴾ [الشمس: ٣] اس سے قائم کا کھڑا ہونا مراد ہے۔ ﴿ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ﴾ [الشمس: ٤] اس سے ''حبتر'' اور ''دلام'' مراد ہیں، ان دونوں پر حق چھا گیا (یعنی چھپ گیا)[5]

اپنے زمانے میں دولتِ صفویہ کا بڑا عالم مجلسی کہتا ہے:

''حبتر و دلام سے مراد ابوبکر وعمر ہیں۔''[6]

---

[1] البحار (٤/ ٣٧٨ و ٨/ ٢٢٠)

[2] تفسير العياشي (١/ ١٠٢) البرهان (١/ ٢٠٨) تفسير الصافي (١/ ٢٤٢)

[3] تفسير القمي (٢/ ١٠٦) بحار الأنوار (٢٣/ ٣٠٤_ ٣٠٥)

[4] بحار الأنوار (٢٣/ ٣٠٦)

[5] كنز الفوائد (ص: ٣٨٩_ ٣٩٠) بحار الأنوار (٢٤/ ٧٢_ ٧٣)

[6] بحار الأنوار (٢٤/ ٧٣)

اسی طرح شیعہ کے اوائل کی کتابوں میں آپ کو بعض ایسی عبارات ملیں گی، جن میں شیخین کے لیے اشارے کی زبان استعمال کی گئی ہے، لیکن جب ان سے دولتِ صفویہ کے بعض علما نقل کرتے ہیں تو وہ رمز اور اشارے کو صریح اسم میں تبدیل کر دیتے ہیں۔[1]

اسی طرح ان لوگوں نے بہت سارے اصحابِ رسول ﷺ کو متعین و مخصوص کر کے سب و شتم اور تکفیر کا نشانہ بنانے کی جسارت کی ہے۔ پھر یہ ان میں سے نامور اور بہترین اشخاص و افراد کو منتخب کرتے ہیں۔ انھوں نے خلفائے ثلاثہ کے خلاف زبان طعن دراز کی ہے اور ان کو کافر قرار دیا ہے، دیگر فضلا اور عظما اصحابِ محمد ﷺ جیسے عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، ابو عبیدہ بن جراح اور سالم مولیٰ حذیفہ رضی اللہ عنہم بھی ان کی زبان درازیوں اور دشنام طرازیوں سے محفوظ نہیں۔

تفسیر قمی اور صافی میں صادق سے منقول ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے غدیرِ خم کے دن قیام کیا تو آپ ﷺ کے مقابلے میں سات منافقین تھے اور وہ ابوبکر، عمر، عبدالرحمٰن عوف، سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ، سالم مولیٰ ابی حذیفہ اور مغیرہ بن شعبہ ہیں۔ شیعہ کتب میں مذکور ہے کہ عمر[2] نے کہا: کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اس (نبی علیہ الصلاۃ والسلام) کی آنکھ ایسی ہے، جیسے کسی مجنون کی آنکھ ہو؟ جس وقت کھڑا ہوتا ہے، کہتا ہے: میرے رب نے فرمایا:[3] پھر جب آپ ﷺ کھڑے ہوئے تو فرمایا: لوگو! تمھاری جانوں کے لیے تم میں سب سے زیادہ قریب اور خیر خواہ کون ہے؟ انھوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول! پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! گواہ بن جاؤ، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: سن لو! جس کے میں مولا ہوں، تو علی بھی اس کا مولا ہے، پھر انھوں نے امیر المومنین کی

---

1. دیکھیں: تفسیر القمي (۱/ ۳۰۱) اس میں فلاں فلاں کے لفظ سے شیخین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، لیکن یہی عبارت جب کاشانی نقل کرتا ہے تو وہ دونوں کا صریح نام ذکر کرتا ہے۔ (تفسیر الصافي: ۲/ ۲۵۹)

2. یہ تفسیر صافی کے الفاظ ہیں، جب تک تفسیر قمی ''عمر'' کے بجائے ''ثانی'' کے الفاظ ہیں۔

3. کسی عقل مند پر یہ بات مخفی نہیں کہ اس بات کو گھڑنے والے کا ظاہری مقصد رسول اللہ ﷺ کی ذات اور نبوت میں طعن کرنا ہو، کیوں کہ وہ چاہتا ہے کہ کہا جائے کہ جب اس پیغمبر کے بڑے بڑے ساتھی، ان کے ساتھ ایمان نہیں لائے تھے، حالاں کہ یہ وہ لوگ تھے، جنھوں نے ان کے ساتھ لمبا عرصہ بسر کیا اور آپ ﷺ سے سیکھا اور ان کے معجزات کا مشاہدہ کیا تو دوسرے ان پر ایمان نہ لانے کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔ ایسے ہی یہ شخص چاہتا ہے کہ کہا جائے: ایک برا شخص تھا، جس کے ساتھ بھی بہت برے تھے، جیسا کہ بعض علمائے سلف نے بھی اس غرض سے پردہ اٹھایا ہے۔ نیز یہ لوگ بہ ذاتِ خود اسلام پر بھی انتہائی مکارانہ طریقے سے، جو سادہ لوح اور عوام الناس پر مخفی رہتا ہے، طعن کرنا چاہتے ہیں، وہ طریقہ ہے نقل شدہ بات کو مٹانے کے لیے نقل کرنے والے پر طعن کرنا۔

امارت کے ساتھ ان پر سلام کیا تو جبریل علیہ السلام نیازل ہوئے اور رسول اللہ[1] کو قوم کی بات سے آگاہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بلایا اور ان سے پوچھا تو انھوں نے انکار کر دیا، پھر یہ آیت ﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ﴾ نازل ہوئی۔[2]

یہ لوگ جس طرح ان کے خلاف زبان درازی کرتے ہیں، اسی طرح حضرت ابوہریرہ[3]، انس بن مالک[4]، براء بن عازب[5]، طلحہ اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم[6] جیسے دیگر افاضل اور شریعت نقل کرنے والے اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھی دریدہ دہنی اور تبرا بازی کرتے ہیں۔

جہاں تک ان عظیم شخصیات کے متعلق ان کے علما کی بدکلامیوں کا تعلق ہے تو وہ اتنی زیادہ ہیں کہ انھوں نے صفحوں کے صفحے کالے کر دیے ہیں۔ شیعہ کی امامت وغیرہ کے متعلق کوئی بھی ایسی کتاب نہیں، جس میں صحابہ کرام کی تکفیر، سب وشتم اور تبرا بازی میں ایسی زبان استعمال نہ کی گئی ہو، جو کسی مسلمان کی سوچ میں بھی پیدا نہیں ہوسکتی۔ کیوں کہ یہ لوگ ان کو مسلمان خیال کرنا تو درکنار (ان کو) شیعہ کا سب سے بڑا اور جھگڑالو قسم کا دشمن اور ظالم شمار کرتے ہیں، کیوں کہ ان لوگوں نے ابوبکر، عمر اور عثمان کی بیعت کی تھی اور وہ ان کے عہد میں ان کے ساتھ اتفاق رکھتے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان کی وجہ سے بھائی بھائی تھے، چناں چہ انھوں نے سلطنتِ اسلام قائم کی، دنیا کے ممالک فتح کیے، لوگوں میں اسلام کو پھیلا دیا، مجوسیت کی آگ بجھا دی، وثنیت کے بت توڑ دیے، لوگوں کو لوگوں کی بندگی سے نکال کر لوگوں کے رب اور خالق کی بندگی میں دے دیا، جس کی وجہ سے ان

---

[1] اصل مصدر میں اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بغیر درود کے ہے۔ پھر دیکھیں کہ رسول کو تو جبریل بتاتے ہیں، لیکن شیعہ کے ائمہ ماضی اور حال ومستقبل کا علم خود جانتے ہیں اور ان پر کوئی چیز مخفی نہیں، جیسا کہ کافی کے مصنف اس میں ایک باب قائم کیا ہے۔(أصول الكافي: ١/ ٢٦٠)

[2] تفسير القمي (١/ ٣٠١) تفسير الصافي (٢/ ٣٥٩)

[3] دیکھیں: بحار الأنوار (٢٢/ ٢٤٢) الخصال (١/ ١٩٠) ایک معاصر رافضی عبدالحسین موسوی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے، جس میں اس نے ان کو منافق اور کافر قرار دیا ہے۔ اس کی تردید ملاحظہ کرنے کے لیے دیکھیں: محمد عجاج الخطيب: أبو هريرة راوية الإسلام (ص: ٢٠١ وما بعدها) عبد المنعم العزي: دفاع عن أبي هريرة. عبد الرحمن الزرعي: أبو هريرة وأقلام الحاقدين.

[4] دیکھیں: رجال الكشي (ص: ٤٥)

[5] المصدر السابق.

[6] ان دونوں کے بارے میں اس نے یہ بکواس کی ہے: ''وہ دونوں ائمہ کفر تھے۔'' (تفسير العياشي: ٢/ ٧٧۔ ٧٨، البرهان: ٢/ ١٠٧، تفسير الصافي: ٢/ ٣٢٤)

مفتوحہ علاقوں کے باشندوں میں سے حاسدین وملحدین اور ان خودساختہ اَدیان کے ماننے والوں کے سینے حسد و غضب کی آگ میں بھڑکنے لگے۔

چناں چہ انھوں نے اس امت میں فساد و بگاڑ پیدا کرنے کے لیے شیعیت کی راہ اپنائی، جس کا طبعی نتیجہ تھا کہ مسئلۂ امامت وخلافت ان کا اساسی ہدف اور دلچسپی کا حامل مشغلہ ہو، لہٰذا انھوں نے جو کیا سو کیا، پھر ان کی یہ سازشیں اور ان کی چالاکیوں کا خلاصہ ان شیعہ کا عقیدہ بن گیا اور انھوں نے اس عقیدے کے ساتھ حاکم ومحکوم دونوں پر کفر کی چھری چلا دی۔

ابن بابویہ ''اعتقادات'' میں لکھتا ہے:

''جس نے امامت کا دعویٰ کیا اور وہ امام نہیں تو وہ ظالم اور ملعون ہے، نیز جس نے نااہل میں امامت رکھ دی، وہ بھی ظالم وملعون ہے۔''[1]

یہ حضرت علی اور حسن رضی اللہ عنہما کی حکمرانی کے سوا مختلف ادوار میں حاکم ومحکوم دونوں کی تکفیر ہے۔ جب شیعہ کے رکنِ اسلام آیت اللہ الملک العلام کے لقب سے ملقب عالم مفید سے یہ پوچھا گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا: میرے پاس جو ایسا آدمی لایا جائے گا، جو مجھ کو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیتا ہے تو میں اس پر افترا پرداز کی حد لگا دوں گا تو اس کا اس نے (عليه من الله ما يستحق) یہ جواب دیا:

''اس کی یہ وجہ ہے کہ ان کے اور ان دونوں آدمیوں کے درمیان فضیلت میں تقابل کرنے والے شخص پر افترا پرداز کی حد لگانا واجب وضروری ہے، کیوں کہ مفاضلہ (فضیلت میں تقابل) ان دو اشخاص کے درمیان ہوتا ہے جو دونوں فضیلت میں قریب قریب ہوں، جب کہ یہ دونوں (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) آدمی وصیت کے انکار کی وجہ سے ایمان سے خارج ہوگئے تھے، چناں چہ یہ بات ہی باطل ہوگئی کہ ان کی اسلام میں کوئی فضیلت ہو، لہٰذا ان کو وہ فضیلت کیسے حاصل ہے جو امیر المومنین کی فضیلت کے برابر ہو؟ اس لیے جب کوئی آدمی امیر المومنین کو ان دونوں پر فضیلت دے گا تو وہ افترا پردازی کرے گا، کیوں کہ اس نے ان کی دین میں فضیلت ثابت کرنے کے لیے جھوٹ بولا ہے اور اس باب میں وہ اس شخص کے قائم مقام ہوجاتا ہے جو ایک متقی نیک مسلمان کو کافر مرتد پر فضیلت دیتا ہے، اور جو جبرائیل کو ابلیس پر فضیلت دیتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوجہل بن ہشام پر

---

[1] الاعتقادات (ص: ١١٢۔ ١١٣) بحار الأنوار (٢٧/ ٦٢)

فضیلت دیتا ہے۔''[1]

دیکھیے! کس چالاکی کے ساتھ یہ نبی ﷺ کے بعد امت کی افضل شخصیات کو ابلیس اور ابوجہل کے قائم مقام قرار دیتا ہے اور یہ بات اس کے فرقے کے نزدیک محلِ اجماع ہے۔ وہ کہتا ہے:

''اس (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) کے اظہارِ ایمان کے بعد اس کے کفر پر اجماع ہو چکا ہے۔''[2]

شیعہ کا شیخ ملا باقر مجلسی کہتا ہے:

''متعہ اور حجِ تمتع کو حلال قرار دینا اور ابوبکر و عمر و عثمان اور معاویہ (رضی اللہ عنہم) سے بَراءت کا اظہار کرنا دینِ امامیہ[3] کے ضروری مسائل میں شمار کیا جاتا ہے۔''[4]

نیز لکھا ہے:

''جو ابوبکر و عمر و عثمان (رضی اللہ عنہم) سے براءت کا اظہار نہیں کرتا، خواہ وہ علی (رضی اللہ عنہ) سے محبت ہی رکھے، وہ دشمن ہے۔''[5]

اسی لیے یہ لوگ ہر نماز کے بعد خلفاے ثلاثہ، دیگر فضلاے صحابہ اور بعض امہات المومنین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) پر لعن طعن کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ اس موضوع کو بیان کرنے کے لیے حر عاملی نے اس عنوان ''نماز کے بعد دین کے دشمنوں کا نام لے کر ان پر لعنت بھیجنے کے استحباب کا بیان'' کے ساتھ ایک باب قائم کیا ہے۔ اس میں اس نے کلینی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ جس کو ابن ثویر اور سراج نے روایت کیا ہے، وہ دونوں کہتے ہیں:

''ہم نے سنا کہ ابوعبداللہ ہر فرض نماز کے بعد چار مردوں اور چار عورتوں پر لعنت کرتے۔ مردوں سے مراد فلاں فلاں فلاں (خلفاے ثلاثہ) ان کا نام لیتے اور معاویہ، اور عورتوں میں سے فلانۃ فلانۃ (عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما) ہند اور معاویہ کی بہن ام الحکیم پر لعنت بھیجتے۔''[6]

---

[1] العيون والمحاسن (٢/ ١٢٢۔ ١٢٣)

[2] المصدر السابق (١/ ٩)

[3] دیکھیے! یہ شخص کس طرح لفظ ''دین'' استعمال کرتا ہے، گویا وہ یہ باور کروانا چاہتا ہے کہ امامیہ کا مذہب ایک مستقل دین ہے، جو دینِ اسلام سے علاحدہ ہے۔ بلاشبہہ جو کچھ مجلسی نے اپنی کتاب "بحار الأنوار" اور ''عقائد'' میں لکھا ہے، وہ غالب مسائل میں ایک دوسرا دین ہے، جس کا دینِ اسلام کے ساتھ دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں۔

[4] الاعتقادات للمجلسي (ص: ٩٠۔ ٩١)

[5] دیکھیں: وسائل الشيعة (٥/ ٣٨٩)

[6] فروع الكافي (١/ ٩٥) الطوسي: التهذيب (١/ ٢٢٧) وسائل الشيعة (٤/ ١٠٣٧)

شیعہ کے عالم نوری طبرسی نے اپنی کتاب ''مستدرك الوسائل'' میں درج ذیل عنوان کے ساتھ ایک باب قائم کیا ہے:

''باب استحباب لعن أعداء الدين عقيب الصلاة بأسمائهم''[1]

''نماز کے بعد دین کے دشمنوں کا نام لے کر ان پر لعنت کرنے کے استحباب کا بیان۔''

اس میں اس نے اپنی چند روایات نقل کی ہیں، جن میں ایک یہ ہے۔ ابو عبداللہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا:

''ہمارے دوستوں اور شیعہ پر ہمارا یہ حق ہے کہ ان میں سے کوئی بھی آدمی اس وقت تک اٹھ کر نہ جائے، جب تک یہ دعا نہ پڑھ لے:

''اَللهم ... ضاعف لعنتك وبأسك ونكالك وعذابك على اللذين كفرا نعمتك، وخوفا رسولك... وحلا عقده في وصيه، ونبذا عهده في خليفته من بعده، وادعيا مقامه، وغيرا أحكامه، وبدلا سنته، وقلبا دينه وصغرا قدر حجتك وحججك، وبدءا بظلمهم، وطرقا طريق الغدر عليهم، والخلاف عن أمرهم، والقتل لهم... ومنعا خليفتك من سد الثلم، وتقويم العوج، وإمضاء الأحكام، وإظهار دين الإسلام، وإقامة حدود القرآن، اللهم العنهما وابنتيهما، وكل من مال ميلهم، وحذا حذوهم، وسلك طريقتهم، وتصدر ببدعتهم، لا يخطر على البال، ويستعيذ منه أهل النار، العن اللهم من دان بقولهم، واتبع أمرهم، ودعا إلى ولايتهم، وشك في كفرهم من الأولين والآخرين''[2]

''اے اللہ! ان دونوں پر اپنا عذاب لعنت، سختی اور سزا کو دو چند کر دے، جنھوں نے تیری نعمت کی ناشکری کی، تیرے رسول کو دھمکایا، اس کے وصی کے متعلق اس کے عہد کی خلاف ورزی کی، اس کے مقام کا دعویٰ کیا، اس کے احکام اور سنت کو بدل ڈالا، اس کے دین کو معکوس کر دیا، تیری حجت اور حجتوں کی تحقیر کی، ان پر ظلم شروع کیا، ان کو دھوکا دیا، ان کے معاملے میں خلاف ورزی کی، انھیں قتل کیا، تیرے خلیفہ کو رخنہ بند کرنے، ٹیڑھا پن درست کرنے، احکام جاری کرنے، دینِ اسلام کا

[1] مستدرك الوسائل (١/ ٣٤٢)

[2] المصدر السابق.

اظہار کرنے اور قرآنی حدود نافذ کرنے سے روکا۔ اے اللہ! ان دونوں پر اور ان کی دونوں بیٹیوں (عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما) پر لعنت فرما۔ نیز جو بھی ان کی طرف مائل ہو، ان کے نقشِ قدم پر چلے اور ان کی بدعت کا احیا کرے، ان پر ایسی لعنت فرما، جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ آئے اور جہنم والے بھی اس سے پناہ مانگیں۔ اے اللہ! جو ان کی بات مانے، ان کی پیروی کرے، ان کی ولایت کی طرف دعوت دے اور اولین و آخرین میں سے ان کے کفر میں شک کرے، ان پر لعنت فرما۔‘‘

دیکھیے! کس طرح یہ ان تیرہ و تاریک کلمات میں پہلے و پچھلے تمام مسلمانوں پر لعنت کرتے ہیں اور جن دو شخصیات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلطنتِ اسلام قائم کی اور دنیا کے کونے کونے میں دینِ اسلام پھیلا دیا، ان کو مزید تاکید کے ساتھ لعنت و تکفیر کے لیے مخصوص کرتے ہیں اور ان دونوں کو اور ان تمام کو (تمام مسلمانوں کو) جنھوں نے ان دونوں خلفا کی اتباع کی، دین کے دشمنوں میں شمار کرتے ہیں، یہ کیسا دین ہے، جس کو یہ مانتے ہیں اور اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی احسان میں اتباع کرنے والوں کو دین کے دشمن شمار کرتے ہیں؟ یہ دینِ اسلام نہیں ہوسکتا، البتہ اس کے علاوہ کوئی اور فرقہ یا دین ضرور ہوسکتا ہے!!

یہ لعنتوں کی بوچھاڑ اس بات کی تاکید کے ساتھ غمازی کرتی ہے کہ ان کو گھڑنے والا ان ادیان کے ماننے والوں میں سے کوئی ایک ہے، جن کا اسلام نے ابوبکر و عمر اور ان کے بھائیوں (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے ہاتھوں خاتمہ کیا تھا۔

ان کے مزارات میں بھی ان دعاؤں کے ذریعے جن کو پیراوانِ شیعیت کے لیے ہلاک شدہ زمانوں کے زنادقہ نے گھڑا تھا، کینے کو بونے، حسد کو سینچنے اور خیر القرون پر مسلسل و متواتر لعنتوں کی بوچھاڑ کر کے عداوت کی آگ بھڑکانے کا سلسلہ بلاتعطل جاری ہے۔ مثال کے طور پر زیارتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا میں یہ اپنی دعا میں حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ۔فداہ ابی وامی) اور دیگر اصحابِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر لعنت بھیجتے اور کہتے ہیں:

"السلام عليك يا فاطمه، يا سيدة نساء العالمين، لعن الله مانعك إرثك، ودافعك عن حقك، والراد عليك قولك، لعن الله أشياعهم وأتباعهم وألحقهم بدرك الجحيم"[1]

’’اے فاطمہ! آپ پر سلام ہو، اے جہانوں کی عورتوں کی سردار! اللہ تیری وراثت روکنے والے، تیرے حق میں رکاوٹ بننے والے اور تیری بات کو رد کرنے والے پر لعنت کرے۔ اللہ ان کے

[1] بحار الأنوار (١٠٠/ ١٩٧) باب زيارة فاطمة، نیز دیکھیں: (ص: ١٩٨، رقم: ١٦) مزید دیکھیں: (ص: ٢٠٠ من الجزء نفسه)

پیروکاروں پر بھی لعنت کرے اور انھیں جہنم کے نچلے حصے میں داخل کرے۔''

ملاحظہ کیجیے! اس دعا کو بنانے والے کا مقصد صدیقِ امت (رضی اللہ عنہ) پر لعنت کرنا ہے، پھر وہ اس میں ہر اس شخص کو ملا رہا ہے، جس نے بھی آپ کی پیروی اور متابعت کی، جن میں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں، کیوں کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے شیعہ، معاونت کار اور وزرا میں سے تھے۔

یہ حقیقت اس دعا کے واضع پر مخفی نہیں ہوگی، لیکن وہ تمام کا دشمن ہے اور شیعیت کی آڑ لیتا ہے، کیوں کہ شیعی عقل، آلِ بیت پر ظلم واستبداد اور ان کا حق سلب کرنے کی جھوٹی کہانیوں اور ان کی اپنے دشمنوں کے ساتھ کشاکش، جو اصحابِ رسول ہیں، جیسی باتوں سے بھرے ہوئے جذبات کی وجہ سے، ماؤف ہوچکی ہے، اس میں انھوں نے ایسی کہانیوں کے طومار بھر دیے ہیں، جو ان پر یقین رکھنے والے دلوں میں حسد، خون بہانے کی پیاس اور انتقام کی رغبت جیسے جذبات کے سوا اور کچھ باقی نہیں چھوڑتیں،[1] ان کی عملی زندگی اور صورتِ حال اس بات کی گواہ ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مزعومہ معائب:

خیر القرون کی تکفیر اور ان پر لعن طعن کرنے کے باوجود شیعہ نے معائبِ صحابہ کے عنوان سے صفحات کے صفحات بھر دیے ہیں۔[2] بعض اہلِ سنت ان کی تردید میں مشغول رہے ہیں۔[3]

[1] وصیت کے اثبات میں اس کشاکش کی تفصیل کے لیے دیکھیں: مروج الذهب (ص: ۱۲۲ وما بعدها)

[2] دیکھیں: ابن المطهر الحلي: منهاج الكرامة (ص: ۱۳۲)

[3] شیخ الاسلام نے روافض کے اس باب میں پھیلائی باتوں کا ''منهاج السنة (۳/ ۱۹) میں مفصل اور مجمل جواب دیا ہے۔ مجمل جواب کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

''صحابہ کے جو عیوب نقل کیے جاتے ہیں، ان کی دو اقسام ہیں:

پہلی قسم: جو جھوٹ ہیں، یا تو یہ مکمل جھوٹ ہیں یا ان میں تحریف کی گئی ہے اور مذمت اور طعن کا باعث بننے والی کمی بیشی داخل کی گئی ہے۔ جو اکثر صریح اور واضح مطاعن اور عیوب ہیں، وہ اسی قبیل سے ہیں، جن کو ابومخنف لوط بن یحییٰ، ہشام بن سائب کلبی اور ان دونوں جیسے نامی گرامی جھوٹے بیان کرتے ہیں، جن کے جھوٹا ہونے اور ان کی روایات نا قابلِ قبول قرار دینے کے لیے ائمہ نے گواہی دی ہے۔

دوسری قسم: جو سچ پر مشتمل ہیں، لیکن ان اکثر امور میں ان کے لیے عذر ہیں، جو ان کو گناہ سے نکال کر موارِد اجتہاد میں داخل کرتے ہیں کہ جن میں مجتہد اگر درست فیصلے تک پہنچ جائے تو اس کے لیے دوہرا اجر ہوتا ہے اور اگر وہ غلطی کرے تو اس کے لیے ایک اجر ہوتا ہے۔ خلفاے راشدین سے جو اس سلسلے میں عام باتیں منقول ہیں، وہ اسی باب سے ہیں۔ ان امور میں جن کو واقعی گناہ سمجھا جائے تو یہ بھی ان کے لیے باعثِ جرح نہیں، کیوں کہ جو ان کے فضائل، اسلام میں سبقت اور جنتی ہونے کا ذکر ہے، اس کے ہوتے ہوئے اس کی کوئی حقیقت نہیں، کیوں کہ جو واقعی گناہ ہوچکا ہے، اس کی سزا آخرت میں ان متعدد اسباب کی بنا پر موقوف ہوجاتی ہے، جیسے توبہ کرنا، نیکیاں جو گناہوں کو مٹا دیتی ہیں، کیوں کہ نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں، اسی طرح آنے والے مصائب اور پریشانیاں بھی گناہ مٹا دیتی ہیں۔ (منهاج السنة: ۳/ ۱۹)

اس موضوع کے متعلق ایک بڑی اہم حقیقت یہ ہے کہ شیعہ کا ان مسائل کو ہوا دینا حقیقت میں صحابہ کرام کے متعلق ان کا اپنے موقف کے حقیقی سبب پر پردہ ڈالنا ہے، کیوں کہ صحابہ کرام اگر ہر غلطی سے معصوم ہوتے اور ہر گناہ سے محفوظ رہتے تو پھر بھی امامیہ ان سے راضی نہ ہوتے، کیوں کہ شیعہ کے نزدیک ان کا صرف یہ گناہ ہے کہ انھوں نے حضرت علی کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر کی بیعت کی اور اس گناہ کے سوا ان کا ہر گناہ معاف ہوسکتا ہے، اسی طرح جو شخص زمین بھر گناہ لے کر آیا، لیکن اس کے پاس ولایتِ علی کا اجازت نامہ (پاسپورٹ) ہو تو وہ نجات پا جائے گا۔

قاضی عبدالجبار اس اہم حقیقت کی طرف متوجہ ہوئے ہیں اور انھوں نے کہا ہے:

''امامیہ اکثر یہ سوال کریں گے کہ حضرت عثمان نے اپنے اقارب کو حکومتی عہدے دیے، حضرت طلحہ و زبیر، حضرت عائشہ کے ساتھ بصرہ روانہ ہوئے وغیرہ وغیرہ۔ یہ ان کی کمزوری اور کٹ حجتی کی وجہ سے ہے، کیوں کہ حضرت عثمان اگر اپنے اقارب کو حکومتی ذمے داریاں نہ دیتے اور جو کیا وہ نہ کرتے تو وہ تب بھی ان کے نزدیک کافر اور مشرک ہی ہوتے، کیوں کہ انھوں نے اپنے لیے اور ابوبکر و عمر کے لیے ولایت و امارت کا دعویٰ کیا تھا۔

''اگر طلحہ و زبیر اور حضرت عائشہ حضرت علی کے لشکر میں ہوتے اور ان کے ساتھ مل کر لڑتے تو پھر بھی وہ مشرک ہی ہوتے، کیوں کہ وہ ابوبکر و عمر اور عثمان کی خلافت کا اعتقاد رکھتے تھے، چناں چہ جو امامیہ کے ساتھ ان کے مسائل کو چھیڑنے کی وجہ سے بحث و مباحثہ کرتا ہے، وہ ایسے ہی ہے جو یہودیوں کے ساتھ طہارت میں وجوبِ نیت کے مسئلے پر گفتگو کرتا ہے یا عیسائیوں کے ساتھ ان کے شراب حلال کرنے کے موضوع پر بحث کرتا ہے۔

''اس مسئلے پر صرف اس شخص سے بحث کی جا سکتی ہے، جو یہ کہتا ہے کہ حضرت عثمان کا صرف یہ گناہ ہے کہ انھوں نے اپنے رشتے داروں کو اہم حکومتی عہدوں پر بٹھایا، اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ بھی حضرت عمر کی طرح ہی ہوتے۔ اس طرح جو یہ کہتا ہے کہ حضرت طلحہ و زبیر و عائشہ کا صرف یہی گناہ ہے کہ وہ بصرہ جنگ کے لیے روانہ ہوئے، اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ بھی ابوعبیدہ بن جراح، عبدالرحمٰن اور ابن مسعود جیسے ہی ہوتے۔ لہٰذا اس بات کو اچھی طرح جان لے اور ان کے ساتھ اس موضوع پر قطعاً گفتگو نہ کر، بلکہ ان کے ساتھ جو وہ نص اور وصیت کا دعویٰ کرتے ہیں، اس پر بحث کر، کیوں کہ یہی اصل ہے۔''[1]

---

[1] تثبیت دلائل النبوۃ (١/ ٢٩٤)

② شیعہ کی اہلِ بیت کی تکفیر:

یہ روایات جو اس بے مثال اور منفرد معاشرے پر ارتداد کا حکم لگاتی ہیں، یہ ان تمام میں سے زیادہ سے زیادہ سات لوگوں کو مستثنیٰ قرار دیتی ہیں اور ان سات افراد کے ضمن میں بھی بہ جز حضرت علی جن کا استثنا بعض روایات میں ذکر ہوا ہے، اہلِ بیت میں سے کسی فرد کو شامل نہیں کرتیں۔ وہ روایت جس میں صرف حضرت علی کا استثنا ذکر ہوا ہے، وہ فضیل بن یسار کی ابوجعفر سے یہ روایت ہے، اس نے کہا:

''چار لوگوں کے سوا تمام لوگ اہلِ جاہلیت ہوگئے اور وہ یہ تھے: علی، مقداد، سلمان اور ابو ذر۔ میں نے کہا: عمار بھی؟ تو اس نے کہا: اگر تمھاری مراد وہ لوگ ہیں، جن کے دل میں کوئی شک داخل نہیں ہوا تھا تو وہ صرف یہی تین ہیں۔''[1]

لہٰذا ان روایات میں ارتداد کا حکم صحابہ کرام اور اہلِ بیت نبی میں سے آپ ﷺ کی ازواج مطہرات اور اقربا کو بھی شامل ہے، حالاں کہ ان روایات کا خالق اہلِ بیت رسول کا شیعہ اور محبّ ہونے کا دعوے دار ہے۔ تو کیا یہ اس بات کی واضح دلیل نہیں کہ شیعیت اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف خبیث اغراض و مقاصد کے حصول کے لیے ایک آڑ کی حیثیت رکھتی ہے؟ نیز ان روایات کے گھڑنے والے صحابہ اور اہلِ بیت کے دشمن ہیں؟ اور یہ بھی کچھ بعید نہیں، جس طرح پہلے ذکر ہوا ہے، کہ یہ نام جو مستثنیٰ قرار دیے جاتے ہیں، ان زنادقہ کے استعاراتی نام ہی نہ ہوں، جو رفض و انکار کی پہلی جماعت اور پہلا خلیہ تھے اور ان سے صحابہ مراد نہ ہو، وگرنہ ان کے ساتھ کسی اہلِ بیت کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا اور صرف انھی صحابہ کو خاص کیوں کیا جاتا ہے، جن سے پہلے دونوں خلفا کی کوئی مخالفت وعداوت اور ان سے دوری منقول نہیں، بلکہ ان سے ان کی محبت اور ان کے ساتھ تعاون ظاہر ہوا؟

انھوں نے اپنی ان نصوص و روایات میں، جن کا ذکر ہوا ہے، حسین و حسین، آلِ عقیل، آلِ جعفر، آلِ عباس اور ازواجِ مطہرات امہات المومنین رضی اللہ عنہن پر بھی ارتداد کا حکم لگایا ہے۔

بلکہ شیعہ نے جملہ اہلِ بیت نبی ﷺ جیسے نبی اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس ہیں، ان کو طعن و تکفیر کے لیے مخصوص کیا ہے، حتی کہ انھوں نے کہا ہے کہ یہ آیت مبارکہ: ﴿وَ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِيْلًا﴾ [الإسراء: ٧٢] ان کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[2] اسی طرح ان کے بیٹے حبر الامۃ،

---

[1] تفسير العياشي (١/ ١٩٩) البرهان (١/ ٣١٩) تفسير الصافي (١/ ٣٨٩)

[2] رجال الكشي (ص: ٥٣)

ترجمان القرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں کہتے ہیں۔ چناں چہ کافی میں ایسے اشارے مذکور ہیں، جو ان کی تکفیر پر مشتمل ہیں اور یہ کہ وہ جاہل اور سخیف العقل ہیں۔[1] رجال الکشی میں ہے:

"اللهم العن ابني فلان، واعم أبصارهما، كما عميت قلوبهما ... واجعل عمى أبصارهم دليلًا على عمي قلوبهما"[2]

''اے اللہ! فلاں کے دو بیٹوں پر لعنت کر اور ان دونوں کو اندھا کر دے، جس طرح تو نے ان دونوں کے دل اندھے کر دیے ہیں اور ان کے آنکھوں کے اندھے پن کو ان کے دلوں کے اندھے پن کی دلیل بنا دے۔''

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے شیعہ کا عالم حسن مصطفوی کہتا ہے:

''ان دونوں سے مراد عبداللہ بن عباس اور عبیداللہ بن عباس ہیں۔''[3]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں بھی شیعہ کے غیظ و غضب اور عتاب کا شکار ہیں، چناں چہ ان کا بھی ان لوگوں میں ذکر نہیں کیا جاتا، جن کو تکفیر سے مستثنیٰ قرار دیا جاتا ہے، بلکہ ان کے کچھ تو فاطمہ کے سوا نبی کی کسی بیٹی کو تسلیم نہیں کرتے۔[4] کیا وہ شخص جو نبی اور ان کی بیٹیوں کے متعلق ایسی دریدہ دہنی کرتا ہے، وہ رسول سے محبت کرتا ہے؟

صاحبِ کافی نے اپنی روایات میں یہ صریحاً حکم لگایا ہے:

''ہر وہ شخص جو بارہ اماموں پر ایمان نہیں رکھتا، وہ کافر ہے، خواہ وہ علوی یا فاطمی ہی کیوں نہ ہو۔''[5]

یہ حکم حقیقت میں صحابہ کی نسل اور ان کے بعد والی نسل کی تکفیر، جس میں آل و اصحاب دونوں شامل ہیں، پر مشتمل ہے، کیوں کہ وہ اثنا عشریہ کے نظریے سے ناواقف تھے، جو ایجاد ہی ۲۶۰ھ کے بعد ہوا ہے۔

اسی طرح ان لوگوں نے ازواجِ مطہرات امہات المومنین کی تکفیر کا بوجھ بھی اپنے سر اٹھایا ہے اور اپنی روایات میں ان میں سے کسی ایک کو بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیا، بلکہ ان میں سے حضرت عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا[6]

---

[1] أصول الكافي (١/ ٢٤٧)

[2] رجال الكشي (ص: ٥٣)

[3] المصدر السابق.

[4] دیکھیں: جعفر النجفي: كشف الغطاء (ص: ٥) حسن الأمين: دائرة المعارف الإسلامية الشيعية (١/ ٢٧)

[5] دیکھیں: الكافي: باب من ادعى الإمامة وليس لها بأهل، ومن جحد الأئمة، أو بعضهم، ومن أثبت الإمامة لمن ليس لها بأهل (١/ ٣٧٢۔ ٣٧٤)

[6] دیکھیں: أصول الكافي (١/ ٣٠٠) رجال الكشي (ص: ٥٧۔ ٦٠) بحار الأنوار (٥٣/ ٩٠)

اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا[1] کو وہ لعن طعن، مذمت اور تکفیر کے لیے مخصوص کرتے ہیں۔ شیعہ کے شیخ مجلسی نے ''باب أحوال عائشة و حفصة'' کے عنوان سے ایک باب قائم کیا ہے، جس میں ۱۷ روایات نقل کی ہیں[2] اور بقیہ روایات کے لیے دیگر ابواب کا حوالہ دیا ہے۔[3]

ان روایات میں ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے اہلِ بیت کے متعلق انتہا درجے کی اذیت دی ہے۔ حتی کہ ان لوگوں نے اپنی روایات میں عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہما پر بدکاری کی تہمت لگائی ہے، جس کی براءت اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں سے نازل کی۔ ان کی اصولِ تفسیر میں اصل اور بنیادی کتاب تفسیر قمی میں اس بدنما بہتان[4] کا ذکر ہوا ہے، جو قرآنِ کریم کی تکذیب کرتا ہے۔

---

[1] دیکھیں: بحار الأنوار (۲۲/ ۲۴۶)

[2] بحار الأنوار (۲۲/ ۲۲۷۔ ۲۴۷)

[3] مثلاً یہ کہتا ہے: ''عائشہ کے بعض احوال کا ذکر ''باب تزویج خدیجة'' اور ''باب أحوال أولاده'' میں ماریہ کے واقعات میں ہوا ہے، اسی نے اس پر تہمت لگائی تو اس میں یہ آیاتِ افک نازل ہوئیں۔'' (دیکھیے! یہ لوگ کس طرح حقائق تبدیل کرتے ہیں!!) اس کے اکثر حالات کا ذکر واقعہ جمل میں ہوگا۔ (بحار الأنوار: ۲۲/ ۲۴۵)

[4] اس کے الفاظ یہ ہیں: ''اس آیت ﴿وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا﴾ کے بارے میں علی بن ابراہیم کہتا ہے: ''پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیویوں (عائشہ اور حفصہ) کی مثال بیان کی، پھر کہا: ﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا﴾ [التحریم: ۱۰] ''خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول ﴿فَخَانَتٰهُمَا﴾ میں بدکاری کے علاوہ اور کچھ مراد نہیں لیا، وہ فلانہ پر ضرور حد لگائے گا، جو اس نے بصرہ سے واپسی کی راہ پر کیا۔ فلاں اس سے محبت کرتا تھا، جب اس نے بصرہ جانے کا ارادہ کیا تو فلاں نے اس سے کہا: تیرے لیے محرم کے بغیر نکلنا جائز نہیں، چناں چہ اس نے فلاں سے نکاح کر لیا....

یہ قمی کے الفاظ ہیں، جن کو مجلسی نے ''بحار الأنوار'' (۲۲/ ۲۴۰) پر نقل کیا ہے، تفسیر قمی میں بھی یہ الفاظ مذکور ہیں، لیکن تصحیح کرنے والے نے بصرہ کا نام حذف کر دیا ہے، جو دو مرتبہ ذکر ہوا اور اس کی جگہ خالی نقطے لگا دیے ہیں۔ (تفسیر القمص: ۲/ ۳۷۷)

اس عبارت میں ناموں کی صراحت نہیں، اس قول ''لیقیمن الحد'' کے مطابق یہ حد کون قائم کرے گا؟ فلاں اور فلانۃ کون ہیں؟
لیکن شیعہ کے شیخ ملا باقر مجلسی نے اس تقیے سے پردہ اٹھایا ہے اور ان رموز و اَشکال کو حل کر دیا ہے، کیوں کہ وہ دولتِ صفویہ کے سائے تلے زندگی گزارتا رہا۔ وہ کہتا ہے:

''اس کا یہ کہنا: ''لیقیمن الحد'' اس سے قائم مراد ہے، جب وہ آئے گا، اس کی تفصیل آگے ذکر ہوگی (میں نے فصلِ غَیبت (روپوشی) میں یہ بات مجلسی سے نقل کی ہے، اس نے صراحت کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ کا نام لیا ہے، لیکن اس نے یہ کہا ہے کہ اس کا سبب یہ بنا جو اس نے ماریہ کے بارے میں کہا تھا۔ جس صریح بہتان کا وہ یہاں ذکر کر رہا ہے، وہاں صراحت کے ساتھ حضرت عائشہ کا نام لینے کے باوجود وہ اس کا ذکر کرنے کی جرأت نہیں کر سکا) اور فلاں سے مراد طلحہ ہے۔ (بحار الأنوار: ۲۲/ ۲۴۱)

یہ تفسیر قمی کی عبارت ہے، جس کو شیعہ کے معاصر علما ثقہ قرار دیتے ہیں۔ تفسیر پر تعلیق لکھنے والے اور اس کی تصحیح کرنے والے ←

امام ابن کثیر سورۃ النور کی تفسیر میں ذکر کرتے ہیں:

''تمام اہلِ علم رحمہم اللہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس آیت میں جو ذکر ہوا ہے، اس کے بعد جس نے حضرت عائشہ کو گالی دی یا یہ تہمت لگائی تو وہ کافر ہے، کیوں کہ وہ قرآن سے عناد اور دشمنی رکھتا ہے۔''[1]

امام قرطبی کہتے ہیں:

''ہر وہ شخص جس نے ان کو یہ گالی دی، جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بَری قرار دیا ہے، وہ اللہ کی تکذیب کرنے والا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرنے والا ہو، وہ کافر ہے۔''[2]

یاد رہے کہ شیعہ کے نزدیک یہ تکفیر کی روش صحابہ کی نسل کے ساتھ ہی مخصوص نہیں، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی تکفیر اور تبرا بازی کا وافر حصہ اس لیے ملتا ہے، کیوں کہ وہ حاملینِ شریعت، ناقلینِ کتاب وسنت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اللہ تعالیٰ کا دین لوگوں تک پہنچانے والے ہیں، اس لیے ان پر طعن و تشنیع کرنا حقیقت میں دین پر طعن و تشنیع کرنا ہے۔[3] یہی زندیق لوگوں کے ان بہیمانہ حملوں کا پس پردہ مقصد تھا، لیکن شیعہ کے نزدیک تکفیر کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ جس طرح شیعہ کتب یہ کہتی ہیں:

''تین لوگوں کے سوا تمام لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے۔''

اسی طرح یہ بھی کہتی ہیں:

''ابو خالد کابلی، یحییٰ ام الطّویل اور جبیر بن مطعم، ان تین لوگوں کے سوا تمام لوگ قتلِ حسین کے بعد مرتد ہو گئے۔''[4]

آپ ملاحظہ کریں کہ یہ عبارت اہلِ بیت میں سے بھی کسی کو مستثنیٰ قرار نہیں دیتی، حتیٰ کہ حسن بن علی کو بھی نہیں، جن کو اثنا عشریہ اپنا امام کہتے ہیں۔ بہ ظاہر یوں لگتا ہے کہ انھوں نے ان کو اس وجہ سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا،

← نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ یہ ایک ایسی عار اور شرمندگی ہے، جو ان کے مطابق اور معاصر علما کے ماتھے کا بدنما داغ ہے، البتہ ''بحار الأنوار'' پر تعلیق نگارے مذکورہ نص پر اپنے شیخ قمی کے دفاع میں تبصرہ کیا ہے، ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے دفاع میں نہیں۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ کی گواہی کے بعد کسی کی گواہی کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن ہم نے یہ امر ان کے جرم کی سنگینی بیان کرنے کے لیے ذکر کیا ہے۔

[1] تفسیر ابن کثیر (٣/ ٢٨٩۔ ٢٩٠) نیز دیکھیں: الصارم المسلول لابن تیمیة (ص: ٥٧١)

[2] تفسیر القرطبي (١٢/ ٢٠٦)

[3] ابن تیمیة: منهاج السنة (١/ ٥)

[4] رجال الکشي (ص: ١٢٣) أصول الکافي (٢/ ٣٨٠)

کیوں کہ شیعہ ان سے معاویہ کے ساتھ صلح کرنے کی وجہ سے ناراض ہیں، حتی کہ بعض شیعہ نے ان کو اس لقب سے مخاطب کیا ہے: "یا مذل المومنین" (اے مومنوں کو رسوا کرنے والے)[1] شیعہ کے عسکر والے ان پر کود پڑے، انھوں نے ان کا خیمہ لوٹ لیا، ان کا سامان چھین لیا اور ابن بشیر اسدی نے ان کی کوکھ میں نیزہ مارا اور انھوں نے ان کو زخمی حالت میں مدائن لوٹایا۔[2]

③ شیعہ کا مسلمان خلفا اور ان کی حکومتوں کو کافر قرار دینا:

اثنا عشری دین میں اثنا عشریہ حکومت کے علاوہ ہر حکومت باطل اور اس کا سربراہ ظالم اور ایسا طاغوت ہے، جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہے اور جو شخص اس کی بیعت کرتا ہے، وہ حقیقت میں غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ کلینی نے کئی ایک ابواب میں یہ مفہوم ثابت کیا ہے، جیسے:

''باب: جس نے امامت کا دعویٰ کیا اور وہ اس کا اہل نہ ہو، جس نے ائمہ یا بعض ائمہ کا انکار کیا اور اس شخص کے لیے امامت ثابت کی، جو اس کا اہل نہیں۔'' اس میں کلینی نے ائمہ سے ۱۲ روایات نقل کی ہیں۔[3]

''باب: جو اللہ کے سامنے اس امام کے بغیر جھکا، جو اللہ کی طرف سے مقرر نہیں۔'' اس باب میں اس نے پانچ روایات ذکر کی ہیں۔[4]

"بحار الأنوار" میں ہے:

''باب: اس کی سزا، جس نے بلاحق امامت کا دعویٰ کیا یا ظلم کا جھنڈا بلند کیا یا ظالم امام کی اطاعت کی۔''[5]

علی اور حسن رضی اللہ عنہما کے ماسوا شیعہ کے اعتقاد کے مطابق تمام خلفائے مسلمین طاغوت ہیں، خواہ وہ حق ہی کی دعوت کیوں نہ دیتے رہے ہوں، اہلِ بیت کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے رہے ہوں اور اللہ کا دین قائم کرتے رہے ہوں! کیوں کہ شیعہ کہتے ہیں کہ ہر وہ جھنڈا جو قائم کے جھنڈے سے پہلے بلند کیا جاتا رہا ہو، وہ جھنڈا بلند

---

① دیکھیں: رجال الکشي (ص: ١١١)

② دیکھیں: رجال الکشي (ص: ١١٣)

③ الکافي (١/ ٣٧٢ ـ ٣٧٤)

④ المصدر السابق (١/ ٣٧٤ ـ ٣٧٦)

⑤ بحار الأنوار (٢٥/ ١١٠ وما بعدها)

کرنے والا طاغوت ہے۔[1] شارح کافی کہتا ہے:

''خواہ اس کو بلند کرنے والا حق کی دعوت ہی کیوں نہ دیتا ہو۔''[2]

مجلسی نے اپنے قواعد کے مطابق اس روایت پر صحت کا حکم لگایا ہے۔[3] ۲۶۰ ہجری سے قبل خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم کے متعلق ملا باقر مجلسی لکھتا ہے:

''وہ غاصب، ظالم اور مرتد ہیں، ان پر اور ان کے اَتباع پر اہلِ بیت پر ظلم کرنے کی وجہ سے اللہ کی لعنت ہو۔''[4]

④ بلادِ اسلامیہ پر دار الکفر کا حکم:

شیعہ کی روایات میں بہت سارے اسلامی بلاد وممالک کو سب وشتم کے لیے مخصوص کیا گیا ہے اور ان کے باشندگان کو بالخصوص کافر قرار دیا گیا ہے۔ یہ ان بلاد میں غالبًا ایسے علاقوں کو متعین کرتے ہیں، جو اسلامی شعائر کے التزام اور سنت کی اتباع میں آگے آگے ہیں، چناں چہ انھوں نے تابناک صدیوں (قرونِ مفضلہ) میں اہلیانِ مکہ و مدینہ کو صریحاً کافر قرار دیا ہے۔ جعفر صادق کے زمانے میں وہ اہلِ مکہ و مدینہ کے بارے میں کہا کرتے تھے:

''اہلِ شام، اہلِ روم سے (عیسائیوں سے بھی) زیادہ برے ہیں۔ اہلِ مدینہ اہلِ مکہ سے بدتر ہیں، حالاں کہ اہلِ مکہ کھلے عام اللہ کے ساتھ کفر کرتے تھے۔''[5]

ابو بصیر سے مروی ہے، وہ ان دونوں علیہما السلام میں سے ایک سے روایت کرتا ہے کہ انھوں نے کہا:

''اہلِ مکہ تو اللہ کے اتھ عام کفر کرتے ہیں اور اہلِ مدینہ یقینی طور پر اہلِ مکہ سے ستر گنا زیادہ خبیث ہیں۔''[6]

یہ ایک معلوم ومشہور حقیقت ہے کہ اہلِ مدینہ بالخصوص قرونِ مفضلہ میں تمام بلاد سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور اسوۂ رسول پر کاربند تھے، اسی لیے مسلم علما میں سے کسی عالم کا بھی یہ موقف نہیں کہ اجماعِ اہلِ مدینہ کے سوا کسی شہر کے باشندگان کا اجماع حجت رکھتا ہو اور وہ واجب الاتباع ہو۔[7]

---

[1] الكافي بشرحه للمازندراني (١٢/ ٣٧١) بحار الأنوار (٢٥/ ١١٣)

[2] المازندراني: شرح جامع (١٢/ ٣٧١)

[3] مرآة العقول (٤/ ٣٧٨)

[4] بحار الأنوار (٤/ ٣٨٥)

[5] أصول الكافي (٢/ ٤٠٩)

[6] المصدر السابق (٢/ ٤١٠)

[7] امام مالک اور ان کے اصحاب کا یہ موقف مشہور ہے کہ اہلِ مدینہ کا اجماع حجت ہے، اگرچہ بقیہ ائمہ ان کے اس موقف میں اختلاف رکھتے ہیں، تاہم اس سے ان کی مراد ان قرونِ مفضلہ میں اہلِ مدینہ کا اجماع ہے، لیکن ان صدیوں کے بعد کے اجماع کے متعلق لوگوں کا اتفاق ہے کہ وہ حجت نہیں۔ (مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام: ٢٠/ ٣٠٠)

اہلِ مدینہ چھٹی صدی کے آغاز تک یا اس سے کچھ عرصہ پہلے یا بعد تک اپنے قدیمی مذہب پر کاربند اور مذہبِ مالک کی طرف منسوب رہے ہیں، اس کے بعد ان کے پاس مشرق کے روافضہ میں کچھ لوگ آئے، جنھوں نے ان کے اکثر لوگوں کا مذہب خراب کر دیا۔[1]

یہ اسلام پر کاربند رہنا، ان زنادقہ کے غیظ وغضب کا باعث ہوا، لہٰذا انھوں نے ان الفاظ کے ذریعے اپنی خبث باطن اور کینے کا اظہار کیا۔ تاریخ اپنے آپ کو ہمیشہ دہراتی ہے، چناں چہ عصرِ حاضر میں ان کے ایک خطیب نے خطبہ دیا اور کہا:

''مکہ پر یہود سے بھی بدتر گروہ حکمرانی کرتا ہے۔''[2]

شیعہ کے ایک معاصر عالم اور کافی کی روایات پر تعلیق نگار نے ان کلمات کے چہرے سے نقاب اتارتے ہوئے ان ان الفاظ کا مفہوم یوں بیان کیا ہے:

''شاید یہ کلام بنو امیہ اور ان کے اتباع کے زمانے میں ہو، کیوں کہ وہ منافقین تھے، اسلام کا زبان سے اظہار کرتے، لیکن دل میں کفر کو چھپائے بیٹھے تھے۔ منافقین کفار سے بھی برے ہیں، وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے... یہ بھی احتمال ہے کہ اس بات پر مبنی ہو کہ طاقت ور مخالفین تمام کفار سے مطلقاً برے ہیں، جس طرح بہت ساری روایات سے ظاہر ہوتا ہے۔''[3]

اس کی رائے میں یہ تکفیر حق پر مبنی ہے، ان پر کفار سے بدتر ہونے کا حکم ان دو وجوہ کی بنا پر لگایا گیا ہے:

1. یا تو انھیں امویوں کی اتباع کی وجہ سے کافر قرار دیا گیا ہے، یعنی بنو امیہ سے مسلم خلفا کی بیعت کے نتیجے میں اور یہ ان کے نزدیک بہت بڑی منافقت ہے۔ یا اس وجہ سے کہ مخالف کفار سے بدتر ہوتے ہیں، اس آخری نتیجے اور تعلیل کی بنا پر یہ تکفیر ہر زمانے میں دیارِ اسلام کو شامل ہے۔ مزید برآں یہ لوگ مصر اور اہلِ مصر کے متعلق کہتے ہیں:

''فرزندانِ مصر پر داود علیہ السلام کی زبان سے لعنت بھیجی گئی، چناں چہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کچھ کو بندر اور خنزیر بنا دیا۔''[4]

---

[1] دیکھیں: الفتاویٰ (۲۰/ ۲۹۹۔ ۳۰۰)

[2] اس کے الفاظ کا تذکرہ ''آیات کی حکومت'' والی فصل میں ہوگا۔

[3] علي أكبر الغفاري: أصول الكافي (۲/ ٤٠٩۔ ٤١٠ حاشيه)

[4] بحار الأنوار (٦٠/ ٢٠٨) تفسير القمي (ص: ٥٩٦) ط: إيران.

''اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر ناراض ہوا تو ان کو مصر میں داخل کر دیا اور اس وقت تک ان سے راضی نہیں ہوا، جب تک ان کو مصر سے نکال نہیں دیا۔''[1]

''مصر سب سے برا ملک ہے۔ بنی اسرائیل میں سے جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوا، یہ اس کے لیے جیل ہے۔''[2]

''مصر سے دور رہو، وہاں ٹھہرنے کی خواہش نہ رکھو، کیوں کہ یہ دیوثیت منتقل کر دیتا ہے۔''[3]

مصر کی مذمت، اہلِ مصر کی ہجو اور وہاں رہایش اختیار کرنے سے ڈرانے کے متعلق ان کی بہت زیادہ روایات ذکر ہوئی ہیں۔ انھوں نے ان روایات کی نسبت رسول اللہ ﷺ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، محمد باقر اور علی رضا کی طرف کی ہے۔ یہ ان تاب ناک اسلامی ادوار میں مصر کے متعلق روافض کی رائے ہے۔

مجلسی نے ان روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے:

''مصر ان زمانوں میں تمام ممالک سے زیادہ برا ہو چکا تھا، کیوں کہ اس کے باشندگان تمام لوگوں سے زیادہ کافر اور بدبخت ہو چکے تھے۔''[4]

یہ تمام باتیں صرف اس وجہ سے ہیں کہ مصر نے روافض کا منہج اور طور اطوار اختیار نہیں کیے تھے۔ یہ تمام روایات تاریخِ مصر میں اسماعیلی دور سے پہلے یا بعد کی ہوسکتی ہیں، کیوں کہ جو ان کی رافضیت میں شریک ہو اور ایسی مملکت کے بانی ہوں، جو ان کے کفر کی اجازت دیتی ہو، وہ ان کے بارے میں تو اس طرح کے خیالات کا اظہار نہیں کر سکتے۔

یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ یہ نصوص اور روایات رافضہ کے مصر اور اہلِ مصر کے خلاف غیظ وغضب اور کینے کا آئینہ خیال ہوں، کیوں کہ عظیم قائد اور سپاہ سالار صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں ان کے اسماعیلی بھائیوں کی حکومت کا سقوط ہوا تھا، جس نے سرزمینِ کنانہ کو ان کی گندگی اور نجاست سے صاف کر دیا تھا۔

کہاں یہ مصر اور اہلِ مصر کے بارے میں تاریک کلمات اور کہاں وہ باب جو امام مسلم نے اپنی صحیح میں اس عنوان کے ساتھ قائم کیا ہے:

---

[1] بحار الأنوار (٦٠/ ٢٠٨۔ ٢٠٩) قرب الإسناد (ص: ٢٢٠) تفسير العياشي (١/ ٣٠٤) البرهان (١/ ٤٥٦)

[2] تفسير العياشي (١/ ٣٠٥) بحار الأنوار (٦٠/ ٢٠١) البرهان (١/ ٤٥٧)

[3] بحار الأنوار (٦٠/ ٢١١)

[4] دیکھیں: بحار الأنوار (٥/ ٢٠٨)

''نبی اکرم ﷺ کی اہلِ مصر کے متعلق وصیت کا بیان۔''[1]

شیعہ کی کتابوں میں بہت زیادہ بلادِ اسلام اور ان کے باشندگان کی مذمت ذکر ہوئی ہے[2] اور مسلمان ممالک میں سے صرف وہی علاقے اس سے مستثنیٰ قرار دیے جاتے ہیں، جو ان کے مذہب کے قائل ہیں اور یہ ان ادوار میں بہت کم ہیں۔

شیعہ کی ایک روایت میں یہاں تک ذکر ہوا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے ہماری ولایت اہلِ بلاد پر پیش کی، لیکن اہلِ کوفہ کے سوا کسی نے اس کو قبول نہ کیا۔''[3]

⑤ مسلمان قضات (جج):

شیعہ کی روایات مسلمان قاضیوں کو۔ان کے خیال کے مطابق۔ باطل امامت کے ساتھ مرتبط ہونے کی وجہ سے طواغیت شمار کرتی ہیں۔ کافی میں عمر بن حنظلہ سے مروی ہے کہ اس نے کہا: میں نے ابوعبداللہ سے سوال کیا کہ اگر ہمارے دو آدمیوں میں دین یا وراثت کے کسی معاملے میں جھگڑا ہو جائے تو کیا ان کے لیے سلطان یا قاضیوں کے پاس اپنا فیصلہ کروانے کے لیے جانا جائز ہے؟ انھوں نے جواب دیا: جو کسی حق یا باطل معاملے میں ان کے پاس فیصلہ کروانے کے لیے جائے تو گویا وہ طاغوت کے پاس فیصلہ کروانے کے لیے جاتا ہے۔ وہ اس کے لیے جو فیصلہ کرے گا، خواہ وہ فیصلہ صحیح اور اس کا ثابت شدہ حق ہی کیوں نہ ہو، وہ حرام لے گا، کیوں کہ اس نے یہ طاغوت کے فیصلے کے نتیجے میں لیا ہے۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کا انکار کریں۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ﴾ [النساء: ٦٠]

''چاہتے یہ ہیں کہ آپس کے فیصلے غیراللہ کی طرف لے جائیں، حالانکہ انھیں حکم دیا گیا ہے کہ اس کا انکار کریں۔''[4]

چناں چہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ لوگ مسلمان قاضیوں اور حاکموں کو طاغوت شمار کرتے ہیں اور ان کے فیصلوں کو باطل قرار دیتے ہیں۔ جو شخص ان کے ذریعے سے اپنا حق حاصل کرتا ہے، وہ حرام کھاتا ہے۔ یہ حکم نسل

[1] صحيح مسلم (٢/ ٢٩٧٠)

[2] دیکھیں: الخصال (ص: ٥٠٦۔ ٥٠٧) بحار الأنوار (٦٠/ ٢٠٦ وما بعدها)

[3] بحار الأنوار (٦٠/ ٢٠٩) مجلسی نے اس روایت کو ''بصائر الدرجات'' کی طرف منسوب کیا ہے۔

[4] أصول الكافي (١/ ٦٧)

درنسل اورصدی بہ صدی تمام مسلمان قاضیوں کو شامل ہے۔

یہ روایت جعفر صادق کے زمانے تک کے قاضیوں اور ان کے فیصلوں پر حکم لگاتی ہے، جس طرح اس روایت کی جعفر تک سند سے ظاہر ہوتا ہے۔ اگر قرونِ مفضلہ کے مسلمان قاضیوں کے متعلق ان کی یہ سوچ ہے تو ان کے بعد والوں کے متعلق آپ کے خیال میں ان کا کیا گمان ہوگا؟

ایسا لگتا ہے کہ وہ یہ چاہتے کہ قاضی صاحبان رِقاع کی بے سروپا کہانیوں، جفر، جامعہ، مصحفِ فاطمہ اور حکم آلِ داود کے مطابق فیصلے کریں اور دلیل کے متعلق سوال نہ کریں، جس طرح یہ ان کی روایات میں ذکر ہوا ہے۔[1] کتاب و سنت اور اجماع سلف کے مطابق نہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اس آیت مبارکہ کے مصداق ہیں، جس سے یہ استدلال کرتے ہیں۔ کیوں کہ یہ ان چند منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جنھوں نے محمد بن عبداللہ (ﷺ) کے فیصلے پر طاغوت کے فیصلے کو ترجیح دی تھی۔[2]

یہ روافض انہی منافقوں کی جنس سے ہیں۔ شیعہ کے عصرِ حاضر کے علما کے دلوں میں بھی اس سوچ میں کوئی فرق نہیں آیا۔ یہ خمینی اپنی اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے اس مفہوم کو تاکید کے ساتھ بیان کرتا ہے:

''خود امام علیہ السلام سلاطین اور قاضیوں کی طرف رجوع کرنے سے منع کرتے ہیں اور ان کی طرف رجوع کرنے کو طاغوت کی طرف رجوع کرنا خیال کرتے ہیں۔''[3]

کافی کا تعلیق نگار کہتا ہے:

''یہ آیت، روایت کی تائید کے ساتھ، مطلقاً ظالم حاکم کے پاس شکوہ نہ پیش کرنے پر دلالت کرتی ہے اور شاید یہ کہا جا سکے کہ مجبوری کے عالم میں اور فقیہ عدل کے پاس مقدمہ پیش کرنے کا امکان نہ ہونے کی صورت میں، معلوم حق لینے کے لیے ان کا وسیلہ اختیار کرنا جائز ہو۔''[4]

لیکن یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اصول و مبادی جو زنادقہ نے طے کیے ہیں، ان کے بعض پیروکاروں کی نظر میں مقبولیت حاصل نہیں کر سکے، کیوں کہ ان کو مسلمان قاضیوں کے فیصلے کے سائے میں عدل و انصاف ملتا ہے، جو ان کو اپنی قوم کے پاس بھی نہیں ملتا۔ کچھ شیعہ افراد نے اس بات کا شیخ الاسلام کے سامنے اقرار بھی کیا:

---

[1] دیکھیں: اس سلسلے میں ''سنت''، ''ایمان بالکتب'' اور ''غَیبت'' کا مبحث ملاحظہ کریں۔

[2] دیکھیں: تفسير الطبري (٨/ ٥٠٧ وما بعدها) من الأجزاء المحققه. تفسير البغوي (١/ ٤٤٦)

[3] الحكومة الإسلامية (ص: ٧٤)

[4] أصول الكافي (١/ ٦٧، حاشيه)

''تم (اہلِ سنت) ہمارے ساتھ اس طرح انصاف کرتے ہو کہ ہمارے لوگ بھی ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح انصاف نہیں کرتے۔''[1]

شیعہ کے بعض افراد نے اپنے امام سے شکایت کی کہ وہ اہلِ سنت کو زیادہ دیانت دار، خوش اخلاق اور صاحبِ کردار پاتے ہیں، لیکن ان کو یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ شیعہ اس کے برعکس ہیں![2]

⑥ مسلمانوں کے ائمہ اور علما:

شیعہ مسلم شیوخ اور علما سے کسبِ علم کرنے سے خبردار کرتے ہیں اور ان کو مشرک ملتوں کی طرح ایک ملت شمار کرتے ہیں۔ ہارون بن خارجہ سے مروی ہے کہ اس نے کہا:

''میں نے ابوعبداللہ سے کہا: ہم ان مخالفین[3] کے پاس آتے ہیں تو ان سے حدیث سنتے ہیں، کیا وہ ہمارے لیے ان کے خلاف حجت ہو سکے گی؟ انھوں نے کہا: اللہ ان پر اور ان کی مشرک ملتوں پر لعنت کرے! نہ ان کے پاس جا نہ ان سے سن۔''[4]

کافی میں سدیر عن ابی جعفر کی سند سے منقول ہے کہ انھوں نے کہا:

''اے سدیر! میں تجھے اللہ کے دین سے روکنے والے دکھاتا ہوں۔ پھر اس نے اس زمانے میں ابو حنیفہ اور سفیان ثوری کی طرف دیکھا، جن کے مسجد میں تعلیمی دروس ہو رہے تھے اور کہا: یہ لوگ اللہ کی ہدایت اور کتابِ مبین کے بغیر اللہ کے دین سے روکنے والے ہیں۔ یہ خبیث لوگ اگر اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں، تو لوگ گھومتے اور ان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے متعلق کوئی خبر دینے والا نہ ملتا، تا آنکہ وہ ہمارے پاس آتے تو ہم انھیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے متعلق بتاتے۔''[5]

ایسا لگتا ہے کہ یہ باطنی لوگ جب ائمہ اہلِ سنت کو لوگوں کو قرآن و سنت کی تعلیم اور دعوتِ دین دیتے

---

① منهاج السنة (۳/ ۳۹) مجھے ایک اہلِ سنت قاضی نے بتایا، جس کا قطیف کے کسی علاقے کی عدالت میں تقرر ہوا، جہاں شیعہ آباد ہیں کہ اس نے محسوس کیا ہے کہ شیعہ اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے اور اپنے مسائل سے چھٹکارا پانے کے لیے اہلِ سنت کے پاس مقدمات پیش کرنے کی خواہش و رغبت رکھتے ہیں اور اپنے علما کے پاس نہیں جاتے۔ بہ ظاہر یوں لگتا ہے کہ وہ مجبوراً اور جنت کے اجازت ناموں سے محرومی اور جہنم کی وعید کی دھمکیوں کے ڈر سے اپنے علما کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

② أصول الكافي (۲/ ٤)

③ ان کے نزدیک یہ لقب عموماً اہلِ سنت پر بولا جاتا ہے، لیکن ہر مخالف کو بھی شامل ہوسکتا ہے۔

④ بحار الأنوار (۲/ ۲۱٦) مجلسی نے اسے ''السرائر لابن إدريس'' کی طرف منسوب کیا ہے۔

⑤ أصول الكافي (۱/ ۳۹۲۔ ۳۹۳) تفسير نور الثقلين (٤/ ۱۳۲)

دیکھتے تو لوگ ان کی طرف متوجہ ہوتے، ان کے علم سے اپنی تشنہ کامی علم کی سرابی کرتے، ان کے مساجد میں دروس طالبانِ شوق سے آباد ہوتے، علم سے آراستہ ہوتے، ان پر سکینت طاری ہوتی، رحمت کا سایہ ہوتا اور فرشتوں کی حاضری ہوتی، تو یہ غیظ وغضب سے پیچ تاب کھانے لگتے۔

یہ علمائے اعلام متقین کے امام اور عمائدین تھے، لیکن ان کے برعکس یہ باطنی لوگ اپنے گھروں میں دبکے رہتے ان کی طرف کوئی متوجہ ہوتا نہ وہ کسی محفل کی جان ہوتے، ذلت ومسکنت ان پر چھائی ہوئی تھی، لوگ ان کو غضب وحقارت کی نگاہ سے دیکھتے، چناں چہ ان کی یہ خواہشات جو انھوں نے پیروانِ مذہب شیعہ کو دھوکا دینے اور ائمہ اہلِ بیت اور ائمہ مسلمین کے درمیان فتنہ سازی اور نفرت پیدا کرنے کے لیے اہلِ بیت کی زبان سے گھڑیں، یہی خواہشات ائمہ مسلمین کی تکفیر کا باعث بنیں اور ان کی یہ شدید تمنا رہی کہ زمین ان علمائے اسلام سے خالی ہوجائے، تاکہ ان کو اپنے مقاصد کے حصول کے لیے موقع میسر آسکے۔

⑦ اسلامی فرقے:

یہ لوگ اکثر اسلامی فرقوں کو طعن وتشنیع اور تکفیر کے لیے مخصوص کرتے ہیں، لیکن بالخصوص یہ اہلِ سنت کو اپنی دریدہ ذہنی کا نشانہ بناتے ہیں، کبھی ان کو نواصب کا لقب دیتے ہیں تو کبھی مرجیہ کا۔ کافی میں ہے:

> ''ابومسروق سے مروی ہے کہ مجھ سے ابوعبداللہ نے اہلِ بصرہ کے مذہب کے بارے میں پوچھا تو میں نے کہا: وہ مرجیہ، قدریہ[1] اور حروریہ ہیں۔ انھوں نے کہا: اللہ تعالیٰ ان کافر مشرک ملتوں پر لعنت کرے، جو اللہ تعالیٰ کی کسی بھی چیز (بنیاد) پر عبادت نہیں کرتے۔''[2]

یہ لوگ مرجیہ سے اہلِ سنت مراد لیتے ہیں، اس لیے آپ دیکھتے ہیں کہ شیعہ کا عالم ملا باقر مجلسی اس حدیث: ((اَللهم العن المرجئة، فهم أعداؤنا في الدنيا والآخرة))[3] کی شرح میں لکھتا ہے:

> ''راجح بات یہ ہے کہ اس عبارت میں اِرجا سے مراد حضرت علی کو پہلے درجے سے چوتھے درجے پر موخر کرنا ہے۔''[4]

یہ جاننا بھی کافی ہوگا کہ زیدیہ جو شیعہ ہیں، ان کو بھی ان کی مذمت اور لعن طعن کا اتنا وافر حصہ ملا ہے، جو

---

① شیعہ بھی بعد میں قدریہ ہوگئے تھے، جس طرح پہلے ذکر ہوا ہے، چناں چہ وہ بھی اس لعنت میں داخل ہیں۔

② أصول الكافي (٢/ ٣٨٧۔ ٤٠٩)

③ فروع الكافي مع شرحه مرآة العقول (٤/ ٣٧١)

④ مرآة العقول (٤/ ٣٧١)

آپ سوچ بھی نہیں سکتے، مثلاً زیدیہ کے متعلق کہتے ہیں کہ عمر بن یزید سے مروی ہے:

''میں نے ابوعبداللہ سے ناصبی اور زیدی پر صدقہ کرنے کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا: ان پر کچھ بھی صدقہ نہ کر، بلکہ اگر تم استطاعت رکھو تو ان کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاؤ۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ زیدیہ ناصبی ہیں۔''[1]

کافی میں ہے:

''عبداللہ بن مغیرہ سے مروی ہے کہ میں نے ابوالحسن سے کہا: میرے دو پڑوسی ہیں، ایک ناصبی ہے، دوسرا زیدی۔ دونوں کے ساتھ میل ملاپ بھی رکھنا ضروری ہے، تو میں کس کے ساتھ میل جول رکھوں؟ انھوں نے کہا: وہ دونوں ہی برابر ہیں، جس نے ایک قرآنی آیت کی تکذیب کی تو گویا اس نے اسلام کو پسِ پشت ڈال دیا اور وہ تمام قرآن اور انبیا و رسل کی تکذیب کرنے والا ہے۔ پھر انھوں نے کہا: ناصبی تمھارا دشمن ہے اور زیدی ہمارا دشمن ہے۔''[2]

زیدیہ کے لیے یہ سفارش بھی کام نہیں آئی: ''وہ ولایتِ علی کے دعوت دہندہ تھے۔''[3] اور شیعہ تھے، کیوں کہ ''انھوں نے اس میں ابوبکر و عمر کی ولایت کی آمیزش اور ملاوٹ کر دی تھی۔''[4] اور یہ ان کا ناقابلِ معافی گناہ ہے، بلکہ شیعہ کے نزدیک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ محض محبت رکھنا ہی باعثِ کفر ہے۔ ''بحار الأنور'' میں ہے کہ ابوعلی خراسانی علی بن الحسین کے غلام کی سند سے ذکر کرتا ہے کہ اس نے کہا:

''میں ایک دن ان کے ساتھ خلوت میں بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے انھوں سے کہا: میں آپ سے ان دو اشخاص: ابوبکر و عمر کے بارے میں پوچھنے کا حق رکھتا ہوں، مجھے ان کے متعلق بتائیے؟ انھوں نے کہا: دونوں کافر ہیں، جس نے ان دونوں سے محبت رکھی، وہ بھی کافر ہے۔''[5]

لہٰذا ان لوگوں نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی امامت و خلافت کا محض اعتقاد رکھنا ناصبیت میں شمار کیا ہے، جو ان کے نزدیک کفر سے بھی بڑھ کر ہے۔ مجلسی کہتا ہے:

---

[1] رجال الكشي (ص: ١٩٩) بحار الأنوار (٧٢/ ١٧٩)

[2] الكافي: كتاب الروضة (١٢/ ٣٠٤) مع شرحه للمازندراني. مفتاح الكتب الأربعة (٨/ ٧٦)

[3] بحار الأنوار (٧٢/ ١٨١)

[4] المصدر السابق.

[5] بحار الأنوار (٧٢/ ١٣٧ـ ١٣٨)

’’بعض اوقات ناصِب مطلقاً طاقت ور مخالف پر بولا جاتا ہے، جس طرح اکثر روایات سے ظاہر ہوتا ہے۔‘‘[1]

وہ مزید کہتا ہے:

’’جبریہ، مشبہہ، معتزلہ، خارجیہ اور منکرِ امامت جیسے مخالف پر جنازہ بہ جز تقیہ جائز نہیں، اگر وہ ایسا کرے (یعنی تقیہ کی وجہ سے جنازہ پڑھ لے) تو چوتھی تکبیر کے بعد اس پر لعنت بھیجے۔‘‘[2]

مفید کہتا ہے: ’’تمام اہلِ بدعت کافر ہیں۔‘‘[3] اس لیے مجلسی نے اس عنوان: ’’باب كفر المخالفين و النصاب‘‘ کے ساتھ ایک باب بھی قائم کیا ہے۔[4]

مجلسی کہتا ہے:

’’ہماری روایات کی کتابیں ایسی روایات سے بھری ہوئی ہیں، جو زیدیہ اور ان کے ہم مثل فطحیہ اور واقفہ کے کافر ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔‘‘[5]

یہ تمام فرقے، جن کا اس نے ذکر کیا ہے، شیعہ کے فرقے ہیں، لہٰذا جو ان کے علاوہ ہیں، ان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے کہ ان کی ان کے بارے میں کیا رائے ہوگی؟ بلکہ اثنا عشریہ کے رجال خود ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں۔ ’’رجال الكشي‘‘ کی یہ روایت سنیے! شیخ الطائفہ طوسی[6] بھی اپنے اصحاب کی یہ حالت بیان کرنے میں اس کی موافقت کرتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی تکفیر، مخالفت کرتے اور باہم لعن طعن کرتے ہیں۔

وہ اپنی روایت میں ذکر کرتا ہے کہ ۱۹۰ ہجری میں ابو الحسن ثانی کے دروازے پر ۱۶ لوگ اکٹھے ہوئے، ان میں سے جعفر بن عیسیٰ نام کے ایک شخص نے ان سے کہا: اے جناب! ہم اللہ سے اور آپ ﷺ سے اپنے اصحاب کی حالت کا شکوہ کرنے کے لیے آئے ہیں،[7] انھوں نے کہا: آپ لوگوں کو ان سے کیا شکایت ہے؟ جعفر

---

[1] مرآة العقول (٤/ ٧٢)

[2] مرآة العقول (٤/ ٧٢۔ ٧٣)

[3] أوائل المقالات (ص: ١٥)

[4] بحار الأنوار (٧٢/ ١٣١)

[5] بحار الأنوار (٣٧/ ٣٤)

[6] کیوں کہ اس نے ’’رجال الكشي‘‘ کی تہذیب کی ہے۔

[7] یہ الفاظ دائرہ شرک میں داخل ہونے کی وجہ سے منع ہیں، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ ’’ہم اللہ سے پھر آپ سے شکوہ کرتے ہیں۔‘‘ شیعہ کی گمراہیاں تو اس سے بہت بڑی ہوئی ہیں، لیکن یہ صرف قاری کو خبردار کرنے کے لیے تھا۔

نے کہا: وہ خدا کی قسم! ہمیں کافر اور زندیق قرار دیتے ہیں اور ہم سے براءت کا اظہار کرتے ہیں تو انھوں نے کہا: علی بن حسین، محمد بن علی، جعفر اور موسیٰ کے اصحاب بھی ایسے ہی کرتے تھے! زرارہ کے ساتھی دوسروں کو کافر کہتے، اسی طرح دوسرے ان کو کافر قرار دیتے۔''

''یونس نے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں! وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم زندیق ہیں۔''[1]

یہ ہے ان کی پہلی جماعت اور ہراول دستے کا حال، جو دروغ گوئی کرتے ہوئے اہلِ بیت کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں، چناں چہ بعد والے لوگوں کا کیا حال ہوگا؟!

⑧ ساری امت ہی ...!

امتِ اسلامیہ پر لعنت بھیجنا اور اس کو کافر قرار دینا، شیعہ کی کتابوں میں عام ہے، اس لیے شیعہ حضرات کی قبروں اور مزاروں کی زیارت کے وقت جو دعائیں ان کے وردِ زبان ہوتی ہیں، وہ اس مبارک اور بہترین امت پر لعنت بھیجنے سے خالی نہیں ہوتیں۔ امیر المومنین علی کی قبر کی زیارت کے وقت وہ یہ دعا پڑھتے ہیں:

''...تیرے مخالفین پر، تجھ پر افترا اور ظلم کرنے والے[2] پر، تیرا حق غصب[3] کرنے والے پر اللہ کی لعنت ہو، جس کو اس بات کا علم ہوگیا، اس کے باوجود وہ اس پر راضی رہا،[4] اس پر بھی لعنت ہو۔ میں ان سے بَری ہوں، اللہ اس امت پر لعنت کرے، جس نے تیری[5] مخالفت کی، تیرا انکار کیا، تیری ولایت[6] کا انکار کیا، تمھارے خلاف اکٹھی ہوگئی، تیری راہ کو چھوڑ دیا اور تجھے رسوا کیا۔

''اللہ کے لیے تعریف ہے، جس نے ان کا ٹھکانا جہنم بنایا ہوا ہے، جو بہت بُری جگہ ہے، جس پر پیش کیا جائے۔ اے اللہ! جوابیت (بت جن کی پوجا کی جائے) طواغیت، فرعونوں، لات، عزیٰ ہر شریک پر، جس کو اللہ کے سوا پکارا جاتا ہے[7] اور ہر افترا پرداز پر لعنت کر۔ اے اللہ! ان پر، ان کے پیروکاروں پر، ان کے اَتباع، اولیا،

---

[1] رجال الكشي (ص: ٤٩٨۔ ٤٩٩)

[2]، [3] شیعہ کے نزدیک ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کو خلافت سونپنا ظلم اور غصب ہے۔ (الاعتقادات لابن بابويه، ص: ۱۱۲۔ ۱۱۳)

[4] یعنی جو ابوبکر کی خلافت پر راضی رہا، کیوں کہ ایسا شخص۔ ان کے گمان کے مطابق ظلم اور غصب پر راضی ہے، چناں چہ یہ حکم غالی شیعہ کے سوا تمام امت کو شامل ہے۔

[5] کیوں کہ اس نے ابوبکر کو خلافت سونپی تھی۔

[6] ان کے نزدیک حضرت علی کی ولایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہی سے شروع ہو جاتی ہے، لہٰذا جس نے تینوں خلفا کی خلافت تسلیم کی، اس نے ولایتِ علی کا انکار کیا۔ (الإرشاد للمفيد، ص: ۱۲)

[7] جوابیت، طواغیت ... یہ ان کے اعتقاد میں خلفائے مسلمین ہیں، بالخصوص خلفائے ثلاثہ اور اموی خلفاء، اور وہ شریک جس کو ←

اعوان اور ان کے ساتھ محبت رکھنے والوں پر بہت زیادہ لعنت کر۔“[1]

یہ لعنتیں، جو ان کی زبانوں پر تسبیح وتہلیل کی جگہ ورد کی طرح جاری رہتی ہیں، اس کا ان کے دلوں میں امت اور اس کے دین کے خلاف حسد وبغض اور نفرت بھرنے میں بہت زیادہ کردار واثر ہے۔ ان روافض نے امت پر ایسے القاب، قبیح خطابات اور خواص چسپاں کیے ہیں، جو کسی گروہ کی کتب میں نہیں ملتے، صرف اس وجہ سے کہ امت اس کی خلافت پر راضی اور خوش ہے، جس کو صحابہ ومہاجرین نے اپنے لیے خلیفہ پسند کیا۔ یہ بعض اوقات پوری امت پر بہتان لگاتے ہیں اور اس کو فجور[2] (بدکاری) کا الزام دیتے ہیں۔ کبھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ساری امت اولادِ زنا[3] ہے، اس لیے قیامت کے دن وہ اپنی حقیقت کے مطابق ظاہر ہوں گے اور اپنی ماؤں کے ناموں کے ساتھ آواز دیے جائیں گے۔[4]

کسی وقت کہتے ہیں کہ یہ مقلوب وذلیل مخلوق ہے، جس کا انسانیت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ بندر، خنزیر اور کتے ہیں۔[5] یہ اور اس طرح کے شیعہ کے اس امت کے متعلق کئی منکر وناپسندیدہ اقوال اور لعنتیں ہیں۔

← اللہ کے سوا پکارا جاتا ہے، اس سے مراد وہ امام ہے، جس کی ان کے بارہ اماموں کے سوا بیعت کی جاتی ہے۔ (دیکھیں: توحیدِ الوہیت کے متعلق شیعہ کا عقیدہ)

[1] ابن بابویہ: من لا یحضرہ الفقیہ (۲/ ۳۵٤)

[2] یہ کہتے ہیں: نومولود کے پاس شیطان آتا ہے، تاکہ اس کے ساتھ بدکاری کا کام کرے، اس سے صرف ان کے شیعہ محفوظ رہتے ہیں۔ گذشتہ صفحات میں اس کے متعلق ان کے الفاظ ذکر ہو چکے ہیں۔ دیکھیں: صفحہ نمبر (۵۰۰)

[3] یہ کہتے ہیں کہ ہمارے شیعہ کے سوا تمام لوگ بدکار عورتوں کی اولاد ہیں، ان کی کتابوں کا حوالہ دیکھنے کے لیے دیکھیں: (۵۰۰)

[4] یہ بحار الأنوار (۷/ ۲۳۷) کا ایک عنوان ہے۔

[5] بطورِ نمونہ یہ روایت ملاحظہ کیجیے: ”ابوبصیر سے مروی ہے، اس نے کہا: ”میں نے ابوجعفر سے کہا: میں آپ کا غلام اور شیعہ ہوں، میری نظر کمزور ہے، مجھے جنت کی ضمانت دے دیجیے!

انھوں نے کہا: کیا میں تجھ کو ائمہ کی علامت نہ دوں؟ میں نے کہا: اگر آپ اسے میرے لیے کر دیں گے تو آپ کو اس کا کیا نقصان ہوگا؟ انھوں نے کہا: کیا تم پسند کرتے ہو؟ میں نے کہا: میں کیسے پسند نہیں کروں گا؟ چناں چہ انھوں نے میری آنکھوں پر ہاتھ پھیرا، تو میں نے سقیفہ میں بیٹھے ہوئے تمام لوگوں کو دیکھا۔ انھوں نے کہا: اے ابومحمد! یہ ہے تمھاری نظر دیکھو، تم اپنی آنکھوں سے کیا دیکھتے ہو، اس نے کہا: خدا کی قسم! میں نے بندر اور خنزیر اور کتوں کے سوا اور کچھ بیٹھا ہوا نہ دیکھا، تو میں نے کہا: یہ کون سی مسخ شدہ مخلوق ہے؟ انھوں نے کہا: یہ جو تم دیکھ رہے ہو، یہ سوادِ اعظم ہے۔ اگر لوگوں کی نگاہوں سے پردہ اٹھ جائے تو شیعہ اپنے مخالفین کی یہی اشکال دیکھیں گے۔ پھر انھوں نے کہا: اے ابومحمد! اگر تم پسند کرو تو میں تم کو اسی حالت پر چھوڑ دیتا ہوں اور تیرا حساب اللہ کے ذمے ہوگا اور اگر چاہو تو میں تم کو جنت کی ضمانت دوں اور تم کو واپس پہلی حالت میں لوٹا دوں؟ میں نے کہا: مجھے اس مقلوب مخلوق کو دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں، آپ مجھے واپس لوٹا دیں، جنت کا کوئی عوض نہیں۔ انھوں نے اپنا ہاتھ میری آنکھوں پر پھیرا تو میں پہلی حالت میں لوٹ آیا۔ (بحار الأنوار: ۲۷/ ۳۰ بحوالہ ←

یہ اثنا عشری نصوص و روایات امتِ محمدیہ ﷺ کے کسی ایک فرد کو بھی لعن طعن اور تکفیر سے مستثنیٰ قرار نہیں دیتیں، بلکہ مہاجرین و انصار، اصحابِ رسول ﷺ، اہلِ بیت نبی، بلادِ اسلام اور ان کے باشندگان، اسلامی فرقوں، بالخصوص اور امتِ اسلامیہ پر بالعموم یہ لوگ اپنی تمام دعاؤں، نمازوں اور زیارتوں میں لعنت بھیجتے ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا انھوں نے کسی کو ان لعنتوں سے معاف بھی رکھا ہے کہ نہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ انھوں نے ایک گروہ کو اس سے نہ صرف مستثنیٰ قرار دیا ہے، بلکہ ان کی مدح سرائی اور مدافعت بھی کی ہے۔

امت کی عمومی تکفیر اور لعن طعن سے مستثنیٰ گروہ:

اگر اثنا عشریہ نے صحابہ رسول، قرابتِ رسول، خلفا، قضاۃ، ائمہ اور اسلامی فرقوں، بہ شمول شیعہ فرقوں کے تمام کی تکفیر کی ہے تو ثنا خوانی کن کی کی ہے؟ ان کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاریخ کے بونوں، انسانیت کے تلچھٹ اور گھٹیا ترین افراد کی ثنا خوانی کرتے ہیں، بلکہ کافروں، ملحدوں، زندیقوں اور منافقوں کی نہ صرف مدح کرتے ہیں، بلکہ ان کا دفاع بھی کرتے ہیں۔ (بلاشبہہ روحیں اکٹھے کیے گئے لشکر ہیں، جن کا آپس میں تعارف ہو جائے، وہ ایک دوسرے سے الفت رکھتی ہیں) یہ فرقہ مسیلمہ کذاب کی طرح کے مرتد کے ساتھیوں[1] مختار ابن ابوعبید ثقفی[2] اور نصیر طوسی[3] جیسے زندیقین، جابر جعفی[4]، زرارۃ بن اعین[5] جیسے جھوٹوں اور افترا پردازوں اور قاتلِ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ابو لؤلؤ مجوسی جیسے کینہ پرور مجوسیوں کا دفاع کرتا ہے۔ یہ لوگ اس قاتلِ عمر رضی اللہ عنہ کو ''بابا شجاع الدین'' کہتے ہیں۔[6]

← الخرائج والجرائح) ان خلافِ فطرت امور کو دیکھیے، جو صرف جادوگروں اور شعبدہ بازوں کے معاشرے میں پائے جاتے ہیں، پھر مزید ان کا یہ دعویٰ دیکھیے کہ ائمہ جنت کی ضمانت دینے کے مالک و مختار ہیں اور تمام لوگ کتے اور خنزیر ہیں!!
كبرت كلمة تخرج من أفواههم إن يقولون إلا كذباً.

[1] دیکھیں: عبد الله العلايلي: الإمام الحسين، مقدمة الطبعة الثانية (ص: ٣، ٤، ١٩) نیز ملاحظہ کریں: المنتقى (ص: ٢٧١_ ٢٧٣)

[2] دیکھیں: ابن إدريس: السرائر (ص: ٤٧٥) نیز دیکھیں: حسين البرقي: تاريخ الكوفة (ص: ٦٢)

[3] دیکھیں: الخوانساري: روضات الجنات (٦/ ٣٠٠_ ٣٠١) الخميني: الحكومة الإسلامية (ص: ١٢٨)

[4] دیکھیں: اسی کتاب کا صفحہ نمبر (٤٠٨، ٤٠٩)

[5] دیکھیں: اسی کتاب کا صفحہ نمبر (٤١٢)

[6] عباس القمي: الكنى والألقاب (٢/ ٥٥) قتلِ عمر رضی اللہ عنہ کا دن ان کے ہاں سب سے بڑی عید ہے۔ ایک روایت میں ہے: ''یہ عید کا دن ہے اور یہ تمام عیدوں سے بہتر ہے۔'' دیکھیں: الأنوار النعمانية للجزائري (١/ ١٠٨ وما بعدها) فصل[نور سماوي يكشف عن ثواب يوم قتل عمر بن الخطاب.

←

اسی طرح یہ فرقہ ابراہیم قمی، کلینی اور ان دونوں جیسے کافروں سے اپنا دین اخذ کرتا ہے، جو کتاب اللہ کے متعلق نقص وتحریف اور اصحابِ رسول ﷺ کے بارے میں کفر و ارتداد کا عقیدہ رکھتے ہیں، یہی نہیں بلکہ یہ لوگ ان کو اپنے دین کے ثقہ ترین اور روایات میں بنیادی راوی شمار کرتے ہیں۔

نقد وتبصرہ:

یہ عام اور مجموعی تکفیر، جس سے کوئی بھی بچ نہیں پایا، کیا کسی تبصرے یا تنقید کی محتاج ہے؟ اس کا باطل اور جھوٹ پر مبنی ہونا اتنا واضح اور عیاں ہے، جو محتاجِ بیان نہیں۔ امت کی تکفیر در حقیقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کی تکفیر کی ایک کڑی ہے اور دونوں کا سبب بھی ایک ہی ہے۔ یہ ایک فطری امر ہے، جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف کینہ رکھتا ہے، انھیں گالیاں دیتا ہے اور ان کو (نعوذ باللہ) کافر قرار دیتا ہے، وہ ساری امت کے خلاف بھی حسد و کینہ رکھتا ہے اور اس کو کافر شمار کرتا ہے، جس طرح بعض سلف کا کہنا ہے:

''جس کے دل میں کسی ایک صحابی کے خلاف بھی کینہ موجود ہو، اس کے دل میں مسلمانوں کے لیے زیادہ کینہ اور حسد ہوتا ہے۔''[1]

اگر وہ ابوبکر وعمر وعثمان، اہلِ بدر، اہلِ بیعت رضوان اور مہاجرین و انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین سے راضی نہیں، جو فضل و احسان کے بلند و بالا پہاڑ تھے تو کیا وہ ان کے بعد کسی سے خوش ہو سکے گا؟ اس موقف کی بنیاد روافض کا یہ دعویٰ ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے امامت وخلافتِ علی کی وصیت سے انحراف کیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ اس (مزعومہ) وصیت کا باطل و مردود ہونا گزشتہ صفحات میں عقل ونقل اور متواتر ومعلوم امور کی روشنی میں ذکر ہو چکا ہے، لہٰذا جس کی بنیاد ہی باطل پر ہو، وہ باطل ہی ہوتا ہے۔

خشتِ اول گر نہند معمار کج ۔۔۔ تا ثریا می رود دیوار کج

ان کا اس ''قرآن کے سائے میں پروان چڑھنے والی بے مثال نسل'' پر ارتداد کا حکم لگانا، مذہبِ رفض کے اساسی طور پر باطل ہونے اور اس کی بنیاد ملحدین کی ایک جماعت کے ہاتھوں رکھے جانے کی واضح علامت ہے، نیز اس نظریے کا باطل و غلط ہونا ایک بدیہی امر ہے۔ اسی لیے ایک ایرانی اور شیعہ نژاد احمد کسروی کہتا ہے:

← یہ ہے اس امت کے فاروق اور اسلام کی عظیم شخصیت کے متعلق ان کا اعتقاد؟ اس کینے کا یہ سبب ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہ شخصیت ہے، جن کے عہد میں فارس کے علاقے فتح ہوئے اور اسلامی حکومت کی عمل داری میں داخل ہوئے، اس لیے یہ لوگ ان کے قاتل اور ان کی یومِ شہادت کو بڑی تعظیم کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

[1] الإبانة لابن بطة (ص: ٤١)

''یہ جو انھوں نے کہا ہے کہ مسلمان نبی (ﷺ) کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے، یہ ان کی دروغ گوئی اور بہتان طرازی کی ایک بہت بڑی جرأت ہے۔ کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ وہ کس طرح مرتد ہو گئے؟ وہ تو نبی (ﷺ) کے ساتھی تھے، وہ اس وقت ایمان لائے، جب دوسرے لوگوں نے آپ (ﷺ) کو جھٹلایا، انھوں نے آپ (ﷺ) کا دفاع کیا، اس کے لیے اذیتیں برداشت کیں، جنگوں میں آپ ﷺ کی مدد کی اور انھوں نے کبھی اپنی جانوں کو آپ (ﷺ) پر ترجیح نہیں دی، پھر ان کو ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کی خلافت میں کون سا فائدہ نظر آ رہا تھا کہ اس کے لیے وہ دین سے مرتد ہو گئے؟ کون سا احتمال زیادہ آسان نظر آتا ہے: فاسد اغراض و مقاصد کے حامل ایک یا دو اشخاص کی تکذیب یا سیکڑوں مخلص مسلمانوں کو مرتد قرار دینا؟ اگر تمھارے پاس اس کا کوئی جواب ہے تو پیش کرو۔''[1]

باوجودیکہ شیعہ کا مذہب شریعت، عقل، تاریخ اور اسلام کے بنیادی وضروری امور کی مخالفت کی وجہ سے برخود باطل اور سراسر غلط ہے، پھر بھی اس کا جواب دینے کے لیے ایک جائزہ پیش کرنا ضروری ہے، خواہ سرسری ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ ماضی میں بھی اور آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں، جو اس مسئلے میں دلائل و براہین سے تجاہل سے کام لیتے ہیں۔

آپ کے لیے یہی جاننا کافی ہوگا کہ شیعہ کا عصر حاضر کا عالم اور آیت محمد خالص جو اتحادِ عالم اسلام کے نعرے کا حامل اور اپنے خطبات، نشریات[2] اور اَسفار میں اس کا تکرار کے ساتھ ذکر کرتا ہے، اس نے مورخہ ۲۶ / ربیع الاول ۱۳۸۲ھ کو شیخ محمد بہجۃ البیطار کے نام ایک خط لکھا، جس میں تحریر کیا:

''میں صحابہ کا ذکرِ خیر نہیں کر سکتا، کیوں کہ جس کی کتاب و سنت نے مذمت کی ہے اور قرآن اور متواتر احادیث نے جن کے اعمال کی قباحت بیان کی ہے، میں کتاب و سنت کی مخالفت مول لے کر ان کی مدحت اور ثنا خوانی کر کے اللہ تعالیٰ کے عذاب و غضب کا نشانہ نہیں بننا چاہتا۔ زیادہ سے زیادہ میں یہ لکھ سکتا ہوں کہ کتاب و سنت نے صحابہ کا خیر کے ساتھ ذکر نہیں کیا، نہ یہ ان کی فضیلت ہی پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ صرف صحابہ ہیں۔''[3]

خالصی یہاں صحابہ کرام کا خیر کے ساتھ ذکر نہیں کرتا، حالاں کہ ان کی فضیلت میں متواتر روایات موجود

---

[1] التشيع والشيعة (ص: ٦٦)

[2] مثال کے لیے دیکھیں: الإسلام فوق كل شيء (ص: ٦٥)

[3] رسالة الإسلام والصحابة الكرام بين السنة والشيعة للشيخ محمد بهجة البيطار (ص: ٦)

ہیں، لیکن وہ اپنے ائمہ کے بارے میں کہتا ہے:

''بارہ امام ایمان کے ارکان ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی ولایت پر ایمان رکھنے کے بغیر بندوں کے اعمال قبول نہیں کرے گا۔''[1]

شیعہ عقائد کے خلاف دلائل:

درآں حالیکہ کتاب اللہ میں بارہ اماموں کا تذکرہ ہے نہ سرِمو ان کی امامت ہی کا کوئی ذکر ہے۔ لہٰذا دیکھیے کہ یہ کس طرح واضح حقائق کی تکذیب اور صریح جھوٹ کی تصدیق کرتے ہیں۔ جب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے تو ضروری ہوجاتا ہے کہ ہم رافضہ کے مذہب کی تردید میں دلائل و براہین پیش کریں اور کتاب وسنت، اقوالِ ائمہ، تاریخ، عقل اور معلوم و متواتر امور کی روشنی میں صحابہ کرام کی فضیلت بیان کریں۔ یہاں ہم خود شیعہ کی کتابوں سے شیعہ مذہب میں اس عقیدے کے بانی کا انکشاف بھی کریں گے، اس سے شیعہ کے تمام امت کی تکفیر کے موقف کی تردید ہوگی، کیوں کہ وہ سبب جس کی وجہ سے انھوں نے صحابہ کی تکفیر کی ہے، بعینہٖ اسی سبب کی وجہ سے انھوں نے تمام مسلمانوں کی بھی تکفیر کی ہے، لیکن صحابہ کرام کو، شریعت معطل اور باطل کرنے کی غرض سے، جس کو انھوں نے نقل کیا ہے، یہ لوگ قدیم و جدید دور میں خصوصیت کے ساتھ سب وشتم اور لعنت و تکفیر کا نشانہ بناتے آئے ہیں۔

① قرآنِ کریم:

قرآنی نصوص و آیات نے صحابہ کی عدالت اور اللہ تعالیٰ کے ان سے خوش و راضی ہونے کی گواہی دی ہے اور بہت ساری واضح اور روشن آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف و توصیف کی ہے، جن کا مفہوم جاننے کے لیے ہمیں شیعہ کی طرح باطنی تاویل کی ضرورت نہیں، جو قرآنی آیات کی بارہ اماموں کے ساتھ تاویل کرتے ہیں۔

اللہ جل شانہ فرماتے ہیں:

﴿ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ [آل عمران: ١١٠]

''تم سب سے بہتر امت چلے آئے ہو، جو لوگوں کے لیے نکالی گئی۔''

''ان کے لیے یہی فخر و اعزاز کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام لوگوں سے بہتر ہونے کی خود گواہی دی ہے۔ وہ اس خطاب میں سب سے پہلے داخل ہونے والے ہیں، اس قوم کے لیے

---

[1] الخالص: الاعتصام بحبل الله (ص: ٤٣)

اس مقام سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں، جن پر اللہ تعالیٰ اپنی نبی ﷺ کی صحبت اور نصرت کی وجہ سے راضی ہو چکا ہو۔''[1]

اس لیے اس کی تفسیر میں سلف صالحین سے جو اقوال منقول ہوئے ہیں، ان کے تقاضے کے مطابق یہ آیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی ہے، ان سے اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ ﴾ (تم بہترین امت ہو)[2]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ [التوبة: ١٠٠]

''اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہوگئے اور اس نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ہمیشہ۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔''

یہ آیت مبارکہ مہاجرین وانصار اور ان کی احسان میں پیروی کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی، ان کو عظیم کامیابی کی خوش خبری اور ان کے لیے نعمتوں بھری جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے بارے میں صریحاً دلالت کرتی ہے۔ اس لیے امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں ذکر کیا ہے:

''جو ان سے بغض رکھے یا ان کو گالی دے یا ان میں سے چند ایک کے ساتھ بغض رکھے اور اس کو گالی دے، خصوصاً سید الصحابہ، رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے بہتر وافضل میری مراد صدیق اکبر، خلیفہ اعظم، ابو قحافہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دشنام طرازی کرے تو اس کے لیے ہلاکت وتباہی ہے۔ رافضہ کا

---

1. ابن حجر الهيثمي: الصواعق المحرقة (ص: ٧)
2. ابن عطيه: المحرر الوجيز (٣/ ١٩٣) اسی لیے زیدی شیعہ کے علامہ محمد بن ابراہیم وزیر نے ان صحابہ کرام کے، جن جیسی اس کرہ ارضی پر کوئی قوم نہیں ہوئی، احوال ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: ''یہ اشیا غافل کو خبردار کرتی ہیں اور عاقل کی بصیرت کو تقویت پہنچاتی ہیں، وگرنہ یہ آیت کریمہ: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ ہی کافی اور بے نیاز کر دینے والی ہے۔ (الروض الباسم: ١/ ٥٦۔ ٥٧) نیز دیکھیں: محب الدين خطيب: الجليل المثالي (ص: ١٩)

ذلیل ٹولہ صحابہ میں افضل فرد کے ساتھ عداوت رکھتا ہے، وہ ان سے بغض وعناد رکھتے ہیں اور ان کو گالیاں دیتے ہیں۔ اللہ کی پناہ! (بلکہ گالیوں سے بڑھ کر وہ ان پر کفر اور ارتداد کا حکم لگاتے ہیں) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی عقلیں معکوس اور دل مقلوب ہو چکے ہیں، اگر یہ ان کو گالی دیتے ہیں، جن سے اللہ راضی ہے تو ان کا قرآن پر ایمان کہاں ہے؟''[1]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴾ [الفتح: ١٨]

''بلاشبہ یقیناً اللہ ایمان والوں سے راضی ہوگیا، جب وہ اس درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے، تو اس نے جان لیا جو ان کے دلوں میں تھا، پس ان پر سکینت نازل کر دی اور انھیں بدلے میں ایک قریب فتح عطا فرمائی۔''

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے کہ وہ ان کے دلوں کے حال سے واقف ہے، وہ ان سے راضی ہے اور اس نے ان پر سکینت نازل کی تو ان کے بارے میں کسی کے لیے بھی لمحہ بھر بھی توقف کرنا اور شک کا اظہار کرنا قطعاً جائز نہیں۔''[2]

''وہ لوگ جنھوں نے حدیبیہ کے مقام پر درخت کے نیچے کوہِ تنعیم[3] کے پاس بیعت کی، وہ چودہ سو (۱۴۰۰) سے زیادہ تھے۔ جب مشرکوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عمرہ کرنے سے روکا، تب انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی...۔''[4]

یہ لوگ، جس طرح شیخ الاسلام فرماتے ہیں، بعینہٖ وہی اشخاص و افراد تھے، جنھوں نے حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی بیعت کی تھی۔[5] لہٰذا جس شخص نے اپنے رب کے اس قول کی کہ وہ درخت کے نیچے بیعت

[1] تفسير ابن كثير (٢/ ٤١٠)
[2] الفصل (٤/ ٢٢٥)
[3] تنعیم: مکہ شریف سے تین یا چار میل کے فاصلے پر ہے، اس کا یہ نام اس وجہ سے مشہور ہوا، کیوں کہ اس کی دائیں جانب کوہِ نعیم ہے اور بائیں جانب کوہِ ناعم اور اس وادی کا نام نعمان ہے۔ (تاج العروس مادہ: نعم. معجم البلدان، لفظ تنعيم)
[4] منهاج السنة (٢/ ١٥۔ ١٦) تحقيق دكتور رشاد سالم.
[5] المصدر السابق (١/ ٢٠٦)

کرنے والوں سے راضی اور خوش ہے، تردید کی، وہ نامراد اور خسارہ پانے والا ہے۔ جس کے پاس تھوڑا سا بھی علم ہے، وہ بھی جانتا ہے کہ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عمار اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم یہ سارے ہی اس اعزاز میں شامل ہیں، لیکن خوارج اور روافض بغض و عناد رکھتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتے ہوئے ان سے براءت کے اظہار میں ایک دوسرے کے شریک ہیں۔[1]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ [الفتح: ٢٩]

''محمد اللہ کا رسول ہے اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ہیں، کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں نہایت رحم دل ہیں، تو انھیں اس حال میں دیکھے گا کہ رکوع کرنے والے ہیں، سجدے کرنے والے ہیں، اپنے رب کا فضل اور (اس کی) رضا ڈھونڈتے ہیں، ان کی شناخت ان کے چہروں میں (موجود) ہے، سجدے کرنے کے اثر سے۔ یہ ان کا وصف تورات میں ہے اور انجیل میں ان کا وصف اس کھیتی کی طرح ہے جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اسے مضبوط کیا، پھر وہ موٹی ہوئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی، کاشت کرنے والوں کو خوش کرتی ہے، تاکہ وہ ان کے ذریعے کافروں کو غصہ دلائے، اللہ نے ان لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، بڑی بخشش اور بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔''

صحابہ کا بلند مرتبہ و مقام ملاحظہ کیجیے! اللہ تعالیٰ نے ان اوصاف کے ساتھ ان کی ثنا خوانی کی ہے اور بتایا ہے کہ ان کی یہ صفت تورات و انجیل میں بھی مذکور ہے۔ بعض اہلِ علم نے ذکر کیا ہے کہ اس آیت کا ظاہر روافض کے کفار ہونے کا تقاضا کرتا ہے، کیوں کہ ان کے دلوں میں صحابہ کی نفرت و عداوت اور ان کے خلاف طیش ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ﴾ [الفتح: ٢٩] ''تاکہ وہ ان کے ذریعے

[1] الفصل (٤/ ٢٢٦)

کافروں کو غصہ دلائے۔'' چناں چہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا ہے کہ جس کے دل میں صحابہ کے خلاف غیظ و غضب ہو، وہ کفار میں داخل ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ لَا يَسْتَوِىْ مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾ [الحدید: ١٠]

''تم میں سے جس نے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا اور جنگ کی، وہ (یہ عمل بعد میں کرنے والوں کے) برابر نہیں۔ یہ لوگ درجے میں ان لوگوں سے بڑے ہیں، جنھوں نے بعد میں خرچ کیا اور جنگ کی اور ان سب سے اللہ نے اچھی جزا کا وعدہ کیا ہے۔''

جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ''حسنیٰ'' کا وعدہ کیا ہے، ان کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا وَ هُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ﴾

[الأنبياء: ١٠١۔ ١٠٣]

''بے شک وہ لوگ جن کے لیے ہماری طرف سے پہلے بھلائی طے ہوچکی، وہ اس سے دور رکھے گئے ہوں گے۔ وہ اس کی آہٹ نہیں سنیں گے اور وہ اس میں جسے ان کے دل چاہیں گے، ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ انھیں سب سے بڑی گھبراہٹ غمگین نہ کرے گی۔''

اس آیت میں یہ ذکر ہوا ہے کہ جو بھی صحبتِ نبوی میں بیٹھ گیا، اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ''حسنیٰ'' کا وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ﴾ [آل عمران: ٩] ''بے شک اللہ وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔''

چناں چہ اس نصِ قرآنی سے یہ صحیح نتیجہ اخذ ہوا کہ وہ شخص جس کے لیے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ''حسنیٰ'' طے ہوگئی، وہ آگ سے دور رکھا جائے گا، وہ اس کی آہٹ بھی نہیں سنے گا، وہ اس میں جو چاہے گا، ہمیشہ رہے گا، اسے سب سے بڑی گھبراہٹ غمگین نہ کرے گی ...منافق اور تمام کفار تو آپ ﷺ کے اصحاب نہیں تھے۔[2]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

---

[1] دیکھیں: الإسفراییني: التبصير في الدين (ص: ٢٥) تفسير ابن كثير (٤/ ٢١٩) تفسير القاسمي (١٥/ ١٠٤)

[2] المحلی (١/ ٤٢)

﴿ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُوْلٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [الحشر: ٨۔ ١٠]

’’(یہ مال) ان محتاج گھر بار چھوڑنے والوں کے لیے ہے، جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکال باہر کیے گئے۔ وہ اللہ کی طرف سے کچھ فضل اور رضا تلاش کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں۔ اور (ان کے لیے) جنھوں نے ان سے پہلے اس گھر میں اور ایمان میں جگہ بنا لی ہے، وہ ان سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کی طرف آئیں اور وہ اپنے سینوں میں اس چیز کی کوئی خواہش نہیں پاتے جو ان (مہاجرین) کو دی جائے اور اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں، خواہ انھیں سخت حاجت ہو اور جو کوئی اپنے نفس کی حرص سے بچا لیا گیا تو وہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔ اور (ان کے لیے) جو ان کے بعد آئے، وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے، جنھوں نے ایمان لانے میں ہم سے پہل کی اور ہمارے دلوں میں ان لوگوں کے لیے کوئی کینہ نہ رکھ جو ایمان لائے، اے ہمارے رب! یقیناً تو بے حد شفقت کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔‘‘

یہ آیات مہاجرین و انصار اور ان لوگوں کی مدح و ثنا پر مشتمل ہیں، جو ان کے بعد آئے اور ان کے لیے بخشش کی دعا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ ان کے دلوں میں ان کے خلاف کوئی کینہ نہ رکھے۔ یہ اس حکم کو بھی شامل ہے کہ یہ اصناف مالِ فَے کی مستحق ہیں۔ بلاشبہہ رافضہ ان تینوں اصناف سے باہر ہیں، کیوں کہ یہ سابقین کے لیے بخشش کی دعائیں نہیں کرتے اور ان کے دلوں میں ان کے خلاف کینہ ہے۔

ان آیات میں صحابہ اور اہلِ سنت کی تعریف ہے، جو ان کے ساتھ محبت اور موالات رکھتے ہیں، شیعہ کو اس سے باہر کر دیا گیا ہے اور یہ چیز رافضہ کے مذہب کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہے۔[1]

[1] منهاج السنة (١/ ٢٠٤)

اس موضوع کے متعلق آیات بہت زیادہ ہیں۔[1]

② سنتِ مطہرہ:

سنتِ مطہرہ کی کتابیں صحابہ کی تعریف اور سید الخلق کی زبان اور اس سے ان کی فضیلت سے بھری ہوئی ہیں۔

① کچھ وہ احادیث ہیں، جو اجتماعی طور پر تمام صحابہ کی تعریف کرتی ہیں، جیسے آپ ﷺ کے یہ فرامین:

''میرے صحابہ کو گالی نہ دو، میرے صحابہ کو گالی نہ دو، اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم میں سے کوئی ایک اُحد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کرے، تب بھی ان میں سے کسی ایک کے مُدّ یا نصف مُدّ کے اجر کو بھی نہ پا سکے۔''[2]

نیز فرمایا:

''لوگوں میں سے بہترین میرا زمانہ ہے، پھر ان کا جو ان کے بعد آئیں گے، پھر ان کا جو ان کے بعد آئیں گے۔ عمران نے کہا: مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے اپنے زمانے کے بعد دو زمانوں کا ذکر کیا یا تین کا۔''[3]

② کچھ وہ نصوص و احادیث ہیں، جو تعیین کر کے بعض جماعتوں کی تعریف ذکر کرتی ہیں، جیسے اہلِ بدر کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

''تجھے کیا پتا ہو؟ شاید اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کو جھانکا اور کہا: جو چاہو سو کرو، میں نے تم کو بخش دیا ہے۔''[4]

درخت کے نیچے بیعت کرنے والے، اہلِ بیعت رضوان کے بارے میں فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

''اگر اللہ نے چاہا تو درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں سے کوئی ایک بھی دوزخ میں داخل

---

[1] کتنا عمدہ ہو، اگر کوئی قرآن اور علومِ قرآن فیکلٹی کا طالب علم ''الصحابة في القرآن الكريم'' کے موضوع پر اپنا مقالہ تیار کرے، تا کہ اس طرح سے اس مثالی اور قرآنی نسل پر اللہ تعالیٰ کی زبردست تعریف وثنا کا اظہار ہو سکے۔

[2] صحيح البخاري، باب فضائل أصحاب النبي ﷺ (٤/ ١٩٥) صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب تحريم سب الصحابة ﷺ (٢/ ١٩٦٧) رقم الحديث (٢٥٤٠) سنن أبي داود، كتاب السنة، باب في النهي عن سب أصحاب رسول الله ﷺ (٥/ ٤٥) رقم الحديث (٤٦٥٨) سنن الترمذي، كتاب المناقب، باب ٥٩ (٥/ ٦٩٥۔ ٦٩٦) رقم الحديث (٣٨٦١)

[3] صحيح البخاري كتاب الشهادات، باب لا يشهد على شهادة جور إذا شهد (٣/ ١٥١) واللفظ له، صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم (٢/ ١٩٦٢) رقم الحديث (٢٥٣٣)

[4] صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أهل بدر (٢/ ١٩٤١) رقم الحديث (٢٤٩٤)

نہیں ہوگا۔‘‘[1]

ان کے علاوہ اور بھی ایسی کئی جماعتیں ہیں۔[1]

۲ وہ احادیث جو آحاد یعنی ایک ایک صحابی کی فضیلت بیان کرتی ہیں، یہ بہت زیادہ ہیں، ان کو صحاح، سنن اور مسانید کی کتابوں نے ذکر کیا ہے۔[3]

لیکن شیعہ نے اس عظیم سرچشمے سے دور رہنے ہی کو اپنے لیے پسند کیا ہے۔ یہ مقامِ استدلال میں اس کی طرف آتے ہیں نہ ان سے استدلال ہی کرتے ہیں، ہمارا اپنی روایات سے ان کے خلاف دلائل پیش کرنا، ان کے لیے کوئی معنیٰ نہیں رکھتا، کیوں کہ یہ ان پر یقین ہی نہیں رکھتے، اسی طرح ان کا ان کی اپنی روایات سے ہمارے خلاف دلائل دینا ہمارے لیے کوئی مطلب نہیں رکھتا، کیوں کہ ہم بھی ان کی روایات کی تصدیق نہیں کرتے۔ جب کہ چاہیے تو یہ کہ حریف اور مدمقابل ایک دوسرے کے خلاف اس چیز سے دلیل پیش کریں، جس کو وہ سچ مانتا ہو، جس پر اس کے ساتھ حجت قائم ہوسکتی ہے، چاہے دلیل پیش کرنے والا اس کو سچا مانتا ہو یا نہ مانتا ہو۔[4]

اس لیے میں اس مقام پر بنیادی کتابوں کے فضائلِ صحابہ کے بارے میں ابواب کا حوالہ دینے ہی پر اکتفا کرتا ہوں، جن میں صحابہ کی فضیلت و مدحت اور ان کو سب وشتم کرنے سے منع کے متعلق بہت زیادہ احادیث ہیں۔ مَیں شیعہ کی کتابوں سے بھی، شیعہ کے ائمہ کے اقوال پیش کر کے، جن کو یہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی طرح ہی سمجھتے ہیں، ان کے خلاف حجت قائم کروں گا۔

۳ ائمہ شیعہ کی صحابہ کرام کی ثنا خوانی:

ابن بابویہ کی ’’الخصال‘‘ میں ہے:

’’ابوعبداللہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا: اصحابِ رسول ﷺ ۱۲ ہزار تھے،[5] جن میں سے آٹھ

---

[1] صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أصحاب الشجرة (٢/ ١٩٤٢) رقم الحديث (٢٤٩٦)

[2]، [3] دیکھیں: جامع الأصول، باب الرابع في فضائل الصحابة ومناقبهم، وفيه خمسة فصول (٨/ ٥٤٧ وما بعدها) نیز دیکھیں: فضائل الصحابة للإمام أحمد، و فضائل الصحابة للنسائي. مزید دیکھیں: الشوكاني: در السحابة في مناقب القرابة والصحابة، الكبيسي: صحابة رسول الله ﷺ في الكتاب والسنة (ص: ١٦١)

[4] الفصل (٤/ ١٥٩)

[5] یہ کسی جاہل کی وضع کاری ہے۔ وہ صحابہ جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ حنین میں شریک تھے، ان کی تعداد عورتوں اور اَتباع کے علاوہ بارہ ہزار تھی۔ اہلِ ہوازن بھی آپ کے پاس مسلمان ہوکر آ گئے اور آپ ﷺ نے مکہ کو لوگوں سے بھرا ہوا چھوڑا۔ اسی طرح مدینے کی صورتِ حال تھی۔ جتنے قبائلِ عرب آپ کے ساتھ چلے، وہ تمام مسلمان تھے اور ان کو آپ ﷺ کی صحبت ←

ہزار مدنی، دو ہزار مکی اور دو ہزار آزاد شدگان (فتح مکہ کے بعد جن کو معافی ملی تھی) تھے، جن میں کوئی قدری تھا نہ مرجی، نہ حروری، نہ معتزلی اور نہ کوئی صاحبِ رائے ہی، وہ دن رات آہ وزاری کیا کرتے تھے۔''[1]

ملا باقر مجلسی ''بحار الأنوار'' صادق عن آبائہ عن علی کی سند سے بیان کرتا ہے کہ حضرت علی نے کہا:

''میں تم کو اصحابِ نبی ﷺ کے بارے میں وصیت کرتا ہوں، ان کو گالی نہ دو، جنھوں نے آپ ﷺ کے بعد کوئی بدعت ایجاد نہیں کی نہ کسی بدعتی کو پناہ ہی دی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق خیر اور اچھائی کی وصیت کی ہے۔''[2]

''بحار الأنوار'' ہی میں ہے:

''نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے مجھ کو دیکھا، اس کے لیے خوش خبری ہے۔ جس نے مجھ کو دیکھنے والے کو دیکھا، اس کے لیے بھی خوش خبری ہے اور جس نے مجھ کو دیکھا، پھر اس کو جس نے دیکھا اور جس نے اس کو دیکھا، اس کے لیے بھی خوش خبری ہے۔''[3]

(شیعہ کے ساتویں امام) موسیٰ بن جعفر سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اپنے صحابہ کے لیے امان ہوں، جب میری روح قبض ہو جائے گی، تو میرے اصحاب کے وہ قریب ہو جائے گا، جس کا ان کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔ میرے صحابہ میری امت کے لیے امان ہیں، جب میرے اصحاب دنیا سے چلے جائیں گے تو میرے امت کے وہ قریب ہو جائے گا، جس کا ان کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔ یہ دین اس وقت تک تمام ادیان پر غالب رہے گا، جب تک تم میں ایسا شخص موجود رہے گا، جس نے مجھے دیکھا ہوگا۔''[4]

← حاصل تھی۔ تبوک میں بھی آپ ایک ساتھ ایک جم غفیر تھا جس کو کسی رجسٹر میں شمار کرنا ناممکن تھا۔
اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر حاضر ہونے والے تمام افراد کو بھی صحبتِ نبی کا شرف حاصل تھا۔ (ابن اثیر: أسد الغابة: ١/ ١٢)
امام ابو زرعہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ جب فوت ہوئے، تب تک جن لوگوں کو مردوں عورتوں سمیت آپ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہونے کا موقع ملا تھا، ان کی تعداد ایک لاکھ افراد سے متجاوز ہے۔'' (تدریب الراوي: ٢/ ٢٢١، الإصابة، الذهبي، تجريد أسماء الصحابة ﷺ (ص: ب) قابلِ اعتبار قول یہ ہے کہ ''صحابہ کی کوئی متعین تعداد ثابت نہیں۔ دیکھیں: السخاوي: فتح المغيث (٣/ ١١١)

[1] ابن بابويه القمي: الخصال (ص: ٦٣٩۔ ٦٤٠) نیز دیکھیں: المجلسي: البحار (٢٢/ ٣٠٥)

[2] المجلسي: البحار (٢٢/ ٣٠٥۔ ٣٠٦)

[3] أمالي الصدوق (ص: ٢٤٠۔ ٢٤١) بحار الأنوار (٢٢/ ٣٠٥)

[4] المجلسي: البحار (٢٢/ ٣٠٩۔ ٣١٠) مجلسی نے اسے نوادر الراوندي (ص: ٢٣) کی طرف منسوب کیا ہے۔

شیعہ عالم ابن بابویہ قمی (مشہور صدوق) کی کتاب "معاني الأخبار" میں ہے:

''جعفر بن محمد اپنے اجداد سے بیان کرتا ہے کہ انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو تم کتاب اللہ میں پاؤ، تو اس پر عمل کرنا، تمھارے لیے ضروری ہے اور اس کو ترک کرنے کا تمھارے پاس کوئی عذر نہیں۔ جو کتاب اللہ میں تو نہ ہو، لیکن اس میں میری سنت ہو، تو میری سنت ترک کرنے کے لیے بھی تمھارے پاس کوئی عذر نہیں۔ جس مسئلے میں میری سنت بھی موجود نہ ہو تو اس میں جو میرے صحابہ نے کہا: تم بھی اسے ہی اختیار کرو۔ میرے اصحاب تم میں ستاروں کی مانند ہیں، جس کسی کی بھی اقتدا کی گئی، راہِ ہدایت مل گئی۔

''میرے صحابہ کے جس قول کو بھی تم اختیار کرو گے، ہدایت پا جاؤ گے (اس کے بعد فرقے بازی کے داعیوں نے اس عبارت میں یہ اضافہ کرلیا) کہا گیا: کیا اے اللہ کے رسول! آپ کے اصحاب کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے اہلِ بیت۔''[1]

بلاشبہہ صحابہ کی اہلِ بیت کے ساتھ تفسیر کرنا بہت زیادہ بعید از حقیقت ہے، شیعہ صدوق نے اس بُعد اور دوری کو محسوس کیا، لہٰذا گذشتہ عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے اس نے کہا:

''یقیناً اہلِ بیت اختلاف نہیں کرتے، لیکن وہ شیعہ کو کڑوے حق کا فتویٰ دیتے ہیں، بعض اوقات وہ ان کو تقیے کا فتویٰ بھی دیتے ہیں، چناں چہ ان کے جس قول میں اختلاف ہو تو وہ تقیے کی وجہ سے ہوگا اور تقیہ شیعہ کے لیے رحمت ہے۔''[2]

وہ یہاں اس عبارت کو، جو صحابہ کی تعریف میں ہے، تقیے پر محمول کرتا ہے، جب کہ عقل و منطق اس تاویل پر حرفِ اعتراض بلند کرتے ہیں۔ صحابہ کی تعریف، جس کی خود اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مدح سرائی کی ہو اور تاریخ نے ان کی فضیلت اور جہاد کی گواہی دی ہو، تقیہ کیوں کر ہوسکتی ہے، جب کہ ان کو گالی دینا حقیقت پر محمول ہو اور وہ ائمہ کا مذہب بھی ہو؟

شیعہ کے پاس حقیقت میں اس کی بہ جز اس کے کوئی دلیل نہیں کہ یہ مذہب دشمنانِ امت کی منطق کے عین مطابق ہے۔ پھر یہ سابقہ عبارت جس کو جعفر صادق رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، یا تو رسول اللہ ﷺ بھی تقیہ کرتے ہوئے امت پر جھوٹ بولتے ہیں، یا پھر جعفر تقیے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھتے

---

[1] ابن بابويه: معاني الأخبار (١٥٦۔ ١٥٧) المجلسي: البحار (٢٢/ ٣٠٧)

[2] المصدر السابق.

ہیں؟ دونوں باتیں ہی رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اہلِ بیت پر طعن ہیں اور نصوص و روایات کے صراحتاً مخالف ہیں۔

"نهج البلاغة" میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ، ابوبکر یا عمر، اس میں شیعہ کے اختلاف کے مطابق، کے بارے میں کہتے ہیں:[1]

"فلاں نے اللہ کی راہ میں بہت کچھ پیش کیا، اس نے ٹیڑھے پن کو درست کر دیا، بیماری کا علاج کیا، سنت قائم کی، فتنے کو اپنے پیچھے چھوڑا (یعنی اس سے محفوظ رہا) اس عالم میں گیا کہ اس کا دامن پاک تھا، اس میں عیب نہ ہونے کے برابر تھے، اس کی خیر کو حاصل کیا، اس کے شر سے پہلے ہی چلا گیا، اللہ کی اطاعت کا حق ادا کیا اور اس سے اس طرح تقویٰ اختیار کیا، جس طرح اس کا حق تھا۔"[2]

یہ ایک عظیم الشان اقتباس اور روایت ہے، جو ان عداوت و کشمکش کے تمام قلعوں کو مسمار کر دیتی ہے، جو انھوں نے شیخین اور حضرت علی کے درمیان تعمیر کیے تھے۔ روافض کو اس جیسی روایت نے حیرت میں ڈال رکھا ہے، کیوں کہ یہ "نهج البلاغة" میں ہے اور "نهج البلاغة" ان کے نزدیک قطعی الثبوت ہے۔

شیعہ کے عالم میثم البحرانی نے ان الفاظ میں اس کی تصویر کشی کی ہے:

"جان لو! یہاں شیعہ نے ایک سوال اٹھایا ہے کہ یہ تعریفات جن کو اس نے دو آدمیوں میں سے ایک کے حق میں ذکر کیا ہے، ان کو غلط قرار دینے اور ان دونوں کے منصبِ خلافت غصب کرنے کے بارے میں اجماع کے منافی ہیں، یا تو یہ حضرت علی کا کلام نہیں یا پھر ہمارا اجماع غلط ہے۔"

اس کے بعد انھوں نے اس کلام کو تقیے پر محمول کیا ہے اور اس کی یہ توجیہ پیش کی ہے کہ انھوں نے اس جیسی تعریف "ان کی دوستی پانے کے لیے کہی تھی، جو شیخین کی خلافت کے صحیح ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے" یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ۔ان کے خیال کے مطابق۔ صحابہ کو دھوکا دینا چاہا اور ان کے سامنے اس بات کے خلاف اظہار کیا، جس کو دل میں چھپائے ہوئے تھے، جب کہ انھوں نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا، جو جھوٹ پر مبنی ہے۔ یہ اس شخص کا جواب ہے، جو حضرت علی کا شیعہ اور محبّ ہونے کا دعویدار ہے!![3]

میرا نہیں خیال کہ کوئی بھی صاحبِ خرد اس جواب پر مطمئن ہو سکے گا۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ شیعہ کا اجماع

---

[1] دیکھیں: ميثم البحراني: شرح البلاغة (٤/ ٩٧)

[2] نهج البلاغة (ص: ٣٥٠) تحقيق صبحي الصالح.

[3] ميثم البحراني: شرح نهج البلاغة (٤/ ٩٨)

گمراہی ہے اور حضرت علی کا قول حق اور سچ ہے، ان کو صحیح بات کے اظہار میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا کوئی خوف نہیں تھا۔ کوئی کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ ان کی کتابوں سے نقل کردہ یہ اقتباسات شیعہ کی صحابہ کرام کی تکفیر کے نقیض اور الٹ ہیں، جس کا پہلے ذکر ہوا ہے۔

اس کا جواب اثبات میں ہے، کیوں کہ یہ مذہب اپنی روایات میں یہی متناقض صورت پیش کرتا ہے، لیکن ان کے علما اور شیوخ نے ایسے اصول وضوابط وضع کیے ہیں، جن کو انھوں نے ان روایات سے گلوخلاصی پانے اور اس تناقض سے نکلنے کے لیے ائمہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ شیعہ کا ایک قاعدہ یہ ہے کہ یہ تناقض مذہب کی حقیقت چھپانے کے لیے مطلوب ومقصود ہے، تاکہ عامہ یعنی اہلِ سنت، شیعہ اور شیعہ مذہب کا کام ہی تمام نہ کردیں۔[1]

شیعہ کا کہنا ہے کہ اختلاف کے وقت: ''اس کو اختیار کرو، جو عامہ کے خلاف ہو، کیوں کہ اسی میں رشد وہدایت ہے۔''[2] اس لیے ان کے علما ان جیسی عبارات کو تقیے پر محمول کرتے ہیں۔ مزید برآں یہ روایات ان اخبار وروایات کی نسبت بہت زیادہ تھوڑی ہیں، جو لعنت وتکفیر پر مشتمل ہیں، لہٰذا وہ ان کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے۔

شیعہ کا عالم مفید کہتا ہے:

> ''جو بات تقیہ کرتے ہوئے صادر ہوئی ہو، اس کی ائمہ سے روایت زیادہ نہیں، جس طرح معمول بہ روایات کی کثرت ہے۔''[3]

اسی لیے آپ ابن بابویہ اور میثم کی تعلیق میں ملاحظہ کرتے ہیں کہ اس لیے یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ روایت جس میں صحابہ کی مدح ذکر ہوئی ہے، وہ برسبیلِ تقیہ ذکر ہوئی ہے۔ اگر بات یہی ہے تو میں نے یہ اور اس جیسی روایات، عقلا کے سامنے اس مذہب کا تناقض ثابت کرنے کے لیے اور پیروانِ شیعہ مذہب میں سے حق کی تلاش کرنے والے افراد کو یہ سمجھانے کے لیے ذکر کی ہیں کہ یہ روایات حقیقت پر مبنی ہیں، برسبیل تقیہ نہیں، کیوں کہ یہ کتاب اللہ اور اجماعِ امت کے ساتھ اتفاق رکھتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ تقیے کے عقیدے نے مذہب کو علما کے ہاتھوں کھلونا بنا کر رکھ دیا ہے، وہ جس طرح چاہتے ہیں، اس کو اسی طرف موڑ لیتے ہیں۔ اب شیعہ مذہب اہلِ بیت کا مذہب نہیں رہا، بلکہ یہ کلینی، قمی، مجلسی اور ان کے ہم نواؤں کا مذہب بن چکا ہے۔

---

[1] دیکھیں: أصول الکافي (١/ ٦٥)

[2] دیکھیں: اسی کتاب کا صفحہ نمبر (٤٤٦)

[3] تصحیح الاعتقاد (ص: ٧١)

عقل، تاریخ، تواتر (تعامل) اور اجماع کی دلالت:

یہ بات تواتر اور تسلسل کے ساتھ ہر عام و خاص کو معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک خاص اہمیت رکھتے تھے اور ان حضرات کو رسول اللہ ﷺ کے ہاں تمام صحابہ سے بڑھ کر خصوصیت، صحبت اور قرب حاصل تھا۔ آپ ﷺ نے ان تمام سے رشتہ مصاہرت قائم کیا۔ آپ ﷺ ان سے محبت کرتے اور ان کی تعریف کرتے، لہٰذا یا تو وہ آپ ﷺ کی زندگی میں بھی اور آپ ﷺ کی موت کے بعد بھی ظاہری و باطنی استقامت پر ثابت قدم تھے یا پھر وہ آپ کی زندگی میں یا آپ کی موت کے بعد اس کے برعکس تھے۔ اگر وہ اس درجہ قرب کے باوجود استقامت پر نہیں تھے تو پھر دو باتوں میں سے ایک لازمی ہے کہ یا تو آپ ﷺ کو ان کے حالات کی خبر نہیں تھی یا آپ ﷺ مداہنت اور تغافل کا مظاہرہ کرتے رہے اور ان دونوں نتیجوں میں سے جو نتیجہ بھی اختیار کیا جائے، وہ رسول اللہ ﷺ کی ذات پر سب سے بڑا حملہ اور آپ ﷺ پر طعنہ زنی متصور ہوگی۔ جیسا کہ کہا گیا ہے:

فَإِنْ كُنْتَ لَا تَدْرِيْ فَتِلْكَ مُصِيْبَةٌ
وَإِنْ كُنْتَ تَدْرِيْ فَالْمُصِيْبَةُ أَعْظَمُ

''اگر تم نہیں جانتے تو یہ ایک مصیبت ہے، لیکن اگر تم جانتے ہو، تو پھر زیادہ بڑی مصیبت ہے۔''

اگر وہ استقامت کے بعد منحرف ہوگئے تھے، تو یہ خود اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول کو امت کے خواص اور آپ کے اکابر صحابہ کے ہاتھوں رسوا کرنا ہے، جن کے ساتھ اس نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب کرے گا، چناں چہ یہ محال ہے کہ آپ ﷺ کے خواص میں سے بھی اکابر مرتد ہوجائیں؟!

یہ اور اس طرح کی باتیں کر کے حقیقت میں رافضہ خود رسول اللہ ﷺ کی ذات کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں، تاکہ کوئی دریدہ دہن یہ بھی کہہ دے کہ وہ ۔نعوذ باللہ۔ ایک برا آدمی تھا، جس کے ساتھی بھی برے تھے، اگر وہ نیک ہوتا تو اس کے ساتھی بھی نیک ہی ہوتے!

اسی لیے اہلِ علم کہتے ہیں: ''رافضہ زندیقیت کی دسیسہ کاری ہے۔''[1]

مرتد اس وقت دین سے پھرتا ہے، جب اس کے دل میں کوئی اعتراض یا شبہہ پیدا ہو یا وہ شہوت پرست ہو۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام کے آغاز میں شکوک و شبہات اور شہوات طاقت ور تھیں، کیوں کہ اس

---

[1] منهاج السنة (٤/ ١٢٣)

وقت اسلام کمزور تھا، مسلمان تھوڑے تھے، کفار عام زمین پر قابض و مسلط تھے، مسلمانوں کو مکہ میں اذیتوں کا شکار بنایا جاتا، ان کے عزیز و اقارب اور مشرکین ان کو ایسی ایسی اذیتیں دیتے تھے کہ الامان و الحفیظ، لیکن وہ ان تکلیفوں پر صبر کرتے اور آزمایش کے کڑوے گھونٹ پی کر رہ جاتے۔

انھوں نے اس وقت رسول اللہ ﷺ کا دامن پکڑا، جب آپ اکیلے، محتاج، ڈرے ہوئے اور مجبور و مغلوب تھے۔ تمام اہلِ زمین آپ کے خلاف دشمنی میں ایک ہاتھ ہو چکے تھے، انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی خاطر اپنے گھر، اپنے وطن اور اپنی معاشرتی عزت و شرف اور ساکھ سب کچھ تج کر دیا۔

انھوں نے یہ سب کچھ اپنی مرضی اور اختیار سے کیا، لہٰذا جن کا ایمان اسلام کے ضعف اور کمزوری کی حالت میں پہاڑوں کی طرح مضبوط ہو، وہ اس کے ظہور اور انتشار کے بعد کس طرح کمزور ہو سکتا ہے۔[1] بالخصوص ان کے ارتداد کا جو سبب بیان کیا جاتا ہے، وہ ان کا حضرت علی کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر کی بیعت کرنا ہے!!

اس میں کوئی ایسی چیز نہیں، جس نے ان کو اپنے ایمان کی قربانی دینے، سبقتِ اسلام اور جہاد سے ہاتھ دھونے اور محض ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خاطر آخرت بیچ دینے پر مجبور کیا ہو۔ اگر ان کو علم ہوتا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت اللہ کے ساتھ کفر اور دین سے مرتد ہونے کے مترادف ہے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کی بیعت کرنے کے لیے وصیت کی ہوئی ہے اور ان کو علم ہوتا کہ علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنا نبی کریم ﷺ کی اطاعت اور دین پر استقامت کا موجب ہے تو وہ ایسا کیوں نہ کرتے؟

کیا کوئی یہ سمجھ سکتا ہے کہ مہاجرین و انصار اللہ کے ساتھ کفر میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فرماں برداری کرتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے فرمان کو نظر انداز کر دیتے، جو اپنے گھروں سے محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور فضل چاہنے کی خاطر بے دخل کر دیے گئے اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں اور وہی سچے ہیں۔

- رافضہ کے تکفیرِ صحابہ کے مذہب سے حضرت علی کی تکفیر بھی لازم آتی ہے، کیوں کہ وہ اللہ کا اَمر قائم کرنے سے دست کش ہو گئے تھے، نیز اس سے شریعت کے تواتر و تسلسل کا انکار بلکہ باطل ہونا بھی لازم آتا ہے، کیوں کہ اس کو نقل کرنے والے مرتد تھے۔ مزید برآں یہ قرآن میں بھی تنقید کا باعث ہے، کیوں کہ یہ ہمارے پاس ابوبکر، عمر، عثمان اور ان کے بھائیوں کے ذریعے پہنچا ہے اور یہی اس نظریے کے خالق کا ہدف اور مقصد ہے، اسی لیے امام ابوزرعہ نے فرمایا ہے:

---

[1] منهاج السنة (٤/ ١٢٨)

''جب آپ کسی آدمی کو کسی صحابی کی شان میں گستاخی کرتا دیکھیں تو سمجھ لیجیے وہ زندیق ہے، کیوں کہ رسول بھی حق ہے اور قرآن بھی حق اور یہ قرآن و سنت ہم تک اصحابِ رسول ﷺ نے پہنچائے ہیں۔ یہ لوگ ہمارے گواہوں کو مجروح و مطعون قرار دینا چاہتے ہیں، تا کہ کتاب و سنت کو باطل کر سکیں، جب کہ جرح و تنقید کے یہی لوگ سب سے زیادہ مستحق ہیں، کیوں کہ یہ زنادقہ ہیں۔''[1]

اسی بنا پر شیعہ کی کتابیں بھی یہ اعتراف کرتی ہیں کہ یہ نظریہ ابن سبا نے پیدا کیا اور ''وہ پہلا شخص تھا، جس نے ابوبکر، عمر، عثمان اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جرح و تنقید کا اظہار کیا، ان سے براءت کا اعلان کیا اور یہ دعویٰ کیا کہ خود حضرت علی نے اس کو اس شے کا حکم دیا تھا۔''[2]

- حضرت علی کے ساتھ جن لوگوں نے لڑائی کی، آپ رضی اللہ عنہ نے ان میں سے کسی کو بھی کافر قرار نہیں دیا، خوارج کو بھی نہیں، نہ کسی کی اولاد کو جنگی قیدی بنایا نہ کسی کا مال بہ طورِ غنیمت لوٹا اور نہ کسی کو مرتد قرار دیا، جس طرح حضرت ابوبکر نے اور تمام صحابہ کرام نے بنی حنیفہ اور ان جیسے دیگر مرتدین پر ارتداد کا حکم لگایا تھا۔ بلکہ وہ طلحہ و زبیر اور دیگر اپنے خلاف لڑنے والوں پر رضا مندی کا اظہار کیا کرتے تھے اور ان کے ساتھ اور اصحابِ معاویہ کے ساتھ مسلمانوں کی طرح ہی پیش آیا کرتے تھے۔ بلکہ صحیح سند کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ جنگِ جمل کے دن ان کا ہرکارہ اعلان کر رہا تھا:

''کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے، کسی زخمی کی گردن نہ ماری جائے اور نہ غنیمت میں مال ہی لوٹا جائے...۔''[3]

آثار و روایات مشہور ہیں کہ وہ حضرت معاویہ کے لشکر میں قتل ہونے والوں کے بارے میں کہا کرتے تھے:

''وہ تمام مسلمان ہیں، نہ کفار ہیں نہ منافقین۔''[4]

یہ حقائق خود شیعہ مراجع سے بھی ثابت ہیں۔ شیعہ کی معتبر کتابوں میں یہ روایت مذکور ہے:

''جعفر اپنے والد سے ذکر کرتے ہیں کہ حضرت علی ان لوگوں کو شرک اور منافقت کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے، جنھوں نے ان کے خلاف جنگوں میں حصہ لیا، لیکن وہ کہا کرتے تھے کہ انھوں نے

---

[1] الكفاية: (ص: ٤٩)

[2] القمي: المقالات والفرق (ص: ٢٠) النوبختي: فرق الشيعة (ص: ١٩۔ ٢٠)

[3] خوارج نے ان کا یہ فعل ناپسند کیا، حتی کہ ابن عباس نے ان کے ساتھ اس مسئلے میں مناظرہ کیا۔ (منهاج السنة: ٤/ ١٨١)

[4] منهاج السنة (٤/ ١٨١)

ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔''[1]

لیکن ان کا عقیدہ تقیہ ان کے دین کو علما کا دین قرار دیتا ہے، ائمہ کا دین نہیں۔ حر عاملی سابقہ روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے: ''میں کہتا ہوں: یہ تقیے پر محمول ہے۔''[2]

اہلِ امصار کے نام حضرت علی کے خط میں ان کے اور اہلِ صفین کے مابین ہونے والے معاملے کا ذکر ہوا ہے، جس میں وہ کہتے ہیں:

''شروع میں ہمارا شام کے کچھ لوگوں کے ساتھ آمنا سامنا ہوا۔ ظاہری بات یہ ہے کہ ہمارا رب ایک ہے اور ہماری اسلام کی دعوت بھی ایک ہی ہے، نہ ہم ان سے اللہ پر ایمان اور رسول کی تصدیق میں مزید اضافے کے خواہاں ہیں، نہ یہ ان کا ہم سے مطالبہ ہے۔ معاملہ ایک ہی ہے۔ اختلاف صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے بارے میں ہے اور ہم اس سے بَری ہیں۔''[3]

انھوں نے ان لوگوں کے فعل کو ناپسند کیا ہے، جو حضرت معاویہ اور ان کے ساتھیوں کو گالیاں دیتے تھے۔ چناں چہ وہ فرماتے ہیں:

''میں یہ تمھارے لیے ناپسند کرتا ہوں کہ تم گالیاں دینے والے ہو جاؤ، لیکن اگر ان کے اعمال بیان کرو اور ان کے احوال ذکر کرو تو یہ زیادہ درست کلام اور ان کی عذر خواہی کے لیے زیادہ بہتر ہے، تمھیں ان کو گالیاں دینے کے بجائے یہ کہنا چاہیے تھا: اے اللہ! ان کے اور ہمارے درمیان خون ریزی کو بند کر دے اور ہمارے اور ان کے درمیان صلح کر دے۔''[4]

یہ سب وشتم ان کی صحیح ترین کتاب کے اعتراف کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیرت اور رویہ نہیں تھا۔

- سلمان اور عمار کی طرح کے وہ لوگ جن کو شیعہ ارتداد کے حکم سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، ان کو صرف اس وجہ سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، کیوں کہ ان کا خیال ہے کہ یہ لوگ بھی حضرت ابوبکر و عمر کی تکفیر اور ان کی بیعت کا انکار کر کے مذہبِ رفض و انکار کے پیروکار تھے۔ یہ بات روافض کی تلبیس کاریوں اور حقیقت کی پردہ پوشی کرنے والی کارستانیوں میں سے ایک ہے، کیوں کہ ان میں سے کسی ایک ایسے شخص کا بھی ذکر نہیں

---

[1] قرب الإسناد (ص: ٦٢) وسائل الشيعة (١١/ ٦٢)

[2] وسائل الشيعة (١١/ ٦٢)

[3] نهج البلاغة (ص: ٤٤٨)

[4] المصدر السابق (ص: ٢٣٢)

ملتا ہے، جس نے حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے ان کی خلافت کے بارے میں کوئی جھگڑا کیا ہو۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدائن کے گورنر مقرر تھے، جو ان کی امامت اور اطاعت کے داعی تھے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کے گورنر مقرر تھے اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ کے لشکروں اور غزوات میں شامل تھے، لہٰذا رافضہ کی یہ تلبیس کاری کس طرح چل سکتی ہے؟[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات کے متعلق تاریخی واقعات قطعیت اور تواتر کے ساتھ معروف ومشہور ہیں کہ ان پر مصائب وآلام کے اتنے شدید پہاڑے ٹوٹے کہ یہ مصائب بھی عاجز آ گئے، لیکن انھوں نے اللہ تعالیٰ پر کسی چیز کو ترجیح نہ دی۔ اللہ کی راہ میں اپنی جانیں قربان کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے اپنے نبی کی تائید ونصرت کی اور ان کے ذریعے اپنا دین غالب کیا۔ چناں چہ ان پر وہ شخص طعن وتشنیع اور تبرا بازی کی کس طرح جسارت کر سکتا ہے، جس نے اپنی ساری زندگی کی گھڑیوں میں ایک ایک گھڑی بھی اللہ تعالیٰ کو نہ پہچانا! یا کوئی شخص جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہو، ان کو گالی گلوچ کرنے کی کس طرح جرأت رکھ سکتا ہے؟![2]

اسی لیے حافظ خطیب بغدادی نے کہا ہے:

''اگر ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کچھ نہ بھی ذکر کیا ہوتا، تب بھی ان کے جو حالات ہم نے ذکر کیے ہیں کہ انھوں نے دین کے لیے ہجرت کی، جہاد ونصرت کے کام کیے، اموال اور جانیں قربان کیں، اپنے آبا و اولاد کو قتل کیا اور کروایا، دین کے لیے خیر خواہی اور نصیحت کی اور ان کی جو قوت ایمانی تھی، صرف یہی چیزیں ان کی عدالت اور پاکدامنی کا قطعی یقین دلانے کے لیے کافی ہیں۔''[3]

جو شخص سیرت نبوی کے حالات اور واقعات کا مطالعہ کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو جس ظلم وستم اور جن اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا، حتی کہ تمام عرب ہی آپ کے اور آپ کے صحابہ کے خلاف یکمشت ہو گئے، انھوں نے مکہ کی سنگریلی زمین پر قریش کا ظلم برداشت کیا، شعب ابی طالب میں بائیکاٹ اور حصار کی سختیوں کا عذاب چکھا، وطن، اہل وعیال اور خاندان کی فرقت برداشت کرنا پڑی، کبھی حبشہ ہجرت کی تو دوسری مرتبہ مدینے کی طرف رختِ سفر باندھا، جہاد اور قربانیوں کی مشقتیں، جھلیں حتی کہ اہل وعیال اور خاندان سے بھی لڑائیاں مول لیں، جو شخص ان حالات پر تھوڑا سا بھی غور وفکر کرتا ہے، وہ اس نسل کی عظمت، قوت، ایمان اور

[1] أبو المحاسن الواسطي: المناظر (الورقة: ٦٦) نیز دیکھیں: اسی کتاب کا صفحہ نمبر (٨٦)

[2] التنبیه والرد (ص: ١٠۔ ١١)

[3] الكفاية (ص: ٤٩) نیز دیکھیں: الإيجي: المواقف (ص: ٤١٣)

یا مردگی کا قائل ہو جاتا ہے۔

امیر المومنین حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی عملی اور حقیقی زندگی سے ایسے قرائن وشواہد اور دلائل موجود ہیں، جو ان کے اپنے بھائیوں حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان کے ساتھ تعلقات پر شاہد ہیں اور وہ اتنے معروف ومشہور ہیں کہ روافض نے بھی انھیں نقل کیا ہے، جو صحابہ کرام کے ان منتخب افراد اور اس چنیدہ ہر اول دستے کے مابین سچی محبت اور گہرے بھائی چارے کو ثابت کرتے ہیں۔

ان دلائل اور قرائن میں سرفہرست امیر المومنین حضرت علی کا اپنی بیٹی ام کلثوم کو امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حبالہ عقد میں دینا ہے۔[1] اگر اس امت کے عمر فاروق رضی اللہ عنہ اثنا عشریہ کے نزدیک ابلیس سے بھی بڑے کافر ہیں تو کیا یہ اپنی عقلوں کو بروے کار نہیں لاتے اور بالکل تدبر نہیں کرتے کہ ان کا یہ مذہب کس فساد پر منتج ہوتا ہے؟

اگر ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کافر ہوتے تو حضرت علی اپنی بڑی بیٹی ام کلثوم کا حضرت عمر سے نکاح کر کے کافر فاسق یا اپنی بیٹی کو (نعوذ باللہ) زنا کے لیے پیش کرنے والے نہ ہو جاتے، کیوں کہ کافر کا مسلمان عورت کے ساتھ ہم بستری کرنا خالص زنا ہے۔[2]

ایک صاحبِ عقل، انصاف پسند، بے غرض اور سچا شیعہ اس حقیقت کو قبول کیے بغیر اور کوئی چارہ نہیں رکھتا، یعنی خلفاے اربعہ کے مابین محبت اور مودت کی حقیقت، اس لیے جب معز الدولہ احمد بن بویہ سے، یہ رافضی تھا اور صحابہ کو دشنام طرازی کیا کرتا تھا، کہا گیا کہ حضرت علی نے اپنی بیٹی ام کلثوم حضرت عمر سے شادی کی تھی، تو اس نے اس کو بہت گراں سمجھا اور کہا:

''مجھے اس کا علم نہیں تھا۔ پھر اس نے اپنا اکثر مال صدقہ کر دیا، اپنے غلام آزاد کر دیے، بہت سارے جو حق دبائے تھے، واپس کر دیے اور رونا شروع کر دیا، حتی کہ اس پر غشی طاری ہوگئی۔''[3]

کیوں کہ اس کو اس جرم کی سنگینی کا احساس ہوگیا تھا، جو وہ ساری زندگی کرتا رہا اور روافض کے شبہات اور اعتراضات سے دھوکا کھا کر ان پاک باز شخصیات کی عزتوں کو نوچتا رہا۔ شیعہ کے علما نے اس دلیل کے اثر کو زائل کرنے کی پوری کوشش کی ہے، چناں چہ انھوں نے ائمہ کی طرف سے ایسی روایات گھڑ لی ہیں، جو کہتی ہیں:

''یہ وہ شرم گاہ ہے، جو ہم سے چھین لی گئی تھی۔''[4]

---

[1] دیکھیں: عقد أم كلثوم للشيخ فاروقي، محمد صديق: التحقيق الجلى في تزوج أم كلثوم بنت علي.

[2] السمعاني: الأنساب (١/ ٣٤٧)

[3] ابن الجوزي: المنتظم (٧/ ٣٨ـ ٣٩)

[4] فروع الكافي (٢/ ١٠) وسائل الشيعة (٧/ ٤٣٤ـ ٤٣٥)

یہ بات کہہ کر انھوں نے جلتی پر مزید تیل کا کام کیا ہے اور امیر المومنین کو (نعوذ باللہ) ایک ایسے دیوث (بے غیرت) کی شکل میں پیش کیا ہے، جو اپنی عزت کی بھی حفاظت نہیں کر سکا اور اپنے گھر میں بدکاری کو برداشت کرتا رہا ہے۔ کیا اس جیسی بات امیر المومنین حضرت علی کے بارے میں سوچی بھی جا سکتی ہے؟! ایک حقیر ترین عرب بھی اپنی عزت و حرمت کی خاطر اپنی جان تک قربان کر دیتا ہے، نو ہاشم تو ایک طرف رہے، جو مساواتِ عرب، بلند و بالا حسب و نسب کے حامل اور حمیت و مروت کی چوٹیوں پر فائز تھے۔ وہ کس طرح امیر المومنین کے لیے اس جیسا قبیح عیب برداشت کر سکتے تھے اور امیر المومنین کون تھے؟ بہادر و شجاع، شریف عرب شیر بنی غالب اور مشرق و مغرب میں اللہ تعالیٰ کے شیر۔'' [1]

ایسے لگتا ہے کہ بعض شیعہ علما کو یہ توجیہ پسند نہیں آئی، چناں چہ اس نے ایک عجیب و غریب منطق پیش کر کے اس سے چھٹکارا پانا چاہا۔ وہ کہتا ہے:

''ام کلثوم حضرت علی کی بیٹی نہیں تھی، بلکہ وہ ایک جن زادی تھی، جس نے ام کلثوم کی شکل اختیار کر لی تھی۔'' [2]

ان کے درمیان قرابت داری اور گہرے تعلقات قائم تھے اور محبت کے مظاہر بھی نظر آتے تھے۔ یہ بھی ان قرائن اور شواہد میں داخل ہیں۔ یہی نہیں بلکہ حضرت علی اور حسن و حسین نے اپنے بعض بچوں کے نام ابوبکر اور عمر کے نام پر رکھے تھے۔ کیا کوئی شخص اپنی اولاد کے نام اپنے سب سے بڑے دشمن کے نام پر رکھنے کا متحمل ہو سکتا ہے، جس کے ساتھ کفر اور ناپسندیدگی کا رشتہ ہو؟

کیا کوئی شخص اپنے گھر کے کونے کونے میں اپنے دشمنوں کے نام سننے کا حوصلہ رکھ سکتا ہے، جن کو وہ دن بھر اپنے اہل کے ساتھ بار بار دہراتا ہو؟ [3]

---

[1] السویدي: مؤتمر النجف (ص: ٨٦)

[2] دیکھیں: الأنوار النعمانية (١/ ٨٣۔ ٨٤) اسماعیلیہ کی کتب میں بھی اسی طرح کی توجیہ مذکور ہے۔ دیکھیں: الهفت الشريف (ص: ٨٤ وما بعدها)

[3] آلِ بیت اور اصحابِ رسول ﷺ کے درمیان مصاہرانہ تعلقات اور آلِ بیت کے ان بچوں کے متعلق جاننے کے لیے جن کے نام خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کے نام پر تھے، محبّ الدین خطیب کی کتاب: ''حملة رسالة الإسلام الأولون وما كانوا عليه من المحبة والتعاون (ص: ١١ وما بعدها) نیز ملاحظہ کیجیے: نشأة التشيع وتطوره (ص: ١٢ وما بعدها) نیز دیکھیں: احسان إلٰهی ظهير: الشيعة والسنة. یہاں یہ سب کچھ تکرار کے ساتھ نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

دوسری فصل

عصمتِ امام

مسئلہ عصمتِ امام شیعہ کے ہاں بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔[1] یہ ان کے اعتقادی ڈھانچے کی اساسیت میں شامل ہے۔[2]

عصمت کا لغوی معنی:

عصمت عربی زبان میں منع کے معنی میں ہے۔ کہتے ہیں: "عصمة الله عبده" (اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کو اس سے بچانا جو اس کو ہلاک کرسکتا ہو)۔ "اعتصم فلان بالله" (اللہ کی پناہ میں آنا)[3]

شیعہ کے نزدیک عصمت کا معنی شیعیت کے اطوار اور ارتقا کے حسبِ حال مختلف ہوجاتا ہے، لیکن ظاہر یوں ہوتا ہے کہ ائمہ کی عصمت کے متعلق شیعہ کا مذہب اس موقف پر آ کر ٹھہر گیا ہے، جس کو اپنے زمانے کے شیعہ عالم، مولف "بحار الأنوار" ملا باقر مجلسی (المتوفی ۱۱۱۱ھ) نے اپنے اس قول میں مقرر کیا ہے:

"جان لو! امامیہ کا اتفاق ہے کہ ائمہ صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے معصوم ہیں، ان سے اصلاً گناہ کا صدور ممکن ہی نہیں، عمداً، نسیاناً یا تاویل وتفسیر میں غلطی یا ان کو اللہ تعالیٰ کا بھلا دینا تو ایک طرف رہا۔"[4]

مجلسی اپنے ائمہ پر عصمت کی، عصمت میں تصور کیے جانے والے تمام وجوہ کے اعتبار سے، چادر پوشی کر رہا ہے۔ چھوٹے بڑے تمام گناہوں سے معصوم ہونا، خطا سے معصوم ہونا اور سہو ونسیان سے معصوم ہونا، یہ تمام معانی عصمتِ ائمہ کے مفہوم میں شامل ہیں۔

عصمت کی یہ صورت گری جو مجلسی نے کی ہے اور اس پر شیعہ کے اتفاق کا اعلان کیا ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ

---

[1] عبدالله فياض: تاريخ الإمامية (ص: ۱۵۷)

[2] باقر شريف القرشي: حياة الإمام موسىٰ بن جعفر (۱/ ۱۱۱)

[3] تهذيب اللغة (مادة: عصم)

[4] بحار الأنوار (۲۵/ ۲۱۱) نیز دیکھیں: مرآة العقول (٤/ ۳۵۲)

کے انبیا اور رسولوں کو بھی حاصل نہیں ہوئی، جس طرح اس پر قرآن کے صریح الفاظ، سنتِ رسول اور اجماعِ امت دلالت کرتے ہیں۔[1]

یہ قول حقیقت میں اسلامی اصول کے سامنے نامانوس ہے، بلکہ ائمہ سے مطلقاً سہو ونسیان کی نفی کرنا، ان کو اس ذاتِ عالی مرتبت کے ساتھ تشبیہ دینے کے مرادف ہے، جس کو نیند آتی ہے نہ اونگھ۔ اسی لیے شیعہ کے آٹھویں امام رضا سے، جس کی عصمت کے وہ دعوے دار ہیں، کہا گیا:

> ''کوفہ میں ایک قوم کا یہ دعویٰ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز میں سہو واقع نہیں ہوا، تو انھوں نے کہا: اللہ ان پر لعنت کرے، انھوں نے جھوٹ بولا ہے۔ جو بھولتا نہیں وہ صرف وہ ذات ہے، جس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔''[2]

یہ عبارت اگر صحیح ہے تو ہم اس سے یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ سہو کی نفی، جو متاخر اثنا عشریہ کے نزدیک عصمت کے مفہوم کی اساسیات میں داخل ہو چکی ہے، رضا کے زمانے میں، شیعہ کی طرف منسوب ایک جماعت کا عقیدہ تھا، جن کا نام قلت کی وجہ سے یا ان کو حقیر جانتے ہوئے اور ان کے قول کی شناعت اور نامعقولیت کی بنا پر ذکر نہیں ہوا۔ وہ اس عقیدے کے لیے افضل الخلق حضرت محمد ﷺ بن عبداللہ کو مخصوص کرتے تھے اور اس غلو آمیز رجحان کا خود شیعہ کے امام کی طرف سے لعن طعن، تکذیب اور تکفیر کی صورت میں جواب دیا گیا، کیوں کہ اس قول میں رسول اللہ ﷺ کو اس ذات کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، جس کو نیند آتی ہے نہ اونگھ۔ اب رضا ان کے بارے میں کیا کہیں گے جو اس وصف کا ان پر اور ان کے ساتھ دیگر ان کے اجداد اور ان کی اولاد پر اطلاق کرتے ہیں؟ رضا ان کا زیادہ شدت کے ساتھ اور سخت الفاظ میں انکار و مذمت کرتے۔

اس اقتباس سے یہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہ رجحان اور نقطۂ نظر رضا کے زمانے کے بعد عام ہوا۔ یہ امر ہمارے لیے اس عقیدے کے آغاز وارتقا کے ابتدائی عناصر کی تحقیق کرنے کی راہ ہموار کرتا ہے۔

عقیدۂ عصمت کا آغاز:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ یہ تحقیق پیش کرتے ہیں کہ ''عصمت کا اعتقاد ابن سبا کی آرا میں سے تھا۔''[3]

لیکن میری تحقیقات کے مطابق ''عصمت'' کا لفظ ابن سبا سے منقول نہیں۔ بلاشبہہ ابن سبا سے ایسی آرا

---

[1] دیکھیں: فكرة التقريب (ص: ٢٩٩ حاشيه)

[2] بحار الأنوار (٢٥/ ٣٥٠) نیز دیکھیں: ابن بابويه: عيون أخبار الرضا (ص: ٣٢٦)

[3] مجموع فتاویٰ شيخ الإسلام (٤/ ٥١٨) منهاج السنة (٤/ ٦٠)

منقول ہیں، جو عصمت یا اس سے بھی کسی خطرناک قول کا موجب ہوسکتی ہیں، بلکہ اس سے امیر المومنین کی الوہیت کا قول بھی منقول ہے۔[1]

لیکن ابن سبا نے امامی نظریے کے مطابق عصمت کا موقف پیش نہیں کیا، اس کی آرا اکثریت کے ساتھ امیر المومنین حضرت علی کے ساتھ خاص ہیں، بلکہ وہ شیعہ میں سے پہلا شخص ہے، جس نے توقف یعنی امام علی کے ظہور اور واپس آنے کے انتظار کا نظریہ پیش کیا۔[2]

قاضی عبدالجبار کی رائے ہے:

''امام کا عصمت کا اس حیثیت سے عقیدہ کہ کسی بھی حالت میں اس کے لیے غلطی کرنا یا ٹھوکر کھانا جائز نہیں اور نہ وہ سہو اور غفلت کا شکار ہوسکتا ہے، یہ صحابہ و تابعین کے زمانے میں ہشام بن حکم کے عصر تک غیر معروف تھا۔ نے یہ قول ایجاد کیا تھا۔''[3]

اس زمانی دورانیے کی تحدید و تعیین میں اس کے ساتھ محبّ الدین خطیب بھی متفق ہیں، جس میں عقیدۂ عصمت کا آغاز ہوا، لیکن وہ اس کو ہشام کے معاصرین میں سے ایک دوسرے شخص کی طرف منسوب کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے:

''ان کے لیے سب سے پہلے جس شخص نے یہ گمراہ اور خبیث عقیدہ ایجاد کیا، اس کو مسلمان شیطان الطاق کا نام دیتے ہیں اور شیعہ اس کو ''مومن آلِ محمد'' کہتے ہیں۔[4] اس کا نام محمد بن علی الاحول تھا۔''[5]

ڈونالڈسن نے یہ احتمال پیش کیا ہے:

''نظریہ عصمت شیعہ کے ہاں جعفر صادق کے زمانے سے شروع ہو چکا تھا۔''[6]

یہ بات بھی قابلِ ملاحظہ ہے کہ ہشام بن حکم اور شیطان الطاق جعفر صادق کے معاصر تھے، لہٰذا ہوسکتا ہے کہ یہ عقیدہ شیعہ کے ہاں جعفر کے زمانے میں معروف ہو چکا ہو، لیکن یہ کئی ارتقائی مراحل سے گزرا، یہاں تک کہ اس صورت پر آ کر ٹھہر گیا، جو مجلسی نے پیش کی ہے۔

---

(1) دیکھیں: مقالات الإسلاميين (١/ ٨٦) التنبيه والرد (ص: ١٨) الفرق بين الفرق (ص: ٢١) الملل والنحل (١/ ١٧٤) نیز شیعہ کی کتب میں سے دیکھیں: رجال الكشي (ص: ١٠٦۔ ١٠٧) الرازي: الزينة (ص: ٣٠٥) تنقيح المقال (٢/ ١٨٣)

(2) القمي: المقالات والفرق (ص: ٢٠)

(3) تثبيت دلائل النبوة (٢/ ٥٢٨)

(4) في رجال الكشي (ص: ١٨٥) "مؤمن الطاق"

(5) مجلة الفتح (١٨/ ٢٧٧)

(6) دونلدسن: عقيدة الشيعة (ص: ٣٢٩) محمود صبحي: نظرية الإمامة (ص: ١٣٤)

عقیدہ عصمت کے اطوار و مراحل:

اگر ہم اس عقیدے کے اطوار و مراحل کے استقرا اور تتبع کے لیے ان شیعہ روایات کی طرف رجوع کریں، جن میں عصمت کا ذکر ہوا ہے تو درج ذیل باتیں سامنے آتی ہیں۔

شیعہ کی کتابیں زین العابدین علی بن حسین کی طرف یہ قول منسوب کرتی ہیں کہ انھوں نے کہا:

''معصوم وہ ہے جو اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے اور اللہ کی رسی قرآن ہے۔''[1]

چاہے اس قول کی نسبت علی بن حسین کی طرف صحیح ہو یا نہ ہو، لیکن یہ شیعہ کی تاریخ کے ابتدائی دور میں عصمت کے متعلق درست نقطۂ نظر پیش کرتا ہے، نیز اس کو اسلام کے اس خوبصورت مفہوم کے ساتھ مربوط کرتا ہے کہ قرآن کے ساتھ تمسک اور اعتصام ہی عصمت اور نجات ہے۔ یہ مفہوم مخصوص افراد تک ہی محدود نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا ﴾ [آل عمران: ١٠٣]

''اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو۔''

﴿ وَ مَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ [آل عمران: ١٠١]

''اور جو شخص اللہ کو مضبوطی سے پکڑ لے تو یقیناً اسے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی گئی۔''

اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ ہشام بن حکم جس کی طرف قاضی عبدالجبار نے عقیدہ عصمت کی اختراع منسوب کی ہے، اس سے حسین اشقر نامی ایک شیعہ شخص دریافت کرتا ہے کہ تمھارے اس قول کا کیا معنی ہے:

''إن الإمام لا يكون إلا معصوماً'' (صرف معصوم ہی امام ہوتا ہے) اس نے کہا: میں نے ابو عبداللہ (جعفر صادق) سے اس کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا: معصوم وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی تمام حدود و محرمات کے ارتکاب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ وَ مَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ [آل عمران: ١٠١][2]

ابن ابی عمیر نامی ایک دوسرا شیعہ کہتا ہے:

''میں نے ہشام بن حکم کے ساتھ اپنی طویل ترین صحبت میں عصمتِ امام کے بارے میں اس بات

---

[1] ابن بابويه: معاني الأخبار (ص: ١٣٢) بحار الأنوار (٢٥/ ١٩٤)

[2] معاني الأخبار (ص: ١٣٢) بحار الأنوار (٢٥/ ١٩٤۔ ١٩٥)

سے زیادہ کسی اچھی بات کا استفادہ نہیں کیا، جو اس نے کہی: امام گناہ نہیں کرتا، کیوں کہ گناہ کے دروازے سے حرص، حسد، غضب اور شہوت ہیں اور یہ تمام وجوہ امام میں ناپید ہیں۔''[1]

لیکن یہ مفہوم بھی ۔ ہر حال میں ۔عصمت کے بارے میں مجلسی کے غلو پر مشتمل نہیں، نہ اس پر وہ نتائج مرتب ہوتے ہیں، جو شیعہ کے عصمت کے اس آخری مفہوم پر مرتب ہوتے ہیں، جو انھوں نے تشکیل دیا ہے۔ یہ تو اس میں اضافہ کرتے ہوئے امام کے کلام کو وحی قرار دیتا ہے، جس میں کسی طرف سے باطل کی آمیزش نہیں اور اس سے سہو، غفلت اور نسیان جیسے انسانی عوارض کی نفی کرتا ہے، تاکہ وہ مخلوق کے طبقے سے نکل کر خالقِ بشریت کی صفات کی چادر اوڑھ لے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ملاحظہ ہے کہ امام پر گناہ سے معصوم رہنے کا حکم اور اس کا لازمی طور پر نیکی کرنا، یعنی وہ اللہ کی طرف سے اس کے لیے مجبور ہے، یہ تقدیر میں اثنا عشریہ کے مذہبِ حریت و اختیار اور بندے کا اپنے فعل کا خالق ہونا، اس کے بھی منافی ہے۔ نیز یہ اس امر کی بھی دلیل ہے کہ ان کا عصمت کے متعلق یہ مفہوم تقدیر کے متعلق ان کے مذہب سے پہلے کا ہے، جس کو انھوں نے تیسری صدی میں معتزلہ سے اخذ کیا تھا۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ کا اعتزالی فکر ونظر سے متاثر ہونے کے بعد ان کے نزدیک عصمت کا مفہوم بھی بعض اعتزالی افکار کے رنگ میں رنگا جا چکا ہے، جیسے نظریہ لطف الٰہی، نظریہ انسانی اختیار۔ یہ ہم مفید (المتوفی ۴۱۳ھ) کی عصمت کی تعریف میں بھی ملاحظہ کرتے ہیں، وہ کہتا ہے:

''یہ لطف و کرم ہے، جو اللہ تعالیٰ مکلّف پر کرتے ہیں اور اس سے معصیت کے وقوع اور قدرت کے باوجود ترکِ اطاعت کو روک دیتے ہیں۔''[2]

لہٰذا عصمت کا یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ امام کو ترکِ معصیت پر مجبور کرتے ہیں، بلکہ اس پر مہربانیاں کرتے ہیں، جن کے ہوتے ہوئے وہ اپنے اختیار کے ساتھ معصیت ترک کر دیتا ہے۔ یہاں آپ واضح طور پر عصمت کا مفہوم متعین کرنے کے لیے معتزلہ کی اصطلاحات سے استمداد ملاحظہ کر رہے ہیں۔

مسئلہ عصمت معصیت کی نفی کی حد تک ہی محدود نہیں رہا، بلکہ اس سے تجاوز کر گیا ہے۔ چوتھی صدی میں ابن بابویہ (المتوفی ۳۸۱ھ) اپنی کتاب ''الاعتقادات'' میں، جس کو وہ امامیہ شیعہ دین کا نام دیتا ہے، عصمت

[1] بحار الأنوار (٢٥/ ١٩٢۔ ١٩٣) باختصار. نیز دیکھیں: ابن بابویه: الخصال (١/ ٢١٥) معاني الأخبار (ص: ١٣٣) أمالي الصدوق (ص: ٣٧٥۔ ٣٧٦)

[2] المفيد: النكت الاعتقادية (ص: ٣٣۔ ٣٤) تصحيح الاعتقاد (ص: ١٠٦) الجيلاني: توفيق التطبيق (ص: ١٦)

کے بارے میں شیعہ کا عقیدہ ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

''ائمہ کے بارے میں ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ وہ معصوم اور ہر پلیدگی سے پاک ہیں، نہ وہ چھوٹا گناہ کرتے ہیں نہ بڑا، جو اللہ نے ان کو حکم دیا ہے، وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے، جو ان کو حکم دیا جاتا ہے، اس کو وہ بجا لاتے ہیں، جس نے ان کے احوال میں سے کسی چیز میں بھی عصمت کی نفی کی، وہ ان سے ناواقف اور جاہل ہے اور جو ان سے ناواقف ہے، وہ کافر ہے۔ ان کے بارے میں ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ معصوم اور اوائلِ عمر سے لے کر اواخر تک علم و کمال کے ساتھ موصوف ہیں، ان کے احوال میں کوئی چیز بھی نقص، نافرمانی یا جہالت سے متصف نہیں۔''[1]

وہ یہاں ان سے معصیت، جہالت اور نقص کی نفی کر رہا ہے اور اس کمال کا اثبات کر رہا ہے، جو ان کی زندگی کے آغاز سے لے کر اختتام تک ان کے ساتھ ساتھ چلتا ہے اور جو اس کی مخالفت کرتا ہے، اس کو کافر قرار دیتا ہے۔ یہ ایک دوسرا مرحلہ ہے، جس میں مسئلہ عصمت داخل ہو جاتا ہے، لیکن اس نے ائمہ سے سہو کی نفی کی وضاحت نہیں کی، جس طرح مجلسی اور دیگر متاخر علما نے کیا ہے۔ بلکہ اس نے اپنی کتاب ''من لا يحضره الفقيه'' میں صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ نبی (ﷺ) سے سہو کی نفی غالی اور مفوضہ لوگوں کا مذہب ہے۔

وہ کہتا ہے:

''غلاۃ اور مفوضہ۔ اللہ ان پر لعنت کرے۔ نبی (ﷺ) سے سہو کے وقوع کا انکار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر نبی ﷺ کا نماز میں بھول جانا تسلیم کر لیا جائے تو تبلیغ میں آپ ﷺ کا سہو بھی تسلیم کرنا پڑے گا، کیوں کہ جس طرح نماز فریضہ ہے، اسی طرح تبلیغ بھی فریضہ ہے ...لیکن نبی ﷺ کا سہو ہمارے سہو کی طرح نہیں، کیوں کہ آپ ﷺ کا سہو اللہ کی طرف سے ہے، اللہ نے اس لیے آپ کو بھلایا، تا کہ یہ باور کروایا جائے کہ آپ بھی بشر اور مخلوق ہیں، جن کو اللہ کے علاوہ رب اور معبود نہ بنایا جائے، نیز لوگ آپ کے سہو سے سہو کا حکم معلوم کر لیں۔ ہمارے شیخ و استاذ محمد بن حسن بن احمد بن ولید کہا کرتے تھے: غلو کا پہلا درجہ نبی ﷺ سے سہو کی نفی کرنا ہے اور میں نبی ﷺ کے سہو کے اثبات اور اس کے منکرین کا رد ایک علاحدہ کتاب کی شکل میں لکھنے میں ثواب کی امید رکھتا ہوں۔''[2]

آپ نے ملاحظہ کیا ہے کہ ابن بابویہ، جس کو یہ رئیس الشیعہ کا نام دیتے ہیں، نبی کریم ﷺ سے سہو کی نفی

---

[1] الاعتقادات (ص: ۱۰۸۔ ۱۰۹)

[2] من لا يحضره الفقيه (۱/ ۲۳٤)

کرنے والوں کی تردید کرتا ہے، تو جو نبی سے کم درجے کے ہوں، یعنی ائمہ ان سے کس طرح اس کی نفی کی جا سکتی ہے؟ وہ سہو کی نفی کو غلو کی علامت قرار دیتا ہے اور ذکر کرتا ہے کہ یہ قول غلاۃ کا مذہب ہے، نیز اشارتاً یہ بھی ذکر کرتا ہے کہ سہو کی نفی مخلوق کو خالق کے ساتھ تشبیہ دینے پر مشتمل ہے، لیکن اس مسئلے کے دوسرے ارتقائی مرحلے میں متاخرینِ شیعہ نے مسئلہ عصمت میں سہو کی نفی کا اضافہ کر لیا ہے۔ اس لیے ان کی پہلے سے ائمہ کی طرف منسوب روایات اس کی مخالفت کرتی ہیں۔

ابوعبداللہ کے سامنے جب سہو کا ذکر ہوا تو انھوں نے کہا:

''کیا اس سے کوئی بچ سکتا ہے؟ کبھی مجھے اپنے پیچھے اپنا خادم بٹھانا پڑ جاتا ہے، جو میری نماز کی حفاظت کرتا ہے۔''[1]

رضا۔ جس طرح پہلے ذکر ہوا۔ نبی ﷺ سے سہو کی نفی کرنے والے پر لعنت بھیجتا اور کہتا ہے:

''جو نہیں بھولتا وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے۔''[1]

شیعہ کی کتابوں نے بھی نبی ﷺ کے نماز میں بھولنے کے متعلق روایات نقل کی ہیں۔

عجیب بات تو یہ ہے کہ وہ اپنے اس اجماع سے استدلال کرتے ہیں، جو ان سے پہلے چوتھی صدی ہجری کے شیعہ اور ان کے اقوال ونصوص کی مخالفت کی وجہ سے منہدم ہو جاتا ہے! لیکن غلو کی شہوت کہتی ہے:

''ہمارے امامی اصحاب نے ائمہ کی ولادت سے لے کر موت تک ان کے چھوٹے بڑے گناہوں سے عمداً، خطاً یا نسیاناً معصوم ہونے پر اجماع کیا ہے۔''[3]

جب ان سے پوچھا جائے کہ تمھارا اجماع کب منعقد ہوا، جب کہ تمھارا شیخ صدوق ابن بابویہ اور اس کا استاد ابن الولید دونوں ہی اس مذہب کی مخالفت کرتے ہیں تو اس کا جواب دیتے ہوئے وہ کہتے ہیں:

''ان دونوں کی مخالفت اجماع کے لیے غیر مضر ہے، کیوں کہ دونوں کا نسب معروف ہے۔''[4]

دوسری قسم ان لوگوں کی ہے، جو مطلق عصمت کے قائل ہیں، ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے، جن کی شناخت ونسب غیر معروف ہے یا وہ سارے ہی ایسے ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ امام غائب اپنی کمین گاہ سے نکل

---

[1] بحار الأنوار (۲۵/ ۳۵۱)

[2] دیکھیں: من لا یحضرہ الفقیہ (۱/ ۲۳۳)

[3] بحار الأنوار (۲۵/ ۳۵۰۔ ۳۵۱)

[4] المصدر السابق (۲۵/ ۳۵۱)

کر ان کی آواز میں شامل ہوگیا ہو اور اپنا ووٹ ان کے حق میں استعمال کر دیا ہو۔ اس کا یہ کہنا:

''اجماع میں وہی قابلِ اعتماد ہے۔''[1]

یعنی اس مسئلے میں اجماع کی حجیت ثابت کرنے کے لیے اس گروہ کے ساتھ جس نے سہو کی نفی کا موقف اختیار کیا ہو، محض غائب امام معصوم کے موجود ہونے کا گمان ہی کافی ہے۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی کتابوں میں اِثباتِ سہو کے متعلق اپنے ائمہ کی منقول صریح روایات کو رد کرتے ہیں اور ایسے اجماع کو لیے پھرتے ہیں، جو محض احتمال اور گمان کے ذریعے غائب معصوم کے قول کا انکشاف کرتا ہے، لیکن مسئلہ تو یہ ہے کہ شیعہ مذہب ان کے ائمہ کا مذہب نہیں رہا، علما و شیوخ کا مذہب بن کر رہ گیا ہے۔

مجلسی ان نصوص و روایات کو دیکھ کر، جو اس کے ہم مذہب افراد کے اجماع کی مخالفت کرتی ہے، انگشت بدندان ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے:

''یہ مسئلہ بہت زیادہ اشکال کا شکار ہے، کیوں کہ بہت ساری اخبار اور نشانیاں ان سے سہو کے صدور پر دلالت کرتی ہیں، نیز اصحاب کا اجماع بھی اس پر دلالت کرتا ہے، بہ جز ان افراد کے جنھوں نے ان کی مخالفت کرتے ہوئے عدمِ جواز کا مذہب اپنایا ہے۔''[2]

یہ مجلسی کا کھلے الفاظ میں اعتراف ہے کہ ائمہ کی مطلقاً عصمت پر متاخرین شیعہ کا اجماع ان کی روایات کے مخالفت ہے۔ یہ ایک حقیقی دلیل اور صریح اعتراف ہے کہ وہ گمراہی اور عدمِ دلیل پر، حتی کہ اپنی کتابوں کی بھی نہیں، اجماع کیے بیٹھے ہیں۔

---

[1] دیکھیں: ''فصل الإجماع''

[2] بحار الأنوار (۲۵/ ۳۵۱)

شیعہ کا اپنے ائمہ کی عصمت پر استدلال

قرآن کریم سے استدلال:

اس بات کے باوجود کہ کتاب اللہ میں اثنا عشریہ کا سرمو ذکر ہی نہیں، جس طرح پہلے گزرا ہے، چہ جائیکہ ان کی عصمت کا کوئی تذکرہ ہو، پھر بھی اثنا عشریہ عصمت ثابت کرنے کے لیے قرآنِ کریم سے استدلال کرتے ہیں۔ شیعہ کے علما اس فرمانِ الٰہی:

﴿ وَ اِذِ ابْتَلٰۤی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ﴾ [البقرة: ١٢٤]

''اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں کے ساتھ آزمایا تو اس نے انھیں پورا کر دیا۔ فرمایا بے شک میں تجھے لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ کہا اور میری اولاد میں سے بھی؟ فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔''

سے متفق طور پر استدلال کرتے ہیں۔ مجلسی نے عصمت کے متعلق باب بہ عنوان: ''باب لزوم عصمة الإمام'' کا آغاز اسی آیت سے کیا ہے۔[1] شیعہ کے جملہ معاصر شیوخ اس آیت کو قرآنِ کریم سے اپنے استدلال کی اصل قرار دیتے ہیں اور اس کے سوا کسی دوسری آیت سے دلیل اخذ نہیں کرتے۔

محسن امین[2] اور محمد حسین آلِ کاشف الغطا کا نام بہ طورِ مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ آلِ کاشف الغطا کہتا ہے:

''یہ آیت لزومِ عصمت میں صریح ہے۔''[3]

''مجمع البیان'' کا مصنف اپنے اصحاب کا اس آیت سے اپنی مراد پر استدلال کا سیاق ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

---

[1] بحار الأنوار (٢٥/ ١٩١)

[2] دیکھیں: أعیان الشیعة (١/ ٤٥٨)

[3] أصل الشیعة (ص: ٥٩)

''ہمارے اصحاب کا اس آیت سے استدلال کہ امام وہی ہوسکتا ہے جو معائب اور قباحتوں سے معصوم ہو، اس بنیاد پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نفی کی ہے کہ اس کا عہد جو امامت ہے،[1] کسی ظالم کو پہنچے، جو معصوم نہ ہو، وہ یا تو اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہوتا ہے یا دوسرے پر۔ اگر یہ کہا جائے کہ نفی یہ کی ہے کہ ظالم ظلم کی حالت میں اس عہد کو نہیں پا سکتا، اگر توبہ کر لے، تو اس کو ظالم نہیں کہا جائے گا، چناں چہ اس کا اس عہد کو پانا درست ہوگا۔ اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ ظالم اگر توبہ بھی کر لے، تب بھی وہ اس حالت سے خارج نہیں کہ آیت اس وقت اس کو شامل تھی، جب وہ ظالم تھا۔ جب یہ نفی کی کہ وہ اس کو پائے گا تو اس پر یہ حکم لگا دیا کہ وہ اس کو نہیں پا سکے گا۔ آیت مطلق ہے۔ ایک وقت کو چھوڑ کر کسی دوسرے وقت کے ساتھ مقید نہیں، لہٰذا اس کو تمام اوقات پر محمول کرنا واجب ہے اور ظالم چاہے بعد میں توبہ بھی کر لے، تب بھی اس کو نہیں پا سکے گا۔''[2]

ان کے استدلال پر تنقید و تبصرہ:

1. سلف صالحین کا لفظِ عہد کے معنی میں اختلاف ہے اور اس کے متعلق ان کے کئی اقوال ہیں:

سیدنا ابن عباس اور سدی کہتے ہیں:

''اس سے نبوت مراد ہے: ﴿لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ﴾ [البقرۃ: ١٢٤] یعنی میری نبوت ظالموں کو نہیں ملے گی۔''

مجاہد کہتے ہیں:

''اس سے امامت مراد ہے، یعنی میں کسی ظالم کو امام نہیں بناؤں گا، جس کی اقتدا کی جائے۔''

قتادہ، ابراہیم نخعی، عطا، حسن بصری اور عکرمہ کا قول ہے:

''آخرت میں اللہ کا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔ دنیا میں تو اس کو ظالم پاتا ہے، اس کی وجہ سے امن میں رہتا ہے، کھاتا پیتا ہے اور زندگی گزارتا ہے۔''

زجاج کہتے ہیں: حسن کا قول ہے:

''میری امان ظالموں کو نہیں ملے گی، یعنی میں ان کو عذاب سے محفوظ نہیں رکھوں گا اور ظالم سے

---

[1] سلف کا عہد کے معنی میں اختلاف ہے، جس کا آگے ذکر ہوگا، لیکن روافض وہ مفہوم مراد لیتے ہیں، جو ان کے نفس کی تسکین کرتا ہو اور وہ اسی کو بلا دلیل قطعی اور یقینی قرار دیتے ہیں۔

[2] الطبرسي: مجمع البيان (١/ ٢٠١) نیز دیکھیں: الطوسي: التبيان (١/ ٤٤٩) المجلسي: بحار الأنوار (٢٥/ ١٩١)

مشرک مراد ہے۔''

ربیع بن انس اور ضحاک کہتے ہیں:

''اللہ کا عہد جس کا اس نے اپنے بندوں سے وعدہ لیا ہے، وہ اس کا دین ہے۔ وہ کہتا ہے: اس کا دین ظالموں کو نہیں ملے گا۔ کیا آپ یہ قولِ الٰہی نہیں دیکھتے: ﴿ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰى اِسْحٰقَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ﴾ [الصآفآت: ۱۱۳] یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے ابراہیم! تیری ساری اولاد حق پر نہیں ہوگی۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے:

''ظالموں کے ساتھ کوئی عہد نہیں۔ اگر تم اس سے وعدہ کرو تو اس کو توڑ دو۔''[1]

لہٰذا، جس طرح آپ نے ملاحظہ کیا کہ علمائے سلف کا اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے، یہ اکثر کے نزدیک اصل کے اعتبار سے مسئلہ امامت پر بالکل نہیں، جنھوں نے اس کی امامت کے ساتھ تفسیر کی ہے، انھوں نے بھی علم، اصلاح اور اقتدار کی امامت مراد لی ہے نہ کہ رافضہ کے مفہوم میں امامت۔

[۲] اگر یہ آیت امامت کے متعلق ہی ہو، تب بھی کسی صورت عصمت پر دلالت نہیں کرتی، کیونکہ یہ کہنا ناممکن ہے کہ جو ظالم نہ ہو، وہ معصوم ہوتا ہے اور کوئی غلطی نہیں کرتا، نہ بھولتا ہے اور نہ سہو اور غفلت ہی کا شکا ہوتا ہے... جو شیعہ کے نزدیک عصمت کا مفہوم ہے۔

ان کے مذہب کے قیاس کے مطابق جو غفلت کا شکار ہوگیا، وہ بھی ظالم ہے اور جس نے غلطی کی، وہ بھی ظالم ہے .... لیکن اس بات میں ان کے ساتھ کوئی بھی اتفاق نہیں کرتا، نہ یہ اصولِ اسلام کے ساتھ ہی کوئی مطابقت رکھتا ہے۔ اثباتِ عصمت اور نفیِ ظلم میں بہت زیادہ فرق ہے، کیوں کہ ظلم کی نفی عدل کا اثبات ہے، شیعہ کی عصمت کا نہیں۔

[۳] شیعہ کی یہ بات قابلِ تسلیم نہیں کہ جس نے ظلم کا ارتکاب کیا، پھر اس سے توبہ کر لی تو ظلم کا وصف اس کے ساتھ لاحق ہی رہے گا اور توبہ اس صفت کو ختم کرنے میں غیر مفید ہے، کیوں کہ سب سے بڑا ظلم شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

[1] دیکھیں: تفسير الطبري (۲/ ۲۰ وما بعدها) تفسير البغوي (۱/ ۱۱۲) ابن عطية: المحرر الوجيز (۱/ ۲۵۰) القرطبي: الجامع لأحكام القرآن (۲/ ۱۰۸) تفسير ابن كثير (۱/ ۱۷۲۔ ۱۷۳) الشوكاني: فتح القدير (۱/ ۱۳۸) الألوسي: روح المعاني (۱/ ۳۷۷) تفسير القاسمي (۲/ ۲۴۵۔ ۲۴۶)

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ﴾ [الأنعام: ٨٢]
''وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو بڑے ظلم کے ساتھ نہیں ملایا۔''
پھر اس ظلم کی تفسیر اس آیت میں کی:
﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ [لقمان: ١٣] ''بے شک شرک یقیناً بہت بڑا ظلم ہے۔''
اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے کافروں کے متعلق فرمایا:
﴿ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ﴾ [الأنفال: ٣٨]
''ان لوگوں سے کہہ دے جنھوں نے کفر کیا، اگر وہ باز آ جائیں تو جو کچھ گزر چکا انھیں بخش دیا جائے گا۔''

لیکن ان لوگوں کے قول کا قیاس یہ کہتا ہے کہ جس نے ایک لمحے کے لیے بھی شرک کیا یا کسی گناہ کا ارتکاب کیا، خواہ وہ کوئی صغیرہ گناہ ہی کیوں نہ ہو تو وہ ظالم ہے اور ظلم کا وصف اس سے جدا نہیں ہوگا۔

اس قیاس کا ماحاصل یہ ہوا کہ مشرک چاہے مسلمان بھی ہو جائے وہ مشرک ہی رہے گا، کیوں کہ ظلم شرک ہی ہے۔[1] یہ موقف اختیار کر کے یہ لوگ وعیدیہ خوارج سے بھی زیادہ انتہا پسند ہوگئے ہیں، کیوں کہ خوارج بھی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والے کے لیے وعید اس وقت ثابت کرتے ہیں، جب اس نے توبہ نہ کی ہو۔

یہ بات، شریعت، عرفِ عام اور لغت تو ایک طرف رہی، عقلی برجستگی ہی سے معلوم ہوجاتی ہے کہ جس نے کفر کیا یا ظلم کیا، پھر توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی، اس پر کافر یا ظالم کا اطلاق کرنا درست نہیں ہوتا، وگرنہ بوڑھے کو بچہ، بیدار کو سویا ہوا، فقیر کو غنی، سیر شکم کو بھوکا اور مردہ کو زندہ یا اس کے برعکس کہنا روا ہوتا، اسی طرح اگر اس پر مزید قیاس کیا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ جو شخص یہ قسم اٹھائے کہ وہ کسی کافر کو سلام نہیں کرے گا، لیکن اس نے ایسے انسان کو سلام کہا جو فی الحال مومن تھا، لیکن کئی سال پہلے وہ کافر تھا، تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی، لیکن اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔[2]

بلکہ یہ معروف بات ہے کہ بعض اوقات ظلم سے توبہ کرنے والا اس سے افضل ہوتا ہے، جو ظلم کا مرتکب

[1] یہ لوگ ظلم سے شرک مراد لیتے ہیں، کیوں کہ ان کا مقصد ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کو باطل قرار دینا ہے، وہ دونوں بھی شرک کے بعد مسلمان ہوئے تھے اور شرک۔شیعہ کے دعوے کے مطابق۔ان کے ایمان لانے کے باوجود ان سے جدا نہیں ہوسکا، اس لیے کلینی نے کہا ہے: ''اس آیت نے ظالم کی امامت کو باطل کر دیا ہے۔'' (أصول الكافي: ١/ ١٩٩)
[2] الألوسي: روح المعاني (١/ ٣٧٧)

ہی نہ ہوا ہو۔ جس نے یہ عقیدہ رکھا کہ ہر وہ شخص جس نے کفر، قتل یا کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا، وہ ہر اس شخص سے افضل ہے، جو کفر کے بعد ایمان لایا، گمراہی کے بعد راہِ ہدایت پر آیا اور گناہوں کے بعد توبہ کی تو ایسا شخص دینِ اسلام میں معلوم بالضرورۃ اور بدیہی امور کا مخالف ہے۔ یہ حقیقت ہر کسی کے علم میں ہے کہ سابقین اپنی اولاد سے افضل ہیں۔ کیا کوئی عقل مند انسان مہاجرین اور انصار کے بیٹوں کو ان کے باپوں کے مماثل قرار دیتا ہے؟[1]

اسی طرح شیعہ کا یہ استدلال اس نتیجے تک پہنچا دیتا ہے کہ تمام مسلمان جن میں شیعہ اور اہلِ بیت بھی شامل ہیں، سوائے ان کے جن کی عصمت کا شیعہ عقیدہ رکھتے ہیں، ظالم ہیں، کیونکہ وہ معصوم نہیں۔ شیعہ کے عالم طوسی نے کہا ہے:

''ظلم مذمت کا نام ہے، جس کا اطلاق لعنت کے مستحق کے سوا کسی پر کرنا جائز نہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَلَا لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ﴾ [هود: ١٨]''[2]

- اثنا عشری شیعہ کے اس آیت سے استدلال کی تردید میں، مَیں اپنی آخری بات ایک زیدی شیعہ عالم کا یہ قول اور تقریر پیش کر کے ختم کرتا ہوں:

''بعض رافضیوں نے اس آیت سے احتجاج کیا ہے کہ جس شخص نے ایک مرتبہ بھی ظلم کیا، وہ امامت کا مستحق نہیں ہوسکتا اور ابوبکر و عمر کی خلافت پر طعن و تشنیع کرنا چاہی، لیکن یہ قطعاً درست نہیں، کیوں کہ عہد کو اگر نبوت پر محمول کیا جائے تو اس میں ان کے لیے کوئی حجت نہیں اور اگر امامت پر محمول کیا جائے تو جس نے ظلم سے توبہ کر لی، اس کو ظالم نہیں کہا جا سکتا، جب کہ اللہ تعالیٰ نے ظلم کی حالت میں اپنا عہد اس تک نہ پہنچنے کا وعدہ کیا ہے۔''[3]

شیعہ کے سنت سے دلائل:

شیعہ اپنی قوم کو مطمئن کرنے کے لیے اور اہلِ سنت کے خلاف استدلال کرنے کے لیے اہلِ سنت کے طرق سے وارد شدہ روایات سے تمسک کرتے ہیں۔ نیز اپنی قوم کو یہ باور کروانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کا مذہب اجماع پر قائم ہے، جب کہ یہ روایات یا جھوٹی ہیں یا ان کے استدلال سے میل نہیں کھاتیں۔ امامت کی فصل میں ان کے بارے میں تفصیل گزر چکی ہے۔

---

[1] دیکھیں: منهاج السنة (١/ ٣٠٢۔ ٣٠٣)

[2] التبيان (١/ ١٥٨)

[3] يوسف بن أحمد الزيدي: الثمرات اليانعة (ج:١، الورقة: ٦٠ مخطوط)

وہ روایات جن سے یہ استدلال کرتے ہیں، یہ اہلِ بیت کے متعلق ہیں اور ان میں اثنا عشریہ کے لیے یک قلم کوئی حجت نہیں، کیوں کہ یہ حقیقت ثابت ہوچکی ہے کہ اثنا عشریہ کا حضرت علی اور ان کی بعض اولاد کے ساتھ مزعومہ تعلق کے علاوہ اہلِ بیت کے ساتھ کوئی رشتہ ناتا نہیں۔ حضرت علی کی اولاد میں بھی حسن و حسین اور حسین کی بعض اولاد شامل ہے۔

حسن عسکری کے لاولد فوت ہوجانے کی وجہ سے وہ نسل بھی ختم ہوگئی، جو ان کی امامت کی قائم تھی، لہٰذا ۲۶۰ھ سے ان کا تعلق ان علما کے ساتھ ہے، جو معدوم اور بے وجود امام کی نیابت کے دعوے دار تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں، جنھوں نے شیعہ مذہب کو اس خوف ناک انجام تک پہنچا دیا ہے، جس کی کچھ جھلکیاں ہمارے سامنے سے گزری ہیں۔

ان کے دلائل کا ذکر گزر چکا ہے، جو ان کی اہلِ بیت کی تکفیر پر دلالت کرتے ہیں، اس لیے ان کا اہلِ بیت کی عصمت کے نظریے کو تھامے رکھنا محض پرفریب عنوان کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس کے علاوہ اثنا عشریہ اپنے عقیدۂ عصمت اور دیگر عقائد کو ثابت کرنے کے لیے ان روایات سے استدلال کرتے ہیں، جن کی سندیں تو ایک طرف رہیں، متون بھی منکر اور باطل ہیں اور ان کو صاحبِ کافی، ابراہیم قمی، مجلسی اور ان جیسے لوگ نقل کرتے ہیں۔

مجلسی نے عصمت کے متعلق اپنے قائم کردہ باب میں اپنے قمی، عیاشی اور مفید جیسے شیوخ کی ۲۳ روایات نقل کی ہیں اور اس نے ان کو سورۃ البقرہ کی آیت سے استدلال کرنے کے بعد ذکر کیا ہے، جو ہمارے سامنے یہ حقیقت بیان کرتی ہیں کہ ان کا اس سے استدلال کرنا باطل ہے۔

کلینی نے کافی میں مزعومہ عصمت کے مفہوم میں کئی ابواب قائم کیے ہیں، جن میں اس نے بارہ اماموں سے اپنی سند کے ساتھ بہت ساری روایات نقل کی ہیں، جن میں ان کا دعویٰ ہے کہ وہ معصوم بلکہ شریکِ نبوت اور الوہی صفات کے حامل ہیں۔ اصول الدین کے باب میں اس کی کئی مثالیں ذکر ہوچکی ہیں۔ کافی کے باب ''ائمہ ارکانِ زمین ہیں۔'' میں آپ کو عصمت کا ذکر بھی ملے گا، اس میں اس نے تین روایات درج کی ہیں، جو یہ کہتی ہیں کہ بارہ امام وجوبِ اطاعت، فضیلت اور تکلیف میں رسول اللہ ﷺ کی طرف ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں وہ کہتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کے بعد جس طرح رسول اللہ کے لیے اطاعت تھی، اسی طرح ان کے لیے بھی یہ جاری و ساری ہے۔''[1] اسی طرح تمام بارہ اماموں کی۔

---

[1] أصول الكافي (١/ ١٩٨)

پھر یہ یہیں پر بس نہیں کرتے، بلکہ ان کو رسول کے مقام سے اٹھا کر رب العالمین کے مقام پر بٹھا دیتے ہیں۔ ایک شیعی روایت کہتی ہے:

''حضرت علی نے کہا: مجھے وہ خصلتیں عطا ہوئی ہیں، جو مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں ہوئیں۔ مجھے مصائب اور اموات کا علم دیا گیا۔ جو مجھ سے پہلے گزرا، وہ مجھ سے نہیں چھوٹا اور جو مجھ سے غائب ہے، وہ مجھ سے دور نہیں۔''[1]

حالاں کہ مصائب اور اموات کا علم رکھنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ﴾ [لقمان: ٣٤]

''اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کمائی کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔''

جس سے کوئی چیز دور، پوشیدہ اور چھوٹتی نہیں، وہ رب العالمین کی ذات بلند مرتبت ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ﴾ [سبأ: ٣]

''اس سے ذرہ برابر چیز نہ آسمانوں میں چھپی رہتی ہے اور نہ زمین میں۔''

لہٰذا معاملہ عصمت کی حدود سے نکل کر رسالت اور الوہیت کے دعوے تک جا پہنچا ہے، جو سراسر اسلام سے خروج ہے۔ کافی میں اس مفہوم کے ابواب تسلسل کے ساتھ موجود ہیں[2]، جو تاریخ کے مختلف ادوار میں ملحدین اور جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرنے والوں کے دعوے سے کچھ مختلف نہیں، فرق یہ ہے کہ انھوں نے یہ تمام دروغ بافیاں اور افترا پردازیاں اہلِ بیت اطہار کی طرف منسوب کر دی ہیں۔

مسئلہ عصمت پر شیعہ کے عقلی دلائل:

شیعہ کے تمام عقلی دلائل، جن سے وہ امام کی عصمت پر استدلال کرتے ہیں، ان تمام کو اس ایک اصل اور مفروضے کی طرف لوٹایا جا سکتا ہے کہ ساری امت ہی خطا اور گمراہی کی زد میں ہے اور اس کو گمراہی سے اگر

---

[1] المصدر السابق (١/ ١٩٧)

[2] دیکھیں: أصول الکافي، باب فرض طاعة الأئمة (١/ ١٨٥) اس میں سترہ (١٧) روایات مذکور ہیں۔ باب أن الأئمة ولاة أمر اللّٰه وخزنة علمه (١/ ١٩٢) اس میں چھے روایت مندرج ہیں۔ باب أن الأئماة خلفاء اللّٰه۔ عز و جل۔ في أرضه، وأبوابه التي منها یؤتی (١/ ١٩٣) اس میں تین روایات درج کی ہیں۔ اسی طرح کے دیگر ابواب و روایات ہیں، جن کا جھوٹ دینِ اسلام میں یقیناً معلوم ہے۔

کوئی بچا سکتا ہے تو وہ امام ہے۔ اس لیے انھوں نے اپنے تمام دلائل کو اسی اساس اور مقدمے پر ترتیب دیا ہے۔
وہ کہتے ہیں کہ امت کے لیے ایک معصوم رئیس کا ہونا ضروری ہے، جو انسانی غلطیوں کی اصلاح کر سکے۔ اگر اس کے لیے غلطی کرنا روا ہے تو اس کے لیے کسی دوسرے کا ہونا ضروری ہوگا، جو اس کی اصلاح کرے، اس سے تسلسل لازم آئے گا، لہٰذا امام کی عصمت کا اعتقاد رکھنا لازمی ہوجاتا ہے، کیوں کہ شیعہ کے نزدیک امام پر اعتماد ہے، امت پر نہیں....۔ مزید برآں یہ کہتے ہیں:

''امام شریعت کی حفاظت کرنے والا ہے، اس کے بغیر کتاب و سنت اور اجماع پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا...الخ۔''[1]

لیکن حقیقت اس کے بالکل خلاف ہے۔ امت اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کے ساتھ غلطی سے معصوم و محفوظ ہے اور گمراہی پر اتفاق نہیں کرسکتی۔ امت کی یہ عصمت امام کی عصمت سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ علمائے کرام نے امت کی عصمت کی حکمت بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

''کیوں کہ ہم سے جو پہلے امتیں تھیں، جب وہ اپنا دین بدل دیتیں تو اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے کے لیے نبی بھیج دیتے، لیکن اس امت کے نبی کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، لہٰذا اس کی عصمت نبوت کے قائم مقام ہے۔ اب کسی کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اس میں کچھ تبدیلی کرے، کیوں کہ وہ جونہی ایسا کرنے کی جرأت کرے گا، اللہ تعالیٰ کسی کو کھڑا کر دے گا، جو اس کی تبدیلی اور خطا کو واضح کر دے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان میں مومنوں کی راہ کو رسول کی اطاعت کے ساتھ مربوط و مقرون کر دیا ہے: ﴿وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۚ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ [النساء: ۱۱۵]
لہٰذا امت کی عصمت اور گمراہی سے محفوظ رہنا، جس طرح اس کا شرعی دلائل میں ذکر ہوا ہے، اس شخص کی مکمل مخالفت کرتا ہے، جو مسلمانوں میں سے کسی ایک کی عصمت کو لازمی قرار دیتا ہے اور مجموعی طور پر مسلمانوں کے لیے ،اگر ان میں کوئی معصوم نہ ہو تو، خطا اور غلطی کے روا ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے۔''[2]

---

[1] دیکھیں: ابن المطهر: کشف المراد (ص: ۳۹۰۔ ۳۹۱) نیز دیکھیں: نهج المسترشدين (ص: ٦٣) مزید دیکھیں: الألفين (ص: ٥٦ وما بعدها) القزويني: الشيعة في عقائدهم (ص: ٣٦٨۔ ٣٦٩) الزنجاني: عقائد الإمامية (ص: ٧٧) هاشم معروف الحسيني: أصول التشيع (ص: ١٣١۔ ١٣٢)

[2] المنتقىٰ مختصر منهاج السنة (ص: ٤٠١)

وہ تمام عقلی دلائل جو انھوں نے معصوم کی قطعی اور یقینی ضرورت کے اثبات کے لیے تحریر کیے ہیں، وہ ضرورت رسول کے ساتھ پوری ہو چکی ہے، اس لیے امت اختلاف اور تنازع کے وقت کتاب وسنت کی طرف رجوع کرتی ہے، امام کی طرف نہیں: ﴿ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ [النساء: ٥٩] علما کہتے ہیں، اللہ کی کتاب کی طرف اور اس کے نبی کی طرف اور نبی کے فوت ہو جانے کے بعد اس کی سنت کی طرف۔[1]

امت کتاب وسنت کی ہدایت کے ساتھ گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوسکتی، کیوں کہ قیامت تک ان دونوں کے ساتھ تمسک کرنے والوں سے خالی نہیں رہے گی، اس لیے امت پر حجت رسولوں کے ذریعے قائم ہوچکی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْ بَعْدِهٖ﴾ [النساء: ١٦٣]

''بلاشبہ ہم نے تیری طرف وحی کی، جیسے ہم نے نوح اور اس کے بعد (دوسرے) نبیوں کی طرف وحی کی۔''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ائمہ کا ذکر نہیں کیا، یہ آیت اس شخص کے قول کو باطل کر دیتی ہے، جو مخلوق کے لیے رسولوں کے علاوہ کسی دوسرے یعنی ائمہ کی ضرورت کو لازمی قرار دیتا ہے۔[2]

شیعہ کے امام معصوم کی ضرورت پر زور دینے والے عقلی دلائل جس کے بغیر امت ایمان اور امان دونوں سے محروم ہے، انجام کار ان کے نزدیک بھی ائمہ کی عصمت کو ختم اور زائل کر دیتے ہیں، کیوں کہ شیعہ کے اماموں کے ساتھ امامت کے وہ مقاصد حاصل نہیں ہوسکے، جو یہ بیان کرتے ہیں۔

امر واقع تو یہ ہے کہ ۲۶۰ھ کے بعد شیعہ کا کوئی امام ظاہر نہیں ہوا، چاہے وہ اصلاً موجود ہی نہ ہو، جس طرح حسن عسکری کی وفات کے فوراً بعد پائے جانے والے اکثر شیعہ فرقوں کا کہنا ہے، نیز خود حسن عسکری کا خاندان بھی یہی کہتا ہے اور ان میں سرفہرست ان کے بھائی جعفر ہیں، اسی طرح علمائے تاریخ وانساب بھی اسی بات پر زور دیتے ہیں، یا وہ چھپا ہوا ہے اور ظاہر نہیں ہوا، جس طرح اثنا عشریہ کا کہنا ہے، لہٰذا یہ معاملہ تو یہیں ختم ہو جانا چاہیے، کیوں کہ اس موعود یا معدوم غائب کا دین و دنیا کو کوئی فائدہ نہیں۔

یہ اثنا عشری مذہب میں ایسا رخنہ اور شگاف ہے، جو پاٹا نہیں جا سکتا اور یہ ان کی تمام حجتوں اور دلائل کو

[1] ابن عبد البر: التمهيد (٤/ ٢٦٤)

[2] دیکھیں: ابن تيمية: الفتاویٰ (١٩/ ٦٦)

بیک جنبش قلم بے اثر اور زائل کر دیتا ہے۔

اسی طرح اس سے پہلے اس کے اجداد میں سے بھی امیر المومنین حضرت علی اور حضرت حسن کے علاوہ، ان کی خلافت سے دست برداری سے پہلے، کوئی بھی منصبِ خلاف و امامت پر فائز نہیں ہوا۔ اس لیے اہلِ علم نے کہا ہے کہ ان کے پاس عصمت کے دعوے کی اس گمان کے علاوہ کوئی دلیل نہیں کہ اللہ تعالیٰ دنیا کو ائمہ معصومین سے خالی نہیں رکھتا، کیوں کہ اسی میں مصلحت اور لطف الٰہی ہے۔

یہی یقینی طور پر معلوم حقیقت ہے کہ اس غائب اور گم شدہ منتظر کے ساتھ کوئی مصلحت اور لطف وجود پذیر نہیں ہوا، اسی طرح اس کے بزرگوں کے ساتھ بھی وہ مصلحت اور لطف وقوع پذیر نہیں ہوا، جو با اقتدار معصوم امام سے متوقع ہوتا ہے، جس طرح رسول اللہ ﷺ ہجرت کے بعد مدینے میں با اقتدار امام تھے، آپ مومنوں کے امام تھے، جن کی اطاعت واجب ہے اور ان کی سعادت اسی کے ساتھ وابستہ ہے۔

آپ ﷺ کے بعد حضرت علی کے سوا یہ کسی کے لیے حاصل نہیں ہوئی، جس کو اقتدار بھی حاصل ہوا ہو اور اس کی عصمت کا بھی دعویٰ کیا گیا ہو۔ یہ حقیقت بھی بداہتاً معلوم ہے کہ وہ مصلحت اور لطف جو مسلمانوں کو خلفاے ثلاثہ کے ادوار میں حاصل ہوا، وہ اس مصلحت اور لطف سے کہیں بڑھ کر ہے، جو حضرت علی کے زمانے میں حاصل ہوا، جو جنگ و جدال، فتنے اور افتراق و انتشار کا عہد تھا۔[1]

پھر جو حضرت علی سے کم تر تھا، لوگوں کو اس کے علم اور دین سے اسی طرح فائدہ پہنچتا تھا، جس طرح اس کے امثال و اقران سے پہنچتا تھا۔ علی بن حسین، ان کے بیٹے ابو جعفر اور ان کے بیٹے جعفر بن محمد دیگر علماے وقت کی طرح لوگوں کو تعلیم دیتے تھے۔ اگر یہ فرض کیا جائے کہ وہ زیادہ علم اور دین کے مالک تھے تو جو قوت، اقتدار، لوگوں کو حق کا پابند بنانا اور باطل سے روکنا اربابِ اقتدار کو حاصل تھا، وہ اہلِ علم کو حاصل نہیں ہوا، لیکن ان تینوں کے بعد جو ان کے ائمہ تھے، جیسے تمام عسکری، تو ان کا کوئی ایسا علم ظاہر نہیں ہوا، جس سے امت نے کوئی استفادہ کیا ہو نہ ان کی کوئی حیثیت اور قوت تھی، جس سے امت کوئی تعاون اور مدد حاصل کرتی، بلکہ وہ دیگر ہاشمیوں کی طرح ہی تھے، جن کا اپنا ایک مرتبہ اور عزت تھی۔

دینِ اسلام کے متعلق جتنی عام لوگوں کو معرفت حاصل تھی، اتنی ہی ان کو بھی حاصل تھی، اس لیے اہلِ علم نے جس طرح ان تینوں سے علمی اخذ و اکتساب کیا، ان سے نہیں کیا۔[2]

---

[1] منهاج السنة (٢/ ١٠٤)

[2] منهاج السنة (٣/ ٢٤٨)

نظریۂ عصمتِ ائمہ پر عام تنقید:

عصمتِ ائمہ کا دعویٰ نبوت میں مشارکت کے ساتھ مماثلت رکھتا ہے، کیوں کہ معصوم کے ہر قول کی اتباع واجب ہے اور اس کی کسی بھی بات میں مخالفت کرنا جائز نہیں۔ یہ انبیا کی خصوصیت ہے، اس لیے ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ ان پر جو کچھ نازل ہوا ہے، اس پر ایمان رکھیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ مَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ [البقرة: ١٣٦]

''کہہ دو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف اتارا گیا اور جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد کی طرف اتارا گیا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو تمام نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔''

لہٰذا یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم کہیں: جو نبیوں کو دیا گیا ہے، ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں ۔ جو انبیا لے کر آئے ہیں، اس پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے، اس بات پر مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ پس جس نے رسول کے بعد کسی کو معصوم قرار دیا، جس کے ہر قول پر ایمان لانا واجب ہو، اس نے اس کو ضرور نبوت کا معنی دے دیا ہے، اگر چہ لفظِ نبوت نہیں بولا۔[1]

یہ قول کتاب و سنت کے اور اجماعِ سلف و ائمہ امت کے مطابق دینِ اسلام کے مخالف ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ [النساء: ٥٩]

''اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں، پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔''

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اختلاف اور تنازع کے وقت کتاب و سنت کے علاوہ کسی کی طرف رجوع کرنے کا حکم

[1] منهاج السنة (٣/ ١٧٤)

نہیں دیا۔ اگر لوگوں کے لیے رسول کے علاوہ بھی کوئی معصوم ہوتا تو ان کو اس کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا جاتا، چناں چہ قرآنِ کریم اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ رسول کے سوا کوئی معصوم نہیں۔[1]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴾ [النساء: ٦٩]

''اور جو اللہ اور رسول کی فرماں برداری کرے تو یہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا، نبیوں اور صدیقوں اور شہدا اور صالحین میں سے اور یہ لوگ اچھے ساتھی ہیں۔''

نیز فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴾ [الجن: ٢٣]

''اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو یقیناً اسی کے لیے جہنم کی آگ ہے، ہمیشہ اس میں رہنے والے ہیں ہمیشہ۔''

قرآنِ کریم نے کئی مواقع پر اس بات پر دلالت کی ہے کہ جس نے رسول کی اطاعت کی، وہ خوش بخت ہے اور اس میں کسی دوسرے معصوم کی اطاعت کی شرط نہیں لگائی، نیز یہ بھی کئی جگہ فرمایا ہے کہ جس نے رسول کی نافرمانی کی، اس کے لیے دوزخ کی وعید اور دھمکی ہے۔ چاہے وہ یہ خیال کرتا رہا ہو کہ اس نے اپنے گمان کے مطابق جس کو معصوم سمجھا، اس کی اطاعت کی ہے۔

اہلِ علم اہلِ کتاب وسنت کا اتفاق ہے کہ رسول کے سوا ہر شخص کا قول اپنایا بھی جا سکتا ہے اور چھوڑا بھی جا سکتا ہے، مگر رسول کا نہیں، اس کی ہر خبر کی، جو اس نے دی، تصدیق کرنا، جو حکم دیا اس کو بجا لانا، جس سے منع کیا اس سے رک جانا، واجب اور لازم ہے۔ نیز جو شریعت اور طریقہ آپ نے بتایا ہے، اس کے مطابق ہی اللہ کی عبادت کی جا سکتی ہے، کیوں کہ وہی ایسا معصوم ہے، جو اپنی خواہش سے نہیں بولتا، بلکہ اس وحی کی پیروی کرتا ہے، جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے۔[2]

سنتِ مطہرہ بھی اسی پر دلالت کرتی ہے، لیکن جس طرح پہلے گزر چکا ہے کہ شیعہ صرف اپنے ائمہ کے اقوال کی طرف رجوع کرتے ہیں، چناں چہ آیندہ سطور میں ان کے اقوال پیش کیے جاتے ہیں، جو ان کے

---

[1] منهاج السنة (٢/ ١٠٥)

[2] منهاج السنة (٣/ ١٧٥)

مذہب کے بخیے ادھیڑ دیتے ہیں۔

"نہج البلاغہ" میں، جس کے ایک لفظ میں بھی شیعہ شک نہیں کرتے، حضرت علی کا قول ذکر ہوا ہے، جو ان کے عصمتِ ائمہ کے متعلق تمام گھروندوں کو زمین بوس کر دیتا ہے۔ "نہج البلاغہ" کا مولف روایت کرتا ہے:

"امیر المومنین نے کہا: میرے ساتھ بناوٹی میل جول رکھو نہ میرے متعلق یہ گمان کرو کہ جو حق میرے سامنے کہا جائے گا، میں اس کو بھاری اور ناگوار سمجھوں گا اور نہ یہ امید رکھو کہ میں اپنے آپ کو کوئی بہت بڑا آدمی سمجھتا ہوں۔ جس نے اپنے سامنے حق گوئی اور عدل پر مبنی بات کو ناگوار اور گراں سمجھا، اس کے لیے ان دونوں پر عمل کرنا، اس سے بھی گراں ہوگا، لہٰذا سچی بات کہنے سے یا کوئی عادلانہ مشورہ دینے سے بالکل پیچھے نہ ہٹو، میں اپنے قول و فعل میں غلطی سے مبرّا نہیں۔"[1]

اس اقتباس میں امیر المومنین اپنے ساتھیوں سے یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ نصیحت اور مشورہ دینے سے ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں اور ان کو اس سے کوئی تصنع یا بناوٹی رویہ روک نہ دے یا ان کے بارے میں یہ گمان نہ رکھا جائے کہ جب ان کے سامنے حق بات کہی جائے گی تو وہ اس کو قبول نہیں کریں گے اور اپنے آپ کو کوئی بڑا آدمی سمجھیں گے، جس پر حق سننا گراں ہو۔ کیوں کہ وہ حاکم جو عوام کا مشورہ قبول نہیں کرتا اور یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی اس کی غلطی نکالے، وہ حق اور عدل پر عمل کرنے سے کہیں دور رہتا ہے، کیوں کہ جس کو نصیحت سننا ناگوار اور گراں محسوس ہو، وہ اس پر عمل کرنے، اس سے زیادہ عاجز ہوتا ہے، لہٰذا حق بات کہنے اور عادلانہ مشورہ دینے سے گریز نہ کرو، کیوں کہ جماعت حق اور عصمت کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ جبکہ اکیلا آدمی غلطی کا شکار ہونے سے محفوظ نہیں ہوتا۔

چناں چہ حضرت علی نے یہاں ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا، جو ان کے بارے میں شیعہ گمان رکھتے ہیں کہ وہ غلطی نہیں کر سکتے، بلکہ انھوں نے تاکید کے ساتھ یہ کہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو غلطی سے محفوظ خیال نہیں کرتے، اس طرح انھوں نے رعایا کے مشورے سے بے پروا ہونے کا بھی اعلان نہیں کیا، بلکہ ان سے حق اور عدل پر مبنی مشورہ طلب کیا ہے، کیوں کہ امت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوتی، لیکن ہر شخص انفرادی طور پر گمراہی کا شکار ہو سکتا ہے، چناں چہ معلوم ہوا کہ عصمت کا دعویٰ غالی شیعہ کی اختراع اور ایجاد ہے۔

---

[1] نہج البلاغة (ص: ٣٣٥)

"نهج البلاغة" میں یہ قول بھی ذکر ہوا ہے:

''لوگوں کے لیے امیر کا ہونا ضروری ہے، خواہ وہ نیک ہو یا بد، اس کی امارت اور حکومت میں مومن عمل کرے، اس کے ساتھ مالِ فَے اکٹھا کیا جائے، دشمن کے ساتھ لڑائی کی جائے، راستے پُر امن بنا دیے جائیں اور طاقت ور سے کمزور کا حق لیا جائے۔''[1]

آپ نے ملاحظہ کیا ہے کہ انھوں نے امیر کے لیے عصمت کی شرط لگائی ہے، نہ اس کا دور یا نزدیک سے کوئی اشارہ ہی دیا ہے، بلکہ یہ سمجھا ہے کہ امیر بنانا ضروری ہے، لوگوں اور علاقوں کے مفادات اس کے ساتھ مربوط ہوں۔ یہ نہیں کہا کہ لوگوں کا سربراہ صرف امام معصوم بن سکتا ہے اور ہر وہ جھنڈا جو غیر معصوم کے لیے نصب کیا جائے، وہ جاہلیت کا جھنڈا ہے، جس طرح شیعہ کتابیں کہتی ہیں۔

اسی طرح انھوں نے امارت کو شیعہ کے نزدیک بارہ اماموں ہی میں محصور اور محدود نہیں کیا، نہ دیگر خلفائے مسلمین کو کافر قرار دیا ہے، جس طرح شیعہ کا مذہب ہے۔ بلکہ امام مقرر کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے، چاہے وہ کوئی فاجر ہی کیوں نہ ہو اور انھوں نے اس کی امارت کو شرعی قرار دیا ہے، کیوں کہ فاجر امیر کی امارت میں جہاد کو جائز قرار دیا ہے، لہٰذا کہاں یہ بات اور کہاں شیعہ کا یہ قاعدہ کہ جب تک منتظر باہر نہیں نکل آتا، تب تک جہاد ممنوع ہے...[2] کیوں کہ شیعہ کے نزدیک شرعی امارت صرف بارہ اماموں تک محدود ہے۔

ائمہ گناہوں کا اعتراف کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے ان کی معافی مانگا کرتے تھے۔ امیر المومنین اپنی دعا میں کہا کرتے تھے، جس طرح "نهج البلاغة" میں مذکور ہے:

"اللهم اغفر لي ما أنت أعلم به مني، فإن عدت فعد علي بالمغفرة، اللهم اغفرلي ما وأيت من نفسي، ولم تجد له وفاء عندي، اللهم اغفر لي ما تقربت به إليك بلساني، ثم خالفه قلبي، اللهم اغفر لي رمزات الألحاظ، وسقطات الألفاظ، وشهوات الجنان، وهفوات اللسان"[3]

''اے اللہ! میرے گناہ معاف کر دے، جن کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے، اگر میں دوبارہ وہ گناہ کروں تو، تو دوبارہ مجھے معاف کر دے۔ اے اللہ! میں نے جو تیرے ساتھ وعدہ کیا، لیکن اس کو وفا

---

[1] نهج البلاغة (ص: ٨٢)

[2] دیکھیں: ''غیبت'' اور ''مہدیت'' (ص: ٨٧١)

[3] نهج البلاغة (ص: ١٠٤)

نہ کر سکا، اس کو معاف کر دے۔ اے اللہ! میرا یہ گناہ معاف کر دے، جو میں نے زبان سے تو کہہ کر تیرا قرب حاصل کر لیا، لیکن میرے دل نے اس کی مخالفت کی۔ اے اللہ! لمحات کی حرکتیں، الفاظ کی لغزشیں، دلوں کی خواہشات اور زبان کی غلطیاں معاف فرما۔''

اس دعا میں آپ گناہ کا اقرار، توبہ کے بعد پھر گناہ کی طرف لوٹنا، الفاظ کی لغزشوں، دلوں کی شہوات اور دل کا زبان کی مخالفت کا اعتراف ملاحظہ کر رہے ہیں۔ یہ ساری باتیں شیعہ کے دعوائے عصمت کے خلاف ہیں، کیوں کہ اگر حضرت علی اور ائمہ معصوم ہوتے تو ان کا گناہوں سے استغفار کرنا عبث اور بے کار کی مشق ہوتی۔ شیعہ کی کتابوں نے اپنے تمام ائمہ کا گناہوں اور نافرمانیوں سے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا نقل کیا ہے، اگر وہ معصوم ہوتے تو ان کے گناہ بھی نہ ہوتے۔

ابو عبداللہ کہتے ہیں:

''ہم گناہ کرتے ہیں، بھول جاتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ سے پکی توبہ کرتے ہیں۔''[1]

ابو الحسن (موسیٰ کاظم) کہا کرتے تھے:

''رب عصيتك بلساني، ولو شئت وعزتك لأخرستني، وعصيتك ببصري، ولو شئت لأكمهتني، وعصيتك بسمعي، ولو شئت وعزتك لأصممتني، وعصيتك بيدي ولو شئت وعزتك لكنعتني، و عصيتك بفرجي، ولو شئت وعزتك لأعقمتني، وعصيتك برجلي ولو شئت وعزتك لجذمتني، وعصيتك بجميع جوارحي التي أنعمت بها علي، ولم يكن هذا جزاك مني...''[2]

''اے میرے رب! میں نے اپنے زبان سے تیری نافرمانی کی، اگر تو چاہتا، تیری عزت کی قسم! تو، تو مجھے گونگا کر دیتا۔ میں نے اپنی آنکھ سے تیری نافرمانی کی، اگر تو چاہتا تو مجھے اندھا کر دیتا۔ میں نے اپنی سماعت کے ساتھ تیری نافرمانی کی، اگر تو چاہتا تو مجھے بہرہ کر دیتا۔ میں نے اپنے ہاتھ کے ساتھ تیری نافرمانی کی، اگر تو چاہتا تو میرے ہاتھ کو شَل کر دیتا۔ میں نے اپنی شرم گاہ کے ساتھ تیری نافرمانی کی، اگر تو چاہتا تو مجھے بانجھ کر دیتا۔ میں نے اپنے پاؤں کے ساتھ تیری نافرمانی کی، اگر تو چاہتا تو اس کو کاٹ دیتا۔ میں نے ان تمام اعضا کے ساتھ تیری نافرمانی کی، جو تم نے مجھے انعام

[1] بحار الأنوار (٢٥/ ٢٠٧)

[2] بحار الأنوار (٢٥/ ٢٠٣)

میں دیے، لیکن میری طرف سے یہ تیری نعمتوں کا بدلہ نہیں تھا۔‘‘

ان جیسی دعاؤں کی توجیہ پیش کرنے میں شیعہ علما حیران و پریشان ہیں، جو ان کے عصمت کے متعلق طے کردہ اصول کے منافی ہیں، اس سابقہ حدیث کے متعلق اسی تردد کی ایک شیعہ نے ہمارے سامنے یہ صورت پیش کی ہے۔ وہ کہتا ہے:

’’میں اس کے معنی میں غور وفکر کیا کرتا تھا اور میں کہتا: اس کو شیعہ کے عصمت کے متعلق اعتقاد کے کس طرح مطابق کیا جا سکتا ہے، لیکن اس تردد کو زائل کرنے والی کوئی صورت میرے سامنے واضح نہ ہوسکی۔‘‘

پھر وہ ذکر کرتا ہے کہ اس نے اپنے عالم ابو الحسن رضی الدین علی بن موسیٰ بن طاؤس علوی حسنی کے سامنے یہ اشکال پیش کیا تو ابن طاؤس نے کہا: وزیر مؤید الدین علقمی نے بھی مجھ سے اس کے متعلق سوال کیا تھا، تو میں نے اس سے کہا: ’’وہ لوگوں کو تعلیم دینے کے لیے ایسا کہا کرتے تھے۔‘‘

ایسے لگتا ہے کہ ابن علقمی اس جواب سے مطمئن اور قائل ہوگیا ہوگا، لیکن یہ اشکال پیش کرنے والا ابن طاؤس کے اس جواب پر استدراک کرتے ہوئے کہتا ہے:

’’میں نے اس کے بعد سوچا تو کہا: یہ وہ رات کو اپنے سجدے میں کہا کرتے تھے، تب ان کے پاس کوئی بھی نہیں ہوتا تھا، جس کو وہ سکھاتے۔‘‘

وہ کہتا ہے:

’’پھر میرے ذہن میں ایک دوسرا جواب آیا کہ وہ یہ برسبیلِ تواضع کہتے ہوں گے۔ لیکن یہ جواب بھی اس کو مطمئن نہ کر سکا تو سائل اس جواب پر آ کر ٹھہر گیا کہ وہ کھانے پینے اور نکاح کرنے جیسے مباح امور میں مشغول ہونے کو گناہ اور غلطی شمار کرتے ہوں گے اور اس سے استغفار کرتے ہوں گے۔‘‘

وہ ذکر کرتا ہے:

’’اس جواب کے بعد کوئی جواب نہیں اور وہ ابن علقمی کے زندہ ہونے کی تمنا کرتا ہے، تاکہ اس کی حیرت دور کر سکے۔‘‘[1]

یہ جواب جس کو یہ سمجھتا ہے کہ یہ اس مشکل اور معمے کا حل ہے، شریعتِ اسلام کے ساتھ اتفاق نہیں رکھتا، جو اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیا کو حرام کرنے سے روکتی ہے اور رہبانیت (ترکِ دنیا) کو ایک طرف پھینکتی ہے:

[1] بحار الأنوار (١/ ٧٩٦)

﴿ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾ [الأعراف: ٣٢]

''تو کہہ کس نے حرام کی اللہ کی زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی اور کھانے پینے کی پاکیزہ چیزیں؟''

ائمہ ان مباح امور اور نکاح کو، جو اسلام کا ایک قانون ہے، کس طرح گناہ شمار کر سکتے ہیں، جن سے وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں، جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ [النساء: ٣]

''تو (اور) عورتوں میں سے جو تمھیں پسند ہوں ان سے نکاح کرلو۔''

اور وہ کھانے پینے کو گناہ کیوں کر متصور کر سکتے ہیں، حالاں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ﴾ [الأعراف: ١٦٠، طٰهٰ: ٨١]

''کھاؤ ان پاک چیزوں میں سے جو ہم نے تمھیں عطا کیں۔''

لیکن وہ جواب جو اس اشکال کا حل ہے اور ائمہ کی حقیقی زندگی اور اسلام کے احکام وشرائع کے مطابق ہے، وہ دعوائے عصمت کا اس شکل میں انکار کرنا اور اس کو باطل قرار دینا ہے، جو شکل شیعہ پیش کرتے ہیں۔

اس کا یہی جواب ہے کہ ائمہ غلطی اور نافرمانی سے معصوم نہیں۔ یہ موقف جس طرح شرعی دلائل کے مطابق ہے، ائمہ کی واقعاتی زندگی کے ساتھ بھی ہم آہنگ ہے اور اسی کے ساتھ قیادت کا امکان حقیقت پذیر ہو سکتا ہے۔

بنا بریں اللہ کے انبیا تمام انسانوں کی طرح انسان ہی تھے، جو کھانا کھاتے، بازاروں میں چلتے، دعوتِ دین کی نشر واشاعت کے لیے محنت کرتے، اپنی اقوام کی اذیتوں اور جہاد کی مشقتوں کو برداشت کرتے۔ یہ سب کچھ محض اس لیے تھا کہ وہ قیادت پیش کریں اور اپنے بعد میں آنے والوں کے لیے نمونہ بنیں۔

ایک دوسری بات، جو شیعہ کی کتابوں سے دعوائے عصمت کو باطل کر دیتی ہے، وہ یہ ہے کہ بعض مواقف، مسائل اور معصومین کے اعمال کے اختلاف وتناقض، ایک دوسرے کے مخالف ومتناقض نہیں، بلکہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں....

اختلاف عصمت کے منافی ہے، جو ان کے نزدیک امامت کی شرط ہے، جو نتیجتاً خود اصل امامت ہی کو باطل کر دیتا ہے۔ اسی لیے ائمہ کے اعمال میں اختلاف کی روش بعض شیعہ کے شیعیت کے دائرۂ اثر سے خروج کا

براہِ راست سبب تھا، کیوں کہ ان کو اس تناقض نے شک کا شکار بنا دیا تھا۔

اس کی مثال ملاحظہ کرنے کے لیے قمی اور نوبختی کا یہ اقتباس پڑھیے:

''حسین رضی اللہ عنہ کے قتل ہونے کے بعد ان کے اصحاب کا ایک فرقہ حیرت کا شکار ہوگیا، اس نے کہا: ہمارے لیے حضرت حسن اور حضرت حسین کا فعل اختلاف کا باعث بن گیا ہے، کیوں کہ حضرت حسن نے آ کر اپنے ساتھیوں کی کثرت کے باوجود معاویہ کے ساتھ جنگ کرنے سے عاجز آ کر ان کے ساتھ صلح کر لی اور ان کو خلیفہ تسلیم کر لیا اور ان کا یہ فعل حق پر مبنی واجب اور درست تھا تو حضرت حسین نے کمزوری اور اپنے ساتھیوں کی قلت اور یزید بن معاویہ کے ساتھیوں کی کثرت کے باوجود لڑائی کی، حتی کہ خود بھی قتل ہوگئے اور سارے ساتھی بھی مارے گئے تو ان کا یہ فعل باطل اور غیر واجب تھا، کیوں کہ حضرت حسین کے پاس حضرت حسن کی نسبتِ یزید کے خلاف لڑائی لڑنے سے پیچھے رہنے اور اس کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھانے کا زیادہ عذر موجود تھا۔ اگر حسین کا فعل درست تھا، جس کے لیے انھوں نے اپنی اولاد اور ساتھیوں کی قربانی دے دی تو حضرت حسن کا معاویہ کا ساتھ لڑائی نہ لڑنا اور صلح کرنا، جب کہ ان کے ساتھ سپاہیوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی، باطل ہوگا، چناں چہ انھوں نے ان دونوں کی امامت میں شک کیا، شیعیت سے تائب ہوگئے اور عوام کی رائے کے قائل ہوگئے۔''[1]

ائمہ کے اقوال میں اختلاف اور تناقض کی مثالوں کا باب بہت زیادہ وسیع ہے اور یہ بعض شیعہ حضرات کا شیعیت سے تائب ہونے کا ایک دوسرا سبب تھا، جس کی شیخ الطائفہ طوسی نے بھی گواہی دی ہے۔ وہ کہتا ہے:

''ان کی روایات تناقض، تباین اور اختلاف کا شکار ہیں، حتی کہ آپ کو کوئی ایک بھی ایسی روایت نہیں ملے گی جس کے متضاد روایت موجود نہ ہو۔''

اس چیز کو اس نے شیعہ مذہب میں سب سے بڑا اعتراض، تنقید اور بعض شیعہ کا شیعہ مذہب ترک کرنے کا سبب شمار کیا ہے۔[2]

تہذیب اور استبصار یہ دونوں کتابیں شیعہ کے چار مصادر میں سے دو معتبر مصادر ہیں۔ یہ دونوں ہی اپنی بہت ساری روایات کے ذریعے سے اس تناقض اور اختلاف پر گواہی پیش کرتی ہیں۔ طوسی نے اس اختلاف اور

[1] القمي: المقالات والفرق (ص: ٢٥) النوبختي: فرق الشيعة (ص: ٢٥۔ ٢٦)

[2] دیکھیں: اسی کتاب کے صفحہ نمبر (٣٩٣، ٣٩٤)

تناقض کو دور کرنے کے لیے اس کو تقیے پر محمول کرنے کی اپنی سی کوشش کی ہے، لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہوسکا، بلکہ جلتی پر مزید تیل کا کام کیا ہے۔

شیعہ نے اپنے ائمہ کی روایات اور اعمال پر پردہ ڈالنے کے لیے تقیہ اور بدا (ظہورِ علم) کا عقیدہ ایجاد کیا۔ بعض شیعہ کے سامنے یہ حقیقت عیاں ہوگئی اور اس نے جب ان دونوں عقیدتوں کا وضع کرنے کا سبب جان لیا تو وہ شیعیت سے تائب ہوگیا اور اس نے کہا:

''رافضہ کے ائمہ نے اپنے شیعہ کے لیے یہ دونوں نظریے وضع کیے، جن کے ہوتے ہوئے وہ اپنے ائمہ کا کوئی کذب ظاہر نہیں ہونے دیں گے اور وہ یہ ہیں ایک عقیدہ بدا اور دوسرا تقیے کی اجازت۔''[1]

شیعہ کی کتابیں نقل کرتی ہیں کہ امام ایک ہی مسئلے کے متعلق ایک ہی مجلس میں تین مختلف اور متضاد جواب دیتا ہے اور وہ اس کو تقیے پر محمول کرتا ہے یا امام کی فتویٰ دینے میں آزادی پر کہ وہ کمی کر کے یا اضافہ کرے جواب دینے کا مجاز ہے۔

ایک عمر بن ریاح نامی شیعہ شخص اپنے امام سے کوئی فتویٰ لینے کے لیے گیا، جب اس نے اس کو فتویٰ دیا تو وہ چلا گیا اور آیندہ سال پھر آیا اور اس مسئلے کے متعلق فتویٰ مانگا تو اس نے اس کو پہلے جواب کے الٹ جواب دیا۔ اس نے اس کو عجیب سمجھا اور کہا کہ یہ جواب، اس جواب کے الٹ ہے، جو آپ نے مجھے گذشتہ سال دیا تھا؟ تو انھوں نے جواب دیا: ہمارا جواب تقیے کی بنا پر نکلا تھا، پس اس کو اس کے حکم اور امامت میں شک گزرا، وہ اس کے پاس سے نکلا اور ایک شیعہ کو ملا، جس کا نام محمد بن قیس تھا، اس کو اس نے ساری بات بتائی اور کہا:

''اللہ جانتا ہے، میں نے جب اس سے یہ پوچھا تو میرا دین داری کے لیے صحیح عزم تھا کہ جو مجھ کو وہ فتویٰ دے گا، میں اس پر عمل کروں گا، میرے سامنے تقیہ اختیار کرنے کا کوئی جواز نہیں بنتا، جب کہ میری یہ حالت ہے؟''

محمد بن قیس نے اس سے کہا: شاید تمھارے ساتھ کوئی اور بھی تھا، جس سے اس نے تقیہ اختیار کیا ہو، اس نے کہا:

''اس کی مجلس میں دونوں مسئلوں کے وقت میرے علاوہ کوئی بھی موجود نہیں تھا، لیکن اس کے دونوں

---

[1] المقالات والفرق (ص: ٧٨) فرق الشيعة (ص: ٥٥۔ ٥٦) اس بات کا قائل سلیمان بن جریر ہے، جس کی طرف زیدیہ کا فرقہ سلیمانیہ منسوب ہے۔

جواب بلا غور وفکر تھے اور اس کو یاد ہی نہیں رہا کہ پچھلے سال کیا جواب دیا تھا، تاکہ اس مرتبہ بھی اس طرح کا جواب دے دیتا۔‘‘

چناں چہ وہ اس کی امامت سے تائب ہوگیا اور اس نے کہا: ’’جو باطل فتویٰ دیتا ہو، وہ امام نہیں ہوسکتا۔‘‘[1]

کلینی نے زرارہ بن اعین سے روایت کیا ہے، اس نے ابوجعفر سے نقل کیا، وہ کہتا ہے:

’’میں نے ان سے ایک مسئلے کے متعلق سوال کیا، انھوں نے مجھے اس کا جواب دیا۔ پھر ایک دوسرا آدمی آیا، اس نے بھی اس مسئلے کے متعلق سوال کیا تو اس کو انھوں نے میرے جواب سے مختلف جواب دیا، پھر ایک تیسرا آدمی آیا، اس نے بھی اسی مسئلے کی بابت سوال کیا تو اس کو پہلے دونوں جوابوں کے بالکل برعکس جواب دیا۔

’’جب وہ دونوں چلے گئے تو میں نے کہا: اے فرزندِ رسول ﷺ! دو عراقی شیعہ آپ کے پاس ایک ہی مسئلہ لے کر آئے، آپ نے دونوں کو میرے جواب سے مختلف جواب دیا؟ انھوں نے کہا: اے زرارۃ! یہی ہمارے اور تمھارے لیے بہتر ہے۔ اگر تم ایک ہی بات پر اتفاق کر لو تو جو تم ہمارے متعلق کہو گے، لوگ اس کی تصدیق کریں گے، جس کے نتیجے ہمارے بقا اور تمھاری بقا خطرے سے دوچار ہو جائے گی۔‘‘[2]

بعض اوقات وہ ایک ہی آیت کی تفسیر میں تین مختلف اور متضاد جوابات دیتے اور یہ سمجھتے کہ یہ اس نے ان کے سپرد کر دیا ہے، جو چاہیں اس میں کہہ دیں۔[3]

لہٰذا آپ ملاحظہ کرتے ہیں کہ ایک ہی مسئلے کے متعلق ایک ہی مجلس میں مختلف جوابات ہیں اور یہ اختلاف دعوائے عصمت کی نفی کرتا ہے۔ یہ شیعہ منطق کے مطابق ہے، وگرنہ ابوجعفر محمد باقر سے اس جیسی کوئی بات بھی صادر نہیں ہوئی، ان کا دین، علم اور پرہیز گاری اس کی نفی کرتی ہے کہ وہ خوف یا تقیے کی وجہ سے اللہ کے دین میں کوئی جھوٹا فتویٰ دیں، لیکن یہ اور اس جیسی روایات ان لوگوں کے لیے حیلہ اور ہتھیار ہیں، جنھوں نے ان کی روایات میں رونما ہونے والے اختلاف اور تناقض کی پردہ پوشی کے لیے ائمہ میں غلو اور عصمتِ ائمہ کا عقیدہ

---

[1] فرق الشيعة (ص: ٥٩۔ ٦١)

[2] أصول الكافي (١/ ٦٥)

[3] دیکھیں: أصول الكافي (١/ ٢٦٥۔ ٢٦٦)

ایجاد کیا، حالاں کہ یہ روایات غالب گمان کے مطابق ان کے اپنے ہاتھوں سے وضع کردہ ہیں۔ اس لیے ان میں تناقض رونما ہوتا ہے، جو انہی کی جہالت کے لائق ہے۔

پھر وہ معصوم جس کی اتباع کا یہ دعویٰ کرتے ہیں، وہ بھی ان کو ان کے دین کی اصل اور اساس یعنی امامت میں اختلاف سے نہیں بچا سکا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ شیعہ کا ائمہ کی تعداد، شخصیات و اعیان، وقف امام کی واپسی کا انتظار یا دوسرے امام کی طرف جانا چاہیے، ان تمام امور میں شدید اختلاف ہے اور یہ اس سلسلے میں ایک دوسرے پر طعن و تشنیع اور تکفیر کے فتوے لگاتے ہیں۔

یہ ان دیگر متناقض اور متضاد روایات کے علاوہ ہیں، جو دین کے بہت سارے امور اور اصول وفروع کے متعلق ہیں، لیکن اس عصمتِ مزعومہ نے اہلِ مذہب کو اختلاف سے بالکل نہیں روکا...ان کے اثر کا عدمِ وجود اس کی اصل اور اساس کے معدوم اور بے حقیقت ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

علاوہ ازیں ممکن ہے کہ شیعہ نے نظریہ عصمت مجوسی مذہب سے وراثت میں پایا ہو، کیوں کہ مجوسی اپنے منتظر، جس کا وہ انتظار کر رہے ہیں، اس کے اور اس کے ساتھیوں کے متعلق یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے، اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے اور نہ ان سے کوئی چھوٹا یا بڑا گناہ سرزد ہوسکتا ہے...[1]

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان کا عصمت کا عقیدہ ایک ایسا معاملہ ہے، جس کا آج کوئی اثر نہیں رہا، کیوں کہ ۲۶۰ھ سے ائمہ کا عملاً وجود ختم ہو چکا ہے، اب غائب موعود کے انتظار کے سوا اور کچھ نہیں بچا۔ لیکن میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ شیعہ کی حقیقی زندگی میں آج بھی اس عقیدے کے اثرات موجود ہیں، جن کا درج ذیل متعدد جوانب میں اظہار ہوتا ہے:

- ان کا بارہ اماموں سے منقول روایات پر اسی طرح عمل کرنا، جس طرح تمام مسلمان قرآن و سنت پر عمل کرتے ہیں۔
- شیعہ کا ان کی قبروں اور مزاروں میں غلو کرنا، ان کی عصمت میں اس قدر زیادہ غلو جو ان کو الوہی صفات کا حامل قرار دیتا ہے، ان کی قبروں اور مزاروں کے غلو میں تبدیل ہو جاتا ہے، لہٰذا ان کا طواف کیا جاتا ہے اور اللہ کے علاوہ ان کو پکارا جاتا ہے۔
- شیعہ مجتہد کو بھی ایک حد تک یہ صفت اور مقام حاصل ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس کے پاس آنے والا، اللہ

---

[1] تثبیت دلائل النبوة (۱/ ۱۷۹)

کے پاس آنے والے کی طرح ہے اور وہ اللہ کے ساتھ شرک کی حد پر ہے۔

یہ انتہائی خطرناک بات ہے، کیوں کہ آج شیعہ کے آیات اور مراجعِ تقلید ہی سلطنتِ شیعہ کی قیادت سنبھالے ہوئے ہیں اور یہ اپنی قوم پر اپنی تعلیمات اس طرح لاگو کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی شریعت ہے اور شرک میں مبتلا ہونے کے خدشے کے پیشِ نظر کوئی ان پر اعتراض بھی نہیں کرسکتا۔

- اس فاسد عقیدے کو اپنائے رکھنا اور اس کو دین کی حیثیت دینا۔

تیسری فصل

تقیہ[1]

تقیہ کی تعریف:

مفید ان الفاظ میں شیعہ کے نزدیک تقیہ کی تعریف کرتا ہے:

''تقیہ حق کو چھپانا اور اس کے اعتقاد پر پردہ ڈالنا، مخالفین سے چھپانا اور اس انداز میں اپنے مذہب کا اظہار ترک کرنا، جس کے انجام کار دنیا یا آخرت میں کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔''[2]

مفید تقیے کی یہ تعریف کرتا ہے کہ یہ مخالفین سے کسی نقصان کے پہنچنے کے خدشے کے پیشِ نظر اعتقاد کو چھپانے کا نام ہے اور مخالفین اہلِ سنت ہیں، جیسا کہ شیعہ کے نزدیک یہ لفظ عموماً انھیں پر بولا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اہلِ سنت کے مذہب کا اظہار (جس کو یہ باطل خیال کرتے ہیں) اور رافضہ کے مذہب کا اخفا، جسے یہ حق سمجھتے ہیں، تقیہ ہے۔

اس بنیا پر بعض اہلِ سنت اس رائے کا اظہار کرتے ہیں:

اس عقیدے کے حامل منافقوں سے بھی برے ہیں، کیوں کہ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جس کفر کو وہ

---

[1] ''اِتَّقِيتُ الشَّيْءَ، وَتَقَيْتُهُ، أَتَّقِيهِ، تَقىً، وَتَقِيَّةً، وَتِقَاءً'' ڈرنا، احتراز برتنا۔ (لسان العرب، مادہ: وقي) اس لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے: ''تقیہ اپنے دلی اعتقاد کو دوسروں کے سامنے ظاہر کرنے سے احتراز برتنے کا نام ہے۔'' (فتح الباري: ١/ ٣١٤)
اس کا لفظی معنی ہے: چھپانا۔ بعض اوقات انسان دل میں پوشیدہ بات کے خلاف اظہار کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''تقیہ زبان کے ساتھ ہوتا ہے، اور دل ایمان پر مطمئن ہوتا ہے۔'' امام ابو العالیہ فرماتے ہیں: ''تقیہ زبان کے ساتھ ہوتا ہے، عمل کے ساتھ نہیں۔'' (تفسير الطبري: ٦/ ٣١٤۔ ٣١٥ تحقيق شاكر، فتح الباري: ١٣/ ٣١٤)
تقیہ باطن کے خلاف اظہار کا نام ہے۔ (النهاية لابن أثير: ١/ ١٩٣) اکثر عرب تقیہ کو تقاۃ بولتے ہیں، اس لیے قرآن کریم میں آیا ہے: ﴿ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ﴾ [آل عمران: ٢٨] فراء کے خیال کے مطابق اس کا صحیح تلفظ تقیہ ہے اور ایک قراءت میں ''تقیہ'' بھی ذکر ہوا ہے۔ (معاني القرآن للفراء، ص: ٢٠٥، تفسير الطبري: ٦/ ٣١٧)

[2] شرح عقائد الصدوق (ص: ٢٦١) ملحق بكتاب أوائل المقالات.

دل میں چھپائے ہوئے ہیں، وہ باطل ہے، لیکن خوف کی وجہ سے وہ اسلام کا اظہار کرتے ہیں، لیکن یہ لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ جس کو وہ دل میں چھپاتے ہیں، وہ حق ہے اور ان کا یہ طریقہ کار رسولوں اور ائمہ کا منہج ہے۔''[1]

اسلام میں تقیہ عموماً کافروں سے کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ﴾ [آل عمران: ٢٨]

''مگر یہ کہ تم ان سے بچو، کسی طرح بچنا۔''

امام ابن جریری طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ تقیہ جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر کیا ہے، کفار سے ہے، ان کے علاوہ کسی دوسرے سے نہیں۔''[2]

اس لیے بعض سلف کی یہ رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسلام کو غالب کر دینے کے بعد تقیہ ختم ہو چکا ہے۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے:

''تقیہ اسلام کے آغاز میں، مسلمانوں کی قوت سے پہلے تھا، لیکن آج اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عزت اور غلبہ دے دیا ہے اور ان کو اب ان سے تقیہ اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔''[3]

لیکن شیعہ کا تقیہ مسلمانوں کے لیے بالخصوص اہلِ سنت سے ہے، بلکہ ان کا یہاں تک خیال ہے:

''قرونِ اولیٰ (مفضلہ) کا زمانہ عہدِ تقیہ ہے، جس طرح مفید نے یہ قاعدہ ذکر کیا ہے۔''[4]

یہ امر ان اقتباسات اور روایات میں بھی آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں، جو انھوں نے ائمہ کی طرف منسوب کی ہیں، کیوں کہ ان کا اعتقاد ہے کہ اہلِ سنت یہود و نصاریٰ سے بھی بڑے کافر ہیں، کیوں کہ بارہ اماموں کی امامت کا منکر منکرِ نبوت سے بھی شدید تر ہے۔[5] تقیہ اضطراری حالت میں رخصت ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو کفار کے ساتھ موالات کی ممانعت کے قانون سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

[1] ابن تيمية: رسالة في علم الظاهر والباطن، ضمن مجموعة الرسائل المنيرية (١/ ٢٤٨)

[2] تفسير الطبري (٦/ ٣١٦) تحقيق شاكر.

[3] دیکھیں: تفسير القرطبي (٤/ ٥٧) فتح القدير للشوكاني (١/ ٣٣١)

[4] اس کتاب میں اس کے الفاظ گزر چکے ہیں۔ دیکھیں (ص: ٦١)

[5] دیکھیں: اسی کتاب کا صفحہ نمبر (٧٦٤)

﴿ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰةً وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴾

[آل عمران: ٢٨]

''ایمان والے مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بنائیں اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کی طرف سے کسی چیز میں نہیں مگر یہ کہ تم ان سے بچو، کسی طرح بچنا اور اللہ تمھیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا کفار کے ساتھ موالات قائم کرنے اور دوستی رکھنے سے منع کرنا بلیغ ترین وعید ہے۔ فرمایا: ﴿وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ﴾ یعنی جو اللہ تعالیٰ کی اس نہی کو خاطر میں نہ لایا اور اس کا ارتکاب کیا، وہ اللہ سے بَری ہیں۔ پھر فرمایا: ﴿ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰةً﴾ [آل عمران: ٢٨] یعنی اس کے سوا جس کو بعض علاقوں یا بعض اوقات میں ان کے شر کا خوف ہو تو وہ اپنے ظاہر کے ساتھ باطن اور نیت کے ساتھ نہیں، ان سے تقیہ کر سکتا ہے۔[1]

اہلِ علم کا اجماع ہے کہ تقیہ ضرورت کی حالت میں رخصت ہے۔ امام ابن منذر کہتے ہیں:

''اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص کو کفر پر مجبور کر دیا جائے، حتی کہ اس کو اپنی جان کے لالے پڑ جائیں تو وہ کافر ہو جائے، لیکن اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو تو اس پر کافر ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔''[2]

لیکن جو شخص ایسی صورتِ حال میں عزیمت پر کار بند رہتا ہے تو وہ افضل ہے۔ امام ابن بطال کہتے ہیں:

''اس بات پر اجماع ہے کہ جس کو کفر پر مجبور کر دیا جائے، لیکن وہ قتل ہونا منتخب کر لے تو اس کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت زیادہ اجر ہے۔''[3]

لیکن وہ تقیہ جو شیعہ کے نزدیک ہے، وہ اس سے مختلف ہے۔ وہ شیعہ کے نزدیک رخصت نہیں، بلکہ نماز کی طرح کا یا اس سے بھی بڑا ان کے دین کا ایک رکن ہے۔ شیعہ عالم ابن بابویہ کہتا ہے:

---

[1] تفسیر ابن کثیر (١/ ٣٧١) کتبِ تفسیر میں ان آیات آلِ عمران (آیت: ٢٨) والنحل (آیت: ١٠٦) کے تحت آپ یہ معنی ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

[2] فتح الباري (١٢/ ٣١٤)

[3] فتح الباري (١٢/ ٣١٧)

''تقیہ کے متعلق ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ یہ واجب ہے۔ جس نے اسے ترک کیا، وہ تارکِ نماز کے قائم مقام ہے۔''[1]

صادق کہتا ہے:

''اگر میں یہ کہوں کہ تارکِ تقیہ، تارکِ نماز کی طرح تو میں سچ کہوں گا۔''[2]

بلکہ انھوں نے نبی مکرم ﷺ کی منسوب کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''تارکِ تقیہ تارکِ نماز کی طرح ہے۔''[3]

پھر ان لوگوں نے تقیے کا درجہ مزید بڑھاتے ہوئے اسے دین کا نوے فیصد حصہ قرار دیا ہے۔ پھر انھوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ انھوں نے تقیے ہی کو سارا دین قرار دیا ہے۔ جو تقیہ نہیں کرتا، اس کا کوئی دین نہیں۔ اصولِ کافی وغیرہ میں جعفر بن محمد سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا:

''دین کا نوے فیصد حصہ تقیے میں ہے۔ جو تقیہ نہیں کرتا، اس کا کوئی دین نہیں۔''[4]

شیعہ نے ترکِ تقیہ کو شرک کے برابر گناہ قرار دیا ہے، جو بخشا نہیں جائے گا۔ شیعہ کی روایات کہتی ہیں:

''مومن سے دنیا میں جو گناہ سرزد ہوں، اللہ تعالیٰ ان تمام کو معاف کر دے گا، سوائے دو گناہوں کے: ① ایک ترکِ تقیہ اور ② دوسرے اخوان (بھائیوں) کے حقوق ضائع کرنا۔''[5]

تقیہ دینِ اسلام میں جہاد اور دعوت کا دین ہے، جو ایک مسلمان کے کردار میں عمومی رویے کی نمایندگی کرتا ہے نہ یہ اسلامی معاشرے کی کوئی نمایاں علامت ہی ہے، بلکہ یہ عموماً عارضی اور انفرادی حالت ہوتی ہے، جو حالتِ اضطرار کے ساتھ متصل اور ہجرت کی عدمِ استطاعت کے ساتھ مربوط ہوتی ہے اور حالتِ اضطرار کے ختم ہونے کے ساتھ ہی زائل ہوجاتی ہے، لیکن شیعہ مذہب میں یہ مذہب کے بنیادی ڈھانچے میں شامل اور اس کا ذاتی مزاج اور جبلت ہے۔ ابوعبداللہ کہتے ہیں:

---

[1] الاعتقادات (ص: ١١٤)

[2] ابن إدريس: السرائر (ص: ٤٧٩) ابن بابويه: من لا يحضره الفقيه (٢/ ٨٠) جامع الأخبار (ص: ١١٠) الحر العاملي: وسائل الشيعة (٧/ ٩٤) بحار الأنوار (٧٥/ ٤١٢ـ ٤١٤)

[3] جامع الأخبار (ص: ١١٠) بحار الأنوار (٧٥/ ٤١٢)

[4] أصول الكافي (٢/ ٢١٧) البرقي: المحاسن (ص: ٢٥٩) الحر العاملي: وسائل الشيعة (١١/ ٤٦٠) المجلسي: بحار الأنوار (٧٥/ ٤٢٣)

[5] تفسير الحسن العسكري (ص: ١٣٠) وسائل الشيعة (١١/ ٤٧٤) بحار الأنوار (٧٥/ ٤١٥)

''تم ایسے دین پر ہو، جس نے اس کو چھپایا، اللہ تعالیٰ اس کو عزت دے گا اور جس نے اسے پھیلایا، اس کو اللہ تعالیٰ رسوا کر دے گا۔''[1]

مزید کہا:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے دین میں ہمارے لیے اور تمھارے لیے تقیے کے علاوہ ہر چیز سے انکار کیا ہے۔''[2]

تقیہ شیعہ کے نزدیک استمراری حالت اور دائمی اجتماعی رویہ ہے۔ ابن بابویہ اپنی کتاب "الإعتقادات" (جس کا نام ان کے نزدیک ''دینِ امامیہ'' ہے) میں لکھتا ہے:

''تقیہ واجب ہے، اس کو اس وقت تک منسوخ کرنا جائز نہیں، جب تک قائم کا ظہور نہ ہو جائے۔ جس نے اس کو قائم کے خروج سے پہلے ترک کر دیا تو وہ اللہ کے دین سے اور امامیہ کے دین سے نکل گیا اور اس نے اللہ، رسول اور ائمہ کی مخالفت کی۔''[3]

شیعہ کتب علی بن موسیٰ رضا سے روایت کرتی ہیں کہ انھوں نے کہا:

''جس کا تقیہ نہیں، اس کا کوئی ایمان نہیں اور تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے معزز وہ ہے، جو تقیے پر زیادہ عمل کرنے والا ہے۔'' (گویا یہ اس آیت: ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ﴾ [الحجرات: ۱۳] کی تفسیر کر رہے ہیں)

ان سے پوچھا گیا: اے فرزندِ رسول! یہ کب تک رہے گا؟ انھوں نے کہا:

''معلوم وقت تک، جو ہمارے قائم کے ظہور کا وقت ہے۔ جس نے ہمارے قائم کے خروج سے پہلے تقیہ ترک کر دیا، وہ ہم میں سے نہیں۔''[4]

تقیہ تمام دیارِ اسلام میں ہر شیعہ شخص کے لیے لازم ملزوم ہے، بلکہ یہ دار الاسلام کو ''دار التقیہ'' کا نام دیتے ہیں۔ شیعہ روایات میں ذکر ہوا ہے کہ ''تقیہ دار التقیہ میں واجب ہے۔''[5] اس کو یہ مملکتِ باطل کا نام بھی دیتے ہیں، ان کے بقول:

---

[1] أصول الكافي (١/ ٢٢٢)

[2] المصدر السابق (٢/ ٢١٨)

[3] الاعتقادات (ص: ١١٤۔ ١١٥)

[4] ابن بابويه: إكمال الدين (ص: ٣٥٥) الطبرسي: أعلام الورىٰ (ص: ٤٠٨) أبو القاسم الرازي: كفاية الأثر (ص: ٣٢٣) وسائل الشيعة (١١/ ٤٦٥) نیز اسی معنی کے لیے دیکھیں: جامع الأخبار (ص: ١١٠) بحار الأنوار (٧٥/ ٤١٢)

[5] جامع الأخبار (ص: ١١٠) بحار الأنوار (٧٥/ ٤١١)

''جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ مملکتِ باطل میں تقیہ کے سوا قطعاً کلام نہ کرے۔''[1]

دولتِ اسلام کو یہ دولتِ ظالمین سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں:

''دولتِ ظالمین میں ہم پر تقیہ ایک واجب فریضہ ہے، جس نے اس کو ترک کر دیا، اس نے دینِ امامیہ کی مخالفت کی اور اس کو چھوڑ دیا۔''[2]

وہ یہ بات تاکید کے ساتھ کہتے ہیں کہ شیعہ کی اہلِ سنت کے ساتھ معاشرت تقیہ کے ساتھ ہو۔ حر عاملی نے اس کی ترجمانی یہ باب قائم کر کے کی ہے:

''باب: عامہ (اہلِ سنت) کے ساتھ تقیے کے ساتھ معاشرت کا وجوب۔''[3]

انھوں نے ابو عبداللہ کی طرف اس روایت کی نسبت کی ہے کہ انھوں نے کہا:

''جس نے ان کے ساتھ پہلی صف میں نماز پڑھی، وہ ایسے ہی ہے، جیسے اس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پہلی صف میں نماز پڑھی۔''[4]

مزید کہا:

''جس نے منافقوں کے پیچھے تقیے کے ساتھ نماز پڑھی، وہ ائمہ کے پیچھے نماز پڑھنے والے کی طرح ہے۔''[5]

''کشف الغطا'' کا مصنف کہتا ہے:

''تقیہ جب واجب ہو جائے تو جب بھی عبادت اس کے خلاف بجا لائی جائے گی، وہ باطل ہوگی، اس کی بہت زیادہ ترغیب وارد ہوئی ہے۔ یہ آلِ محمد کا دین ہے اور جس کا تقیہ نہیں، اس کا دین ہی نہیں۔''[6]

بلکہ تقیہ کا اگر کوئی باعث اور بہانہ نہ بھی ہو، تب بھی یہ جاری اور نافذ رہتا ہے۔ ان کی روایات شیعہ شخص کو اس آدمی کے ساتھ بھی تقیہ آمیز رویہ اپنانے پر اکساتی ہیں، جس سے اس کوئی خطرہ نہ ہو، تا کہ یہ اس کی عادت ثانیہ بن جائے اور جب کسی سے ڈرنے کی ضرورت پیش آئے، تب اس کو بلا جھجک استعمال کرے۔

---

1. جامع الأخبار (ص: ١١٠) بحار الأنوار (٧٥/ ٤١٢)
2. بحار الأنوار (٧٥/ ٤٢١)
3. وسائل الشيعة (١١/ ٤٧٠)
4. بحار الأنوار، باب التقية (٧٥/ ٤٢١)
5. جامع الأخبار (ص: ١١٠) بحار الأنوار (٧٥/ ٤١٢)
6. جعفر النجفي: كشف الغطا (ص: ٦١)

شیعہ کی کتابیں روایت کرتی ہیں:

''تقیہ کو لازمی طور پر اختیار کرو۔ وہ ہم میں سے نہیں جو اس کے ساتھ بھی اس کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا نہیں بناتا، جس سے اس کو کوئی خطرہ نہ ہو، تاکہ یہ اس کی اس کے ساتھ بھی فطرت بن جائے، جس اس کو کوئی ڈر اور خوف ہو۔''[1]

چوں کہ اس صورت میں تقیہ جھوٹ اور منافقت کے سوا کوئی دوسرا مفہوم نہیں رکھتا، جس کو فطرتِ سلیمہ ناپسند کرتی ہے، راست طبیعتیں اس سے گھن کھاتی ہیں اور عقلیں اس کو بالکل قبول نہیں کرتیں، اس لیے شیعہ کی روایات نے اس کو اپنے پیروکاروں کے لیے پسندیدہ بنانے اور ان کو، عبادت کے نام پر بلکہ اس کو تمام عبادات میں سے اللہ کا محبوب ترین قرار دے کر اس کا عادی بنانے کے لیے فریب دینے کی سعی لا حاصل بھی کی ہے۔

کلینی نے روایت کیا ہے:

''ہشام کندی سے مروی ہے کہ میں نے ابوعبداللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ کی کسی ایسی چیز کے ساتھ عبادت نہیں کی گئی، جو اس کو ''خبء'' (چھپانا) سے زیادہ محبوب ہو۔ میں نے کہا: ''خبء'' کیا ہے؟ انھوں نے کہا: تقیہ۔''[2]

کافی وغیرہ میں مذکور ہے:

''محمد بن مروان، ابوعبداللہ سے روایت کرتا ہے کہ میرے والد کہا کرتے تھے: تقیے سے زیادہ میری آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے والی کون سے چیز ہے؟''[3]

ایک روایت میں ہے:

''اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے تقیے سے بڑی کوئی چیز پیدا نہیں کی۔''[4]

یہ ہیں اثنا عشریہ کے نزدیک تقیے کے معالم اور اثرات۔ صاحبِ کافی نے ''باب التقية''[5]، ''باب

---

[1] أمالي الطوسي (١/ ١٩٩) وسائل الشيعة (١١/ ٤٦٦) بحار الأنوار (٧٥/ ٣٩٥)

[2] أصول الكافي (٢/ ٢١٩) نیز دیکھیں: ابن بابويه: معاني الأخبار (ص: ١٦٢) وسائل الشيعة (١١/ ٤٦٢)

[3] أصول الكافي (٢/ ٢٢٠)

[4] ابن بابويه: الخصال (ص: ٢٢) جامع الأخبار (ص: ١١٠) البرقي: المحاسن (ص: ٢٥٨) الحر العاملي: وسائل الشيعة (١١/ ٤٦٠، ٤٦٤) بحار الأنوار (٧٥/ ٣٩٤)

[5] أصول الكافي (٢/ ٢١٧)

الکتمان"[1] اور "باب الإذاعة"[2] میں اس کے متعلق روایات ذکر کی ہیں۔

مجلسی نے "باب التقیة والمداراة"[3] میں اپنی ۱۰۹ روایات ذکر کی ہیں۔ جہاں تک تقیے میں اس قدر غلو کا سبب ہے، تو وہ ان مندرجہ ذیل امور کی طرف لوٹتا ہے:

1. شیعہ خلفائے ثلاثہ کی امامت و خلافت کو باطل خیال کرتے ہیں، لہٰذا وہ اور ان کی بیعت کرنے والے سب کافروں کی فہرست میں ہیں، باوجودیکہ حضرت علی نے بھی ان کی بیعت کی تھی، ان کے پیچھے نمازیں پڑھیں، ان کی معیت میں جہاد کیا، ان کے ساتھ رشتے قائم کیے اور ان کے ساتھ مل کر جہاد کر کے لونڈیاں حاصل کیں اور جب منصبِ خلافت پر متمکن ہوئے تو انہی کے نقشِ قدم پر رواں دواں ہوئے اور ابوبکر و عمر نے جو کچھ کیا تھا، اس میں ذرہ بھر تبدیلی نہ کی۔ اس بات کا خود شیعہ کی کتابوں کو بھی اعتراف ہے[4] اور ان کا یہ طرزِ عمل شیعہ مذہب کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے اس تناقض سے نکلنے کی کوشش کی ہے، جو تقیے کے عقیدے کی صورت میں ظاہر ہوئی ہے۔

2. انھوں نے ائمہ کی عصمت کا عقیدہ پیش کیا ہے، جس کے مطابق وہ غلطی کرتے ہیں نہ بھولتے ہیں اور نہ غفلت ہی کے شکار ہوتے ہیں، جب کہ یہ دعویٰ ان کی سیرت و کردار کے خلاف ہے، بلکہ خود شیعہ کی روایات بھی، جو ائمہ کی طرف منسوب ہیں، اختلاف اور تضاد کا شکار ہیں اور کوئی ایسی روایت موجود نہیں، جس کے برعکس اور متضاد روایت موجود نہ ہو اور اس بات کا خود شیعہ عالم ابن طوسی کو اعتراف ہے۔[5]

اس اختلاف کا وجود نظریۂ عصمت کو بیک جنبشِ قلم توڑ کر رکھ دیتا ہے، لہٰذا اس اختلاف و تناقض کے لیے جواز تلاش کرنے اور اپنے جھوٹ پر پردہ ڈالنے کے لیے انھوں نے عقیدہ تقیہ ایجاد کر لیا۔

صاحبِ کافی، منصور بن حازم سے روایت کرتا ہے کہ اس نے کہا:

"میں نے ابوعبداللہ سے کہا: کیا وجہ ہے کہ میں آپ سے ایک مسئلے کا جواب دریافت کرتا ہوں تو مجھے اس کا جواب دیتے ہیں، پھر کوئی دوسرا آدمی اس مسئلے کے متعلق استفسار کرتا ہے تو آپ اس کو

---

[1] أصول الكافي (٢/ ٢٢١)

[2] أصول الكافي (٢/ ٣٦٩)

[3] بحار الأنوار (٧٥/ ٣٩٣ـ ٤٤٣)

[4] دیکھیں: صفحہ نمبر (۴۵۶)

[5] دیکھیں: صفحہ نمبر (۳۹۲)

کوئی دوسرا جواب دے دیتے ہیں؟ انھوں نے کہا: ہم لوگوں کو کمی بیشی کر کے جواب دیتے ہیں۔''[1]

شارح کافی کہتا ہے:

''زیادہ کا حکم تقیے کے وقت ہوتا ہے اور کم کا تقیے کے نہ ہونے کے وقت ...ان کا یہ کہنا بے علمی یا بھولنے کی وجہ سے نہیں ہوتا، بلکہ ان کو علم ہوتا ہے کہ ان کا اختلاف پر مبنی جواب ان کے لیے زیادہ درست اور ان کی بقا کے لیے زیادہ مفید ہے، کیوں کہ اگر ان میں اتفاق ہو جائے تو ان کا تشیع چھپا نہیں رہ سکے گا اور یہ ان کے اور ان کے ائمہ کے قتل کا سبب بن جائے گا۔''[2]

بنا بریں سلیمان بن جریری زیدی کی تقیے کے نظریے کے متعلق یہ رائے ہے کہ یہ محض اختلاف اور تضاد کی پردہ پوشی کے لیے ہے، کیوں کہ جب انھوں نے دیکھا کہ ایک ہی مسئلے کے جواب میں ان کے ائمہ کے اقوال اختلاف اور تضاد پر مبنی ہیں، جب کہ مختلف مسائل میں ایک ہی جواب پر متفق ہیں، جب ان کو اس شے کا علم ہوا، تو ان سے (شیعہ کے علماے سو کی روایت کے مطابق) ان کے ائمہ نے کہا:

''ہم نے یہ جواب تقیے کی وجہ سے دیے ہیں۔ ہم جس طرح چاہیں اور جو چاہیں جواب دے سکتے ہیں، کیوں کہ یہ ہمارے اختیار میں ہے اور ہم بہتر جانتے ہیں کہ کیا تمھارے لیے زیادہ درست ہے، کس میں ہماری اور تمھاری بقا ہے اور کس طرح ہم اپنے آپ سے اور تم سے دشمن کو روک سکتے ہیں۔ انھوں نے کہا: کون ان میں جھوٹ پر مطلع ہوتا ہوگا اور ان کے سامنے جھوٹ اور حق کیسے عیاں ہوتا ہوگا؟''[3]

۴ ائمہ پر جھوٹ باندھنے والوں کا کام آسان کرنا اور اہلِ بیت کے مذہب کی حقیقت کو چھپا کر رکھنا، تاکہ پیروکاروں کو یہ باور کرواسکیں کہ جو وہ (نظریہ تقیہ کے خالق) ائمہ سے نقل کرتے ہیں، وہی ان کا مذہب ہے، لیکن جو ان کی طرف سے مشہور کیا جاتا ہے، جو وہ کہتے ہیں اور جو مسلمانوں کے سامنے کرتے ہیں، وہ شیعہ مذہب کی نمایندگی نہیں کرتا، کیوں کہ یہ سب تقیے کی وجہ سے کرتے ہیں، لہٰذا اس حیلے کے ساتھ ان کے لیے ان کے اقوال رد کرنے، ان کے مذہب میں اپنی باتیں داخل کرنے اور جو ان سے حق نقل کیا جاتا ہے، اس کی تکذیب کے لیے ان کا کام آسان ہو جاتا ہے۔

[1] أصول الكافي (١/ ٦٥)

[2] المازندراني: شرح جامع (٢/ ٣٩٧)

[3] القمي: المقالات والفرق (ص: ٧٨) النوبختي: فرق الشيعة (ص: ٦٥۔ ٦٦)

مثال کے طور پر آپ دیکھتے ہیں کہ وہ امام محمد باقر یا جعفر صادق کے اس کلام اور خطاب کو جو وہ سرعام لوگوں سے کرتے ہیں یا ان سے عادل مسلمان نقل کرتے ہیں، اس دلیل کی بنا پر رد کر دیتے ہیں کہ یہ بعض اہلِ سنت کی موجودگی میں تھا، لہٰذا انھوں نے اپنے کلام میں تقیہ اختیار کیا، لیکن جو باتیں جابر جعفی جیسے کذاب اکیلے ہی ان سے نقل کرتے ہیں، ان کو اس دلیل کی بنا پر فوراً قبول کر لیتے ہیں کہ وہاں کوئی ایسا شخص موجود نہیں تھا، جس سے وہ تقیہ کرتے۔

آپ کے لیے یہ جاننا ہی کافی ہوگا کہ امام زید بن علی جو اہلِ بیت سے ہیں، حضرت علی سے روایت کرتے ہیں، اس روایت کو خود اثنا عشریہ کی کتابیں بھی نقل کرتی ہیں کہ انھوں نے وضو میں اپنے پاؤں دھوئے، لیکن جس شخص کو یہ شیخ الطائفہ کا لقب دیتے ہیں، وہ اس حدیث کو قبول نہیں کرتے اور اس کے پاس تقیے کا دعویٰ کرنے کے سوا کوئی حجت نہیں، جس کو وہ پیش کر سکے۔ وہ ''الاستبصار'' میں ''زید بن علی عن جدہ علی بن ابی طالب'' کی سند سے حدیث ذکر کرتا ہے کہ انھوں نے کہا:

''میں وضو کرنے کے لیے بیٹھا، جب میں نے وضو شروع کیا تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے... پھر انھوں نے کہا: میں نے اپنے پاؤں دھوئے تو آپ ﷺ نے مجھ سے کہا: اے علی! انگلیوں کے درمیان خلال کر، آگ کے ساتھ خلال نہ کر۔''[1]

آپ دیکھتے ہیں کہ حضرت علی وضو میں پاؤں دھوتے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو انگلیوں کا خلال کرنے کا تاکیداً حکم فرمایا، لیکن شیعہ اس مسئلے میں سنتِ رسول اور سیرتِ علی کی مخالفت کرتے ہیں اور ان روایات کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتے، چاہے یہ ان کی اپنی کتابوں میں ائمہ اہلِ بیت کی روایات ہی سے کیوں نہ مروی ہوں۔ شیعہ علما بھی ان روایات پر غور وفکر کرنے اور ان پر تحقیق کرنے کا کوئی تکلف نہیں کرتے، کیوں کہ ان کے پاس تقیے کی ''ریڈی میڈ'' دلیل موجود ہے۔ چناں چہ طوسی کہتا ہے:

''یہ حدیث عامہ (اہلِ سنت) کی موافقت کرتی ہے اور موردِ تقیہ میں ذکر ہوئی ہے، کیوں کہ ہمارے ائمہ کا جو شک وشبہہ سے بالاتر مذہب ہے، وہ پاؤں پر مسح کرنے کا قول ہے۔''

پھر وہ کہتا ہے:

''اس روایت کے تمام راوی عامہ اور زیدی ہیں اور جو ان کے ساتھ خاص ہو، اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔''[2]

---

[1] الاستبصار (١/ ٦٥۔ ٦٦)

[2] الاستبصار (١/ ٦٥۔ ٦٦)

پھر اس نے ابو عبداللہ جعفر صادق سے ایک دوسری روایت نقل کی ہے، جو پاؤں کو دھونے میں صریح ہے، اس کو بھی وہ تقیے پر محمول کرتا ہے۔[1] اذان کے مسئلے میں بھی جو قول اس کے مذہب اور علما کے ساتھ اتفاق نہیں رکھتا، اس کو بھی اس نے تقیے پر محمول کیا ہے۔[2] وراثت کی تقسیم میں ان کا یہ قاعدہ ہے کہ عورت زمین اور گھروں پر مشتمل جائداد میں کسی چیز کی وارث نہیں بن سکتی۔[3]

جب ان کے پاس ائمہ سے کوئی ایسی روایت منقول ہو کر آتی ہے، جو اس قاعدے کی مخالفت کرتی ہو، جیسے ابو یعفور کی ابو عبداللہ سے روایت، جس میں وہ ذکر کرتا ہے کہ میں نے ابو عبداللہ سے آدمی کے متعلق سوال کیا کہ کیا وہ اپنی بیوی کے گھر یا زمین کا وارث بن سکتا ہے یا وہ اس صورتِ حال میں عورت ہی کی طرح ہوگا اور اس میں کسی چیز کا وارث نہیں بن سکے گا؟ انھوں نے جواب دیا:

''وہ دونوں ایک دوسرے کی ہر چیز میں، جو وہ ترکے میں چھوڑیں، وارث بنیں گے۔''[4]

تو طوسی نے کہا:

''ہم اس کو تقیے پر محمول کریں گے، کیوں کہ ہمارے تمام مخالفین، اس مسئلے میں ہمارے مخالف ہیں، عامہ میں سے کوئی بھی ہمارے ساتھ اس میں موافقت نہیں رکھتا اور جو اس طرح ہو، اس میں تقیہ جائز ہوتا ہے۔''[5]

نکاح کے باب میں ان کی حرمتِ متعہ کے متعلق روایات بھی ذکر ہوئی ہیں، ان کی کتابوں میں ''زید بن علي عن آبائه عن علي'' کی سند سے ذکر ہے کہ حضرت علی نے کہا:

''رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن گھریلو گدھوں کا گوشت اور نکاحِ متعہ حرام قرار دیا۔''[6]

حر عاملی کہتا ہے:

''میں کہتا ہوں، اس کو شیخ[7] وغیرہ نے تقیے پر محمول کیا ہے، یعنی روایت میں، کیوں کہ متعہ کا جواز

---

[1] المصدر السابق (١/ ٦٥)

[2] المصدر السابق (١/ ٦٠٨) جیسا کہ اذانِ فجر کے متعلق مذکور ہے کہ وہ ''الصلاة خير من النوم'' کہا کرتے تھے۔

[3] دیکھیں: الاستبصار للطوسي، باب في أن المرأة لا ترث من العقار والدور شيئاً (٤/ ١٥١۔ ١٥٥)

[4] المصدر السابق (٤/ ١٥٤)

[5] المصدر السابق (٤/ ١٥٥)

[6] دیکھیں: الطوسي: تهذيب الأحكام (٢/ ١٨٤) الاستبصار (٣/ ١٣٢) الحر العاملي: وسائل الشيعة (٧/ ٤٤١)

[7] شیعہ کی کتابوں میں جب مطلقاً ''شیخ'' کا لفظ بولا جائے تو اس سے ان کی مراد شیخ طوسی ہوتا ہے۔

مذہبِ امامیہ کی ضروریات اور بنیادی امور میں داخل ہے۔‘‘[1]

۞ نظریہ تقیہ شیعہ کو مسلمانوں سے جدا کرنے کے لیے ایجاد کیا گیا، اس لیے ان کی اس کے متعلق روایات اس طرز پر ذکر ہوئی ہیں۔ شیعہ امام ابوعبداللہ کہتا ہے:

’’میری تم جو بات لوگوں کی بات کے مشابہ سنو تو اس میں تقیہ ہے اور میری جو بات تم ایسی سنو جو لوگوں کی بات کے مشابہ نہ ہو تو اس میں تقیہ نہیں۔‘‘[2]

یہ ایک خطرناک نظریہ ہے، جس پر عمل پیرا ہونا شیعہ کو کلی طور پر اسلام سے نکال دیتا ہے اور ان کو ملحدین اور زندیقوں کی لڑی میں پرو دیتا ہے، کیوں کہ انھوں نے مسلمانوں کی مخالفت کو ایک قاعدے کی شکل دے دی ہے، جس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ وہ کافروں کی موافقت کریں گے اور مسلمانوں کی مخالفت دیکھیے! تباہ شدہ صدیوں کے زندیقوں نے کس حد تک ان کو کھلونا بنائے رکھا ہے!

اس عقیدہ تقیہ کے اثرات کے نتیجے میں شیعہ کے ہاں ائمہ کا مذہب مفقود ہو چکا ہے، بلکہ شیعہ کے علما کو بھی اکثر اقوال کے متعلق کوئی علم نہیں کہ کون سا قول تقیہ ہے اور کون سا حقیقی؟[3] انھوں نے ان کے لیے ایک یہ پیمانہ مقرر کر دیا ہے کہ ’’جو عامہ (اہلِ سنت) کے خلاف ہو، اسی میں ہدایت ہے۔‘‘[4] جس نے مذہب کو غلو کے دائرے میں داخل کر دیا ہے۔

حدائق کے مصنف کو بھی یہ اعتراف ہے کہ تقیے کی وجہ سے ان کے دینی احکام میں بہت تھوڑا کچھ معلوم ہے۔ وہ کہتا ہے:

’’دین کے احکام یقینی طور پر بہت تھوڑے معلوم ہیں، کیوں کہ اس کے احکام کی روایات تقیہ کی روایات کے ساتھ خلط ملط ہوچکی ہیں، اسی طرح (شیعہ کے) ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی نے بھی اپنی جامع کافی میں یہ اقرار کیا ہے، بلکہ اس نے تو اخبار کے تعارض کے وقت مروی ترجیحات پر عمل کرنے کو غلط قرار دیا ہے اور محض انھیں رد کرنے اور ائمہ ابرار کے سامنے جبینِ نیاز

---

[1] وسائل الشیعة (٧/ ٤٤١)

[2] بحار الأنوار (٢/ ٢٥٢) مجلسی نے اسے ”تهذيب الأحكام للطوسي“ کی طرف منسوب کیا ہے۔

[3] اس سلسلے میں علمائے شیعہ کے خلاف سویدی کا استدلال اور شیعہ علما کا مبہوت اور لاجواب ہونا ملاحظہ کریں: مؤتمر النجف (ص: ١٠٦)

[4] دیکھیں: ’’اجماع کے متعلق شیعہ کا عقیدہ‘‘ (ص: ۴۳۵)

جھکانے ہی میں عافیت سمجھی ہے۔‘‘[1]

لیکن شیعہ کے نزدیک جس طرح تقیے پر عمل کیا جاتا ہے، وہ اس حقیقت کو بڑے سلیقے سے بے نقاب کرتا ہے کہ ان کا تقیہ حالتِ اضطرار کے ساتھ مربوط و منسلک نہیں، صاحبِ حدائق یہ اقرار کرتا ہے کہ ائمہ: ’’احکام میں مختلف جوابات دیتے ہیں، خواہ اس مخلوق کا کوئی فرد بھی ان کے پاس موجود نہ ہو۔ آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ وہ ایک ہی مسئلے کے متعدد جوابات دیتے ہیں، خواہ مخالفین میں سے کوئی بھی ان کا قائل نہ ہو۔‘‘[2]

اس باب میں بہت زیادہ مثالیں موجود ہیں۔ **کلینی** روایت کرتا ہے:

’’...موسیٰ بن اشیم نے کہا: میں ابوعبداللہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو ایک آدمی نے ایک قرآنی آیت کے بارے میں استفسار کیا، انھوں نے اس کو اس کا جواب دیا، پھر کوئی دوسرا آنے والا آیا اور اس نے بھی اسی آیت کے متعلق سوال کیا، لیکن اس کو انھوں نے پہلے کے جواب کے برعکس جواب دیا۔ وہ کہتا ہے: اس کی وجہ سے میرے دل میں شک پڑ گیا۔ میں اس طرح محسوس کرتا تھا کہ میرے دل کو چھریوں کے ساتھ چیرا جا رہا ہے۔ میں نے دل میں کہا: میں شام میں ابوقتادہ کو چھوڑ کر آیا، جو ایک واؤ میں بھی غلطی نہیں کرتا تھا اور اس کے پاس آیا جو اتنی کھلی غلطی کر رہا ہے۔ میں اسی حالت میں تھا کہ ایک تیسرا شخص آیا، اس نے بھی اسی آیت کے متعلق پوچھا، تو اس کو انھوں نے پہلے دونوں لوگوں کے جواب سے بھی مختلف جواب دیا، تو میرے دل کو قرار آ گیا اور مجھے علم ہوگیا کہ یہ تقیے کا نتیجہ ہے۔ وہ کہتا ہے: پھر وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا: اے ابن اشیم! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے سپرد کیا اور کہا: ﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ [الحشر: ۷] ’’اور رسول تمھیں جو کچھ دے تو وہ لے لو اور جس سے تمھیں روک دے تو رک جاؤ۔‘‘ تو جو اس نے رسول کے سپرد کیا، وہی ہمارے سپرد کیا۔‘‘[3]

دیکھیے! یہ لوگ کس طرح جعفر صادق کی طرف منسوب کر رہے ہیں کہ وہ قرآن کی غلط تاویل کر کے، بلکہ امت کے درمیان مختلف اور متضاد تفسیرات پھیلا کر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں؟ اس کے بعد شیعہ دعویٰ کرتے ہیں کہ دین کے امور اس کے سپرد ہیں، جو وہ چاہے سو کرے۔ یہ تقیہ نہیں، بلکہ اللہ کی کتاب میں الحاد اور اس کے

[1] يوسف البحراني: الحدائق الناضرة (١/ ٥)

[2] المصدر السابق.

[3] أصول الكافي (١/ ٢٦٥_ ٢٦٦)

دین سے روکنا ہے۔

پھر کیا قرونِ اولیٰ میں اپنے زمانے کے اہلِ بیت کے عالمِ دین کو قرآنِ کریم کی تفسیر میں تقیہ کا سہارا لینے کی کوئی ضرورت رہتی ہے؟ شیعہ کا نظریہ ہے کہ ان کے امام بلا جواز محض تقیے کے موجب حلال کو حرام کرنے اور حرام کو حلال کرنے کا فتویٰ دیا کرتے تھے۔ کافی میں ابان بن تغلب سے روایت ہے کہ اس نے کہا:

''میں نے ابوعبداللہ کو کہتے ہوئے سنا: میرے والد بنوامیہ کے زمانے میں یہ فتویٰ دیا کرتے تھے کہ جس پرندے کو باز یا شاہین قتل کرے، وہ حلال ہے اور وہ ان سے تقیہ کرتے تھے، لیکن میں ان سے تقیہ نہیں کرتا، جس کو یہ قتل کرے، وہ حلال ہے اور وہ ان سے تقیہ کرتے تھے، لیکن میں ان سے تقیہ نہیں کرتا، جس کو یہ قتل کرے، وہ حرام ہے۔''[1]

تقیہ کے بلا جواز صریحاً جھوٹ ہونے پر درج ذیل یہ روایت بھی دلالت کرتی ہے، جس کو کلینی نے محمد بن مسلم سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

''میں ابوعبداللہ (جعفر صادق) کے پاس آیا اور ان کے پاس ابوحنیفہ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں! میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے۔ انھوں نے کہا: ابن مسلم! بیان کرو، اس کی تعبیر کا علم رکھنے والا موجود ہے اور انھوں نے ابوحنیفہ کی طرف اشارہ کیا (راوی نے ابوحنیفہ کو اپنا خواب سنایا تو ابوحنیفہ نے اس کو (ان کے زعم کے مطابق) جواب دیا)۔''

ابوعبداللہ نے کہا: ابوحنیفہ! بخدا! آپ نے درست کہا ہے۔ راوی کہتا ہے:

''پھر ابوحنیفہ ان کے پاس سے آٹھ کر چلے گئے تو میں نے ان سے کہا: میں آپ پر قربان ہو جاؤں! میں نے اس ناصبی کی تعبیر ناپسند کی ہے۔ انھوں نے کہا: اے ابومسلم! اللہ تجھے تکلیف نہیں دے گا، ان کی تعبیر ہماری تعبیر کے مطابق ہوتی ہے نہ ہماری تعبیر ان کی تعبیر کے مطابق۔ اس کی تعبیر وہ نہیں جو وہ بیان کر کے گیا ہے۔ وہ کہتا ہے: میں نے کہا: آپ نے قسم اٹھا کر اس سے کہا ہے کہ تم نے درست کہا، جب کہ وہ غلط ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، میں نے قسم کھا کر کہا ہے کہ وہ غلطی میں درست ہے۔''[2]

کیا اس روایت میں تقیے کا کوئی جواز بنتا ہے؟ کیا ابوحنیفہ اقتدار یا قوت کے مالک تھے کہ جن سے ڈر کر

---

[1] فروع الكافي، باب صيد البزاة والصقور (٦/ ٢٠٨)

[2] روضة الكافي (٨/ ٢٩٢) ط: إيران.

تقیہ اختیار کیا جاتا؟ کیا اس کی تعریف کرنے اور قسم کھا کر ان کے جواب کو درست کہنے کی کوئی ضرورت یا اضطراری حالت تھی کہ جب وہ گئے تو ان پر ناصبی ہونے کا حکم لگا دیا اور ان کے جواب کو غلط قرار دے دیا؟ کیا اس کی اس کے علاوہ کوئی اور توجیہ ہوسکتی ہے کہ یہ بلا جواز دھوکے بازی اور دروغ گوئی ہے؟ ہم جعفر کو اس الزام و افترا سے بَری سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خود جعفر کی ذات کے لیے گالی اور طعن و تنقید ہے، جن کی محبت اور شیعہ ہونے کے وہ دعوے دار ہیں۔

جتنا کوئی رافضی جھوٹ سازی اور فریب بافی میں ماہر ہو، اتنا ہی اس کا شیعہ کے نزدیک مرتبہ و مقام بڑھ جاتا ہے، اسی لیے محمد باقر صدر نے حسین بن روح کی ثنا خوانی[1] کی ہے اور کہا ہے کہ اس نے ''بابیہ'' کی ذمے داری بڑے احسن انداز میں نبھائی ہے، کیوں کہ ''اس کا مسلک تھا کہ دوگنا زیادہ تقیے کا التزام کیا جائے اور مذہب اہلِ سنت کے مطابق اعتقاد کا نمایاں اور توجہ طلب اظہار کیا جائے۔''[1]

طوسی کی کتاب ''الغیبة'' میں ذکر ہوا ہے:

''عبداللہ بن غالب کہتا ہے: میں نے شیخ ابو القاسم حسین بن روح سے زیادہ عقل مند کوئی انسان نہیں دیکھا۔ میری ان کے ساتھ ملاقات ایک دن ابن یسار کے گھر ہوئی، ان کی سید اور مقتدر کی نگاہ میں بڑی قدر و منزلت تھی۔ عامہ بھی اس کی تعظیم کرتے تھے۔

''میرا اس کے ساتھ آمنا سامنا اس طرح ہوا کہ دو آدمیوں کا آپس میں مناظرہ ہوا۔ ایک نے یہ خیال پیش کیا کہ حضرت ابوبکر رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ[2]۔ دوسرے نے کہا: بلکہ علی، عمر سے افضل ہیں۔ ان دونوں کے درمیان جب بحث زیادہ ہونے لگی تو ابو القاسم (رضی اللہ عنہ) نے کہا: صحابہ کا اجماع یہ ہوا کہ صدیق مقدم ہیں، ان کے بعد فاروقِ اعظم، ان کے بعد عثمان ذوالنورین، پھر علی وصی۔ محدثین کا بھی یہی مذہب ہے اور یہی ہمارے نزدیک بھی درست ہے۔ مجلس میں موجود تمام افراد یہ بات سن کر حیرت میں گم ہوگئے اور جو عامہ کے ساتھ تعلق رکھنے والے حاضرین تھے، انھوں نے ان کو سر پر اٹھانا شروع کر دیا، ان کے لیے بہ کثرت دعائیں کرنے لگے اور جو ان کو رافضیت کا الزام دیتا تھا، ان پر طعن و تشنیع کرنے لگے۔

---

[1] تاريخ الغيبة الصغرىٰ (ص: ٤١١)

[2] یہ روایت اسی طرح حضرت عثمان کے ذکر کے بغیر منقول ہے، گویا ان کی مجلس میں عمومی شیعہ رجحان غالب تھا، اس کے باوجود اس میں تقیہ میں ملفوف گفتگو ہو رہی تھی۔

مجھے ہنسی آنے لگی۔ میں اپنے آپ کو بہ مشکل روک رہا تھا۔ میں نے اپنی آستین اپنے منہ میں ٹھونسی اور مجھے خدشہ محسوس ہونے لگا کہ کہیں میں قابو نہ پا سکوں تو میں مجلس سے کود کر نکلا۔ انھوں نے میری طرف دیکھا تو میری حالت کو بھانپ لیا۔ جب میں گھر پہنچا تو دروازے پر دستک ہوئی۔ میں بھاگ کر باہر نکلا کر دیکھتا ہوں کہ ابو القاسم حسین بن روح اپنے خچر پر سوار ہیں اور مجلس سے اٹھ کر اپنے گھر جانے سے پہلے سیدھے میری ہی گھر پر آ گئے ہیں۔ انھوں نے مجھ سے کہا: اے ابو عبداللہ! اللہ تعالیٰ تمھاری مدد کرے، تم کیوں ہنسے؟ گویا تم نے میرے متعلق یہ کہنا چاہا کہ جو میں نے کہا ہے، وہ تمھارے نزدیک سچ نہیں، تو میں نے کہا: وہ میرے نزدیک بھی ایسے ہی ہے تو انھوں نے مجھ سے کہا: اے شیخ! اللہ سے ڈر جا! میں تجھ کو اس بات سے بَری نہیں کروں گا کہ تم اس قول کو میری زبان پر آنا بہت بڑا خیال کرتے ہو۔ میں نے کہا: جناب! ایک آدمی یہ سمجھتا ہے کہ وہ امام کا ساتھی ہے اور اس کا وکیل اور وہ یہ بات کہہ رہا ہو، اس پر تعجب نہیں ہوگا اور اس پر ہنسا نہیں جائے گا۔ انھوں نے مجھ سے کہا: تیری زندگی کی قسم![1] اگر تم نے دوبارہ ایسا کیا تو میں تجھ کو چھوڑ دوں گا، پھر انھوں نے مجھے الوداع کہا اور چلے گئے۔''[2]

میں نے یہ قصہ طویل ہونے کے باوجود نقل کیا ہے، کیوں کہ یہ اس چال کی تصویر کشی کرتا ہے کہ وہ کس طرح اہلِ سنت کو دھوکا دیتے ہیں اور اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں، جو ان کے دلوں میں نہیں اور اپنے نفاق اور جھوٹ کی وجہ سے بعض اہلِ سنت کی تصدیق کرنے کی بنا پر آپس میں مذاق اڑاتے ہیں۔ شیعہ کی سوچ اس زمانے میں بھی اس منافقت اور اس سے فائدہ اٹھانے پر یقین رکھتی ہے۔[3]

شیعہ کی اس طرز کی بہت زیادہ روایات ہیں۔ اگر صفحات کی تنگ دستی کا خدشہ نہ ہوتو میں انھیں یہاں ذکر کرتا اور ان پر تنقید اور ان کا تجزیہ پیش کرتا۔ یہ روایت خصوصی تحقیق کی طلب گار ہیں، کیوں کہ یہ روافض کی حیلے بازیوں اور اندازِ فکر کو بے نقاب کرتی ہیں۔[4]

---

[1] غیر اللہ کے نام پر قسم کھانا معصوم کے نائب اور اس کے باب کی شریعت ہے۔

[2] الغيبة للطوسي (ص: ٢٣٦۔ ٢٣٧)

[3] دیکھیں: محمد باقر الصدر: تاريخ الغيبة الصغرىٰ (ص: ٣٨٥) اس نے یہ قصہ ابن روح سے نقل کیا ہے اور اس کے اس طریقے کی تائید اور اس کے مسلک کی تعریف کی ہے۔

[4] دیکھیں: ایسی بعض روایات "بحار الأنوار" (٧٥/ ٤٠٢) میں ملاحظہ کریں۔

شیعہ کا تقیہ کے لیے استدلال:

اثنا عشریہ[1] اپنے عقیدہ تقیہ کے لیے آلِ عمران،[2] سورۃ النحل[3] کی آیات اور دیگر آیات[4] سے استدلال کرتے ہیں، لیکن ان کا ان (دو آیات) سے استدلال موقع سے مناسبت نہیں رکھتا، جس طرح شیعہ کے نزدیک تقیہ کے معالم و آثار کی وضاحت میں گزرا ہے۔ اس لیے اہلِ علم نے شیعہ کی واقعاتی اور حقیقی صورتِ حال سے واقفیت کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ شیعہ کے نزدیک تقیہ جھوٹ اور منافقت کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہ بات شیعہ کی روایت سے بھی ثابت ہوچکی ہے۔ لہٰذا آپ دیکھتے ہیں کہ باوجودیکہ شیعہ کے نزدیک تقیہ جھوٹ اور منافقت ہے، یہ پھر بھی اس کو دین خیال کرتے ہیں، بلکہ اس کو سارا دین سمجھتے ہیں!!

چناں چہ ان کا حال منافقوں کے حال کی جنس سے تعلق رکھتا ہے، مجبور کی حالت کے ساتھ نہیں، جس کو مجبور کیا جائے، لیکن اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ منافقت کے تقیے اور اسلام کے تقیے کے درمیان فرق واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ’’تقیہ ... یہ نہیں کہ میں جھوٹ بولوں اور جو دل میں نہ ہو، اس کو زبان پر لاؤں، یہ تو منافقت ہے۔ بلکہ میں وہ کروں، جس کی طاقت رکھتا ہوں ...مومن جب کافروں اور فاجروں کے درمیان ہو، تو وہ عدمِ استطاعت کی بنا پر ان کے ساتھ اپنے ہاتھ کے ساتھ جہاد کرنے کا مکلّف نہیں، لیکن اگر اس کے لیے ممکن ہو تو زبان سے ضرور جہاد کرے۔ وگرنہ دل میں ان کے خلاف نفرت رکھے، لیکن جھوٹ نہ بولے اور زبان سے وہ نہ کہے جس کا دل میں اعتقاد نہ رکھتا ہو، یا دین کو ظاہر کرے یا اس

---

[1] دیکھیں: جملة منها في بحار الأنوار (۷۵/ ۴۰۲ وما بعدها)

[2] ﴿ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰةً﴾ [آل عمران: ۲۸] ’’مگر یہ کہ تم ان سے بچو، کسی طرح بچنا۔‘‘

[3] ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ﴾ [النحل: ۱۰۶] ’’جو شخص اللہ کے ساتھ کفر کرے اپنے ایمان کے بعد، سوائے اس کے جسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔‘‘

[4] اس سے مراد وہ آیات ہیں، جن کی شیعہ اپنے باطنی منہج کے مطابق تاویل کرتے ہیں، جیسا کہ وہ اس آیت: ﴿فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَ مَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا﴾ [الكهف: ۹۷] ’’پھر نہ ان میں یہ طاقت رہی کہ اس پر چڑھ جائیں اور نہ وہ اس میں کوئی سوراخ کر سکے۔‘‘ کی تاویل کرتے ہیں کہ وہ اس میں نقیب لگانے کی طاقت نہیں رکھیں گے، جب تقیے پر عمل کیا۔ اس آیت: ﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ﴾ [الكهف: ۹۸] ’’تو وہ اسے زمین کے برابر کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ ہمیشہ سے سچا ہے۔‘‘ کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ کشف کے وقت تقیہ اٹھایا تو انھوں نے اللہ کے دشمنوں سے انتقام لیا، شیعہ کی اس باطنی تاویل کے لیے ملاحظہ کریں: (تفسير العياشي: ۲/ ۳۵۱، البرهان: ۲/ ۴۸۶، البحار: ۵/ ۱۶۸) نیز دیکھیں: فكرة التقريب (ص: ۲۲۰۔ ۲۲۱)

کو چھپا کر رکھے اور وہ اس حالت میں بھی ان کے مکمل دین کے ساتھ موافقت نہ رکھے، بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ وہ آلِ فرعون کے مومن کی طرح رہے، جو ان کے تمام دین میں ان کے ساتھ موافقت نہیں رکھتا تھا، نہ وہ جھوٹ بولتا تھا اور نہ ایسی بات کہتا تھا، جو اس کے دل میں نہیں تھی، بلکہ اپنے ایمان کو چھپاتا تھا۔ دین کو چھپانا اور چیز ہے اور باطل دین کا اظہار چیزے دیگر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے صرف اس شخص کے لیے جائز کیا ہے جس کو کلمۂ کفر بولنے پر مجبور کر دیا جائے۔"[1] چناں چہ اس کو اللہ تعالیٰ اس میں معذور خیال کرے گا، لیکن منافق اور کذاب کا عذر کسی حال میں بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔

پھر وہ مومن جو کافروں کے درمیان رہنے اور اپنا ایمان چھپانے پر مجبور ہو، وہ ان کے ساتھ اپنے ایمان کے تقاضے کے مطابق، سچائی، دیانت داری، نصیحت گوئی اور خیر خواہی کے ساتھ پیش آئے، خواہ وہ ان کے دین کے موافق نہ ہی ہو، جس طرح حضرت یوسف صدیق علیہ السلام اہلِ مصر کے ساتھ پیش آئے جو کافر تھے... لیکن رافضی کے برعکس جو اپنے مخالف کو ہر چوٹ پہنچانے کی کوشش کرتا ہے اور کوئی وار خالی نہیں جانے دیتا۔"[2]

---

[1] منهاج السنة (٣/ ٣٦٠)

[2] المصدر السابق.

چوتھی فصل

مہدیت اور غیبوبت (روپوشی)

اس فصل میں،مَیں ۔ان شاء اللہ۔ شیعہ فرقوں کے نزدیک بالعموم مسئلہ مہدیت اور غیوبت (روپوشی) پر بحث کروں گا اور یہ ذکر کروں گا کہ اثنا عشریہ میں اس نظریے کا کب آغاز ہوا؟ یہ کن ارتقائی مراحل سے گزرا؟ شیعہ کے نزدیک اس عقیدے کے کیا خط و خال ہیں؟ اس کے لیے وہ کن دلائل سے استدلال کرتے ہیں اور غیبوبت کے زمانے کی طوالت کا کیا جواز اور دفاع کرتے ہیں، جس کو گیارہ صدیاں ہونے کو آئی ہیں؟

اس کے بعد ان تخیلات اور تصورات کا تذکرہ ہوگا، جو اثنا عشریہ مہدی کے غیبوبت سے واپس آنے کے بعد مہدی کی سلطنت کے بارے میں پیش کرتے ہیں۔ ان خیال آفرینیوں کو انھوں نے ائمہ اہلِ بیت کی روایات کی شکل میں پیش کیا ہے، تاکہ یہ ان کے پیروکاروں کے نزدیک عصمت اور تقدس کے لباس میں ملبوس ہوجائیں۔ اس کی سیرت، شریعت اور لشکروں کے بارے میں جو کچھ انھوں نے ذکر کیا ہے، اس کو بھی زیرِ بحث لاؤں گا، اس کے بعد میں یہ پیش کروں گا کہ شیعہ نے فترتِ غیبوبت (روپوشی کے دورانیے) میں کیا قواعد وضع کیے؟ اس کی وجہ سے کون سے شرعی احکام کو معطل اور کالعدم قرار دیا اور شیعہ کے علما نے امام کی گمشدگی کا سامنا کرنے کے لیے ''نیابتِ مہدی'' کا عقیدہ اختراع کرنے کی کوشش کی۔

موضوع کے اختتام پر مَیں اس نظریے کی اساس پر بحث وتنقید کروں گا۔

شیعہ فرقوں کے نزدیک مہدیت وغیوبت:

امامِ غائب یا چھپے ہوئے امام پر ایمان کا نظریہ اکثر شیعہ فرقوں کے ہاں موجود ہے، جو اپنے امام کی موت کے بعد یہ سمجھتے ہیں کہ وہ مرا نہیں، بلکہ وہ ہمیشہ رہے گا، لیکن لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے اور مستقبل میں مہدی کے روپ میں ظاہر ہوگا۔ ان فرقوں کا صرف یہ اختلاف ہے کہ وہ امام کون سا ہوگا، جس کے لیے دوبارہ آنا مقدر ہو چکا ہے؟ اسی طرح ان کا ائمہ اور ان کے اعیان وشخصیات کی تحدید میں بھی اختلاف ہے اور یہ امام غائب بھی انھیں میں سے کوئی ایک ہوگا۔

قمی، نوبختی اور شہرستانی وغیرہ کے بہ قول سبئیہ وہ پہلا فرقہ خیال کیا جاتا ہے، جس نے حضرت علی کی امامت پر توقف (یعنی ان کے بعد کوئی امام نہیں ہوگا) اور ان کے غائب ہونے کا عقیدہ پیش کیا ہے۔[1]

ان کا دعویٰ ہے:

''حضرت علی نہ قتل ہوئے ہیں نہ فوت ہوئے اور نہ وہ اس وقت تک قتل یا فوت ہو سکتے ہیں، جب تک تمام عرب کو اپنی لاٹھی سے نہ ہانک لیں اور زمین کو عدل و انصاف کے ساتھ نہ بھر دیں، جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی ہے۔''[2]

عبداللہ بن سبا مدائن میں تھا، جب اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کی خبر ملی تو اس نے خبر لانے والے سے کہا:

''تم نے جھوٹ بولا ہے۔ اگر تو ستر تھیلیوں میں بھی ان کا دماغ میرے پاس لے کر آتا اور ان کے قتل پر ستر عادل گواہ لاتا، پھر بھی ہمیں یقین ہوتا کہ وہ فوت ہوئے ہیں نہ قتل، ان کو اس وقت تک موت نہیں آئے گی، جب تک وہ زمین پر بادشاہی نہ کر لیں۔''[3]

یہ فرقہ ان کے غائب ہونے کے بعد واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ اس کے بعد سبئیہ سے یہ نظریہ کیسانیہ کے ایک فرقے کربیہ[4] کی طرف منتقل ہوگیا۔ جب محمد بن حنفیہ کی وفات ہوئی تو اس فرقے نے کہا: جو ان کی امامت کا دعوے دار تھا، کہ وہ زندہ ہیں، ان کو موت نہیں آ سکتی۔ وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان جبلِ رضوی میں ہیں، ان کی دائیں جانب ایک شیر اور بائیں جانب چیتا ہے، جو ان کے خروج اور قیام کے وقت تک اس کی حفاظت کے لیے مامور ہیں۔[5] ان

---

① القمي: المقالات والفرق (ص: ١٩۔ ٢٠) النوبختي: فرق الشيعة (ص: ٢٢) الشهرستاني: الملل والنحل (١/ ١٧٤)

② المقالات والفرق (ص: ١٩) فرق الشيعة (ص: ٢٢) مقالات الإسلاميين (١/ ٨٦)

③ فرق الشيعة (ص: ٢٣) المقالات والفرق (ص: ٢١)

④ کربیہ: یہ ابو کریب ضریر کے پیروکار ہیں۔ کیسانیہ کی تعریف گزر چکی ہے۔

⑤ ان کے شعرا نے اس سلسلے میں کئی قصیدے نظم کیے ہیں، حتی کہ ان کا ایک شاعر کثیر عزہ کہتا ہے:

أَلَا إِنَّ الْأَئِمَّةَ مِنْ قُرَيْشٍ ... وُلَاةُ الْحَقِّ أَرْبَعَةٌ سَوَاء

عَلِيٌّ وَالثَّلَاثَةُ مِنْ بَنِيهِ ... هُمُ الْأَسْبَاطُ لَيْسَ بِهِمْ خِفَاءَ

فَسِبْطٌ سِبْطُ إِيْمَانٍ وَّبِرٍّ ... وَسِبْطٌ غَيَّبَتْهُ كَرْبَلَاءُ

وَسِبْطٌ لَا يَذُوقُ الْمَوْتَ حَتّٰى ... يَقُوْدَ الْخَيْلَ يَقْدُمُهَا اللِّوَاءُ

تَغَيَّبَ لَا يُرىٰ عَنَّا زَمَان ... بِرِضْوىٰ عِنْدَه عَسَلٌ وَمَاءُ

←

کا کہنا ہے کہ وہی مہدی منتظر ہے۔[1]

انھوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ جبلِ رضوی میں ان سے ستر سال تک چھپا رہے گا، پھر باہر نکلے گا، ان کی حکومت قائم کرے گا اور بنو امیہ کے جابروں کو قتل کرے گا۔[2]

جب ستر سال گزر گئے، ان کی کوئی خواہش پوری نہ ہوئی تو شیعہ کے بعض شعرا نے اس کے ساتھیوں کو اسی عقیدہ کا عادی بنانے اور انتظار پر راضی کرنے کی کوشش کی، خواہ اس کے لیے عمرِ نوح بھی درکار ہو،[3] اس کے بعد شیعہ فرقوں کے درمیان امام پر توقف اور اس کے مہدی بن کر آنے تک انتظار کا عقیدہ عام ہوگیا۔

آلِ بیت میں سے ہر امام کی وفات کے بعد اس کے پیروکاروں کا ایک فرقہ ظاہر ہوجاتا، جو اس کے بارے میں یہی دعویٰ کرتا اور اس کی واپسی کا انتظار کرتا۔ شیعہ کے درمیان اس امام کی تحدید و تعیین میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے، جس پر توقف ہوا اور اس کے لیے، ان کے نظریے کے مطابق، واپسی آنا مقدر ہے، اسی لیے سمعانی کہتا ہے:

''پھر وہ اپنے اس امام کے انتظار میں، جس کا انھوں نے انتظار کیا، ایسے اختلاف کا اظہار کرتے

← ''آگاہ رہو کہ قریش سے حق کے نگران ائمہ چار ہیں۔ علی (رضی اللہ عنہ) اور ان کے تین بیٹے ہیں، جو نواسے ہیں، وہ کسی پر مخفی نہیں۔ ایک نواسہ ایمان و صلاح کا پیکر ہے اور دوسرا جسے کربلا نے نگل لیا، جب کہ تیسرا نواسہ موت نہیں چکھے گا، جب تک وہ علم بردار لشکر کی قیادت نہیں کرتا۔ وہ رضویٰ میں غائب ہے، نظر نہیں آتا۔ اس کے پاس شہد اور پانی ہے۔''

(دیکھیں: مسائل الإمامة، ص: ٢٦، مقالات الإسلاميين: ١/ ٩٢۔ ٩٣، الفرق بين الفرق، ص: ٤١) اس سلسلے میں کتبِ فرق و نظریات نے کئی دوسرے شعرا کے اشعار بھی نقل کیے ہیں۔ نیز دیکھیں: مسائل الإمامة (ص: ٢٦، ٢٧، ٢٨، ٢٩) امام بغدادی نے ان اشعار کی تردید میں کچھ اشعار نظم کیے ہیں۔ (الفرق بين الفرق، ص: ٤١۔ ٤٣)

[1] مسائل الإمامة (ص: ٢٦) فرق الشيعة (ص: ٢٧) مقالات الإسلاميين (١/ ٩٢) الفرق بين الفرق: (ص: ٣٩) التبصير في الدين (ص: ١٨۔ ١٩)

[2] مسائل الإمامة (ص: ٢٧)

[3] اس بارے میں شیعہ کا ایک شاعر کہتا ہے:

لَوْ غَابَ عَنا عُمُرَ نُوحٍ أَيْقَنَتْ ... مِنَّا النُّفُوسُ بِأَنَّهُ سَيَؤُوبُ

إِنِّي لَأَرْجُوهُ وَآمُلُه كَمَا ... قَدْ كَانَ يَأْمُلُ يُوسُفَا يَعْقُوبُ

''اگر وہ ہم سے عمرِ نوح تک غائب رہا تو پھر بھی ہمارے لوگوں کو اس کی واپسی کا یقینی ہوگا، جس طرح یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام کی امید رکھتے تھے، میں بھی اسی طرح اس کے آنے کی امید رکھتا ہوں۔''

المصدر السابق (ص: ٢٩)

ہیں، جس میں احمقانہ پن واضح جھلکتا ہے۔"[1]

بلکہ زیدیہ کا ایک فرقہ جارودیہ بھی اس امام کے انتظار کے وہم میں سرگرداں رہا ہے، جو فوت ہو چکا ہے، اگر چہ ان کا اس امام منتظر کی تحدید میں کچھ فروعی اختلاف ہے، جس طرح اشعری[2]، بغدادی[3] اور شہرستانی[4] وغیرہ[5] نے ذکر کیا ہے۔ اس لیے احمد امین[6] اور گولڈ زیہر[7] نے جو یہ کہا ہے کہ زیدیہ تمام کے تمام اس رجحان کا انکار کرتے ہیں، وہ صحیح نہیں۔

شیعہ فرقوں کا عقیدۂ غیبوبت اہلِ بیت کے معروف افراد کے ساتھ مرتبط ہے، جن کا تاریخ میں حقیقی وجود تھا اور انھوں نے عام لوگوں کی طرح زندگی گزاری، جب وہ راہی عدم ہوگئے تو ان فرقوں نے ان کے بارے میں یہ دعویٰ کر دیا کیوں کہ انھوں نے ان کی موت کی تصدیق نہ کی اور یہ خیال آرائی کی کہ وہ غائب ہوگئے ہیں اور ایک مرتبہ پھر ظاہر ہوں گے، لیکن اثنا عشریہ کے نزدیک یہ نظریہ اس اعتبار سے مختلف ہے کہ یہ ان کے نزدیک ایک ''خیالی شخصیت'' کے ساتھ منسلک ہے، جس کا اس دعوے کے ظہور کے معاصر اکثر شیعہ فرقوں کے نزدیک کوئی وجود نہیں۔

یہ اس اعتقاد کے حاملین کے نزدیک ایک علامتی شخصیت ہے،[8] جس کو لوگوں نے دیکھا ہے نہ وہ اس کو پہچانتے ہیں اور نہ اس کی جگہ ہی سے واقف ہیں۔ یہ شخصیت ان کے دعوے کے مطابق ولادت کے بعد ہی غائب ہوگئی۔ اس کا حمل بھی ظاہر نہیں ہوا، اس کی ولادت انتہائی زیادہ رازداری اور خفیہ انداز میں ہوئی، بلکہ اس کا خاندان، وکیل اور سب سے قریبی لوگ، وہ بھی اس حمل اور اس نومولود کے بارے میں قطعاً ناواقف تھے، بلکہ وہ اس کا انکار کرتے تھے اور وہ ان شیعہ کے سامنے بھی براہِ راست ظاہر نہیں ہوا، جو اس کا دعویٰ کرتے تھے، بلکہ نائبین اور سفرا کے ذریعے اس کا تعارف ہوا، جو اس کے ساتھ تعلق کا دعویٰ کرتے تھے۔

---

[1] الأنساب (١/ ٣٤٥)

[2] مقالات الإسلاميين (١/ ١٤١۔ ١٤٢)

[3] الفرق بين الفرق (ص: ٣١۔ ٣٢)

[4] الملل والنحل (١/ ١٥٨۔ ١٥٩)

[5] نشوان: الحور العين (ص: ١٥٦)

[6] ضحى الإسلام ٣٠/ ٢٤٣)

[7] العقيدة والشريعة (ص: ٢١١)

[8] شیعہ اس کے متعلق اخبار و واقعات کو اس کا نام لیے بغیر رمز و کنایہ کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

یہ شخصیت ان کے نزدیک ''مہدی منتظر'' کی شخصیت ہے، اس پر ایمان رکھنا، اثنا عشریہ کے نزدیک، اس اصل اور بنیاد کی تشکیل کرتا ہے، جس پر ان کے مذہب کی عمارت قائم ہے اور یہی وہ اساس ہے، جس پر ان کے نزدیک شیعیت کا ڈھانچہ کھڑا ہے۔ کیوں کہ حسن عسکری کی وفات کے بعد ائمہ شیعہ کا وجود ختم ہو جانے کی وجہ سے ان کے مزعومہ بیٹے کے غائب ہو جانے پر ایمان یہ وہ محور ہے جس کے گرد اُن کے عقائد گردش کرتے ہیں، نیز یہی وہ بنیاد ہے، جس نے شیعہ کی عمارت کو گرنے سے تھام کر رکھا ہوا ہے، لیکن اثنا عشریہ کے نزدیک یہ نظریہ کب اور کس طرح ظہور پذیر ہوا؟

شیعہ اثنا عشریہ کے نزدیک نظریۂ غیبوبت کا آغاز اور ارتقا

حسن عسکری کی وفات کے بعد شیعہ کی حالت:

اس نظریے کے آغاز پر گفتگو کرنے سے پہلے حسن عسکری کی وفات کے بعد شیعہ کے حالات پر ایک نظر ڈالنا از بس ضروری ہے، کیوں کہ ان کا اس نظریے کے آغاز کے ساتھ انتہائی گہرا تعلق ہے، ان کے گیارھویں امام، حسن عسکری کی ۲۶۰ھ میں وفات کے بعد ان کا کوئی وارث ظاہر ہوا نہ ان کی کوئی ظاہری اولاد معروف تھی، لہٰذا انھوں نے جو ترکہ چھوڑا، اس کو ان کے بھائی جعفر اور والدہ نے تقسیم کر لیا۔[1]

خود شیعہ کی کتابوں کو بھی اس کا اعتراف ہے۔ اس وجہ سے شیعہ کا معاملہ اضطراب کا شکار ہو گیا اور ان میں پھوٹ پیدا ہوگئی، کیوں کہ یہ بے امام ہو چکے تھے اور ان کے نزدیک امام کے بغیر دین کا وجود ہی نہیں، کیوں کہ وہی اہلِ ارض پر حجت ہے[2]، بلکہ ان کے نزدیک کتاب اللہ بھی اس کے بغیر حجت نہیں۔ امام کے وجود کے ساتھ ہی کائنات کی بقا ہے، کیوں کہ ''اگر زمین امام سے خالی ہوگئی تو وہ دھنس جائے گی۔''[3]

وہ لوگوں کے لیے امان ہے:

> ''اگر امام زمین سے ایک ساعت کے لیے بھی اٹھ جائے تو وہ اس طرح تمام لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی، جس طرح سمندر کی لہریں اپنے میں رہنے والوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں۔''[4]

---

[1] المقالات والفرق (ص: ۱۰۲) فرق الشیعة (ص: ۹٦) اس میں مذکور ہے کہ ان کا کوئی نشان باقی نہ بچا۔

[2] أصول الکافي (۱/ ۱۸۸)

[3] المصدر السابق (۱/ ۱۷۹)

[4] المصدر السابق.

لیکن امام لاولد فوت ہوگیا اور زمین امام سے خالی ہوگئی، لیکن ان حادثات میں سے کوئی چیز بھی رونما نہ ہوئی تو شیعہ حیرت میں گم ہوگئے اور شیعہ کا اپنے عظیم ترین معاملے یعنی امام کی تعیین میں اختلاف پیدا ہوگیا، چناں چہ شیعہ عالم نوبختی کے بہ قول[1] شیعہ چودہ فرقوں میں بٹ گئے اور قمی کے مطابق پندرہ فرقوں میں تقسیم ہوگئے۔[2] یہ دونوں ہی اثنا عشری ہیں اور اختلاف کے واقعات کے عینی شاہد، کیوں کہ ان کا تعلق تیسری صدی ہجری سے ہے، لہٰذا حسن عسکری کی وفات کے بعد شیعہ کے احوال کی تصویر کشی میں ان دونوں کی معلومات بڑی اہم ہیں۔

ان دونوں کے بعد مزید فرقے بن گئے اور اختلاف کا دائرہ وسیع ہوگیا۔ شیعہ مورخ مسعودی (المتوفی ۳۴۶ھ) حسن عسکری کے بعد شیعہ کا اختلاف ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ بیس فرقوں میں تقسیم ہوگئے[3]، تو اس کے بعد کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہوگا؟[4]

ان فرقوں کے امامت کے متعلق مختلف اور متفرق نظریات ہیں، کچھ اس بات کے قائل ہیں:

> ''حسن بن علی زندہ ہیں، فوت نہیں ہوئے، صرف غائب ہوئے ہیں اور وہی ''قائم'' ہیں، ان کے لیے مرنا روا نہیں، ان کی کوئی ظاہری اولاد نہیں، کیوں کہ زمین امام سے خالی نہیں ہوتی۔''[5]

اس فرقے نے حسن عسکری پر توقف کیا ہے اور یہ انہی کے مہدی ہونے اور ان کے انتظار کا قائل ہے، جو شیعہ کی ہر امام کی وفات کے وقت عادت ہے، جس کی امامت کا وہ دعویٰ کرتے ہوں۔ ایک دوسرے فرقے کا یہ موقف ہے:

> ''ان کی موت واقع ہوچکی ہے، لیکن ان کا خیال ہے کہ وہ موت کے بعد زندہ ہے، لیکن غائب ہے اور عن قریب ظاہر ہوگا۔''[6]

جب کہ کچھ دوسرے فرقوں نے یہ کوشش کی ہے کہ امامت کو ان کے بھائی جعفر کی طرف منتقل کر کے

---

[1] فرق الشيعة (ص: ٩٦) المفيد: الفصول المختارة (ص: ٢٥٨)

[2] المقالات والفرق (ص: ١٠٢)

[3] مروج الذهب (٤/ ١٩٠) نیز دیکھیں: الصواعق المحرقة (ص: ١٦٨)

[4] میری رائے کے مطابق یہ اختلاف اس وقت رکا، جب سمری نے نظریۂ بابیہ کو کالعدم قرار دیا اور مہدی کی نیابت عامہ کا نظریہ ایجاد کیا اور اس وقت ان سب کا مولود کی غیوبت کے دعوے پر اتفاق ہوگیا، کیوں کہ وہ تمام ان نذرانوں کو تقسیم کرنے پر متفق ہوگئے تھے، جو بعد میں اس کی نیابت کے نام پر اکٹھے کیے جاتے تھے۔

[5] فرق الشيعة (ص: ٩٦) المقالات والفرق (ص: ١٠٦)

[6] فرق الشيعة (ص: ٩٧) المقالات والفرق (ص: ١٠٧)

جاری رکھا جائے۔[1]

ایک دوسرے فرقے نے حسن کے لاولد فوت ہونے کی وجہ سے ان کی امامت کو کالعدم قرار دیا ہے[2]، لیکن اثناعشریہ نے یہ دعویٰ کیا ہے:

''حسن عسکری کا ایک لڑکا ہے، اس نے یعنی حسن نے اس کی پیدایش کو مخفی رکھا اور وقت کی سختی اور سلطان کے ان کو شدت کے ساتھ طلب کرنے کی وجہ سے انھوں نے اس کے معاملے کو چھپا کر رکھا، چناں چہ ان کی زندگی میں ان کا بیٹا ظاہر ہوا نہ لوگوں نے اس کو ان کی وفات کے بعد ہی پہچانا۔''[3]

اس کے مقابلے میں ایک دوسرا نقطۂ نظر ہے، جو کہتا ہے:

''متواتر روایات کے مطابق، جن کی تکذیب غیر معقول ہے، حسن بن علی کی وفات صحیح ثابت ہے، جس طرح ان کے آبا و اجداد کی وفات بھی صحیح ثابت ہے، ان کی موت کا مشاہدہ کرنے والوں کی اتنی کثرت ہے کہ کیا دوست کیا دشمن، سب سے یہ تواتر کے ساتھ منقول ہے، اس جیسی یقینی کیفیت میں شک قطعاً نہیں کرنا چاہیے اور انھی اسباب سے یہ بھی ثابت ہے کہ ان کا کوئی بیٹا نہیں۔ جب ہمارے نزدیک یہ دونوں جہتیں صحیح ثابت ہیں تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حسن بن علی کے بعد کوئی امام نہیں اور امامت منقطع ہو چکی ہے، جس طرح یہ روا ہے کہ نبوت محمد ﷺ کے بعد منقطع ہو چکی ہے، اسی طرح امامت کا منقطع ہونا بھی معقول اور جائز ہے، کیوں کہ نبوت و رسالت کی اس سے بہت زیادہ اہمیت ہے، مخلوق اس کی زیادہ محتاج ہے، اس کے ذریعے حجت زیادہ لازم ہوتی ہے اور اس کے ساتھ عذر بالکل ختم ہو جاتا ہے، کیوں کہ اس کے ساتھ ظاہری دلائل اور روشن نشانیاں ہوتی ہیں اور جب وہ ختم ہو چکی ہے تو اس طرح امامت کا منقطع ہو جانا بھی معقول ہے۔''[4]

اسی طرح ایک اور فرقے نے بھی ان کی موت کے قطعی ہونے اور ان کی کوئی اولاد نہ ہونے کی صراحت کی ہے۔ اس کا کہنا ہے:

''اللہ تعالیٰ آلِ محمد میں سے جو گزر چکے ہیں، انھی میں سے کسی کو قائم بنا کر مبعوث کرے گا۔ اگر

---

[1] المقالات والفرق (ص: ١١٠)

[2] دیکھیں: المقالات والفرق (ص: ١٠٩) فرق الشیعة (ص: ١٠٠۔ ١٠١)

[3] المفید: الإرشاد (ص: ٣٨٩)

[4] المقالات والفرق (ص: ١٠٧۔ ١٠٨) فرق الشیعة (ص: ١٠٥)

چاہے تو حسن بن علی کو مبعوث کر دے، چاہے تو کسی دوسرے کو کر دے۔ ہم اب فترت کے زمانے میں ہے (جس میں کوئی امام نہیں) اس میں امامت منقطع ہو چکی ہے۔''[1]

اس طرح شیعہ کے اقوال اور نقطہ ہائے نظر میں اختلاف اور تضاد پایا جاتا ہے اور یہ مختلف گروہوں اور فرقوں میں بَٹ چکے ہیں اور ہر جماعت اپنے عقائد پر راضی اور خوش ہے۔ اس زمانہ فترت میں ان کی حیرت اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ بعض نے توقف کر لیا اور کہا:

''ہم بالکل نہیں جانتے کہ اس میں کیا کہیں؟ ہمارے سامنے یہ معاملہ مشتبہ ہو چکا ہے۔''[2]

یہ ہیں اس اختلاف کے چند خط و خال جو حسن کی وفات کے بعد شیعہ کی رگوں میں سرایت کر گیا۔

عقیدۂ غیوبت کے اسباب:

شاید قاری کو آلِ بیت میں سے کسی فرد کی امامت کے قول وعقیدے پر اس قدر اصرار پر تعجب ہو کہ یہ جو مر چکا ہے، اس کی موت ہی کا انکار کرتے ہیں یا یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ مرنے کے بعد زندہ ہو گیا یا جس کی کوئی اولاد ہی نہیں، اس کی طرف ایک اختراعی بیٹا منسوب کر رہے ہیں، لیکن ان میں سے بہت تھوڑے لوگ ایسے تھے، جن کی آنکھوں کے سامنے سے جب یہ پردہ ہٹا کہ وہ تو لا ولد ہی فوت ہوئے ہیں تو ان کی عقل نے شیعیت اور فرقہ پرستی چھوڑ دی، امام منقطع ہو جانے کا عقیدہ اختیار کیا اور اپنی زندگی کے کام دھندوں میں مشغول ہو گئے۔ شاید صرف یہی وہ گروہ تھا، جو دل سے شیعہ تھا۔ جب اس کے سامنے حقیقتِ حال منکشف ہو گئی اور نقاب اتر گیا تو یہ تائب ہو گیا۔

اس اصرار کا اہم سبب ان فرقوں کے اپنی رائے کے دفاع میں باہمی اختلاف ونزاع اور پیروکاروں کی زیادہ سے زیادہ تعداد اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کے دوران میں سامنے آتا ہے، کیوں کہ ہر فرقہ اپنے مہدی کا اعلان کرتا ہے اور دوسرے کی تکذیب کرتا ہے۔

اس جھگڑے کے اثنا میں یہ حقیقت چپکے چپکے ظاہر ہوتی ہے جس کو اثنا عشریہ، جو حسن عسکری کے مزعوم بیٹے کی غیوبت اور اس پر توقف کے قائل ہیں، دوسرے گروہ کے دعوے کی حقیقت بے نقاب کرتے ہوئے، جو موسیٰ کاظم پر توقف اور اور اس کے غائب ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، کہتے ہیں:

''ابو ابراہیم (موسیٰ کاظم) جب فوت ہوئے تو ان کے ہر نائب اور وکیل کے پاس بہت زیادہ مال

---

[1] المقالات والفرق (ص: ۱۰۸) نیز دیکھیں: فرق الشیعة (ص: ۱۰۵)

[2] المقالات والفرق (ص: ۱۱۵۔ ۱۱۶) نیز دیکھیں: فرق الشیعة (ص: ۱۰۸)

تھا، انھوں نے مال کی لالچ اور طمع کے پیشِ نظر اس کی موت کا انکار کیا اور اسی پر توقف کیا۔ زیاد بن مروان قندی کے پاس ستر ہزار دینار تھے اور علی بن ابوحمزہ کے پاس تیس ہزار درہم تھے...۔‘‘[1]

شیعہ کی اس مفہوم کی اور بھی بہت زیادہ روایات ہیں، جو اس راز سے پردہ اٹھاتی ہیں۔[2] امام کے غائب ہونے کے دعوے اور اس کے واپس آنے کے انتظار کے پسِ منظر میں مال بٹورنے کی چال تھی۔ بہت سارے ایسے فرقے تھے، جو شیعیت کے دعوے کی آڑ میں سادہ لوح لوگوں کو فریب دے کر مستفید ہو رہے تھے، وہ ان سے امام کے نائب کے نام پر نذرانے وصول کرتے اور جب امام فوت ہوجاتا تو اس کی موت کا انکار کر دیتے، تاکہ وہ اموال ان کے ہاتھوں ہی میں رہیں اور امام غائب کے نام پر ان سے خمس وصول کرنے کا سلسلہ جاری رہے۔

اس طرح یہ لوٹ کا بازار گرم رہا اور قربانی کا بکرہ وہ سادہ لوح اور بیوقوف عوام ہیں، جو تمام بلادِ اسلام میں، جن کو امام کے نائب تصور کرتے ہیں، ان کی خدمت میں نذرانوں کے ڈھیر پیش کرتے ہیں۔ ان نائبین کو اس ٹھنڈی اور مفت کی غنیمت کا بڑا مزہ آیا، لہٰذا انھوں نے لوگوں کے دلوں میں آلِ بیت کی محبت کا شعلہ جگا دیا، آلِ بیت پر ظلم کا احساس دلانا شروع کر دیا، آلِ بیت کے مصائب کو موضوعِ سخن بنانا شروع کر دیا اور آلِ بیت کے حق کا مطالبہ شروع کر دیا، تاکہ امت کو فرقے بندی کی آگ میں جھونک دیں اور ان اموال کو اپنی خفیہ تنظیموں کا پیٹ بھرنے کے لیے وسیلہ بنا سکیں، جو دن رات سلطنتِ اسلام کی عمارت کھوکھلی کرنے میں لگی ہوئی ہیں۔

شاید عقیدۂ مہدیت اور غیبوبت کا عقیدہ اختیار کرنے کا سبب شیعہ کی سلطنتِ اسلام سے علاحدہ ایک سیاسی ڈھانچہ تشکیل دینے کی آرزو بھی ہو۔ یہ بات ان کے مسئلۂ امامت کو اتنی زیادہ اہمیت دینے سے واضح محسوس ہوتی ہے، جب ان کی امیدیں خاک میں مل گئی، یہ مغلوب ہوگئے اور ذلت اور رسوائی ان کا مقدر بن گئی تو یہ ایک نفسیاتی طور پر شکستہ خاطر کی طرح حقیقت سے بھاگ کر امیدوں اور خوابوں کی دنیا میں جینے لگے۔ تاکہ اپنے آپ کو ناامیدی اور اپنے شیعہ کو مایوسی سے نکال دیں، چناں چہ انھوں نے اپنے شیعہ کے دلوں میں امید و رجا کی کرنیں جگانا شروع کر دیں اور ان کو اس خوش کن تمنا سے بہلانا شروع کر دیا کہ آخر کار انہی کو اقتدار حاصل ہوگا۔

اس لیے مہدیت اور غیبوبت کا عقیدہ مالی فوائد کے ساتھ ساتھ اس کے مبلغین کو ہر امام کی وفات کے بعد مایوسی اور فقدانِ امید کے عوامل کا مقابلہ کرنے کے لیے تازہ خون مہیا کرتا رہا۔ اسی طرح شیعیت انتہا پسندانہ مذاہب، فرقے بندی اور خواہش پرستی کے دلدادہ افراد کے دلوں کی دھڑکن اور محبت بھی رہی ہے، کیوں کہ ان کو

---

[1] الغيبة للطوسي (ص: ٤٢۔ ٤٣)

[2] دیکھیں: المصدر السابق (ص: ٤٣ وما بعدها) و رجال الكشي: رقم الروايات (٧٥٩، ٨٧١، ٨٨٨، ٨٩٣)

اپنے مقاصد کی تکمیل اور اپنے اعتقادات پر کاربند رہنے کے لیے اس میں مناسب فضا مل جاتی ہے، چناں چہ شیعیت کے قافلے میں ان غلو آمیز رجحانات کے حامل افراد بھی مل گئے۔

یہ چوں چوں کا مربہ شیعہ کو اپنے موروثی عقائد کا قائل کرنے کے درپے رہا، خصوصاً جب شیعہ نے اپنے آپ کو امت کے اصول اور اجماع سے علاحدہ کر لیا، اس لیے شیعہ اعتقاد کے مطابق مہدیت اور غَیبت کے مسئلے کی جڑیں بعض ادیان اور فرقوں سے جا ملتی ہیں، جس سے یہ سمجھنا کچھ بعید از عقل نہیں کہ ان مذاہب و اَدیان کے پیروکاروں کا شیعہ کے ذہن میں اس نظریے کو بونے میں ضرور کوئی کردار ہے۔ بعض مستشرقین کا یہ میلان ہے کہ یہ نظریہ یہودی نژاد ہے، کیوں کہ یہود کا یہ اعتقاد ہے کہ ایلیا (حضرت الیاس) کو آسمان پر اٹھا لیا گیا اور وہ اَخیر زمانے میں واپس آئیں گے، اس لیے ایلیا، ان کی رائے کے مطابق، شیعہ کے چھپے ہوئے غائب اماموں کا پہلا نمونہ ہیں۔[1]

میری نظر میں یہودی اثرات کے اظہار کے لیے یہی کافی نہیں، کیوں کہ اسلام میں بھی یہ عقیدہ موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا گیا اور وہ آخر زمانے میں واپس آئیں گے، لہٰذا یہ نظریہ جو انھوں نے پیش کیا، اسلامی عقائد کے لیے نامانوس نہیں، لیکن مستشرقین چوں کہ مسئلہ مہدیت کا سرے ہی سے انکار کرتے ہیں، اس لیے انھوں نے یہ رائے دی ہے۔

یہودی اثرات کی وضاحت دیگر وجوہ سے زیادہ بہتر طریقے سے ہوتی ہے، مثلاً نظریۂ غیبوبت کی جڑیں ابن سبا سے ملتی ہیں، جو یہود کا ایک نامور عالم تھا۔ اسی طرح بعض شیعہ شعرا نے بھی یہ صراحت کی ہے کہ مہدیت کا نظریہ کعب احبار کی روایات سے ماخوذ ہے، جو اسلام سے پہلے یہودی دین کا پیروکار تھا۔ یہ بات کیسانیہ کے شاعر کثیر عزہ کے ابن حنفیہ کی مدح میں اشعار میں بہ خوبی معلوم ہوتی ہے:

هو المهدي خبرناه كعب
أخو الأحبار في الحقب الخوالي[2]

''ہم کو اس کے مہدی ہونے کی خبر کعب نے، جو گذشتہ زمانوں میں یہودی علما میں سے تھا خبر دی ہے۔''

وان فلوٹن کہتا ہے:

''جہاں تک ہم اہلِ مغرب کی بات ہے تو مہدی منتظر کے عقیدے نے ہم میں سے مستشرقین کی

---

[1] جولد سیهر: العقيده والشريعة (ص: ١٩٢)

[2] ديوان كثير عزة (١/ ٢٧٥)

خصوصی توجہ حاصل کی ہے۔''[1]

اس کے بعد وہ اس عقیدے کو اسرائیلی روایات کے ساتھ منسلک کرتا ہے اور اسے یہودی اور عیسائی اصول سے ماخذ قرار دیتا ہے، کیوں کہ اس کے خیال کے مطابق یہ بعض اشخاص یا مخصوص واقعات کی پیشین گوئی کے دائرے میں داخل ہے۔ یہ وہ پیشین گوئی ہے، جس کا اسرائیلی کتابوں میں بہت زیادہ ذکر ہے، لیکن یہ بادی الامر میں عرب کے ہاں معروف نہیں تھی۔ یہ ان کے پاس ان یہودیوں اور عیسائیوں کے توسط سے پہنچی تھی، جنھوں نے اسلام قبول کیا۔[2]

بہ ظاہر اس کا اس عقیدے کو محض اس وجہ سے یہودیت اور عیسائیت کے ساتھ مربوط کرنا کہ یہ ان غیبی اخبار کے دائرے میں شامل ہے، جن سے عرب ناواقف تھے، ایک کمزور ربط ہے، کیوں کہ بعض غیبی اخبار کی خبر دینا تو رسولِ عربی ہاشمی (ﷺ) کے معجزات میں داخل ہے، لیکن یہ لوگ ان مسائل کا اپنی کافرانہ سوچ اور نبوتِ محمد ﷺ کے انکار کے رجحانِ فکر کے مطابق تجزیہ کرتے ہیں۔

اس مسئلے میں راجح نقطہ نظر یہ ہے کہ مہدیت اور غیوبت کے متعلق اثنا عشریہ کا عقیدہ مجوسی اصول سے ماخوذ ہے، کیوں کہ شیعہ کی اکثریت ایرانیوں پر مشتمل ہے، مجوسیت ایرانیوں کا ایک مذہب ہے اور مجوسیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کا بشتاسف بن بہراسف کا ابشاوشن نامی بیٹا مہدی منتظر ہے، جو خراسان اور چین کے ایک بہت بڑے قلعے میں زندہ اور باقی ہے۔[3] یہ نظریہ اثنا عشری مذہب کی روح کے عین مطابق ہے۔

اثنا عشریہ کے نظریۂ غیوبت کا خالق:

اگر ایک طرف ابن سبا حضرت علی کی امامت و خلافت کی وصیت و تعیین کے عقیدے کا واضع ہے، جس طرح شیعہ اور غیر شیعہ کی کتابیں ذکر کرتی ہیں تو دوسری طرف ایک اور ابن سبا ہے، جس نے، حسن عسکری کی نسل منقطع ہوجانے کی وجہ سے نظریۂ امامت کے، عملی اور حسی طور پر ختم ہوجانے کے باعث اس کا بدل اختراع کیا، یا وہ اس مجموعے میں شامل تھا، جس نے یہ نظریہ وضع کیا، لیکن وہ اس دعوے کا نمایاں چہرہ ہے، اس آدمی کو عثمان بن سعید عمری[4] کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس نے غایت درجہ راز داری سے کام لیا۔ وہ اپنے عقائد و نظریات

---

[1] السيادة العربية والإسرائيليات (ص: ۱۱۰)

[2] المصدر السابق (ص: ۱۱۲)

[3] تثبيت دلائل النبوة (۱/ ۱۷۹)

[4] استاد محبّ الدین خطیب کی رائے ہے کہ نظریہ غیبت کا موجد محمد بن نصیر، بنونمیر کے موالی سے ہے۔ (الخطوط العريضة، ←

پر پردہ ڈالنے کے لیے بہ ظاہر گھی کی تجارت کرتا تھا۔

وہ پیروکاروں سے زکات، خمس اور حق آلِ بیت کے نام پر اکٹھے کیے گئے، اموال وصول کرتا اور ''ان کو خوف اور تقیے کی وجہ سے گھی کے تھیلوں اور مٹکوں میں چھپا لیتا۔''[1] اس نے اپنے دعوے میں یہ خیال پیش کیا کہ ''حسن کا ایک لڑکا تھا، جو چار سال کی عمر میں چھپ گیا۔''[2]

اس نے مزید کہا ہے:

''اس کے ساتھ اس کے سوا کوئی بھی مل نہیں سکتا، وہ اس کے اور شیعہ کے درمیان اس کا سفیر ہے، وہ ان کے اموال وصول کرتا ہے اور ان کے سوالات اور مشکلات اس امام غائب تک پہنچانے کا ذمے دار ہے۔''

عجیب بات تو یہ ہے کہ شیعہ کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ معصوم کے قول کے سوا کچھ قبول نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ اجماع بھی معصوم کے بغیر رد کر دیتے ہیں، لیکن یہاں اپنے اہم ترین عقیدے میں ایک غیر معصوم آدمی کا دعویٰ قبول کرتے ہیں، جس جیسا دعویٰ دیگر کئی لوگ بھی کرتے ہیں! ہر کوئی یہی کہتا ہے کہ وہی غائب کا دربان اور دروازہ ہے۔ شیعہ کے درمیان اختلاف اپنی آخری حدوں کو چھو رہا تھا، ہر کوئی توقیع (رقعہ) نکال لیتا اور یہ دعویٰ کرتا کہ یہ غائب منتظر نے جاری کیا ہے، جو دوسرے پر لعنت اور اس کی تکذیب پر مشتمل ہوتا۔

طوسی نے ان کے ناموں کا ذکر اس عنوان کے تحت ایک مبحث میں کیا ہے:

''ان مذموم افراد کا ذکر جنھوں نے بابیت (دربانی) کا دعویٰ کیا، اللہ ان پر لعنت کرے۔''[3]

عثمان بن سعید کے، جس طرح شیعہ کی کتابیں نقل کرتی ہیں، اکثر اسلامی دیار وممالک میں وکلا ہیں، جو اس معدوم کی امامت کے قائل اور عثمان بن سعید کے اس کا باب ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ابن بابویہ قمی

← ص: ۳۸) اثناعشریہ کی کتابوں میں ذکر ہوا ہے کہ ''وہ غائب کی بابت دربانی کا دعویٰ کرنے والوں میں سے تھا، اس سے بھی پہلے شریعی نامی ایک آدمی نے یہ دعویٰ کیا تھا، اس کے بعد دوسرے لوگوں نے اس کے دعوے کی طرح دعویٰ کرنا شروع کر دیا۔'' (الغيبة للطوسي، ص: ٢٤٤)

[1] الغيبة للطوسي (ص: ٢١٤۔ ٢١٥) محمد الصدر: تاريخ الغيبة الصغرى (ص: ٣٩٦۔ ٣٩٧)

[2] دیکھیں: الغيبة للطوسي (ص: ٢٥٨) روایات میں اختلاف کے پیشِ نظر چھپنے کے وقت اس کی عمر میں اختلاف ہے، جیسا کہ آگے آئے گا۔ مجلسی نے کہا ہے کہ ''اکثر روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ پانچ سال سے چند مہینے یا ایک سال اور چند مہینے چھوٹا تھا۔'' (بحار الأنوار: ٢٥/ ١٢٣)

[3] الغيبة (ص: ٢٤٤)

نے ان وکلا کے نام ذکر کیے ہیں، جو ان کے ناموں کا جامع ترین تذکرہ ہے، اسی طرح محمد باقر صدر ان کے نام بھی ذکر کرتا ہے۔[1]

کچھ دوسرے وکلا بھی ہیں، جو عثمان بن سعید اور اس کے شیعہ سے نالاں ہیں۔ طوسی نے ان میں سے سات کا ذکر: ''ائمہ کے مذموم وکلا کا تذکرہ'' کے عنوان سے کیا ہے۔[2]

شیعہ کے نزدیک باب اور وکیل میں یہ فرق ہے کہ باب (درباں) امام غائب سے ملتا ہے، لیکن وکیل باب سے ملتا ہے، امام کو نہیں دیکھتا اور وہ شیعہ اور باب کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔ جب اثنا عشریہ کا پہلا قابلِ اعتماد باب عثمان بن سعید فوت ہوگیا تو اس کے بعد اس کے بیٹے محمد کو مقرر کیا گیا، لیکن شیعہ کے ایک گروہ نے اس کی تقرری کی مخالفت کی، لہٰذا وہ اس کے بیٹے کے باب ہونے پر راضی نہ ہوئے اور ان کے درمیان جھگڑے اور ایک دوسرے پر لعن طعن نے جنم لے لیا۔

احمد بن ہلال کرخی نامی ایک شخص ان مخالفین میں سے تھا، جب اس سے کہا گیا: تم ابو جعفر محمد بن عثمان کی دربانی کیوں تسلیم نہیں کرتے، جب کہ خود امام واجب اطاعت نے اس کی تعیین کی ہے؟[3] اس نے ان سے کہا:

> ''میں نے نہیں سنا کہ انھوں نے اس کی وکالت کی تعیین کی ہو، میں اس کے باپ (عثمان بن سعید) کا انکار نہیں کرتا، لیکن میں یہ کہنے کی جسارت قطعاً نہیں کروں گا کہ ابو جعفر صاحبِ زمان کا وکیل ہے۔''[4]

انھوں نے کہا: تیرے علاوہ دوسروں نے اس سے سنا ہے، اس نے کہا: تم نے جو سنا ہے، اس پر عمل کرو... تو انھوں نے ان سے پر لعنت بھیجنا شروع کر دی اور اس سے براءت کا اظہار کر لیا۔[5]

شیعہ کے بعض وثائق اس تنازعے کے سبب سے پردہ اٹھاتے ہیں۔ مثال کے طور پر طوسی، محمد بن علی بن بلال نامی ایک شخص سے ذکر کرتا ہے کہ اس نے محمد بن عثمان عمری کے باب ہونے کا انکار کیا، اس کے اور عمری کے درمیان طویل گفتگو ہوئی، جو بڑی معروف کہانی ہے۔

---

[1] تاريخ الغيبة الصغرى (ص: ٦٠)

[2] الغيبة للطوسي (ص: ٢١٣۔ ٢١٤)

[3] اس سے شیعہ کی مراد امام منتظر ہے، کیوں کہ وہ باب اول کے قول کو امام کا قول قرار دیتے ہیں، کیوں کہ وہ اس کا اکیلا باب اور سفیر تھا، چناں چہ انھوں نے عثمان بن سعید کے اپنے بیٹے کو مقرر کرنا امام کی طرف سے مقدس وصیت نامہ سمجھا، جس کا مخالف لعنت کا مستحق ہے۔

[4] دیکھیے! وہ اس کو وکیل کہہ رہا ہے، حالاں کہ اثنا عشریہ اس کو باب کہتے ہیں اور وہ وکیل اور باب کے درمیان فرق کرتے ہیں۔

[5] الغيبة للطوسي (ص: ٢٤٥)

اس کے یہ قول: پہلے اس نے ان اموال کو روکے رکھا، جو اس کے پاس امام کے تھے۔ اس نے ان کو دینے سے انکار کر دیا اور یہ دعویٰ کیا:

''وہ کیل ہے، یہاں تک کہ جماعت اس سے بَری ہوئی اور انھوں نے اس پر لعنت بھیجی۔''[1]

آپ ملاحظہ کر رہے ہیں کہ وہ وکالت میں عثمان بن سعید کا شریک تھا، جب وہ فوت ہوگیا تو اس نے مال کو ہڑپ کرنا چاہا۔

معلوم ہوا کہ بابیت اور وکالت کے لیے ایک دوسرے پر چڑھ دوڑنا اور لڑائی کرنا محض مال جمع کرنے کی غرض سے تھا، وگرنہ اگر واقعی کوئی امام غائب ہوتا، جو ابواب کے ذریعے شیعہ کے امور کی نگرانی کرتا تو یہ اموال اس حیلے باز انسان کے پاس آتے نہ وہ صاحبِ زمان کی نگاہ میں اعتبار حاصل کر سکتا، کیوں کہ شیعہ کے نزدیک امام جو ہوا ہے اور جو ہونے والا ہے، سب سے واقف ہوتا ہے۔

اس نے شروع ہی میں اس شخص کے ساتھ لین دَین کرنے سے خبردار کرنے کے متعلق کوئی حکم کیوں جاری نہیں کیا، تاکہ وہ لوگوں کے مال نہ لے؟ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ غائب امام کا وجود ہی نہیں۔ یہ ڈاکوؤں کی ٹولیاں ہیں، جو تشیع اور دین داری کے نام پر لوگوں کا مال باطل طریقے سے لوٹتے ہیں، اس لیے ان کا جھگڑا بھی اسی کی خاطر ہے۔ پھر محمد بن عثمان بن سعید[2] (المتوفی ۳۰۴، ۳۰۵ھ) پچاس سال تک منصبِ بابیت پر فائز رہ کر فوت ہوگیا۔[3] لوگ اس کی خدمت میں مال پیش کرتے رہے اور وہ حسن کے خط میں ان کے لیے رقعے نکالتا رہا، جس میں ان کے دین و دنیا کے اہم امور کے متعلق پوچھے گئے سوالات کے عجیب وغریب جوابات تحریر ہوتے۔[4]

اس کے بعد ابو القاسم حسین بن روح نامی شخص بابیت کے منصب پر فائز ہوا۔ یہ شیعہ کی روایات کے مطابق محمد بن عثمان کی زندگی کے آخری ایام میں بابیت کی ذمے داری نبھاتا تھا، چناں چہ وہ لوگوں کے لائے ہوئے اموال کو اس کے سپرد کرنے کا حکم دیا کرتا تھا۔ اس لیے ایک محمد بن علی الاسود نامی شخص نے کہا کہ باب الوقف پر جو مال اکٹھا ہوتا، میں اسے ابو جعفر محمد بن عثمان عمری کے پاس پہنچاتا اور وہ مجھ سے وصول کر لیتا۔ میں نے اس کی زندگی کے آخری ایام میں اس کی موت سے دو یا تین سال پہلے اس کے پاس کچھ مال پہنچایا تو اس نے مجھے

[1] المصدر السابق.

[2] دیکھیں: الغيبة للطوسي (ص: ۲۲۳) رجال الحلي (ص: ۱۴۹)

[3] الغيبة للطوسي (ص: ۲۲۳) رجال الحلي (ص: ۱۴۹)

[4] الغيبة للطوسي (ص: ۲۲۳)

ابو القاسم روحی کے سپرد کرنے کا حکم دیا، میں اس سے وصول یابی کا مطالبہ کرتا تو اس نے اس امر کی ابوجعفر (محمد بن عثمان) کو شکایت کی، تو اس نے مجھے حکم دیا کہ میں اس سے وصول یابی کا مطالبہ نہ کروں اور کہا:

''جو ابو القاسم تک پہنچتا ہے، وہ سب مجھ تک پہنچ جاتا ہے، اس کے بعد میں مال اس کے پاس پہنچاتا اور اس سے وصولی کا مطالبہ نہ کرتا۔''[1]

جب ایک شیعہ نے ابو القاسم بن روح کو مال دینے میں کچھ تردد کا اظہار کیا تو باب محمد بن عثمان اس پر بھڑک اٹھا اور اس سے کہا:

''تم نے میرا حکم نہیں مانا؟ لیکن اس آدمی نے اس خوف سے اس کو نرم اور ٹھنڈا کرنا شروع کر دیا کہ کہیں وہ اس کے نام لعنت اور اس سے براءت کے اظہار پر مشتمل رقعہ نہ نکال دے، جو ابواب کی ایسے لوگوں کے متعلق عادت تھی، جو مال دینے سے انکار کر دیتے۔''[2]

چناں چہ اس نے چاپلوسی کے انداز میں اس سے کہا:

''آپ نے جو میرے لیے لکھا، میں اس پر کوئی جسارت نہیں کر رہا۔''

لیکن باب نے اس کو غصے کے عالم میں جواب دیا: ''کھڑا ہو جا، جس طرح میں تم سے کہہ رہا ہوں۔''

وہ آدمی کہتا ہے:

''میرے پاس فوراً چلے جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں ابو القاسم بن روح کے پاس گیا جو اس وقت ایک تنگ مکان میں تھا اور اس کو ساری بات بتائی، وہ خوش ہوگیا اور شکر گزار ہوا اور میں نے اس کو دینار دے دیے، اس کے بعد میرے پاس جتنے دینار آتے، مَیں وہ اس تک پہنچا دیتا۔''[3]

آپ نے ملاحظہ کیا ہے کہ شیعہ رموز کس طرح اپنے آپ کو ہالۂ تقدس میں پیش کرتے ہیں اور اپنے قول کو عصمت اور مطلقاً وجوبِ اطاعت سے متصف کرتے ہیں، وگرنہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری اور لعنت اس کا مقدر ٹھہرے گی، نیز یہ امر بھی قابلِ التفات ہے کہ مال کی زبان ہی منتظر کی طرف منسوب توقیعات اور ابواب اور وکلا کی زبانوں پر رائج لغت ہے۔

ابو القاسم بن روح کو اس لیے منتخب کیا گیا، کیوں کہ وہ اس جگہ کے راز کی زیادہ حفاظت کرنے والا تھا،

---

[1] المصدر السابق (ص: ٢٢٥۔ ٢٢٦)

[2] یہ عیسائیوں کے ہاں محرومی کی پرچیوں کے مانند ہیں۔

[3] الغيبة للطوسي (ص: ٢٢٤)

جہاں امام غائب مقیم ہے، کیوں کہ باب کا انتخاب مخصوص شرائط کی روشنی میں شیعہ حلقوں کی طرف سے کیا جاتا، جن میں شاید نمایاں ترین شرط راز کی حفاظت اور ظہور اور شہرت سے مکمل اجتناب تھی۔ طوسی کی کتاب ''الغيبة'' میں مذکور یہ واقعہ اس پر دلالت کرتا ہے:

''سہل نوبختی سے پوچھا گیا کہ یہ منصب تجھے چھوڑ کر شیخ ابو القاسم حسین بن روح کو کیوں ملا؟ اس نے جواب دیا: وہ زیادہ بہتر جانتے ہیں، جو انھوں نے انتخاب کیا۔[1] لیکن میں ایسا آدمی ہوں کہ میں حریفوں سے ملتا اور ان سے مناظرے بھی کرتا ہوں۔ اگر مجھے اس (مہدی غائب) کی جگہ کا علم ہو جاتا (کیوں کہ باب کے سوا اس کی جگہ سے کوئی باخبر نہیں ہوتا) اور مجھ پر اس کی جگہ معلوم کرنے کے لیے دباؤ ڈالا جاتا تو شاید میں اس جگہ کی نشان دہی کر دیتا، لیکن ابو القاسم ایسا آدمی تھا کہ اگر حجت (امام منتظر) اس کے دامن کے نیچے بھی ہوتا اور اس کو قینچیوں سے کاٹ دیا جاتا، تب بھی اس سے اپنا دامن نہ اٹھاتا۔''[2]

اس کے باوجود ابو القاسم کی تقرری نے خفیہ جماعتوں کے درمیان بہت زیادہ اختلاف کو ہوا دی، جس کے نتیجے میں ان کے کئی رؤسا علاحدہ ہوگئے، انھوں نے اپنی بابیت کا دعویٰ کر دیا اور ان کے درمیان لعن طعن کی ایک طویل جنگ بازی شروع ہوگئی۔

چند لوگ ایسے بھی تھے، جب وہ پیروکاروں کی کثرت کو شکار نہ کر سکے تو وہ بابیت کے دعوے کے قلعی کھولنے کے درپے ہوگئے، انہی میں ایک محمد بن علی شلمغانی (مقتول المتوفی ۳۲۳ھ)[3] نامی شخص بھی تھا، جس نے روافض کے مہدی کے نائب ہونے کا دعویٰ کیا، اس دوڑ میں ابو القاسم بن روح کا مقابلہ کیا اور ان کو سر بازار رسوا کیا، اس نے کہا:

''جب ہم ابو القاسم بن روح کے ساتھ اس معاملے میں داخل ہوئے تو ہمیں علم تھا کہ ہم کس میں داخل ہوئے۔ ہم اس منصب کے لیے اس طرح لڑتے تھے، جس طرح کتے مردار پر لڑتے ہیں۔''[4]

اس پر احمد کسروی ایرانی (شیعہ نژاد) تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

---

[1] دیکھیے! وہ یہاں اس کے انتخاب کو شیعہ علما کی طرف منسوب کر رہا ہے، حالاں کہ ان کا گمان ہے کہ یہ امام غائب کا اختیار ہے۔

[2] الغيبة (ص: ۲٤٠)

[3] دیکھیں: الغيبة للطوسي (ص: ۲٤٨) البداية والنهاية لابن كثير (١١/ ١٧٩) الكامل (٨/ ٢٩٠)

[4] الغيبة للطوسي (ص: ٢٤١)

''اس نے جو کہا درست کہا۔ جھگڑا اموال کے علاوہ اور کسی چیز کے لیے نہیں تھا۔ آدمی مال جمع کرتا، پھر لالچ کا شکار ہوجاتا تو بابیت کا دعویٰ کر دیتا، تاکہ اسے یہ مال دوسرے کے سپرد نہ کرنا پڑے۔''[1]

پھر جونہی ابن روح ۳۲۶ھ کو فوت ہوا تو بابیت (دربانی) اس کی وصیت کے مطابق ابو الحسن علی بن محمد سمری[2] نامی ایک چوتھے شخص کی طرف منتقل ہوگئی، جو منصبِ بابیت پر براجمان ہوا۔

امام کو غائب ہوئے تقریباً ستر برس ہو رہے تھے، لیکن شیعہ کے اس کے شدت کے ساتھ شوقِ انتظار میں جلنے کے باوجود ان کی اس کی واپسی کے متعلق امید پوری نہ ہوسکی۔ شیعہ کے غائب اور چھپے ہوئے امام کے ظاہر ہونے کے جتنے وعدے تھے، وہ سب جھوٹے ثابت ہوئے تو شیعہ حلقوں میں شک نے جنم لینا شروع کر دیا اور بابیت کے دعوے داروں میں ہونے والے شدید ترین نزاع نے حقیقتِ حال کو بے نقاب کرنا شروع کر دیا، اس لیے باب کی سرگرمی مکمل طور پر پردۂ اخفا میں چلی گئی۔ چناں چہ آپ شیعہ کی کتابوں میں اس سرگرمی کو اتنی شد و مد کے ساتھ نہیں پاتے، جس طرح یہ اس کے اسلاف کے توقیعات اور رقعوں کے متعلق تھی، جن کو وہ غائب منتظر کی طرف منسوب کرتے تھے۔ بعض شیعہ نے بھی اس کا اقرار کیا ہے، اگرچہ اس معاملے کو شیعہ پر بہت زیادہ دباؤ کی طرف منسوب کر کے ان اسباب کی پردہ پوشی ہی کی کوشش کی ہے۔[3]

سمری اس علامتی منصب پر تین سال تک فائز رہا۔[4] ''شاید اس کو ناکامی ہوئی ہو اور اس نے امام غائب کے وکیل معتبر کے منصب کے گھٹیا پن کو محسوس کر لیا ہو۔''[5] لہٰذا جب وہ بسترِ مرگ پر تھا تو اس سے پوچھا گیا کہ تیرے بعد تیرا ولی عہد کون ہوگا؟ تو اس نے کہا:

''اللہ کے سپرد ہے، اس نے اس امر کو جس تک پہنچانا ہوگا، پہنچا دے گا۔''[6]

اس طرح امام غائب کے ساتھ براہِ راست تعلق کا دعویٰ اپنی موت آپ مر گیا، کیوں کہ اس کے وثائق نے اس میں مقابلہ آرائی کے سبب کو کھول دیا تھا۔ اس طرح غیبوبت کا دعویٰ ایک بند گلی میں آ کر رک گیا، کیوں کہ خصوصی بابیت کا نظریہ کامیاب نہ ہوسکا، لیکن شیعہ علما نے امام منتظر کی طرف سے سمری کی طرف منسوب

---

[1] التشيع والشيعة (ص: ٣٣)

[2] دیکھیں: الغيبة للطوسي (ص: ٢٤٤)

[3] دیکھیں: الغيبة للطوسي (ص: ٢٤٣) تاريخ الغيبة الصغرى للصدر (ص: ٤١٣)

[4] محمد باقر الصدر: تاريخ الغيبة الصغرى (ص: ٤١٤)

[5] رونلدسن: عقيدة الشيعة (ص: ٢٥٧)

[6] الغيبة للطوسي (ص: ٢٤٢)

ایک توقیع نکال لی، جس میں اس نے براہِ راست بابیت کے انقطاع کا اعلان کیا اور عمومی نیابت کا نظریہ اختراع کر لیا، جس میں تمام علمائے شیعہ شریک ہیں، جس کی تفصیل آگے ذکر ہوگی۔

اس تبدیلی کے بعد مہدی کے غائب ہونے کا مسئلہ اس اندھی گلی سے باہر نکلا، بابیت کے منصب پر ہونے والے جھگڑے کے مظاہر چھوٹ گئے، مالِ غنیمت تمام میں برابر برابر تقسیم ہوگیا اور نیابت کا عقیدہ ایجاد کیا گیا، جس کا ہم شیعہ کے نزدیک مسئلہ ''مہدی'' کے بعد ذکر کریں گے۔

عثمان بن سعید، اس کا بیٹا، ابن روح اور سمری؛ یہ چاروں ابواب مسئلہ غیبوبت اور مہدیت کے بانی ہیں، یا یہ وہ نمایاں چہرے ہیں، جنھوں نے اثنا عشریہ کے نزدیک نظریۂ مہدی کا خاکہ کھینچا۔ ان کے بہ طورِ باب کام کرنے کے دورانیے کو ''غیبتِ صغریٰ'' کا نام دیا جاتا ہے، جو ستر سال یا اس سے کچھ سال زیادہ جاری رہا۔[1]

اب ہم نظریہ مہدیت اور غَیبت کو اثنا عشریہ کی کتابوں سے پیش کریں گے اور اس کے مضامین کا تعارف پیش کریں گے، کیوں کہ آج یہ نظریہ شیعہ مذہب کی اساس شمار ہوتا ہے۔

اثنا عشریہ کے نزدیک مہدیت کے خط و خال:

شیعہ کی کتابوں میں مہدی کا قصہ انتہائی عجیب وغریب ہے، جس کا پلاٹ اور تانا بانا واقعات کی تشکیل میں تخیل کی بلندیوں پر فائز ہے اور یہ اس کو ایسے افسانے کی شکل میں ڈھالتا ہے، جس کو قبول کرنے کے لیے نہ عقل کو کوئی راہ سجھائی دیتی ہے نہ فطرتِ سلیمہ ہی کو کوئی توجیہ نظر آتی ہے؛ سب ہی محوِ تماشا حیرت میں ہیں، بلکہ ان اکثر شیعہ فرقوں نے بھی اس کا انکار کیا ہے، جو اس کی ولادت کے وقت موجود تھے۔[2]

ہم حسن عسکری کے مہدی مزعوم کی ماں کے انتخاب سے اس کے عمومی خد و خال کا نقشہ کھینچنے سے اس کا آغاز کرتے ہیں، اس کے بعد بالترتیب اس کی ولادت، چھپنے، پھر لوٹنے اور اس کی سیرت و کردار کا ذکر کریں گے۔

حسن عسکری کا مہدی کی ماں کے ساتھ ملنا بھی ایک عجیب واقعہ ہے، شیعہ کی کتابوں نے اس کے

[1] شیعہ کا عالم اور آیت جعفر نجفی کہتا ہے: ''غَیبتِ صغریٰ ۷۴ سال تک جاری رہی۔'' (كشف الغطاء، ص: ١٣) بہ ظاہر یوں لگتا ہے کہ یہ تحدید ان کے نزدیک متفقہ نہیں۔ ممقانی کی ''تنقيح المقال'' میں اس تحدید کا رد ہے۔ وہ کہتا ہے: ''یہ جو کہا گیا ہے کہ غَیبت کا دورانیہ ۷۴ سال پر محیط ہے، شبہہ سے خالی نہیں۔ الا یہ کہ اس کو (منتظر مزعوم کی) ولادت سے شمار کیا جائے، پھر اس نے ذکر کیا کہ یہ مدت ایک مہینا کم ٦٨ یا ٦٩ سال بنتی ہے۔ (تنقيح المقال: ١/ ١٨٩) صدر ذکر کرتا ہے کہ اس کی مدت ۷۰ سال تھی۔ دیکھیں: تاريخ الغيبة الصغرىٰ (ص: ٣٤٥)

[2] دیکھیں: اسی کتاب کا صفحہ نمبر (۸۷۵)

واقعات کو الف لیلوی کہانیوں کے انداز میں پیش کیا ہے۔ حسن عسکری کا اس لونڈی کا انتخاب، جس کی طرف شیعہ ان کے لڑکے کی نسبت کرتے ہیں، غیب کی آنکھ سے ہوا۔ اس نے اپنے خادم کو لونڈیوں کے بازار میں بھیجا اور اس کو اس لونڈی کے اوصاف بیان کیے، اس کے لباس کی نوعیت ذکر کی، خرید کے وقت جو گفتگو کرے گی، اس کا بھی ذکر کیا، پھر انھوں نے اس کے ہاتھ ایک رومی زبان میں خط بھی دیا، جس کو دیکھ کر وہ فوراً شدت سے رو پڑے گی اور اس کو اپنے چہرے پر لگائے گی۔ جب خادم ان تمام امور پر تعجب کا اظہار کرے گا تو وہ اپنی شناخت سے پردہ ہٹائے گی اور اس کو بتائے گی کہ وہ ملیکہ بنت یوشع بن قیصر شاہِ روم ہے۔

اس کے بعد وہ اس کو اپنی زندگی کی کہانی سناتی ہے کہ کس طرح اس کی شادی میں رکاوٹیں اور سانحے آتے رہے، اس نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسیح سے اس کا رشتہ طلب کیا اور ان سے کہا: ''اے اللہ کی روح! میں تمھارے پاس تمھارے وصی شمعون کی بیٹی ملیکہ کا اپنے اس بیٹے کے لیے رشتہ طلب کرنے کے لیے آیا ہوں، پھر آپ ﷺ نے ابو محمد کی طرف اشارہ کیا (یعنی حسن عسکری)۔'' اس کے بعد خوابوں کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا، ایک رات اس نے خواب میں دیکھا کہ حسن عسکری کی والدہ، مریم بنت عمران (علیہا السلام) اور جنت کی ایک ہزار خوبصورت خادماؤں کے ساتھ اس کے پاس آئی ہے، تو اس سے مریم کہتی ہے:

> ''یہ سیدۃ النساء (دیکھیے! اس لقب کا حسن عسکری کی ماں پر اطلاق! کیا وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بھی افضل تھیں) تیرے خاوند ابو محمد کی والدہ ہے، تو مہدی کی ماں اس کے ساتھ چمٹ جاتی ہے اور رونا اور ان کی والدہ سے شکوہ کرنا شروع کر دیتی ہے کہ حسن اس کی زیارت کے لیے نہیں آتے، لیکن ام حسن اس سے کہتی ہے: تو مشرکہ ہے، اس لیے میرا بیٹا محمد تیری ملاقات کے لیے نہیں آئے گا۔[1]

اس کے بعد اس کہانی کے واقعات چلتے ہیں اور ان خوابوں کی تاثیر شروع ہو جاتی ہے، جس کے نتیجے میں حسن اس کی خوابوں میں آنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد وہ اپنا مسلمانوں کا قیدی ہونے کا قصہ بیان کرتی ہے کہ اس نے اپنی حقیقت چھپانے کے لیے اپنا نام نرگس رکھ لیا اور اپنے مالک سے یہ مطالبہ کیا، وہ اس کو صرف اس شخص کے ہاتھ فروخت کرے، جس کو وہ پسند کرتی ہو اور یہ وہی شخص تھا، جو ان خصوصیات اور صفات کا حامل تھا، جو خواب میں اس کو دکھائی گئیں۔

اس کے بعد وہ حسن سے ملتی ہے اور کوئی اجنبیت محسوس نہیں کرتی، کیوں کہ وہ اس سے پہلے ہی

---

[1] ابو محمد اس لیے اس کی زیارت کے لیے نہیں آیا کہ وہ مشرکہ ہے، لیکن سیدۃ النساء مریم علیہا السلام اور جنت کی خادمائیں اس کی زیارت کے لیے آ گئی ہیں، اگرچہ وہ مشرکہ ہے!!

خوابوں کے ذریعے واقف ہو چکی تھی اور اس کو ایک ایسے لڑکے کی خوش خبری دی جاتی ہے، جو مشرق سے لے کر مغرب تک زمین کا مالک بنے گا اور زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا۔'' [1]

اس کا مہدی کے ساتھ حاملہ ہونا بھی ایک عجیب وغریب واقعہ ہے، کیوں کہ اس پر حمل کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوئی تھی، حالاں کہ حکیمہ بنت محمد (بن علی بن موسیٰ بن جعفر صادق) نے ان کے بہ قول اس کے حمل کی تحقیق کرنے کی کوشش میں اس کو سیدھا اور پشت کے بل کر کے دیکھا، لیکن اس کو حمل کی کوئی علامت محسوس نہ ہوئی اور وہ حسن کے پاس آئی اور اس سے یہ بات کہی، لیکن حسن نے تاکید کے ساتھ کہا کہ حمل موجود ہے اور اس سے کہا: ''فجر کے وقت تمھارے سامنے حمل ظاہر ہو جائے گا۔'' [2]

لیکن عجیب تر بات تو یہ ہے کہ خود بچے کی ماں کو بھی اس کی ولادت کی رات تک حمل کی کوئی خبر نہیں تھی، بلکہ اس نے حکیمہ سے کہا: ''میں اپنے آپ میں اس جیسی کوئی چیز محسوس نہیں کرتی۔'' [3]

یوں لگتا ہے کہ اس پر حمل کے اثرات ظاہر ہونے کی نفی کرنا، دراصل (شیعہ کے نزدیک بھی) اس ثابت شدہ الزام سے جان چھڑانے کی ایک کوشش یا تدبیر ہے کہ حسن عسکری کے بھائی جعفر نے حسن کی بیویوں اور لونڈیوں کو ان کی وفات کے بعد استبراے رحم کے لیے محبوس کیا تھا، تاکہ قاضی اور سلطان کے سامنے ان کے رحموں کا حمل سے خالی ہونا ثابت ہو جائے، اس کے بعد حسن کی وراثت تقسیم ہوئی۔ [4]

یہ روایت جو حمل کی علامت کی نفی کرتی ہے، حتی کہ ام الولد (بچے کی ماں) کو بھی خبر نہیں تھی، آخر میں اس گمان کی نفی کرتی ہے اور کہتی ہے کہ مولود اپنی ماں کے پیٹ میں بولتا تھا، حتی کہ حکیمہ نے کہا:

''مجھے جنین نے اس کے پیٹ سے جواب دیا، مجھے سلام کہا اور جس طرح میں پڑھتی، اسی طرح پڑھتا۔'' [5]

اسی طرح طوسی خود حکیمہ سے روایت کرتا ہے کہ اس نے کہا:

''جب اس کو حسن نے اپنی لونڈی سے مہدی کی ولادت کے امور کی نگرانی کے لیے طلب کیا تو اس نے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں، جناب! خلف الرشید کس سے ہوگا؟ اس نے کہا: سوسن

---

[1] دیکھیں: ابن بابويه: إكمال الدين، باب ما روي في نرجس أم القائم (ص: ٣٩٥۔ ٤٠٠)

[2] إكمال الدين (ص: ٤٠٤)

[3] المصدر السابق (ص: ٤٠٤)

[4] دیکھیں: الغيبة للطوسي (ص: ٧٤)

[5] إكمال الدين (ص: ٤٠٤)

سے ہوگا۔ وہ کہتی ہے: میں نے ان پر ایک نظر دوڑائی تو سوسن کے علاوہ مجھے کسی لونڈی پر حمل کے اثرات نظر نہ آئے۔‘‘[1]

وہ اس روایت میں محض ایک نظر ڈالنے ہی سے اس کے حاملہ ہونے کا ادراک کر لیتی ہے، لیکن ابن بابویہ کی روایت میں وہی اس کو پشت اور پیٹ کی طرف پھیر کر دیکھتی ہے، لیکن اس کو حمل کی کوئی علامت نظر نہیں آتی۔ یہاں یہ اس کو سوسن کا نام دے رہی ہے اور وہاں اس کا نام نرگس ذکر ہو رہا ہے، جب کہ بعض دیگر روایات میں دوسرے نام بھی ذکر ہوئے ہیں۔[2]

ہر کوئی جس طرح چاہتا ہے وضع کرتا ہے، اثنا عشریہ کی کتابیں سب کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ جب وہ پیدا ہوا تو ’’...اپنی ماں کے پیٹ سے گھٹنوں کے بل اپنی دونوں انگشتِ شہادت کو آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے گرا، پھر اس نے چھینک ماری اور کہا: الحمد للّٰہ رب العالمین، وصلی اللّٰہ علي محمد وآلہ‘‘۔ ’’ظالموں کا خیال ہے کہ یقیناً اللہ کی حجت مٹ چکی ہے، اگر ہمیں کلام کی اجازت ملے تو ان کا شک ختم ہوجائے گا۔‘‘[3]

دوسری روایت میں ہے:

’’وہ سجدے میں گر گیا، وہ تشہد پڑھ رہا تھا اور یہ دعا کر رہا تھا: اللھم أنجز لي ما وعدتني...‘‘[4]

(اے اللہ! تم نے جو مجھ سے وعدہ کیا ہے، اسے پورا فرما دے ...)

اس کے بعد سبز پرندوں کے ذریعے اس مولود کو آسمان پر چڑھا دیا گیا، جب ماں نرگس اپنے بچے پر خوف کھاتے ہوئے رونے لگ پڑی تو حسن نے اس کو یہ جواب دیا:

’’یہ تمھارے پاس لوٹا دیا جائے گا، جس طرح موسیٰ اپنی ماں کی طرف لوٹ آئے تھے۔‘‘[5]

اس کی پرورش بھی اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق کی پرورش میں سنت و عادت اور فطری نوامیس و قوانین کے خلاف ہے، جن کے مطابق تمام زندہ مخلوق اللہ کے حکم کے ماتحت ہے۔ حکیمہ بنت محمد کی زبان سے مروی یہ خبر ہمارے سامنے اس کی تصویر کشی کرتی ہے۔ وہ کہتی ہے:

---

[1] الغیبة (ص: ١٤١)

[2] اس کو ریحانہ اور صقیل کے نام سے بھی ذکر کیا گیا ہے۔ (إکمال الدین، ص: ٤٠٨)

[3] المصدر السابق (ص: ٤٠٦) نیز دیکھیں: الغیبة للطوسي (ص: ١٤٧)

[4] إکمال الدین (ص: ٤٠٤۔ ٤٠٥)

[5] المصدر السابق (ص: ٤٠٥)

''اس کی پیدایش کے چالیس دن بعد میں ابو محمد کے پاس آئی، کیا دیکھتی ہوں کہ ہمارے آقا صاحب گھر میں چل رہے ہیں، میں نے اس کے چہرے سے زیادہ خوبصورت چہرہ کوئی نہیں دیکھا، نہ اس کی زبان سے زیادہ فصاحت بھری کسی کی زبان ہی سنی، تو ابو محمد نے کہا: یہ مولود اللہ کے ہاں بڑی عزت رکھتا ہے۔ میں نے کہا: جناب ابھی اس کی عمر چالیس دن بھی نہیں ہوئی کہ میں اس کو چلتے اور بولتے ہوئے دیکھ رہی ہوں؟ اس نے تبسم کیا اور کہا: پھوپھو جان! آپ کو علم نہیں کہ ہم ائمہ کی جماعت ایک دن میں اتنی نشو ونما پاتے ہیں، جتنی عام لوگ ایک سال میں پاتے ہیں۔''[1]

قمی کی روایت میں ہے:

''ہمارا بچہ جب ایک مہینے کا ہو جائے تو وہ اس طرح ہوتا ہے، جو ایک سال کا ہو۔ ہمارا بچہ ماں کے پیٹ میں بولتا ہے، قرآن کی تلاوت کرتا ہے، اپنے رب کی عبادت کرتا ہے، فرشتے رضاعت کے وقت اس کی اطاعت[2] کرتے ہیں اور صبح شام اس پر اترتے ہیں۔''[3]

لیکن یہ مولود جو ان تمام خارق العادت امور کا حامل ہے، اس کو کوئی جانتا ہے نہ اس کا کوئی اثر ہی نظر آتا ہے تو ان تمام خوارق کو جاری کرنے سے کیا مطلب؟ پھر وہ ٹھہرا بھی نہیں کہ غائب ہوگیا اور اس کا کوئی اَتا پتا نہیں، اس کو حکیمہ کے سوا کسی نے غائب نہیں کیا، جو، شیعہ کی، اس کی طرف منسوب کردہ روایت میں، کہتی ہے:

''حسن نے اس کو حکم دیا تھا کہ اس مولود کی خبر اس کی وفات کے بعد شیعہ کا اختلاف ملاحظہ کر لینے تک راز میں رکھے، چناں چہ اس نے کہا: جب اللہ میری شخصیت کو غائب کر دے اور مجھے فوت کر دے اور تم میرے شیعہ کو دیکھو کہ وہ اختلاف کا شکار ہوگئے ہیں تو ان میں سے ثقہ اور قابلِ اعتبار لوگوں کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ولی کو اپنی مخلوق اور بندوں کی نظر سے اوجھل کر دے گا، اس کو اس وقت تک کوئی نہیں دیکھ سکے گا، جب تک جبرائیل اپنا گھوڑا اس کی خدمت میں پیش نہ کر دے، تاکہ وہ اللہ کے کام کو پورا کر سکے، جو پورا ہو کر رہنے والا ہے۔''[4]

لہٰذا مہدی اور اس کی غَیبت کا مسئلہ شیعہ میں حکیمہ کی سند اور ذریعے سے پھیل گیا، جس طرح شیخ الطائفہ

---

[1] الغيبة للطوسي (ص: ١٤٤)

[2] اصل مصدر میں یہی لفظ ہے، شاید درست لفظ ہے: کھلاتے ہیں۔

[3] إكمال الدين (ص: ٤٠٥)

[4] الغيبة للطوسي (ص: ١٤٢)

کی روایت کہتی ہے:

''اب معلوم نہیں کہ شیعہ اپنے مذہب کی اصل اور اساس کے متعلق ایک غیر معصوم اور اکیلی عورت کا قول کیسے قبول کرتے ہیں، جو پوری امت کے اجماع کو رد کر دیتے ہیں، اگر ان میں معصوم نہ ہو، چاہے وہ فرعی مسئلہ ہی کیوں نہ ہو؟ آپ دیکھتے ہیں کہ ان کا امام مہدی اور اس کے غیب ہونے کے معاملے کو قابلِ اعتبار شیعہ کے علاوہ دیگر لوگوں سے چھپانے کا حکم دیتا ہے، حالاں کہ شیعہ کے نزدیک جو امام کو نہیں جانتا، وہ غیر اللہ کو جانتا اور اس کی عبادت کرتا ہے۔[1] اگر وہ اس حالت پر مر جائے تو وہ کفر اور منافقت کی موت مرے گا۔''[1]

مہدی کے غیب ہونے کے وقتِ تعیین کے متعلق بھی شیعہ روایات تضاد کا شکار ہیں۔ طوسی کی روایت ہے کہ حکیمہ نے کہا:

''...اس کی پیدائش کے تیسرے دن میرا دل ولی اللہ کو ملنے کے لیے چاہا۔ میں وہاں گئی، سب سے پہلے سوسن کے کمرے سے اس کی تلاش شروع کی، لیکن مجھے وہاں اس کی کوئی نشانی نظر آئی نہ میں نے اس کا کوئی ذکر ہی سنا۔ میں نے سوال کرنا مناسب نہ سمجھا، چناں چہ میں ابو محمد کے پاس آئی اور مجھے سوال کا آغاز کرنے میں کچھ شرم محسوس ہوئی تو انھوں نے خود ہی آغاز کیا اور کہا: پھوپھو جان! وہ اللہ کی حفاظت، رحمت، پردہ پوشی اور غیب میں ہے، تاوقتیکہ اللہ اس کو ظاہر ہونے کی اجازت دے دے۔''[3]

ایک دوسری روایت میں ہے:

''حکیمہ نے اس کو سات دنوں کے بعد گم پایا۔''[4]

تیسری روایت میں ہے:

''اس نے اس کو چالیس دنوں کے بعد گھر میں چلتے ہوئے دیکھا، پھر اس کے بعد اس کو گم پایا۔''[5]

ایک روایت میں ہے:

---

[1] أصول الكافي (١/ ١٨١)

[2] أصول الكافي (١/ ١٨٤)

[3] الغيبة للطوسي (ص: ١٤٢)

[4] المصدر السابق (ص: ١٤٢)

[5] المصدر السابق (ص: ١٤٤)

''حکیمہ عسکری کے گھر آتی اور ہر چالیس دن بعد اس سے ملاقات کرتی، اس کی وفات سے چند دن پہلے، اس وقت مہدی کی عمر زیادہ سے زیادہ پانچ سال تھی،[1] وہ اپنی عادت کے مطابق عسکری کے گھر آئی۔ کہتی ہے: میں نے اس کو ایک آدمی کی شکل میں دیکھا، اس کو پہچان نہ سکی تو میں نے اپنے بھتیجے سے پوچھا کہ یہ کون ہے، جس کے سامنے بیٹھنے کے لیے تم مجھے کہہ رہے ہو؟ اس نے کہا: یہ نرگس کا بیٹا ہے، یہ میرے بعد میرا خلیفہ ہوگا اور بہت جلد تم اس کو گم پاؤ گے، لہٰذا اس کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا۔''[2]

اس طرح مہدی غائب ہوگیا اور حکیمہ کے سوا اس راز سے کوئی بھی واقف نہیں تھا، جس نے ان کی روایت کے مطابق، معتبر شیعہ کو اس خبر کی امانت سونپی۔ جہاں تک چھپنے اور غائب ہونے کی جگہ کا تعلق ہے تو وہ انتہائی رازداری اور چھپانے کا مقام تھا۔ جب شیعہ تک مزعومہ غیبوبت کی خبر پہنچی تو انھوں نے اس کی جگہ جاننے کے لیے کوشش کی، لیکن باب نے، جو اس کے ساتھ تعلق کا دعوے دار تھا، اس کے متعلق کچھ بھی ظاہر کرنے سے انکار کر دیا اور مہدی کی طرف منسوب ایک خفیہ توقیع نکالی، جس میں اس نے کہا:

''اگر وہ جگہ جان جائیں تو وہ اس کا پتا دے دیں گے۔''[3]

یہ اقتباس ظاہر کرتا ہے کہ وہ کسی مخصوص جگہ اور خفیہ کمین گاہ میں ہے، جس کو باب کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا اور اس جگہ کو شیعہ سے چھپا کر رکھنے کا سبب یہ خوف ہے کہ کہیں وہ دوسروں کو اس کا پتا نہ بتا دیں۔ لیکن کافی کی بعض روایات اس شہر کی بھی نشان دہی کرتی ہیں، جس میں وہ چھپا ہوا ہے۔ ایک روایت میں ہے:

''اس ''صاحبِ امر'' کے لیے غیب ہونا انتہائی ضروری ہے اور غیب ہونے میں عزلت بھی لازمی ہے، تو طیبہ سے اچھا کون سا گھر ہوسکتا ہے؟!''[4]

یہ روایت اشارہ کرتی ہے کہ ''وہ مدینہ طیبہ میں چھپا ہوا ہے، کیوں کہ طیبہ، مدینہ ہی کا نام ہے۔''[5]

جب کسی پوچھنے والے نے حسن عسکری سے پوچھا کہ اگر تمھارے ساتھ کوئی ناگہانی واقعہ پیش آ جائے تو

---

[1] کیوں کہ شیعہ روایات کے بہ قول اس کی پیدائش ۲۵۵ یا ۲۵۶ھ کو ہوئی اور حسن عسکری کی وفات ۲۶۰ھ کو ہوئی۔

[2] إكمال الدين (ص: ٤٠٥۔ ٤٠٦)

[3] أصول الكافي (١/ ٣٣٣)

[4] المصدر السابق (١/ ٣٤٠) الغيبة للنعماني (ص: ١٢٥) بحار الأنوار (٥٢/ ١٥٣)

[5] دیکھیں: معجم ما استعجم (٢/ ٩٠٠)

میں کہاں اس کے متعلق پوچھوں؟ اس نے جواب دیا: ''مدینے میں۔''[1]

لیکن طوسی ''الغیبة'' میں ذکر کرتا ہے کہ وہ رضوی نامی پہاڑ (غار) میں مقیم ہے۔ وہ اپنی روایت میں کہتا ہے:

''...عبد الاعلیٰ مولی آلِ سام کہتا ہے: میں ابوعبداللہ کے ساتھ نکلا، جب ہم نے ''روحاء''[2] نامی بستی میں پڑاؤ کیا، اس نے اس کے پہاڑ پر جھانک کر دیکھا اور مجھ سے کہا: اس پہاڑ کو دیکھ رہے ہو؟ یہ رضوی[3] پہاڑ ہے، جو فارس کے پہاڑوں میں سے ہے، اس نے ہم سے محبت کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ہماری طرف منتقل کر دیا، اس کا ہر درخت کھانے کے کام آنے والا اور ڈرنے والے کے لیے دو مرتبہ اچھی امان ہوگا، صاحبِ امر کی اس میں دو غیوبتیں ہوں گی، ایک قصیر اور دوسری طویل۔''[4]

کچھ دوسری روایات ذکر کرتی ہیں کہ وہ مکہ کی کسی وادی میں چھپا ہوا ہے۔

تفسیر عیاشی وغیرہ میں منقول ہے کہ ابوجعفر نے کہا:

''صاحبِ امر (امام غائب) کی ان بعض گھاٹیوں میں غیوبت ہوگی، پھر اس کے بعد اس نے ذی طوی[5] کی طرف اشارہ کیا۔''[6]

جب کہ ان کی دعاؤں اور مقاماتِ ائمہ کی زیارت پر مشتمل احادیث و روایات یہ اشارہ کرتی ہیں کہ وہ سامراء[7] کے غار میں مقیم ہے، اس لیے ان میں ذکر ہوا ہے:

''اس کے بعد غیوبت والی غار کے پاس آؤ، دونوں دروازوں کے درمیان دروازے کی ایک جانب

---

[1] أصول الکافي (١/ ٣٢٨) مازندرانی شرح کافی میں لکھتا ہے: ''اس سے ''سُرّ من رأی'' (سامرا) شہر بھی مراد ہوسکتا ہے۔'' (شرح جامع: ٦/ ٢٠٨) لیکن یہ احتمال اس سے پہلی روایت میں پیدا نہیں ہوتا۔

[2] یہ مزینہ قبیلے کی ایک بستی ہے، اس کے اور مدینے کے درمیان ۴۱ میل کا فاصلہ ہے۔ (معجم ما استعجم: ١/ ٦٨١)

[3] یہ مدینے میں ایک پہاڑ ہے، جس میں درخت اور بہت زیادہ پانی ہے۔ کیسانیہ کا دعویٰ ہے کہ ''محمد بن حنفیہ اس پہاڑ پر زندہ مقیم ہیں اور انھیں رزق پہنچایا جاتا ہے۔'' (معجم البلدان: ٣/ ٥١)

[4] الغیبة (ص: ١٠٣)

[5] یہ مکہ کی ایک وادی ہے۔ دیکھیں: معجم ما استعجم (٢/ ٨٩٦)

[6] تفسیر العیاشي (٢/ ٥٦) البرهان (٨١۔ ٨٢) بحار الأنوار (٥٢/ ٣٤١)

[7] یاقوت کہتا ہے: ''سامراء بغداد سے تیس فرسخ (نوے میل) اوپر دجلہ پر ایک شہر ہے، جس کو ''سُرّ من رأی'' کہا جاتا تھا۔ لوگوں نے تخفیف کر کے اس کو ''سامراء'' بنا دیا، اس میں وہ معروف سرداب (غار) ہے، جس کے متعلق شیعہ کا یہ گمان ہے کہ ان کا مہدی اسی سے نکلے گا۔'' (معجم البلدان: ٣/ ١٧٣)

کو پکڑ کر کھڑا ہو جاؤ، پھر اجازت لینے والے کی طرح کھنکارو، بسم اللہ پڑھو اور وقار اور سکینت کے عالم میں اتر جاؤ، سرداب کے صحن میں دو رکعت نماز ادا کرو اور کہو:

''اَللهم طال الانتظار وشمت بنا الفجار، وصعب علينا الانتصار، اللهم أرنا وجه وليك الميمون، في حياتنا وبعد المنون، اللهم إني أدين لك بالرجعة، بين يدي صاحب هذه البقعة، الغوث الغوث الغوث يا صاحب الزمان! قطعت في وصلتك الخلاف، وهجرت لزيارتك الأوطان، وأخفيت أمري عن أهل البلدان لتكون شفيعاً عند ربك وربي...''

''اے اللہ! انتظار طویل ہو چکا ہے، فاجر ہم پر ہنستے ہیں اور فتح پانا ہمارے لیے مشکل ہو گیا ہے۔ اے اللہ! ہمیں ہماری زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی اپنے مبارک ولی کے چہرے کی زیارت سے مشرف کر۔ اے اللہ! اس قطعے (گوشے) کے مقیم کے سامنے میں تجھے رجعت کا واسطہ دیتا ہوں، المدد، المدد، المدد اے صاحبِ زمان! تمھارے وصال اور ملاقات کے لیے مَیں نے لمبا سفر طے کیا ہے اور اہلِ علاقہ سے اپنا معاملہ چھپا کر رکھا ہے، تاکہ تو اپنے اور میرے رب کے سامنے میرا سفارشی بن جائے۔ اے میرے آقا! اے فرزندِ حسن بن علی! مَیں تمھاری زیارت کے لیے آیا ہوں۔''[1]

شیعہ کی بعض روایات یہ بھی ذکر کرتی ہیں کہ اس کی غیبوبت میں اس کے ساتھ اس کے تیس ساتھی بھی ہیں، جو اس کی عزلت اور تنہائی میں غم گساری کرتے ہیں۔ اس روایت میں مذکور ہے:

''تیس کے ساتھ وحشت محسوس نہیں ہوتی۔''[2]

سرداب (غار) کو ان دعاؤں، مناجات اور اس میں داخل ہوتے وقت اجازت طلب کرنے کے لیے مخصوص کرنا، اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان روایات کے وضع کرنے والے اپنے پیروکاروں کو یہ باور کروانا چاہتے ہیں کہ وہ سرداب میں موجود ہے، اس لیے علامہ ابن خلکان کہتے ہیں:

''شیعہ آخری زمانے میں اس کا ''سُرَّ مَن رأیٰ'' کے ایک سرداب (کمین گاہ) سے خروج کا انتظار کرتے ہیں۔''[3]

---

[1] علي بن طاؤوس: مصباح الزائر (ص: ٢٢٩) محمد المشهدي: المزار الكبير (ص: ٢١٦) المجلسي: بحار الأنوار (١٠٢/ ١٠٢۔ ١٠٣) الشيرازي: كلمة المهدي (ص: ٤٧١۔ ٤٧٢)

[2] أصول الكافي (١/ ٢٤٠)

[3] وفيات الأعيان (٤/ ١٧٦)

امام ابن اثیر نے ذکر کیا ہے:

''شیعہ کا یہ عقیدہ ہے کہ منتظر سامراء کے سرداب میں موجود ہے۔''[1]

ان تمام باتوں کے باوجود بعض معاصر شیعہ اس کی نفی کرتے ہیں۔ محسن امین کا کہنا ہے:

''ایسی کوئی روایت ہے نہ شیعہ کی کتابوں میں سے کسی کتاب میں کوئی ایسی بات موجود ہے کہ مہدی سرداب (کمین گاہ) میں غائب ہوگیا ہے، نہ کوئی ایسی خبر ہے کہ وہ جب ظاہر ہوگا تو اسی سے نکلے گا، بلکہ اس کا مکہ میں ظہور ہوگا اور رکن اور مقام کے درمیان اس کی بیعت کی جائے گی۔''[2]

لیکن شیعہ کا عمل اس کے خلاف ہے اور ان کی کتبِ زیارت میں جو کچھ منقول ہے، اس کے عین مطابق ہے۔ امیر علی شیعہ کے بہ قول، شیعہ چودھویں صدی عیسوی کے آخر تک، جس میں ابن خلدون نے اپنی تاریخ کبیر مرتب کی، ہر رات مغرب کے بعد سے لے کر ستاروں کے جھرمٹ بننے تک سامراء کے سرداب (کمین گاہ) کے دروازے پر اس کا نام پکار کر اس کو باہر نکلنے کے لیے کہتے رہتے تھے، پھر طویل انتظار کرنے کے بعد ناامید اور ملال کے ملے جلے احساسات لے کر اپنے گھروں کو لوٹ آتے۔[3]

یہ انتظار تمسخر اڑانے والوں کے لیے ایک بہانہ بن چکا تھا کہ کسی کہنے والے نے کہا:

مَا آنَ لِلسِّرْدَابِ أَنْ يَّلِدَ الَّذِيْ
كَلَّمْتُمُوْهُ بِجَهْلِكُمْ مَا آنَا
فَعَلٰى عُقُوْلِكُمُ الْعَفَاءُ فَإِنَّكُمْ
ثَلَّثْتُمُ الْعَنْقَاءَ وَالْغَيْلَانَا [4]

''جس سے تم روز اپنی جہالت کی وجہ سے باتیں کرتے ہو، ابھی تک سرداب کے لیے اس کو جنم دینے کا وقت نہیں ہوا؟ یہ نہیں ہوگا، تمھاری عقلوں پر سلام! تم نے دنیا میں خیالی پرندہ اور غیلان (خیالی جن) کے علاوہ تیسری معدوم چیز بنا ڈالی!!''

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] الكامل (٥/ ٣٧٣)

[2] محسن الأمين: البرهان على وجود صاحب الزمان (ص: ١٠٢)

[3] أمير علي: روح الإسلام (١/ ٢١٠) نیز دیکھیں: مقدمة ابن خلدون (٢/ ٥٣١۔ ٥٣٢) مزید دیکھیں: ابن القيم: المنار المنيف (ص: ١٥٢)

[4] دیکھیں: الصواعق المحرقة (ص: ١٦٨) المنار المنيف (ص: ١٥٢)

''یہ لوگ بنی آدم کے لیے عار اور ایک مذاق بن چکے ہیں۔ ہر صاحبِ عقل ان کا تمسخر اڑاتا ہے۔''[1]

ان کی دعاؤں میں بھی ایسے الفاظ ہیں، جو یہ احساس دلاتے ہیں کہ یہ لوگ اس اعتقاد کی وجہ سے لوگوں کے مذاق اور دشمنوں کی خوشی کا سامان بن چکے ہیں۔ شیعہ کا ایک فرد غائب کے ساتھ سرگوشی کرتے ہوئے کہتا ہے: ''انتظار طویل ہو چکا ہے اور فاجر ہم پر ہنستے ہیں....''[2]

ان کی زیارتوں کی بعض دعاؤں میں ایسے الفاظ بھی مذکور ہیں جو ان کی اس کی اس جگہ کے متعلق حیرت کا اظہار کرتے ہیں، جس میں وہ چھپا ہوا ہے، وہ اس کو آوازیں دیتے ہیں اور کہتے ہیں:

''...کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ تم نے کہاں قیام کیا ہے؟ بلکہ کس زمین یا مٹی نے تجھ کو اٹھایا ہوا ہے، وہ رضوی ہے، ذی طوی ہے یا کوئی تیسری جگہ....''[3]

ان روایات کے ساتھ ساتھ ان کی کچھ ایسی روایات بھی ہیں، جو یہ بھی ذکر کرتی ہیں کہ اس کا کوئی مستقل ٹھکانا نہیں، وہ لوگوں کے درمیان رہتا ہے:

''وہ حج کے موقع پر آتا ہے اور ان کو دیکھتا ہے، لیکن وہ اس کو نہیں دیکھتے۔''[4]

اس طرح شیعہ کی روایات اس کی جگہ کی تعیین کرنے میں اختلاف کا شکار ہیں، اس مسئلے میں ہر جماعت مختلف حالات اور زمانوں میں یا شیعہ گروہوں اور نسلوں کے پیشِ نظر اپنا اپنا موقف رکھتی رہی ہے، یا پھر اس وجہ سے کہ اس طرح تلبیس کاری اور جعل سازی کا یہ کھیل جاری رہے۔ لہٰذا جب ان کے غائب امام کا حقیقت کی دنیا میں کوئی وجود ہی نہیں تو ان میں اختلاف پھوٹنا ایک طبعی امر ہے۔ اگر اس کی اقامت گاہ بعض شیعہ روایات کی نظر میں خفیہ جگہ ہے تو اس کا نام بھی شیعہ سے چھپا کر رکھا گیا ہے۔ منتظر کی ''توقیعات'' میں ذکر ہوا ہے، جن کو اس کا باب جاری کرتا ہے:

''اگر تم نے ان کو جگہ کا پتا دے دیا تو وہ اس کو پھیلا دیں گے۔''[5]

یہ عبارت اشارہ کرتی ہے کہ جس طرح اس کی ولادت جگہ اور پرورش سب کچھ نامعلوم ہے، اسی طرح

---

[1] المنار المنيف (ص: ١٥٢۔ ١٥٣)

[2] یہ شیعی روایت گزر چکی ہے۔ (ص: ٨٩٧)

[3] بحار الأنوار (١٠٢/ ١٠٨)

[4] أصول الكافي (١/ ٣٣٧۔ ٣٣٨) الغيبة للنعماني (ص: ١١٦)

[5] أصول الكافي (١/ ٣٣٣)

اس کا نام بھی مجہول ہے۔ لیکن بعض شیعہ کتابوں میں ذکر ہوا ہے کہ اس کا نام محمد ہے، لیکن شیعہ روایات اس کے نام کے ساتھ اس کا ذکر کرنا حرام قرار دیتی تھیں، ان کے مطابق: ''تمھارے لیے اس کو اس کے نام سے یاد کرنا جائز نہیں۔''[1] بلکہ یہ روایات اس شخص کو کافروں کے زمرے میں شمار کرتی ہیں، جو اس کے نام کے ساتھ اس کو یاد کرتا ہے۔ روایت کہتی ہے:

''صاحبِ امر کو اس کے نام کے ساتھ وہی یاد کرتا ہے، جو کافر ہے۔''[2]

اس لیے آپ دیکھیں گے کہ جب ان کی روایات میں اس کا ذکر آتا ہے تو اس کا نام اس طرح علاحدہ علاحدہ حروف کے ساتھ لکھا جاتا ہے، جیسے: ''م ح م د۔''[3]

جب انھوں نے کہا کہ ہم اس کو کس طرح ذکر کریں؟ تو حسن عسکری نے کہا:

''کہو: آلِ محمد ۔صلوات اللّٰه علیه وسلامه۔ سے حجت۔''[4]

پرانے شیعہ حلقے آپس میں اس کا تذکرہ ایسے رمز و کنائے سے کرتے تھے، جس کو ان کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا، جیسے: غریم۔ اس لیے مفید اس پر اس لقب کے اطلاق کے حوالے سے کہتا ہے:

''اس رمز کو شیعہ زمانہ قدیم ہی سے آپس میں جانتے تھے اور تقیے کی وجہ سے وہ اسی کے ساتھ اس ۔علیه السلام۔ کو مخاطب کرتے تھے۔''[5]

ان کے علاوہ وہ رموز جن کو وہ اس پر بولتے ہیں، بہت زیادہ ہیں، جیسے:

''القائم، الخلف، السید، الناحیة المقدسة، الصاحب، صاحب الزمان، صاحب العصر[6] اور صاحب الأمر وغیرہ۔''[7]

اس سارے معاملے کو چھپانے اور راز میں رکھنے کی یہ کارروائی اسلامی سلطنت کے اندر ایک خفیہ تنظیم

---

[1] المصدر السابق (١/ ٣٣٣) الإرشاد (ص: ٣٩٤) إكمال الدين (ص: ٦٠٨)

[2] أصول الكافي (١/ ٣٣٣) إكمال الدين (ص: ٦٠٧)

[3] مثال کے لیے دیکھیں: أصول الكافي (١/ ٣٢٩)

[4] أصول الكافي (١/ ٣٣٣) الإرشاد (ص: ٣٩٤)

[5] الإرشاد (ص: ٤٠٠)

[6] دیکھیں: حصائل الفكر (ص: ٣٥)

[7] دیکھیں: أصول الكافي (١/ ٣٣٣) بعض شیعہ علما کے نزدیک صرف زمانہ خوف اور تقیے میں اس کے نام کی تصریح کرنا منع ہے۔ دیکھیں: المازندراني: شرح جامع (٦/ ٢١٦۔ ٢٦)

کے وجود کا پتا دیتی ہے، جس کے کارکنان باہمی گفت وشنید کے لیے اشارے اور رمز کی زبان استعمال کرتے تھے۔ دوسری طرف یہ جھوٹ کو چھپانے اور حقیقت کو دبانے کی ایک کوشش ہے، جو ان کے اس دعوے کی بھی مخالفت کرتی ہے کہ ان کے مہدی کا نام اور اوصاف سمیت پہلے ہی ذکر ہو چکا ہے۔[1]

جہاں تک اس کے غائب ہونے کی مدت کا تعلق ہے تو اس نظریے کے خالقین اپنے پیروکاروں کو تھوڑی ہی مدت کی امید دلاتے تھے اور انھیں یقین دلاتے تھے کہ بہت جلد ان کے غائب کی واپسی ہوگی، بلکہ انھوں نے اپنی روایات میں تاکید کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ یہ زیادہ سے زیادہ چھے سال تک ہوگی۔ کافی میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے (ان کے افترا کے مطابق) مروی ہے، انھوں نے ان کے منتظر کے بارے میں کہا:

''اس کی غیبوبت اور ایسی حیرانی ہوگی، جس کی وجہ سے کچھ قومیں گمراہ ہوں گی اور کچھ ہدایت پا جائیں گیں۔''[2]

جب پوچھا گیا اس حیرت (سرگردانی) اور غائب ہونے کی مدت کتنی ہوگی؟ تو انھوں نے کہا:

''چھے دن، چھے مہینے یا چھے سال۔''[3]

بہ ظاہر ایسے لگتا ہے کہ یہ روایت نظریۂ غیبوبت کے آغاز کے ابتدائی ایام میں گھڑی گئی، تا کہ ان بھڑکتے ہوئے نفوس اور حیرت میں گم قلوب کی تسکین وتسلی کا سامان مہیا کیا جا سکے، جو امام کے لاولد فوت ہوجانے کی وجہ سے اس تلخ حقیقت سے آگاہ ہونے کے بعد بیدار ہو چکے تھے اور ان کی آنکھوں کے سامنے سے اس دھوکے سے پردہ اٹھ چکا تھا۔ لہٰذا انھوں نے غیبوبت کے دعوے کو اس قریبی وعدے کے ساتھ مربوط کیا، تا کہ اس کی تصدیق آسان اور قریب از عقل ہوجائے اور اس سے بالکل تیار مال کو ہڑپ کرنے کا یقینی بندوبست ہو سکے، جو امام کے ظہور کا انتظار کر رہا تھا کہ وہ آلِ محمد کے حق کے نام پر اس کے سپرد کیا جا سکے۔ بدا اور تقیے کے عقیدوں میں تاویل اور مستقبل میں اپنی بات سے پھر جانے کی پوری گنجایش موجود تھی، لہٰذا ان کے متاخر علما نے اس روایت کے متعلق یہی موقف اپنایا۔ چناں چہ شیعہ کے ایک عالم نے کہا:

''احتمال ہے کہ مراد یہ ہو کہ غَیبت اور حیرت اس مخصوص وقت میں ایک حتمی امر ہو اور اس کے بعد ان دونوں میں بدا جاری ہو جائے۔''[4]

---

[1] دیکھیں: أصول الكافي، باب ما نص الله عز و جل ورسوله على الأئمة واحداً واحداً (١/ ٢٨٦ وما بعدها)

[2] أصول الكافي (١/ ٣٣٨)

[3] حوالہ سابقہ۔

[4] المازندراني: شرح جامع على الكافي (٦/ ٢٣٧)

کچھ نے[1] اس کے بغیر ہی اس سے گلو خلاصی پانے کی کوشش کی ہے، لیکن کسی کو بھی بہ ذاتِ خود مسئلۂ غیبت پر اعتراض کرنے کی توفیق اور جرأت نہیں ہوئی۔

نیز شیعہ کے ہاں اس اَمر کے غیوبت سے ظہور کی مدت ۷۰ سال بھی ذکر ہوئی ہے، اس کے بعد اس کو ایک سو چالیس مقرر کیا گیا، پھر اس کو غیر معینہ مدت تک موخر کر دیا گیا۔[2]

انھوں نے ائمہ کی طرف یہ بھی منسوب کیا ہے:

''انھوں نے قرآنی سورتوں کے آغاز میں حروفِ مقطعات سے غائب کے خروج اور ظہور کے وقت کو معلوم کیا ہے۔''[3]

ان کی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ رموز جو تشیع کے قافلے کو چلاتے تھے، وہ اپنے پیروکاروں کو غائب مستور کے ظہور اور کشادگی کے قرب کی امید دلایا کرتے تھے، جس کی وجہ سے بعض شیعہ کسی بھی لمحے غائب کے ظہور کی توقع کرتے تھے۔ پھر ان کی روایات میں ذکر ہوا ہے کہ ان کے کچھ لوگوں نے غائب کے انتظار میں خرید و فروخت اور کاروباری معاملات ترک کر دیے تھے اور وہ اس حالت پر شکوہ کناں تھے۔ ان میں سے ایک کا کہنا تھا:

''ہم نے اس معاملے کے انتظار میں اپنے بازار چھوڑ دیے حتی کہ ہمارے لوگوں کی یہ حالت ہو چکی تھی کہ آدمی سے پوچھا جاتا کہ اس کے ہاتھ میں کیا ہے۔''[4]

لیکن ان تمام وعدوں اور دلاسوں کا مقصد وہی ہے، جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے کہ اس کھیل کو جاری رکھا جائے اور پیروانِ شیعیت کے شک اور حیرت کا ازالہ کیا جائے۔ شیعہ کو امیدوں میں الجھانے اور وعدوں سے لبھانے کا ان کا یہ وتیرہ رہا ہے۔ شیعہ کی روایات بھی اقرار کرتی ہیں:

''شیعہ دو سو سالوں سے امیدوں کے سہارے جی رہے ہیں۔''[1]

---

[1] شیعہ کے ایک عالم نے کہا ہے: ''امکان ہے کہ حیرت کی مدت کی تحدید مقصود ہو، غیبت کی مدت کی نہیں۔'' (المصدر السابق) حالاں کہ غیبت کے معاملے میں حیرت اور شک دونوں ان کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں، جس طرح اس مسئلے میں لکھی گئی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے، جن کی تالیف کا سبب غیوبت میں شک کے عنصر کی طرف لوٹتا ہے، جو ان کے اکثر لوگوں کے ذہنوں پر حاوی رہا ہے۔ دیکھیں: ابن بابويه: إكمال الدين (ص: ۲)

[2] دیکھیں: أصول الكافي مع شرحه للمازندراني (٦/ ٣٦٤) نیز دیکھیں: الغيبة للطوسي (ص: ٢٦٣) الغيبة للنعماني (ص: ١٩٧)

[3] دیکھیں: تفسير العياشي (٢/ ٢) البرهان (٢/ ٣) بحار الأنوار (٥٢/ ١٠٦۔ ١٠٩)

[4] دیکھیں: روضة الكافي (٨/ ٨٠) عن مفتاح الكتب الأربعة (٣/ ٣٣١)

[5] أصول الكافي (١/ ٣٦٩) الغيبة للنعماني (ص: ١٩٨) الغيبة للطوسي (ص: ٢٠٧۔ ٢٠٨) بحار الأنوار (٥٢/ ١٠٢) یہ روایت علی رضا سے مروی ہے۔

اس کا سبب یہ ہے کہ اگر ان سے کہا جائے:

''یہ معاملہ دو سو سال تک یا تین سو سال تک نہیں ہوگا، تو دل سخت ہو جائیں گے اور عام لوگ اسلام سے (ان کے مذہب سے) پھر جائیں گے، لیکن انھوں نے لوگوں کی دل بستگی اور کشادگی کو قریب کرنے کے لیے کہا کہ یہ وقت کتنا جلدی اور کتنا قریب ہے۔''[1]

شیعہ کی وہ روایات جو غیبت کے زمانے کی تعیین کے متعلق مسئلے کو حل کرنے کے لیے وضع کی گئیں، ان میں اس حل کو پیش کرنے میں بھی اختلاف ہے۔ یہ کبھی تسلیم کرنے کا حکم کرتی ہیں اور کہتی ہیں:

''اگر ہم تم کو کوئی حدیث سنائیں، لیکن واقعات اس کے خلاف رونما ہوں تو کہو: اللہ نے سچ کہا، تو تم کو دوہرا اَجر ملے گا۔''[2]

بعض اوقات یہ اس وقت کی تعیین کے وعدے کی خلاف ورزی کو شیعہ کے اس کے راز کو افشا کرنے کی طرف منسوب کرتی ہیں، اس لیے جب شیعہ میں سے کسی نے کہا:

''کیا اس کی کوئی مدت نہیں جو پوری ہو اور ہماری جان کو آرام آئے؟ تو شیعہ کے امام نے کہا: کیوں نہیں! لیکن تم نے اس کو پھیلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو موخر کر دیا۔''[3]

نیز شیعہ کی روایات کہتی ہیں:

''اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس اَمر کی ۴۰ سے لے کر ۱۰۰ سال تک تعیین کی تھی، لیکن ہم نے تم کو بتا دیا، تو تم نے بات پھیلا دی اور راز فاش کر دیا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس اس کا کوئی وقت نہیں رکھا۔''[4]

یہ کبھی اس امر کو قتلِ حسین کی طرف منسوب کرتی ہیں۔ ابو عبداللہ[5] کہتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اس امر کو ۷۰ھ میں متعین کیا تھا۔''[6]

---

[1] المصدر السابق.

[2] أصول الكافي (١/ ٣٦٩) الغيبة للنعماني (ص: ١٩٨) بحار الأنوار (٥٢/ ١١٨)

[3] الغيبة للنعماني (ص: ١٩٤) الغيبة للطوسي (ص: ٢٦٣) بحار الأنوار (٥٢/ ١١٧)

[4] أصول الكافي (١/ ٣٦٨) الغيبة للنعماني (ص: ١٩٧) الغيبة للطوسي (ص: ٢٦٣) بحار الأنوار (٥٢/ ١١٧)

[5] یہ سب کو معلوم ہے کہ جعفر کی وفات نظریۂ غیبت کی پیدایش سے پہلے ہو چکی تھی، اس کے باوجود وہ تمام ائمہ کی طرف غیبت کے وقوع کی روایات منسوب کرتے ہیں۔

[6] شارح کافی کہتا ہے: ''۷۰ھ کو روپوشی ختم ہوگی۔'' (المازندراني: شرح جامع: ٦/ ٣١٤)

لیکن جب حسین قتل کر دیے گئے تو اللہ تعالیٰ کا اہلِ زمین پر غضب دو چند ہوگیا تو اس نے اس کو موخر کر دیا۔[1]

وہ ان تمام کو عقیدہ بدا کے ساتھ منسلک کرتے ہیں، اس لیے مازندرانی کہتا ہے:

''اس امر کے ظہور کی وقت بندی بدا کے ساتھ تعلق رکھتی ہے، اس لیے اس میں بدا جاری ہوا ہے۔''[2]

یہ روایات کسی وقت تو وقت بندی کے متعلق تمام روایات سے ہاتھ صاف کر لیتی ہیں اور کہتی ہیں:

- ''وقت متعین کرنے والوں نے جھوٹ بولا، جلد باز ہلاک ہوگئے اور تسلیم کرنے والے نجات پا گئے۔''[3]
- ''وقت متعین کرنے والوں نے جھوٹ بولا، ہم اہلِ بیت کوئی وقت بندی نہیں کرتے۔''[4]
- ''جو گزر چکا، وہ ہمارا وقت نہیں تھا اور مستقبل میں ہم کوئی وقت نہیں دے سکتے۔''[5]
- ''جس شخص نے تمھارے سامنے کسی وقت کی تعیین کی، اس کی تکذیب میں بالکل ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم نے کسی کے لیے وقت متعین نہیں کیا۔''[6]
- ''اللہ تعالیٰ نے وقت متعین کرنے والوں کی موافقت کرنے سے انکار کیا۔''[7]

اس طرح ان کی روایات ایک دوسرے کے خلاف اور متضاد ہیں، کیوں کہ حالات اور مواقع کی مناسب سے وضعِ روایات کا عمل کیا جاتا۔ رہا یہ سوال کہ اس کے غائب ہونے کا سبب کیا ہے؟ تو اس کے متعلق کافی میں ذکر ہوا ہے:

''زرارہ سے مروی ہے کہ میں نے ابوعبداللہ سے سنا کہ انھوں نے کہا: قائم اپنے قیام سے پہلے غائب ہوگا، میں نے کہا: کیوں؟ اس نے کہا: اس کو ڈر ہے، پھر اپنے ہاتھ سے اپنے پیٹ کی طرف اشارہ کیا، یعنی قتل۔''[8]

شیعہ کی اس مفہوم کی بہت زیادہ روایات مروی ہیں۔[9] شیخ الطائفہ طوسی نے اس کی مزید تاکید میں کہا ہے:

---

[1] أصول الكافي (١/ ٣٦٨) الغيبة للنعماني (ص: ١٩٧) الغيبة للطوسي (ص: ٣٦٢) بحار الأنوار (٥٢/ ١١٧)

[2] شرح جامع (٦/ ٣١٤) نیز ملاحظہ کریں: الغيبة (ص: ٢٦٣۔ ٢٦٤)

[3] أصول الكافي (١/ ٣٦٨) الغيبة للطوسي (ص: ٢٦٢) الغيبة للنعماني (ص: ١٩٨) بحار الأنوار (٥٢/ ١٠٣۔ ١٠٤)

[4] أصول الكافي (١/ ٣٦٨) الغيبة للنعماني (ص: ١٩٨)

[5] الغيبة للطوسي (ص: ٢٦٢) بحار الأنوار (٥٢/ ١٠٣)

[6] الغيبة للنعماني (ص: ١٩٥) الغيبة للطوسي (ص: ٢٦٢) بحار الأنوار (٥٢/ ١٠٤)

[7] أصول الكافي (١/ ٣٦٨) نیز دیکھیں: الغيبة للنعماني (ص: ١٩٨)

[8] أصول الكافي (١/ ٣٣٨) الغيبة للنعماني (ص: ١١٨) إكمال الدين (ص: ٤٤٩)

[9] دیکھیں: أصول الكافي (١/ ٣٣٧۔ ٣٤٠) الغيبة للنعماني (ص: ١١٨) إكمال الدين (ص: ٤٤٩)

''اس کو اپنی جان کے خوف کے سوا ظہور سے کوئی علت مانع نہیں، کیوں کہ اگر اس کے علاوہ کوئی سبب ہوتا تو اس کے لیے چھپے رہنا جائز نہ ہوتا۔ وہ مشقتیں اور اذیتیں سہتا تھا۔ ائمہ کے درجات، اسی طرح انبیا کے درجات بھی، اللہ تعالیٰ کی ذات کی خاطر بڑی بڑی مصیبتیں جھیلنے کی وجہ سے بلند ہوجاتے ہیں۔''[1]

لیکن غیبوبت کی یہ تعلیل اور تجزیہ جو طوسی نے پیش کیا ہے، شیعہ کے ائمہ کے بارے میں اعتقاد کی بنا پر، ان کے متعلق تصور نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ ''ائمہ کو علم ہوتا ہے کہ انھوں نے کب مرنا ہے اور وہ اپنے اختیار سے مرتے ہیں۔'' کلینی نے کافی میں بھی بہت ساری روایات میں یہ ثابت کیا ہے اور انہی مذکورہ الفاظ میں اس عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے ایک باب قائم کیا ہے۔[1] مجلسی نے بھی ''بحار الأنوار'' میں اسے ثابت کیا ہے اور اس کے لیے ان الفاظ میں ایک باب قائم کیا ہے:

''إنهم يعلمون متى يموتون، وإنه لا يقع ذلك إلا باختيارهم''[2]

یعنی انھیں علم ہوتا ہے کہ وہ کب فوت ہوں گے اور یہ صرف ان کے اپنے اختیار ہی سے وقوع پذیر ہوتا ہے۔

پھر یہ اس تناقض سے کس طرح نکل سکتے ہیں؟[3] اسی طرح ائمہ، شیعہ اعتقاد کے مطابق، جو ہو چکا، اس کو بھی جانتے ہیں، جو ہوگا اس کو بھی جانتے ہیں اور ان پر کوئی چیز بھی مخفی نہیں۔[4]

جس طرح کلینی نے مذکورہ عنوان کے تحت یہ ثابت کیا ہے۔ چناں چہ ان کے لیے ہر اس خطرے سے بچنا ممکن تھا، جس کا کسی کے دل میں خیال بھی پیدا نہ ہو۔ اگر یہی خطرہ تھا تو ان چاروں نائبین میں سے کوئی ایک بھی کیوں قتل نہیں ہوا، جو امام کے ساتھ براہِ راست تعلق کے دعوے دار تھے اور وہ امام کی طرح بھی نہیں تھے، جس کو مرنے کا اختیار حاصل تھا؟!

اسی طرح بعض شیعہ حکومتوں کے قیام کے دوران میں بھی امام کو مکمل تحفظ اور امن حاصل تھا تو وہ ان

---

[1] الغيبة للطوسي، فصل في ذكر العلة المانعة لصاحب الأمر من الظهور (ص: ١٩٩)

[2] بحار الأنوار (٢٧/ ٢٥٨)

[3] میں نے مازندرانی کی شرح کافی کی طرف رجوع کیا، تاکہ دیکھوں وہ کافی کی ان روایات پر کیا تبصرہ کرتا ہے، جو اس کی غیبت کو قتل کے خوف کے ساتھ منسلک کرتی ہیں، لیکن اس نے ان پر کچھ بھی خامہ فرسائی نہیں کی۔

[4] أصول الكافي (١/ ٢٦٠)

کے پاس کیوں نہ گیا، تاکہ وہ اس کے ظہور اور دیدار سے مانوس ہوتے اور اس کے علم، اسلحے اور قوت سے مستفید ہوتے اور جونہی اس ملک کا سقوط ہوتا تو وہ دوبارہ اپنی کمین گاہ میں چھپ جاتا؟!

اسی لیے احمد کسروی (شیعہ نژاد) کہتا ہے:

''اگر ان کا منتظر اپنی جان جانے کے خوف سے چھپا ہوا تھا تو وہ اس وقت ظاہر کیوں نہیں ہوا، جب آلِ بویہ، جو شیعہ تھے، بغداد پر قابض تھے اور بنو عباس کے خلفا ان کے دست نگر بن چکے تھے؟ وہ اس وقت ظاہر کیوں نہیں ہوا، جب شاہ اسماعیل صفوی سریر آرائے سلطنت ہوا اور اس نے سنیوں کے خون سے نہریں بہا دیں؟ جب کریم خان زندی، جو ایران کا سب سے بڑا سلطان تھا، اس نے صاحبِ زمان کے نام سے سکہ بھی جاری کیا اور اپنے آپ کو اس کا وکیل بھی تصور کرتا تھا، تب وہ کیوں ظاہر نہ ہوا؟ اس کے بعد وہ آج تک ظاہر نہیں ہوا، حالاں کہ اس وقت شیعہ کی تعداد ۶۰ ملین سے متجاوز ہے، جن کی اکثریت اس کا بے تابی سے انتظار کر رہی ہے؟''[1]

اسی طرح آج، کسروی کے بعد، آیات کی سلطنت قائم ہو چکی ہے، لیکن وہ ان کے پاس بھی نہیں آیا، بالخصوص وہ سیکڑوں سالوں سے اس کے خروج کے لیے گڑ گڑا کر دعائیں مانگ رہے ہیں اور فریادیں کر رہے ہیں! اس کے ساتھ ساتھ ایسی روایات بھی وضع کی گئیں، جو غیبوبت کی یہ علت بھی پیش کرتی ہیں کہ شیعہ کے دلوں کا امتحان مقصود تھا۔ یہ علت سازی، جو یہ روایات پیش کرتی ہیں، درحقیقت اس شک کے رویے کے علاج کی ایک کوشش ہے، جو شیعہ کے دلوں میں سرایت کر چکا تھا، کیوں کہ یہ مسئلہ ان کی عقلوں تک رسائی حاصل کرنے میں کوئی راہ نہیں پا رہا تھا، بلکہ یہ ان کو شیعیت اور رافضیت کے عقیدے کو ترک کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔

مزید برآں شیعہ موعودِ غائب کے انتظار سے اُکتا چکے تھے اور یہ چہ مگوئیاں ہو رہی تھیں کہ یہ ہمارے لیے بڑا طویل ہو چکا ہے، ہمارے دل تنگ آ چکے ہیں اور ہم رنج و غم میں مر رہے ہیں...[2] شک کا یہ خوف ناک آسیب ان پر حاوی ہو چکا تھا۔ ابن بابویہ قمی نے بھی اس کی گواہی دی ہے۔ وہ کہتا ہے:

''میں نیساپور گیا اور میں نے وہاں قیام کیا تو میرے پاس جو شیعہ آتے تھے، ان میں سے اکثر کو میں نے دیکھا کہ ان کو غیبتِ امام نے حیرانی میں ڈالا ہوا تھا اور قائم علیہ السلام کے معاملے کے متعلق ان کے دلوں میں شبہہ پیدا ہو چکا تھا۔''[3]

---

[1] التشيع والشيعة (ص: ٤٢)

[2] الغيبة للنعماني (ص: ١٢٠)

[3] إكمال الدين (ص: ٢)

شیعہ کی وہ روایات، جو بہ ظاہر اس مسئلے کے حل کے لیے وضع کی گئیں، غائب کے معاملے کے متعلق، اس کی طویل غیبوبت اور اس کا کوئی اَتا پتا نہ ہونے کے بارے میں حیرانی کی تصویر کشی کرتی ہیں۔ کافی میں ذکر ہوا ہے کہ زرارہ نے کہا:

''میں نے ابو عبداللہ سے سنا، وہ کہہ رہے تھے: لڑکے کی قیام سے پہلے غیبوبت (پوشیدگی) ہے... یہ وہی ہے، جس کا انتظار کیا جا رہا ہے، جس کی ولادت ہی میں شک ہے۔ کوئی کہتا ہے: اس کا باپ لاولد فوت ہوگیا تھا۔ کوئی کہتا ہے: حمل کی حالت میں تھا۔ کوئی کہتا ہے: یہ اپنے باپ کی وفات سے دو سال پہلے پیدا ہوا، یہی منتظر ہے، لیکن بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیعہ کو آزمایش میں ڈال دیا، تو اس وقت باطل پرست شک میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔''[1] چناں چہ انھوں نے اس کی یہ توجیہ پیش کی ہے کہ اس سے شیعہ کی آزمایش مقصود ہے۔

فِرق کی کتابیں یہ حقیقت ہمارے سامنے رکھتی ہیں کہ حسن عسکری کی موت کے بعد وہ اس سے دوچار ہوئے۔ گویا یہ اور اس جیسی روایات حیرت اور شک کے رجحان کا سامنا کرنا کے لیے اختراع کی گئیں، جو ان کے امام کے لاولد فوت ہونے کی وجہ سے ان پر چھا چکا تھا۔ انھوں نے ایسی روایات کی بھرمار کر دی، جو اسی نہج اور اسلوب پر چلتی ہیں اور ان کے حقیقی حالات کی بڑی بلیغ صورت گری کرتی ہیں۔ کافی میں ہے:

''نہیں، خدا کی قسم! نہیں، جس پر تمھاری نگاہیں لگی ہوئی ہیں، یہ اس وقت تک نہیں ہوگا، جب تک تم کو چھلنی میں اچھی طرح صاف نہ کرلیا جائے ... جب تک تم کو خالص نہ کرلیا جائے ... جب تک تم کو ممتاز نہ کرلیا جائے ...۔ نہیں، خدا کی قسم! نہیں، جس پر تمھاری نظریں لگی ہوئی ہیں، یہ نا امید ہونے کے بعد ہوگا۔ حتی کہ جس نے بد بخت ہونا ہے، وہ بد بخت ہوجائے اور جس نے نیک بخت ہونا ہے، وہ نیک بخت ہوجائے۔''[2]

لہٰذا وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ غَیبت کے دعوے کی وجہ سے ان پر جو پریشانیاں آئی ہیں، یہ صرف انھیں آزمانے اور خالص کرنے کے لیے ہیں، جب یہ کام مکمل ہو جائے گا تو قائم کا ظہور ہوگا۔ شیعہ جعفر صادق کی طرف منسوب کرتے ہیں:

''ان کے پاس ان کا ایک ساتھی آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ اس طرح رو رہے ہیں، جس طرح کسی عزیز از جان کو کھو دینے والا رو رہا ہوتا ہے، کیوں کہ ان کے بہ قول، انھوں نے کتاب الجفر میں

---

[1] أصول الكافي (١/ ٣٣٧)

[2] أصول الكافي (١/ ٢٧٠)

دیکھا، جو ابتلاؤں، اموات اور قیامت تک رونما ہونے والے حالات کے علم پر مشتمل ہے اور کہا: میں نے اس میں اپنے قائم کی پیدائش، پوشیدگی، تاخیر، طوالت، اس کے بعد مومنوں کی آزمائش، اس کی طویل پوشیدگی کی وجہ سے شیعہ کے دلوں میں شکوک کا جنم لینا اور اکثر کا اس کے دین سے پھر جانا؛ ان تمام امور پر تامل کیا...۔''[1]

جعفر کی طرف منسوب یہ روایت پوشیدگی کے دعوے کی وجہ سے جس کی مدت بڑی طویل ہوچکی ہے، بہت سارے شیعہ کے مرتد ہونے کی قصہ گوئی کرتی ہے۔ یہ روایت بھی، دوسری روایات کی طرح، ان پر یہ مصیبت ٹوٹ پڑنے پر توضع کی گئی، تاکہ ان کو شیعیت کے دائرے میں باقی رہنے پر راغب رکھا جا سکے اور دعویٰ یہ پیش کیا کہ ائمہ نے ان امور کی پیشین گوئی کی ہوئی ہے، جو گم شدہ امام کی واپسی کی علامت ہے!

شیعہ کے عالم نعمانی نے بھی اکثر شیعہ کے غیبوبت (پوشیدگی) کے معاملے میں شک میں مبتلا ہونے کی گواہی دی ہے اور اس کی گواہی بڑی اہمیت رکھتی ہے، کیوں کہ یہ شیعہ کا تیسری صدی کا عالم ہے، جس نے غیبوبت (پوشیدگی) کے دعوے کی ابتدائی مدت میں شیعہ کے حالات کا خود مشاہدہ کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

''ہم نے شیعیت اور ہمارے نبی محمد ﷺ کی طرف منسوب امامت کی قائل ایک جماعت کو دیکھا ہے، جو افتراق و انتشار کا شکار ہوچکی تھی، فرائض کو کوئی اہمیت نہیں دیتی تھی، اللہ کے حرام کردہ کاموں کا ارتکاب کرتی تھی، ان میں سے بعض غلو کی آخری حدود تک پہنچ گئے اور بعض تقصیر کی گہرائیوں میں گر گئے اور چند ایک کے سوا ان تمام نے اس غیبوبت (پوشیدگی) کی آزمائش کی وجہ سے اپنے امامِ زمانہ اور ولیِ امر اور اپنے رب کی حجت میں شک کیا۔''[2]

چناں چہ ہر کوئی ایک دوسرے پر لعنت بھیجنے لگا، اس سے براءت کا اظہار کرنے لگا اور اس کو کافر قرار دینے لگا، جس طرح نعمانی کی یہ روایت ان کی تصویر کشی کرتی ہے، اس کے الفاظ ہیں:

''یہ امر جس کا انتظار کیا جا رہا ہے، اس وقت تک نہیں ہوگا، جب تک تم ایک دوسرے سے براءت کا اظہار نہ کرنے لگو، ایک دوسرے کے چہروں پر تھوکنے نہ لگو اور ایک دوسرے کو لعنت اور تکفیر کا نشانہ نہ بنانے لگو۔''[3]

---

[1] الغيبة للطوسي (ص: ١٠٥۔ ١٠٦)

[2] الغيبة للنعماني (ص: ١١)

[3] الغيبة للنعماني (ص: ١٣٧۔ ١٣٨) بحار الأنوار (٥٢/ ١١٤۔ ١١٥)

یہ روایت اس خطرناک روش کو ایک نیکی اور بھلائی قرار دیتی ہے، کیوں کہ یہ قائم کے ظہور کا اعلان ہے۔ روایت کہتی ہے:

''ساری خیر اس زمانے میں ہوگی۔ ہمارا قائم نکلے گا اور وہ سب کچھ درست کر دے گا۔''[1]

ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیعہ محدثین نے اس انحطاط اور ذلت کا سامنا کرنے کے لیے اہلِ بیت کے نام پر احادیث وضع کر لیں اور شیعہ کو امامی تشیع کے دائرۂ فکر میں باقی رکھنے کی ترغیب کے لیے ان روایات میں ایسی باتیں پیش کیں، جو اشارہ کرتی ہیں کہ غیبوبت (پوشیدگی) کے وقت شیعہ کو آزمایش، تطہیر اور ارتداد کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان اعترافات اور گواہیوں کے باوجود نظریۂ غیبوبت نے، جس کا عقیدہ رکھنا امامیہ کی مجبوری ہے، بڑی زبردست ہلچل مچائی، جس نے امامی تشیع کے ڈھانچے کو ہلا کر رکھ دیا اور قریب تھا کہ یہ اس کے سقوط کا باعث بن جاتا، کیوں کہ اس کی وجہ سے انھوں نے اپنے بہت زیادہ پیروکاروں کو کھو دیا تھا۔ بایں ہمہ یہ اپنی روایات میں کہتے ہیں:

''اگر اللہ کو علم ہوتا کہ وہ شک میں مبتلا ہو جائیں گے، پھر بھی وہ اپنی حجت کو ایک لمحے کے لیے بھی ناکام نہ ہونے دیتا۔''[2]

چند ایک افراد کے سوا تمام لوگوں کا شک میں مبتلا ہو جانا، ایک دوسرے پر لعن طعن کرنا اور فرقے بندی میں منقسم ہو جانا، اس سے بڑھ کر اور کون سا شک ہوسکتا ہے؟ شیعہ میں غیبوبت کے لیے جھوٹ کی بھرمار بھی ملاحظہ کی گئی ہے، خصوصاً اس کے ابتدائی مراحل میں، شاید اس کا یہ سبب ہو کہ ان لوگوں کے لیے جو اس کے آغاز کے حالات و واقعات سے واقف اور اس کے ہم زمانہ تھے، ان کے سامنے اس کا جھوٹ ہونا بالکل واضح تھا، اس لیے اس نظریے کے بانی افراد ان رخنوں کو بند کرنے کے لیے بہت زیادہ سرگرم عمل تھے، جن سے شک کی ہوائیں آ سکتی تھیں اور جھوٹ کی صورت واضح ہوسکتی تھی۔

چناں چہ انھوں نے تکذیب، لعن طعن اور انتشار کی پریشانی حل کرنے کے لیے اہلِ بیت کے نام پر ایسی روایات گھڑ لیں، جو ان نامساعد حالات کی پیشین گوئی اور ان کے وقوع کے وقت کو خوشخبری پر محمول کرنے پر دلالت کرتی ہیں، کیوں کہ یہ حالات قائم کی واپسی کا اعلان ہیں (یہ حالات اور واقعات تو رونما ہو گئے، لیکن وہ پھر بھی نہ آیا!)

[1] الغيبة للنعماني (ص: ١٣٨) بحار الأنوار (ص: ١١٥)

[2] أصول الكافي (١/ ٣٣٣) الغيبة للنعماني (ص: ١٠٧)

شیعہ کے کانوں میں حسن عسکری کے خاندان کی طرف سے بھی جب ان دعوؤں کی تکذیب کی آوازیں پڑیں تو اس مشکل کے حل کے لیے بھی انھوں نے روایات وضع کر لیں، جو کہتی ہیں:

''قائم کی پوشیدگی یقینی شے ہے، حالاں کہ اس کے گھر والے بھی اس سے انکار کرتے ہیں۔''

جب زرارہ نے (جس کے نام پر روایت بنائی گئی) کیوں کہ وہ نظریۂ غیوبت کے ظہور سے پہلے ہی مر چکا تھا، اس کا سبب دریافت کیا، تو ،روایت کے مطابق، ابوجعفر نے کہا:

''اس کو ڈر ہے اور انھوں نے اپنے ہاتھ سے اپنے پیٹ کی طرف اشارہ کیا۔''[1]

ایک کمزور پہلو یہ بھی ہے کہ نہ حسن کے خاندان سے اور نہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا ہی اس کی ولادت یا پرورش سے باخبر ہے تو اس کے لیے انھوں نے جو روایات وضع کیں، وہ کہتی ہیں:

''اللہ اس معاملے کے لیے ہم میں سے ایک لڑکے کو مبعوث کرے گا، جس کی ولادت اور پرورش دونوں ہی پوشیدہ ہوں گی۔''[2]

جو شیعہ کی اس طرز کی روایات کی تلاش وجستجو کرتا ہے، اس کو بڑی تعجب خیز باتیں ملتی ہیں۔ دوسری طرف انھوں نے ایسی روایات گھڑی ہیں، جو امام کے ظہور کے ساتھ مربوط کشادگی اور فراخی کے انتظار کو سب سے عظیم اور افضل عمل قرار دیتی ہیں، تاکہ، جس طرح محسوس ہوتا ہے، انتظار کی طوالت، شوقِ دیدار کی شدت اور قائم کی صحبت سے محروم رہنے کے نتیجے میں پیدا ہونے والے احساس، اکتاہٹ اور کبیدہ خاطری کا ازالہ کیا جا سکے۔

کافی میں ہے:

''بندے اللہ ۔جل ذکرہ۔ کے زیادہ قریب اور وہ ان سے زیادہ راضی تب ہوتا ہے، جب وہ اللہ کی حجت کو نہ پائیں، وہ ان کے لیے ظاہر نہ ہو، اس کی جگہ کا بھی ان کو علم نہ ہو، پھر بھی ان کا یقین ہو کہ نہ اللہ کی حجت باطل ہوگی نہ اس کا میثاق ہی، تب یعنی غیبوبت کے وقت وہ صبح و شام کشادگی اور فراخی کی توقع رکھیں۔''[3]

چناں چہ انھوں نے غیبوبت کو کشادگی کی علامت قرار دیا، لیکن آج غیبوبت کے دورانیے کو گیارہ سو سال ہونے کو آئے ہیں، لیکن ان کا کوئی وعدہ وفا نہیں ہوا، لہٰذا جو شیعہ ان جیسی آرزوؤں اور خواہشات کا ذکر پڑھتے

---

[1] الغيبة للنعماني (ص: ١١٨)

[2] أصول الكافي (١/ ٣٤١۔ ٣٤٢) الغيبة للنعماني (ص: ١١٢)

[3] أصول الكافي (١/ ٣٣٣) بحار الأنوار (٥٢/ ١٤٥)

ہیں، ان پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہوں گے؟!

کیا ان کا شک پختہ اور یقین کمزور نہیں ہوتا ہوگا، بلکہ وہ اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کی تلاش میں لگ جاتے ہوں گے، کیوں کہ شیعہ کو یہ بتایا گیا ہے، جو سراسر جھوٹ اور بہتان طرازی ہے کہ یہ مہدی موعود اہلِ سنت اور شیعہ کے درمیان متفقہ شخصیت ہے۔

عقیدۂ انتظار کے متعلق بھی ان کی بہت زیادہ روایات ہیں۔ مجلسی نے ان میں سے ۷۷ روایات: ''باب فضل انتظار الفرج و مدح الشيعة في زمن الغيبة، وما ينبغي فعله في ذلك الزمان''[1] میں ذکر کی ہیں، بلکہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف بھی یہ منسوب کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''میری امت کے افضل اعمال میں سے اللہ کی کشادگی اور فراخی کا انتظار ہے۔''[2]

جس سے ان کی مراد ان کے امامِ زمانہ کا ظہور ہے۔ انھوں نے انتظار کو اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل قرار دیا ہے۔[3] ''اس کے ظہور کا انتظار کرنے والے ہر زمانے کے افضل لوگ ہیں۔''[4]

انھوں نے یہ خیال بھی پیش کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے ان کے متعلق کہا:

''تمھارے بعد ایک ایسی قوم آئے گی، ان میں سے ایک آدمی کا اجر تمھارے پچاس کے برابر ہوگا۔ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! ہم آپ کی معیت میں بدر، احد، حنین میں رہے اور ہمارے متعلق قرآن نازل ہوا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم پر اگر وہ مصیبتیں ٹوٹیں جو انھوں نے برداشت کیں تو تم ان جیسا صبر نہیں کر پاؤ گے۔''[5]

اس روایت کے وضع کرنے والے کے ذہن سے رافضہ کے نزدیک صحابہ کا مرتبہ غائب ہوگیا۔ ان کی ایسی روایات بھی مذکور ہیں، جو اس کے خروج اور ظہور کی آرزو کو بجھا دیتی ہیں۔ ایک روایت کہتی ہے:

''جس نے اس معاملے کو پہچان لیا، پھر قائم کے قیام سے پہلے ہی فوت ہوگیا تو اس کو اتنا ہی اجر ملے گا، جتنا اس کے ساتھ قتل ہونے والے کو ملے گا۔''[6]

---

[1] بحار الأنوار (۵۲/ ۱۲۲۔ ۱۵۰) نیز دیکھیں: إكمال الدين (ص: ۶۰۳ وما بعدها)

[2] بحار الأنوار (۵۲/ ۱۲۲)

[3] المصدر السابق.

[4] المصدر السابق.

[5] المصدر السابق (۵۲/ ۱۳۰)

[6] المصدر السابق (۵۲/ ۱۳۱)

اس ترغیب کے ساتھ ساتھ قائم کی غیوبت کے منکر کے لیے کفر اور دائمی جہنم کی وعید اور دھمکی بھی ہے، انھوں نے اس کے انکار کو رسالتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے کفر کے برابر قرار دیا ہے، بلکہ اس کو ابلیس کے کفر کے مساوی شمار کیا ہے۔ شیعہ کا صدوق اپنی مزعومہ سند کے ساتھ روایت کرتا ہے:

''ابو یعفور سے مروی ہے کہ ابو عبداللہ نے کہا: جس نے میرے آبا اور اولاد میں سے ائمہ کا اقرار کیا، لیکن میری اولاد میں سے مہدی کا انکار کیا، وہ ایسے ہی ہے، جس نے تمام انبیا کا تو اقرار کیا، لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا۔ میں نے کہا: اے جناب! آپ کی اولاد میں سے مہدی کون ہوگا؟ انھوں نے کہا: ساتویں بچے سے پانچواں، اس کی شخصیت ان سے غائب ہوجائے گی اور ان کے لیے اس کا نام لینا جائز نہیں۔''[1]

انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی افترا پردازی کرتے ہوئے کہا ہے:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری اولاد میں سے قائم کا انکار کیا تو اس نے میرا انکار کیا۔''[2]

شیعہ کا صدوق کہتا ہے:

''قائم کا اس کی پوشیدگی میں انکار کرنے والا ابلیس کی طرح ہے، جس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔''[3]

غیوبت کا مسئلہ شیعہ کے علما کی کارستانیوں کی وجہ سے صحابہ کرام اور تابعینِ عظام کے خلاف حسد اور نفرت کا منبع بن چکا ہے۔ شیعہ کا شیخ جزائری کہتا ہے:

''مجھ پر جب کسی مسئلے میں مشکل بن جاتی ہے تو میں اپنے اوپر ان پر لعنت کرنا لازم قرار دیتا ہوں، کیوں کہ وہ حجت میں رکاوٹ کا سبب ہیں۔''[4]

چنانچہ آپ ملاحظہ کرتے ہیں کہ وہ شیعہ کے دلوں میں انتظار کی تلخی اور اعتقاد کی جلن کی وجہ سے چھپے ہوئے غصے اور نفرت کی توجیہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

''امام غائب مقہور و مغلوب ہے، اس کے ساتھ اس کے حق میں جھگڑا کیا گیا ہے اور وہ زبردستی

---

[1] إكمال الدين (ص: ٣٨٨)

[2] المصدر السابق (ص: ٣٩٠) لطف الله الصافي: منتخب الأثر (ص: ٤٩٢)

[3] إكمال الدين (ص: ١٣)

[4] شرح الصحيفة السجادية (ص: ٣٧)

مغلوب ہو چکا ہے۔''[1]

اسی طرح وہ یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں:

''اس کی پوشیدگی کی وجہ سے اس کے شیعہ پر اللہ کے دشمن مسلط ہوگئے ہیں، جنھوں نے ان کا اتنا زیادہ خون بہایا اور ان کا مال لوٹا ہے ...۔''[2]

لہٰذا یہ اس احساس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی نفرت کو انسانی تاریخ کی سب سے بہترین نسل اور ان کے پیروکاروں کو سب وشتم کا نشانہ بنانے کی طرف منتقل کر دیتے ہیں!!

غیوبت (پوشیدگی) کے وقوع پر استدلال:

امامیہ نے اپنے عقیدہ غیوبتِ مہدی کی صحت ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے اور اس کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔

یہ لوگ اپنے عقیدے کی سند تلاش کرنے کے لیے کتاب اللہ کی طرف بھی متوجہ ہوئے، جب ان کو وہاں گوہرِ مقصود ہاتھ نہ آیا تو انھوں نے اپنی عادت کے مطابق شدید تکلف اور انتہائی زیادہ انحراف سے متصف اپنی باطنی تاویل کو مدد کے لیے پکارا اور کتاب اللہ کی کئی آیات کی اسی اسلوب میں تاویل کی۔

ان کی اصولِ تفسیر کی اساسی کتاب (تفسیر قمی) میں اس آیت: ﴿وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى﴾ [الليل: ٢] کی تفسیر میں ذکر ہوا ہے کہ اس نے کہا:

'''النهار'' ہم اہلِ بیت میں سے القائم ہے۔''[3]

شیعہ کی چار کتابوں میں سے صحیح ترین کتاب میں اس قولِ الٰہی: ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ﴾ [الملك: ٣٠] کے متعلق وارد ہوا ہے:

''اس نے کہا: جب تمھارا امام تم سے پوشیدہ ہو جائے گا تو کون ہے جو تمھارے پاس نئے امام کو لے کر آئے گا؟''[4]

تفسیر عیاشی میں اس فرمانِ الٰہی: ﴿وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ﴾

---

[1] إكمال الدين (ص: ١٢)

[2] المصدر السابق.

[3] تفسير القمي (٢/ ٤٢٥)

[4] أصول الكافي (١/ ٣٣٩) نیز دیکھیں: تفسير العياشي (٢/ ٧٦) إكمال الدين (ص: ٣٣٩) البرهان (٢/ ١٠٢)

[التوبة: ٣] کی تفسیر میں منقول ہے: ''اس نے کہا: اس سے مراد قائم کا خروج اور اس کا اپنی طرف بلانے کا اعلان ہے۔''[1]

تاویل کی اس قسم کی بے ڈھنگی مثالیں بے شمار ہیں، بلکہ انھوں نے اس موضوع پر مستقل کتابیں تالیف کی ہیں، جیسے: ''ما نزل من القرآن في صاحب الزمان''[2]، ''المحجة فیما نزل في القائم الحجة''[3] اس موخر الذکر کتاب کا، ایک معاصر رافضی[4] کی تحقیق کے ساتھ نیا اڈیشن چھپا ہے۔[5]

اس کتاب کے مولف نے اس میں قرآن کریم کی ۱۲۰ سے زیادہ آیات کی اپنے مہدی منتظر کے ساتھ تاویل کی ہے۔ یہ تاویلات ان کی وہ رسوائیاں ہیں، جو چھپائے نہیں چھپتیں، لیکن محقق کتاب کا دل اس تعداد سے بھی نہیں بھرا، چنانچہ اس نے اپنی طرف سے مزید ۱۲ قرآنی آیات کی تاویل کا اضافہ کر دیا ہے اور ان کو کتاب کے آخر میں ''مستدرك المحجة'' کے نام سے ضمیمے میں درج کیا ہے۔

انصاف اور حقیقت پسند نگاہ، ان باطنی تاویلات میں، جن کا مقصود غَیبتِ مہدی ثابت کرنا ہے، شدید غلو اور کتاب اللہ کی تحریف ملاحظہ کرتی ہے۔ یہ آیات ان کے مطلب پر قطعاً کوئی دلالت نہیں کرتیں، بلکہ یہ اس نظریے کے فساد کو کھلی دلالت سے بیان کرتی ہیں، جس کو بطورِ قاعدہ مقرر کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

امامیہ بعض انبیاے کرام علیہم السلام کے لیے ثابت شدہ غیبوبت سے بھی اپنے مہدی کی غیبوبت کے وقوع پذیر ہونے کی صحت کے لیے دلیل تلاش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر موسیٰ بن عمران علیہ السلام کا فرعون اور اس کے بھائی بندوں سے بھاگ کر اپنے وطن سے غائب ہوجانا، جس طرح اس کا قرآن نے بھی ذکر کیا ہے، اسی طرح یوسف علیہ السلام کا غائب ہوجانا اور ان کے والد کو ان کی کوئی خبر نہ ہونا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے پردہ اٹھایا، پھر ان کی خبر کو ظاہر کر دیا اور ان کے تمام اہلِ خانہ کو اکٹھا کر دیا۔ اس موضوع پر قرآن کی ایک مکمل سورت ہے۔ یونس بن متی علیہ السلام کا اپنی قوم کے ساتھ قصہ، جب ان کی سرکشی حد سے بڑھ گئی اور انھوں نے ان کے حقوق کی بے توقیری کرنا شروع کر دی تو وہ ان سے دور نکل گئے اور ہر ایک سے چھپ گئے، کسی کو بھی ان کے ٹھکانے کا علم نہیں تھا، اللہ نے ان پر پردہ ڈالے رکھا اور ایک طرح کی مصلحت کے پیشِ نظر ان کی سانسیں باقی رکھیں،

---

[1] تفسیر العیاشي (٢/ ٧٦) البرهان (٢/ ١٠٢)

[2] للرافضي عبد العزیز الجلودي (دیکھیں: الذریعة: ١٩/ ٣٠)

[3] لشیخهم هاشم البحراني.

[4] اس کا نام محمد منیر میلانی ہے۔ اس نے کتاب کی نصوص کی اپنی معتبر کتابوں کے ساتھ توثیق کی ہے۔

[5] سنة ١٤٠٣هـ مؤسسة الوفاء، بیروت.

جب یہ مدت پوری ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی قوم کی طرف لوٹا دیا اور ان کو یکجا کر دیا۔[1]

اسی طرح ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کا غار میں چھپنا، (اس سے بھی وہ استدلال کرتے ہیں) طوسی نے اس اعتراض: ''اگر تمھارا امام حکومت قائم کرنے اور امامت کا بوجھ اٹھانے کا مکلّف ہے تو وہ غائب کیوں ہوگیا؟''[2] کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے:

''کیا نبی ﷺ تین سال تک شعبِ ابی طالب میں چھپے نہیں رہے؟ کوئی بھی ان کے پاس نہیں گیا تھا اور غار میں بھی آپ ﷺ تین دن تک چھپے رہے۔''[3]

امر واقع یہ ہے کہ شیعہ جب غیبوبت کے معاملے میں اپنی عقل کی نگاہ سے تامل کرتے ہیں اور پیروکاروں اور غیبوبت کے متعلق شک کرنے والوں کو مطمئن کرنے کے لیے اس طرح کے تقابلات اور مقارنہ جات پیش کرتے ہیں تو یہ ان کی قوم کے دلوں میں جلنے والے شک کے فیتے کو بجھانے کے بجائے مزید بھڑکا دیتے ہیں۔

یہی نہیں بلکہ ابن بابویہ نے اپنے ایک بہت بڑے عالم اور اس کے حلقہ اثر کو، جن کے دلوں میں غَیبتِ امام کے متعلق شک اور حیرت نے ڈیرے ڈال لیے تھے، مطمئن اور قائل کرنے کے لیے ایک کتاب لکھی، جس کا اُس نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔[4]

یہ موازنہ جات بہت سارے اسباب کی بنا پر ان کے امام کی غیبوبت کا نظریہ ثابت کرنے میں بے سود ہیں، کیونکہ حضرت موسیٰ، یونس، یوسف اور محمد[5] (صلوات اللہ علیہم اجمعین) کی غیبوبت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں صریح اور غیر مبہم الفاظ میں خبر ذکر کی ہے، لیکن ان کے مہدی کے غائب ہونے کی روایات حکیمہ تک آخر کار ختم ہوجاتی ہیں، وہ بھی اگر اس کی طرف ان کی نسبت صحیح ہو، پھر اس کے بعد چار ابواب (دربان) کی خبریں ہیں، جن کی گواہی مجروح ہے، کیونکہ وہ مالی مفادات کی رسی اپنی اپنی طرف کھینچنے میں مصروفِ عمل رہے ہیں، اسی لیے اکثر لوگوں نے اس بابیت (دربانی) کا دعویٰ کیا۔

اسی طرح انبیا کا غائب رہنا، ان کی اقوام میں معروف تھا، کیونکہ وہ ان کے درمیان زندہ رہے اور وہ ان

---

1. الغيبة للطوسي (ص: ٧٧)
2. دیکھیں: المصدر السابق (ص: ١٣)
3. المصدر السابق (ص: ١٣)
4. إكمال الدين (ص: ٢۔ ٤)
5. شعبِ ابی طالب میں جانا کوئی غیبوبت اور روپوشی نہیں تھی، بلکہ وہ کفار کی طرف سے بائیکاٹ اور قطع تعلقی تھی، لہٰذا وہ ہمارے زیرِ بحث موضوع میں داخل نہیں ہوسکتا۔ (بلکہ ان میں سے کوئی بھی مثال ان کی مزعومہ غیبوبت پر صادق نہیں آتی، حضرت یوسف علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام میں سے کوئی بھی غائب اور روپوش نہیں ہوا تھا۔ [مترجم])

کو جانتے تھے، لیکن ان کے غائب کو کوئی جانتا ہے نہ اس کا کوئی اتا پتا ہی ہے، بلکہ خود اس کے گھر والے بھی اس کے وجود کا انکار کرتے رہے ہیں اور ثقہ مورخین نے بھی یہ گواہی دی ہے کہ حسن عسکری لا ولد ہی فوت ہوئے تھے۔

پھر ان انبیا کا غائب رہنا ایک محدود وقت اور متعین جگہ میں تھا اور وہ بہت جلد اپنی قوموں اور اہلِ خانہ کی طرف لوٹ آئے تھے، لیکن ان کے منتظر امام کو کئی صدیاں ہونے کو آئی ہیں اور ابھی تک اس کی کوئی نشانی ملی ہے نہ اس کی جگہ ہی کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکا ہے۔ پھر وہ اللہ کے رسول جو کچھ مدت کے لیے غائب ہوگئے تھے، انھوں نے اپنی اقوام پر حجت قائم کی اور ان کی نسلوں تک اللہ کے پیغامات پہنچا دیے، لیکن ان کے غائب کو غائب ہوئے کئی نسلیں بیت گئی ہیں، پھر بھی اس کے بارے میں ہم کچھ نہیں سنتے!!

مزید برآں انبیا کا غائب ہونا بالجملہ ایک فطری غیبوبت تھی، مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والد کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئے، لیکن دوسرے لوگوں میں ظاہر ہوئے، جس طرح ایک آدمی ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتا ہے اور یہ محدود وقت کے ساتھ مشروط ہوتا ہے، پھر یہ انبیائے کرام کے متعلق بھی چند ایک استثنائی واقعات ہیں، کیوں کہ ان کی بہت زیادہ تعداد ہے اور یہ کہیں ذکر نہیں ہوا کہ یہ شے ان مذکور انبیا کے علاوہ کسی دوسرے نبی کے لیے بھی رونما ہوئی ہو۔

جہاں تک اثنا عشریہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غار میں چھپنے سے استدلال کرنے کا سوال ہے تو ''یہ استدلال نامناسب ہے، کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چھپنا دعواے نبوت چھپانے کے لیے نہیں تھا، بلکہ یہ جنگ میں کیے جانے والے توریے (جانا کسی جگہ ہو، لیکن مشہور دوسری جگہ کر دینا، تاکہ دشمن بے خبر رہے) کی قبیل سے تھا، تاکہ کافر آپ کی راہ نہ روک سکیں، پھر یہ چھپنا صرف تین دن کے لیے تھا، اس لیے اس پر اس مہدی مزعوم کے غائب ہونے کو قیاس کرنا غایت درجہ کی حماقت ہے، اس چھپنے کے درمیان، جو غلبۂ دین کا فوری دیباچہ تھا اور اس چھپنے کے درمیان، جو صدیوں پر محیط رسوائی کو ساتھ ساتھ لیے چلتا ہو اور جس کے نتیجے میں دعوت ترک ہوچکی اور سرکشی عام ہوچکی ہو، فرق ایک اندھے کے لیے بھی بالکل واضح ہے۔''[1]

مدتِ غیبوبت کی طوالت کا دفاع:

شیعہ کے اپنے امام کے وجود کے دعوے کی کذب بیانی اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ اس کا اتنی طویل مدت تک زندہ رہنا محال اور ناممکن ہے، جو دو چار صدیوں کی بات نہیں، بلکہ گیارہ صدیوں کا قصہ ہے۔

---

[1] مختصر التحفة (ص: ١١٩)

اتنی مدت تک کسی بھی مسلمان کی عمر دراز ہونا۔ بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہ۔ امت محمدیہ (ﷺ) کی جو قیاسی عمر ہے، اس کے بھی متصادم ہے اور یہی اس جھوٹ کو فاش کرنے کے لیے کافی ہے، کیوں کہ زمانہ اسلام میں جتنے لوگ بھی پیدا ہوئے ہیں، ان میں کوئی ایک بھی ایسا آدمی نہیں ملتا، جو ۱۲۰ سال سے زیادہ عمر کا ہوا ہو، اتنی عمر تو ایک طرف رہی، صحیح بخاری میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے، جو آپ ﷺ نے اپنی عمر کے آخری حصے میں فرمایا تھا:

''تم نے آج کی رات دیکھی ہے؟ آج جتنے لوگ موجود ہیں، اس رات کے ایک سو سال کے بعد ان میں سے کوئی ایک بھی روے زمین پر باقی نہیں رہے گا۔''[1]

جس کی اس وقت ایک سال عمر تھی، وہ ایک سو سال سے زیادہ قطعاً زندہ نہیں رہا۔ اگر اس زمانے میں عمریں اس حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی تھیں تو اس کے بعد جو زمانے ہیں، ان کا اس غالب عادت کے مطابق ہونا زیادہ قرینِ قیاس ہے، پھر اس امت کی عمریں ۶۰ سے لے کر ۷۰ سال کے درمیان درمیان ہیں اور بہت تھوڑے لوگ ہیں جو اس حد سے آگے بڑھتے ہیں،[2] جس طرح صحیح حدیث سے ثابت ہے۔[3]

یہ ایک ایسا اعتراض ہے، جو امامیہ کے گلے کا پھندا ہے اور ان کے اعتقادات کی جڑیں اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے۔ شیعہ کے علما نے اپنے مہدی اور بعض ان انبیا کے درمیان موازنہ کر کے اس اعتراض کو دور کرنے کی کوشش کی ہے، جن کی عمریں عام انسانی فطری تناسب سے زیادہ ہیں، چنانچہ شیعہ کے نزدیک مہدی حضرت نوح علیہ السلام کے شبیہ ہے، جو اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال تک رہے۔[4]

انھوں نے اس موازنے کو، قبولِ عام سے ہمکنار کرنے کے لیے اسے بعض آلِ بیت کی طرف منسوب کیا ہے، چناں چہ ابن بابویہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتا ہے کہ علی بن حسین نے کہا:

''قائم میں نوح علیہ السلام کی سنت جاری ہوئی ہے، جو طویل عمری سے عبارت ہے۔''[5]

---

[1] منهاج السنة (٢/ ٦٥) نیز دیکھیں: صحيح البخاري، كتاب العلم، باب السمر في العلم (١/ ٣٧) مسند أحمد (٢/ ١٢١۔ ١٣١)

[2] منهاج السنة (٢/ ١٦٥)

[3] دیکھیں: سنن الترمذي، كتاب الزهد، باب ما جاء في فناء أعمار هذه الأمة ما بين الستين إلى السبعين (٤/ ٥٦٦) رقم الحديث (٢٣٣١) و كتاب الدعوات، باب في دعاء النبي ﷺ (٥/ ٥٥٣) رقم الحديث (٣٥٥٠) سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب الأمل والأجل (٢/ ١٤١٥) رقم الحديث (٤٢٣٦) سلسلة الأحاديث الصحيحة (٢/ ٣٩٧) رقم الحديث (٧٥٧) نیز دیکھیں: صحيح الجامع (للألباني) (١/ ٣٥٤) رقم الحديث (١٠٨٤)

[4] دیکھیں: الغيبة للطوسي (ص: ٧٩)

[5] إكمال الدين (ص: ٤٨٨)

اسی طرح یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کے مہدی کا قیدِ حیات ہونا عیسیٰ بن مریم[1] خضر اور الیاس علیہم السلام کی بقاے حیات کی طرح ہے، حتی کہ یہ ابلیس کے ساتھ تقابل کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔[2]

ان تمام تقابلات اور موازنہ جات کو یہ لوگ بعض آلِ بیت کی طرف منسوب کرتے ہیں، تاکہ ان کے پیروکاروں کے نزدیک ان کو قطعیت اور سند حاصل ہوجائے، کیوں کہ یہ معصوم کے اقوال ہیں۔[3]

اسی طرح یہ لوگ تاریخ میں معمر ترین افراد کے واقعات سے بھی استدلال کرتے ہیں،[4] لیکن جبرائیل، ملک الموت، دیگر ملائکہ سے عموماً اور زمین و آسمان سے تقابل کرنا شاید ان کے ذہن سے نکل گیا ہے۔ اس دفاع کو خود شیعہ نے باطل اور بودا قرار دیا ہے، کیوں کہ وہ کہتے ہیں کہ ان کا مہدی گیارہ صدیوں سے ان کا شرعی حاکم ہے، وہ قرآن پر قیم ہے، اس کے بغیر قرآن سے استدلال کیا جا سکتا ہے نہ اس کے واسطے کے بغیر بشر کو ہدایت ہی مل سکتی ہے، مکمل قرآن، مصحفِ فاطمہ، جفر، جامعہ اور لوگوں کو اپنے دین اور دنیا میں جن اشیا کی ضرورت ہوسکتی ہے، وہ سب اس کے پاس ہیں، ان کا مہدی امت کا ذمے دار (اور ٹھیکیدار) ہے اور دنیا اور آخرت کی سعادت و ہدایت کے تمام تر وسائل اسی کے پاس ہیں۔ لیکن وہ دوسرے لوگ جن کے ساتھ اس کا موازنہ کیا جاتا ہے، وہ اس سے بہت مختلف ہیں، حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو تبلیغ کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ پیغام دیا:

﴿ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ ﴾ [هود: ٣٦]

''تیری قوم میں سے کوئی ہرگز ایمان نہیں لائے گا مگر جو ایمان لا چکا۔''

وہ کسی ایسے غار یا کمین گاہ میں چھپے نہیں رہے، جس کا کوئی اَتا پتا نہ ہو۔ وہ ایسے نہیں تھے کہ لوگوں کو گمراہی اور کفر میں مبتلا دیکھتا رہے اور ان کے نظروں سے چھپتا رہے، صدیوں پر صدیاں گزر جائیں اور نسلوں کی نسلیں مٹ جائیں، لیکن وہ اس کو دیکھ نہ سکیں! اگر یہی سمجھا جائے تب بھی اس کی عمر اب اس مدت سے بھی تجاوز کر چکی ہے۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا، حجت قائم کر دی اور آسمان پر اٹھائے جانے سے پہلے پہلے امانت ادا کر دی، وہ ان کے منتظر کے برعکس اپنے اَتباع سے غائب ہوکر ان کو کوئی نقصان

---

[1] عقائد الإمامية (ص: ١٠٨)

[2] الحائري: إلزام الناصب (١/ ٢٨٣)

[3] یہ روایات ملاحظہ کرنے کے لیے دیکھیں: أصول الكافي (١/ ٣٣٦۔ ٣٣٧) الغيبة للنعماني (ص: ١٠٨ وما بعدها) إكمال الدين (ص: ١٣٤ وما بعدها) إلزام الناصب (١/ ٢٨٥)

[4] دیکھیں: الغيبة للطوسي (ص: ٧٩ وما بعدها)

نہیں پہنچانا چاہتے تھے، جو بچپن ہی سے غائب ہوگیا اور اس نے اپنے شیعہ کو لڑنے جھگڑنے، ایک دوسرے پر لعن طعن کرنے، ایک دوسرے کو کافر قرار دینے، حتی کہ اس کے وجود اور بابیت میں اختلاف کرنے اور اس کے مذہب کی حقیقت کو پہچاننے کے لیے عمومی تقیے کی چادر میں لپیٹ کر چھوڑ دیا۔ جہاں تک خضر اور الیاس علیہما السلام کا تعلق ہے تو محققین کی تحقیق کے مطابق وہ دونوں فوت ہو چکے ہیں۔[1]

بالفرض اگر وہ دونوں زندہ ہیں تو پھر بھی ان کے ساتھ تقابل نہیں بنتا، کیوں کہ وہ ان کے امام کے عکس اس امت کی ہدایت اور قیادت کے مکلّف اور پابند نہیں، جب کہ ان کا امام ان کے عقیدے کے مطابق تمام مسلمانوں کے ان کے تمام امور میں ذمے دار ہے۔

اب آیئے ابلیس کی طرف، اس کے بقا کی خبر قرآنِ کریم نے دی ہے، اس کے برعکس ''مہدی'' کے وجود کا خود اس کے گھر والے بھی انکار کرتے ہیں اور شیعہ گروہ بھی۔ پھر ابلیس تو لوگوں کو اللہ کی راہ سے گمراہ کرنے کے لیے اپنے مشن پر لگا ہوا ہے اور بلاشبہہ شیعہ کو اس معدوم کی اتباع پر لگا کر صحیح راہ سے گمراہ کرنا بھی اسی کا کام ہے، لیکن ان کے منتظر کی کوئی خبر ہے نہ کوئی علامت، نیز ابلیس انسانوں کی جنس سے بھی نہیں، لہٰذا اس تقابل کا کوئی جوڑ نہیں بنتا۔ جہاں تک انسانی تاریخ میں معمر ترین افراد کے تقابل کا تعلق ہے، تو ان کی جتنی بھی عمر ہو جائے، وہ اس دعوے کے عُشر عشیر بھی نہیں، جو وہ اپنے غائب کے بارے میں کرتے ہیں۔

وہ تمام مثالیں جو ان کے علما نے چوتھی صدی ہجری میں پیش کی ہیں، آج ان کی کوئی حیثیت نہیں، کیونکہ ان

---

[1] دیکھیں: المنتقی (ص: ٢٦) امام ابن حزم کی رائے ہے کہ حیاتِ خضر اور الیاس کا قائل ہونا یہودیت سے ماخوذ نظریہ ہے۔ یہود نے الیاس اور فنحاس بن عازار بن ہارون علیہم السلام کی حیات کا نظریہ پیش کیا ہے۔ بعض صوفی بھی ان کی راہ پر چل نکلے اور انھوں نے بیابانوں میں ان کے ساتھ ملاقات کا دعویٰ کر دیا۔ (الفصل: ٥/ ٣٧) حیاتِ خضر کے بھی صوفی ہی قائل ہیں، ان کی ان کے ساتھ ملاقات اور اس سے اخذ و اکتساب کی باقاعدہ داستانیں ہیں۔ (دیکھیں: ابن عربی: فتوحاتِ مکیه: ١/ ٢٤١، ابن عطاء الله سكندري: لطائف المنن، ص: ٥٢۔ ٥٣، طبقات الشعراني: ١/ ٩٧، و ٢/ ٥، الفصل: ٥/ ٣٧، ٣٨، ابن حجر، تهذيب التهذيب: ٧/ ٤٧٧) امام ابن حزم نے صوفیوں کے خضر علیہ السلام سے اخذ و اکتساب کے دعوے کو عقیدۂ ختمِ نبوت کی مخالفت قرار دیا ہے۔ دیکھیں: الفصل (٥/ ٣٨)

خضر کے آج تک زندہ ہونے کا دعویٰ دلیل اور محققین کی تحقیق کے مخالف ہے۔ دیکھیں: منهاج السنة (١/ ٢٨) ابن القيم: المنار المنيف (ص: ٦٧۔ ٧٦) نیز حیاتِ خضر کے بارے میں دیکھیں: ابن كثير: البداية والنهاية (١/ ٣٢٥۔ ٣٣٧) ابن حجر: فتح الباري (٦/ ٣٠٩۔ ٣١٢) الإصابة (٢/ ٢٨٦۔ ٣٣٥) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حیاتِ خضر کی تحقیق میں ایک کتابچہ بھی لکھا ہے، جس کے آخر میں وہ فرماتے ہیں: ''قوی دلائل کی بنا پر جو رجحان سامنے آتا ہے، وہ عوام کے اس عقیدے کے خلاف ہے کہ ان کی زندگی جاری ہے۔'' (الزهر النضر في نبأ الخضر ضمن مجموعه الرسائل المنيرية: ٢/ ٢٣٤)

کے منتظر کی عمر ان سے کئی گنا بڑھ چکی ہے، نیز ان تمام کا وہ کام اور ذمے داری بھی نہیں، جو ان کے غائب کی ہے۔

شیعہ کے کچھ معاصر علما منتظر کے باقی رہنے کے امکان کو ثابت کرنے کے لیے جدید علوم اور سائنس کی زبان کا سہارا لیتے ہیں۔ لہٰذا مظفر کہتا ہے:

''طبعی عمر، یا جس کو طبعی عمر خیال کیا جاتا ہے، اس سے زندگی کا تجاوز کر جانا میڈیکل کی نگاہ میں ناممکن یا مستحیل نہیں، اگرچہ میڈیکل سائنس کسی ایسے نتیجے تک نہیں پہنچ سکی، جو انسان کی عمر دراز کرنے میں کوئی پیش رفت ہو، لیکن اگر علمِ طب اس سے عاجز ہے تو اللہ تعالیٰ تو عاجز نہیں۔''[1]

محمد حسین آلِ کاشف الغطا کہتا ہے:

''مغرب کے اکابر فلاسفہ انسان کے دنیا میں خلود اور غیر فانی ہونے کے امکان کے قائل ہیں۔''[2]

پھر وہ کہتا ہے:

''یورپ کے بعض نامور علما (سائنسدانوں) کا کہنا ہے کہ اگر ابن ملجم کی تلوار نہ ہوتی[3] تو علی بن ابی طالب ہمیشہ ہمیشہ رہتے، کیوں کہ وہ کمال اور اعتدال کی تمام صفات کا مرقع تھے۔''[4]

یہ تو بعض کفار کے نظریات تھے (اگر انھوں نے حوالہ دینے میں بد دیانتی نہیں کی) لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے نبی سے کہتے ہیں:

﴿ وَ مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاْئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ﴾ [الأنبياء: ٣٤]

''اور ہم نے تجھ سے پہلے کسی بشر کے لیے ہمیشگی نہیں رکھی، سو کیا اگر تو مرجائے تو یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ [آل عمران: ١٨٥، الأنبياء: ٣٥، العنكبوت: ٥٧]

''ہر جان موت کو چکھنے والی ہے۔''

---

[1] عقائد الإمامية (ص: ١٠٨)

[2] أصل الشيعة (ص: ٧٠)

[3] یہ اعتزال کے رنگ میں رنگا ہوا شیعہ کا قول ہے اور اس کی بنیاد معتزلہ کا مذہب ہے، جو کہتے ہیں کہ قاتل نے مقتول کی اجل (عمر) کاٹ دی۔ یہ نظریہ کتاب وسنت کے مخالف ہے، جس میں یہ ثابت ہے کہ ہر کوئی جو مرتا ہے، وہ اپنی مدت اور اجل پوری کرتا ہے۔ دیکھیں: مجموعة فتاویٰ شيخ الإسلام (٨/ ٥١٦) شرح الطحاوية (ص: ٩٢) لوامع الأنوار (١/ ٣٤٨)

[4] أصل الشيعة (ص: ٧٠)

مزید فرمایا:

﴿ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ﴾ [الواقعة: ٦٠]

''ہم ہی نے تمھارے درمیان موت کا وقت مقرر کیا ہے اور ہم ہرگز عاجز نہیں ہیں۔''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جو پیدا کیا ہے، وہ خود اس سے زیادہ واقف ہے اور وہ سب سے سچا ہے، لہٰذا اس کے بعد کسی کافر کے کسی ایسے قول کی کوئی حیثیت نہیں، جو اس زندگی میں بقا کا سہارا لینے کی کوشش کرتا ہے، خواہ خیالات کی دنیا ہی میں کیوں نہ ہو۔ علی رضا نے شیعہ کے بہت سارے فرقوں کے رد میں، جو بعض آلِ بیت کی حیات کے قائل ہیں اور ان کی موت کی تصدیق نہیں کرتے اور ان کی غیبوبت اور رجوع کے قائل ہیں، ایک بڑی سچی بات کہی ہے، جس کو شیعہ کتابوں نے بھی نقل کیا ہے، یہ اثنا عشریہ کا خود ان کے اپنے کلام کے لیے دندانِ شکن جواب ہے۔

رجال الکشی میں ذکر ہوا ہے کہ ''علی رضا سے کہا گیا: کچھ لوگوں نے تمھارے باپ پر توقف کیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ وہ فوت نہیں ہوئے؟ انھوں نے کہا: انھوں نے جھوٹ بولا ہے اور جو محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے، یہ اس کا انکار کرنے والے (کافر) ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کی عمر دراز کرنا ہوتی تو رسول اللہ ﷺ کی عمر دراز کرتے۔''[1]

لیکن یہ لوگ اپنے امام کے قول کی مخالفت کرتے اور یہ خیال آرائی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو اس کی ضرورت کے پیشِ نظر، بلکہ کائنات کو اس کی ضرورت اور زندگی میں ہر چیز کے اس کے محتاج ہونے کی وجہ سے اس کی عمر بڑھا دی ہے، اگر وہ نہ ہوتا، جس طرح یہ افترا پردازی کرتے ہیں تو زمین دھنس جاتی اور باشندگانِ سطحِ ارضی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔[2]

---

[1] رجال الكشي (ص: ٤٥٨)

[2] دیکھیں: أصول الكافي (١/ ١٧٩)

مہدی (مزعومہ) واپسی کے بعد

أ۔ شیعہ کے مہدی منتظر کی شریعت:

ابن بابویہ اپنی کتاب "الاعتقادات" میں، جسے دینِ امامیہ کہا جاتا ہے، ذکر کرتا ہے کہ مہدی جب اپنی پوشیدگی ختم کر کے ظاہر ہوگا تو وراثت کے متعلق اسلامی شریعت کے احکام منسوخ کر دے گا، چناں چہ وہ صادق سے نقل کرتا ہے کہ انھوں نے کہا:

"اللہ تعالیٰ نے ابدان و اجسام پیدا کرنے سے دو ہزار سال قبل ارواح کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا۔ اگر ہمارا قائم اہلِ بیت ظاہر ہوگیا تو وہ اس بھائی کو وارث قرار دے گا، جن دونوں کے درمیان عالمِ ارواح میں بھائی چارہ قائم ہوا تھا اور حقیقی بھائی کو وارث قرار نہیں دے گا۔"[1]

یہ روایت اس گروہ کے اربابِ اختیار کے دل میں افرادِ جماعت کے درمیان جماعتی اور تنظیمی تعلق کو وراثت میں قرابت اور خونی رشتے کے قائم مقام قرار دینے کے لیے مچلنے والی خواہش کا پردہ چاک کر دیتی ہے، تاکہ اس تعلق اور بھائی چارے کے نام پر ان کے اموال لوٹنے آسان ہوں، نیز یہ ان کی ان آرزوؤں اور تمناؤں کی قلعی بھی کھول دیتی ہے، جن کو اس کی موعودہ سلطنت کے قیام کے وقت عملی شکل دینے کے خواب وہ دیکھتے ہیں، پھر یہ روایت اس بات کو آلِ بیت کی طرف منسوب کر کے مقبولیت کی سند سے بھی نوازنا چاہتی ہے۔

اسی طرح یہ روایت ان روایات کے واضعین کے شریعت اسلامیہ کے نفاذ کے متعلق موقف اور ان کی اس کو کالعدم قرار دینے کی چھپی ہوئی خواہش کو بھی بے نقاب کرتی ہے۔ یہ روایت الحادی مفہوم کی بھی عکاسی کرتی ہے، جو شریعت کو منہدم کرنے اور عقیدہ ختمِ نبوت کی مخالفت میں رقصاں و خیزاں ہے۔

یہ دعوی شریعت اسلامیہ کی مخالفت کے ساتھ ساتھ عقل و منطق کے بھی خلاف ہے، کیوں کہ وراثت ولادت اور قرابت داری کے نتیجے میں پیدا ہونے والے رشتے کے ساتھ منسلک و مربوط ہے، جس مزعومہ ازلی بھائی چارے کا یہ پرچار کرتے ہیں، انسان اس کا ادراک ہی نہیں کرسکتا، لہٰذا وہ وراثت کی تقسیم کی کیونکر بنیاد بن

---

[1] الاعتقادات (ص: ٨٣)

سکتا ہے؟ اسی طرح ان کا منتظر اہلِ کتاب سے جزیہ وصول کرنے کے اسلامی شریعت کے حکم کو بھی بدل دے گا۔

شیعہ روایات کے متون یہ کہتے ہیں کہ ان کا منتظر اس منہج کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی سنت و سیرت کی مخالفت کرے گا۔ روایت کہتی ہے:

''صاحبِ امر جزیہ قبول نہیں کرے گا، جس طرح رسول اللہ ﷺ نے قبول کیا تھا۔''[1]

یہ اعتراف اس کے عمداً سنتِ رسول کی مخالفت اور اس کو تبدیل کرنے کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے، تو کیا ان روایات کے واضع نے کہیں شیعہ کے دلوں میں اسلامی تشریع کی شان گھٹانے اور ان کو اس کی مخالفت پر اُکسانے کی نیت تو نہیں کی؟! بلکہ منتظر کی حکومت میں عدالتی فیصلے بھی شریعتِ مصطفیٰ ﷺ سے ہٹ کر ہوں گے۔

کافی وغیرہ میں نقل ہوا ہے:

''ابوعبداللہ نے کہا: جب قائم آلِ محمد کا ظہور اور اس کو اقتدار حاصل ہوگا تو وہ حضرت داود اور حضرت سلیمان کے فیصلوں کے مطابق فیصلے کرے گا اور دلیل طلب نہیں کرے گا۔''[2]

شیعہ کے ثقۃ الاسلام کلینی نے اس عقیدے کی آبیاری کی ہے اور اس سلسلے میں ایک خاص باب باندھا ہے، جس کا یہ نام رکھا ہے:

"باب في الأئمة أنهم إذا ظهر أمرهم حكموا بحكم داود و آل داود ولا يسألون البينة"[3]

یعنی جب ائمہ کا تسلط ہوگا تو وہ داود اور آلِ داود کے حکم کے مطابق فیصلے کریں گے اور دلیل طلب نہیں کریں گے۔

اس نقطۂ نظر میں جو یہودی عنصر ہے، وہ کسی سے چھپا ہوا نہیں، اس لیے کسی نے اس عنوان پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا ہے:

''یعنی وہ دینِ محمدی علیہ السلام کو منسوخ کر دیں گے اور یہودی دین کی طرف رجوع کریں گے۔''[4]

ملاحظہ کیجیے کہ ان روایات کے واضعین، جنھوں نے شیعیت کی جھوٹی قبا پہنی ہوئی ہے، کتنی بے تابی سے ایسی حکومت کے خواب دیکھتے ہیں، جو اسلامی شریعت کو چھوڑ کر کسی دوسری شریعت کے مطابق کاروبار جہانبانی سنبھالے گی۔

---

[1] بحار الأنوار (٥٢/ ٣٤٩)

[2] أصول الكافي (١/ ٣٩٧) المفيد: الإرشاد (ص: ٤١٣) الطبرسي: أعلام الورى (ص: ٤٣٣)

[3] أصول الكافي (١/ ٣٩٧)

[4] محب الدين الخطيب: تعليقه على المنتقى (ص: ٣٠٢، حاشيه: ٤)

شیعہ کی بعض روایات یہ اشارہ بھی کرتی ہیں کہ وہ کبھی آدم کے فیصلے کے مطابق فیصلہ دے گا، کبھی داود علیہ السلام کے فیصلے کے مطابق اور کبھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فیصلے کے مطابق، لیکن اس کے بعض پیروکار اس کی شریعتِ اسلام کو چھوڑ کر ان دوسری شریعتوں کے مطابق فیصلہ کرنے کی روش کی مخالفت کریں گے، لیکن وہ اس مخالفت کا سختی سے مقابلہ کرے گا اور ان کی گردنیں اڑا دینے کا حکم دے گا۔[1]

شیعہ کی کچھ روایات اس کے بعض احکام اور فیصلے بھی پیش کرتی ہیں۔ یہ روایات ذکر کرتی ہیں:

''وہ تین فیصلے کرے گا، جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کیے ہوں گے: ① وہ بوڑھے زانی کو قتل کرے گا، ② مانع زکات کو قتل کر دے گا، ③ اور اس بھائی کو وراثت میں حق دار مقرر کرے گا، جس کو عالمِ ارواح میں بھائی بنایا گیا ہوگا۔''[2]

''وہ اس کو بھی قتل کر دے گا، جو بیس سال کا ہو چکا ہو، لیکن اس نے دین کا علم اور سمجھ حاصل نہ کی ہو۔''[3]

منتظر کی ریاست ہر دین کے ماننے والے کا فیصلہ اس کی اپنی مذہبی کتاب کے مطابق کرے گی، حالانکہ اسلام نے کسی کو یہ اجازت نہیں دی کہ وہ قرآن کی شریعت کے علاوہ کسی دوسری شریعت کے مطابق فیصلہ کرے اور اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق بھی ہے۔[4]

شیعہ کی روایات میں ذکر ہوا ہے:

''جب قائم آلِ محمد کا ظہور ہوگا تو وہ برابر تقسیم کرے گا، رعیت میں انصاف کرے گا، انطاکیہ کے ایک غار سے تورات اور تمام الٰہی کتابوں کو نکالے گا، حتی کہ اہلِ تورات کے مابین تورات کے مطابق فیصلہ کرے گا، اہلِ انجیل کے درمیان انجیل کے مطابق، اہلِ زبور کے مابین زبور کے مطابق اور اہلِ قرآن کے درمیان قرآن کے مطابق فیصلہ کرے گا۔''[5]

یہ قانون جس کے نفاذ کی آرزو ان کی روایات کے گھڑنے والے اپنے دلوں میں رکھتے ہیں اور منتظر کے ہاتھوں وہ بڑی حد تک نظریہ وحدتِ ادیان یا نظریہ عالمی دین کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے، جس کا ماسونی فرقہ پرچار کرتا ہے، یہ حقیقت میں ایک الحادی نظریہ ہے، جو اساسی طور پر آزادیِ عقید وفکر کے نام پر تمام آسمانی ادیان

① دیکھیں: بحار الأنوار (٥٢/ ٣٨٩)

② ابن بابویہ: الخصال (ص: ١٦٩) بحار الأنوار (٥٢/ ٣٥٩) الکاظمي: بشارۃ الإسلام (ص: ٢٧٥)

③ الطبرسي: أعلام الوری (ص: ٤٣١) بحار الأنوار (٥٢/ ١٥٢)

④ دیکھیں: ابن تیمیۃ: منھاج السنۃ النبویۃ (٣/ ١٢٧) المنتقٰی (ص: ٢٤٣)

⑤ الغیبۃ للنعماني (ص: ١٥٧) نیز دیکھیں: بحار الأنوار (٥٢/ ٣٥١)

کے انکار پر قائم ہے۔

ابھی افکار کے جھرمٹ میں، جو قرآنی شریعت کو منسوخ کرنے اور ایسے نئے احکام ایجاد کرنے کی کوشش میں ہیں، جن کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی، نیز شریعت محمدیہ ﷺ کو چھوڑ کر داود علیہ السلام کے فیصلوں کی طرف رجوع کرنے اور قرآن کے فیصلے کو ترک کر کے ادیان کی شریعتوں کے نفاذ کے درپے ہیں، ہمارا ایک ایسی زہریلی سوچ سے سامنا ہوتا ہے، جو انھی سابقہ مقدمات اور تاثیرات کا نتیجہ ہے، اس سوچ کا لب لباب یہ ہے کہ مہدی قرآن کے نظامِ عدل و جہانبانی کو معطل کر کے اس کی جگہ ایک دوسری کتاب کو لے آئے گا۔ نعمانی کی ابوبصیر سے درج ذیل روایت اس مفہوم پر دلالت کرتی ہے، وہ کہتا ہے: ابوجعفر نے کہا:

''قائم ایک نیا امر، نئی کتاب اور نئی قضا (نظامِ عدل) لے کر آئے گا۔[1] میں چشمِ تصور سے دیکھ رہا ہوں کہ وہ رکنِ (حجر اسود کی جگہ) اور مقامِ (ابراہیم) کے درمیان لوگوں سے ایک نئی کتاب پر بیعت لے رہا ہے۔''[2]

شیعہ کی دوسری روایات یہ بیان کرتی ہیں کہ ان کا منتظر یہ دعویٰ پیش کر کے کہ ''قرآن میں تحریف ہوچکی ہے'' لوگوں کو اس سے بے رغبت کرنے کی کوشش کرے گا اور اس کے مخالف ایک کتاب پیش کرے گا، پھر یہ دعویٰ کر کے کہ ''یہ وہ کامل کتاب ہے جو محمد ﷺ پر نازل ہوئی'' لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرے گا، نیز عجم اس کو لوگوں میں عام کرنے کی کوشش کریں گے اور اس کی تعلیم دیں گے، لیکن لوگوں کے دلوں اور ذہنوں میں کتاب اللہ کی جو قدر و منزلت ہے، اس کو گھٹانے میں ان کی شدید ترین صعوبت کا سامنا کرنا پڑے گا۔[3]

مہدی کی واپسی کے بعد حکومت قائم کرنے کے متعلق یہ وہ روایات ہیں، جو سلطنتِ اسلام کی قوت و شوکت کے وقت خفیہ انداز میں شیعہ میں متداول تھیں۔[4] جو ان کے منتظر کے نظریے کو تسلیم نہیں کرتا، وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ محض خیالی پلاؤ ہیں، جن کا حقیقت کی دنیا میں کوئی وجود نہیں، کیوں کہ قائم منتظر کا کوئی وجود ہی نہیں۔ چناں چہ یہ موعودہ ریاست کبھی وقوع پذیر نہیں ہوسکتی۔ اس کے بارے میں گفتگو محض ایک خیالی گفتگو ہے۔ یہ

---

[1] الغيبة للنعماني (ص: ١٥٤) بحار الأنوار (٥٢/ ٣٥٤) إلزام الناصب (٢/ ٢٨٣)

[2] الغيبة للنعماني (ص: ١٧٦) بحار الأنوار (٥٢/ ١٣٥)

[3] یہ روایت گزر چکی ہے۔ دیکھیں (ص: ٢٨٧)

[4] چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ عالم نعمانی غیبوبت سے متعلق روایات پیش کرنے سے پہلے ایسی روایات ذکر کرتا ہے، جن میں آلِ محمد کے رازوں کو دوسروں سے چھپانے کی تلقین کرتے ہیں، جیسا کہ اس نے اپنی کتاب کے آغاز میں اس کا ذکر کیا ہے۔ دیکھیں: الغيبة (ص: ١٧)

بات صحیح ہے، لیکن ان روایات کی حقیقی اور واقعاتی حیثیت یہ ہے کہ یہ ان کے گھڑنے والوں کی سینوں میں چھپی ہوئی خواہشات اور اسلامی شریعت کے خلاف ان کے مقاصد کو آشکارا کرتی ہیں۔ یہ نفسیاتی بہانے بازیاں اور شکست خوردگیاں ہیں، جو خطرناک مدلولات پر مشتمل ہیں۔

ان اخبار اور روایات کے واضعین جس نوع کی حکومت قائم کرنے کی آرزو رکھتے ہیں، یہ مدلولات اور مفاہیم اس کی عکاسی کرتے ہیں۔ یہ وہ خواب ہیں جو ان عناصر کے مقاصد اور منصوبہ بندی کو بے نقاب کرتے ہیں، جو قرآنِ کریم کی شریعت تبدیل کرنے کے لیے شیعیت کا لباس پہن کر اسلامی سلطنت کی صفوں میں گھس گئے اور ''ائمہ کی حکومت کے سوا کسی کی حکومت منظور نہیں'' کے نعرے کی آڑ میں ان کا مسلمان حکمران کی حکومتوں کے ساتھ تنازع کھڑا کرنا درحقیقت اسلامی حکومت کو ختم کر کے اس کی جگہ ایسی حکومت قائم کرنا ہے جو قائم موعود کی حکومت کے مطابق نظامِ حکومت قائم کرے۔

ب۔ قائم منتظر کی سیرت:

قائم کی سیرت اور کردار پر بھی اس کی نئی شریعت کی چھاپ ہوگی، کیوں کہ وہ مسلمانوں کی مساجد اور مقدس مقامات کی بے حرمتی کر کے ان کو ایذا پہنچائے گا اور وہ حرمین شریفین کو منہدم اور برباد کر دے گا۔

شیعہ روایات کھلے لفظوں میں کہتی ہیں:

''قائم مسجدِ حرام کو منہدم کر کے اس کو اس کی بنیاد کی طرف لوٹا دے گا، مسجد نبوی کو بھی اس کی بنیاد کی طرف لوٹا دے گا اور بیت اللہ کو بھی اس کی جگہ لوٹا کر اس کی بنیاد پر قائم کرے گا۔''[1]

اس طرح وہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اور آپ ﷺ کے دونوں ساتھیوں کی قبروں کی طرف متوجہ ہوگا اور شیعہ روایات کے بقول:

''وہ قبر پر موجود دیوار کو توڑنے کا آغاز کرے گا... پھر ان دونوں کو (یعنی رسول اللہ ﷺ کے دونوں ساتھیوں کو) ان کی قبروں سے تر و تازہ نکالے گا، ان پر لعنت بھیجے گا، ان کو صلیب پر چڑھائے گا، پھر ان کو اتار کر جلا دے گا اور ان کی راکھ ہوا میں اڑا دے گا۔''[2]

دوسری روایت میں ہے:

---

[1] الطوسي: الغيبة (ص: ٢٨٢) بحار الأنوار (٥٢/ ٣٣٨)

[2] بحار الأنوار (٥٢/ ٣٨٦)

''قائم سب سے پہلے یہ کام کرے گا... ان دونوں کو تر وتازہ نکالے گا، پھر ان کو جلا کر ان کی راکھ ہوا میں اڑا دے گا اور مسجد توڑ دے گا۔''[1]

انھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے ((وہ ان ظالموں کے الزامات سے بہت بلند ہے)) کہ جب رسول اللہ (ﷺ) کو آسمانوں پر لے جایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے کہا:

''یہ قائم ... یہی وہ شخص ہے جو تیرے شیعہ کے دلوں کو ظالموں، منکروں اور کافروں سے راحت پہنچائے گا، پھر یہ لات و منات (اس سے ان کی مراد رسول اللہ ﷺ کے دونوں خلفا ہیں) کو تر وتازہ نکالے گا اور ان دونوں کو جلا دے گا۔''[2]

شیعہ کی بعض روایات ذکر کرتی ہیں کہ یہ کارروائی مسلمانوں کو مشتعل کر دے گی۔ ایک روایت میں ہے:

''پھر ایک بہت بڑا واقعہ رونما ہوگا۔ جب وہ یہ کام کرے گا تو قریش کہیں گے: ہمیں اس ظالم کے پاس لے کر چلو، خدا کی قسم! اگر یہ محمدی ہوتا تو کبھی ایسا نہ کرتا، اگر علوی ہوتا، تب بھی ایسا نہ کرتا اور اگر فاطمی ہوتا، پھر بھی ایسا نہ کرتا ...''[3]

شیعہ کا شیخ اور فخرِ ملتِ شیعہ مجلسی کہتا ہے:

''شاید بہت بڑا حادثہ رونما ہونے سے مراد شیخین ملعونین (معاذ اللہ) کو جلانا ہے، اس لیے وہ لوگ اس منتظر علیہ السلام کو (یعنی قائم کو) سرکش اور ظالم کہیں گے۔''[4]

یہ کوئی چھپی ہوئی بات نہیں کہ امام منتظر کے ان کارناموں کے یہ وعدے، جن سے ان کی روایت لبالب بھری ہوئی ہیں، ان کے دلوں میں چھپی ہوئی اسلام دشمنی اور دین کے خلاف ان کی سازشی سوچوں کا مظہر ہیں۔

انھوں نے یہاں تک تمنا کر دی ہے کہ اگر ان کو موقع ملے تو یہ حرمین شریفین کی عمارتیں گرا دیں اور ان دونوں پاکیزہ شخصیات کی قبریں اکھاڑ دیں، لیکن جب یہ سلطنتِ اسلام کی قوت اور شوکت کی وجہ سے اپنی اس خواہش کو پورا کرنے سے عجز محسوس کرتے ہیں، تب ان خوابوں اور امیدوں کے سہارے اپنے آشفتہ دلوں کو تسلی دینے اور اسلام اور قائدینِ اسلام کے خلاف اپنے سینوں میں بھڑکنے والی حسد وبغض کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے

---

[1] المصدر السابق.

[2] ابن بابویه: عیون أخبار الرضا (١/ ٥٨) بحار الأنوار (٥٢/ ٣٧٩)

[3] تفسير العياشي (٢/ ٥٨) بحار الأنوار (٥٢/ ٣٤٢)

[4] بحار الأنوار (٥٢/ ٣٤٦)

ہیں، جنھوں نے ان کے علاقے فتح کیے، ان کی بادشاہت ختم کر دی اور ان دیار میں اسلام کا بول بالا کر دیا۔

یہ وعدے حقیقت میں ان کی ان دلی خواہشات کا اظہار کرتے ہیں کہ اگر ان کو حکومت اور تسلط جمانے کا موقع ملے تو وہ ان کو پورا کریں گے، اس لیے ان کے معاصرین مکہ اور مدینہ فتح کرنے کی حسرت لیے پھرتے ہیں، جو ان کے آیات (ایرانی علماے حکومت) کی زبانوں پر عام ہے، تاکہ یہ ان خوابوں کو حقیقت کا روپ دے سکیں، جن کو ان کی روایات بیان کرتی ہیں، اس کا مفصل آگے ذکر ہوگا۔[1] ﴿ وَ يَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ﴾ [الأنفال: ٣٠]

شیعہ کا منتظر اسی پر اکتفا نہیں کرے گا، بلکہ قتلِ عام کا بازار سجائے گا، جس میں خصوصی طور پر عربی نسل کا مکمل خاتمہ کر دے گا۔ ان کی روایات عرب کو اس کے ہاتھوں، جب وہ لوٹے گا، تو ایک عظیم رزم کا پیغام دیتی ہیں، جس میں وہ کسی مرد، عورت یا بچے، بوڑھے کو نہیں چھوڑے گا، بلکہ ہر ایک کو قتل کر دے گا۔

نعمانی ''حارث بن مغیرۃ'' اور ''ذریح محاربی'' سے روایت کرتا ہے، وہ دونوں کہتے ہیں کہ ابوعبداللہ نے کہا:

''ہمارے اور عرب کے درمیان ذبح کے سوا کچھ نہیں بچا۔''[2]

گویا ان کی یہ روایت ان میں سے جو ان کا پیروکار اور شیعہ ہوگا اور جو نہیں ہوگا، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں کرتی، لیکن ان کی دوسری روایات یہ تاکید کے ساتھ ذکر کرتی ہیں کہ عرب میں سے کوئی بھی قائم کا ساتھ نہیں دے گا، اس لیے یہ ان سے ڈراتی ہیں اور ان سے دور رہنے کی تلقین کرتی ہیں:

''عرب سے بچنا، کیوں کہ ان کی بری خبر ہے، اس لیے کہ ان میں سے کوئی بھی قائم کے ساتھ نہیں نکلے گا۔''[3]

جب کہ عرب میں بہت سارے شیعہ موجود ہیں تو ان کے بارے میں شیعہ روایات کہتی ہیں کہ ''ان کو اچھی طرح آزمایا جائے گا، جن میں بہت تھوڑے کامیاب ہوں گے۔''[4]

یہ روایات مزید کہتی ہیں:

''قائم عرب کے ستر قبیلوں کا خون بہائے گا۔''[5]

---

[1] دیکھیں: معاصر شیعہ اور ان کا اپنے اسلاف سے ربط و تعلق.

[2] الغيبة للنعماني (ص: ١٥٥) بحار الأنوار (٥٢/ ٣٤٩)

[3] الغيبة للطوسي (ص: ٢٨٤) بحار الأنوار (٥٢/ ٣٣٣)

[4] دیکھیں: الغيبة للنعماني (ص: ١٣٧) بحار الأنوار (٥٢/ ١١٤)

[5] دیکھیں: بحار الأنوار (٥٢/ ٣٣٣، حاشیہ: ١)

یہ ان قاتلانہ کارروائیوں کا تفصیلی ذکر کرتے ہیں، جو ان کا قائم خصوصی طور پر رسول اللہ ﷺ کے قبیلے قریش کے خلاف کرے گا، کیوں کہ آپ ﷺ کے برگزیدہ صحابہ کرام اس قبیلے کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔

مفید کی کتاب "الإرشاد" میں ہے:

''عبداللہ بن مغیرہ ابوعبداللہ سے روایت کرتا ہے کہ انھوں نے کہا: جب قائم آلِ محمد ﷺ قائم ہوجائے گا تو وہ قریش کے پانچ سو افراد کو کھڑا کرے گا اور ان کی گردنیں اڑا دے گا۔ وہ چھے مرتبہ یہ کام کرے گا۔ میں نے کہا: اتنی زیادہ تعداد ہو جائے گی؟ انھوں نے کہا: ہاں، ان میں سے بھی اور ان کے موالی میں سے بھی۔''[1]

یہ کوئی مخفی بات نہیں کہ عرب کو قتل کے لیے مخصوص کرنا ان روایات کے واضعین کی صفوں میں قوم پرستانہ رجحانات کے سرایت کرنے کی دلیل ہے۔ یہ روایات واضح کرتی ہیں کہ بانیانِ رافضیت کے دلوں میں عربی عنصر کے خلاف کتنی نفرت پائی جاتی ہے اور یہ اس نفرت کو ان کا خون بہا کر ٹھنڈا کرنا چاہتے ہیں، ان کی ان کے خلاف یہ نفرت حقیقت میں ان کے عربی النسل ہونے کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس دین کی وجہ سے ہے، جس کی شمع ان کے دلوں میں فروزاں ہے۔

شیعہ کی روایات نبی مکرم ﷺ کے پاکیزہ گھر کو بھی اپنے منتظر کی تباہ کاریوں کے اثرات سے پراگندہ کرنا بالکل نہیں بھولتیں، چنانچہ وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ، حضرت ابوبکر صدیق کی بیٹی اور نبی (ﷺ) کی محبوب بیوی کو قیامت سے پہلے ان کی قبر سے اٹھایا جائے گا[2]، کیوں کہ انھوں نے ۔شیعہ الزام تراشی کے مطابق۔ رسول اللہ (ﷺ) کی حیاتِ طیبہ میں حد کے موجب گناہ کا ارتکاب کیا تھا، لیکن آنحضرت ﷺ نے ان پر حد قائم نہ کی، حالانکہ رسول اللہ ﷺ تو وہ ذات ستودہ صفات تھے، جنھوں نے فرمایا تھا:

''خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ، بھی چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا۔''[3]

---

[1] الإرشاد (ص: ٤١١) بحار الأنوار (٥٢/ ٣٣٨)

[2] یہ شیعہ کے عقیدۂ رجعت کے مطابق ہے، جس پر تفصیلی بحث اس موضوع کے بعد آئے گی۔

[3] صحيح البخاري، كتاب الأنبياء (٤/ ١٥١) كتاب فضائل الصحابة، باب ذكر أسامة بن زيد (٤/ ٢١٤) و كتاب الحدود، باب كراهية الشفاعة في الحد (٨/ ١٦) صحيح مسلم، كتاب الحدود، باب قطع يد السارق (٢/ ١٣١٥) رقم الحديث (١٦٨٨) سنن أبي داود، كتاب الحدود، باب في الحد يشفع فيه (٤/ ٥٣٧) رقم الحديث (٤٣٧٣) سنن الترمذي، كتاب الحدود، باب ما جاء في كراهية أن يشفع في الحدود (٤/ ٣٧۔ ٣٨) رقم الحديث (١٤٣٠) سنن النسائي، كتاب قطع السارق، باب ذكر المخزومية التي سرقت (٨/ ٧٢) سنن ابن ماجه، كتاب الحدود، باب الشفاعة والحدود (٢/ ٨٥١) رقم الحديث (٢٥٤٧) سنن الدارمي، كتاب الحدود، باب الشفاعة في الحدود دون السلطان (١/ ٥٦٩) وغيرها.

پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ آپ ﷺ کو حضرت عائشہ پر ترس آ گیا ہو، جب کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے:

﴿وَلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ [النور: ٢]

''اور تمھیں ان کے متعلق اللہ کے دین میں کوئی نرمی نہ پکڑے، اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔''

حضورِ اکرم ﷺ نے تو، شیعہ کے بقول، ان پر حد قائم نہ کی، لیکن ان کا قائم اپنی مزعومہ[1] رجعت کے زمانے میں ان پر ضرور اس کا اطلاق کرے گا، جو مخلوقِ خدا میں سب سے افضل ہستی کے بس میں بھی نہ تھا!

اس کا یہ مطلب ہوا کہ قائم خاتم النبیین ﷺ سے بھی اعلیٰ ہے اور اللہ کے دین کو نافذ کرنے کی ان سے بھی زیادہ طاقت رکھتا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لیے نمونہ بنا کر بھیجا تھا شیعہ کی روایات یہ بات کھلے لفظوں میں بیان کرتی ہیں۔ ابن بابویہ روایت کرتا ہے، ابو بصیر سے مروی ہے، اس نے کہا:

''ابو عبداللہ نے اس فرمانِ الٰہی: ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ [التوبة: ٣٣] کے بارے میں کہا: خدا کی قسم! ابھی تک اس کی تاویل نازل نہیں ہوئی اور یہ اس وقت تک نازل نہیں ہوگی، جب تک قائم کا خروج نہ ہو جائے۔''[2]

یعنی قائم ان تمام امور کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے گا، جس سے انبیا بھی عاجز تھے۔ شیعہ کے عصرِ حاضر کے سب سے بڑے عالم خمینی نے بھی صاف صاف لفظوں میں یہ بات کہی ہے اور تمام عالمِ اسلام نے اس کی مذمت کی ہے، اس کا تذکرہ ''معاصر شیعہ اور ان کا اپنے اسلاف کے ساتھ تعلق'' کے ضمن میں ہوگا۔

---

[1] ابو جعفر کی طرف منسوب یہ داستان بیان کرتی ہے: ''اگر ہمارا قائم ظاہر ہوگیا تو حمیراء (یہ حمراء کی تصغیر ہے، جو حضرت عائشہ صدیقہ کا لقب تھا) کو زندہ کیا جائے گا، حتی کہ وہ اس پر حد کے کوڑے لگائے گا اور محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ کا بھی اس سے انتقام لے گا۔'' میں نے کہا: حد کے کوڑے کیوں لگائے گا؟ انھوں نے کہا: ''اس نے ام ابراہیم پر بہتان لگایا تھا۔'' میں نے کہا: ''اللہ تعالیٰ نے یہ کام قائم تک کیوں موخر کیا ہے؟'' اس نے کہا: ''اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو رحمت بنا کر بھیجا ہے اور قائم کو انتقام'' (علل الشرائع، ص: ٥٧٩، ٥٨٠، بحار الأنوار: ٥٢/ ٣١٤۔ ٣١٥)

اس پر شیعہ کے معاصر عالم نے تبصرہ کرتے ہوئے ایک روایت پیش کی ہے، جو اس خود ساختہ الزام کی وضاحت کرتی ہے کہ، ان کے افترا کے مطابق، حضرت عائشہ نے کہا: ''ابراہیم آپ ﷺ کا بیٹا نہیں، یہ فلاں قبطی کا بیٹا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو ان کو رجم کرنے کی ذمے داری سونپی، لیکن حضرت علی نے ان کو بے قصور پایا۔'' (بحار الأنوار: ٥٢/ ٣١٥، حاشیہ)

[2] إكمال الدين (ص: ٦٢٨) بحار الأنوار (٥٢/ ٣٢٤)

شیعہ کا دعویٰ ہے کہ قائم کے پاس انبیا سے کئی گنا زیادہ علم ہے۔ ''بحار الأنوار'' وغیرہ میں تو یہاں تک ذکر ہوا ہے:

''ابان، ابوعبداللہ سے روایت کرتا ہے کہ انھوں نے کہا: علم ستائیس حروف ہیں۔ تمام انبیا جو علم لے کر آئے ہیں وہ صرف دو حروف ہیں، آج تک لوگ دو حرفوں سے زیادہ کچھ نہیں جانتے۔ جب ہمارے قائم کا ظہور اور قیام ہوگا تو وہ پچیس حروف نکالے گا، انھیں لوگوں میں پھیلا دے گا اور ان کے ساتھ ان دو حروف کو بھی ضم کر کے مکمل ستائیس حروف کو پھیلا دے گا۔''[1]

شیعہ کے مہدی کے ہاتھوں برپا ہونے والی وہ خوفناک خونی تباہی جس کے اثنا عشریہ خواب دیکھتے ہیں، وہ ان کے گروہ کے سوا تقریباً تمام انسانی اجناس اور گروہوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی:

''شیعہ کا قائم اپنے کندھے پر تلوار لٹکائے غصے اور تاسف میں پیچ و تاب کھاتا ہوا نکلے گا۔''[2] پھر قتل کرنا شروع کر دے گا اور اہلِ سنت کے جسموں کو کاٹتا چلا جائے گا، جن کو شیعہ کی روایات کبھی مرجیہ کے لقب سے[3] ذکر کرتی ہیں۔ ان کے امام نے یہاں تک کہا ہے: ان مرجیہ کے لیے ہلاکت ہو، کل جب ہمارا قائم ظاہر ہوگا، تب یہ کس کے پاس پناہ ڈھونڈیں گے؟''[4]

انھوں نے اس سے صرف اس کو مستثنیٰ قرار دیا ہے، جو توبہ کرے گا، یعنی ان کے مذہب میں داخل ہو جائے گا۔ وہ کہتا ہے:

''جس نے توبہ کی، اللہ بھی اس پر مہربانی کرے گا، لیکن جس نے منافقت چھپائی، تو اللہ دوسرے کو اس سے دور نہیں کرے گا اور جس نے کسی چیز کا اظہار کیا تو اللہ اس کا خون جلا دے گا، پھر اس نے کہا: وہ ان کو ذبح کر دے گا، خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جس طرح قصاب بکری ذبح کرتا ہے اور اس نے حلق کی طرف اشارہ کر کے کہا۔''[5]

---

[1] بحار الأنوار (٥٢/ ٣٣٦)

[2] بحار الأنوار (٥٢/ ٣٦١)

[3] شیعہ عالم طریحی کہتا ہے کہ ان کا نام مرجئہ رکھا ہے، کیوں کہ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نصبِ امام کو موخر کر دیا تھا، تاکہ اسے وفاتِ نبوی کے بعد امت کی مرضی سے اختیار کیا جا سکے۔ (مجمع البحرین: ١/ ١٧٧۔ ١٧٨، نیز دیکھیں: مرآة العقول: ٤/ ٣٧١)

[4] الغيبة للنعماني (ص: ١٩٠) بحار الأنوار (٥٢/ ٣٥٧)

[5] بحار الأنوار (٥٢/ ٣٥٧) الغيبة للنعماني (ص: ١٩٠۔ ١٩١)

یہ روایت کسی وقت ان کو نواصب کے نام سے پکارتی اور کہتی ہیں:

''جب قائم کا ظہور ہو جائے گا تو وہ ہر ناصبی کو اس کے سامنے پیش کریں گے، اگر وہ اسلام کا اقرار کرے، جو ولایت ہے تو ٹھیک، وگرنہ اس کی گردن اڑا دی جائے گی، یا وہ جزیے کا اقرار کرے اور جس طرح ذمی جزیہ ادا کرتے ہیں، اسی طرح جزیہ ادا کرے۔''[1]

لیکن شیعہ کی بعض روایات کہتی ہیں کہ ان سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا، جس طرح ذمیوں سے قبول کیا جاتا ہے۔ شیعہ کے امام سے قائم کی سلطنت میں اہلِ ذمہ کی پوزیشن کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا:

''وہ ان سے اسی طرح مصالحت کرے گا، جس طرح رسول اللہ ﷺ نے کی تھی اور وہ ذلت کے عالم میں جزیہ ادا کریں گے۔''[2]

لیکن ان کے علاوہ جو رافضہ کے مخالف ہوں گے تو ان کے بارے میں اس نے کہا:

''ہمارے مخالف کا ہماری ریاست میں کوئی حصہ نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ نے ہمارے قائم کے قیام کے وقت ہمارے لیے ان کا خون بہانا حلال کر دیا ہے۔''[3]

بلکہ ان کا قائم زیدی شیعہ کو بھی، غالیوں کے سوا، چن چن کر قتل کرے گا، شیعہ کی ایک روایت کہتی ہے:

''جب قائم کا ظہور ہوگا تو وہ کوفہ جائے گا، اس سے کئی ہزار افراد اسلحہ لیے نکلیں گے، جو تبریہ[4] فرقے سے ہوں گے، وہ اس سے کہیں گے: جہاں سے آئے ہو، وہیں چلے جاؤ، ہمیں بنی فاطمہ کی کوئی ضرورت نہیں، تو وہ ان کے آخری آدمی تک ہر ایک کو تلوار کی نوک پر موت کے گھاٹ اتار دے گا۔''[5]

بلکہ وہ بے گناہوں کو بھی قتل کر دے گا۔ شیعہ روایات کہتی ہیں:

---

[1] تفسیر فرات (ص: ١٠٠) بحار الأنوار (٥٢/ ٣٧٣) اس روایت میں یہ بات کہ وہ جزیہ دینا قبول کرے گا، شیعہ کی دوسری روایات کے منافی ہے، جو کہتی ہیں کہ امام منتظر جزیہ نہیں قبول کریں گے، جیسا کہ اس سلسلے میں بعض شیعہ روایات کا ذکر گزر چکا ہے۔

[2] بحار الأنوار (٥٢/ ٣٧٦)

[3] المصدر السابق.

[4] بتریہ فرقہ حسن بن صالح بن حی اور کثیر النوی کے اصحاب اور اَتباع ہیں، کثیر ''ابتر'' کے لقب سے جانا جاتا تھا، ان کو حسن بن صالح کی طرف منسوب کرتے ہوئے ''صالحیہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ اشعری کے قول کے مطابق ان کے مذہب میں قیامت سے پہلے مردوں کی واپسی کا کوئی تصور ہے نہ یہ حضرت علی کی امامت کے، اس وقت کے علاوہ جب ان کی بیعت کی گئی، قائل ہیں۔ یہ زیدیہ کا ایک فرقہ ہے۔ (دیکھیں: مقالات الإسلامیین: ١/ ١٤٤، الملل والنحل: ١/ ١٦١، الخطط: ٢/ ٣٥٢)

[5] الإرشاد (ص: ٤١١۔ ٤١٢) بحار الأنوار (٥٢/ ٣٣٨)

''جب قائم نکلے گا تو وہ حسین کے قاتلوں کی اولاد کو ان کے باپوں کے جرم میں قتل کر دے گا۔''[1]
''اسی طرح ان کے قائم کو قتل کے سوا کوئی اور کام نہیں ہوگا اور وہ کسی کو نہیں چھوڑے گا۔''[2] ''وہ کسی سے توبہ نہیں کروائے گا۔''[3]

شیعہ کی بعض روایات اس خونی کھیل کی ہولنا کی اور پھیلاؤ کی تصویر کشی کرتے ہوئے کہتی ہیں:

''اگر لوگوں کو علم ہو جائے کہ قائم کا جب ظہور ہوگا تو وہ کیا کرے گا اور کس قدر لوگوں کا قتلِ عام کرے گا تو اکثریت اس کو دیکھنا پسند نہ کرے...اور اکثر لوگ یہ کہنا شروع کر دیں کہ یہ آلِ محمد سے تعلق نہیں رکھتا، اگر اس کا آلِ محمد سے کوئی تعلق ہوتا تو یہ رحم کرتا۔''[4]

یہ قول قائم کو اس رحمت و عدل کی فطرت سے خروج کا الزام دیتا ہے، جو آلِ بیت کا خاصا تھا، بلکہ وہ سنتِ مصطفیٰ سے بھی خارج ہوجائے گا۔ شیعہ اس بات کا کھلے لفظوں میں اظہار کرتے ہیں باقر سے، شیعہ کے دعوے کے مطابق، پوچھا گیا:

''کیا قائم سیرتِ محمد ﷺ پر چلے گا؟ اس نے کہا: بہت دوری ہے! رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے ساتھ نرم برتاؤ کرتے تھے، آپ لوگوں کے درمیان الف ڈالتے، لیکن قائم کو قتل کی سنت پر چلنے کا حکم دیا جائے گا، وہ کسی سے توبہ نہیں کروائے گا۔ جو اس کی مخالفت کرے گا، اس کے لیے ہلاکت ہے۔''[5]

چنانچہ شیعہ یہ خیال پیش کرتے ہیں کہ اس کو سیرتِ رسول کی مخالف راہ پر چلنے کا حکم دیا گیا ہے، جب کہ تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ ہر وہ کام جو سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کے خلاف ہو، اس کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، تو کیا اس کو اسلام کے پیغام کے علاوہ کوئی دوسرا پیغام دے کر مبعوث کیا جائے گا؟!

اس کو کس طرح رسول اللہ ﷺ کی سیرت کی مخالفت کا حکم دیا جائے گا؟ کیا وہ نبی ہوگا، جس پر نئے سرے سے وحی نازل کی جائے گی؟! حالاں کہ خاتم الانبیاء ﷺ کے بعد کوئی نبی ہے نہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد کوئی وحی ہی، ہر وہ شخص جو اس کے خلاف دعویٰ کرتا ہے، وہ افترا پرداز اور دجال ہے، کیوں کہ وہ ان قطعی آیات و احادیث اور اجماعِ امت کا منکر و مخالف ہے، جو سید المرسلین ﷺ کی وفات کے ساتھ وحی اور نبوت کے

---

[1] علل الشرائع (ص: ٢٢٩) عيون أخبار الرضا (١/ ٢٧٣) بحار الأنوار (٥٢/ ٣١٣)
[2] بحار الأنوار (٥٢/ ٢٣١)
[3] بحار الأنوار (٥٢/ ٣٤٩) ایک روایت میں ہے کہ وہ کسی کو نائب نہیں بنائے گا۔
[4] الغيبة للنعماني (ص: ١٥٤) بحار الأنوار (٥٢/ ٣٥٤)
[5] الغيبة للنعماني (ص: ١٥٣) بحار الأنوار (٥٢/ ٣٥٣)

انقطاع پر دلالت کرتا ہے۔

لیکن یہ روایات ان کے وضع کرنے والوں کے دلوں میں لوگوں کے خلاف بالخصوص امت اسلامیہ کے خلاف، جو ان کے مسلک کی مخالف ہے، پنپنے والی نفرت اور حسد کی صورت گری کرتی ہیں۔ وہ یہ امید لگائے بیٹھے ہیں کہ وہ دن بہت جلد طلوع ہونے والا ہے، جس میں وہ اپنے خوابوں کو تعبیر دیں گے۔ ان خوابوں کی حقیقت یہ روایات بیان کرتی ہیں، نیز عہدِ صفوی، مملکتِ آیات اور لبنان میں ان کی تنظیمیں عملی طور پر ان خوابوں کی ترجمانی کرتی ہیں، جس کا ''عالمِ اسلام میں شیعہ اثرات'' کے باب میں ذکر ہوگا۔

یہ ہر کسی کو معلوم ہے کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ، جن کے شیعہ ہونے کے یہ دعوے دار ہیں، انھوں نے بھی اپنے مخالفین کو کافر قرار نہیں دیا اور صرف ان ہی سے لڑائی لڑی، جنھوں نے ان کے خلاف بغاوت کی تھی، لیکن ان کا قائم، جو یہ اس طرح کے کام کرے گا اور جو اس کے منہج پر چلے گا، یہ شیعانِ علی سے نہیں۔

انھوں نے اپنی روایات میں یہ اقرار کیا ہے کہ ان کا قائم سیرتِ علی کو بھی نہیں اپنائے گا۔ صادق سے پوچھا گیا:

''کیا قائم سیرتِ علی کے خلاف چلے گا؟ اس نے کہا: ہاں، حضرت علی جانتے تھے کہ ان کے بعد ان کے شیعہ مغلوب ہوجائیں گے، اس لیے انھوں نے احسان اور صبر (اور ہاتھ روکے رکھنے) کی راہ اپنائی، لیکن قائم تلوار اور قیدی بنانے کی راہ پر چلے گا، کیوں کہ اس کو علم ہے کہ اس کے بعد اس کے شیعہ پر کوئی غالب نہیں آسکے گا۔''[1]

شیعہ کا امام صادق بعض شیعہ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:

''تمھاری اس وقت کیا حالت ہوگی، جب تم دیکھو گے کہ قائم کے ساتھی کوفہ کی مسجد میں اپنے خیمے لگا لیں گے، پھر وہ ایک نئی چیز نکالے گا، جو عرب پر بڑی سخت ہوگی؟

راوی کہتا ہے: میں نے کہا: وہ کیا ہوگا؟ اس نے کہا: وہ ذبح ہوگا، میں نے کہا: وہ ان کے ساتھ کیا رویہ اپنائے گا، اس طرح تو نہیں چلے گا، جس طرح حضرت علی اہلِ سواد (عراق کے گرد ونواح) کے ساتھ چلے؟ اس نے کہا: نہیں، حضرت علی جفر ابیض کے مطابق چلتے رہے، جس میں ہاتھ روکے رکھنے کا حکم تھا، ان کو علم تھا کہ ان کے بعد ان کے شیعہ مغلوب ہوجائیں گے، لیکن قائم جفر احمر کے مطابق چلے گا، جس میں ذبح کا حکم ہے، اس کو علم ہوگا کہ اس کے شیعہ پر کوئی غالب نہیں آئے گا۔''[2]

---

[1] الغيبة للعنماني (ص: ١٥٣) بحار الأنوار (٥٢/ ٣٥٣)

[2] بحار الأنوار (٥٢/ ٣١٨) مجلسی کی صراحت کے مطابق یہ روایت ''بصائر الدرجات'' میں ہے۔

اس طرح یہ مزعوم ''نیا حکم، نئی کتاب، نئی سنت اور نیا نظامِ عدل لے کر آئے گا۔''[1]

یہ اس حقیقت کی وضاحت کے لیے کافی ہے کہ شیعہ جو خواب دیکھتے ہیں، اس کی کتاب وسنت میں کوئی بنیاد نہیں، بلکہ یہ ایک نئی بدعت ہے، جس کو ان کا قائم لے کر آئے گا۔ لوگ قائم کے زمانے میں خون اور نعشوں کے درمیان جیئیں گے، ان پر شیعہ کے قائم کا خوف اور رعب مسلط ہوگا، جس کو انتقام لینے کے لیے مبعوث کیا جائے گا، جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت بنا کر بھیجا گیا تھا۔[2]

دوسری طرف قائم کا لشکر اور اس کے ساتھی ایک دوسری زندگی سے لطف اندوز ہوں گے، جو رنگ رنگ کی نعمتوں اور طرح طرح کی خوشیوں سے لبریز ہوگی۔ وہ ان کو ان کے سفر میں یہ حکم دے گا کہ وہ اپنے ساتھ کھانے پینے کی اشیا اور جانوروں کا چارہ نہ لیں، وہ اور ان کے جانور سب کھائیں پئیں گے، حتی کہ وہ کوفہ کی پیٹھ نجف میں جا ٹھہریں گے۔[3]

اس طرح وہ جس منزل پر بھی ٹھہریں گے، وہاں چشمے پھوٹ پڑیں گے، جو بھوکا ہوگا، سیر ہو جائے گا اور جو پیاسا ہوگا، سیراب ہو جائے گا۔[4] جب اس کا ظہور ہوگا تو زمین کے پیٹ اور پشت سے خزانے نکل کر اس کے پاس جمع ہو جائیں گے، وہ اپنے ساتھیوں کو اتنا دے گا، جتنا اس سے پہلے کسی نے کسی کو نہیں دیا ہوگا، اس کے ہاتھوں رزق دوگنا ہو جائے گا، اس کو ایک مہینے میں دو رزق عطا ہوں گے اور سال میں دو عطائیں ملیں گی۔[5] حتی کہ شیعہ کا ہر فرد اپنے درہم و دینار کو خرچ کرنے کے لیے جگہ نہیں پائے گا۔[6]

یہ روایات ان خواہشات اور آرزوؤں کی ترجمانی کرتی ہیں، جو شیعہ کے دلوں میں اس پر امید کل کے متعلق اٹھکیلیاں کرتی تھیں، نیز یہ اس مادی رجحان کی بھی تصویر کشی کرتی ہیں، جس میں یہ یہودیوں کے شریک ہیں، جو دنیا میں مارکس کے افکار کے مطابق اشتراکی نظام قائم کرنے کا خواب ہے۔ قائم کے لشکر اور ساتھیوں کے بارے میں مزید گفتگو آیندہ صفحات پر ہوگی، جو اس کے ذبح خوانوں میں اس کے شریک کار ہوں گے اور اس کی جنت میں ٹھہریں گے اور نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔

---

[1] المصدر السابق (٥٢/ ٢٣١)

[2] کلینی اپنی کتاب کافی میں روایت کرتا ہے کہ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت بنا کر بھیجا ہے اور قائم کو انتقام بنا کر بھیجے گا۔ (بحار الأنوار: ٥٢/ ٣٧٦) مجلسی نے یہ روایت کافی (کتاب الروضة، ص: ٢٣٣) کی طرف منسوب کی ہے۔

[3] الغيبة للنعماني (ص: ١٥٨)

[4] المصدر السابق.

[5] الغيبة للنعماني (ص: ١٥٨)

[6] المصدر السابق (ص: ٧٢)

ج۔ قائم کا لشکر:

شیعہ کی بعض روایات ذکر کرتی ہیں کہ قائم کا لشکر عجمیوں اور موالی پر مشتمل ہوگا، ان کی تعداد بارہ ہزار ہوگی، قائم ان کو اپنی طرف سے اسلحہ دے گا، جو تلوار اور دو چہروں والے خود سے عبارت ہوگا، پھر وہ ان سے کہے گا:

''جس کے اوپر تمھاری جیسی چیزیں نہیں، اس کو قتل کر دو۔''[1]

نعمانی کی روایت ذکر کرتی ہے:

''قائم کے ساتھی ۳۱۳ آدمی ہوں گے، جو عجمیوں کی اولاد ہوں گے۔''[2]

لیکن بحار الانوار کی روایت کہتی ہے:

''جب قائم آلِ محمد (ﷺ) کا ظہور ہوگا تو وہ کعبہ کی پشت سے ستائیس آدمی نکالے گا، پچیس قومِ موسیٰ سے ہوں گے، جو حق کے ساتھ فیصلہ کریں گے اور اس کے ساتھ عدل کریں گے۔ سات اصحابِ کہف سے نکالے گا اور موسیٰ کے وصی یوشع بن نون، مومن آلِ فرعون، سلمان فارسی، ابو دجانہ انصاری اور مالک بن اشتر کو بھی نکالے گا۔''[3]

اس عبارت کے اس مجموعے میں یہودی عنصر کا غلغلہ واضح نظر آ رہا ہے، جس نے شیعیت کا دین وضع کیا تھا۔ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شیعیت مختلف عناصر کے مجموعے سے مرکب ہے۔ ہر کوئی اپنی خواہشِ نفس، اپنی عنصریت اور نسل پرستی کے تقاضوں کے مطابق جو چاہتا ہے، بنا لیتا ہے۔ عجم اپنے مفاد کے لیے روایات وضع کرتے ہیں تو یہود اپنے مقصد کی خاطر، لیکن اثنا عشری انسائیکلو پیڈیاز نے تمام کو بلا امتیاز بالاستیعاب جمع کر لیا ہے۔

شیعہ کی بعض طویل روایات میں اس کے لشکریوں کا ایک ایک کر کے نام، قبیلے اور پیشے کے اعتبار سے تفصیلی ذکر ہوا ہے، مثلاً:

---

[1] بحار الأنوار (۵۲/ ۳۷۷)

[2] الغيبة للنعماني (ص: ۲۱۴)

[3] بحار الأنوار (۵۲/ ۳۴۶) اس کتاب کی تحقیقی کمیٹی نے اس روایت پر کوئی نقد وتبصرہ نہیں کیا، حالاں کہ پہلے اس نے مجموعی تعداد ۲۷ ذکر کی ہے، لیکن جب تفصیل بیان کی تو یہ تعداد ۳۷ ہوگئی۔ البتہ تفسیر عیاشی (۱/ ۳۲) میں ہے کہ قومِ موسیٰ سے پندرہ آدمی ہوں گے۔ اس طرح یہ تعداد درست ہو جاتی ہے، لیکن تفسیر برھان (۲/ ۴۱) میں عبارت کی اصلاح کے لیے واؤ کا اضافہ کر دیا ہے کہ ''سبعة و عشرين رجلا ''و'' خمسة و عشرين من قوم موسىٰ''، لیکن واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہاں واؤ زائدہ ہے۔

''اہلِ شام سے ابراہیم بن صباح اور یوسف بن جریا (صریا)[1] نامی دو آدمی ہوں گے۔ یوسف عطار اہلِ دمشق سے ہوگا اور ابراہیم قصاب صویقا نامی بستی سے۔''

''اسی سیاق وسباق میں اس نے ان کا ذکر کیا ہے اور ۳۱۳ تک ان کی تعداد ذکر کی ہے، تا کہ اہلِ بدر کی تعداد کے برابر ان کی تعداد ہو جائے۔''[2]

اور وہ یہ کہتے ہو:

''اہلِ بدر اور تمام صحابہ کے بارے میں اپنے فرقے کا رسوا کن موقف بھول گیا ہے۔''

آپ جب یہ نام پڑھتے ہیں تو آپ کے چہرے پر خواہ مخواہ مسکراہٹ آ جاتی ہے۔ آپ اس میں کذب بیانی میں تکلف اور اس کو چھپانے کی احمقانہ کوششوں کو بالکل واضح محسوس کریں گے۔ اس کذب بیانی پر یہ جسارت اور گھٹیا سوچ ہی پر بس نہیں، اس سے بھی عجیب تر تو یہ بات ہے کہ عصرِ حاضر کے شیعہ اس عار اور شرمندگی کو لوگوں کے سامنے پیش کرنے اور اس کی تحقیق وطباعت سے کوئی شرم کیوں محسوس نہیں کرتے!!

یا یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی جعل سازی کو بے نقاب کرنے اور ان کو رسوا کرنے کا ارادہ کیا ہو!!

شیعہ اور ان کے مہدی کی پوشیدگی:

غیبوبت (پوشیدگی) کے سائے میں، جس کا شیعہ گیارہ سو سالوں سے دم بھر رہے ہیں، شیعہ علما نے، منتظر کی نیابت کی حیثیت سے جملہ احکامِ دین پر عمل کرنا موقوف کر دیا ہے، اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے ایسے نئے احکام بھی نکال لیے ہیں، جن کی اللہ تعالیٰ نے قطعاً اجازت نہیں دی۔ شیعہ نے منتظر کی پوشیدگی کی وجہ سے نمازِ جمعہ ادا کرنے کو روک دیا ہے، اسی طرح انھوں نے مسلمانوں کا امام مقرر کرنے سے بھی منع کر دیا ہے۔ شیعہ کا کہنا ہے:

''جمعہ اور حکومت امامِ مسلمین کا کام ہے۔''[3] اور امام یہ منتظر ہے۔

اس لیے آج تک شیعہ کی اکثریت نمازِ جمعہ ادا نہیں کرتی[4]، ان کے بعض متاخر علما نے تو یہاں تک کہا ہے:

---

[1] اصل کتاب میں اسی طرح ہے۔ بہ ظاہر یہ محقق کتاب کے الفاظ معلوم ہوتے ہیں۔

[2] دیکھیں: البحراني: الحجة (ص: ٤٦) محقق نے "دلائل الإمامة" (ص: ٣١٤) کا حوالہ بھی دیا ہے۔

[3] مفتاح الكرامة: كتاب الصلاة (٢/ ٦٩)

[4] کاظم کفائی، جو ایک معاصر شیعہ عالم ہے، کہتا ہے: ''عراق میں اب شیعہ، مسجد صفوی میں، کاظمی کے صحن میں شیخ خالصی کے سوا کہیں جمعہ نہیں پڑھتے (اس نے یہ بات اپنے ہاتھ سے ڈاکٹر علی سالوس کے لیے لکھی، جس کو اس نے اپنی کتاب "فقه الشيعة" (ص: ٢٤٦) میں شائع کیا ہے) کویت میں شیخ ابراہیم جمال الدین کے سوا کوئی جمعہ نہیں پڑھاتا، جو وہاں اخباریوں کا مرجع تقلید ہے۔ (السالوس: فقه الشيعة، ص: ٢٠٣) جب بعض شیعہ افراد نے اپنے ایک بڑے عالم محسن حکیم سے نمازِ جمعہ ←

''شیعہ ائمہ کے زمانے ہی سے جمعہ ترک کرتے آئے ہیں۔''[1]

اسی طرح شیعہ قائم منتظر کے علاوہ کسی کی شرعی بیعت کے بھی قائل نہیں، اس لیے وہ ہر روز اس کے لیے بیعت کی تجدید کرتے ہیں، ان کی ایک دعا ہے، جس کا نام ہے: ''دعاء العهد''، اس کے الفاظ ہیں:

''اللهم إني أجدد له في صبيحة يومي هذا، وما عشت من أيامي عهداً أو عقداً أو بيعة له في عنقي لا أحول عنها ولا أزول أبداً''[2]

''اے اللہ! میں اس دن کی صبح اور جتنے دن میں زندہ رہوں، اپنی گردن میں اس کے عہد، عقد یا بیعت کی تجدید کرتا ہوں، میں اس سے کبھی نہیں پھروں گا۔''

ایک دوسری روزانہ کی دعا بھی غائب منتظر کی بیعت کے اقرار پر مشتمل ہے، جس کے یہ الفاظ ہیں:

''اللهم هذه بيعة له في عنقي إلى يوم القيامة''[3]

''اے اللہ! یہ قیامت تک میری گردن میں اس کی بیعت کی رسی ہے۔''

مجلسی کہتا ہے:

''...وہ اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر بیعت کی تالی کی طرح تالی مارے۔''[4]

اسی طرح شیعہ کے لیے مسلمان حکمران کی معیت میں جہاد کرنا بھی منع ہے، کیوں کہ امام کی معیت کے سوا جہاد نہیں۔ کافی وغیرہ میں ابوعبداللہ سے منقول ہے کہ اس نے کہا:

''اس امام کی معیت میں قتال کرنا، جس کی اطاعت فرض نہیں کی گئی، مردار، خون اور خنزیر کے گوشت کے حرام ہونے کی طرح حرام ہے۔''[5]

وہ امام جس کی مسلمانوں پر اطاعت ۲۶۰ھ سے لے کر آج تک فرض ہے، وہ ان کا کمین گاہ میں چھپا

← کے لیے امام کی شرط لگانے کی دلیل طلب کی تو اس کا یہ جواب تھا کہ اس سے یہ سوال نہ کیا جائے۔ اسی طرح شیعہ کے بعض علما نمازِ جمعہ کے وجوب کے تو قائل ہیں، لیکن اس کو ادا نہیں کرتے۔ دیکھیں: محمد عبدالله الرضا أسدي: نص الكتاب و متواتر الأخبار على وجوب الجمعة في جميع الأعصار (ص: ٢٤، ٢٧۔ ٢٨)

[1] البهباني في تعليقه على المدارك. دیکھیں: الخالي في كتابه الجمعة (ص: ١٣١)

[2] عباس القمي: مفتاح الجنان (ص: ٥٣٨)

[3] عباس القمي: مفتاح الجنان (ص: ٥٣٨)

[4] بحار الأنوار (١٠٢/ ١١١) نیز دیکھیں: مفتاح الجنان (ص: ٥٣٨۔ ٥٣٩)

[5] فروع الكافي (١/ ٣٣٤) تهذيب الأحكام (٢/ ٤٥) وسائل الشيعة (١١/ ٣٢)

ہوا امام منتظر ہے۔ ۲۶۰ھ سے پہلے تک ان کے باقی ماندہ بارہ امام تھے، چنانچہ حضرت ابوبکر، عمر، عثمان اور باقی خلفا کی معیت میں جہاد ایسے ہی حرام ہے، جیسے مردار اور خون حرام ہے!!

اسلام کے وہ لشکر جو سرحدوں پر پہرہ دیتے ہیں، اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، زمین میں کوئی دنگا فساد نہیں مچاتے، جنھوں نے ایرانی علاقے فتح کیے، وہ تمام لوگ شیعہ کے اعتقاد میں محض قاتل ومقتول ہیں، ان کے لیے ہلاکت ہے اور وہ جلد اپنے ٹھکانوں تک پہنچیں گے۔

شیعہ کا شیخ طوسی تہذیب میں روایت ذکر کرتا ہے کہ عبداللہ بن سنان سے مروی ہے، اس نے کہا:

''میں نے ابوعبداللہ سے کہا: ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، جو ان سرحدوں پر لڑتے ہیں یا مارے جاتے ہیں؟ اس نے کہا: ان کے لیے ہلاکت ہے، یہ دنیا میں جلد اپنے انجام کو پہنچ گئے ہیں، آخرت میں بھی قاتل ومقتول ہی ہوں گے۔ خدا کی قسم! شہید صرف ہمارے شیعہ ہیں، چاہے وہ اپنے بستروں ہی پر مریں۔''[1]

لہٰذا آپ دیکھتے ہیں کہ شیعہ کے نزدیک تاریخ کے مختلف ادوار میں مسلمانوں کا جہاد باطل ہے، جس کا کوئی اجر وثواب نہیں ہوگا، بلکہ وہ مسلمان مجاہدین کو قاتل کہہ کر پکارتے ہیں، اللہ نے جو مجاہد اور شہید کا لقب دے کر ان کو عزت بخشی ہے، وہ اس کو ان سے جدا کرتے ہیں۔

تو کیا کوئی تعصب و ہویٰ سے خالی صاحبِ عقل اس میں کوئی شک کرے گا کہ اس نظریے کا واضع کھلا دشمن اور حاسد زندیق ہے، جو امت کو تباہی سے دو چار کرنے کی سازشیں سوچتا ہے، اس کے لیے ناکامی کا خواہاں ہے، اسے یہ قطعاً پسند نہیں کہ یہ امت اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والی رہے، جو اللہ کے دین اور دیارِ اسلام کی حفاظت کی خاطر اللہ کے جھنڈے کو بلند کرنے کے لیے کوشاں رہے۔ اس نظریے کو پھیلانے کے لیے سازش اس حد تک جا پہنچی ہے کہ انھوں نے اس بات کو جعفر صادق اور دیگر آلِ بیت کی طرف منسوب کر دیا ہے، تاکہ یہ ایک طرف تو جاہل پیروکاروں میں جلد رواج پکڑ جائے اور دوسری طرف آلِ بیت رسول کو بھی رسوا کر دیا جائے!

اسی طرح شیعہ نے اپنے امام کے غائب ہونے کی وجہ سے سلطنتِ اسلام میں حدود کے نفاذ سے بھی صریح الفاظ میں روک دیا ہے، کیوں کہ ان کے بقول حدود کا کام، منصوص علیہ (متعین) امام کے سپرد کیا گیا ہے، ان کے زعم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے صرف بارہ امام متعین کیے ہیں، جن میں سے آخری امام تقریباً تیسری صدی کے نصف سے غائب ہے، لہٰذا حدود کے نفاذ کے لیے اس کی واپسی کا انتظار ضروری ہے، لیکن اس تفویض کے

[1] التهذيب (٢/ ٤٢) وسائل الشيعة (١١/ ٢١)

مطابق، جس کو اس نے غائب ہونے کے تقریباً ستر سال بعد شیعہ علما کے لیے جاری کیا، تمام مسلمان قاضیوں کو چھوڑ کر صرف شیعہ عالم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ حد نافذ کرے۔

اگر عالمِ اسلام کے کسی علاقے میں بھی کوئی شیعہ عالم موجود نہ ہو تو پھر حدود نافذ کرنا جائز نہیں، کیوں کہ یہ کام صرف منتظر کر سکتا ہے یا اس کے نائب شیعہ مراجع اور آیات۔ ابن بابویہ وغیرہ بیان کرتے ہیں:

''حفص بن غیاث سے مروی ہے، اس نے کہا: میں نے ابوعبداللہ سے پوچھا: حدود کون نافذ کرے گا، سلطان یا قاضی؟ اس نے کہا: حدود قائم کرنا اس کا کام ہے، جس کا کام حکمرانی کرنا ہے۔''[1]

مفید کہتا ہے:

''حدود قائم کرنا اسلام کے سلطان کے ہاتھ میں ہے، جو اللہ کی طرف سے متعین ومنصوب ہو اور وہ آلِ محمد سے ائمہ ہدیٰ ہیں یا جن امرا یا حکام کو وہ متعین کریں، انھوں نے اس میں غور وفکر کرنا اگر امکان ہو تو شیعہ فقہا کے سپرد کیا ہے۔''[2]

شیعہ روایات مسلمان عدالتوں اور مسلمان قاضیوں سے رجوع کرنے سے خبردار اور منع کرتی ہیں۔ یہ روایات کہتی ہیں:

''جو حق یا باطل کسی بھی معاملے میں ان سے فیصلہ لینے کے لیے رجوع کرے تو اس نے طاغوت کی عدالت میں اپنا مقدمہ پیش کیا۔ جو ان کے فیصلے نتیجے میں کچھ لے گا تو وہ حرام لے گا، خواہ وہ اس کا ثابت شدہ حق ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ اس نے اسے طاغوت کے فیصلے کے نتیجے میں لیا ہے۔''[3]

یہ وہ جملہ اسلام کی شریعتیں اور احکام ہیں، جنھیں شیعہ نے اپنے مہدی کی پوشیدگی کے سبب حرام قرار دے دیا ہے اور ان پر اس کے خروج تک عمل کرنا موقوف کر دیا ہے۔

اسی طرح انھوں نے پوشیدگی کے زمانے میں اپنے لیے ایسے احکام اختراع کر لیے ہیں، جن کی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بالکل اجازت نہیں دی، انھی مسائل میں ایک تقیے کے مسئلہ ہے، جو اسلام میں ضرورت کے وقت ایک عارضی رخصت ہے، اس کو انھوں نے پوشیدگی کے زمانے میں حتمی، لازمی اور دائمی قرار دے دیا ہے، جس سے اس وقت تک خروج جائز نہیں، جب تک ان کے مہدی کا خروج نہیں ہوجاتا، جو کبھی نہیں آئے گا، کیوں کہ وہ پیدا ہی

---

[1] ابن بابويه: من لا يحضره الفقيه (٤/ ٥١) تهذيب الأحكام (١٠/ ١٥٥) وسائل الشيعة (١٨/ ٣٣٨)

[2] المقنعة (ص: ١٣٠) وسائل الشيعة (١٨/ ٣٣٨)

[3] فروع الكافي (٧/ ٤١٢) التهذيب (٦/ ٢١٨) وسائل الشيعة (١٨/ ٤)

نہیں ہوا، جس طرح تاریخ دان، علمِ انساب کے ماہرین اور خود شیعہ کے بہت سارے فرقے بھی قطعیت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، نیز جس نے منتظر کی واپسی سے پہلے تقیہ ترک کر دیا تو وہ ایسا ہی ہے، جس نے نماز ترک کر دی۔[1]

اسی طرح انھوں نے یہ بھی مقرر کیا ہے کہ اللہ کی راہ میں شہادت محض شیعہ مذہب اختیار کرنے اور منتظر غائب کی واپسی کا انتظار کرنے ہی سے حاصل ہو جاتی ہے، یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے حاصل نہیں ہوتی، لہٰذا شیعہ اگر اپنے بستر پر بھی مر جائے تب بھی وہ شہید ہی ہے۔

شیعہ کا امام کہتا ہے:

''اگر ہمارے قائم کے خروج سے پہلے تم میں کوئی مرنے والا مر جائے تو وہ شہید ہے اور جس نے ہمارے قائم کو پا لیا اور اس کے ساتھ مل کر لڑائی لڑی تو اس کو دو شہیدوں کا اجر ملے گا...۔''[2]

شیعہ کے شیخ بحرانی نے اپنی کتاب ''المعالم الزلفیٰ'' میں یہ باب باندھا ہے:

''باب ۵۹: اس بیان میں کہ آلِ محمد کے شیعہ اگر اپنے بستروں پر مریں تب بھی وہ شہید ہی ہیں۔''[3]

اس باب میں اس نے اپنی جملہ روایات ذکر کی ہیں۔ اس کے بعد ان کی مبالغہ آرائیاں، حسبِ عادت، اسی مقدار پر اکتفا نہیں کرتیں، ابن بابویہ اپنی سند کے ساتھ علی بن حسین سے روایت کرتا ہے کہ انھوں نے کہا:

''جو ہمارے قائم کی پوشیدگی میں ہماری موالات اور دوستی پر ثابت قدم رہے گا، اللہ تعالیٰ اس کو شہدائے بدر اور اُحد کے ایک ہزار شہید کے برابر اجر عطا کرے گا۔''[4]

غائب منتظر کی بیعت کی فرضیت بھی ان کے ایسے احکام میں سے ایک حکم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ کے نزدیک ائمہ کی قبروں کی زیارت کی دعاؤں میں بار بار تجدیدِ بیعت مشروع قرار دی گئی ہے، جس طرح پہلے ذکر ہوا ہے، کیوں کہ اس امت کے جس مرد نے بھی اس عالم میں صبح کی کہ اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین کردہ ظاہر[5] اور عادل کوئی امام نہ ہو، اس نے گمراہی اور گم گشتگی کی حالت میں صبح کی۔ اگر وہ اسی حالت پر مر گیا، تو وہ کفر و نفاق کی موت مرے گا۔[6]

---

[1] دیکھیں: تقیہ کا مبحث۔

[2] بحار الأنوار (۵۲/ ۱۲۳) یہ طوسی کی امالی میں مروی ہے۔ (دیکھیں: المصدر السابق: ۵۲/ ۱۲۲۔ ۱۲۳)

[3] المعالم الزلفى في بيان أحوال النشأة الأولى والأخرىٰ (ص: ۱۰۱)

[4] إكمال الدين (ص: ۳۱۵) بحار الأنوار (۵۲/ ۱۲۵)

[5] یہ کلمہ تاکیدی طور پر بیان کرتا ہے کہ ان کا چھپا ہوا امام، امام نہیں، کیوں کہ وہ ظاہر نہیں۔

[6] أصول الكافي (۱/ ۳۷۵)

اس غیبوبت اور پوشیدگی کے سائے میں انھوں نے جو ایک بہت بڑا نظریہ ایجاد کر لیا ہے، وہ شیعہ فقیہ کا امامِ زمانہ (منتظر غائب) کی نیابت کا نظریہ ہے۔ شیعہ فقیہ نے نیابت کے نام پر بہت زیادہ امور حلال قرار دے دیے ہیں۔

شیعہ علما کا نیابت کی حدود میں اختلاف ہے۔ کوئی ان کو بہت زیادہ محدود کرتا ہے تو دوسروں نے ان کو بہت زیادہ پھیلا دیا ہے، بلکہ نیابت امامِ غائب کے فرائض منصبی کی آخری حد تک پہنچ چکی ہے، جن میں ملک کی سربراہی اور موجودہ آیات کی مملکت میں تشکیلِ حکومت کے لیے ریفرنڈم داخل ہے، حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں، جو صرف اس امام پر ایمان رکھتے ہیں، جو منصوص علیہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین ہو!

عقیدہ نیابت کی سنگینی اور اس اہمیت کے پیشِ نظر کہ یہ عقیدہ، میرے خیال کے مطابق، شیعہ کے علما کے ایک بہت بڑے مجموعے کے ہاتھوں مہدی کے اطمینان بخش خروج کی نمایندگی کرنا ہے، چنانچہ ہر کوئی نیابت میں اپنے استحقاق کا دعوے دار ہے۔ ہم آیندہ صفحات کو اس موضوع پر بحث کرنے کے لیے مختص کرتے ہیں۔

نیابتِ منتظر:

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ جب حسن عسکری کے بیٹے کی پوشیدگی کے نظریے کے ستون اچھی طرح گاڑ دیے گئے تو ایک با اختیار وکیل کا وجود ضروری تھا، جو حجاب کی مدت میں پیروکاروں کے امور کی ذمے داری سنبھالے اور وہ سرداب (کمین گاہ) کوہِ رضوی یا مکے کی وادیوں میں چھپے بیٹھے غائب کا دروازہ اور واسطہ بنے۔

چناں چہ وہ پہلا قائد، جس نے شیعہ کے امور کی ذمے داری سنبھالی، وہ شیعہ وثائق کے مطابق ایک عورت تھی، حالاں کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی، جو اپنا زعیم (سربراہ) کسی عورت کو بنا لیتی ہے۔ یہ فرمانِ مصطفیٰ ﷺ ہے۔[1]

حسن عسکری کی وفات کے بعد ایک چھپے ہوئے لڑکے کے وجود کی خبر پھیل گئی۔ شیعہ چوں کہ کسی ظاہر امام کے بغیر تھے، اس لیے انھوں نے پوچھنا شروع کر دیا کہ وہ کس کی طرف رجوع کریں۔ ۲۶۲ھ میں یعنی حسن عسکری کی وفات کے دو سال بعد احمد بن ابراہیم نامی ایک شیعہ حسن عسکری کے گھر گیا اور اس نے ۔شیعہ روایت کے مطابق۔ خدیجہ بنت محمد بن علی رضا سے حسن عسکری کے مزعوم بیٹے کے متعلق پوچھا، تو اس نے اس کے سامنے

[1] صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب كتاب النبيﷺ إلى كسرى وقيصر (٥/ ١٣٦) و كتاب الفتن (٨/ ٩٧) سنن الترمذي، كتاب الفتن (٤/ ٥٢٧ـ ٥٢٨) رقم الحديث (٢٢٦٢) سنن النسائي: باب النهي عن استعمال النساء في الحكم (٨/ ٢٢٧) مسند أحمد (٥/ ٤٣، ٥١)

اس کا نام لیا (یہ بات قابلِ ملاحظہ ہے کہ شیعہ اس کا نام لینا حرام قرار دیتے ہیں، انھوں نے یہاں تک کہا ہے کہ جس نے اس کا نام لیا تو وہ کافر ہے، جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے) روایت کا راوی کہتا ہے:

میں نے اس سے کہا: وہ لڑکا کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا: وہ مستور ہے، میں نے کہا: شیعہ کس کے پاس جائیں؟ اس نے کہا: ابومحمد کی ماں یعنی دادی کے پاس۔''[1]

بہ ظاہر یوں لگتا ہے کہ شیعہ علما نے غائب کی نیابت کو حسن عسکری کے گھر تک محدود رکھنا چاہا ہے، اس لیے انھوں نے آغاز میں یہ مشہور کر دیا کہ حسن عسکری کی ماں ہی منتظر کی وکیل ہے اور وہ نیابتاً مسلمانوں کی جنرل چیئر پرسن ہے۔

اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اس تعیین کا مقصد اپنے اَتباع کے درمیان اس نظریے کو پروان چڑھانے کے لیے مناسب ماحول پیدا کرنا تھا، کیوں کہ حسن کی ماں ہی حسن کی وفات کے بعد اس کی نامزد کردہ ہے، جس طرح شیعہ روایات ذکر کرتی ہیں، لہٰذا یہ ایک طبعی امر تھا کہ وہ اپنے بیٹے کی ولی بنے، لیکن حسن عسکری کے گھر والوں کا بیٹے کے نظریے کی مخالفت کرنا ایسا رویہ تھا، جس نے شیعہ علما اور ان کے سرکردہ افراد کو اہلِ بیت سے باہر کے کسی آدمی کو منتخب کرنے کی طرف متوجہ کر دیا، اس لیے طوسی کی کتاب ''الغیبة'' میں مذکور ہے:

''جانشین یعنی مهدی ـصلوات اللّٰه علیهـ کی ۲۵۶ھ کو پیدایش ہوئی اور اس کا وکیل عثمان بن سعید تھا۔ جب عثمان بن سعید فوت ہوگیا تو اس نے ابوجعفر محمد بن عثمان کو نامزد کر دیا۔ ابوجعفر نے ابوالقاسم حسین بن روح کی وصیت کی اور ابوالقاسم نے ابوالحسن علی بن محمد سمری کو مقرر کر دیا...۔''[2]

یہ چار نائبین ہیں، جن کے ساتھ دوسرے لوگ بھی نیابت میں مقابلہ کرتے ہیں، وہ حسن کے گھر سے باہر کے لوگ ہیں، ان کی نیابت مہدی منتظر کے ساتھ براہِ راست شخصی اور ذاتی رابطے کی نمایندگی کرتی ہے، اس لیے شیعہ کے عرف میں ان کی نیابت کو ''غَیبت صغریٰ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ان چاروں نائبین کا اطاعت اور ثقاہت میں وہی حق ہے، جو امام کا حق ہے۔ طوسی کی ''الغیبة'' میں مذکور ہے کہ حسن عسکری نے کہا:

''یہ تمھارا میرے بعد امام ہے (اس نے اپنے بیٹے کی طرف اشارہ کیا) اور یہ تم پر میرا خلیفہ ہے، اس کی فرمانبرداری کرو، میرے بعد افتراق کا شکار نہ ہو جانا، وگرنہ تم اپنے دینوں میں ہلاک ہو جاؤ

[1] الغیبة للطوسي (ص: ۱۳۸)

[2] الغیبة للطوسي (ص: ۲۴۱۔ ۲۴۲)

گے۔ یاد رہے! تم آج کے بعد اس وقت تک اس کو نہیں دیکھو گے، جب تک اس کی عمر پوری نہ ہو جائے، لہٰذا عثمان (پہلا باب) جو کہے، اس کو قبول کرو اور اس کے حکم کے پاس پہنچ کر رک جاؤ، وہ تمھارے امام کا خلیفہ ہے اور اس کو فیصلہ کن اختیار حاصل ہے۔[1] جو وہ تم سے کہتا ہے، وہ میری طرف سے کہتا ہے اور جو وہ حکم تم کو دیتا ہے تو وہ میری طرف ہی سے دیتا ہے۔''[2]

اسی طرح باب کو امام کی نیابت اور مکمل اختیار کا حق حاصل ہوگیا اور اس کے قول کو تقدس اور عصمت کی سند مل گئی، کیوں کہ وہ امام کا ترجمان اور اس کا حکم آگے پہنچانے والا ہے، اس لیے جس نے ان ابواب کی مخالفت کی، وہ لعنت اور جہنم کا مستحق بن گیا، جس طرح ان توقیعات (رقعوں) میں ان باتوں کا ذکر ہوا ہے، جو منتظر کی طرف سے ان ابواب کے مخالفین کے لیے نکلتی رہی ہیں۔[3]

معلوم ہوا ان چاروں کی نیابت کا مسئلہ انھیں شریعت سازی کا اختیار دیتا ہے، کیوں کہ وہ معصوم کے ترجمان ہیں اور معصوم کو تخصیص، تقیید یا شریعت کی نصوص و احکام کو منسوخ کرنے کا حق حاصل ہے۔ جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اس لیے ان کی طرف سے جاری ہونے والی ان توقیعات اور رقعوں کی وہی حیثیت ہے، جو امام کے کلام کی حیثیت ہے یا یہ اس سے بھی قوی تر ہیں، جیسے پہلے ذکر ہوا ہے۔[4]

اسی طرح یہ نیابت ان کو مغفرت یا محرومی کے اجازت نامے جاری کرنے اور امام کے نام پر وقف، زکات اور خمس کے اموال قبول کرنے کا اختیار بھی دیتی ہے، لیکن یہ نیابت اس وقت ختم ہوگئی، جب سمری کا آخری وقت آیا تو اس سے کہا گیا کہ کسی کو مقرر کر دے تو اس نے کہا: یہ اللہ کے سپرد ہے، وہ اس کو اس کے مستحق تک پہنچا دے گا۔ چناں چہ مکمل غیبت وہ ہے، جو سمری کے بعد واقع ہوئی۔[5]

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سمری کا بابیت (دربانی اور نیابت) کو بند کرنے کے لیے شیعہ قواعد کی موافقت کرنا، پھر اس کو پیروکاروں کے درمیان مشہور کر دینا، نظریہ غیبوبتِ مہدی کی حقیقت کو کھلنے سے محفوظ رکھنے کی غرض سے ہو، کیوں کہ شیعہ علما کی ایک بہت بڑی تعداد بالخصوص اس کے پیش رو ابو القاسم بن روح کے عہد میں اس پر نظریں لگائے بیٹھی تھی، ان میں یہ جھگڑا شدت اختیار کر چکا تھا اور نوبت ایک دوسرے کی تکفیر، اظہارِ براءت اور

[1] المصدر السابق (ص: ٢١٧)

[2] المصدر السابق (ص: ١٥)

[3] دیکھیں: الغيبة للطوسي (ص: ٢٤٤)

[4] اسی کتاب کا صفحہ (٣٧١) دیکھیں۔

[5] الغيبة للطوسي (ص: ٢٤١۔ ٢٤٢)

لعن طعن تک پہنچ چکی تھی، جس کو ان توقیعات میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے، جو منتظر کی طرف منسوب ابواب کے ہاتھوں صادر ہوئی ہے۔[1]

چناں چہ سمری نے بابیت کا قصہ ہی تمام کر دیا۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ یہاں مسئلہ نیابت میں بالعموم اور شیعہ مذہب میں بالخصوص ایک مزید ارتقائی مرحلے نے کروٹ لی، جس میں نیابت کو مطلقاً علما کا حق قرار دے دیا گیا۔

اثنا عشری بااثر حلقوں نے اس موہوم اور خیالی منتظر کی طرف منسوب کر کے ایک نیا رقعہ جاری کر دیا، جو سمری کے ہاتھوں بابیت کا دروازہ بند کر دینے کے اعلان کے بعد ظاہر ہوا، اس کے مطابق کہا گیا:

> ''رونما ہونے والے واقعات میں ہماری حدیث کے راویوں سے رجوع کرو، کیوں کہ وہ میری تم پر حجت ہیں اور میں اللہ کی حجت ہوں۔''[2]

چنانچہ اس نے مہدی کے ساتھ براہِ راست تعلق کے انقطاع کا اعلان کر دیا اور منتظر کی نیابت کے معاملے کو ان کی احادیث اور روایات کے راویوں اور انھیں وضع کرنے والوں کے سپرد کر دیا۔

اس اعلان نے چند اہداف حاصل کر لیے۔ بابیت کا دعویٰ صرف ایک آدمی تک محدود نہیں رہا تھا، جس کی حقیقت بڑی آسانی سے محض چند لوگوں کی اس پر نظر رکھنے سے کھل سکتی تھی، اس لیے پہلی غیبت کے مراحل میں بہ کثرت شک اور تکذیب نظر آتی ہے۔

اسی طرح اس نے بابیت کے لیے مقابلہ آرائی میں بھی تخفیف کر دی، جس کے اپنے اثرات تھے، لہٰذا یہ شیعہ علما تک محدود اور مشترک ہو کر رہ گئی۔ بابیت خاصہ کا دروازہ بند کر دیا گیا اور اس کو غیبتِ کبریٰ میں عمومی نیابت میں تبدیل کر دیا گیا، اس طرح امام کی دو غَیبتیں قرار دی گئیں، ایک غیبتِ صغریٰ اور دوسری غیبتِ کبریٰ، حالانکہ ان کی روایات صرف ایک غیبت (پوشیدگی) کا تذکرہ کرتی ہیں[3]، لیکن ایسی روایات وضع کر لی گئیں، جو

---

[1] دیکھیں: الغيبة للطوسي (ص: ٢٤٤ وما بعدها)

[2] الكافي مع شرحه مرآة العقول (٤/ ٥٥) إكمال الدين (ص: ٤٥١) الغيبة للطوسي (ص: ١٧٧) الاحتجاج للطبرسي (ص: ١٦٣) وسائل الشيعة (١٨/ ١٠١) محمد مكي العاملي: الدرة الطاهرة (ص: ٤٧)

[3] شیعہ کی ایسی روایات بھی مذکور ہیں، جو بہ ظاہر ایسے لگتا ہے کہ حسن عسکری کی موت کے بعد پہلے مرحلے میں وضع کی گئیں، جو حسن عسکری کے مزعوم بیٹے کی پوشیدگی کا تذکرہ کرتی ہیں، مثلاً ایک روایت میں ہے:
''اگر تمھیں تمھارے صاحب کی پوشیدگی کی کوئی خبر ملے تو اس کا انکار نہ کرنا۔'' (أصول الكافي: ١/ ٣٤٠)
گویا یہ روایت بلا تاکید سرسری سے انداز میں پیروانِ شیعیت کے سامنے غیوبت کا نظریہ پیش کرتی ہے، تاکہ ان کے ردِ عمل ←

اس صورتحال کے مطابق ہوں اور دو غَیبتوں کا ذکر کرتی ہوں۔ ایک روایت میں ہے:

’’ابوعبداللہ نے کہا: قائم کی دو غیبتیں ہوں گی، ایک مختصر مدت کے لیے، دوسری طویل مدت کے لیے۔ پہلی پوشیدگی میں اس کی جگہ کا صرف اس کے خاص شیعہ کو علم ہوگا اور دوسری میں اس کے دین کے خاص دوست ہی اس کی جگہ کے متعلق جانتے ہوں گے۔‘‘[1]

آپ ملاحظہ کرتے ہیں کہ اس روایت نے اس کی دو پوشیدگیاں ثابت کی ہیں، پہلی میں اس کے خاص شیعہ اس کے ساتھ رابطے میں ہوں گے۔ اس میں ان سفراء کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے، جنھوں نے باری باری بابیت کا دعویٰ کیا، جب کہ دوسری غیبوبت میں صرف اس کے خاص دوست اس کے ساتھ رابطہ رکھ سکیں گے۔

کافی میں ایک روایت ذکر کرتی ہے کہ ان کی تعداد ۳۰ ہوگی۔[2] لہٰذا شیعہ کی روایات نے دونوں حالتوں میں منتظر کے ساتھ براہِ راست تعلق اور رابطے کی نفی نہیں کی، حالانکہ سمری نے جب بابیت کا منصب سنبھالا تو اس نے منتظر کی زبان سے یہ توقیع جاری کی:

’’جس نے منتظر کو دیکھنے کا دعویٰ کیا تو وہ جھوٹا ہے۔‘‘[3]

شیعہ کے علما تو کہتے ہیں کہ غیبوبت کبریٰ میں امام سے محرومیت عظمیٰ وقوع پذیر ہوگئی۔ شیعہ کا عالم نعمانی دونوں غیبوبتوں کے متعلق اپنی روایات ذکر کرنے کے بعد کہتا ہے: یہ روایات جن میں قائم کی دو پوشیدگیوں کا ذکر ہوا ہے، یہ ہمارے نزدیک صحیح ہیں۔ پہلی غیبوبت وہ ہے جس میں امام اور مخلوق کے درمیان ظاہر موجود و متعین اشخاص مقرر کیے گئے، جن کے ہاتھوں ہر مشکل مسئلے اور الجھن کی علم، حکمت اور جواب[4] کی تشفی صادر ہوئی۔ یہ مختصر

← کو دیکھ سکے اور اس کے مطابق چلے۔ یہ روایت صرف ایک غیبوبت کا ذکر کرتی ہے۔ پھر ان کی چند روایات تاکیداً ذکر کرتی ہیں کہ وہ اس غیبوبت کے بعد ظاہر ہوجائے گا۔ کافی میں ہے کہ ام ہانی نے کہا: ’’میں نے ابوجعفر محمد بن علی سے اس فرمانِ الٰہی: ﴿فَلَآ أُقۡسِمُ بِٱلۡخُنَّسِ ۝ ٱلۡجَوَارِ ٱلۡكُنَّسِ﴾ [التكوير: ١٦۔ ١٧] کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا:

’’امام ۲۶۰ھ میں چھپ جائے گا، پھر ظاہر ہوگا، اس کی پوشیدگی کے بعد صرف اس کا ظاہر ہونا ہے اور کچھ نہیں۔‘‘ (أصول الكافي: ١/ ٣٤١)

لہٰذا سمری کے بابیت بند کرنے کے اعلان سے یہ مراد لیا جاسکتا ہے کہ ان کو اس کے قربِ ظہور کا احساس دلانا مقصود ہو، لیکن دن گزرتے گئے، سال بیتتے گئے اور وہ ظاہر نہ ہوا!

[1] الغيبة للنعماني (ص: ١١٣)

[2] دیکھیں: أصول الكافي (١/ ٣٤٠)

[3] یہ روایت گزر چکی ہے۔ دیکھیں (ص: ٣٦٩)

[4] سنت کے مبحث میں امام مزعوم سے صادر ہونے والے جوابات کے نمونے ذکر ہوچکے ہیں، جن سے جہالت اور سطحیت نمایاں ہوتی ہے۔ اگر صفحات کی تنگ دامنی اور مقصود سے دوری کا خوف نہ ہوتا تو ہم یہاں وہ مکمل جوابات نقل کرتے اور پھر ان ←

پوشیدگی ہے، جس کے دن ختم ہو چکے ہیں اور مدت پوری ہو چکی ہے۔ دوسری غیبوبت وہ ہے، جس میں سفرا اور وسیلوں کی شخصیات اٹھ گئیں۔[1]

لیکن شیعہ علما دوسری غیبوبت کے مرحلے اور مدت میں امام منتظر کی نیابت کا دعویٰ کرتے ہیں اور اس توقیع سے استدلال کرتے ہیں، جو سمری نے ان کے منتظر سے جاری کی تھی، جو انھیں تمام جدید حادثات اور نئے رونما ہونے والے واقعات میں ان کی روایات کے راویوں کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیتی ہے۔

یہ بھی قابلِ ملاحظہ امر ہے کہ اس نے ان کو کتاب وسنت کی راہ نہیں دکھائی، بلکہ علما سے رجوع کرنے کا کہا ہے۔ شیعہ علما اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے منصبِ بابیت پر براجمان ہوگئے۔ امام کی اسی نیابت کے ذریعے انھوں نے پیروکاروں کے درمیان تقدس کا مقام حاصل کر لیا اور امام کی ذات میں ان محیر العقول صفات اور کامل فضائل کو جمع کر دیا، اس لیے یہ اپنے ان علما پر ''مراجع'' اور ''آیات'' کے القاب کا اطلاق کرتے ہیں، جو نیابتِ امام کے منصب تک پہنچ چکے تھے۔ یہ امام معصوم کے مظاہر ہیں، اس لیے شیعہ کا ایک معاصر عالم یہ بات طے کرتا ہے:

''امام کے نائب کا رد کرنے والا اللہ تعالیٰ کا رد کرنے والا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کی سرحد پر کھڑا ہے، یہی عقیدہ نیابت کا تقاضا ہے۔''

شیعہ کا شیخ مظفر کہتا ہے:

''شرائطِ اجتہاد کے حامل مجتہد کے بارے میں ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ امام کی غیبوبت کی حالت میں اس کا نائب ہے۔ وہ حاکم اور رئیس مطلق ہے۔ لوگوں کے درمیان فیصلہ اور حکومت کرنے کا جو حق امام کو حاصل ہے، اس کو بھی وہی حق حاصل ہے، اس کی بات قبول نہ کرنے والا امام کے آگے انکار کرنے والا اور امام کے آگے انکار کرنے والا اللہ تعالیٰ کے آگے انکار کرنے والا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کی سرحد پر کھڑا ہے، جس طرح صادق آلِ بیت کی حدیث میں ذکر ہوا ہے۔ شرائط کا جامع اور حامل مجتہد صرف فتویٰ دینے ہی میں مرجع تقلید نہیں، بلکہ عمومی ولایت اور حکومت بھی اسی کا حق ہے۔ اس لیے کاروبارِ حکومت، مقدمات نپٹانے اور فیصلے کروانے کے لیے اسی کی طرف رجوع کیا جائے، کیوں کہ یہ اسی کا اختصاص و استحقاق ہے، اس کے علاوہ اس کی

← کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ پیش کرتے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سلسلے میں ایک مستقل تحقیق کی توفیق مرحمت فرمائے، جس میں اس پہلو کی مکمل تحقیق ہو سکے۔

[1] الغيبة للنعماني (ص: ١١٥)

اجازت کے بغیر کوئی دوسرا اس کا اہل نہیں۔ اسی طرح حدود وتعزیرات بھی اس کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں کی جائیں گی۔ ان اموال میں بھی اسی سے رجوع کیا جائے گا، جو امام کے حقوق اور اختصاصات کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔

یہ مقام یا عمومی سربراہی امام نے اس مجتہد کو عنایت کی ہے، جو تمام شرائط پر پورا اترتا ہو، تاکہ وہ اس کی غیبوبت (پوشیدگی) میں اس کا نائب بننے کا اہل ہو، اس لیے اس کو امام کا نائب کہا جاتا ہے۔''[1]

چناں چہ آپ ملاحظہ کرتے ہیں کہ شیعہ علما آلِ بیت سے یک سر، دست کش ہوگئے اور اس معدوم کے ساتھ تعلق خاطر قائم کر لیا، انھوں نے اس معدوم کے نام پر اپنے آپ کو اہلِ بیت سے امام کی جگہ پر رکھ لیا۔ یہ بہت بڑی غنیمت تھی، اس لیے انھوں نے براہِ راست بابیت کے نظریے کی ناکامی کے بعد اس پر اتفاق کرنے میں بالکل دیر نہ لگائی، جس کی وجہ سے بابیت کے منصب کے لیے جتنے اختلافات نے جنم لیا تھا، وہ سب مٹ گئے، بہت سارے شیعہ فرقے لوٹ آئے اور انھوں نے اس نظریے کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا، کیوں کہ یہ نظریہ ان تمام شیعہ رموز کو ''امام''، ''مہدی''، ''مطلق واجب الاطاعت حاکم'' اور ''اموال اکٹھا کرنے والے'' کی حیثیت دیتا ہے، جس میں ان کے ساتھ اہلِ بیت میں سے کوئی بھی شریک نہیں، جو ان کی حقیقت اور ان کے اسرار افشا کر کے ان کو رسوا کر سکے۔

منتظر کی طرف منسوب توقیع سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے شیعہ علما کو جدید مسائل میں فتویٰ دینے میں اس کی نیابت کا حق تفویض کیا ہے، کیوں کہ اس میں ذکر ہوا ہے:

''وقوع پذیر ہونے والے مسائل میں ہماری حدیث کے راویوں کی طرف رجوع کرو، جس طرح پہلے ذکر ہوا ہے، اس نے عمومی نیابت ان کے سپرد نہیں کی، لیکن شیعہ علما نے نیابت کے مفہوم کو وسعت دیتے ہوئے اتنا پھیلا دیا کہ وہ عصرِ حاضر میں خمینی کے ہاتھوں اپنے غلو اور انتہا پسندی کی چوٹی پر پہنچ گئی۔''[2]

اس سلسلے میں شیعہ کے عالم مظفر نے اپنے جس عقیدے کا اثبات کیا ہے، اس میں بھی اس کا کچھ تاثر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ پھر مہدی کی غیبوبت کبریٰ کے بعد بھی ان علما نے اس کے ساتھ تعلق اور رابطے کے بڑے لمبے چوڑے دعوے کیے، جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے۔[3]

---

[1] عقائد الإمامية (ص: ٥٧)

[2] دیکھیں: چوتھے باب کی فصل ''آیات کی حکومت''

[3] اسی کتاب کا صفحہ (۳۷۱) دیکھیں۔

اثنا عشریہ کے عقیدۂ غیوبت اور مہدیت پر تبصرہ وتنقید:

مسلم فرقے مہدی کے بالغ ہونا، اس کا سنِ رشد کو پہنچنا، امام بننا، معصوم ہونا، مہدی ہونا تو در کنار اس کی پیدائش اور وجود میں اثنا عشریہ سے اختلاف رکھتے ہیں۔ شیعہ ان تمام امور میں کسی ایک امر کو بھی کسی واضح دلیل کے ساتھ ثابت کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔[1] جس طرح ان کے عقیدے اور دلائل کے جائزے سے معلوم ہوتا ہے۔

اہلِ سنت نصوص شرعیہ، تاریخی حقائق اور عقلی دلائل سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ اثنا عشریہ کا مسئلہ غیوبت مہدی تصورات اور تخیلات کی دنیا کے علاوہ کہیں وجود نہیں رکھتا، ''کیونکہ اس کا کوئی وجود ہے نہ اس کا کوئی نشان، اس کے احساس کا کوئی وجود ہے نہ اس کی کوئی خبر ہی ہے، بلکہ دین اور دنیا دونوں میں کسی نے اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، الٹا اس کے وجود کے عقیدے نے اس قدر شر اور فساد کو جنم دیا ہے، جس کو اللہ رب العزت کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''[2]

تاریخ دانوں اور علمائے انساب نے ذکر کیا ہے کہ حسن عسکری کی کوئی نسل تھی نہ کوئی وارث۔[3]

پھر یہ کہتے ہیں کہ مہدی اپنے باپ کی موت کے بعد سرداب (کمین گاہ) میں داخل ہوگیا، اس وقت اس کی عمر حسبِ اختلافِ روایات دو، تین یا پانچ سال تھی اور اسی وقت سے وہ اپنے بچپن اور پوشیدگی کے باوجود مسلمانوں کا امام بن چکا ہے۔ حالانکہ قرآن وسنت کے واضح الفاظ اور اجماعِ امت سے ثابت ہونے والے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق واجب تو یہ تھا کہ یہ یتیم (بفرضِ وجود) اس رشتے دار کے پاس ہوتا، جو اس کی پرورش کا سب سے زیادہ حق رکھتا تھا، یا اس کا مال اس کے پاس ہوتا، جو اس کے سمجھ داری کی عمر کو پہنچنے تک اس کی حفاظت کرتا۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو شخص اپنے بدن اور اپنے مال میں تصرف کرنے کا شرعی طور پر حق نہیں رکھتا اور اس کے متعلق حکم امتناعی جاری ہوا ہے، وہ تمام مسلمانوں کا امام اور معصوم کس طرح ہوسکتا ہے کہ جس پر ایمان لائے بغیر کوئی مومن ہی نہیں ہوسکتا؟[4]

لیکن اگر وہ معدوم ہو یا اتنے طویل عرصے سے مفقود اور گم شدہ ہو تو تب اس کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟

---

[1] أبو المحاسن الواسطي: المناظرة بين أهل السنة والرافضة (الورقة: ٥٩)

[2] منهاج السنة (٤/ ٢١٣)

[3] دیکھیں: منهاج السنة (٤/ ١٦٤)

[4] منهاج السنة (٢/ ١٦٤)

حالانکہ شریعتِ اسلام میں عورت کا ولی اور سربراہ اگر گم اور پوشیدہ ہوجائے تو حاکم یا موجود سربراہ اس کا نکاح کرنے کا اختیار رکھتا ہے، تاکہ موجود ولی اور سربراہ کی گم شدگی اور پوشیدگی کی وجہ سے عورت کی مصلحت اور مفاد خطرے میں نہ پڑ جائے، تو یہ امام جو صدیوں سے مفقود ہے، اس کی پوشیدگی کی وجہ سے پوری امت کی مصلحت اور مفاد کا کیوں خیال نہ رکھا جائے؟![1]

اثنا عشریہ کے مہدی اور اس کی پوشیدگی کے بارے میں اہلِ سنت کا جو بھی موقف ہو، اس سے صرفِ نظر کرتے ہوئے جو شخص اثنا عشریہ کی معتبر کتابوں میں مہدی اور اس کی پوشیدگی کے متعلق ذکر ہونے والی عبارتوں پر کچھ تامل کرتا ہے، وہ یہ قابلِ توجہ ملحوظہ دیکھتا ہے کہ یہ دعویٰ خود شیعہ کے ہاں بھی نسبتاً متاخرہ زمانوں کے سوا کوئی قبولیت حاصل نہیں کر سکا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب اس عقیدے کی ترویج و اشاعت کے لیے شیعہ نشر و اشاعت نے از سرِ نو کام کرنا شروع کیا اور نظریہ بابیت کو کالعدم قرار دے دیا گیا، جس کے ذریعے غیبوبت کے معاملے کا انکشاف ہوا۔

اس لیے شیعہ کا عالم نعمانی، جو غیبوبت صغریٰ کا ہم عصر ہے، یہ ثابت کرتا ہے کہ چند ایک کے سوا تمام شیعہ غیبوبت کے بارے میں شک کا شکار ہیں، کیوں کہ ان کے سامنے شک کی علامات بالکل واضح اور عیاں ہیں۔ حسن عسکری کی جب وفات ہوئی تو، ان کے اعتراف کے مطابق، اس کا کوئی نشان (جانشین) دیکھا گیا نہ اس کا کوئی ظاہری طور پر لڑکا ہی معروف تھا، لہٰذا ان کا جو ترکہ سامنے آیا، اس کو ان کے بھائی جعفر اور ماں نے آپس میں تقسیم کر لیا۔[2]

شیعہ کی حدیث کی صحیح ترین کتاب ''کافی'' اور اس کے علاوہ دیگر کتب میں احمد بن عبداللہ بن خاقان[3] سے نقل کیا گیا ہے کہ اس نے کہا:

''...جب ۲۶۰ھ کو حسن عسکری کی وفات ہوئی تو ''سُر مَنْ رَأی'' میں ایک شور فغاں مچ گیا، ابن رضا کی وفات ہوگئی ہے، سلطان نے اس کے گھر اور کمرے کی تلاشی کے لیے اور گھر میں موجود تمام سامان کو مہر بند کرنے کے لیے چند افسران کو بھیجا، انھوں نے اس کے لڑکے کے نشان ڈھونڈنا شروع کر دیے۔ وہ حمل پہچاننے والی عورتوں کو بھی لے کر آیا، وہ اس کی لونڈیوں کے پاس آئیں

[1] المصدر السابق (١/ ٣٠) المنتقى (ص: ٣١) رسالة رأس الجن (ص: ٦)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (٨٧٥) دیکھیں۔

[3] یہ معتمد علی اللہ احمد بن متوکل کے عہد میں قم میں ضیاع وخراج کا امیر تھا۔ (أصول الكافي: ١/ ٥٠٣، إكمال الدين، ص: ٣٩)

اور انھوں نے ان کو جانچنا شروع کر دیا، کسی عورت نے ذکر کیا کہ ایک لونڈی حمل سے ہے، اس لونڈی کو ایک کمرے میں بند کر دیا گیا اور اس پر چند عورتوں کو نگران مقرر کر دیا گیا، اس کے بعد انھوں نے اس کی تکفین و تجہیز شروع کر دی، جب وہ اس کام سے فارغ ہوگئے تو سلطان نے ابو عیسیٰ بن متوکل کو اسکا جنازہ پڑھانے کے لیے بھیجا، جب ابو عیسیٰ اس کے قریب ہوا، تو اس نے اس کے چہرے سے پردہ ہٹایا، اس کو بنو ہاشم میں سے علویوں، عباسیوں، قائدین اور معلمین کے سامنے پیش کیا... پھر کہا: یہ حسن بن علی بن محمد رضا ہے، جو اپنے بستر پر طبعی موت سے ہمکنار ہوا، اس کے جنازے میں امیر المومنین کے خدام اور ثقہ لوگوں میں سے جو شریک ہوئے سو ہوئے، اس کے بعد اس نے اس کا جنازہ پڑھا دیا۔

اس کو دفن کرنے کے بعد سلطان اور لوگوں نے اس کے لڑکے کو تلاش کرنا شروع کر دیا اور گھروں میں کثرتِ تفتیش کا ایک دور چلا، انھوں نے اس کی وراثت کی تقسیم بھی موقوف کر دی، وہ لوگ جن کو اس لونڈی کی نگرانی پر مامور کیا گیا تھا، جس کے حاملہ ہونے کا شبہہ تھا، وہ اتنی دیر تک اس کی نگرانی کرتے رہے، جب تک اس کے حمل کا باطل ہونا واضح نہ ہوا، جب تمام لونڈیوں سے حمل کا نہ ہونا ثابت ہوگیا تو اس کے بھائی جعفر اور ماں کے درمیان اس کا ترکہ تقسیم کر دیا گیا۔"[1]

آپ دیکھ رہے ہیں کہ اثنا عشریہ نے یہ روایت ان شیعہ کے موقف کی تردید میں ذکر کی ہے، جنھوں نے حسن عسکری کی وفات کا انکار کیا اور انہی پر توقف کرنے کا مذہب اختیار کیا، لیکن اس روایت کے ضمن میں لڑکے کے دعوے کا باطل ہونا بھی ثابت ہوتا ہے، کیوں کہ حسن کے خاندان، نقابتِ اہلِ بیت اور سلطان نے علانیہ طور پر معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے لیے تحقیق کی، تا کہ اس سلسلے میں شیعہ جو گمان پیش کرتے ہیں، اس کی تردید کی جا سکے۔

یہی وجہ ہے کہ قمی اور نوبختی وغیرہ نے یہ بات پیش کی ہے کہ شیعہ حسن عسکری کی وفات کے بعد بہت سے فرقوں میں بٹ گئے، جن کی اکثریت نے لڑکے کے وجود کا سرے سے انکار کیا،[2] بلکہ بعض نے یہاں تک کہا: ہم نے ہر طرح اور ہر جہت سے لڑکے کا کھوج لگایا، لیکن ہمیں وہ نہیں ملا۔ اگر ہمارے لیے یہ دعویٰ پیش کرنا عقلاً روا ہوتا کہ حسن کا ایک پوشیدہ لڑکا ہے تو اس طرح کا دعویٰ ہر اس میت کے بارے میں کرنا بھی روا ہوتا، جو لاولد ہو، بلکہ یہ کہنا بھی درست ہوتا کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے پیچھے نبی رسول بیٹا چھوڑا ہے، کیوں کہ حسن کے لاولد

[1] أصول الكافي (١/ ٥٠٥) إكمال الدين (ص: ٤١۔ ٤٢)

[2] المقالات والفرق (ص: ١٠٢۔ ١١٦) فرق الشيعة (ص: ٩٦۔ ١١٢)

فوت ہونے کی خبر پھیلنا اسی خبر کی طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیچھے اپنا کوئی صلبی بیٹا نہیں چھوڑا، چنانچہ لڑکے کا دعویٰ لامحالہ باطل ہے۔[1]

میرے نقطۂ نظر کے مطابق اس زمینی حقیقت اور واقعاتی صورتِ حال نے شیعہ علما کو ایسی روایات وضع کرنے کی ترغیب دی، جو ان کے منتظر کے حمل اور ولادت کی پوشیدگی کو اس کے لوازم قرار دیتی ہیں، اس کے پیچھے شیعہ کے علما کی یہ کوشش تھی کہ اس مرحلے سے جان چھڑائی جائے، جس میں شیعیت کی حقیقت کھل جانے کا بہت زیادہ احتمال ہے۔

اکثر شیعہ کے اس کے انکار کے علاوہ اہلِ بیت کا بھی اس کے متعلق بڑا صریح اور فیصلہ کن موقف ہے، جو اس دعوے کے باطل ہونے کی واضح دلیل ہے۔ تاریخ طبری میں ۳۰۲ھ کے حادثات میں ذکر ہوا ہے کہ ایک آدمی نے خلیفہ مقتدر کے عہد میں یہ دعویٰ کیا کہ وہ محمد بن حسن بن علی بن موسیٰ بن جعفر ہے۔ خلیفہ نے آلِ ابی طالب کے بزرگوں کو دربار میں طلب کیا، جن میں سرفہرست نقیب آلِ ابی طالب احمد بن عبدالصمد المعروف ابن طومار تھا۔

ابن طومار نے خلیفہ سے کہا: حسن کی کوئی اولاد ہی نہیں، بنو ہاشم نے اس دعویٰ کرنے والے کے دعوے پر بہت زیادہ واویلا کیا اور انھوں نے کہا کہ اس آدمی کو سر بازار رسوا کیا جائے، سب کے سامنے اس کو پھیرایا جائے اور سخت ترین سزا دی جائے۔ چنانچہ اس کو ایک اونٹ پر سوار کیا گیا اور یوم ترویہ اور یوم عرفہ کو اس کو خوب بدنام کیا گیا، پھر اسے مغربی جانب مصریوں کی جیل میں قید کر دیا گیا۔[2]

یہ بنو ہاشم اور ان میں نمایاں بنو طالب کے نقیب کی بڑی اہم گواہی ہے، کیوں کہ یہ علویوں کے نقیب نے پیش کی ہے، جو سرکاری رجسٹر پیدایش میں اس خاندان کے نومولودوں کے نام بڑی توجہ سے درج کرواتا تھا۔[3] نیز اس گواہی کا زمانی عرصہ بھی قدیم ہے، کیونکہ یہ غیبوبتِ صغریٰ کے زمانے میں پیش ہوئی، جس میں اس لڑکے کا دعویٰ بڑی کثرت کے ساتھ کیا گیا اور بہت سارے شیعہ رموز اور سربرآوردہ علما نے اس کی بابیت کا دعویٰ کیا۔

علویوں کے نقیب اور بنو ہاشم کی گواہی کے علاوہ حسن کے تمام لوگوں سے سب سے زیادہ قریب اس کا بھائی جعفر تھا، جو تاکید اور قطعیت کے ساتھ کہتا ہے کہ اس کا بھائی بے نسل اور لاولد فوت ہوا۔[4]

شیعہ کو بھی اس کا اعتراف ہے، بلکہ وہ نقل کرتے ہیں کہ اس نے اپنے بھائی کی لونڈیوں اور بیویوں کو

---

[1] المقالات والفرق (ص: ۱۱٤۔ ۱۱۵) فرق الشيعة (ص: ۱۰۳۔ ۱۰٤)

[2] تاريخ الطبري (۱۳/ ۲۷) المطبعة الحسينية، ط الأولى، أو (۱۱/ ٤۹۔ ۵۰) من طبعة دار المعارف، تحقيق: أبو الفضل إبراهيم.

[3] محب الدين الخطيب في تعليقه على المنتقى (ص: ۱۷۳)

[4] دیکھیں: الصواعق المحرقة (ص: ۱٦۸)

محبوس کیے رکھا، تا آنکہ یہ بات ثابت ہوگئی کہ ان میں سے کوئی بھی حمل سے نہیں۔[1] اس نے ایسا دعویٰ کرنے والے کو برا بھلا کہا اور خلافتِ اسلامیہ تک اس کی سازش کی خبر بھی پہنچائی،[2] لیکن طوسی کہتا ہے کہ جعفر کی طرف سے یہ انکار ایسا شبہہ نہیں، جس پر اعتماد کیا جا سکے، کیوں کہ تمام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جعفر کوئی انبیا کی طرح معصوم نہیں کہ اس سے غلطی کا صدور ناممکن ہو اور کہا جائے کہ انکار حق ہے اور یہ دعویٰ باطل، اس سے غلطی ہونا ممکن ہے کہ جس کے لیے حق کا انکار اور باطل دعویٰ کرنا ناممکن ہو اور اس سے غلطی کا سرزد ہونا بھی نہ ممکن ہو۔[3]

طوسی یہاں جعفر کی طرف سے کیا جانے والا انکار قبول نہیں کر رہا، کیوں کہ وہ غیر معصوم ہے، لیکن طوسی اور اس کا اثنا عشری گروہ لڑکے کے اِثبات اور اس کی بابیت کے عثمان بن سعید کی طرف سے کیے جانے والے دعووں کو قبول کرتا ہے، حالانکہ وہ بھی غیر معصوم ہے، تو کیا یہ تناقض اور تضاد بیانی نہیں؟

جعفر کو کیوں جھوٹا کہا جا رہا ہے، جو حسن عسکری کا بھائی، خاندانِ آلِ بیت کا چشم و چراغ اور حسن کی وفات کے بعد خاندان کا سربراہ تھا؟ جبکہ ایک ایسے آدمی کو سچا قرار دیا جا رہا ہے، جس کا آلِ بیت کے ساتھ دور دور کا بھی واسطہ نہیں، بلکہ وہ اپنے دعوے میں بھی تہمت زدہ ہے، کیوں کہ وہ بابیت کے نام پر مال، مفادات اور جاہ و حشمت کو اپنی ذات میں سمیٹتا ہے، جو اس طرح کا آدمی ہو، کیا اس کی بات میں شک نہیں کیا جائے گا اور اس کی گواہی مسترد نہیں کی جائے گی؟

شیعہ رموز اور سربرآوردہ شخصیات کی جعفر کا بھتیجا اختراع کرنے کی کوششوں کے خلاف اس کے واضح اور صاف موقف کی وجہ سے بھی شیعہ اس سے نالاں اور تنگ تھے، بلکہ انھوں نے اس کو ''جعفر کذاب''[4] کا لقب دے رکھا تھا اور انھوں نے ایسی روایات وضع کر کے اوائل اہلِ بیت کی طرف منسوب کر دیں، جو جعفر سے صادر ہونے والے اس رویے کی پیشین گوئی اور مذمت پر مشتمل ہیں۔

چنانچہ انھوں نے سجاد کی طرف منسوب کیا ہے کہ انھوں نے کہا:

''گویا میں جعفر کذاب کو دیکھ رہا ہوں، جس نے اپنے وقت کے طاغوت اور ظالم حکمران کو اللہ تعالیٰ

---

[1] دیکھیں: الغيبة للطوسي (ص: ٧٥)

[2] سفينة البحار (ص: ١٦٢)

[3] الغيبة (ص: ٧٥)

[4] دیکھیں: ابن بابويه: إكمال الدين (ص: ٣١٢) سفينة البحار (١/ ١٦٢) أصول الكافي (١/ ٥٠٤، حاشيه: ٢) مقتبس الأثر (١٤/ ٣١٤) جعفر بن محمد کو صادق بھی اس جعفر کذاب کے مقابلے میں کہا جاتا ہے۔ (مقتبس الأثر: ١٤/ ٣١٤) چناں چہ جعفر پر اس کے آبا و اجداد اور معاصرین کے درمیان صادق کا اطلاق کرنے کا مصدر شیعہ ہے، جس کا مقصد ان کے پوتے جعفر پر تنقید و تعریض ہے۔

کے چھپے ہوئے ولی کے، جو اللہ کی حفاظت میں ہے، معاملے کی تفتیش پر مجبور کیا اور اس کی ولادت سے ناواقفیت کا اظہار کیا، اس کے پیشِ نظر یہ لالچ تھی کہ اگر وہ مل جائے تو اس کو قتل کر دیا جائے اور اس کے باپ کی وراثت ناحق حاصل کر لی جائے۔''[1]

اس روایت میں ہم یہ ملاحظہ کرتے ہیں کہ انھوں نے جعفر کو یہ الزام دیا ہے کہ اس نے وراثت ہتھیانے کے لالچ میں اس کی ولادت کا انکار کیا ہے۔ یہ تو وہی بات ہے کہ الزام ان کو دیتے تھے، قصور اپنا نکل آیا، کیوں کہ ان روایات کو بنانے والوں ہی نے لڑکے کا دعویٰ کیا اور اموال ہتھیانے کی حرص سے میں انھوں نے اس کی بابیت بھی اختراع کر لی، جس طرح پہلے ذکر ہوا ہے۔

اس روایت میں یہ بھی تناقض ہے کہ جعفر اس کی ولادت سے ناواقف ہے، پھر اس میں یہ بھی ذکر ہوا ہے کہ وہ اس کے قتل کے درپے تھا، اگر وہ اس بات ہی سے ناواقف تھا کہ کوئی لڑکا ہے تو وہ اس مجہول الوجود کے قتل کی کیوں خواہش رکھے گا۔ مزید دیکھیے کہ وہ عثمان بن سعید کا کس طرح دفاع کرتے ہیں اور جعفر کو الزام دیتے ہیں، پھر بھی آلِ محمد کے شیعہ ہونے کے دعوے دار ہیں! جعفر اکیلا ہی خاندانِ رضا کا فرد نہیں، جو اس دعوے کا انکار کرتا ہے، بلکہ شیعہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ انکار خود اس مزعوم لڑکے کے گھر والوں اور اس کے چچیرے بھائیوں کی طرف سے بھی ہوا تھا۔

چناں چہ شیعہ کتابوں میں ذکر ہوا ہے:

''اسحاق بن یعقوب[2] سے مروی ہے کہ اس نے کہا: میں نے محمد بن عثمان عمری[3] سے کہا کہ وہ میرا خط پہنچا دے، جس میں مَیں نے چند مسائل دریافت کیے ہیں، جو میرے لیے الجھن کا باعث ہیں۔''

تو مولانا صاحب الزمان[4] کے ہاتھ کا لکھا ہوا رقعہ آیا، جس میں مذکور تھا:

''تم نے یہ جو ہمارے خاندان آلِ بیت اور چچا زاد بھائیوں کے متعلق پوچھا ہے، جو میرا انکار کرتے ہیں تو جان لو! اللہ اور کسی بندے کے درمیان کوئی قرابت داری نہیں، جس نے میرا انکار کیا، وہ مجھ

---

[1] إكمال الدين (ص: ٣١٢) سفينة البحار (١/ ١٦٢)

[2] دیکھیں: یہودی نام...!

[3] اثنا عشریہ کے مہدی کا دوسرا دربان۔

[4] اگر فرض کیا جائے کہ اس کا کوئی وجود ہے تو پھر بھی ان کو کس نے بتایا ہے کہ وہ اس کی تحریر ہے؟ تحریریں تو ایک دوسرے سے مل جل جاتی ہیں، وہ آدمی جس کے ہاتھوں یہ رقعہ سامنے آیا، وہ غیر معصوم اور مشکوک ہے، کیوں کہ وہ اپنی ذات کے لیے فوائد سمیٹتا تھا، پھر اس رقعے کو محمد بن عثمان سے نقل کرنے والا بھی ایک یہودی نام ہے!!

سے نہیں، اس کی راہ نوح علیہ السلام کے بیٹے کی راہ ہے، لیکن میرے چچا جعفر اور اس کی اولاد کی راہ بالکل یوسف کے بھائیوں کی راہ ہے ...‘‘[1]

یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ لڑکے کے وجود کا انکار اس کے اہلِ بیت اور چچیروں کی طرف سے بھی ہوا تھا، جب کہ اس کے وجود کا دعویٰ باہر سے ہوا ہے، گھر سے نہیں تو دونوں میں کون تصدیق کے زیادہ قریب ہے؟ کیا اشراف آلِ بیت کو جھٹلا دیا جائے اور ایسے شخص کی تصدیق کی جائے، جس کی دین وعلم اور نسب میں کوئی شان ہے نہ مقام اور نہ پہچان؟!

یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے گھر والے اور چچا زاد صرف اس کی حفاظت کی خاطر اس کی پردہ پوشی کر رہے تھے، لیکن منتظر مزعوم کی طرف سے صادر ہونے والا رقعہ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ ان کا انکار حقیقی تھا، کیوں کہ وہ ان پر کفر میں حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کی طرح کا حکم لگا رہا ہے۔

اس کے بقول اللہ اور کسی کے درمیان کوئی قرابت داری نہیں، حالانکہ شیعہ کا سارا مذہب ہی اس بات پر قائم ہے کہ ان کے ائمہ کی رسول سے قرابت داری ہی نے یہ مرتبہ ان کے سپرد کیا ہے۔ اسی طرح ان کا جعفر کو ملعون کرنا، کذاب کا لقب دینا اور ہر عیب اور برائی کا الزام دینا، واضح طور پر دلالت کرتا ہے کہ حسن کے خاندان کا انکار حقیقت پر مبنی ہے، اس لیے اس دعوے کو پیش کرنے والوں نے ایسی روایات وضع کر لیں، جو جعفر، منتظر کے گھر والوں اور اس کے چچا زاد بھائیوں پر حملہ کرتی ہیں، ان کے انکار کی مذمت کرتی ہیں اور ان کے خلاف حسد و کینے سے لبریز ہیں۔ ان کے موقف کا اس زمانے میں اثر بھی تھا، کیوں کہ چند ایک شیعہ کے سوا تمام شیعہ اس کے بارے میں شک کا شکار ہو چکے تھے۔ شیعہ کے عالم نعمانی وغیرہ نے بھی اس کی گواہی دی ہے۔

ان تمام باتوں کے علاوہ خود حسن عسکری نے، جس کی طرف اس لڑکے کی نسبت کی جاتی ہے، اس کی نفی اور تردید کی ہے، کیوں کہ اس نے اپنے مرض الموت میں اپنی وصیت اپنی والدہ کے نام کی، اپنے اوقاف اور صدقات کی نگرانی اس کے سپرد کی اور ملک کے سرکردہ افراد اور قاضیوں کو اس پر گواہ بنایا۔ کلینی نے کافی میں یہ روایت نقل کی ہے[2] اور ابن بابویہ نے ''إكمال الدين'' [3] میں، ان دونوں کے علاوہ دوسروں نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔[4]

---

[1] إكمال الدين (ص: ٤٥١) الاحتجاج (٢/ ٢٨٣) ط: النجف ١٣٨٦هـ، و (ص: ٤٦٩۔ ٤٧٠) ط: بيروت: ١٤٠١هـ، سفينة البحار (١/ ١٦٣) مقتبس الأثر (١٤/ ٣١٦)

[2] أصول الكافي (١/ ٥٠٥)

[3] إكمال الدين (ص: ٤٢)

[4] دیکھیں: الغيبة للطوسي (ص: ٧٥)

اگر اس کا کوئی بیٹا ہوتا، جو مسلمانوں کا امام ہوتا اور ان تمام کامل اور خارق العادت صفات کا حامل ہوتا تو اس کے لیے اس کو اپنا وکیل اور نائب بنائے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا، کیوں کہ جو امت کا وکیل اور رئیس ہو، جس کا وجود کائنات اور لوگوں کے لیے امان ہو، وہ اپنی پوشیدگی کے باوجود اپنے باپ کے اوقاف اور صدقات کی نگرانی سے عاجز نہیں ہوسکتا، جب اس (حسن) نے ایسا نہیں کیا تو یہ بات اس کی دلیل ٹھہری کہ اس کا اصل میں کوئی لڑکا ہے ہی نہیں۔

حسن عسکری کی اس عملی گواہی کے ہوتے ہوئے طوسی کے اس قول کی کوئی حیثیت نہیں کہ حسن نے قصداً اپنے بیٹے کی ولادت کو پوشیدہ رکھا، تا کہ سلطانِ وقت کو اس کی خبر نہ ہو سکے۔[1] کیوں کہ یہ قول بلا دلیل دعویٰ ہے۔ ان تمام دلائل سے اس کے وجود اور اس پر مرتب ہونے والے تمام عقائد و اعمال کا باطل ہونا ثابت ہوجاتا ہے۔

یہ اہلِ سنت، اکثر شیعہ فرقوں، نقابتِ آلِ ابی طالب، خاندانِ آلِ ابو طالب، خود حسن عسکری اور اس کے بھائی جعفر کی گواہی ہے۔ یہ تمام شہادتیں اور گواہیاں اس لڑکے کے دعوے کی نفی کرتی ہیں اور ان تمام اغیار اور دور کے لوگوں کے دعوے کی بھی تردید کرتی ہیں، جنھوں نے بابیت اور اس لڑکے کو دیکھنے کا دعویٰ کیا تھا۔

اس کے وجود کے مفروضے کو تسلیم کرتے ہوئے اگر یہ بھی اضافہ کر لیا جائے کہ ہزاروں سال تک اس کا زندہ رہنا ہی ناممکن ہے تو اس دعوے کی تردید مزید ہوجاتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کی عمر میں، مخلوق کو اس کی ضرورت کے پیشِ نظر، اضافہ کرنا ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کی عمر میں اضافہ کرتا، جس طرح ابو الحسن رضا نے کہا اور یہ عجیب ہے کہ اتنی طویل مدت کے باوجود کسی کو بھی اس کے ٹھکانے کا کچھ پتا ہے نہ اس کی جگہ اور مقام ہی کا کسی کو علم ہے، پھر کوئی ایسا اس کی خبر بھی نہیں لے کر آتا، جس کی بات پر اعتماد کیا جا سکے! ہر وہ شخص جس کے لیے کسی ظالم سے اپنی جان کے خوف یا کسی دوسرے مقصد کی خاطر چھپنا ضروری ہو، اس کی چھپنے کی مدت اتنی طویل نہیں ہوتی اور وہ ہر ایک پر مخفی بھی نہیں ہوتا۔

جو امت کا پہلا ذمے دار اور پشتی بان ہو، وہ اتنی طویل مدت تک کیونکر چھپ سکتا ہے؟ کیا یہ تمام قرائن اس حقیقت کے کھلے اور روشن دلائل نہیں کہ غیبوبت کی کہانی ایک خیالی داستان ہے، جس کو زرخرید مفاد پرستوں، زندیقوں اور حاسدین نے گھڑا ہے؟ ایسے لگتا ہے کہ اس نظریے کے پسِ منظر مادی اور سیاسی مفاد اور محرک تھا۔ اموال جمع کرنے کی ہوس اور خلافتِ اسلامیہ کی سلطنت توڑنے کی کوشش اس نظریے کی اختراع کے یہ دو بنیادی اہداف تھے، اس کی دلیل یہ ہے کہ مال کی زبان شیعہ فرقوں کے (مرشدوں) میں عام اور شائع تھی اور

[1] الغیبة (ص: ٧٥)

یہ ان کے اختلاف اور تنازع کا بنیادی مصدر اور منبع تھا، خود شیعہ روایات نے بھی یہ بات محفوظ کی ہے، جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

اسی طرح ''امامت'' اور ''خلافت'' کا مسئلہ بھی ان شیعہ خفیہ تنظیموں کی زبان زدِ عام تھا اور ان کی گفتگو اسی کے محور میں گھومتی تھی، پھر پوشیدہ امام کے نظریے کی تخلیق ان کو آلِ بیت سے نجات دے سکتی تھی اور قیادت ان کے ہاتھوں میں سونپ دیتی۔

ان کو اس مقصد تک پہنچنے کے لیے غور وفکر اور بحث وتفکیر کی ذرہ بھر مشقت نہیں اٹھانی پڑی، کیوں کہ ان کو مجوسیت میں یہ بنا بنایا نظریہ مل گیا۔ مجوسی یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ان کا بھی ایک زندہ مہدی ہے جو باقی ہے اور اس کا وہ انتظار کر رہے ہیں...، جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

پانچویں فصل

رجعت (دنیا میں واپسی)

عقیدہ رجعت شیعہ مذہب کے اصول میں شمار ہوتا ہے، اس کے متعلق شیعہ کی ایک روایت میں ہے:

''وہ ہم میں سے نہیں، جو ہمارے دوبارہ آنے پر ایمان نہیں رکھتا۔''[1]

ابن بابویہ ''اعتقادات'' میں لکھتا ہے:

''رجعت کے متعلق ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ حق ہے۔''[2]

مفید کہتا ہے:

''بہت سے فوت شدگان کی رجعت کے وجوب پر امامیہ کا اتفاق ہے۔''[3]

طبرسی اور حر عاملی وغیرہ شیعہ علما کہتے ہیں:

''یہ شیعہ امامیہ کے نزدیک مقامِ اجماع ہے[4] اور ان کے مذہب کے بدیہی مسائل میں داخل ہے۔''[5]

وہ رجعت کے اقرار، اس کے اعتقاد، دعاؤں، زیارات، جمعے کے دن اور ہر وقت اس کے اعتراف کے اسی طرح مامور ہیں، جس طرح توحید، نبوت، امامت اور قیامت کے اقرار کا ان کو حکم ہے۔[6]

رجعت کا معنی:

مرنے کے بعد دنیا میں واپس آنا، رجعت کہلاتا ہے۔[7]

---

[1] کتبِ شیعہ سے اس روایت کی تخریج گزر چکی ہے۔ دیکھیں (ص:۶۴)

[2] الاعتقادات (ص: ۹۰)

[3] أوائل المقالات (ص: ٥١)

[4] الطبرسي: مجمع البيان (٥/ ٢٥٢) الحر العاملي: الإيقاظ من الهجعة (ص: ٣٣) الحويزي: نور الثقلين (٤/ ١٠١) المجلسي: بحار الأنوار (٥٣/ ١٢٣) مجلسی نے ذکر کیا ہے کہ انھوں نے تمام زمانوں میں اس عقیدے پر اجماع کیا ہے۔

[5] الإيقاظ من الهجعة (ص: ٦٠)

[6] الإيقاظ من الهجعة (ص: ٦٤)

[7] القاموس (٣/ ٢٨) مجمع البحرين (٤/ ٣٣٤)

ابن اثیر ذکر کرتے ہیں:

''یہ زمانہ جاہلیت میں عرب کے ایک گروہ کا مذہب تھا، جو ان کے ہاں معروف ومشہور تھا۔''[1]

بہت سے شیعہ فرقوں کا مذہب ہے کہ ان کے ائمہ اس دنیا میں لوٹ آئیں گے، کچھ ان کی موت کا اقرار کرتے ہیں اور اس کے بعد ان کی رجعت کے قائل ہیں، لیکن کچھ ان کی موت ہی کا انکار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انھوں نے پردہ کرلیا ہے اور عن قریب وہ دوبارہ آئیں گے، جیسا کہ غیبوبت کی مبحث میں اس کا تذکرہ ہوا ہے۔ رجعت کا نظریہ سب سے پہلے ابن سبا نے پیش کیا، البتہ وہ کہتا تھا کہ امام چھپ گیا ہے، عن قریب وہ لوٹ آئے گا اور اس نے اس کی موت تصدیق نہ کی۔

سبائی اور کیسانی وغیرہ فرقوں کے نزدیک رجعت کا عقیدہ امام کی رجعت اور واپسی کے ساتھ خاص تھا، لیکن یہ اثنا عشریہ کے نزدیک امام اور بہت سارے لوگوں کے لیے عام ہوگیا۔ علامہ آلوسی یہ ذکر کرتے ہیں کہ تیسری صدی میں شیعہ کے نزدیک رجعت کا مفہوم امام کی رجعت سے عام معنی میں تبدیل ہوگیا۔[2]

بلکہ بعض شیعہ فرقے تو رجعت کے عقیدے کو اپنانے اور اس کو غیر معمولی اہمیت دینے کی وجہ سے ''رجعیہ'' کے نام سے مشہور ہوگئے۔[3] جہاں تک اثنا عشری شیعہ کے نزدیک نظریۂ رجعت کا عام مفہوم ہے تو وہ تین اصناف پر مشتمل ہے:

صنفِ اول: جب بارھواں امام ''مہدی'' اپنی کمین گاہ سے باہر نکلے گا اور اپنی پوشیدگی سے لوٹ آئے گا اور باقی ائمہ اپنی موت کے بعد زندہ ہوں گے اور اس دنیا میں لوٹ آئیں گے۔

صنفِ دوم: وہ مسلمان حکمران اور والیانِ ریاست، جنھوں نے۔ان کی نگاہ میں۔خلافت کو اس کے شرعی حق داروں (بارہ امام) سے چھینا، چناں چہ خلفائے مسلمین کو، جن میں سر فہرست سیدنا ابوبکر، عمر اور عثمان (رضوان اللہ علیہم اجمعین) ہیں، ان کی قبروں سے اٹھایا جائے گا، وہ، جس طرح شیعہ خواب دیکھتے ہیں، اس دنیا میں لوٹائے جائیں گے، ان سے خلافت کو اس کے حق داروں سے چھیننے کی وجہ سے قصاص لیا جائے گا اور ان کو ایذائیں دے کر صلیب پر چڑھا دیا جائے گا۔

---

[1] النهاية (٣/ ٢٠٢)

[2] روح المعاني (٢٠/ ٢٧) نیز دیکھیں: أحمد أمين: ضحی الإسلام (٣/ ٢٣٧)

[3] ایک فرقے کے طور پر اس کا ذکر ابن جوزی نے تلبيس إبليس (ص: ٢٢) قرطبی نے بيان الفرق (الورقة: ٣ أ، مخطوط) صاحب الرسالة الفرقية المشهور بعالم محمد أفندي (ص: ٢، مخطوط غير مرقم الصفحات) اور سلخی نے شرح الأثنتين والسبعين فرقة (الورقة: ١٣ ب، مخطوط) میں کیا ہے۔

صنفِ سوم: عامۃ الناس، ان میں خالص ایمان کے حاملین کو مخصوص کیا جائے گا، جن میں بالعموم تمام شیعہ شامل ہیں، کیوں کہ ان کی روایت اور علما کے اقوال اس بات پر متفق ہیں کہ ایمان شیعہ کے ساتھ خاص ہے، جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے۔[1]

ان کے علاوہ جتنے لوگ ہیں، وہ سب بجز مستضعفین[2] اور کمزوروں کے خالص کافر ہیں، اسی لیے یہ رجعت کی تعریف میں کہتے ہیں:

''یہ بہت سارے مردوں کا قیامت سے پہلے دنیا میں لوٹ آنے اور مرنے کے بعد زندگی کی طرف آنے کا نام ہے۔''[3]

یہ اپنی انھیں شکلوں میں لوٹ کر آئیں گے، جو ان کی پہلے تھیں۔[4] دنیا میں جو لوٹ کر آنے والے ہیں، وہ یہ ہیں:

''نبی خاتم (ﷺ) تمام انبیا، ائمہ معصومین، خالص اسلام کے حاملین اور طبقہ جاہلیہ کے علاوہ جن کو مستضعفین سے تعبیر کیا جاتا ہے، خالص کافر۔''[5]

شیعہ کے عالم مفید کے الفاظ میں: ''جس کا ایمان میں درجہ بلند ہو چکا ہو اور جو فساد کی انتہا تک پہنچ چکا ہو، یہ تمام اپنی موت کے بعد لوٹیں گے۔''[6] اسی طرح جس نے کسی سے قصاص لینا ہو، چاہے وہ کفر میں خالص نہ بھی ہو، وہ بھی دنیا میں لوٹے گا اور اپنے قاتل سے قصاص لے گا۔[7]

رجعت عامہ کا زمانہ مفید وغیرہ کے بقول: ''مہدی آلِ محمد کے قیام کے وقت ہوگا''[8] نیز جب وہ اپنی

---

① اسی کتاب کا صفحہ (۶۱۴) دیکھیں۔

② ''مستضعفین'' شیعہ کی اصطلاح ہے، جو ان کے مصادر و مآخذ اور قدیم و معاصر علما کی زبان میں عام استعمال ہوتی ہے۔ یہ مجلسی کے قول کے مطابق، ضعیف العقل لوگ ہیں، جن میں عاجز عورتیں، کم عقل مرد، فترت اور غیوبت کے زمانے میں مرنے والے لوگ جن پر حجت مکمل نہیں ہوتی، یا ایسے علاقے اور جگہ کے مکین ہیں، جن تک حجت کی خبر نہ پہنچتی ہو۔ یہ تمام اللہ کے حکم سے امید لگائے بیٹھے ہوں گے، چاہے تو ان کو سزا دے دے یا پھر ان پر مہربانی کر دے تو ان کے لیے آگ سے نجات کی امید پیدا ہو جائے۔ (بحار الأنوار: ۸/ ۳۶۳، الاعتقادات للمجلسي، ص: ۱۰۰)

③ المفيد: أوائل المقالات (ص: ۵۱) الحر العاملي: الإيقاظ من الهجعة بالبرهان على الرجعة.

④ أوائل المقالات (ص: ۹۵)

⑤ جواد تارا: دائرة المعارف العلوية (۱/ ۲۵۳)

⑥ أوائل المقالات (ص: ۹۵)

⑦ كريم بن إبراهيم: الفطرة السليمة (ص: ۳۸۳)

⑧ دیکھیں: أوائل المقالات (ص: ۹۵) الحر العاملي: الإيقاظ من الهجعة (ص: ۵۸)

غیبوبت سے واپس آ جائے گا، لیکن شیعہ کے بعض علما کہتے ہیں کہ رجعتِ عامہ مہدی کے ظہور کے ساتھ منسلک نہیں، کیوں کہ اس کے بقول ''رجعت ظہور نہیں، اس لیے کہ ان کا امام زندہ غائب ہے اور ان شاء اللہ ظاہر ہوگا، اس نے کوئی بادشاہت سلب نہیں کی کہ اس کی طرف لوٹ کر آئے گا، رجعت کا نظریہ حضرت حسین کے دنیا میں لوٹ کر آنے سے ماخوذ ہے۔''[1]

یہ بات ان روایات کے ساتھ بھی متفق ہے، جن کے مطابق:

''سب سے پہلے جس کی قبر شق ہوگی اور جو دنیا کی طرف لوٹ کر آئے گا، وہ حسین بن علی ہوں گے۔''[2]

شیعہ کی کچھ روایات یہ بھی ذکر کرتی ہیں کہ رجعت کا آغاز حجرۂ نبویہ کو منہدم کرنے اور دونوں خلفاے راشدین کے اجسادِ مطہرہ کو نکالنے سے ہوگا، جس طرح یہ قوم خواب دیکھتی ہے۔ شیعہ کی روایات میں ذکر ہوا ہے کہ ان کا منتظر کہے گا:

''میں یثرب آؤں گا، حجرے کو گراؤں گا، اس سے ان دونوں کو نکالوں گا اور وہ تروتازہ ہوں گے، چنانچہ میں ان دونوں کو بقیع کی طرف لے جانے کا حکم دوں گا، دو لکڑیاں لگانے کا حکم دوں گا، جن پر ان دونوں کو مصلوب کر دیا جائے گا، پھر ان کے نیچے پتے بچھا دیے جائیں گے، تو لوگ پہلے سے زیادہ ان کے فریفتہ ہو جائیں گے۔ ایسے میں ایک آواز لگانے والا آواز لگائے گا، فتنہ آسمان سے ہے۔ اے آسمان پھینک دے۔ اے زمین پکڑ لے! اس دن زمین پر صرف وہی بچے گا، جو مومن (شیعہ) ہوگا اس کے بعد لوٹنا اور واپسی ہوگی۔''[3]

رجعت کا مقصد ائمہ اور شیعہ کا اپنے دشمنوں سے انتقام لینا ہے[4] اور وہ دشمن شیعہ کے سوا تمام مسلمان بجز مستضعفین (کمزور لوگ) ہیں، اس لیے شیعہ کی تلواریں مسلمانوں کو بہ کثرت قتل کرنے کی وجہ سے خون سے نہائی ہوئی ہوں گی، بلکہ ان سے خون ٹپک رہا ہوگا، بلکہ ابو عبداللہ نے تو یہاں تک کہا ہے:

''گویا میں چشمِ تصور سے حمران بن اعین اور میسر بن عبدالعزیز کو دیکھ رہا ہوں، وہ لوگوں کو صفا اور مروہ کے درمیان اندھا دھند اپنی تلواروں سے قتل کیے جا رہے ہیں۔''[5]

---

[1] كريم بن إبراهيم: الفطرة السليمة (ص: ٣٨٣)

[2] بحار الأنوار (٥٣/ ٣٩)

[3] المصدر السابق (٥٣/ ١٠٤۔ ١٠٥)

[4] دیکھیں: الإيقاظ من الهجعة (ص: ٥٨)

[5] بحار الأنوار (٥٣/ ٤٠) مجلسی نے یہ روایت مفید کی کتاب ''الاختصاص'' کی طرف منسوب کی ہے، لیکن مجھے اس کی موجودہ طبعہ میں یہ روایت نہیں مل سکی۔

اس امر میں بالکل کوئی شک نہیں کہ قتلِ عام کی جگہ کی مسجد حرام کے ساتھ تعیین کرنا، اس بات پر قطعی دلالت کرتا ہے کہ قتل سے ان کا مقصود مسلمانوں کا قتل ہے، لہٰذا یہ ہیں امامیہ شیعہ کے خواب! یہ روایت، اس بات سے قطع نظر کہ اس میں خرافاتی عنصر موجود ہے، ہمارے سامنے ان شیعہ گروہوں کے طرزِ تفکیر، ان کے اہداف اور منصوبوں کی صورت پیش کرتی ہے، جنھوں نے یہ روایات وضع کیں۔

یہ روایت سازی اس گروہ کے دل میں دبی ہوئی مذموم خواہشات اور دبائے ہوئے مبغوض رجحانات کو جواز مہیا کرنے اور پروجیکشن دینے کی کوششیں ہیں، جو امت کو تباہی سے دوچار کرنے کے لیے ہر دم سازشیں کر رہے ہیں۔ اسی طرح یہ خفیہ روایات [1] تاریخ میں قرامطیوں کے ہاتھوں حاجیوں کے حرم کے اندر قتل کے بعض واقعات کی بھی ہمارے سامنے وضاحت کرتی ہیں۔[2]

آلِ بیت کی طرف منسوب ان جیسی روایات ہی سے وہ اپنے تخریبی عنصر کو اپنا خونی کھیل کھیلنے کے لیے سندِ جواز مہیا کرتے تھے۔ یہ روایات ان خواہشات کا مدعا بھی بیان کرتی ہیں، جن کا شیعہ اس زمانے میں اظہار کیا کرتے تھے، ان روایات میں وہ مکہ اور مدینے کو فتح کرنے کی حسرت اور شوق کا کھلے عام اظہار کرتے تھے، گویا وہ کفار کے ہاتھوں میں ہیں۔[3]

اسی طرح رجعت میں حضرت حسین کے ہاتھوں لوگوں کا حساب بھی حقیقت کا روپ دھار لے گا۔ ابوعبداللہ کا کہنا ہے:

> ''وہ جو قیامت سے پہلے لوگوں کا حساب لے گا، وہ حسین بن علی ہوگا۔ قیامت کے دن تو یا جنت میں جانا ہوگا یا جہنم میں۔''[4]

رجعت میں مخلوق کی چنیدہ شخصیات، جو انبیاے کرام ہیں، حضرت علی کا لشکر بن جائیں گے، جس طرح یہ دروغ گو کہتے ہیں:

> ''ہر وہ نبی یا رسول جس کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث کیا ہے، ان تمام کو وہ دنیا میں لوٹائے گا، حتی کہ وہ امیر المومنین علی بن ابی طالب کے سامنے قتال کریں گے۔''[5]

---

[1] کیوں کہ رجعت ایک راز تھا، جیسا کہ آگے ذکر ہوگا۔

[2] دیکھیں: حوادث سنة ٣١٧ھ، في المنتظم لابن الجوزي (٦/ ٢٢٢ وما بعدها) البداية والنهاية لابن كثير (١١/ ١٦٠) و تاريخ ابن خلدون (العبر: ٣/ ١٩١)

[3] معاصر شیعہ کے باب میں ان کے الفاظ کا ذکر ہوگا۔

[4] بحار الأنوار، باب الرجعة (٥٣/ ٤٣)

[5] المصدر السابق (٥٣/ ٤١)

اسی طرح شیعہ یہ خواب بھی دیکھتے ہیں کہ رجعت میں ان کی زندگی ایسی نعمتوں سے مالا مال ہوگی، جن کا تصور بھی کسی دل میں نہیں آ سکتا، حتیٰ کہ ان کا کھانا پینا سب جنت سے ہوگا،[1] وہ اللہ تعالیٰ سے دنیا یا آخرت کی جو حاجت بھی طلب کریں گے، وہ ان کے لیے پوری کر دی جائے گی۔[2]

شیعہ فرد کو اس کی قبر میں رجعت یا قبر میں قیام کے درمیان اختیار دیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا:

''اے فلاں، تمھارا مالک (امامِ زمانہ) ظاہر ہو چکا ہے، اگر تم اس سے جا ملنا چاہتے ہو تو مل جاؤ اور اگر تم اپنے رب کی کرامت (مہمان نوازی) میں رہنا چاہتے ہو تو رہو۔''[3]

وہ شیعہ جو اس سے پہلے مر گیا تھا، اس کے لیے رجعت اس طرح ختم ہوگی کہ وہ قتل ہوگا اور جو قتل ہوا تھا وہ مر جائے گا۔ شیعہ اپنی روایات میں کہتے ہیں:

''ہر وہ مومن جو قتل ہوا، وہ ضرور بہ ضرور لوٹے گا، حتیٰ کہ مر جائے اور ہر وہ مومن جو مرا، وہ ضرور اٹھایا جائے گا، حتیٰ کہ وہ قتل ہوگا۔''[4]

ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ عقیدۂ رجعت شیعہ مذہب کے سربستہ رازوں میں سے ایک راز تھا، اسی لیے معتزلہ کے ایک عالم ابو الحسین خیاط[5] نے ذکر کیا ہے:

''یہ اس کو چھپانے، اپنی مجالس میں اس کا ذکر نہ کرنے اور اپنی خفیہ کتابوں کے علاوہ دیگر کتابوں میں بیان نہ کرنے اور عدمِ اظہار کی ایک دوسرے کو تلقین کرتے تھے۔''[6]

میں نے اثنا عشریہ کی کتابوں میں رجعت کو چھپانے کی وصیت کا، جس کا خیاط نے ذکر کیا ہے، تذکرہ پایا ہے۔ شیعہ کی بعض کتب ابو جعفر سے روایت کرتی ہیں کہ انھوں نے کہا:

''جبت اور طاغوت[7] کا ذکر نہ کرو، نہ رجعت کا نام لو، اگر وہ تم سے کہیں تم یہ کہا کرتے تھے تو کہو:

---

[1] بحار الأنوار (٥٣/ ١١٦)

[2] المصدر السابق.

[3] الغيبة للطوسي (ص: ٢٧٦) بحار الأنوار (٥٣/ ٩٢)

[4] تفسير القمي (٢/ ١٣١) البرهان (٣/ ٢١١) تفسير الصافي (٤/ ٧٦) بحار الأنوار (٥٣/ ٤٠) نیز دیکھیں: بحار الأنوار (٣٩، ٤١، ٥٣، ٧٧، ١٣٧) مزید دیکھیں: رجال الكشي (ص: ٤٠٧۔ ٤٠٨)

[5] یہ سن ۳۰۰ھ سے پہلے زندہ تھا۔ دیکھیں: معجم المؤلفين (٥/ ٢٢٣)

[6] الانتصار (ص: ٩٧)

[7] مجلسی کہتا ہے: ''دونوں ملعونوں کو یہ نام نہ دو، یا ان کے ساتھ کسی صورت تعرض نہ کرو'' (بحار الأنوار: ٥٣/ ٤٠) وہ ان الفاظ سے رسول اللہ ﷺ کے دونوں خلفا، آپ کے سسر اور دوست حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

لیکن آج ہم نہیں کہتے۔''[1]

ایک دوسری روایت میں ہے، جس کو یہ صادق کی طرف منسوب کرتے ہیں:

''جبت، طاغوت اور رجعت کا ذکر نہ کرو، اگر وہ کہیں: تم کہا کرتے تھے؟ تو کہو: اب ہم نہیں کہتے، یہ تقیے کے باب سے ہے، جس کے ساتھ اللہ کے بندے، اوصیا کے زمانے میں اس کی بندگی کرتے ہیں۔''[2]

یہ ہیں وہ خفیہ تعلیمات اور سرکلرز، جن کا شیعہ گروہ پس میں تبادلہ کیا کرتے تھے، پھر ان کو قطعیت اور قوت کا رنگ دینے کے لیے علماے آلِ بیت کی طرف منسوب کر دیتے، تاکہ نوعمر لڑکوں، عجمیوں اور تمام جاہل پیروکاروں کو دھوکا دے سکیں۔

رجعت کے لیے ان کا استدلال:

شیعہ علما رجعت کا ثبوت تلاش کرنے کے لیے، جس میں ان کا موقف تمام مسلمانوں سے ہٹ کر ہے، کتاب اللہ کی طرف متوجہ ہوئے، لیکن جب ان کو اپنا مقصد وہاں حاصل ہوتا نظر نہ آیا تو انھوں نے حسبِ عادت باطنی تاویل کا سہارا لیا اور انحراف کی پشت پر سوار ہوگئے، اس راستے میں وہ اکیلے سر پٹ چلے اور انھوں نے کلامِ الٰہی سے اپنی مراد لینے کے لیے اس قدر بے جا تکلف کا مظاہرہ کیا کہ ان کا استدلال انھی کے خلاف حجت، ان کے اعتقاد کے جعلی پن کی دلیل اور ان کے مذہب کے باطل ہونے پر برہان ثابت ہوا۔

یہاں ہم ان کی نظر میں ان کی سب سے قوی اور مشہور دلیل پیش کرتے ہیں، تاکہ یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجائے۔ شیعہ کے شیخ المفسرین کا خیال ہے کہ رجعت کی سب سے بڑی دلیل یہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَ حَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَاۤ اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ﴾ [الأنبياء: ٩٥]

''اور لازم ہے اس بستی پر جسے ہم ہلاک کر دیں کہ بے شک وہ واپس نہیں لوٹیں گے۔''

اس کے الفاظ ہیں:

''یہ آیتِ رجعت کی سب سے بڑی دلیل ہے، کیوں کہ اہلِ اسلام میں سے کوئی بھی اس بات کا منکر نہیں کہ تمام لوگ خواہ وہ ہلاک ہوئے یا نہیں ہوئے، قیامت کے دن لوٹیں گے۔''[3]

---

[1] بحار الأنوار (٥٣/ ٣٩)

[2] المصدر السابق (٥٣/ ١١٥۔ ١١٦)

[3] تفسیر القمي (٢/ ٧٦) اس نے رجعت کی اس سب سے بڑی مزعوم دلیل کا یہ عنوان باندھا ہے: ''رجعت پر دلالت کرنے والی سب سے عظیم آیت''

حالانکہ یہ آیت شیعہ کے خلاف دلیل ہے، جو دنیا میں لوٹنے کی نفی پر دلالت کرتی ہے، کیوں کہ اس کا معنی ابن عباس، ابوجعفر باقر، قتادہ اور کئی ایک مفسرین کے واضح الفاظ میں یہ ہے کہ ہر بستی کے وہ تمام باشندگان جو اپنے گناہوں کی وجہ سے ہلاک ہوئے، ان پر قیامت کے دن سے پہلے دنیا میں لوٹنا محال اور حرام ہے۔[1]

یہ آیت ان آیات کی طرح ہے:

﴿ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ [یٰسٓ:٣١]

''کیا انھوں نے نہیں دیکھا، ہم نے ان سے پہلے کتنے زمانوں کے لوگ ہلاک کر دیے کہ بے شک وہ ان کی طرف پلٹ کر نہیں آتے۔''

نیز فرمایا:

﴿ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ [یٰسٓ:٥٠]

''پھر وہ نہ کسی وصیت کی طاقت رکھیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف واپس آئیں گے۔''

یہاں ''لا'' کا اضافہ ''حرام'' میں جو نفی کا معنی ہے، اس کی تاکید کے لیے آیا ہے۔ یہ قرآنِ کریم کا بدیع، بلیغ اور انتہائی زیادہ دقیق اسلوب ہے۔ واضح الفاظ میں دنیا میں واپس نہ آنے کی خبر دینے میں یہ راز پوشیدہ ہے کہ ابدی ہلاکت اور ان کی سب سے بڑی خواہش یعنی دنیا کی زندگی کے ختم ہو جانے کی وجہ سے ان کو جو پریشانی، افسوس اور درد لاحق ہوگا، اس کا اظہار اور ابلاغ کیا جائے۔[2]

اگر رجعت کا اثبات مقصود ہے تو وہ بلاشبہہ قیامت کے دن لوگوں کا واپس آنا ہے،[3] یعنی ان کا جزا کے لیے ہماری طرف نہ لوٹنا قطعاً ناممکن ہے۔[4] خصوصیت کے ساتھ ان کے عدمِ رجوع کے ناممکن ہونے کا ذکر، اس لیے ہوا ہے، کیوں کہ دوسروں کے سوا صرف وہ لوگ دوبارہ اٹھائے جانے اور قیامت کے دن واپسی کے منکر تھے، حالاں کہ عدمِ رجوع کا ناممکن ہونا سب کو شامل ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

---

[1] دیکھیں: تفسیر ابن کثیر (٣/ ٢٠٥)

[2] تفسیر القمي (١١/ ٢٩٣)

[3] کچھ مفسرین کا یہی موقف ہے، ان کے خیال کے مطابق یہ آیت ایمان بالبعث کی تقریر اور اثبات میں ہے اور یہ پہلی آیت کا تتمہ اور اثبات ہے، جس میں ہے: ﴿كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ﴾ [الأنبياء: ٩٣] یہاں لا ''حرام'' کے ساتھ نفی کی قبیل سے ہوگا، جو اثبات پر دلالت کرتا ہے، معنی یہ ہوگا: ہلاک ہونے والی بستی پر آخرت میں عدمِ رجوع حرام ہے، بلکہ جزا و سزا کے لیے اس کا رجوع واجب اور لازمی ہے۔ لہٰذا منکرِ بعث کے موقف کی تردید مقصود ہوگی۔ دیکھیں: تفسیر القاسمي (١/ ٢٩٣)

[4] فتح القدير (٣/ ٤٢٦)

﴿ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴾ [الأنبياء: ۹۳] ''سب ہماری ہی طرف لوٹنے والے ہیں۔''[1]

علامہ آلوسی[2] کے بقول مشہور ترین آیت، جس سے امامیہ رجعت کے لیے استدلال کرتے ہیں، وہ یہ ہے:

﴿ وَ يَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا ﴾ [النمل: ۸۳]

''اور جس دن ہم ہر امت میں سے ایک جماعت اکٹھی کریں گے، ان لوگوں سے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے۔''

یہ آیت مفسرین کے بقول یومِ جزا و سزا اور یومِ حساب سے متعلق ہے، جس دن لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے،[3] لیکن یہ لوگ اس کو اپنے عقیدہ رجعت سے متعلق قرار دیتے ہیں۔

شیعہ کا شیخ شبر کہتا ہے کہ ''اس آیت کی ان کی روایات میں رجعت کے ساتھ تفسیر کی گئی ہے۔''[4]

طبرسی کہتا ہے:

''امامیہ میں سے جو رجعت کا قائل ہے، اس نے اس آیت سے اس کے صحیح ہونے پر استدلال کیا ہے، وہ اس طرح کہ کلام میں ''مِنْ'' کا آنا تبعیض (بعض، کل نہیں) کو لازم کرتا ہے، جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کچھ لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا، کچھ کو نہیں کیا جائے گا۔ یہ قیامت کے دن کی صفت اور خصوصیت نہیں، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ حَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴾ [الكهف: ٤٧]

''اور ہم انھیں اکٹھا کریں گے تو ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے۔''[5]

جہاں تک پہلے ''مِنْ'' کا تبعیض کے لیے ہونا ہے، تو یہ کلام عرب میں عام اور شائع بات ہے۔''[6]

کیوں کہ ہر امت تصدیق کرنے والے اور جھٹلانے والے کے درمیان منقسم ہے، یعنی ہر امت میں کوئی

---

[1] روح المعاني (۱۷/ ۹۱)

[2] المصدر السابق (۲۰/ ۲٦)

[3] دیکھیں: تفسير الطبري (۲۰/ ۱۷) تفسير البغوي (۳/ ٤۳۰) ابن الجوزي: زاد المسير (٦/ ۱۹٤) القرطبي: الجامع لأحكام القرآن (۱۳/ ۲۳۸) البحر المحيط لأبي حيان (۷/ ۹۸) تفسير ابن كثير (۳/ ۳۹۳) الشوكاني: فتح القدير (٤/ ۱۵۳۔ ۱۵٤ وغيرها)

[4] تفسير شبر (ص: ۳٦۹)

[5] تفسير الطبرسي (۵/ ۲۵۱۔ ۲۵۲)

[6] دیکھیں: البحر المحيط لأبي حيان (۷/ ۹۸) روح المعاني للألوسي (۲۰/ ۲٦)

تصدیق کرنے والا ہے تو کوئی جھٹلانے والا، اس دن وہ تمام انبیا کی امتوں میں سے ہر امت کو اکٹھا کرے گا یا تمام صدیوں میں سے ہر صدی کے باشندوں میں سے بہت ساری اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے والی جماعتوں کو اکٹھا کرے گا۔[1]

یہ آیت کسی صورت میں مرنے کے بعد دنیا میں واپس آنے پر دلالت نہیں کرتی، لیکن شیعہ ہر اس آیت کو، جو یومِ آخرت کے متعلق ہے اور اس میں لوگوں کا اپنے رب کی طرف لوٹنے کا ذکر ہے، اپنی عادت کے مطابق اپنے عقیدۂ رجعت پر صادق کرتے ہیں۔ جھٹلانے والوں کی اس حشر اور بعث کے ساتھ تخصیص ان کے خیال کی آبیاری اور تصدیق نہیں کرتی، کیوں کہ یہ حشر، تمام مخلوق کے مکمل اور کلی حشر کے بعد جھٹلانے والوں کو سزا دینے اور سرزنش کرنے کے لیے برپا ہوگا۔[2]

جہاں تک دوسرے "مِنْ" کا تعلق ہے تو وہ بیانیہ ہے، جو "فَوْجاً" کے بیان اور تفصیل میں ذکر ہوا ہے۔[3] اس لیے ایک معاصر شیعہ مفسر نے اس تاویل میں اپنی قوم کی گمراہی کو بھانپ لیا، چناں چہ وہ اس کی تفسیر میں کہتا ہے:

"یہاں "مِنْ" بیانیہ ہے، مکمل تبعیض کے لیے نہیں، جس طرح کہا جاتا ہے: "خاتم من حديد" (انگوٹھی؛ لوہے کی) معنی یہ ہوگا کہ امتیوں میں اللہ تعالیٰ کی آیات اور بینات کی تصدیق اور تکذیب کرنے والے دونوں گروہ ہوں گے اور وہ حساب و جزا و سزا کے لیے تمام جھٹلانے والوں کو بلا استثنا اکٹھا کرے گا، اس نے خصوصیت کے ساتھ ان کا حشر کا ذکر اس لیے کیا ہے، حالانکہ یہ حشر تمام کو شامل ہوگا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ڈرانے اور وعید دلانے کا قصد کیا ہے۔"[4]

وہ آیات جن کی یہ لوگ رجعت کے ساتھ تاویل کرتے ہیں، ان میں ایک یہ آیت بھی ہے:

﴿ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ﴾ [عبس: ١٧]

"مارا جائے انسان! وہ کس قدر ناشکرا ہے۔"

تفسیر قمی میں ذکر ہوا ہے:

---

[1] روح المعاني (٢٠/ ٢٦) نیز گذشتہ صفحے کے حاشیے میں مذکور حوالہ جات بھی ملاحظہ کریں۔

[2] دیکھیں: فتح القدير (٤/ ١٥٤) روح المعاني (٢٠/ ٢٦)

[3] روح المعاني (٢٠/ ٢٦)

[4] محمد جواد مغنية: التفسير المبين (ص: ٤٤١)

''﴿ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ﴾ [عبس: ١٧] اس سے مراد امیر المومنین ہیں۔''

وہ کہتا ہے:

''﴿مَآ اَكْفَرَهٗ﴾ یعنی اس نے کیا گناہ کیا کہ انھوں نے ان کو قتل کر دیا۔ ﴿ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ﴾ پھر اس نے اس کو فوت کیا اور قبر دی، ﴿ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ﴾ پھر جب وہ چاہے گا اس کو اٹھالے گا۔''[1]

اس نے رجعت کے متعلق کہا:

﴿ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ﴾ [عبس: ٢٣]

''ہرگز نہیں، ابھی تک اس نے وہ کام پورا نہیں کیا جس کا اس نے اسے حکم دیا۔''

یعنی امیر المومنین نے وہ فیصلہ ابھی نہیں کیا، جس کا اس نے ان کو حکم دیا تھا، وہ عن قریب آئے گا، تاکہ اس کے حکم کو نافذ کر سکے۔''[2]

یہاں چند امور قابلِ ملاحظہ ہیں:

① شیعہ کے عالم قمی نے اس آیت: ﴿ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ﴾ میں "الإنسان" کی حضرت علی بن ابی طالب کے ساتھ تاویل کی ہے، حالانکہ آیت کی نص اور سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں "الإنسان" سے مراد کافر ہے، اس لیے سلف صالحین نے اس کی تفسیر میں کہا ہے:

''کافر انسان پر لعنت ہو، وہ کتنا کافر اور ناشکرا ہے۔''[3]

تو کیا اس جیسی تاویل خفیہ انداز میں امیر المومنین کی گستاخی کے لیے تو وضع نہیں کی گئی یا یہ شیعہ کے کاملیہ[4] گروہ کے آثار کا نتیجہ ہے، جو امیر المومنین اور بقیہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر کے قائل ہیں، اور اثنا عشریہ نے

---

[1] سورة عبس [آیت: ٢١، ٢٢]

[2] تفسير القمي (٢/ ٤٠٥)

[3] تفسير الطبرسي (٣٠/ ٥٤)

[4] کاملیہ وہ لوگ ہیں، جنھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کافر قرار دیا تھا، کیوں کہ انھوں نے صحابہ کرام سے تنازع کرنا ترک کر دیا تھا۔ انھوں نے تمام صحابہ کو بھی کافر قرار دیا۔ یہ فرقہ حضرت علی کی امامت تسلیم نہیں کرتا۔
ناشی اکبر کے ہاں ان کا کمیلیہ کے نام سے ذکر ہوا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ کمیل بن زیاد کے ماننے والے تھے، اس نے بھی ان کا یہی مذہب بیان کیا ہے، جو ذکر ہوا ہے، لیکن اشعری، بغدادی اور شہرستانی کے ہاں ان کا کاملیہ کے نام سے ذکر ہوا ہے۔
اشعری کہتے ہیں: یہ ابو کامل کے پیروکار تھے۔ دیکھیں: مسائل الإمامة (ص: ٤٥) المقالات والفرق (ص: ١٤) مقالات الإسلاميين (١/ ٨٩) الفرق بين الفرق (ص: ٥٤) الملل والنحل (١/ ١٧٤)

ان کو کچھ تبدیل کر کے اپنے مذہب کا حصہ بنا لیا؟ یا پھر یہ ہے کہ اس روایت کا موجد کوئی عجمی ہے، جو قرآن کی لغت سے نابلد ہے، جو اس کے تعصب اور زندیقیت نے اس کو لکھوا دیا، اس نے اسے لکھ دیا! بہر کیف یہ تاویل دلالت کرتی ہے کہ اس عقیدے کے ماننے والے اس پر دلالت کرنے والی کسی دلیل کو تلاش کرنے میں کس قدر کم مایہ اور عاجز ہیں۔

② اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ﴾ [عبس: ٢٢] ''پھر جب وہ چاہے گا اسے اٹھائے گا۔''

بعث ونشور یعنی قیامت کے دن قبر سے اٹھائے جانے میں نص صریح ہے، لیکن اس نے اس کی رجعت کے ساتھ تاویل کی ہے، یہ ایک طرف تو صریحاً قرآنی معانی کی تحریف ہے اور دوسری طرف ان روایات کو سچا سمجھنے والے کے عقیدے کو آخرت پر ایمان سے پھیر کر اس نو ایجاد عقیدے کا گرویدہ بنا دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ بات ملاحظہ کی گئی ہے کہ غالی شیعوں کے بعض گروہوں نے آخرت پر ایمان کا انکار کر دیا اور عقیدہ تناسخ اپنا لیا۔[1]

یہ امر بھی قابلِ ملاحظہ ہے کہ اثنا عشریہ نے آخرت کے متعلق ہر نص قرآنی کو رجعت پر محمول کر دیا ہے، یہ بات پہلے ذکر ہو چکی ہے کہ یہ عادت شیعہ کے نزدیک ایک عمومی قاعدے کی شکل اختیار کر چکی ہے۔[2]

③ یہ روایات رجعت کا یہ مقصد قرار دیتی ہیں کہ حضرت علی وہ کام نہیں کر سکے تھے، جس کا اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کے احکام نافذ کرنے سے دستکش ہو چکے تھے، اس لیے انھوں نے انھیں رجعت میں نافذ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ یہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی ذات پر بہت بڑا الزام ہے۔ کیا انھوں نے اس تاویل کے ذریعے ان کو مشرکوں کے ساتھ تشبیہ دینا چاہی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی شریعت سے دور ہو چکے تھے، جب انھوں نے اپنی آنکھوں سے عذاب دیکھ لیا تو دنیا میں واپس جانے کی تمنا کی؟ یہ لوگ اہلِ بیت کے کتنے بڑے گستاخ ہیں!

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ [آلِ عمران: ١٨٥] اس آیت مبارکہ سے بھی انھوں نے رجعت مراد لی ہے، اس کی تاویل میں وہ کہتے ہیں:

''جو قتل ہوا، اس نے موت کا ذائقہ نہیں چکھا، اس کے لیے واپس آنا ضروری ہے، تاکہ وہ موت

---

[1] دیکھیں: الفرق بین الفرق (ص: ٢٧٢) نیز دیکھیں: فلهوزن: الخوارج والشيعة (ص: ٢٤٨) ترجمه: عبدالرحمن بدوي، عبدالرحمن الوكيل: البهائية (ص: ٤٥ حاشيه)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (٢٠٦) دیکھیں۔

کا ذائقہ چکھے۔‘‘[1]

یہ روایت تمام لوگوں کے لیے رجعت لازمی قرار دیتی ہے، تاکہ ہر ایک کے لیے موت اور قتل وقوع پذیر ہو سکے، جس طرح ان کا عقیدہ ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ رجعت صرف خالص ایمان اور خالص کفر والے کے ساتھ مخصوص ہے، جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے، اس طرح یہ تاویل لغتِ عرب سے بھی ناواقفیت پر مبنی ہے، جس میں قرآنِ کریم نازل ہوا ہے، کیوں کہ اس میں قتل جیسی موت کو اس موت کی قسم شمار نہیں کیا گیا، جس پر یہ آیت نص اور دال ہے، یہ ہے ان کی علمی جمع پونجی!

شیعہ بہت ساری قرآنی آیات کی اس جیسی باطنی تاویل کرتے ہیں اور شیعہ کے علما نے حسبِ عادت ان جیسی تاویلات میں کثرت دکھانے کے لیے بھرپور مقابلہ آرائی کی ہے اور ان کو پیروانِ شیعیت کے درمیان رائج کرنے کے لیے آلِ محمد ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے، مثال کے طور پر وہ آیات جن کی انھوں نے رجعت کے ساتھ تاویل کی ہے، حر عاملی کے جمع وشمار کے مطابق ۶۲ آیات ہیں۔[2]

ان آیات کی باطل اور پر تکلف تاویل انتہا کو چھو رہی ہے،[3] باوجودیکہ حر عاملی نے ان کے تمام دلائل ذکر نہیں کیے، اس نے ان آیات کے اختتام پر جن سے استدلال کیا ہے، اپنے پاس کتابوں کے نہ ہونے کا عذر پیش کیا ہے۔[4]

شیعہ انبیا کے معجزات سے بھی استدلال کرتے ہیں، جن کی کچھ تفصیل اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے، مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا یا جو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں مُردوں کو زندہ کرنے کا ذکر کیا ہے، اس سے بھی استدلال کرنا، جیسے یہ آیت ہے:

---

[1] تفسیر العیاشي (۱/ ۲۰۱) بحار الأنوار (۵۳/ ۷۱)

[2] دیکھیں: الحر العاملي: الإیقاظ من الھجعة بالبرھان علی الرجعة (ص: ۷۲۔ ۹۸)

[3] اس کے دلائل کی چند ایک مزید مثالیں سنیے۔ یہ مثالیں کسی تبصرے کی محتاج نہیں۔ درحقیقت یہ ان کی بے مائیگی اور افلاس پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ مثالیں ظاہر کرتی ہیں کہ یہ صرف اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارتے ہیں۔ حر عاملی کہتا ہے: ’’تیسرا باب: ان جملہ قرآنی آیات کے بارے میں جو رجعت کی صحت پر دلالت کرتی ہیں۔‘‘ ﴿وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا﴾ [سبأ: ۱۰] المصدر السابق (ص: ۹۲)، ﴿اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ﴾ [الروم: ۹] المصدر السابق (ص: ۹۳)، ﴿وَ یُرِیْکُمْ اٰیٰتِهٖ﴾ [البقرة: ۷۳] المصدر السابق (ص: ۹۳)، ﴿وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ اِحْسٰنًا حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا﴾ [الأحقاف: ۱۵]، المصدر السابق (ص: ۹۴)، ﴿وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ [الذاریات: ۲۲] المصدر السابق (ص: ۹۵) یہ ہے ان کے استدلال اور احتجاج کی انتہا، انھوں نے رجعت کی بدعت اور قرآنی آیات کی تحریف کو یکجا کر دیا ہے!!

[4] دیکھیں: الإیقاظ من الھجعة (ص: ۹۸)

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ هُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْیَاهُمْ ﴾ [البقرة: ٢٤٣]

''کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکلے، جب کہ وہ کئی ہزار تھے، تو اللہ نے ان سے کہا مر جاؤ، پھر انھیں زندہ کر دیا۔''[1]

گویا وہ اس اندازِ اسلوب سے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر استدلال کرتے ہیں، جو قطعاً محلِ اختلاف نہیں، کیوں کہ جو واقعات رونما ہوئے ہیں اور ان کی قطعی اور متواتر خبر ذکر ہوئی ہے، اس کا کوئی بھی انکار نہیں کرتا، جس بات کا انکار کیا جاتا ہے، وہ حساب کتاب کے دن سے پہلے مردوں کا دنیا میں جزا وسزا اور حساب کے لیے واپس آنے کا دعویٰ ہے۔

یہ وہ عظیم منکر اور قابلِ انکار دعویٰ ہے، جس کی کوئی دلیل نہیں، جس کا مقصد صرف لوگوں کے دلوں میں یومِ آخرت کی اہمیت کم کرنا ہے، وگرنہ انبیا کے معجزات اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں نشانیاں قطعاً محلِ اختلاف نہیں۔

رجعت کی صحت پر استدلال اس وقت انحراف کی آخری حدود کو چھونے لگتا ہے، جب وہ یہ طے اور ثابت کرتے ہیں کہ اس کی صحت اور ثبوت کی سب سے واضح اور ظاہر دلیل یہ ہے کہ امامیہ شیعہ کے سوا کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔[2] ان کے الفاظ ہیں:

''عامہ میں سے کوئی ایک بھی اس کی صحت کا قائل نہیں (یہ امامیہ شیعہ کے علاوہ تمام لوگ ہیں) اور ہر وہ مسئلہ جو اس طرح ہو، وہ حق ہوتا ہے۔''[3]

کیوں کہ ائمہ نے عامہ کے متعلق یہ کہا ہے:

''خدا کی قسم! جو تمھارا عقیدہ ہے، وہ اس میں کسی بات کے بھی قائل نہیں، نہ تم ہی ان کے عقیدے میں سے کسی بات کے قائل ہو، لہٰذا ان کی مخالفت کرو، ان کا دینِ حنیفیت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔''[4]

اس لیے طبرسی وغیرہ نے اشارہ کیا ہے:

''اس کے ثبوت میں، امامیہ کے اس پر اجماع پر اعتماد کیا گیا ہے۔''[5]

---

[1] دیکھیں: بحار الأنوار (٥٣/ ١٢٩) الإيقاظ من الهجعة (ص: ١٣١)

[2] الإيقاظ من الهجعة (ص: ٣)

[3] الإيقاظ من الهجعة (ص: ٦٩)

[4] المصدر السابق (ص: ٧٠)

[5] مجمع البيان (٥/ ٢٥٢) نیز دیکھیں: نور الثقلين (٤/ ١٠١) بحار الأنوار (٥٣/ ١٢٧)

اس استدلال پر درج ذیل اعتراضات ہیں۔

اجماع شیعہ کے نزدیک حجت نہیں، جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے، لہٰذا یہ اس کو عقیدہ رجعت کے ثبوت کے لیے کس طرح سب سے زیادہ قابلِ اعتماد دلیل قرار دے رہے ہیں؟ تاہم ہو سکتا ہے کہ رجعت کے معاملے میں کسی مخالف شیعہ کے قول کے نہ ہونے کو وہ معلوم (امامِ زمانہ) کے اجماع کرنے والوں کے ساتھ شریک ہونے پر دلیل بنا لیں، اس طرح اس حیثیت سے اجماع حجت ہو، کیوں کہ شیعہ کے نزدیک اجماع کی حجت اس وقت ہوتی ہے، جب وہ معصوم (امامِ زمانہ) کے قول کو ظاہر کرنے والا ہو، لیکن زیدی شیعہ ائمہ اہلِ بیت سے ایسی روایات نقل کرتے ہیں جو ان کی عقیدۂ رجعت سے براءت کا اعلان کرتی ہیں اور یہ امامیہ کی روایات کے ساتھ متعارض ہیں۔ اس لیے سچے زیدی اس دعوے کا بڑی شدت کے ساتھ انکار کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنی کتابوں میں اس کا مکمل اور اطمینان بخش رد کیا ہے۔[1]

چنانچہ امامی شیعہ کیوں کر اتنے یقین کے ساتھ رجعت کی ائمہ کی طرف نسبت کر سکتے ہیں، جب کہ خود شیعہ گروہوں میں اس کی نقل اور روایت ہی میں اختلاف ہے؟ بلکہ امامیہ میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں، جنھوں نے رجعت کا انکار کیا ہے اور اپنی ان روایات کی شیعہ ریاست کے رجوع اور واپس آنے کے ساتھ تاویل کی ہے۔[2]

ان تمام باتوں کے بعد اجماعِ شیعہ کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے اور ائمہ سے نقل و روایت میں کس حد تک سچ کا یقین کیا جا سکتا ہے؟ پھر صحابہ کرام سے بھی، جن میں حضرت علی بھی شامل ہیں، رجعت کی داستان اور بکواس کے متعلق کوئی چیز منقول نہیں، جس طرح اہلِ سنت اور زیدی شیعہ کے ماخذ کا اتفاق ہے، اگر کسی ایسی چیز کا کوئی وجود ہوتا تو وہ معروف اور مشہور ہوتا۔

اس زمانے میں رجعت کی داستان ابن سبا کی طرف منسوب کی گئی، جس طرح شیعہ کتب ثابت کرتی ہیں اور ابن سبا ان جھوٹوں میں سے ہے، جن پر ائمہ کی زبان سے لعنت کی گئی، جس طرح اثنا عشریہ کی کتابیں ذکر کرتی ہیں۔ لیکن صحابہ کے زمانے کے بعد اس کی روایت آگے بیان کرنے کے بوجھ کو جابر جعفی نے اٹھایا اور وہ اہلِ سنت کی کتابیں تو ایک طرف رہیں، خود شیعہ کی کتابوں میں بھی تہمت زدہ ہے۔[3]

---

[1] الآلوسی: روح المعاني (۲۰/ ۲۷) نیز دیکھیں: أحمد صبحي: الزيدية (ص: ۷۷)

[2] دیکھیں: مجمع البيان (۵/ ۲۵۲) بحار الأنوار (۵۳/ ۱۲۷)

[3] اسی کتاب کا صفحہ (۴۰۹) دیکھیں۔

نظریۂ رجعت پر نقد وتبصرہ:

مرنے کے بعد دنیا میں لوٹنے کا نظریہ قرآنی نص کے صریح مخالف ہے اور کتاب اللہ کی بہت ساری آیات کی دلالت سے باطل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ [المؤمنون: ٩٩۔ ١٠٠]

''یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آتی ہے تو کہتا ہے اے میرے رب! مجھے واپس بھیجو۔ تاکہ میں جو کچھ چھوڑ آیا ہوں، اس میں کوئی نیک عمل کرلوں۔ ہرگز نہیں، یہ تو ایک بات ہے جسے وہ کہنے والا ہے اور ان کے پیچھے اس دن تک جب وہ اٹھائے جائیں گے، ایک پردہ ہے۔''

یہ آیت: ﴿وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ رجعت کی مطلقاً نفی اور تردید میں بالکل صریح ہے۔[1]

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ [یٰس: ٣١]

''کیا انھوں نے نہیں دیکھا، ہم نے ان سے پہلے کتنے زمانوں کے لوگ ہلاک کر دیے کہ بے شک وہ ان کی طرف پلٹ کر نہیں آتے۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَ اَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَ نَتَّبِعِ الرُّسُلَ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ﴾ [إبراهيم: ٤٤]

''اور لوگوں کو اس دن سے ڈرا جب ان پر عذاب آئے گا، تو وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا، کہیں گے اے ہمارے رب! ہمیں قریب وقت تک مہلت دے دے، ہم تیری دعوت قبول کریں گے اور ہم رسولوں کی پیروی کریں گے۔ اور کیا تم نے اس سے پہلے قسمیں نہ کھائی تھیں کہ تمھارے لیے کوئی بھی زوال نہیں۔''

---

[1] مختصر التحفة (ص: ٢٠١)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ لَوْ تَرٰۤی اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَ سَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ﴾ [السجدة: ١٢]

''اور کاش! تو دیکھے جب مجرم لوگ اپنے رب کے پاس اپنے سر جھکائے ہوں گے اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور ہم نے سن لیا، پس ہمیں واپس بھیج، ہم نیک عمل کریں گے، بے شک ہم یقین کرنے والے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَ لَوْ تَرٰۤی اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَ لَا نُكَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا یُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴾ [الأنعام: ٢٧۔ ٢٨]

''اور کاش! تو دیکھے جب وہ آگ پر کھڑے کیے جائیں گے تو کہیں گے اے کاش! ہم واپس بھیجے جائیں اور اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلائیں اور ایمان والوں میں سے ہو جائیں۔ بلکہ ان کے لیے ظاہر ہوگیا جو وہ اس سے پہلے چھپاتے تھے اور اگر انھیں واپس بھیج دیا جائے تو ضرور پھر وہی کریں گے جس سے انھیں منع کیا گیا تھا اور بلاشبہہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔''

یہ تمام لوگ موت کے وقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے پیش کیے جانے کے وقت اور دوزخ کی آگ دیکھتے وقت واپسی کا سوال کریں گے، لیکن ان کی یہ استدعا قبول نہیں کی جائے گی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی قضا میں پہلے یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ وہ واپس نہیں آئیں گے، اس لیے اہلِ علم نے مرنے کے بعد دنیا میں لوٹ آنے کے نظریے کو شیعیت کی بدعت میں غلو کے شدید ترین مراحل میں شمار کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے:

''تشیع محبتِ علی اور ان کو صحابہ پر مقدم جاننے کا نام ہے، لیکن جو ان کو حضرت ابوبکر وعمر پر ترجیح دیتا ہے تو وہ غالی شیعہ ہے، اس پر رافضی کا لقب بولا جاتا ہے، اگر وہ ایسا نہ ہو تو وہ صرف شیعہ ہوتا ہے، اگر وہ اس کے ساتھ گالی گلوچ کا اضافہ کر لے یا کھلے لفظوں میں ان کے خلاف بغض کا اظہار کرے تو ایسا شخص غالی رافضی ہے اور اگر دنیا میں لوٹنے کا عقیدہ رکھے تو وہ غلو میں شدت پسند ہوگا۔''[1]

[1] هدي الساري مقدمة فتح الباري (ص: ٤٥٩)

مسند احمد میں ذکر ہوا ہے کہ عاصم بن ضمرہ (یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی تھے) نے حضرت حسن بن علی سے کہا: شیعہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت علی دنیا میں لوٹ کر آئیں گے؟ حضرت حسن نے جواب دیا:

''ان جھوٹوں نے جھوٹ کہا ہے۔ اگر ہمیں یہ علم ہوتا تو ان کی بیویاں نکاح کرتیں نہ ہم ان کی وراثت ہی تقسیم کرتے۔''[1]

گناہ گاروں کو سزا دینے اور نیکوکاروں کو جزا دینے کے لیے مرنے کے بعد دنیا میں واپس آنے کا نظریہ اس دنیا کے مزاج کے بھی خلاف ہے، کیوں کہ یہ دار الجزاء نہیں (دار العمل ہے)۔

﴿وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ [آل عمران: ۱۸۵]

''اور تمھیں تمھارے اجر قیامت کے دن ہی پورے دیے جائیں گے، پھر جو شخص آگ سے دور کر دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو یقیناً وہ کامیاب ہوگیا اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں۔''

اسی طرح یہ نظریہ یومِ جزا اور قیامت کے دن اٹھائے جانے کے عقیدے پر ایمان کے پہلو کو بھی کمزور کرتا ہے اور یوں لگتا ہے کہ اس کے نظریے کے خالقین کے پیشِ نظر یہی ہدف تھا۔[2]

یہ ایمانی کمزوری شیعہ کی آخرت سے متعلق آیات کی رجعت کے ساتھ تاویلات اور ان کے اثرات میں عملی طور پر نظر آتی ہے۔ شیعیت کی طرف منسوب بعض فرقوں کا اس مذہب کو اختیار کرنا آخرت کا انکار کرنا اور تناسخ کا عقیدہ رکھنا، شاید عقیدہ رجعت ہی ان تمام باتوں کا دروازہ بنا ہو۔ نیز ان کی تاویلات بھی اس کی طرف دعوت دیتی ہیں۔

بعض محققین کی رائے ہے کہ رجعت کا عقیدہ یہودی اور نصرانی موثرات اور ان ادیان کے پیروکاروں کی اثر اندازی کے ذریعے شیعیت میں داخل ہوا۔[3] شیعہ کے ایک معاصر عالم شیخ صادقی نے یہ نتیجہ پیش کیا ہے کہ اس کی قوم کا نظریہ رجعت اصل میں یہودی کتابوں میں وارد روایات کی طرف لوٹتا ہے۔[4] پھر اس نے اس امر کو شیعہ

---

[1] مسند أحمد (۲/ ۳۱۲) رقم الحدیث (۱۲۶۵) احمد شاکر نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ نیز دیکھیں: طبقات ابن سعد (۳/ ۳۹)

[2] بعض نے ذکر کیا ہے کہ ابن سبا نے رجعت کے اثبات اور آخرت کے ابطال کا نظریہ پیش کیا۔ السکسکي: البرھان (ص: ۵۰)

[3] دیکھیں: گولڈزیہر: العقیدۃ والشریعۃ (ص: ۲۱۵) أحمد أمین: فجر الإسلام (ص: ۲۷۰) محمد عمارۃ: الخلافۃ (ص: ۱۵۹)

[4] اس نے بعض یہودی عبارات بھی درج کی ہیں اور انھیں دانیال کی کتاب (۱۲/ ۱۔ ۳۱) کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

کے لیے بشارت قرار دیا ہے۔[1]

شیعہ اور اہلِ سنت دونوں کی کتابیں نقل کرتی ہیں کہ ابن سبا یہودی کا نظریہ رجعت میں اساسی کردار تھا، لیکن وہ رجعت صرف حضرت علی تک محدود تھی، اسی طرح وہ اصل میں ان کی موت ہی کی تردید کرتا تھا، جس طرح اثناعشریہ اپنے مہدی کے متعلق عقیدہ رکھتے ہیں، جس کے وجود کے وہ دعویدار ہیں۔ لیکن ایسے لگتا ہے کہ اس کے مفہوم میں عمومیت پیدا کرنے، اس کو پھیلانے اور قرآنِ کریم کی آیات کی اس کے ساتھ تاویل کرنے کا بیڑا جابر جعفی نے اٹھایا، اسی لیے شیعہ روایات اس کی رجعت کے مسئلے میں فقاہت کی مدح کرتی ہیں۔ تفسیر قمی میں ذکر ہوا ہے کہ ابوجعفر نے کہا:

''اللہ جابر پر رحم کرے۔ اس کی فقہ اس درجے تک پہنچی ہوئی تھی کہ وہ اس آیت: ﴿اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ﴾ [القصص: ۸۵][2] کی تاویل جانتا تھا اور وہ اس سے رجعت مراد لیتا تھا۔''[3]

امامیہ کا عقیدہ رجعت ۔بقول سویدی رحمہ اللہ ۔ دین کے بداہتاً اور ضرورتاً معلوم امور کے خلاف ہے۔ دین کے معلوم عقیدے کے مطابق قیامت کے دن سے پہلے کوئی حشر نہیں ہوگا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے جہاں کہیں بھی کسی کافر یا ظالم کو دھمکایا ہے، اس کو قیامت کے دن کے ساتھ ہی دھمکایا ہے۔[4]

اسی طرح یہ عقیدہ ان آیات اور متواتر احادیث کے بھی خلاف ہے، جو کھلے الفاظ میں ذکر کرتی ہیں کہ قیامت سے پہلے دنیا کی طرف رجوع نہیں۔[5] لیکن امامیہ کے علما اسی نظریے پر کاربند ہیں اور وہ اس مسئلے میں اپنے امت سے انحراف اور شذوذ کو اس کے صحیح ہونے کی دلیل خیال کرتے ہیں۔ ﴿اَلشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ وَاَمْلٰی لَهُمْ﴾ [محمد: ۲۵] ''شیطان نے ان کے لیے (ان کا عمل) مزین کر دیا اور ان کے لیے مہلت لمبی بتائی۔''

---

1. دیکھیں: رسول الإسلام في الكتب السماوية (ص: ۲۳۹۔ ۲۴۱)
2. امام ابن کثیر اس کی تفسیر میں کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو رسالت پہنچانے اور لوگوں کو قرآن سنانے کا حکمیہ انداز میں ذکر کر رہے اور یہ خبر دے رہے ہیں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاد کی طرف، جو آخرت کا دن ہے، لوٹائیں گے اور جو نبوت کا بوجھ آپ کے سپرد کیا تھا، اس کے متعلق پوچھیں گے۔ ﴿فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ﴾ کا معنی ہے تم پر اس کا لوگوں تک پہنچانا فرض کیا گیا ہے۔ (ابن کثیر: ۳/ ۴۱۹) انھوں نے معاد کی تفسیر میں اور بھی اقوال ذکر کیے ہیں، جو تمام ان کے بقول قیامت کے ساتھ تفسیر ہی کے ہم معنی ہیں۔ تفسير ابن كثير (۳/ ۴۲۰) آیت کی تفسیر دیکھنے کے لیے مزید دیکھیں: تفسير الطبري (۲۰/ ۱۲۳۔ ۱۲۶) تفسير البغوي (۳/ ۴۵۸۔ ۴۵۹) زاد المسير (۶/ ۲۴۹۔ ۲۵۱)
3. تفسير القمي (۲/ ۱۴۷)
4. لیکن شیعہ ہر غیر شیعہ کو رجعت کے ساتھ دھمکاتے ہیں۔
5. السويدي: نقض عقائد الشيعة (ص: ۱، مخطوط)

چھٹی فصل

ظہور

یعنی ائمہ کا اپنی موت کے بعد بعض لوگوں کے سامنے ظاہر ہونا، پھر اپنی قبروں میں لوٹ جانا ہے۔ یہ عقیدۂ رجعتِ ائمہ کے علاوہ ہے، مجلسی نے اس عنوان: ''باب: وہ اپنی موت کے بعد ظاہر ہوتے ہیں اور ان سے عجیب وغریب امور کا ظہور ہوتا ہے۔''[1] کے تحت ایک بات قائم کیا ہے۔

لہٰذا ائمہ اپنی موت کے بعد ظاہر ہوتے ہیں اور ان کو بعض لوگ دیکھتے بھی ہیں۔ یہ ظہور رجعت کی طرح کسی متعین وقت کے ساتھ مخصوص اور منسلک نہیں، بلکہ وہ ائمہ کے ارادے کے تابع ہے۔ انھوں نے امیر المومنین حضرت علی کی طرف یہاں تک منسوب کیا ہے کہ انھوں نے کہا:

''ہم میں سے جو مرتا ہے، وہ مردہ نہیں ہوتا۔''

شیعہ کی کہانیاں ذکر کرتی ہیں کہ ''ابوالحسن رضا اپنے باپ سے اس کی وفات کے بعد بھی ملا کرتا تھا اور اس سے وصیتیں اور اقوال حاصل کیا کرتا تھا۔''[2]

بعض شیعہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ابوعبداللہ کے پاس حاضر ہوا تو اس (ابوعبداللہ) نے کہا:

''کیا تم ابوجعفر کو (اس کی موت کے بعد) دیکھنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: میں نے کہا: ہاں، اس نے کہا: کھڑا ہو جا اور گھر داخل ہو جا، میں گھر داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں ابوجعفر موجود ہیں۔''[3]

ایک دوسرے شیعہ کا دعویٰ ہے:

''وہ ابوالحسن کے پاس حاضر ہوا، تو انھوں نے اس سے کہا: کیا تم ابوعبداللہ کو دیکھنا پسند کرو گے، اس نے کہا: بخدا میں چاہتا ہوں، تو انھوں نے کہا: جا اور اس گھر میں داخل ہو جا، میں گھر میں داخل ہوا

---

[1] بحار الأنوار (٢٧/ ٣٠٣۔ ٣٠٤) بصائر الدرجات (ص: ٧٨)

[2] بحار الأنوار (٢٧/ ٣٠٣) بصائر الدرجات (ص: ٧٨)

[3] بحار الأنوار (٢٧/ ٣٠٣) بصائر الدرجات (ص: ٧٨)

تو وہاں ابو عبداللہ بیٹھے ہوئے تھے۔‘‘[1]

عبداللہ نے، ان کے الزام کے مطابق، کہا:

’’شیعہ کی ایک جماعت امیر المومنین کے قتل کے بعد حسن بن علی کے پاس آئی اور انھوں نے ان سے ان کے متعلق پوچھا، تو حضرت حسن نے کہا: جب تم امیر المومنین کو دیکھو گے تو کیا انھیں پہچان لو گے؟ انھوں نے اثبات میں جواب دیا تو پھر حضرت حسن نے کہا: پردہ اٹھاؤ، انھوں نے پردہ اٹھایا تو ان کے سامنے امیر المومنین تھے، انھوں نے ان کو پہچان لیا۔‘‘[2]

بلکہ ان کا یہ عقیدہ پھیلتے پھیلتے اس دعوے تک جا پہنچا ہے کہ پہلی امتوں کے مردے بھی ان کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں۔ بصائر الدرجات میں ذکر ہوا ہے، عثمان بن عیسیٰ، اس سے بیان کرتا ہے، جس نے اس کو بتایا!! (یہ کون ہے؟) وہ عبایہ اسدی سے نقل کرتا ہے، اس نے کہا: میں امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کے پاس ایک پراگندہ حال شخص بیٹھا ہوا تھا اور امیر المومنین اس کے ساتھ محوِ گفتگو تھے، جب وہ آدمی چلا گیا تو میں نے کہا: امیر المومنین! یہ کون تھا، جس کے ہوتے ہوئے آپ نے ہم پر کوئی توجہ نہیں دی؟ انھوں نے کہا:

’’یہ موسیٰ علیہ السلام کے وصی تھے۔‘‘[3]

شیعہ کی روایات دعویٰ کرتی ہیں:

’’حضرت علی یہودیوں کے قبرستان جایا کرتے تھے۔ وہ اہلِ قبور سے مخاطب ہوتے تو انھوں نے ان کو قبروں کے اندر سے جواب دیا: لبیک لبیک آپ قابلِ اطاعت ہیں، ہم حاضر ہیں، ہم حاضر ہیں، آپ ہمارے مطاع ہیں، تو امیر المومنین نے کہا: تم عذاب کو کس طرح دیکھتے ہو؟ انھوں نے کہا: تیری نافرمانی کی وجہ سے ہارون کی طرح ہم اور جس نے تیری نافرمانی کی، وہ سب عذاب میں ہیں....‘‘[4]

اسی طرح شیعہ کی روایات یہ دعویٰ بھی کرتی ہیں:

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی موت کے بعد ابوبکر کو علی کی اطاعت کرنے کا حکم دینے کے لیے ظاہر ہوئے۔‘‘[5]

---

[1] بحار الأنوار (٢٧/ ٣٠٤) بصائر الدرجات (ص: ٧٨)

[2] المصدر السابق.

[3] بصائر الدرجات (ص: ٨١) بحار الأنوار (٢٧/ ٣٠٥)

[4] كنز الفوائد (ص: ٨٢) بحار الأنوار (٢٧/ ٣٠٦)

[5] دیکھیں: بحار الأنوار (٢٧/ ٣٠٤) بصائر الدرجات (ص: ٧٨)

نیز شیعہ کا دعویٰ ہے:

''ہر حج کے موسم میں ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ائمہ کے سامنے جمرات کو کنکر مارنے کے اثنا میں ظاہر ہوتے ہیں اور وہ ان کو کنکر مارتے ہیں۔''[1]

اس لیے محمد باقر نے ۔ان کی افترا پردازی کے مطابق۔ جمرات کی جگہ کے علاوہ پانچ کنکر مارے، جب ان سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا:

''ہر حج کے موسم میں دونوں غاصب فاسقوں کو نکالا جاتا ہے، پھر یہاں ان دونوں کو جدا کر دیا جاتا ہے، ان کو امام عادل کے سوا کوئی نہیں دیکھ پاتا، لہٰذا میں نے پہلے کو دو کنکر مارے اور دوسرے کو تین، کیوں کہ دوسرا پہلے سے زیادہ بڑا خبیث ہے۔''[2]

اس نظریے کے متعلق یہ ان کی چند روایات ہیں۔مجلسی نے ذکر کیا ہے کہ اس نے اس باب کی اکثر روایات، باب البرزخ، باب کفر الثلاثۃ، باب کفر معاویہ، ابوابِ معجزاتِ امیر المومنین، و دیگر ائمہ میں نقل کی ہیں۔[3]

ان کی اس خرافت اور بکواس کے متعلق روایات کافی تعداد میں ہیں۔مجلسی نے ذکر کیا ہے کہ یہ ظہور ان کے اصلی جسموں میں بھی ہوسکتا ہے، پھر کہتا ہے:

''ایک دین دار مسلمان کے لیے ان امور پر اجمالی ایمان لانا ہی کافی ہے، جو ان سے نقل ہوئے ہیں اور ان کی تفاصیل کا علم انھی کی طرف لوٹانا چاہیے۔''[4]

اس نظریے پر تبصرہ:

میں نے کسی محقق کو نہیں دیکھا، جس نے شیعہ کے عقائد کے ضمن میں اس پر بھی خامہ فرسائی کی ہو، حالاں کہ یہ ان کے ان افکار اور نظریات میں سے ہے، جن کی روایات ان کے نزدیک مشہور اور بے شمار ہیں، اس نظریے اور فکر کو محض ذکر کر دینا اس کے بطلان کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔

یہ کسی صورت صحیح نقل، صریح عقل اور فطرتِ سلیمہ کے ساتھ میل نہیں کھاتا۔ یہ نظریہ خود شیعہ مذہب پر سب سے بڑی جرح اور تنقید ہے اور اس کو خرافاتی مذاہب کی صفوں میں شامل کرتا ہے، جو جملہ انسانیت کے

---

[1] دیکھیں: بحار الأنوار (۲۷/ ۳۰۵۔ ۳۰۶) بصائر الدرجات (۷۸)

[2] بحار الأنوار (۲۷/ ۳۰۵۔ ۳۰۶) بصائر الدرجات (۸۲)

[3] بحار الأنوار (۲۷/ ۳۰۷)

[4] بحار الأنوار (۲۷/ ۳۰۷)

ذہنوں میں پرورش پاتے ہیں۔

یہ نظریہ ان بہت سارے نظریات اور افکار کے ضمن میں داخل ہے، جو اس مذہب کے باطل ہونے کی براہین اور دلائل سمجھے جاتے ہیں، جیسے نظریہ غیوبت، عقیدۂ رجعت اور بدا وغیرہ ہیں۔ اس نظریے کے متعلق ان کی روایات کی کثرت ایک واقعاتی، حقیقی اور فیصلہ کن دلیل ہے، جو ان کے مذہب میں جھوٹ کے عام اور مستفیض ہونے پر دلالت کرتی ہے، لہٰذا ان روایات کی کوئی قدر و قیمت ہے نہ یہ صحیح ہی ہیں، چاہے یہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو جائیں۔ جب تک یہ ایسے خرافاتی نظریات اور انکار کی تائید میں کثیر تعداد میں ہوں گی، جن کی حقیقت تکذیب کرتی ہو۔ اگر ان امور میں کوئی چیز بھی رونما ہوتی تو مسلمانوں کے درمیان اس کی نقل اور خبر مشہور ہوتی اور صرف شیعہ کی ایک چھوٹی سی جماعت اسے نقل کرنے میں اکیلی نہ ہوتی۔

قیامت کے دن سے پہلے مردوں کی واپسی نقل اور اجماعِ مسلمین کی رو سے باطل ہے، جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ یہ خرافات ان کی ان رسوائیوں اور شرمناکیوں میں شمار ہوتی ہیں، جو ان کے مذہب میں موجود ہیں۔ ہوسکتا ہے، اس میں پروردگارِ عالم کی یہ حکمت پنہاں ہو کہ جب کسی قوم نے اللہ تعالیٰ کی طرف کسی ایسے دین کو منسوب کرنا چاہا، جو اس نے نہیں اتارا تو اس نے ان کو سر بازار اور علی رؤس الاشہاد رسوا کر دیا۔ احوال واقعات اور تاریخ اسی امر کو ثابت کرتی ہے۔

ساتویں فصل

عقیدۂ بدا (انکشاف)

اللہ تعالیٰ کے لیے بدا یعنی ظہورِ علم کا نظریہ بھی اثنا عشریہ کے اصول میں شامل ہے، اس کے متعلق انھوں نے حد سے زیادہ مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے، ان کا اصول ہے:

''اللہ تعالیٰ کی کسی ایسی چیز کے ساتھ عبادت نہیں کی گئی جو بدا جیسی عظیم ہو۔''[1]

''اللہ تعالیٰ کی بدا سے بڑھ کر کسی چیز سے تعظیم نہیں کی گئی۔''[2] اگر لوگوں کو نظریہ بداء کے اجر کا علم ہو جائے تو وہ اس کے بارے میں کلام کرنے سے بھی تھکاوٹ محسوس نہ کریں۔[3] اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھیجا ہے، اس کو شراب کی حرمت اور اللہ تعالیٰ کے لیے بدا کے اقرار کی شریعت دے کر بھیجا ہے۔[4]

ایسے لگتا ہے کہ اثنا عشریہ میں اس عقیدے کی بنیاد ان کے ثقۃ الاسلام کے لقب سے معروف عالم کلینی (المتوفی ۳۲۸ یا ۳۲۹ھ) نے رکھی ہے، کیوں کہ اس نے اس عقیدے کو ''الکافی'' میں اصول (بنیادی عقائد) کی قسم میں رکھا اور اس کو کتاب التوحید کے ضمن میں ذکر کیا ہے اور ''باب البداء'' کے عنوان سے باب باندھا ہے، اس میں اس نے ائمہ کی طرف منسوب ۱۶ احادیث درج کی ہیں۔

اس کے بعد ابن بابویہ (المتوفی ۳۸۱ھ) آتا ہے، اس نے بھی اس کو اپنے گروہ کے عقائد کے ضمن میں درج کیا اور اس کے لیے اپنی کتاب ''الاعتقادات'' میں، جس کو امامیہ کا دین کہا جاتا ہے،[5] ''باب البداء'' کے نام سے خاص باب قائم کیا۔ کتاب التوحید میں بھی اس نے ایسے ہی کیا ہے۔[6]

---

[1] أصول الكافي، كتاب التوحيد، باب البداء (١/ ١٤٦) ابن بابويه: التوحيد، باب البداء (ص: ٣٣٢) بحار الأنوار، كتاب التوحيد، باب البداء (٤/ ١٠٧)

[2] أصول الكافي (١/ ١٤٦) التوحيد لابن بابويه (ص: ٣٣٣) بحار الأنوار (٤/ ١٠٧)

[3] أصول الكافي (١/ ١٤٨) التوحيد لابن بابويه (ص: ٣٣٤) بحار الأنوار (٤/ ١٠٨)

[4] المصدر السابق.

[5] الاعتقادات (ص: ٨٩)

[6] التوحيد (ص: ٣٣١)

شیعہ کے عالم ملا باقر مجلسی (المتوفی ۱۱۱۱ھ) نے بدا کے مسئلے کو خصوصی اہمیت دی اور اپنی کتاب "بحار الأنوار" میں "باب النسخ والبداء" کے نام سے باب باندھا، اس میں اس نے اپنی ائمہ سے منقول ۷۰ روایات درج کیں۔[1]

اسی طرح شیعہ معاصرین کی عقیدے کی کتابوں کے ضمن میں بھی اس نظریے کا ذکر ہوا ہے۔ نیز ان کے علما نے اس کے متعلق مستقل کتابیں تحریر کی ہیں، جن کی تعداد "الذريعة" کے مطابق ۲۵ ہے۔[2]

شاید ایک مسلمان قاری اس عقیدے کے متعلق تعجب کا اظہار کرے کہ جس کو نہ مسلمان پہچانتے ہیں نہ اس کا کتاب وسنت ہی میں کہیں کوئی سراغ ملتا ہے، یہ اتنا اہم ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی چیز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کی گئی۔ یہ رسولوں کی رسالتوں کے اصول میں داخل ہے اور اس کا اتنا زیادہ اجر ہے کہ اگر مسلمانوں کو اس کا علم ہو جائے تو یہ ان کی زبانوں پر ایسے ہی جاری ہو جائے، جس طرح توحید کی شہادت ان کی زبانوں پر جاری رہتی ہے!

اگر آپ بدا کا معنی معلوم کرنے کے لیے عربی لغت کی طرف رجوع کریں تو القاموس کے مطابق: "بدا، بدوا، بدوًّا اور بداءۃ کا معنی ہے: ظاہر ہونا۔ بدا له في الأمر بدواً، وبداءً، وبداة کا معنی ہوگا اس معاملے میں اس کی رائے پیدا ہوئی ہے۔[3]

چنانچہ بدا کے لغت میں دو معانی ہیں:

- خفا کے بعد ظاہر ہونا۔ عربی میں کہا جاتا ہے: "بدا سور المدينة" شہر کی فصیل ظاہر ہوئی۔
- نئی رائے پیدا ہونا۔ فراء کا قول ہے: "بدا لی بداء" یعنی میرے لیے ایک دوسری رائے سجھائی دی۔ جوہری کا قول ہے: "بدا له في الأمر بداء" یعنی اس کی اس معاملے میں نئی رائے پیدا ہوئی۔[4]

یہ دونوں معانی قرآنِ کریم میں بھی وارد ہوئے ہیں۔ پہلی مثال یہ آیت ہے:

﴿ وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ [البقرة: ٢٨٤]

''اور اگر تم اسے ظاہر کرو جو تمھارے دلوں میں ہے، یا اسے چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔''

---

[1] بحار الأنوار (٤/ ٩٢۔ ١٢٩)

[2] مثال کے لیے دیکھیں: المظفر: عقائد الإمامية (ص: ٦٩) الزنجاني: عقائد الإمامية الاثنى عشرية (١/ ٣٤)

[3] القاموس المحيط، مادة: بدو (٤/ ٤٠٢)

[4] الصحاح (٦/ ٢٢٧٨) و لسان العرب (١٤/ ٦٦) اسی معنی کو شیعہ کی کتابوں میں دیکھیں: مجمع البحرين للطريحي (١/ ٤٥)

دوسرے معنی کی مثال یہ آیت ہے:

﴿ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ﴾ [يوسف: ۳۵]

''پھر اس کے بعد کہ وہ کئی نشانیاں دیکھ چکے، ان کے سامنے یہ بات آئی کہ اسے ایک وقت تک ضرور ہی قید کر دیں۔''

لہٰذا معلوم ہوا کہ بدا دونوں معانی میں پہلے جہالت کے ہونے اور نئے علم کے ظاہر ہونے کو مستلزم ہے اور اس کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنا سب سے بڑا کفر ہے۔ خدا معلوم کس طرح اثنا عشریہ شیعہ اس کو عظیم ترین عبادت قرار دیتے اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ بدا سے بڑھ کر کسی چیز سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم نہیں ہوسکتی۔ سبحانك هذا بهتان عظيم!

یہ منکر اور قابلِ مذمت مفہوم یہودیوں کی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ تورات میں، جس میں یہودیوں نے اپنی خواہشات کے مطابق جس طرح چاہا تحریف کی، صریح اور صاف صاف عبارتیں ذکر ہوئی ہیں، جو بدا کے مفہوم کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے پر مشتمل ہیں۔[1]

یوں لگتا ہے کہ ابن سبا یہودی نے اس نظریے کا، جس کا دودھ اس نے اپنی تورات سے پیا، اسلامی معاشرے میں پھیلانے کی کوشش کی اور شیعیت اور ولایتِ علی کی دعوت کی چھتری تلے معاشرے کو متاثر کرنا چاہا، اس لیے سبائی فرقے کے تمام افراد بدا کے قائل اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کئی بدا ظاہر ہوتے ہیں۔[2]

اس کے بعد یہ نظریہ ''کیسانیہ''، ''مختاریہ'' کی طرف منتقل ہوگیا، جو مختار بن عبید ثقفی کے ماننے والے

---

[1] تورات میں ذکر ہوا ہے: ''رب نے دیکھا کہ زمین پر لوگوں کی برائی بہت زیادہ ہوگئی ہے، تو رب زمین پر انسان کو پیدا کرنے پر نادم ہوا اور اس نے اپنے دل میں بڑا دکھ محسوس کیا۔ رب نے کہا: میں انسان کو ضرور زمین سے مٹا دوں گا، جس کو میں نے پیدا کیا ہے ....'' (کتاب تکوین، چھٹی فصل، آیت: ۵)

یہ اور اس جیسا باطل معنی ان کی تورات میں مکرر ذکر ہوا ہے۔ (دیکھیں: کتاب خروج، فصل ۳۲، آیت ۱۲ اور ۱۴، کتاب قضاۃ، دوسری فصل، آیت: ۱۸، صموئیل کی پہلی کتاب، فصل ۱۵، آیت: ۱۰، ۳۴، صموئیل کی دوسری کتاب، فصل ۲۴، آیت: ۱۶، کتاب اخبار الایام الاول، فصل ۲۱، آیت: ۱، کتاب ارمیا، فصل ۴۲، آیت: ۱۰، کتاب عاموس، فصل ۷، ۱، آیت: ۳، کتاب یونان، فصل: ۳، آیت: ۱۰، وغیرہ)

یہ یہودیوں کی تورات میں ذکر ہوا ہے، حالاں کہ وہ نسخ کا انکار کرتے ہیں، کیوں کہ یہ ان کے گمان کے مطابق بدا کو مستلزم ہے۔ (دیکھیں: مسائل الإمامية، ص: ۷۵، مناهل العرفان: ۲/ ۷۸) ان کے تناقض، حق کو رد کر دینے اور باطل کو قبول کرنے کی سوچ دیکھیے!

[2] الملطي: التنبيه والرد (ص: ۱۹)

ہیں۔ یہ فرقہ اس نظریے کو بہ طورِ عقیدہ اختیار کرنے اور اس کو بہت زیادہ اہمیت دینے میں مشہور ہے۔

افکار و نظریات کی کتابوں کے مولفین ذکر کرتے ہیں کہ وہ سبب جس کی وجہ سے کیسانیہ نے اللہ تعالیٰ کے لیے بدا کو جائز قرار دیا، یہ تھا کہ مصعب بن زبیر نے مختار اور اس کے ماننے والوں کی سرکوبی کے لیے ایک طاقتور لشکر بھیجا۔ مختار نے ان کے خلاف لڑنے کے لیے احمد بن شمیط کو تین ہزار لڑکے دے کر بھیجا اور ان سے کہا: مجھے وحی ہوئی ہے کہ کامیابی تمھارے ساتھ ہوگی، لیکن ابن شمیط کو شکست کا سامنا کرنا پڑا (یہ مختار کا ایک سالار تھا، جو ۶۷ھ کو قتل ہوا) وہ واپس آئے اور انھوں نے اس سے کہا: وہ فتح کہاں ہے جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا تھا؟

مختار نے جواب دیا: اس نے میرے ساتھ ایسے ہی وعدہ کیا تھا، پھر اس کے لیے کچھ اور ظاہر ہوا، کیوں کہ اس نے کہا ہے:

﴿ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ﴾ [الرعد: ٣٩]

''اللہ مٹا دیتا ہے جو چاہتا ہے اور ثابت رکھتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے۔''[1]

چنانچہ جس طرح آپ نے ملاحظہ کیا کہ اس کا سبب یہ تھا کہ مختار علمِ غیب اور مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات کے علم کا دعویٰ کرتا تھا، لیکن جب اس کی پیشین گوئی کے خلاف حادثہ رونما ہوا تو اس نے کہا: تمھارے رب کو بدا ہوا ہے، یعنی اس کے لیے اب یہ علم ظاہر ہوا ہے۔

یہ مفہوم آپ کو اثنا عشریہ کی روایات میں بھی ملے گا، انھوں نے بھی اپنے ماننے والوں کے درمیان یہ مشہور کر رکھا تھا:

''ان کے ائمہ ''ما کان'' اور ''ما یکون'' کا علم رکھتے ہیں اور ان پر کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں۔''[2]

''بحار الأنوار'' میں ''باب البداء'' میں ذکر ہوا ہے:

''ابوحمزہ ثمالی سے مروی ہے، اس نے کہا: ابوجعفر اور ابوعبداللہ نے کہا: اے ابوحمزہ! اگر ہم نے تجھ کو کسی معاملے کے متعلق بتایا کہ وہ یہاں سے آئے گا، لیکن وہ وہاں سے آ گیا، تو اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اگر ہم نے تجھے آج کوئی بات بیان کی اور کل اس کے خلاف کہی تو اللہ تعالیٰ جو چاہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہے ثابت رکھتا ہے۔''[3]

شیعہ علما اپنے پیروکاروں کو آرزوئیں دلایا کرتے تھے کہ معاملہ لوٹ کر انھی کی طرف آئے گا اور ملک اور

---

[1] الإسفراييني: التبصير في الدين (ص: ٢٠) نیز دیکھیں: البغدادي: الفرق بين الفرق (ص: ٥٠۔ ٥٢)

[2] أصول الكافي، باب أن الأئمة يعلمون علم ما كان وما يكون وأنه لا يخفى عليهم الشيء (١/ ٢٦٠)

[3] بحار الأنوار (٤/ ١١٩) تفسير العياشي (٢/ ٢١٧) البرهان (٢/ ٢٩٩)

حکمرانی انہی کی ہوگی، بلکہ انھوں نے ایک روایت میں، جن کو انھوں نے ابوجعفر کی طرف منسوب کیا ہے، اس واپسی کی مدت بھی متعین کر دی کہ وہ ستر سال بعد ہوگی، جب ستر سال گزر گئے اور کچھ بھی نہ ہوا، یہ تمام وعدے جھوٹے ثابت ہوئے تو پیروکاروں نے اس کا شکوہ کیا، تو بانیانِ مذہب نے اس تنگنائے سے نکلنے کی کوشش میں یہ قول پیش کیا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مصلحت ظاہر ہوئی ہے، جس نے اس وعدے میں تبدیلی کا تقاضا کیا ہے۔[1]

جعفر صادق کی زندگی میں شیعہ روایات اس کی طرف منسوب کر کے کہتی تھیں کہ اس کی موت کے بعد امامت اس کے بیٹے اسماعیل کے لیے ہوگی، لیکن خلافِ توقع وہ کام ہوگیا، جس کا کسی کو وہم وگمان بھی نہیں تھا اور اسماعیل اپنے باپ کی وفات سے پہلے ہی وفات پا گیا۔ یہ واقعہ ایسا تھا، جس نے ان کی کمر توڑ کر رکھ دی اور شیعہ مذہب میں سب سے بڑے افتراق نے جنم لیا، جو آج تک موجود ہے، وہ اس طرح کہ ان سے ایک بہت بڑا گروہ علاحدہ ہوگیا، جو اسماعیل کی امامت کے عقیدے پر قائم ہوگیا، ان کو اسماعیلیہ کہا جاتا ہے، باوجودیکہ انھوں نے اس مشکل کو حل کرنے کے لیے عقیدۂ بدا کا سہارا لیا اور جعفر کی طرف روایات منسوب کیں، جو کہتی ہیں:

''اللہ کے لیے، جو میرے بیٹے اسماعیل کے متعلق ظاہر ہوا، ایسا ظہور کسی اور کے متعلق کبھی نہیں ہو، چنانچہ اس نے اس کو مجھ سے پہلے مار دیا، تاکہ سب کو علم ہو جائے کہ وہ میرے بعد امام نہیں۔''[2]

اس تاویل کو اثنا عشریہ کے اس گروہ نے قبول کر لیا، جنھوں نے اسماعیل کے بجائے موسیٰ کی امامت کا عقیدہ اختیار کیا تھا۔ بانیانِ تشیع اپنے ائمہ کے متعلق دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ماضی اور مستقبل کے واقعات سے باخبر ہیں اور وہ اموات اور ارزاق سے بھی آگاہ ہوتے ہیں ...۔ لیکن اس کے پیروکار اور دیگر لوگ ان میں، اس طرح کے دعوؤں میں سے کوئی چیز بھی نہیں دیکھتے۔ ائمہ بھی لوگوں کو اس کے متعلق کچھ نہیں بتاتے، کیوں کہ وہ حقیقت میں کچھ جانتے ہیں نہ ان میں سے کسی چیز کے مالک ہی ہیں نہ انھوں نے اپنے بارے میں کوئی ایسا دعویٰ ہی کیا ہے، لہٰذا بانیانِ شیعیت کو اس کمزوری کے جواز کو ثابت کرنے کے لیے عقیدہ بدا کے سوا کوئی بہانہ اور تعلیل نہیں مل سکی، اس لیے انھوں نے ائمہ سے یہ نقل کر دیا کہ وہ اس وجہ سے غیب کی خبر نہیں دیتے کہ مبادا اللہ تعالیٰ کے سامنے کچھ اور ظاہر ہو جائے اور وہ اس کو بدل دے۔[3]

---

[1] دیکھیں: تفسير العياشي (٢/ ٢١٨) الغيبة للطوسي (ص: ٢٦٣) بحار الأنوار (٤/ ٢١٤)

[2] التوحيد لابن بابويه (ص: ٣٣٦) نیز دیکھیں: أصول الكافي (١/ ٣٢٧)

[3] مثلاً علی بن حسین نے کہا کہ اگر بدا نہ ہوتا تو میں تم کو قیامت تک آنے والے حالات کی خبر دے دیتا۔ (تفسير العياشي: ٢/ ٢١٥، بحار الأنوار: ٤/ ١١٨)

انھوں نے یہ خیال آرائی بھی کی ہے کہ ''ائمہ کو اموات، ارزاق، مصائب اور امراض وعوارض سب کا علم دیا گیا ہے، لیکن ان کے لیے ان میں بدا کی شرط ہے۔''[1]

یہ ایک دوسرا بہانہ ہے، جس کے ساتھ وہ اپنے جھوٹ کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر وہ خلافِ واقع کسی بات کی خبر دے دیں تو شیعہ نے اس عقیدے کے تقاضے کے مطابق تناقض، اختلاف اور جھوٹ سب کو تسلیم کرنے کا حکم دیا ہے۔

تفسیر قمی کی ایک طویل روایت میں، جو بنوعباس کی حکومت کے اختتام کے متعلق ہے، ان کے امام نے کہا:

''اگر ہم تم کو کسی چیز کے بارے میں کچھ بیان کریں اور وہ ایسے ہی ہو، جس طرح ہم نے کہا ہو تو کہو: اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا، لیکن اگر اس کے خلاف ہو تو کہو: اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا، تو تم کو دوہرا اجر ملے گا....''[2]

عقیدۂ بدا کا، اس کے آغاز کے دوران میں، مذہب کے عقل مند پیروکاروں میں شک کی علامات ظاہر کرنے میں ایک کردار اور اثر رہا ہے، لہٰذا شیعہ کے ایک صاحب نے اس کھیل کی حقیقت کا پردہ چاک کر دیا اور وہ اصلاً امامی مذہب ہی سے دست کش ہوگیا۔

بعض کتبِ فرق نے ان میں ایک شخص کا قصہ ہمارے لیے محفوظ کر لیا ہے، اس کا نام سلیمان بن جریر تھا، جس کی طرف زیدیہ فرقہ سلیمانیہ منسوب ہے۔ یہ کہتا ہے:

''رافضہ کے ائمہ نے اپنے پیروکاروں کے لیے دو نظریے گھڑے، جن کے ہوتے ہوئے وہ کبھی اپنے ائمہ کا جھوٹ ظاہر نہیں ہونے دیتے، یہ بدا کا نظریہ اور تقیہ کی اجازت ہے۔''[3]

اس کے بعد اس نے شیعہ معاشرے میں زندگی گزارنے اور ان کے ساتھ میل ملاپ رکھنے کے تجربے کے نتیجے میں انکشاف کیا کہ وہ کس طرح ائمہ کے لیے علمِ غیب کے دعوے کے جھوٹ کی پردہ پوشی کرنے کے لیے عقیدۂ بدا کو ذریعہ بناتے ہیں۔ اس کے الفاظ ہیں:

''ان کے ائمہ نے جب شیعہ کے لیے اپنے آپ کو انبیا کی جگہ رکھ کر پیش کیا اور ''ما کان'' اور ''ما یکون'' کے علم اور کل ہونے والے واقعات کی خبر دینے کا دعویٰ کیا تو انھوں نے اپنے شیعہ سے کہا:

---

[1] تفسير القمي (٢/ ٢٩٠) بحار الأنوار (٤/ ١٠١)

[2] تفسير القمي (١/ ٣١٠۔ ٣١١) بحار الأنوار (٤/ ٩٩)

[3] المقالات والفرق للقمي (ص: ٧٨) فرق الشيعة للنوبختي (ص: ٦٤)

کل اور آیندہ آنے والے ایام میں یوں ہوگا۔ اگر ان کے دعوے کے مطابق کچھ رونما ہوجاتا، تو ان سے کہتے: کیا ہم نے تم کو نہیں بتایا تھا کہ یہ ہوگا، لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ جانتے ہیں، جو انبیا جانتے تھے، ہمارے اور اللہ کے درمیان حصولِ علم کے ایسے ہی اسباب ہیں، جس طرح اللہ اور انبیا کے درمیان تھے، لیکن اگر واقعہ اس طرح نہ ہوتا، جس طرح انھوں نے بتایا ہوتا تو اپنے شیعہ سے کہتے: اللہ تعالیٰ کے لیے اس میں کچھ اور ظاہر ہوا ہے، اس لیے اس نے ایسا نہیں کیا۔''[1]

اس نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ عقیدہ تقیہ کے تقاضے کے مطابق وہ کس طرح اپنے اَتباع کو دھوکا دیتے ہیں، چنانچہ شیعہ کا ایک گروہ اس کی باتوں سے متاثر ہوا اور وہ اس کے ہم مسلک ہوگئے۔[2]

چنانچہ اس جائزے کے بعد ملاحظہ کریں گے کہ اگر عقیدہ بدا، ساقط اور ختم ہو جائے تو اثناعشریہ کا دین اپنی بنیادوں ہی سے گر جائے گا، کیوں کہ ان کی وہ اخبار اور وعدے جن میں کچھ بھی پورا نہیں ہوا، وہ ان سے امامت کی صفت ہی کی تردید اور نفی کرتی ہیں۔

یہ ہے شیعہ کے علما کا بدا کے معاملے میں مبالغہ آرائی، اس کے دفاع اور اس کو تمام عبادات میں سے عظیم تر قرار دینے کا سبب۔ لیکن نظریہ بدا الٹی آنتیں گلے پڑنے کے مصداق ان کے لیے بدترین نتائج و عواقب کا باعث ہوا ہے۔ یہ ان کے کفر و ارتداد کے اسباب میں ایک نیا اضافہ ہے۔[3] کیوں کہ انھوں نے اس عقیدے کی بنا پر مخلوق یعنی امام کی وعدہ خلافی، کلام میں تضاد، رائے میں تبدیلی اور نئی رائے پیدا ہونے سے تنزیہ اور نفی کی ہے اور یہ تمام باتیں عالم الغیب والشہادۃ کی طرف منسوب کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کی ان باتوں سے بہت زیادہ بالاتر ہے۔[4]

لہٰذا انھوں نے خالق کو چھوڑ کر مخلوق کی تنزیہ کی، کیوں کہ ان کے امام میں غلو نے ان کے دلوں میں حق جل شانہ کی کوئی عزت اور وقار نہیں چھوڑا، جس کی وجہ سے یہ لوگ اس کفر، گمراہی اور الحاد کے ظالم صحرا میں

---

[1] المقالات والفرق للقمي (ص: ٧٨) فرق الشيعة للنوبختي (ص: ٦٤۔ ٦٥) نیز دیکھیں: محصل أفكار المتقدمين والمتأخرين للرازي (ص: ٢٤٩) سلیمان بن جریر بعض اہلِ بیت کی طرف دھوکا دہی کی نسبت کرتا ہے، لیکن درحقیقت یہ ان زندیق لوگوں کی کارستانی ہے، جو باطل طریقے اور تخریب کاری کے ذریعے لوگوں کا حال ہڑپ کرنے کی خاطر آلِ بیت کی طرف منسوب ہیں۔

[2] دیکھیں: المقالات والفرق (ص: ٧٨) فرق الشيعة (ص: ٦٥)

[3] دیکھیں: الغزالي: المستصفى (١/ ١١٠)

[4] الوشيعة (ص: ١٨٢)

سرگرداں ہیں۔ شیعہ علما نے اس عار اور کلنک کے ٹیکے سے راہِ نجات اور تکفیر سے راہِ فرار تلاش کرنے کی اپنی سی کوشش بھی کی ہے۔

نصیر الدین طوسی (المتوفی ۶۷۲ھ) نے، جس کو مجلسی نے محقق کا لقب دیا ہے، بدا کے وجود کا اثنا عشریہ کے عقیدے کے طور پر انکار کیا ہے، وہ اپنے گروہ کے بارے میں کہتا ہے:

''وہ بدا کے قائل نہیں۔ بدا کا قول صرف ایک روایت میں تھا، جس کو انھوں نے جعفر صادق سے روایت کیا ہے کہ اس نے اسماعیل کو اپنا قائم مقام بنایا تھا، لیکن اسماعیل میں ایسے معاملے کا ظہور ہوا، جو اس کو پسند نہ آیا تو اس نے موسیٰ کو قائم مقام بنا دیا، جب اس سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا: اسماعیل کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کچھ اور ظاہر ہوگیا ہے۔ یہ ایک روایت ہے اور شیعہ کے نزدیک خبرِ واحد علم و عمل لازم قرار نہیں دیتی۔''[1]

لیکن یہ بات، جس طرح آپ دیکھتے ہیں، حقیقتِ حال اور امرِ واقع کے خلاف ہے، کیوں کہ بدا ان کے مقرر اور طے شدہ عقائد میں داخل ہے اور ان کی اس کے بارے میں روایات اور اخبار بہت زیادہ ہیں، اسی لیے مجلسی نے کہا ہے کہ یہ طوسی کا عجیب جواب ہے، اس نے اس بات کو اس کے روایات کے عدمِ علم اور ان کا مکمل احاطہ نہ ہونے پر محمول کیا ہے۔[2]

شیعہ کی ایک صنف بدا کا بطورِ عقیدہ اقرار کرتی ہے اور وہ اس کے لیے کوئی مقبول تاویل پانے کی کوشش کرتی ہے۔ چناں چہ ابن بابویہ قمی ان کی بدا سے تعلق رکھنے والی احادیث کی ایسی توجیہ اور تعلیل کرتا ہے، جس پر اضطراب کے آثار واضح دکھائی دیتے ہیں، وہ آغاز میں کہتا ہے:

''بدا ایسے نہیں جس طرح جاہل خیال کرتے ہیں کہ ندامت کا بدا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے، لیکن ہمارے لیے یہ اقرار کرنا بھی لازمی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بدا ہے، جس کا یہ معنی ہے کہ وہ ایسا کر سکتا ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں کسی چیز کی ابتدا کرے، تو اس کو کسی چیز سے پہلے پیدا کر دے، پھر اس چیز کو ختم کر دے اور اس کے علاوہ کسی دوسری چیز کی تخلیق کا آغاز کر دے۔''[3]

یہاں آپ دیکھتے ہیں کہ اس کی یہ گفتگو موضوع سے مکمل طور پر خارج اور غیر متعلق ہے، کیوں کہ اس نے

[1] الطوسي: تلخيص المحصل (ص: ٢٥٠)

[2] بحار الأنوار (٤/ ١٢٣)

[3] التوحيد (ص: ٣٣٥)

بدء (آغاز) کے بارے میں گفتگو کی ہے، بدا (انکشاف) کے بارے میں نہیں، اس بات میں تو کوئی مسلمان اس سے اختلاف نہیں کرتا۔ اگر ان کا بدا سے یہی مقصود ہوتا تو کوئی بھی ان سے اختلاف کرتا نہ انھیں اپنی روایات میں تضاد اور وعدہ خلافیوں کا جواز مہیا کرنے کے لیے اس میں کوئی راہِ نجات دکھائی دیتی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَ بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ﴾ [السجدة: ٧]

''اور انسان کی پیدایش تھوڑی سی مٹی سے شروع کی۔''

اور فرمایا:

﴿ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ﴾ [يونس: ٤]

''وہی پیدایش شروع کرتا ہے، پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ يَخْتَارُ﴾ [القصص: ٦٨]

''اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور چن لیتا ہے۔''

یہ بدا کی طرح کی کوئی چیز نہیں۔ لیکن پھر اس نے رجوع کیا اور بدا کی نسخ کے ساتھ تفسیر کی اور سابقہ کلام کے فوراً بعد کہا:

''یا وہ کوئی حکم دے، پھر اس سے منع کر دے، یا کسی چیز سے منع کر دے، پھر اس جیسے کا حکم دے دے، جس سے منع کیا تھا، یہ احکام میں نسخ کی طرح تحویلِ قبلہ اور جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے، اس کی عدت کے متعلق حکم کی قبیل سے ہے۔''[1]

یہ جہالت ہے یا تجاہل عارفانہ، کیوں کہ نسخ میں بدا نہیں ہوتا۔ وہ حکم اللہ کے علم میں عارضی ہوتا ہے، اس حکم کی مدت اور مدت پوری ہو جانے کے بعد اس حکم کا ختم ہو جانا، یہ سب اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔ البتہ ہمارے لیے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ناسخ کے نزول کے بعد ظاہر ہوتا ہے، یہ بدا اور انکشاف ہمارے لیے اور ہمارے علم میں ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں۔[2]

اللہ تعالیٰ اس سے منزہ اور پاک ہے کہ اس کو بدا کے ساتھ متصف کیا جائے، کیوں کہ بدا اللہ تعالیٰ کے ہر

---

[1] التوحيد (ص: ٣٣٥)

[2] الوشيعة (ص: ١٨٣)

چیز کے علم کے احاطے کے منافی ہے، لیکن نسخ سے وہ مبرا نہیں، کیوں کہ نسخ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے حکم کی مدت کا بیان ہے، اگرچہ اس حکم کا اٹھا لیا جانا ہمارے لیے بدا (انکشاف) ہے۔[1]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی علم ازلی میں ہر حکم کا زمانہ اور وقتِ متعین مقرر کیا ہے، جب اس کا زمانہ اور وقت پورا ہو جاتا ہے، اس کی جگہ اس کا امر یا نہی پر مبنی کوئی دوسرا حکم آ جاتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے ازلی علم میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔[2]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ﴾ [البقرة: ١٠٦]

''جو بھی آیت ہم منسوخ کرتے ہیں، یا اسے بھلا دیتے ہیں، اس سے بہتر، یا اس جیسی (اور) لے آتے ہیں۔''

عبد القادر بغدادی نے شیعہ کو خوب آڑے ہاتھوں لیا ہے کہ انھوں نے نسخ کو بدا کی قبیل سے قرار دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ اللہ سبحانہ جب کسی چیز کا حکم دیں، پھر اس کو منسوخ کر دیں تو اس کا نسخ اس لیے ہے کہ اس کو اس میں بدا اور نیا علم ظاہر ہوا ہے۔[3]

اس گمراہی میں شیعہ بہت آگے بڑھے۔ صاحبِ بحار نے چند منسوخ روایات ذکر کر کے انھیں بدا کی قبیل سے قرار دیا ہے۔[4] حالاں کہ نسخ کا بدا کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔[5]

اس کے بعد ابن بابویہ عقیدہ بدا کی توجیہ کے اختتام پر یہ قول پیش کرتا ہے:

''بدا کا مطلب کسی امر کا ظاہر ہونا ہے۔ عرب کہتے ہیں: "بدا لی شخص في طریقي" راستے میں ایک شخص میرے سامنے ظاہر ہوا۔''

---

[1] مصطفیٰ زید: النسخ في القرآن (١/ ٢٠)

[2] محمد أبو زهرة: الإمام الصادق (ص: ٢٤١)

[3] الملل والنحل (ص: ٥٢)

[4] بحار الأنوار (٩٣/ ٨٣۔ ٨٤)

[5] نسخ اور بدا میں فرق اور ان میں عدمِ تفریق کے متعلق رافضہ اور یہود کے اوہام کی تردید کے لیے دیکھیں: الناسخ والمنسوخ لأبي جعفر النحاس (ص: ٤٤) الإيضاح لناسخ القرآن ومنسوخه لمكي القبيسي (ص: ٩٨۔ ٩٩) الإحكام في أصول الأحكام لابن حزم (٤/ ٦٨۔ ٦٩) الآمدي: الإحكام في أصول الأحكام (٣/ ١٠٩۔ ١١٢) دراسات الأحكام والنسخ في القرآن: محمد حمزة (ص: ٥٩)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴾ [الزمر: ٤٧]

''اور ان کے لیے اللہ کی طرف سے وہ کچھ سامنے آجائے گا جس کا وہ گمان نہیں کیا کرتے تھے۔''

یعنی ان کے لیے ظاہر ہوا، جب اللہ تعالیٰ کے لیے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی بندصلہ رحمی کرتا ہے تو اس کی عمر میں اضافہ کر دیتا ہے اور جب اس کے لیے اس کی طرف سے قطع تعلق ظاہر ہوتی ہے تو اس کی عمر کم کر دیتا ہے۔''[1]

اس تلوّن اور ہیرا پھیری کے بعد ان کے عقیدے میں بدا کی اس برائی کے اثبات کے لیے یہ اس کی واپسی ہے ...صلہ رحمی کرنے والے کی عمر میں اضافہ، بدا اور اللہ تعالیٰ کے لیے نئے علم کے ظہور کی قسم سے قطعاً نہیں، بلکہ صلہ رحمی طویل عمری کا ایک سبب ہے۔ اللہ ہی نے اجل اور اس کا سبب بھی مقرر کیا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے یہ قضا و قدر میں لکھ دیا کہ یہ آدمی صلہ رحمی کرے گا اور اس سبب کی وجہ سے اتنی مدت تک زندہ رہے گا، اگر وہ سبب نہ ہوتا تو وہ اتنی مدت تک زندہ بھی نہ رہتا، لیکن اس نے اس سبب کو قضا و قدر میں لکھ دیا، اسی طرح اس نے تقدیر میں لکھ دیا کہ یہ آدمی قطع رحمی کرے گا اور اتنی مدت تک زندہ رہے گا۔[2]

لیکن شیخ الطائفہ طوسی بدا کی تاویل میں ایسا مسلک اختیار کرتا ہے، جو ابن بابویہ کی راہ سے زیادہ احتیاط پر مبنی ہے، وہ کہتا ہے:

''اس کا کہنا: "بدا لله فيه" اس کا معنی ہے: "بدا من الله فيه" (اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ظاہر ہوا ہے) اسی طرح ان تمام عبارتوں میں جن میں یہ ذکر ہوا ہے کہ "بدا لله في إسماعيل" یہ معنی ہوگا کہ اللہ کی طرف سے اسماعیل کے بارے میں یہ ظاہر ہوا، کیوں کہ لوگ اسماعیل بن جعفر کے بارے میں یہ خیال ظاہر کرتے تھے کہ وہ اپنے باپ کے بعد امام ہوگا، جب وہ فوت ہوگیا تو ان کے سامنے اس کا باطل ہونا واضح ہوگیا۔''[3]

یہ طوسی کی عذر خواہی ہے، بلاشبہہ اگر بدا اس معنی میں مخلوق کے لیے ہو کہ ان کے سامنے ایسا واقعہ پیش آجائے، جس کی وہ توقع نہیں کرتے تھے تو اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو عقیدہ اسلامیہ کے منافی ہو۔

اسی اعتذار میں طوسی کی ایک عصرِ حاضر کے شیعہ مرجعِ تقلید محمد حسین آلِ کاشف الغطا نے بھی تقلید کی

[1] التوحيد (ص: ٣٣٦)

[2] شرح الطحاوية (ص: ٩٢)

[3] الغيبة للطوسي (ص: ٥٥)

ہے، وہ کہتا ہے:

''بدا کا اصل اور جوہری معنی تو کسی چیز کا مخفی رہنے کے بعد ظاہر ہونا ہے، لیکن یہاں یہ مراد نہیں کہ اللہ جل شانہ کے لیے کسی چیز کا ظہور ہونا قرار دیا جائے، کون کامل عقل والا اس گمراہی کا قائل ہوگا، بلکہ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جس کے لیے چاہتے ہیں، اس کے لیے کسی چیز کو اس سے چھپانے کے بعد ظاہر کر دیں۔ ہمارا یہ کہنا: ''بدا للّٰه'' اس کا معنی ہوگا: ''بدا حكم اللّٰه'' اللہ کا حکم ظاہر ہوا، یا ''بدا شأن اللّٰه'' اللہ کا کام ظاہر ہوا۔''[1]

لیکن شیعہ کی روایات کا مطالعہ کرنے والا یہ رائے نہیں رکھتا کہ بدا اس تاویل کے ساتھ متفق ہے، کیوں کہ یہ روایات بدا کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت پر دلالت کرتی ہیں نہ کہ مخلوق کی طرف، اسی لیے ان کے ائمہ نے بدا کے خوف سے غیبی امور کی خبر دینے سے معذرت کی ہے۔ انھوں نے اللہ کے نبی حضرت لوط علیہ السلام کی طرف یہ بات منسوب کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے بدا اور انکشاف کے خدشے کے پیشِ نظر، فرشتوں کو اپنی قوم پر عذاب نازل کرنے پر اکساتے تھے۔ وہ کہتے:

''ان کو ابھی عذاب کی گرفت میں لے لو، مجھے ڈر ہے کہ کہیں ان کے بارے میں میرے رب کے سامنے کوئی اور بات ظاہر نہ ہو جائے، انھوں نے جواب دیا: اے لوط! ان کا مقرر وقت صبح ہے۔ کیا صبح قریب نہیں؟!''[2]

تو کیا اس طرح کا ''الحاذ'' کسی تاویل کو قبول کر سکتا ہے؟! کافی میں ذکر ہوا ہے:

''ابو ہاشم جعفری سے مروی ہے، اس نے کہا: میں ابو الحسن کے پاس، ان کے بیٹے ابو جعفر کے گزرنے کے بعد، بیٹھا ہوا تھا اور دل میں یہ کہنے کی سوچ رہا تھا، گویا وہ دونوں یعنی اس وقت ابو جعفر اور ابو محمد، جعفر بن محمد کے بیٹوں ابو الحسن موسیٰ اور اسماعیل کی طرح ہیں اور اِن دونوں کی کہانی ان دونوں کی کہانی ہی کی طرح ہے، کیوں کہ ابو جعفر کے بعد ابو محمد (امامت کی امید رکھتا تھا) تو میرے بولنے سے پہلے ہی ابو الحسن میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا: ہاں، اے ابو ہاشم! ابو جعفر کے بعد ابو محمد کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے لیے وہ ظاہر ہوا، جو اس کے لیے پہلے معروف نہیں تھا، جس طرح اس کے لیے اسماعیل کے گزرنے کے بعد موسیٰ کے بارے میں ظاہر ہوا، جس نے اس کی

[1] الدين والإسلام (ص: ١٧٣)

[2] فروع الكافي (٥/ ٥٤٦)

حالت بیان کر دی۔ بات ایسے ہی ہے، جیسے تم دل میں سوچ رہے تھے، خواہ باطل پرست اسے ناپسند ہی کریں۔‘‘[1]

اس کا یہ جملہ پڑھیے: ’’بدا للّٰہ ... مالم یکن یعرف لہ‘‘ (اللہ کے لیے وہ ظاہر ہوا، جو اس کے لیے پہلے معلوم نہیں تھا) آپ دیکھتے ہیں کہ وہ صریح الفاظ میں بدا کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ یہ قوم اللہ تعالیٰ کے وقار کا کوئی خیال نہیں رکھتی۔ انھوں نے موقع اختیار کو اہلِ بیت میں باقی رکھنے کے لیے اور اس اختیار سے پیروکاروں کی طرف سے بغیر کسی اعتراض کے، رجوع کرنے کے لیے عقیدہ بدا کو ایک ذریعے اور وسیلے کے طور پر اختیار کیا۔ انھوں نے اس حیلہ سازی میں اللہ تعالیٰ کے حق کو ملحوظ نہیں رکھا، کیوں کہ ان روایات کے گھڑنے والوں کے دل اللہ کے خوف اور امید سے بالکل تہی دامن تھے۔

اسی طرح بدا کی یہ تاویل کہ اس سے لوگوں کے سامنے اللہ کے امر کا ظہور مراد ہے، بدا کے بارے میں ان کے غلو اس کو تمام عبادات سے بڑھ کر قرار دینے اور اصولِ اعتقادات میں داخل کرنے کے قطعاً کوئی جواز مہیا نہیں کرتی، اس کے ساتھ ساتھ لفظِ بدا عربی زبان کے اعتبار سے بھی، جس میں قرآنِ کریم نازل ہوا، باطل معنی کا حامل ہے۔ لہٰذا اس کو کس طرح دین کے اصل اور بنیادی اعتقادات میں شمار کیا جا سکتا ہے، اس کی اگر یہ جگہ اور منزلت ہے تو اس کے لیے تاویل اور مخرج کیوں تلاش کیا جا رہا ہے؟!

شیعہ کا بدا پر استدلال:

کلینی اور اس کے ہمنواؤں کی روایات کے تقاضے کے مطابق جب نظریہ بدا ان کے نزدیک عقیدے کی شکل اختیار کر گیا تو شیعہ علما نے ۔حسبِ عادت۔ کتاب اللہ سے اپنے دعوے کی سند اور دلیل تلاش کرنا چاہی۔ گویا ان کے لیے اتنا کافی نہیں تھا کہ انھوں نے اس افترا اور جھوٹ کو خدا کی ذات کی طرف منسوب کیا، بلکہ انھوں نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ کتاب اللہ بھی ان کے جھوٹ کو ۔نعوذ باللہ۔ ثابت کرتی ہے۔ چنانچہ انھوں نے اس فرمانِ الٰہی: ﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ وَ عِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ﴾ [الرعد: ۳۹] ’’اللہ مٹا دیتا ہے جو چاہتا ہے اور ثابت رکھتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے۔‘‘ کو پکڑ لیا۔

ملحوظِ خاطر رہے کہ سب سے پہلے اس قرآنی آیت سے مختار بن ابو عبید نے بدا کے اس جھوٹ پر استدلال کیا اور شیعہ علما نے اس کی متابعت کی، انھوں نے اس مسئلے میں روایات وضع کیں اور انھیں عوام میں

---

[1] أصول الكافي (١/ ٣٢٧)

مقبول بنانے کے لیے علماے آلِ بیت کی طرف انھیں منسوب کر دیا۔[1]

ان کا یہ استدلال کہ محو اور اثبات یعنی مٹانا اور ثابت رکھنا بدا ہے، یہ استدلال میں انحراف انتہائی زیادہ تکلف ہے، کیوں کہ محو اور اثبات، اس کے لیے کسی چیز میں بدا اور انکشاف کے بغیر اس کے علم، قدرت اور ارادے کے ساتھ ہے، اس کے پاس جب ام الکتاب موجود ہے، اس کا علم ازلی اور ہر چیز کو محیط ہے تو پھر اس کے بارے میں کیوں کر بدا کا خیال پیدا ہوسکتا ہے؟!!

﴿ وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّ رَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ [الأنعام: ٥٩]

''اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں، انھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور سمندر میں ہے اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اسے جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ نہیں اور نہ کوئی تر ہے اور نہ خشک مگر وہ ایک واضح کتاب میں ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ عٰلِمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي الْاَرْضِ وَ لَاۤ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ [سبأ: ٣]

''(اس رب کی قسم ہے) جو سب چھپی چیزیں جاننے والا ہے! اس سے ذرہ برابر چیز نہ آسمانوں میں چھپی رہتی ہے اور نہ زمین میں اور نہ اس سے چھوٹی کوئی چیز ہے اور نہ بڑی مگر ایک واضح کتاب میں ہے۔''

یہ اور ان جیسی بہت ساری آیات ہیں، اللہ تعالیٰ کے لیے بدا کا خیال پیش کرنا، ان تمام آیت کی تکذیب کرنا ہے۔[2] اللہ تعالیٰ آیت کے آخر میں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تبدیلی اور محو و اثبات واقع

---

[1] دیکھیں: أصول الكافي (١/ ١٤٦) التوحيد لابن بابويه (ص: ٣٣٣ وما بعدها)

[2] ان کے رد میں مزید دیکھیں: المستصفى للغزالي (١/ ١١٠) مختصر الصواعق (١/ ١١٠) الأحكام للآمدي (٣/ ١١١)

﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ﴾ کی مراد میں علما کے آٹھ مختلف اقوال ہیں۔ (ابن الجوزي: زاد المسير: ٤/ ٣٣٧۔ ٣٣٨) کسی نے کہا ہے: جو احکام اور شریعتیں اللہ چاہے مٹا دیتا ہے، یعنی انھیں منسوخ کر دیتا ہے اور جن کو چاہتا ہے، انھیں ثابت رکھتا ہے، منسوخ نہیں کرتا۔ شارح طحاویہ کا قول ہے: ''سیاقِ کلام اس جہت اور توجیہ پر زیادہ دلالت کرتا ہے۔ (شرح ←

ہوتا ہے، وہ سب اس کے ارادے کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ اس کے پاس ام الکتاب میں لکھا ہوا ہے۔[1]

عقیدۂ بدا کی تردید میں اثنا عشری کتابوں کی روایات:

حریف کی خود اس کے اپنے کلام سے تردید بلیغ ترین تردید ہوتی ہے، کیوں کہ وہ اس کے اپنے ہتھیار سے اس کا کام تمام کر دیتی ہے، اس نظریے میں تضاد کا وجود اور ظہور اس کے اعتقاد کے باطل ہونے کی واضح ترین علامت ہے۔ آپ کو اثنا عشری کتابوں میں ائمہ سے منقول ایسی روایات بھی ملیں گی، جو بدا کے قائل کا مقدر رسوائی ٹھہراتی ہیں اور وہ گذشتہ روایات کے متضاد ہیں۔

یہ روایات ایسی روایات بھی ہوسکتی ہیں، جن کا علمائے آلِ بیت کے ساتھ گہرا تعلق ہو، کیوں کہ یہ صحیح معنی کی ترجمانی کرتی ہیں اور ان بہترین افراد کے یہی لائق ہے۔ یہ معتدل شیعہ کے آثار بھی ہوسکتی ہیں، جن کے نشانات اثنا عشری کتابوں میں ابھی تک باقی ہیں، اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ یہ روایات محض ایک پردہ ہوں، جس کو ان لوگوں نے اپنے عقیدہ بدا کو چھپانے کے لیے بنایا ہو۔

بہر حال ان جیسی روایات کا موجود ہونا، اس گروہ کی روایات میں تناقض کی وسعت بیان کرتا ہے، نیز یہ

← الطحاوية، ص: ٩٤) ابن جریر طبری کا قول ہے: اس آیت کی تفسیر میں جو اقوال ذکر ہوئے ہیں، ان میں زیادہ قرینِ صواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کو وعید سنائی ہے، جنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سزا کی آیات کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَ مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ﴾ [الرعد: ٣٨] ''اور کسی رسول کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ کوئی نشانی لے آتا، مگر اللہ کے اذن سے۔ ہر وقت کے لیے ایک کتاب ہے۔'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو بتایا کہ ان کے بارے میں اس کا فیصلہ اس کے پاس کتاب میں ایک متعین مدت تک لکھا ہوا ہے اور اس اجل اور متعین وقت تک ان کو موخر کیا جائے گا، پھر ان سے کہا: جب وہ متعین وقت آ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو لاتا ہے، جس کی عمر پوری ہو رہی ہوتی ہے اور رزق منقطع ہو جاتا ہے تو وہ اس طرح اپنی مخلوق میں فیصلہ کر دیتا ہے، یہ محو ہے۔ جس کی عمر اور رزق باقی ہوتا ہے، اس کو اسی حالت پر چھوڑ دیتا ہے اور مٹاتا نہیں۔ (تفسير الطبري: ١٣/ ١٧٠) بعض مفسرین نے تمام اشیا میں عمومی محو اور اثبات راجح قرار دیا ہے۔ (فتح القدير: ٣/ ٨٨)

ابن جزی نے عموم کے معنی کو ترجیح دینے والے پر اعتراض کیا ہے کہ ''اس بات کو یہ طے شدہ قاعدہ رد کرتا ہے کہ قضا اور اللہ تعالیٰ کے علم میں تبدیلی نہیں ہوتی۔'' (التسهيل: ٢/ ١٣٦) لیکن شوکانی نے اس کے جواب میں کہا ہے: ''عموم کا قول اس کے منافی نہیں، کیوں کہ محو اور اثبات بھی اللہ تعالیٰ کے من جملہ قضا و قدر سے ہے۔'' (فتح القدير: ٣/ ٨٨)

قاسمی نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ اس سے مراد آیات یعنی معجزات ہیں۔ (تفسير القاسمي: ١٣/ ٣٧٢۔ ٣٧٣)

یہ اس آیت کی تفسیر میں مسلمان مفسرین کے اقوال ہیں اور شیعہ میں سے کسی ایک نے بھی رافضہ جیسی برائی اور بدنمائی پر مبنی قول پیش نہیں کیا۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: تفسير البغوي (٣/ ٢٢۔ ٢٣) تفسير ابن كثير (٢/ ٥٥٩۔ ٥٦١) تفسير الألوسي (١٣/ ١٦٩۔ ١٧٢) السعدي: تيسير الكريم الرحمن (٤/ ١١٦۔ ١١٧)

[1] عبدالرزاق عفيفي: في تعليقه على الإحكام للآمدي (٣/ ١١١، حاشيه)

کہ شیعہ کا دین شاذ پہلو کو لینے اور اپنی اہلِ سنت مخالف روایات کو اختیار کرنے پر قائم ہے، کیوں کہ ان زندیقوں کا یہ قانون ہے کہ جو اہلِ سنت والجماعت کے مخالف ہو، اسی میں ہدایت ہے اور یہ قانون ایسا ہے جو انسان کو دین سے یک جنبش قلم نکال دیتا ہے۔

ابن بابویہ کی کتاب ''التوحید'' میں ذکر ہوا ہے:

''منصور بن حازم سے مروی ہے، اس نے کہا: میں نے ابوعبداللہ سے پوچھا: کیا آج کوئی ایسی چیز رونما ہوسکتی ہے، جس کا کل تک اللہ تعالیٰ کو علم نہیں تھا؟ انھوں نے کہا: نہیں، جس نے یہ کہا، اللہ اس کو رسوا کرے۔ میں نے کہا: آپ کا کیا خیال ہے کہ جو ہوا اور جو قیامت تک ہونے والا ہے، کیا یہ سب اللہ کے علم میں نہیں؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں! بلکہ مخلوق پیدا کرنے سے پہلے سے یہ سب اس کے علم میں ہے۔''[1]

بلاشبہہ عقیدہ بدا اپنے لغوی معنی، اثنا عشری روایات اور ان کے بعض علما کی تاویل کے مطابق یہ تقاضا کرتا ہے کہ آج اللہ کے علم میں وہ بات آ سکتی ہے، جس کا کل تک اس کو علم نہیں تھا۔ اثنا عشریہ کے لیے یہی شرمندگی اور رسوائی کافی ہے کہ انھوں نے حق جل شانہ کی طرف یہ عقیدہ منسوب کر دیا ہے، جب کہ ان کے ائمہ اس سے بَری ہیں۔

جب امام کے قول میں اختلاف رونما ہو جائے تو وہ اس کو امام کی منسوب کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، اگر آپ توحیدِ الوہیت، ربوبیت اور اسما و صفات کے متعلق شیعہ کے عقیدے کی طرف ایک نظر دوڑائیں تو آپ دیکھیں گے کہ امام، ان کی ان ظلمت بھری روایات کے طومار کی تاثیر کے نتیجے میں رب کی جگہ آ کھڑا ہوا ہے۔ چنانچہ عقیدہ بدا بھی امام کے بارے میں ان کے غلو کا اثر اور نتیجہ ہے۔

---

[1] التوحید (ص: ٣٣٤) أصول الكافي (١/ ١٤٨، رقم: ١٠) نیز دیکھیں: الكافي (١/ ١٤٨، رقم: ٩)

آٹھویں فصل

طینة (خمیر)

یہ عقیدہ شیعہ کے ان خفیہ عقائد ونظریات میں شامل ہے، جن کو چھپانے کی، حتی کہ اپنے عام لوگوں سے بھی پوشیدہ رکھنے کی، وہ تلقین اور وصیت کرتے ہیں، کیوں کہ اگر عامی شیعہ کو اس عقیدے کی بھنک پڑ گئی تو وہ دنیوی لذت کے حصول کے لیے جان بوجھ کر کبیرہ گناہوں کا ارتکاب شروع کر دے گا، کیوں کہ اسے علم ہو جائے گا کہ اس کا اخروی وبال کسی دوسرے کے سر ہوگا۔[1]

یہ نظریہ مرتضی اور ابن ادریس جیسے شیعہ کے متقدمین اصحابِ عقل و دانش کی نگاہ میں بھی قابلِ نفرین تھا، ۔ان کی رائے کے مطابق۔ اگرچہ اس کے متعلق روایات شیعہ کی کتابوں میں سرایت کر چکی ہیں، لیکن یہ اخبارِ آحاد ہیں، جو کتاب وسنت اور اجماع کے مخالف ہیں، جن کا رد کرنا واجب ہے۔[2]

لیکن یہ روایات وقت کے ساتھ ساتھ زیادہ ہوتی رہیں اور شیعہ عالم نعمت اللہ جزائری کو یہ کہنا پڑا:

> ''ہمارے اصحاب نے یہ روایات بہت زیادہ سندوں کے ساتھ اصول (بنیادی مصادر) وغیرہ میں روایات کی ہیں، اس لیے ان کے انکار کی کوئی مجال ہے نہ ان پر اخبارِ آحاد ہونے ہی کا حکم لگایا جا سکتا ہے، بلکہ یہ مشہور بلکہ متواتر ہو چکی ہیں۔''[3]

اس نے یہ بات اپنے ان متقدم علما کے رد اور جواب میں کہی ہے، جنھوں نے ان روایات کا انکار کیا ہے۔ بہ ظاہر اس عقیدے کو مستحکم کرنے میں شیعہ کے عالم کلینی کا ہاتھ واضح نظر آتا ہے، جس نے اپنی کتاب میں اس کے لیے اس عنوان کے تحت باب باندھا ہے: ''مومن اور کافر کی مٹی (خمیر) کا باب'' اور اس کے ضمن میں اس نے طینہ کے متعلق سات احادیث درج کی ہیں۔[4]

---

[1] دیکھیں: الأنوار النعمانية (١/ ٢٩٥)

[2] المصدر السابق (١/ ٢٩٣)

[3] المصدر السابق.

[4] أصول الكافي (٢/ ٢-٦)

پھر کلینی کے بعد ان روایات میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا اور ملا باقر مجلسی نے اپنی کتاب کے باب "الطینة والمیثاق" میں ان میں سے ٦٧ احادیث لکھیں۔[1]

گویا قاری اس نظریے کی تفاصیل جاننے کا آرزومند ہے، جو شیعہ کو یہ عقیدہ رکھنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ کبیرہ اور مہلک گناہ، جس کا وہ ارتکاب کرے گا، اس کا گناہ اہلِ سنت کو ہوگا اور ہر وہ نیک عمل جو اہلِ سنت کرتے ہیں، اس کا ثواب صرف شیعہ کو ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ علما اس نظریے کو اپنے عوام تک سے چھپا کر رکھتے ہیں کہ کہیں وہ ان کے لیے ہر جگہ فساد زدہ ماحول نہ پیدا کر دیں اور اللہ کی زمین اور اس کے بندے اس فساد کی لپیٹ میں نہ آ جائیں۔

اس عقیدے کی سب سے تفصیلی روایت کو ابن بابویہ نے "علل الشرائع" میں ذکر کیا ہے، جو پانچ صفحات پر مشتمل ہے اور اسی پر اس کی کتاب ختم ہو جاتی ہے۔[2] ایک ہم عصر شیعہ نے یہ رائے دی ہے کہ یہ اختتام مشک بند اور دل آویز ہے، اس کے الفاظ ہیں:

''اس نے اس حدیث شریف کے ساتھ اپنی کتاب "علل الشرائع" کو ختم کیا ہے۔''[3]

خلاصہ یہ ہے کہ شیعہ کی تخلیق ایک مخصوص مٹی اور خمیر سے ہوئی ہے اور سنی کی دوسرے خمیر سے۔ پھر ایک متعین انداز میں دونوں خمیروں کا آمیزہ بنا دیا گیا، چنانچہ شیعہ فرد کے اندر جو گناہ اور جرائم ہیں، وہ سنی خمیر کے اثر کی وجہ سے ہیں اور جو سنی میں نیکی اور امانت داری ہے، وہ شیعہ خمیر کے اثر کے نتیجے میں ہے۔

جب قیامت کا دن ہوگا تو شیعہ کی برائیاں اور مہلک گناہ اہلِ سنت کے سر ڈال دی جائیں گی اور اہلِ سنت کی نیکیاں شیعہ کو دے دی جائیں گی۔ ان کی ساٹھ سے زیادہ روایات اسی مفہوم کے گرد گھومتی ہیں۔ اس عقیدے کو اختیار کرنے کا سبب ائمہ کے سامنے پیش کیے گئے سوالات اور شکووں سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔

شیعہ اپنے ائمہ کی خدمت میں اپنی قوم کی ایک دوسرے کے ساتھ بد معاملگی، کبیرہ گناہوں میں غرقابی اور اس غم و الم اور اضطراب کا شکوہ کرتے، جس کا انھیں کوئی سبب نظر نہ آتا، تو ان کا امام ان تمام کیفیات اور اخلاقی پستی کو اولین تخلیق میں شیعہ خمیر میں سنی خمیر کے اثر کا نتیجہ قرار دیتا۔

[1] بحار الأنوار (٥/ ٢٢٥۔ ٢٧٦)

[2] دیکھیں: علل الشرائع (ص: ٦٠٦۔ ٦١٠)

[3] دیکھیں: بحار الأنوار (٥/ ٢٣٣، حاشیه)

یہاں ہم ان کے چند ایک بھڑکانے والے سوالات سنتے ہیں، جو گھٹن کا شکار شیعہ معاشرے کی حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہیں۔ ابن بابویہ اپنی سند کے ساتھ ابو اسحاق لیثی سے روایت کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ میں نے ابو جعفر محمد بن علی باقر رحمہ اللہ سے پوچھا:

اے فرزندِ رسول ﷺ! مجھے مومن بابصیرت (رافضی) کے بارے میں بتائیے، جب وہ معرفت میں کامل ہو جاتا ہے تو کیا زنا کرتا ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں۔ میں نے کہا: کیا وہ شراب پیتا ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں۔ میں نے کہا: کیا وہ ان کبیرہ گناہوں یا بدکاریوں میں سے کسی بدکاری یا گناہ کا ارتکاب کرتا ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں...، میں نے کہا: اے جگر گوشۂ رسول! میں آپ کے شیعہ میں ایسے لوگوں کو پاتا ہوں، جو شراب پیتے ہیں، راہ زنی کرتے ہیں، راستوں میں دہشت پھیلاتے ہیں، زنا اور لونڈے بازی کرتے ہیں، سود کھاتے ہیں، فواحش کا ارتکاب کرتے ہیں، نماز، زکات اور روزے میں سستی کرتے ہیں، قطع تعلقی کرتے ہیں اور کبیرہ گناہ کرتے ہیں، یہ کس طرح ہے اور ایسا کیوں ہے؟

انھوں نے کہا: اے ابراہیم! کیا تیرے دل میں ان کے علاوہ کوئی اور بات بھی کھٹکتی ہے؟ میں نے کہا: ہاں اور وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے، انھوں نے کہا: ابو اسحاق! وہ کیا ہے؟ میں نے کہا: اے فرزندِ رسول! میں آپ کے دشمنوں اور نواصب (اہلِ سنت کی طرف اشارہ ہے) میں دیکھتا ہوں کہ وہ صوم وصلات پر بڑی کثرت سے کاربند ہیں، مسلسل حج وعمرہ کرتے ہیں، زکات نکالتے ہیں، جہاد کے بڑے آرزومند ہیں، نیکی اور صلہ رحمی کو ترجیح دیتے ہیں، اپنے بھائیوں کے حقوق پورے کرتے ہیں، اپنے مال سے ان کی غم گساری کرتے ہیں، شراب نوشی، زنا کاری، لونڈے بازی اور تمام فواحش سے اجتناب کرتے ہیں، یہ کیا ہے اور ایسا کیوں ہے؟

اے ابنِ رسول! میرے سامنے اس کے دلائل اور براہین کے ساتھ تفسیر پیش کیجیے، خدا کی قسم! اس کے بارے میں سوچ سوچ کر میری راتوں کی نیند اڑ چکی ہے اور دل سے چین رخصت ہو چکا ہے۔[1]

یہ ان سوالوں اور شکووں کی صرف ایک مثال ہے، جو ان کے اندرونی قلق و اضطراب کا اظہار کرتی ہے کہ کس طرح ان کی عملی حالت امت کے سلف، ائمہ اہلِ سنت بلکہ عمومی طور پر عوام اہلِ سنت کی عملی حالت اور ان کی نیکی، تقوے اور امانت داری کے ساتھ موازنہ کرتے ہوئے نافرمانیوں اور کبیرہ گناہوں سے بھری ہوئی ہے۔

سائل کو عقیدہ طینۃ کے تقاضے کے مطابق جواب دیا گیا کہ شیعہ میں جو گناہ پائے جاتے ہیں، وہ اہلِ سنت کے خمیر کی وجہ سے ہیں اور سنی معاشرے میں جن نیک اعمال کی کثرت اور غلبہ ہے، وہ شیعہ خمیر کا نتیجہ ہیں۔

---

[1] علل الشرائع (ص: ٦٠٦۔ ٦٠٧) بحار الأنوار (٥/ ٢٢٨۔ ٢٢٩)

ابواسحاق قمی نامی ایک دوسرا سائل آتا ہے اور ابوجعفر باقر سے کہتا ہے:

''میں آپ پر قربان جاؤں! میں موحد مومن کو دیکھتا ہوں، جو میرا ہم مذہب اور آپ کی ولایت کو اللہ کا دین مانتا ہے، میرے اور اس کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ وہ شراب نوشی، زنا کاری اور لونڈے بازی کرتا ہے۔ میں کسی ایک کام کے لیے اس کے پاس جاؤں تو اس کے چہرے پر تیوڑی چڑھ جاتی ہے، رنگ بدل جاتا ہے، میرا کام اس کے لیے بوجھ بن جاتا ہے اور وہ اس کو انتہائی زیادہ سست روی سے انجام دیتا ہے؟!

''لیکن میں اس کے عکس ناصبی (اہلِ سنت کی طرف اشارہ ہے) کو دیکھتا ہوں، جو میرے عقیدے کا مخالف ہے، وہ میرے متعلق یہ جانتا بھی ہے (کہ میں رافضی ہوں) میں کسی کام کے لیے جب اس کے پاس آتا ہوں تو اس کو خوش رو اور مسکراہٹ آمیز چہرے کے ساتھ پاتا ہوں، وہ میرا کام جلدی جلدی اور خوشی خوشی کرتا ہے اور اس کو کرنا ضروری خیال کرتا ہے، وہ کثرت کے ساتھ نماز، روزہ اور صدقہ و خیرات کا اہتمام کرتا ہے، زکات نکالتا ہے اور اس کے پاس امانت رکھوائی جاتی ہے تو وہ اسے امانتداری سے واپس کرتا ہے۔''[1]

یہ سائل پہلے سائل کے شکوے میں اپنے اصحاب کی بد معاملگی، خشونت اور بے وفائی کا اضافہ کرتا ہے، جب کہ اہلِ سنت کو، جو اس کے حریف اور دشمن ہیں، اپنے ہم مذہب افراد سے زیادہ حسنِ سلوک کرنے والا، جلدی ضرورت پوری کرنے والا اور اخلاقیات، معاملات اور عبادات میں افضل پاتا ہے۔

اسی سے ملتا جلتا شکوہ ایک اور شیعہ نے ابوعبداللہ سے بھی کیا اور کہا:

''میں اپنے بعض ہم مذہب اور ہم عقیدہ اصحاب کو بد زبان، بد معاملہ اور وعدے کو شاذ و نادر ہی پورا کرنے والا دیکھتا ہوں تو مجھ پر شدید غم طاری ہو جاتا ہے، لیکن میں اپنے مخالفین میں سے کسی آدمی کو جب دیکھتا ہوں تو اس کو حسنِ سیرت سے مالا مال اور صاحبِ کردار پاتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ وہ وعدہ بھی پورا کرتا ہے تو پھر مزید غم زدہ ہو جاتا ہوں۔''[2]

ایک چوتھا سائل بھی آ کر اپنے غم و اضطراب کا شکوہ کرتا ہے، جس کی اس کو بہ ظاہر کوئی وجہ سمجھ نہیں آتی۔ شیعہ کی روایت کہتی ہے:

---

[1] علل الشرائع (ص: ٤٨٩۔ ٤٩٠) بحار الأنوار (٥/ ٣٤٦۔ ٣٤٧)

[2] البرقي: المحاسن (ص: ١٤٧۔ ١٣٨) بحار الأنوار (٥/ ٢٥١)

''ابو بصیر سے مروی ہے، اس نے کہا: میں ابوعبداللہ کے پاس آیا، میرے ساتھ میرا ایک شیعہ دوست بھی تھا اور اس سے کہا: آپ پر قربان جاؤں! اے فرزندِ رسول! میں حزین اور غم زدہ ہو جاتا ہوں، لیکن میں اس کا سبب نہیں جانتا...''[1]

یہ ظاہر تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ قلق و اضطراب کا باعث یہ غیر واضح عقیدہ ہے، جو روافض کے دلوں میں جڑ پکڑ چکا ہے، لیکن ان کا امام اس قلق و اضطراب کی عقیدہ طینت کے مطابق تفسیر کرتا ہے۔

یہ سوالات اور شکوے، جو بہت سارے ہیں،[2] شیعہ کی نفسیات، تعلقات، اخلاقیات، معاملات اور دینی امور میں ان کی ہیئت ترکیبی اور مزاج کی اچھی طرح وضاحت کرتے ہیں۔ شیعہ علما نے ان پریشان کن اور خوفناک مظاہر کے مقابلے میں اس احساس کا سامنا کرنے کے لیے، جو بعض سچے شیعہ افراد کے شعور پر چھایا ہوا تھا، بہت زیادہ ہاتھ پاؤں مارے ہیں۔ چناں چہ ان کے ان سوالات اور شکوؤں کے پرزور اصرار سے جان چھڑانے کی کوششوں میں سے ایک کوشش اس عقیدے کو پیش کرنا بھی تھا۔

یہاں ہم ان کے ان شکوؤں کے کچھ جوابات سنتے ہیں، ان کا امام کہتا ہے:

''اے اسحاق[1] (راویِ روایت) تم نہیں جانتے، تم کہاں سے لائے گئے ہو؟ میں نے کہا: نہیں آپ پر قربان جاؤں، بخدا میں نہیں جانتا، ہاں اگر آپ بتا دیں تو۔ اس نے کہا: اے اسحاق! جب اللہ تعالیٰ واحدانیت کے ساتھ اکیلا تھا، اس نے اشیا کی کسی شے کے بغیر ابتدا کی، اس نے سات دنوں اور سات راتوں تک زرخیز اچھی زمین میں میٹھا پانی چلا دیا، اس کے بعد پانی خشک ہوگیا، تو اس نے اس گارے اور خمیر کے صاف اور خالص حصے سے ایک مٹھی بھری، یہ ہمارا اہلِ بیت کا خمیر ہے، اس کے بعد اس نے گارے کے سب سے نچلے حصے سے ایک مٹھی بھری، جو ہمارے شیعہ کا خمیر ہے، اس کے بعد اس نے ہم کو اپنے لیے چن لیا۔ اگر ہمارے شیعہ کا خمیر اسی طرح چھوڑ دیا جاتا، جس طرح ہمارے خمیر کو چھوڑ دیا گیا تو ان میں سے کوئی بھی زنا کرتا نہ لونڈے بازی کرتا نہ کوئی نشہ آور چیز ہی

---

[1] بحار الأنوار (٥/ ٢٤٢) مجلسی نے یہ روایت علل الشرائع (ص: ٤٢) کی طرف منسوب کی ہے۔

[2] جو آپ کو کافی اور بحار کے ابواب طینہ میں نظر آئیں گے۔ عن قریب آیندہ صفحات میں ''عالمِ اسلام میں شیعہ اثرات'' کے باب میں اس کے نمونے درج کیے گئے ہیں۔

[3] یہ اس سوال کا جواب ہے، جو ان کے بقول اسحاق قمی نے کیا تھا، جس کی عبارت (ص: ٩٩٩) گزر چکی ہیں، باقی جوابوں میں ہم صرف حوالہ دینے پر اکتفا کریں گے، کیوں کہ ان تمام کو ذکر کرنا طوالت اور تکرار کا باعث ہوگا، کیوں کہ آخر میں یہ تمام جواب تقریباً ایک ہی جواب اور ایک ہی نتیجے تک پہنچتے ہیں۔

نوش کرتا اور ان گناہوں میں سے کسی کا بھی ارتکاب نہ کرتا، جن کا تم نے ذکر کیا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے سات دنوں اور سات راتوں تک ملعون زمین پر نمکین پانی چلایا، اس کے بعد اس سے پانی خشک ہوگیا، پھر اس نے اس سے ایک مٹھی بھری، یہ گندے کیچڑ سے بنا ہوا ملعون خمیر اور فاسد خمیر ہے، جو ہمارے دشمنوں کا خمیر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کی مٹی اور خمیر کو اسی طرح چھوڑ دیتے، جس طرح اس سے مٹھی بھری تھی، تو تم ان کو آدمیوں کی خلقت میں نہ دیکھتے، نہ یہ لوگ کلمہ توحید و رسالت کا اقرار کرتے، نہ نماز و روزے کے پابند ہوتے، نہ زکات دیتے نہ حج کرتے اور تم ان میں سے کسی ایک کو بھی حسنِ اخلاق کا مالک نہ دیکھتے۔

''لیکن اللہ تعالیٰ نے دونوں خمیروں کو یعنی تمھارے اور ان کے خمیر کو اکٹھا کر دیا، ان دونوں کا آمیزہ بنا دیا، چمڑے کے رگڑنے کی طرح ان دونوں کو رگڑا، پھر ان دونوں کو دونوں پانیوں کے ساتھ ملا دیا۔ چناں چہ جو تم نے اپنے بھائی میں شر، زنا کاری یا شراب نوشی اور دیگر فواحش کا تذکرہ کیا ہے، یہ اس کی فطرت، جوہر اور ایمان میں داخل نہیں، بلکہ یہ ناصبی کا اثر ہے، جس کی وجہ سے اس نے ان گناہوں کا ارتکاب کیا، جن کا تم نے ذکر کیا ہے اور جو ناصبی میں تم حسنِ سیرت، حسنِ اخلاق، صوم و صلات کی پابندی، حج کو ادا کرنا، صدقہ خیرات اور نیکی دیکھتے ہو تو وہ اس کی فطرت اور جوہریت میں شامل نہیں، بلکہ یہ تمام افعال ایمان کا اثر ہیں، جو اس نے کمایا تو یہ حقیقت میں ایمان کے اثر اور نشان کا اکتساب ہے۔

''میں نے کہا: آپ پر قربان جاؤں، قیامت کے دن کیا ہوگا؟ اس نے مجھ سے کہا: اے اسحاق! کیا اللہ تعالیٰ اچھائی اور برائی کو ایک جگہ اکٹھا کریں گے؟ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے ایمان کا اثر اور چھاپ نکال لیں گے اور اسے ہمارے شیعہ کی طرف لوٹا دیں گے اور شیعہ نے جو تمام گناہ کیے ہوں گے، یہ ناصبی کا اثر اس سے نکال دے گا اور ہمارے دشمن کو واپس کر دے گا اور ہر چیز اپنے عنصر اول کی طرف لوٹ جائے گی۔

''میں نے کہا: آپ پر جان قربان جاؤں! کیا ان کی نیکیاں لے کر ہمیں دے دی جائیں گی اور ہماری برائیاں ان کو دے دی جائیں گی؟ اس نے کہا: ہاں، اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔''[1]

یہ ہے شیعہ کا عقیدۂ طینت۔ قمی کی روایت کے سیاق کے شروع میں ہے:

[1] علل الشرائع (ص: ٤٩٠۔ ٤٩١) بحار الأنوار (٥/ ٢٤٧۔ ٢٤٨)

''جوتم نے سوال کیا ہے، اس کا اطمینان بخش جواب، اور اللہ تعالیٰ کے علم اور راز کے خزانوں سے چھپا ہوا علم تجھے دیا جاتا ہے۔''[1]

اس روایت کے آخر میں ہے:

''اے اسحاق! یہ تجھے پیش کی جاتی ہیں، انھیں پکڑ لو، یہ ہماری روشن احادیث، باطنی رازوں اور چھپے ہوئے خزانوں میں سے ہے۔ چلا جا اور ہمارا راز بابصیرت مومن کے علاوہ کسی کو نہ دینا۔ اگر تم نے ہمارے راز کو افشا کر دیا تو تم اپنی جان، مال، اہل اور اولاد میں آزمایش میں پڑ جاؤ گے۔''[2]

جس طرح آپ ملاحظہ کرتے ہیں سلطنتِ اسلام کی قوت اور شوکت کے دوران میں ایک خفیہ عقیدہ تھا، جس کے شروع اور آخر میں اس کو خفیہ رکھنے کی تاکید کی گئی، تو کیا اس عقیدے کو گھڑنے والے کے دل میں یہ خیال پیدا نہیں ہوا تھا کہ ایک دن یہ عقیدہ اہلِ سنت کے ہاتھ لگ سکتا ہے اور وہ اس کو ان کی ایک فضیحت اور رسوائی کے طور پر سرِعام لوگوں کے سامنے پیش کریں گے؟

اس عقیدے پر تبصرہ وتنقید:

- یہ روایات خود اپنی تردید آپ کرتی ہیں، ان شکوؤں اور سوالات میں آپ نے دیکھا ہے کہ شیعی جرائم کی گہرائی میں ڈوبا ہوا، نافرمانیوں اور کبیرہ گناہوں کی دلدل میں آخر تک پھنسا ہوا، معاملات میں بدترین اور اخلاق اور دین میں انتہائی گھٹیا اور پست ہے، تو جس شخص کی یہ حالت ہے، وہ افضل خمیر سے گوندا گیا ہوتا ہے اور پاکیزہ ترین مخلوق ہوتا ہے؟
- اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تمام لوگوں کو فطرتِ اسلام پر پیدا فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ﴾ [الروم: ۳۰]

''پس تو ایک طرف کا ہوکر اپنا چہرہ دین کے لیے سیدھا رکھ، اللہ کی اس فطرت کے مطابق، جس پر اس نے سب لوگوں کو پیدا کیا، اللہ کی پیدایش کو کسی طرح بدلنا (جائز) نہیں، یہی سیدھا دین ہے۔''

ان دونوں کے درمیان تفریق کرنا شیعہ کی منحرف کہانیوں اور افسانوں کا کمال ہے۔

---

[1] علل الشرائع (ص: ٦٠٧) بحار الأنوار (٥/ ٢٢٩)

[2] علل الشرائع (ص: ٦١٠) بحار الأنوار (٥/ ٢٣٣)

- شیعہ نے طینت کی روایات میں افعالِ عباد کے بارے میں اپنے مذہب کی خود تردید کی ہے، کیوں کہ ان روایات کا تقاضا ہے کہ بندہ اپنے فعل پر مجبور ہے، اس کو کوئی اختیار نہیں، کیوں کہ اس کے تمام افعال اس کے خمیر کا تقاضا ہیں، حالاں کہ ان کا مذہب معتزلہ کے مذہب کی طرح ہے کہ انسان اپنے فعل کا خود خالق ہے۔[1]
- شیعہ کی طینت کے متعلق روایات ثابت کرتی ہیں کہ ''شیعہ کے کبیرہ گناہ اور ان کا بوجھ اہلِ سنت اٹھائیں گے اور مسلمانوں کی تمام نیکیاں ان کو دے دی جائیں گے۔

یہ بات عدلِ ربانی کے خلاف ہے۔ نصوصِ شریعت اور اصولِ اسلام تو ایک طرف رہے، یہ صریح عقل اور سلیم فطرت کے ساتھ بھی اتفاق نہیں کرتیں۔

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ﴾ [الأنعام: ١٦٤، فاطر: ١٨، الزمر: ٧]

''اور نہ کوئی بوجھ اٹھانے والی کسی دوسری کا بوجھ اٹھائے گی۔''

نیز فرمایا:

﴿ كُلُّ امْرِئٍۭ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ﴾ [الطور: ٢١]

''ہر آدمی اس کے عوض جو اس نے کمایا گروی رکھا ہوا ہے۔''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ﴾ [المدثر: ٣٨]

''ہر شخص اپنے کیے کے بدلے گروی رکھا ہوا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ [الزلزال: ٧۔ ٨]

''تو جو شخص ایک ذرہ برابر نیکی کرے گا اسے دیکھ لے گا۔ اور جو شخص ایک ذرہ برابر برائی کرے گا اسے دیکھ لے گا۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ﴾ [الغافر/ المؤمن: ١٧]

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (٦٨٦) دیکھیں۔

''آج ہر شخص کو اس کا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کمایا، آج کوئی ظلم نہیں۔''

دیگر بھی بہت ساری آیات ہیں۔ اس نظریے کا باطل ہونا بالکل واضح ہے، اس کے فساد اور خرابی کو جاننے کے لیے اس کا صرف تصور پیش کرنا ہی کافی ہے اور یہ اثنا عشری مذہب کی رسوائیوں اور شرمناکیوں میں ایک فضیحت ہے۔

آج تک شیعہ نے اس عقیدے کا علی الاعلان اظہار کرنے میں بالکل شرم محسوس نہیں کی۔ آپ اس جھوٹ اور الزام کی روایات ''بحار الأنوار''[1] اور ''الأنوار النعمانیة''[2] میں پائیں گے اور شیعہ محقق نے جو ان پر تبصرہ کاری اور تعلیق نگاری کی ہے، وہ اس کی ان کہانیوں کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھنے اور ان کا اعتقاد رکھنے کی غماز ہے۔

''إذا لم تستحِ فاصنع ما شئت'' (اگر تجھے شرم نہ آئے تو جو جی میں آئے کرتا پھر)۔

---

[1] دیکھیں: الأنوار النعمانیة (١/ ٢٨٧) تعلیقه، رقم (١)

[2] بحار الأنوار (٥/ ٢٣٣، حاشیه: ٣)

چوتھا باب

معاصر شیعہ اور ان کا اپنے اسلاف کے ساتھ تعلق

یہ باب چار فصلوں پر مشتمل ہے:

① مصادرِ تلقی (حصولِ معرفت) میں تعلق۔

② قدیم فرقوں کے ساتھ شیعہ کا تعلق۔

③ شیعہ قدما اور معاصرین کے درمیان اعتقادی تعلق۔

④ آیات کی سلطنت۔

معاصر شیعہ اور ان کا اپنے اسلاف کے ساتھ تعلق

ابتدائیہ:

اس باب میں مَیں ۔ان شاء اللہ۔ معاصر شیعہ کا مذہب زیرِ بحث لاؤں گا، اس لیے آپ کو اس میں صرف ان معاصرین کا کلام ملے گا، بہ جز اس کے جس کا تذکرہ ان کے بعض اقوال پر بحث کے ضمن میں آ جائے۔ معاصرین (ہم عصر) سے میری مراد وہ ہیں، جو ہمارے اس زمانے کی آخری صدی میں ہوئے ہیں۔

میں یہ وضاحت کروں گا کہ یہ لوگ کس حد تک اپنے پرانے مصادر سے اتفاق رکھتے ہیں، جن میں یہ تمام آفات ذکر ہوئی ہیں، جن کا مختصراً ذکر اس کتاب میں ہوا ہے۔

نیز میں یہ بھی بیان کروں گا کہ ان کا پرانے شیعہ فرقوں کے ساتھ کس نوعیت کا تعلق ہے۔ کیا یہ رضامندی اور ان کو قبول کرنے کا تعلق ہے یا انکار کا تعلق ہے۔ اس کے بعد ان کی چند ایک اعتقادی آرا کی بھی وضاحت کروں گا، تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ کیا عصرِ حاضر میں اثنا عشری مذہب میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے کہ نہیں، اس کے بعد ''سلطنتِ آیات'' کے متعلق گفتگو ہوگی اور اس کی روشنی میں تشیع کی حقیقت زیرِ بحث آئے گی۔

پہلی فصل

مصادرِ تلقي (حصولِ معرفت) میں تعلق

حصولِ معلومات کے مصادر اور مآخذ میں وحدت کسی بھی فرقے کے نزدیک اعتقادات اور نظریات میں اتفاق کا پہلا اور آخری عامل ہوتا ہے اور یہی بعد والوں کے قافلے کو سابقین اور پہلوں کے قافلے کے ساتھ ملاتا ہے۔ عصرِ حاضر کے شیعہ نے حصولِ معلومات کے لیے اپنی قدیم چار بنیادی کتابوں "الكافي"، "التهذيب"، "الاستبصار" اور "من لا يحضره الفقيه" پر اعتماد کیا ہے۔

چناں چہ شیعہ کے علما جیسے: آغا بزرگ طہرانی نے "الذريعة"[1] اور محسن امین نے "أعيان الشيعة"[2] میں اس کا اقرار اور اثبات کیا ہے، ان کے علاوہ دیگر نے بھی یہی کہا ہے۔[3]

دورِ جدید کا شیعی آیت عبدالحسین موسوی اپنی چاروں کتابوں کے بارے میں کہتا ہے:

> "یہ "الكافي"، "التهذيب"، "الاستبصار" اور "من لا يحضره الفقيه" ہیں، یہ متواتر ہیں اور ان کے مضامین کی صحت یقینی اور قطعی ہے، کافی ان تمام میں سب سے زیادہ قدیم، عظیم، بہترین اور پختہ ترین ہے۔"[4]

کیا اس کے بعد معاصرین، کلینی اور اس کے نظراء کے طبقے سے کچھ مختلف ہیں، جب کہ دونوں ایک ہی چشمے اور ایک ہی مصدر سے کسبِ فیض کرتے ہیں؟ طبعی بات ہے کہ وہ بالکل مختلف نہیں ہوں گے، بالخصوص بنیادی اصول میں، لیکن معاملہ اسی حد پر نہیں ٹھہرتا، بلکہ معاصر شیعہ علما نے، اس کو بھی، جو ان کے متاخر علما نے بارھویں اور تیرھویں صدی میں جمع کیا، مصادر حصولِ معلومات میں شمار کر لیا، جس میں آخری کتاب شیعہ کے عالم نوری (المتوفی ۱۳۲۰ھ) کی ہے، جس نے "مستدرك الوسائل" کے نام سے روایات جمع کیں۔ انھوں نے

[1] الذريعة (١٧/ ٢٤٥)

[2] أعيان الشيعة (١/ ٢٨٠)

[3] دیکھیں: مقدمة سفينة البحار.

[4] المراجعات (ص: ٣١١، المراجعة: ١١٠)

ان مصادر کو ''متاخر کتبِ اربعہ'' کا نام دیا اور اس بات سے قطع نظر کہ عصرِ اول کے ائمہ سے روایات نقل کر کے چودھویں صدی میں لکھی گئیں، ان پر اعتماد کیا گیا۔

اس بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے؟ یہ تمام کتب، مستدرک الوسائل کے علاوہ، صفوی عہدِ حکومت کے دوران میں جمع کی گئیں اور لکھی گئیں، اس لیے ان میں اس قدر غلو اور آفتوں کی بھرمار ہے جو پہلے شیعہ کے وہم و خیال میں بھی پیدا نہیں ہوئی ہوں گی، جس طرح آپ ملا باقر مجلسی کی "بحار الأنوار" میں دیکھتے ہیں، اس کے باوجود یہ دورِ جدید کے شیعہ کے ہاں اصل اور بنیادی قابلِ اعتماد مآخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

یہ، طبعی طور پر، معاصرین کے ہاں ایک خطرناک ارتقا کا جنم ہے، جو اُن کو گمراہی اور انتہا پسندی کی گہری کھائیوں میں پھینک دیتا ہے۔ اسی پر بس نہیں، بلکہ معاصرین نے دسیوں ایسے مصادر پر بھی اعتماد کیا ہے، جو ان کے پاس ان کی پیشروؤں کے حوالے سے پہنچی ہیں اور انھوں نے انھیں اعتبار اور احتجاج کے لحاظ سے پہلی کتبِ اربعہ ہی کی طرح سمجھا ہے، جس طرح آپ ان مصادر کے مقدمات میں یہ بات تحریر شدہ پاتے ہیں۔ یہ حقیقت میں ان کی صفوی سلطنت کے شیخ وفقیہ ملا باقر مجلسی ہی کی تقلید ہے، جس نے ان کتابوں کو اپنی کتاب "بحار الأنوار" میں یہی رتبہ دیا ہے۔

صرف یہی نہیں بلکہ بعض اسماعیلی مصادر بھی معاصر اثنا عشریہ کے ہاں اعتماد کا رتبہ رکھتے ہیں، جس طرح قاضی نعمان بن محمد منصور (۳۶۳ھ) کی کتاب "دعائم الإسلام" ہے، جو اسماعیلی تھا، بلکہ بعض اثنا عشری مصادر خود بھی تاکیداً اس بات کا ذکر کرتے ہیں،[1] اس کے باوجود شیعہ کے بڑے بڑے معاصر علما اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔[2]

بعض معاصر اثنا عشری یہ اشارہ بھی کرتے ہیں کہ اسماعیلیہ اور اثنا عشریہ کے مصادر حصولِ معرفت کی اصل ایک ہی ہے، ایک کہتا ہے:

''اگرچہ فاطمی اثنا عشری مذہب پر نہیں ہیں، لیکن یہ مذہب انہی کے عہد میں جوان اور مضبوط ہوا اور اسی عہد میں اس کو پروان چڑھنے کی آزادی تھی، اس کا اثر اور نفوذ بہت زیادہ ہوگیا اور اس کے داعی

---

[1] اثنا عشری شیعہ ابن شہر اشوب (المتوفی ۵۸۸ھ) کہتا ہے: ''قاضی نعمان بن محمد امامی نہیں۔'' (معالم العلماء، ص: ۱۳۹) آپ دیکھتے ہیں کہ امامیہ اپنے کسی بھی امام کا انکار کرنے والے کو کسی بھی نبی کی نبوت کا انکار کرنے والے کے مانند قرار دیتے ہیں، یعنی وہ کافر ہوتا ہے۔ جب اسماعیلی جعفر صادق کے بعد ہر امام کا انکار کرتے ہیں، اس کے باوجود اثنا عشریہ اسماعیلیہ سے اخذ و اکتساب کرتے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ کافروں سے اپنا دینی علم حاصل کرتے ہیں!!

[2] مثلاً خمینی اپنی کتاب "الحكومة الإسلامية" میں اس کا حوالہ دیتا ہے۔ دیکھیں: الحكومة (ص: ٦٧)

سرگرمی سے کام کرنے لگے، کیوں کہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ اگرچہ چند جہات میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں، لیکن شعائر اور علامات میں وہ ایک دوسرے سے جا ملتے ہیں، بالخصوص علوم آلِ بیت کی تدریس و تفقہ اور لوگوں کو اس پر مجبور کرنا۔''[1]

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں شیعہ اثنا عشریہ کا اس قول پر غالیوں کے لیے کشادہ دلی کے مظاہرہ کا ذکر ہوا ہے:

''حدود کا غالیوں کے سامنے مکمل طور پر بند نہ ہونا، اس تعظیم و احترام پر دلالت کرتا ہے، جو اسماعیلیہ کی سب سے بڑی کتاب ''دعائم الإسلام'' کے لیے مدتوں قائم رہی۔''[2]

''جو شخص اسماعیلیہ کی بعض کتابوں کا مطالعہ کرتا ہے، اسے دونوں فرقوں کی جملہ روایات میں اتفاق نظر آئے گا۔''[3]

ان تمام امور کا مطلب ہوا کہ اس گروہ نے عصرِ حاضر میں اپنے آپ کو ایک گہرے اور اندھیرے سمندر میں پھینک دیا ہے، جس کی لہریں انھیں جہاں چاہتی ہیں، پھینک دیتی ہیں، کیوں کہ ان لوگوں نے اپنے تک پہنچنے والی سابقہ لوگوں کی اکثر کتابوں کو اپنے لیے قابل اعتماد مصدر بنانا پسند کر لیا ہے۔

بلکہ اس زمانے میں ان کی، شیعہ کے قدیم علمی ورثے کے احیا، تعارف اور ترویج کے لیے ایک بڑی سرگرم تحریک بھی قائم ہوگئی ہے۔ یہ علمی ورثہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول پر اعتراضات سے بھرا ہوا اور صدرِ اسلام کی شخصیات بالخصوص خلفاے ثلاثہ، بعض امہات المومنین اور ان کے ہم مسلک مہاجرین و انصار پر لعن طعن، تکفیر اور ان کو دائمی جہنمی قرار دینے جیسی باتوں سے لدا ہوا ہے، حالاں کہ یہ لوگ قرآنی نص کے مصداق ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ ہیں۔

نشر و اشاعت کی اس تحریک کو شیعہ کے عصرِ حاضر کے مشہور مجتہدین علما نے قائم کیا اور پروان چڑھایا ہے، ان کی اکثر کتابوں پر ان کی تصحیحات، تعلیقات اور تقریظات بھی ہیں، اس کے باوجود ہمیں ان کتابوں میں موجود کفر و الحاد پر ان کی طرف سے کوئی اعتراض یا تنقید نظر نہیں آتی، تو کیا یہ ان لوگوں کی طرف سے ان کے مندرجات کی صحت کا اقرار نہیں؟

---

[1] محمد جواد مغنية: الشيعة في الميزان (ص: ١٦٣)

[2] دائرة المعارف الإسلامية (١٤/ ٧٢)

[3] مثال کے طور پر دیکھیں: ان کی یہ حدیث ''من لم يؤمن برجعتنا فليس منا'' اسماعیلی کتابوں میں بھی ذکر ہوئی ہے۔ (دیکھیں: کتب اسماعیلیہ کے ضمن میں مجموعه مسائل، ص: ٤٩) اور یہ روایت اثنا عشری (ص: ٤٦) کتابوں میں بھی ذکر ہوئی ہے۔

ڈاکٹر علی سالوس نے یہی سوال ایک معاصر شیعہ عالم کے سامنے پیش کیا اور اصولِ کافی میں غلو آمیز روایات کی بھرمار کے بارے میں اس کی رائے دریافت کی تو اس نے بہ قلم خود درج ذیل عبارت میں اس کا جواب دیا:

''وہ روایات جنھیں ہمارے شیخ کلینی نے اپنی کتاب ''الکافی'' میں ذکر کیا ہے، ان کا صادر ہونا ہمارے نزدیک قابلِ اعتبار ہے اور جو کافی میں یہ ذکر ہوا ہے کہ ائمہ ان تمام علوم سے بہرہ ور ہیں، جو ملائکہ، انبیا اور رسولوں کے پاس آئے، وہ جب جاننا چاہیں، جان سکتے ہیں، انھیں اپنی موت کے وقت کا علم ہوتا ہے اور انھیں موت کا اختیار دیا جاتا ہے، وہ ''ما کان'' اور ''ما یکون'' کا علم رکھتے ہیں، ان پر کوئی چیز مخفی نہیں، بلاشبہہ وہ اللہ تعالیٰ کے اولیا اور ایسے بندے ہیں، جنھوں نے خالص اسی کی اطاعت کی، اس کے بعد اس نے اپنے ائمہ کا یہ قول ذکر کیا: ہمارے بارے میں جو چاہو کہو اور ہمیں ربوبیت سے پاک رکھو۔''[1]

یہ اقتباس کسی تبصرے کا محتاج نہیں، کیوں کہ اس نے اپنے ائمہ کے لیے اس وصف کا اقرار کیا ہے، جو خالق جل شانہ کے سوا کسی کو زیبا نہیں۔ یہ اصولِ کافی کے غلو پر مشتمل مضامین کے متعلق صرف کفائی ہی کی رائے نہیں، بلکہ اہلِ سنت اور شیعہ کو دعوتِ اتحاد دینے کے لیے لکھی گئی ایک کتاب کے مصنف خیزی کا بھی، ان مسائل کے جواب میں ایسا ہی جواب ہے، جو حقیقت میں کفائی کے جواب سے قطعاً مختلف نہیں۔[2]

طرفہ تو یہ ہے کہ اس نے اس بات کا اقرار اس کتاب میں کیا ہے، جو اس نے تقیے کے اسلوب میں تحریر کی ہے، کیوں کہ یہ ان کی اتحاد بین المسلمین کی مزعومہ دعوت کا منشور ہے، جو درحقیقت اہلِ سنت میں رافضیت پھیلانے کا مشن ہے، ایسے ہی شیعہ کے ایک دوسرے عالم لطف اللہ صافی نے محبّ الدین خطیب کے جواب میں، جنھوں نے اپنی کتاب ''الخطوط العریضة'' میں کافی کے بعض غلو آمیز عناوین پیش کیے ہیں،[3] کہا ہے:

''کافی کے ابواب و عناوین، ان (ائمہ) کو اپنے نانا رسول اللہ ﷺ سے وراثت میں ملے امور کے سوا کچھ نہیں۔''[4]

بلکہ یہ کتابیں اور تالیفات جن کا پیٹ اس غلو سے پھولا ہوا ہے، معاصرین کے ہاں فخر و مباہات کی

---

[1] کاظم کفائی کی یہ بات علی سالوس نے اس کے خط کے ساتھ شائع کی ہے۔ دیکھیں: فقه الشيعة (ص: ٢٦٥)

[2] أبو الحسن الخنيزي: الدعوة الإسلامية (١/ ٢٧۔ ٢٨)

[3] الخطوط العريضة (ص: ٦٩)

[4] مع محب الدين في خطوطه العريضة (ص: ١٤٩)

چیزیں ہیں۔ شیعہ کے ایک آیت کی گفتگو سنیے، وہ اپنے ائمہ کے چھوڑے ہوئے آثار کے بارے میں کہتا ہے، جو اس کے خیال میں ان کی امامت کی دلیل ہیں:

''ان کے آثار ہیں، جو اس امامت مقصودہ پر دلالت کرتے ہیں۔ میں تمھیں ان بہت ساری مجامیع (مجموعہ ہائے روایات) کا حوالہ اور پتا نہیں دوں گا، جو ان سے روایت کی گئیں اور ان کے زمانے یا ان کے قریب زمانے میں تالیف کی گئیں، جیسے ''تحف العقول''، ''بصائر الدرجات''، ''الخرائج والجرائح''، طبرسی کی ''الاحتجاج''، صدیق کی ''الخصال'' اور ''التوحيد''...جن کی تعداد بہت زیادہ ہے، بلکہ میں تمھیں صرف ایک ہی جامع اثر اور مثال کا حوالہ دیتا ہوں، جس میں ہر امام کی روایات کا بہت زیادہ حصہ ہے اور وہ کتاب ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی کی ''الكافي'' ہے، اس نے یہ عمدہ کتاب بیس سالوں میں لکھی اور اس کی کتب اور ابواب میں ہر امام کی روایات درج کیں، جو یہ بات بتانے کے لیے کافی ہیں کہ یہ خوشگوار علم کا دریائے فرات فیض الٰہی کے چشموں سے پھوٹتا ہے اور لوگوں کے دامن ان جیسے نفائس (اور نادر علوم و معارف) سے خالی ہیں۔''[1]

اس کے بعد وہ اصولِ کافی کو کے متعلق مبالغہ آرائی کو جاری رکھتے ہوئے قاری سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس کی حقیقت جاننے کے لیے اس کی طرف رجوع کرے۔[2]

---

[1] الشيعة والإمامة: لمحمد رضا المظفر (ص: ١٠١)

[2] مع محب الدين الخطيب في خطوطه العريضة (ص: ١٠٢)

دوسری فصل

قدیم فرقوں کے ساتھ معاصر شیعہ کا تعلق

شیعہ معاصرین کا ان قدیم شیعہ فرقوں کے ساتھ کیا تعلق ہے، جن کا عقائد ونظریات اور فرق کی کتابوں میں ذکر ہوتا ہے؟

میں غور کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ شیعہ کے معاصر علما اور ''آیات'' جب اپنے گروہ، اس کی شخصیات اور ممالک کا تذکرہ کرتے ہیں، تو شیعیت کی طرف منسوب تمام فرقوں، شخصیات اور ممالک کی نسبت اپنے اس گروہ کی طرف کر دیتے ہیں، خواہ وہ اسماعیلیہ ہوں یا باطنیہ، یا زنادقہ دہریہ ہوں یا پھر غالی مجسمہ۔

مثال کے طور پر جب وہ شیعہ ممالک کے متعلق گفتگو کرتے ہیں تو فاطمی سلطنت کا ذکر اپنے تمام ممالک سے پہلے کرتے ہیں اور اسے ان میں سرِفہرست رکھتے ہیں، حالاں کہ وہ اثنا عشری نہیں تھی۔[1]

جب ان کے رجال اور اشخاص کا ذکر آتا ہے تو آپ ان میں سے اکثر ایسے لوگوں کو دیکھیں گے جو گمراہی اور زندیقیت کے رؤسا اور نامور ملحدین میں شمار ہوتے ہیں، جن کی طرف ایسے مخصوص فرقے منسوب ہیں جن کا اثنا عشریہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، بلکہ وہ فرقے اپنے بانیوں کے نام پر ہیں۔ اس لیے آپ مثال کے طور پر شیعہ کے شیخ محسن الامین کو دیکھتے ہیں، وہ ہشام بن حکم کے پیروکار ''ہاشمیہ'' یونس بن عبدالرحمٰن قمی کے ماننے والے ''یونسیہ'' اور محمد بن نعمان شیطان الطاق کے اَتباع ''شیطانیہ'' وغیرہم کے بارے میں کہتا ہے:

''یہ تمام لوگ امامی شیعہ کے نزدیک ثقات اور صحیح عقیدہ رکھتے ہیں، لہٰذا یہ تمام ہی امامی اور اثنا عشریہ ہیں۔''[2]

اس سے بھی خطرناک بات یہ ہے کہ ہم اثنا عشریہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ تشیع کی طرف منسوب ہر فرقے کو گود لینا چاہتے ہیں، خواہ وہ خود قدیم شیعہ کتابوں کے اعتراف و اقرار کے مطابق کفر کے فرقے ہی کیوں نہ ہوں،

---

[1] دیکھیں: الشيعة في الميزان، مبحث دول الشيعة (ص: ١٢٧ وما بعدها) نیز دیکھیں: أعيان الشيعة (١/ ٤٤، ٤٥) مزید دیکھیں: دول الشيعة لمحمد جواد مغنية.

[2] أعيان الشيعة (١/ ٢١)

مثلاً آپ دیکھتے ہیں کہ وہ نصیریہ جیسے غالی اور کافر فرقوں کو بھی، جن کے غالی ہونے پر اہلِ اسلام کا اتفاق ہے، شریعت کا رنگ دیتے ہیں۔

شیعہ کے ایک معاصر عالم حسن شیرازی نے "العلويون شيعة أهل البيت" نامی ایک رسالہ تالیف کیا ہے۔ ''علویون'' نصیریہ کا لقب ہے۔ اس نے اپنے اس رسالے میں ذکر کیا ہے کہ اس نے اپنے دینی مرجع محمد شیرازی کے حکم کے مطابق شام اور لبنان میں نصیریہ سے ملاقات کی۔ وہ کہتا ہے کہ اس نے ان کو ایسے ہی پایا، جس طرح جیسے شیعانِ آلِ بیت کے بارے میں گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ صفاے اخلاص اور التزامِ حق کے ساتھ براءت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ یہ علی بن ابی طالب کی ولایت کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں اور ان میں کچھ ان کے ساتھ ولایت اور نسب کی دونوں نسبتیں رکھتیں ہیں ...۔ وہ مزید کہتا ہے: علوی اور شیعہ، امامیہ اور جعفریہ کی طرح کے دو مترادف اور ہم معنی کلمات ہیں۔[1]

اس کے باوجود کسی اثنا عشری عالم نے اس شیرازی کی تردید یا مخالفت نہیں کی، حالاں کہ نصیریہ کا کفر اور زندیقیت معروف ومشہور ہے۔[2] بلکہ قدیم کتبِ شیعہ نصیریہ کو کافر قرار دیتی ہیں اور اس کو اسلام سے خارج فرقہ شمار کرتی ہیں،[3] لیکن معاصرین اس فرقے کو جعفریہ سے قرار دیتے ہیں، اگرچہ وہ اس نام سے موسوم نہیں۔

عصرِ حاضر کے چند ایک بڑے شیعہ مراجع کا موقف ہے کہ آج روے زمین پر کسی غالی فرقے کا وجود نہیں، حالاں کہ نصیریہ، دروز اور آغا خانی وغیرہ کثرت سے پائے جاتے ہیں، گویا یہ مرجع تقلید ان پر عدمِ غلو کا حکم لگا رہا ہے! محمد حسین آلِ کاشف الغطا کہتا ہے:

''تمام غالی فرقے ہلاک ہو چکے ہیں، اب ان کا کوئی آخری فرد بھی موجود نہیں۔''[4]

ڈاکٹر سلیمان دنیا رحمہ اللہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''کیا آغا خانی موجود نہیں؟ کیا یہ حلول کے قائل نہیں یا یہ حلول کا عقیدہ رکھنے کے باوجود ملحد نہیں؟ یا یہ شیعہ کی طرف منسوب نہیں؟ پھر کیا یہ آج زمین کے کسی خطے پر موجود نہیں؟!''[5]

امر واقع تو یہ ہے کہ آج بہت سارے شیعہ فرقوں کے نام تو مٹ چکے ہیں، لیکن اثنا عشری کتابوں میں

---

[1] حسن الشيرازي: العلويون شيعة أهل البيت (ص: ٢۔ ٣)
[2] دیکھیں: مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام ابن تيمية (٣٥/ ١٤٥ وما بعدها)
[3] دیکھیں: بحار الأنوار (٥٢/ ٢٨٥)
[4] أصل الشيعة وأصولها (ص: ٣٨) نیز دیکھیں: دعوة التقريب (ص: ٧٥)
[5] بين السنة والشيعة (ص: ٣٧)

ان کی آرا اور عقائد باقی ہیں۔ معاصرین آج جب یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ کتبِ ثمانیہ (۸ کتابیں) اور جو ان کے ہم رتبہ کتابیں ہیں، یہ شیعہ کے مصادر حصولِ معرفت ہیں، تو یہ بات کہہ کر وہ تاریخ کے مختلف ادوار اور مدار میں پائے جانے والے تمام شیعہ فرقوں کے عقائد و نظریات کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھنے کا اظہار کرتے ہیں، کیوں کہ یہ مدوّنات اور مؤلفات وہ بڑا دریا ہے، جس میں شیعہ کی تمام دیگر ندیاں اور نہریں جا ملتی ہیں۔

یہ وہ واقعاتی حقیقت ہے، جس کے بہت زیادہ شواہد ہیں، کیوں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان فرقوں کا جو بھی عقیدہ ہے، اس کا شاہد اور دلیل اثنا عشریہ کی کتابوں میں موجود ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ عقیدہ بدا کو فرق پر لکھنے والوں نے غالیوں کے عقائد میں شمار کیا ہے۔[1] انھوں نے اس کی نسبت مختاریہ[2] کی طرف کی ہے، اس کے باوجود ان کی صحیح کافی میں بدا کے متعلق ۱۶ روایات ذکر ہوئی ہیں۔ بحار الانوار کے "باب البداء و النسخ" میں ۷۰ سے زیادہ روایات نقل کی گئی ہیں، جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ بدا اِثنا عشریہ کا ایک عقیدہ بن چکا ہے، اگرچہ شیعہ کے علما نے اس سے راہِ نجات تلاش کرنے کی پوری کوش کی ہے، تاکہ اس گمراہ عقیدے کو اپنانے کی وجہ سے مسلمانوں کی تکفیر سے بچ سکیں۔

اسی طرح عقیدۂ رجعت ہے، جس کو انھوں نے غالیوں کے عقائد میں شمار کیا ہے۔ جب کہ اہلِ سنت کی کتابوں نے ذکر کیا ہے اور اثنا عشریہ کی کتابوں نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ رجعت ابن سبا کے عقیدے کے اصول میں ہے، اس کے باوجود یہ اثنا عشریہ کے عقائد کے اصول میں بھی داخل ہے؟![3]

اسی طرح ''ائمہ کو خدا کا درجہ'' دینے کا عقیدہ سبائیہ جیسے غالی فرقوں کا عقیدہ ہے، لیکن آپ کو اثنا عشریہ کی کتابوں میں، جیسے: کافی، بحار الانوار، شیعہ کی کتبِ تفسیر بالماثور، تفسیر قمی، عیاشی اور شیعہ کی کتبِ رجال، جیسے: رجال الکشی وغیرہ میں ایسی بہت ساری عبارتیں ملیں گی، جو ائمہ کو خدا قرار دیتی ہیں، جس طرح بعض کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے۔

ائمہ کو انبیا پر افضلیت دینے کا مسئلہ بھی غالی رافضیوں کا عقیدہ تھا، جس طرح امام عبد القادر بغدادی (المتوفی ۴۲۹ھ) قاضی عیاض (المتوفی ۵۴۴ھ) اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ (المتوفی ۷۲۸ھ) نے ثابت کیا ہے، لیکن اثنا عشری گروہ نے اس کو بھی ان کی وراثت سے لے لیا۔[4]

---

[1] دیکھیں: الشهرستاني: الملل والنحل (۱/ ۱۷۳)

[2] مختاریہ، مختار بن ابی عبید کے اَتباع ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بدا یعنی ظہورِ علم کا قائل تھا۔ (الملل والنحل: ۱/ ۱۴۷۔ ۱۴۸)

[3] دیکھیں: فصلِ رجعت۔

[4] اسی کتاب کا صفحہ (۶۵۹) دیکھیں۔

اس موضوع پر تفصیلی بحث ایک مستقل بحث اور تحقیق کا تقاضا کرتی ہے اور قدیم شیعہ فرقوں کی آرا و افکار کا مطالعہ اور اثنا عشریہ کی کتابوں اور مولفات میں ذکر ہونے والے عقائد و نظریات کے ساتھ ان کا تقابل کرنا ایک نئی تحقیق ہے، جو اس فرقے اور قدیم فرقوں کے درمیان تعلقات کھول سکتی ہے۔

غالی شیعہ فرقوں کے نظریات و افکار اثنا عشریہ کی کتابوں میں ائمہ کی طرف منسوب روایات کی شکل میں سرایت کر چکے ہیں اور معاصرین نے ان کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ آرا و افکار کی اس سرایت کاری اور گھسنے کا سبب خود شیعہ علما تھے، جن کو تعصب نے ہر شیعی روایت قبول کرنے پر اُکسایا، خواہ جو بھی اس کا مذہب ہو اور ان کی روایت سے اعراض پر مجبور کیا، جس کو انھوں نے عامہ کا نام دیا، یعنی اہلِ سنت۔ شیعہ کے عالم طوسی نے یہ تسلیم کیا ہے کہ ان کے اکثر رجالِ حدیث فاسد مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں، اس کے باوجود وہ کہتا ہے کہ ان کی کتابیں قابلِ اعتماد ہیں!

جو ان کے رجال کے تراجم اور حالاتِ زندگی کا مطالعہ کرتا ہے، وہ یہ بات اچھی طرح ملاحظہ کرتا ہے، کیوں کہ واقفی اور فطحی وغیرہ انھی رجال میں شامل ہیں۔[1] عصرِ حاضر کے ایک شیعہ مفکر نے بھی تسلیم کیا ہے کہ اثنا عشری مکتبہ فکر نے قدیم شیعہ فرقوں کی تمام آرا اور عقائد کو سمیٹ لے لیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

> ''قلم رکھنے سے پہلے یہ اشارہ کرنا لازمی ہے کہ جن شیعہ افکار کا ذکر ہوا ہے، ان میں جو کسی خاص فرقے کے افکار تھے، وہ تمام کے تمام جلد ہی اثنا عشری تشیع میں داخل ہو گئے اور ان کی عقلی دلائل اور نصوص کے ساتھ تائید کی گئی۔
>
> موجودہ تشیع تمام شیعہ تحریکات کا نچوڑ اور خلاصہ ہے، جن کا آغاز عمار، حجر بن عدی، مختار، کیسان، محمد بن حنفیہ، ابو ہاشم، بیان بن سمعان، غالی کوفیوں، عبداللہ بن حارث کے غالی انصار سے ہوتے ہوئے زیدیوں، اسماعیلیوں، پھر امامیہ تک جا پہنچتا ہے، جو اثنا عشریہ بن گئے اور امتزاج و اختلاط کا یہ کام شیعہ کے متکلمین اور مصنفوں نے سرانجام دیا۔''[2]

چنانچہ موجودہ شیعیت نے تمام شیعہ رجحانات کا، ان کے تمام تر غلو اور انتہا پسندی سمیت، مکمل احاطہ کر لیا ہے، بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت علی کے بارے میں سبائی رجحانِ فکر مکمل غلو کے ساتھ اثنا عشری روایات کے ذریعے ہمارے سامنے سر نکالتا دکھائی دیتا ہے۔ جو شخص کافی اور بحار کے صرف عناوین پر ایک نظر ڈالتا ہے، اس کو

---

[1] دیکھیں: فصلِ سنت.

[2] مصطفى الشيبي: الصلة بين التصوف والتشيع (ص: ٢٣٥)

اس امر کا بہ خوبی ادراک ہو جائے گا۔

ایسے ہی باطنی رجحان بھی اثناعشریہ کی کتابوں میں ان کی قرآنی آیات وارکانِ اسلام کی باطنی تاویل اور تقیہ کی صورت میں واضح نظر آتا ہے، اس طرح اثناعشریہ وہ دریا بن چکا ہے، جس میں عام شیعہ افکار کی نہریں اپنے تمام تر انحرافات کے ساتھ آگرتی ہیں، جس میں ہر غلو پسند اور انتہا پسند اپنا گوہرِ مقصود اور اپنے عقائد کی تائید کے لیے دلائل پا لیتا ہے۔

شیعہ کے اس صدی کے علمِ رجال کے سب سے بڑے عالم کے منہ سے ایک خطرناک اقرار اور ہیجان خیز بیان جاری ہوا ہے، جو مذہب میں تبدیلی اور ارتقا کا منہ بولتا ثبوت ہے، جس کے مطابق عصرِ حاضر کا اثنا عشری مذہب جن عقائد کا مرقع ہے، وہ قدیم شیعہ کے نزدیک غلو اور انتہا پسندی میں شمار ہوتا تھا۔ عصرِ حاضر کے شیعہ ایسے عقائد رکھتے ہیں، جن کو وہ مذہب کے ارکان اور ضرورت میں شمار کرتے ہیں، لیکن وہ قدیم شیعہ کے ہاں غلو اور کفر تھے۔

یہ شیخ، جس کا نام عبداللہ ممقانی[1] ہے، فضل بن عمرو جعفی کے دفاع میں، جس کو بعض قدیم شیعہ نے متہم قرار دیا تھا، کہتا ہے:

> ''ہم نے ایک سے زیادہ مرتبہ یہ وضاحت کی ہے کہ قدما کا کسی آدمی کو غلو کا الزام دینا قابلِ اعتماد نہیں ہے، کیوں کہ یہ بات واضح ہے کہ ان (ائمہ) کے ادنیٰ مراتب کا قول و اعتقاد قدما کے نزدیک غلو ہے اور جس کو ہم آج مذہبِ تشیع کی ضروریات اور بنیادی ارکان میں شامل کرتے ہیں، وہ شیعہ کے نزدیک غلو ہوگا، اس بارے میں یہی کافی ہے کہ ''صدوق'' نے ان (ائمہ شیعہ) سے سہو کی نفی کرنے کو غلو کہا ہے، حالاں کہ آج وہ مذہب کی ضروریات میں شامل ہے، ایسے ہی جبرائیل اور نبی ﷺ کے ذریعے ان کی آنے والے حالات کے علم پر قدرت کا اثبات ان (قدمائے شیعہ) کے نزدیک غلو ہے تو آج یہ مذہب کے ارکان میں شامل ہے۔''[2]

یہ اقتباس واضح کرتا ہے کہ عصرِ حاضر کے شیعہ نے اپنے بزرگوں کی تقلید ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ غلو اور انتہائی پسندی میں ان سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں، حتی کہ چوتھی صدی کے شیعہ علما جیسے صدوق وغیرہ کی رائے میں

[1] عبداللہ بن حسن ممقانی، شیعہ کا ایک نامور اور بڑا عالم ہے، یہ نجف میں ۱۲۹۰ھ کو پیدا ہوا اور وہیں (۱۳۵۱ھ) میں اس کی وفات ہوئی، اس کی تالیفات میں "تنقيح المقال في الرجال" کا نام آتا ہے، جو تین جلدوں میں ہے۔ (معجم المؤلفين: ٦/ ١١٦)

[2] تنقيح المقال (٣/ ٢٤٠) نیز اسی کتاب کا صفحہ (۴۰۶) دیکھیں۔

جو یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ ائمہ بھولتے نہیں یا ائمہ آنے والے حالات کا علم رکھتے ہیں یا کلینی کے الفاظ میں ''ما کان'' اور ''ما یکون'' کا علم رکھتے ہیں اور ان پر کچھ مخفی نہیں، جو ان جیسے اعتقادات رکھتا ہے، وہ اس زمانے کے شیعہ علما کے نزدیک ان غالیوں میں شمار ہوتا تھا، جن کی ائمہ سے روایات قبول نہیں کی جاتی تھیں۔

لیکن شیعہ مذہب میں تبدیلی واقع ہوچکی ہے اور آج یہ عقائد مذہبِ تشیع کی ضروریات میں شامل ہو چکے ہیں، جس طرح ممقانی نے تسلیم کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قدیم شیعہ کے نکتۂ نظر سے دیکھا جائے تو معاصرین غالی اور ان کے اقوال نا قابلِ اعتماد ہیں۔

یہ بھی مدِنظر رکھیے کہ ان عقائد کے حاملین پر غلو کا حکم اہلِ سنت کے علما نے نہیں لگایا، بلکہ یہ شیعہ علما کی طرف سے جاری ہوا ہے، پھر ان کی یہ رائے چوتھی صدی میں تھی، جب تشیع میں تبدیل اور ارتقا واقع ہو چکا تھا، چناں چہ پہلے شیعہ کا کیا موقف ہوگا، جن کی شیعیت صرف حضرت علی کو حضرت عثمان پر مقدم کرنے تک تھی۔

شاید یہی وہ مظاہر ہیں، جنھوں نے شیخ محبّ الدین خطیب کو یہ فیصلہ سنانے کی دعوت دی کہ شیعہ کے نزدیک دین کا مفہوم بدلتا رہتا ہے، اس سیاق میں انھوں نے ممقانی کا مذکور کلام بھی پیش کیا ہے۔ پھر کہا ہے:

یہ ان کی جرح و تعدیل کی سب سے بڑی کتاب میں علمی اور فیصلہ کن بات ہے، جس میں یہ اقرار ہے کہ شیعہ کا مذہب اب وہ نہیں رہا، جو قدیم تھا۔ قدیم مذہب میں وہ جس نظریے کو غلو خیال کرتے تھے، اس کو اور اس کے حامل کو بہ نظرِ حقارت دیکھتے تھے اور پھینک دیتے تھے، اب وہ ۔غلو۔ مذہب کی ضروریات اور ارکان میں داخل ہو چکا ہے۔

شیعہ کا مذہب آج وہ نہیں جو صفویوں سے پہلے تھا۔ صفویوں سے پہلے جو شیعہ کا مذہب تھا، وہ ابن مطہر سے پہلے کے مذہب سے مختلف تھا۔ ابن مطہر سے جو پہلے شیعہ کا مذہب تھا، وہ آلِ بویہ سے پہلے کا ان کا مذہب شیطان الطاق کے مذہب جیسا نہیں تھا اور شیطان طاق سے پہلے جو ان کا مذہب تھا، وہ حضرت حسن، حسین اور علی بن حسین کی زندگی میں ان کے مذہب سے یکسر مختلف تھا۔[1]

---

[1] حاشیہ المنتقی (ص: ۱۹۳)

تیسری فصل

شیعہ قدما اور معاصرین کے درمیان اعتقادی تعلق

جب مصادر حصولِ معرفت میں وحدت موجود ہے تو کیا ہمیں قدما اور معاصرین کے درمیان اعتقادی رشتے پر گفتگو کرنے کی کوئی ضرورت ہے؟ بالخصوص ان تمام مصادر نے غالیوں کے ان اکثر آرا و افکار کا احاطہ کر لیا ہے، جن کو عقائد و نظریات کی کتابوں نے نقل کیا ہے اور جو نہیں نقل کیا وہ بھی ان میں موجود ہے تو کیا اس اعتقادی تعلق کے مطالعے اور تحقیق کی کوئی ضرورت ہے؟

حقیقت میں اس کی ضرورت موجود ہے، کیوں کہ معاصرین نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ شیعہ مذہب اہلِ سنت کے مذہب سے مختلف نہیں، بہت زیادہ کتابیں اور رسالے چھاپے ہیں اور عالمِ اسلام کے کونے کونے میں اپنے مبلغین پھیلا دیے ہیں اور یہ پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ یہ فرقہ ایک مظلوم فرقہ ہے، جن پر دشمنوں اور حریفوں نے الزام تراشی کرتے ہوئے یہ عقائد اور اقوال ان کی طرف منسوب کر دیے ہیں، جن سے وہ بَری ہیں۔

ان مبلغین اہلِ سنت اور شیعہ کے درمیان اتحاد اور قرابت پیدا کرنے کے لیے سرگرم عمل ہیں اور وہ اتحاد بین المسلمین کے نعرے لگاتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے مراکز قائم کیے گئے، کتابیں لکھی گئیں اور مبلغین مخصوص کیے گئے ہیں۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ معاصرین، اس غلو اور شدت پسندی سے کنارہ کش ہو چکے ہیں، جو ان کے قدما اور پیشروؤں میں دیکھا جاتا تھا۔ اب وقت آ چکا ہے کہ شیعہ اور اہلِ سنت اس کلمے کے جھنڈے تلے اکٹھے ہو جائیں، جو ان میں مشترک ہے، کیوں کہ دشمن کا مکر بہت بڑا ہے اور عالم اسلامی کے حالات خطرناک ہو چکے ہیں۔ یہ بات بھی بہ کثرت دیکھی گئی ہے کہ آپ جب ان سے کہتے ہیں کہ تمھاری حدیث یہ کہتی ہے یا تمھارا فلاں عالم یہ کہتا ہے، تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہماری کتابوں میں جو کچھ ذکر ہوا ہے، ہم اس سب سے متفق نہیں یا جو فلاں عالم کہتا ہے تو اپنے قول کا وہ خود ذمے دار ہے، حجت صرف معصوم کے کلام میں ہے۔ یا وہ یہ کہتے ہیں کہ اہلِ سنت بھی ایسی باتیں کہتے ہیں اور اکثر اوقات اس کے لیے بڑے عجیب انداز میں افترا پردازی، حیلے سازی

اور حد سے تجاوز کر جاتے ہیں۔

اس لیے ان بنیادی اور خطرناک مسائل کے بارے میں معاصرین کی رائے بیان کرنا ضروری ہے، جو ان کے اور اہلِ سنت کے درمیان حد فاصل ہے یا ان کے اور اسلام کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

ایسے بہت سارے شیعہ اصحابِ قلم ہیں، جن کے قلم عالمِ اسلام کے متعلق لکھنے کے لیے مخصوص ہیں، تا کہ شیعہ کے متعلق جو اعتراضات کیے جاتے ہیں، ان کا جواب دیا جائے۔عقیدۂ تقیہ نے ان کو بلا جھجک آزادیِ اظہار اور ہر طرح کی بات کہنے کی کھلی چھٹی دے دی ہے، جب کہ ان کی کچھ ایسی کتابیں بھی ہیں، جو اسلامی دنیا میں نشر نہیں کی جاتیں۔[1]

اس پروپیگنڈے پر مبنی اسلوب یا اعلان کردہ رخ کی جس نے تصدیق کی، سو کی اور جو بھی اس سے متاثر ہوا، سو ہوا۔شیعیت نے اس پالیسی کے ذریعے سے عالمِ اسلام کے ان نوجوانوں اور اسلامی تحریکات سے وابستہ ان افراد کی غیر معمولی تعداد کے دلوں میں جگہ بنا لی، جن کی راتوں کی نیندیں عالمِ اسلام کی کربناک صورتحال کی وجہ سے اڑ چکی ہیں اور وہ اس صورتحال سے نکلنے کے لیے کوئی راہ تلاش کرنے لگے۔

ظاہر دشمن کی صورت اپنی تمام مکاریوں، دسیسہ کاریوں اور ستم گریوں کے ساتھ ان کے سامنے تھی، جس نے ان کے اندر ان کے اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے چھپے دشمن کے چہرے پر حجاب ڈال دیا، چنانچہ انھوں نے جلد بازی میں جو کہا گیا، اس کو سچ مان لیا اور یہ خیال کیا کہ اہلِ سنت اور شیعہ کے درمیان اختلاف کے متعلق جو کچھ کہا جاتا ہے، وہ ایک خود ساختہ شور ہے، جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں۔[2]

اس لیے جو معاصر شیعہ علما اپنے خطرناک عقائد کے متعلق، جو ان کے اور اہلِ سنت کے درمیان ایک حد فاصل ہیں، کہتے ہیں: اسے سننا نہایت ضروری ہے۔ میں ان آرا اور افکار میں ان کا انتخاب کروں گا، جن میں کوئی نیا دعویٰ، کوئی کمی بیشی، یا ان کے پیشروؤں کے غلو میں، جس کا ذکر ہو چکا ہے، کوئی اضافہ یا تدریجی تبدیلی کی گئی ہو، تا کہ بعد میں آنے والوں کا پہلے گزر جانے والوں کے ساتھ دائرہ تعلق واضح ہو جائے۔ درج ذیل مباحث میں اس کا تذکرہ ہوگا۔

---

[1] مثلاً نوری طبرسی ''مجوسی'' کی کتاب "فصل الخطاب"، "بحار الأنوار" کی بعض جلدیں، کتاب "نبوة أبي طالب" تالیف مزمل حسین میثمی غدیری رافضی، علمی حوزہ قم وغیرہ۔

[2] دیکھیں: السنة والشيعة ضجة مفتعلة.

معاصرین کا کتاب اللہ کے متعلق عقیدہ

اس موضوع کے متعلق گفتگو کے دو محور ہوں گے:

پہلا محور:

شیعہ کی کتابیں جن اساطیر اور فرضی کہانیوں سے بھری پڑی ہیں، جو کہتی ہیں کہ کتاب اللہ میں کمی اور تحریف ہوئی ہے اور جو ان کے بعض زندیق اس نظریے کے قائل ہیں، ہم نے گذشتہ مباحث میں ان کا جائزہ پیش کیا ہے، اب عصرِ حاضر کے شیعہ اس مسئلے کے بارے میں کیا کہتے ہیں، جو ان کے درمیان اور اسلام کے درمیان ایک رکاوٹ ہے، حالانکہ وہ اہلِ سنت کے ساتھ اتحاد وقربت پیدا کرنے کی دعوت کے لیے بڑے سرگرم عمل ہیں اور ملی یکجہتی اور اتحاد بین المسلمین کا شعار اور نعرہ بلند کرتے ہیں؟

دوسرا محور:

عصرِ حاضر کے شیعہ کتاب اللہ کی اس باطنی تاویل کے بارے میں کیا کہتے ہیں، جو اس کے معانی میں تحریف اور آیات میں الحاد ہے اور وہ کتاب اللہ کو اس کتاب کے علاوہ ایک نئی کتاب کی شکل میں پیش کرتی ہے، جو آج مسلمانوں کے پاس ہے؟ گذشتہ صفحات میں ہم نے اس کی بھی جھلک پیش کی ہے۔

پہلا محور:

تحریف کی اس داستان اور کذب بیانی کے متعلق، جس کے بارے میں گفتگو اور بحث شیعہ کی کتابوں میں عام موجود ہے، جب ہم معاصرین کی آرا لیتے ہیں تو ہمارے سامنے چار مختلف وجوہ اور پہلو ظاہر ہوتے ہیں:

- اپنی کتابوں میں اس کے وجود کا صاف انکار۔
- اس کے وجود کا اعتراف، لیکن اس کو جواز مہیا کرنے کے لیے کوشش۔
- اس افترا کا علانیہ اظہار اور اس کے لیے استدلال۔
- بہ ظاہر اس کذب بیانی کا انکار، لیکن خفیہ اور مکارانہ انداز میں اس کو ثابت کرنے کی کوشش۔

① شیعہ معاصرین کا اپنی کتابوں میں اس کے وجود کا صاف انکار:

شیعہ کے علما کی ایک قسم اس کے وجود کے صاف انکار کی طرف میلان رکھتی ہے، ان میں عبدالحسین امینی نجفی کا نام آتا ہے، جس نے اپنی کتاب ''الغدیر'' میں اس کا یک قلم انکار کیا ہے۔

وہ امام ابن حزم کی تردید میں لکھتا ہے، جنھوں نے شیعہ کی طرف اس نظریے کے اعتقاد کی نسبت کی ہے کہ کاش یہ اس جھوٹ کی شیعہ کی طرف نسبت کرنے کی جرأت کرنے والا کسی معتبر شیعہ کتاب کا حوالہ دیتا، جو اس الزام اور جھوٹ کا مصدر ہوتا، یا ان کے کسی ایسے عالم سے نقل کرتا، جس کی بات کا کوئی وزن ہوتا، بلکہ ہم تو اس کے ساتھ اس حد تک آنے کو بھی تیار ہیں کہ وہ ان کے کسی جاہل، گنوار دیہاتی، سادہ لوح یا کسی یاوہ گو کا قول ہی نقل کرتا، اس آدمی کی طرح جس نے بے سوچے سمجھے ہی بات کر دی ہے، یہ شیعہ فرقے، جن میں سرفہرست امامیہ ہے، ان کا اجماع اور اتفاق ہے کہ کتابی صورت میں جو مصحف ہمارے پاس موجود ہے، یہ وہی کتاب ہے، جس میں کوئی شک نہیں۔[1]

عبدالحسن شرف الدین موسوی کہتا ہے:

''شیعہ کی طرف کلمات اور آیات حذف کر کے تحریف کا قول منسوب کیا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں: ہم اس قول سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں اور اس جہالت سے اللہ کے ہاں بَری ہیں۔ جس نے بھی یہ رائے ہمارے طرف منسوب کی ہے، وہ ہمارے مذہب سے ناواقف ہے، یا پھر ہم پر الزام لگا رہا ہے۔ قرآنِ کریم ہمارے طرق اور اسانید سے اپنے تمام کلمات اور آیات سمیت متواتر ہے۔''[2]

اسی طرح لطف اللہ صافی نے اس بات کی نفی کی ہے کہ کتاب ''فصل الخطاب'' اس جھوٹ اور الزام کو ثابت کرنے کے لیے لکھی گئی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس کی تالیف کا مقصد اس جھوٹ کے خلاف جنگ اور اس کا مقابلہ کرنا ہے۔[3] جس طرح شیعہ کے بعض لوگ کلینی کے دفاع کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، جو اس کفر (تحریفِ قرآن) کا ایک ستون ہے۔[4]

---

① اس جیسا انکار شیعہ کے ایک دوسرے عالم لطف اللہ صافی نے بھی اپنی کتاب ''مع الخطیب في خطوطه العریضة'' (ص: ۷۱) میں کیا ہے۔

② أجوبة مسائل جار الله (ص: ۲۸۔ ۲۹)

③ مع الخطیب في خطوطه العریضة (ص: ٦٤۔ ٦٦)

④ ''عقیدة الشیعة'' کا مولف، کلینی کے دفاع میں کہتا ہے: ''قرآن کریم میں کمی کا کوئی امام اور عالم قائل نہیں، حتی کہ ثقة الاسلام امام کلینی بھی نہیں! وہ قرآنِ کریم کے کمی اور زیادتی سے محفوظ اور مبرا ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے، اس کے باوجود شیخ ←

نقد وتبصرہ:

حقیقت کا انکار دفاع میں کچھ سود مند ثابت نہیں ہوسکتا، جس کے بارے میں شیعہ کی جانب سے اور ان کی کتابوں سے باخبر اہلِ سنت کی طرف سے نتیجتاً یہی بات کہی جائے گی کہ یہ انکار تقیہ ہے۔

یہ مسئلہ آج ایسا نہیں رہا کہ رد میں اس طرح کے اسلوب کو قبول کر لے۔ نجف اور طہران کے چھاپہ خانوں نے ان کا بھانڈا پھوڑ دیا ہے اور شیعہ کے شیخ طبرسی نے اپنی کتاب "فصل الخطاب" میں جو کچھ جمع کر دیا ہے، اس کے ذریعے ان کے مخفی اور پوشیدہ امور کو بے نقاب کر دیا ہے، لہٰذا اس جیسا موقف چنداں مفید نہیں۔

انکار کا یہ مسلک وہ ہر اس مسئلے میں اختیار کرتے ہیں، جس میں وہ مسلمانوں سے منفرد اور علاحدہ ہیں۔ شیعہ کے شیخ طوسی نے اپنی کتاب "الاستبصار" میں ایک سے زیادہ جگہوں پر تنبیہ کی ہے کہ جو اہلِ سنت کے ہاں مقامِ اتفاق اور اجماع ہو، اس امر میں تقیہ جاری ہوتا ہے۔[1]

اس قاعدے کے ساتھ انھوں نے ان تمام روایات کو توڑ کر رکھ دیا ہے، جو مسلمانوں کے ساتھ اتفاق رکھتی ہیں اور آلِ بیت کا مذہب بیان کرتی ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ اسی دھوکے اور جعل سازی کے پردے

← ابو زہرہ نے اس کے خلاف بغض کا اظہار کیا، اس پر بہت زیادہ طعنہ زنی کی اور اس کو خوب آڑے ہاتھوں لیا ہے۔'' (عقيدة الشيعة، ص: ١٦٢)

مزید کہتا ہے: کلینی قرآن میں نقص کا قائل نہیں، کسی مسلمان کے لیے کسی طور یہ قول اس کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں، تو شیخ ابو زہرہ کا بلا احتیاط اسے اس کی طرف منسوب کرنا اور پھر اس پر اتنے شدید حملے کرنا، کیوں کر روا ہے؟

میں کہتا ہوں: اس قول کی کلینی کی طرف نسبت کرنے میں اصل کردار خود ان کے شیعہ علما کا ہے اور اس کی کتاب الکافی اس پر شاہد ہے۔ یہ عار خود اس کے لیے اور تمام شیعہ کے لیے ابد الآباد تک ننگ اور عار ہے۔ اگر کتاب "الکافی" ائمہ اسلام کے ہاتھوں لگ جاتی تو ان کا اثنا عشریہ پر اس حکم کے علاوہ کوئی دوسرا ہی حکم ہوتا۔ شیخ ابو زہرہ رحمہ اللہ نے جو کہا ہے تو وہ کاشانی پر اعتماد کرتے ہوئے کہا ہے، جس نے اپنی تفسیر "الصافي" میں اس کی نسبت کلینی کی طرف کی ہے۔ (تفسير الصافي: ١/ مقدمة: ٦، ص: ٥٢)

یہ کاشانی اثنا عشری مذہب کے ستونوں میں شمار ہوتا ہے، یہ "الوافي" کا مولف ہے، جو ان کے کتب اربعہ کا مجموعہ ہے، جس کو یہ اپنا معتبر ماخذ قرار دیتے ہیں۔ ان کے خاتمۃ العلما اور محدث نوری نے بھی اپنی کتاب "فصل الخطاب" میں اس کی نسبت کلینی ہی کی طرف کی ہے۔ دیکھیں: فصل الخطاب (ص: ٣٠۔ ٣١)

کیا یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ یہ ساری باتیں اہلِ سنت کی نظروں سے اوجھل ہیں؟ یہ کس طرح کلینی جیسے لوگوں کا دفاع کر سکتے ہیں، جس نے اس کفر کو تحریر کیا، جب کہ یہ لوگ صحابہ کرام کی عزت پر ہاتھ اٹھاتے ہیں، جن سے اللہ راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے۔

[1] دیکھیں: الاستبصار (٤/ ١٥٥)

میں رہن سہن رکھا ہوا ہے، بہ ظاہر میں ان کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں، لیکن باطن میں ان کی مخالفت کرتے ہیں۔

لیکن یہ تقیہ وقتِ حاضر میں بہت جلد بے نقاب ہو چکا ہے، کیوں کہ ان کی کتابیں اب اکثر لوگوں کی پہنچ میں ہیں۔ یہ نجفی، جس نے امام ابن حزم کے رد میں ان سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ کسی بھی شیعہ فرد کے کلام سے اس دعوے کو ثابت کر دیں، کیا وہ کافی اور بحار میں اس کذب بیانی کے متعلق روایات اور اس گمراہی کے متعلق اپنے علما کی تصریحات سے ناواقف ہے، جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے؟

کیا وہ یہ تصور کرتا ہے کہ وہ اپنی اس بات کے ساتھ کسی ایسے شخص کو فریب دے سکے گا، جس کے پاس ان کی اس کفر کے راستے پر گامزن کتابوں میں سے کوئی کتاب موجود ہو؟ مقامِ تعجب ہے کہ وہ اپنی کتاب کی تیسری جلد میں تو اس نظریے کے شیعہ کی امہات الکتب میں وجود کا انکار کر رہا ہے، لیکن اپنی اسی کتاب کی نویں جلد میں خود واضح الفاظ میں اس کفر کا اقرار کر رہا ہے!

وہ، مہاجرین و انصار کی صدیقِ امت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس عظیم الشان بیعت کا تذکرہ کرتے ہوئے، جس بیعت نے امت کو اکٹھا کر دیا اور دشمنوں کی سازشوں کو مٹا دیا، کہتا ہے:

''... یہ ایسی بیعت تھی، جس کی نحوست پورے اسلام پر چھا گئی، اس نے اہلِ اسلام کے دلوں میں گناہ بو دیے، قرآن میں تحریف کر دی اور احکام بدل ڈالے۔''[1]

بلکہ اس نے اسی کتاب میں ایک خود ساختہ آیت بھی ذکر کی ہے[2] ...اسی طرح یہ شخص جس امر کی نفی کر

---

[1] الغدیر (۹/ ۳۸۸)

[2] اس خود ساختہ آیت کی عبارت کچھ اس طرح ہے: "الیوم أکملت لکم دینکم بإمامته، فمن لم یأتم به وممن کان من ولدي (؟!) من صلبه إلی یوم القیامة فأولئك حبطت أعمالهم، وفي النار هم خالدون، إن إبلیس أخرج آدم (علیہ السلام) من الجنة مع کونه صفوة اللّٰه بالحسد، فلا تحسدوا فتحبط أعمالکم، وتذل أقدامکم" (المصدر السابق: ۱/ ۲۱۴۔ ۲۱۶)

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین اس کی امامت کے ساتھ مکمل کر دیا ہے، جو اس کی اقتدا نہ کرے اور ان کی بھی جو قیامت تک اس کی پشت سے میری اولاد میں سے ہوں گے (؟!) ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور یہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے، ابلیس نے اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ ہونے کے باوجود محض حسد کی وجہ سے آدم کو جنت سے نکلوا دیا، لہٰذا حسد نہ کرو، کہیں تمھارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور تمھارے قدم پھسل نہ جائیں۔''

اس آیت کے یہ الفاظ اور معانی اتنے رکیک اور عامیانہ ہیں، جو اس کے خود ساختہ ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہیں، اس کے باوجود یہ رافضی گمان کرتا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: یہ حضرت علی کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس نے حقائق پر پردہ ڈالتے ہوئے اور قارئین کو دھوکا دیتے ہوئے اس الزام کو محمد بن جریر طبری سنی کی طرف منسوب کیا ہے، اگر اس کی نسبت اس کی طرف درست ہے تو وہ محمد بن جریر رافضی ہے ...اس آدمی نے اللہ، اس کے رسول، اس کی کتاب اور ائمہ مسلمین پر الزام تراشی کی ہے۔

رہا ہے، خود اس کو ثابت کر رہا ہے۔ یہ اسلوب اور انداز، یعنی ایک مرتبہ اقرار کرنا اور دوسری مرتبہ انکار اور لوگوں کے سامنے متضاد اقوال اور تناقض آمیز عبارتیں پیش کرنا، ایسا مسلک ہے جو ان کی احادیث اور علما کے کلام میں ایک قاعدے کی حیثیت سے جاری ہے۔

شیعہ کی روایات میں اس منہج کا سبب بھی بیان ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ عامہ یعنی اہلِ سنت ان کے مذہب کی حقیقت سے واقف نہ ہو سکیں، لہٰذا وہ ان کے ساتھ کسی چیز کے ساتھ کوئی تعرض نہیں کر سکیں گے۔[1] جہاں تک اس داستان کی نفی میں عبد الحسین کا اسلوب ہے تو اس میں دھوکا دہی اور مکاری کی بو آتی ہے، جس کی طرف صرف اس کا ذہن جا سکتا ہے، جو ان کے اسالیب اور حیلے بازیوں سے آشنا ہو چکا ہو۔

اس کی عبارت پر ذرا تامل کریں:

''قرآن کریم اپنی تمام آیات اور کلمات سمیت ہمارے طرق اور ہماری اسانید سے متواتر ہے۔''

یہ اپنے طرق سے متواتر قرآن سے کیا مراد لیتا ہے؟ کیا یہ وہ قرآن ہے جو ہمارے پاس ہے، یا وہ قرآن ہے، جو ان کے دعوے کے مطابق ان کے منتظر اور امامِ زمانہ کے ساتھ غائب ہے؟!

اس کا خصوصیت کے ساتھ یہ ذکر کرنا کہ وہ ''ان کے طرق اور ان کی اسانید'' سے متواتر ہے، اس سے اس دوسرے معنی کی طرف اشارہ محسوس کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ قرآنِ کریم کی حفاظت کا ایک اہم سبب وہ توجہ اور اہمیت تھی، جو اسلام کی دو عظیم شخصیات حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے اس کو دی، پھر ان کے بعد ان کے بھائی حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) نے اس کو جمع کر کے اور ایک قراءت پر تمام مسلمانوں کو اکٹھا کر کے ان کے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور یہ سارا اہتمام اس ربانی وعدے ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ٩] کی تکمیل تھی۔

چنانچہ شیعہ کا اصحابِ ثلاثہ کے متعلق جو عقیدہ ہے، وہ معروفِ عام ہے، اس لیے یہ قرآن ان کے طرق سے متواتر نہیں، لیکن لطف اللہ صافی اور آغا بزرگ طہرانی نے اثنا عشری شیعہ کی اس بہت بڑی رسوائی، فضیحت اور عار (فصل الخطاب) کو چھپانے کی، جو چھپ نہیں سکتی، احمقانہ کوشش کی ہے۔ یہ ایک مایوسانہ کوشش ہے، خاص طور پر جب یہ کتاب شیعہ حلقوں سے نکل کر اہلِ سنت کے ہاتھوں تک بلکہ دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں تک بھی جا پہنچی ہے، جو اس امت اور اس کے دین کو نقصان پہنچانے اور سازشوں کی بھینٹ چڑھانے کے لیے اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔[2]

[1] دیکھیں: أصول الكافي (١/ ٦٥) بحار الأنوار (٢/ ٢٣٦)

[2] محمد مہدی اصفہانی شیعہ نے تو اپنی کتاب "أحسن الوديعة" (ص: ٩٠) میں اس کا کھلے لفظوں میں ذکر کیا ہے۔

اس کتاب کے مولف نے اس کے مقدمے میں واضح الفاظ میں اس کی تالیف کا مقصد ذکر کیا ہے اور اپنی مراد پر خود ساختہ دلائل بھی پیش کیے ہیں، جس طرح آگے ذکر ہوگا، تو کیا اس کتاب پر پردہ ڈالا جا سکتا ہے، جس کے مولف نے اس میں ان کی تمام داستانیں، فرضی کہانیاں اور علما کے اقوال اکٹھے کر دیے ہیں، جو پہلے بکھرے ہوئے تھے؟

② اس کے وجود کا اعتراف اور اس کو جواز مہیا کرنے کی کوشش:

اس اعتراف نے کئی شکلیں اختیار کی ہیں، ان میں ایک قسم کے علما یہ اعتراف کرتے ہیں کہ ان کی تحریف قرآن کے متعلق بعض روایات ان کے پاس موجود ہیں، تاہم بقول اس کے یہ روایات:

''ضعیف، شاذ اور اخبارِ آحاد ہیں، جو علم اور عمل ثابت کرنے کے لیے غیر مفید ہیں، یا تو ان کی کسی طرح تاویل کی جائے، جو قابلِ قبول ہو یا انھیں دیوار پر دے مارا جائے۔''[1]

دوسری قسم کہتی ہے کہ یہ ثابت ہیں، لیکن: ''روایاتِ تحریف میں ائمہ کے قول: ''یہ اس طرح نازل ہوئی'' سے مراد تفسیر ہے یعنی تاویل اور باطنی معنی کے مقابلے میں، تنزیلِ قرآن کو مدِنظر رکھا جائے تو یہ معنی بنتا ہے۔''[2]

تیسری قسم کہتی ہے کہ ہمارے پاس جو قرآن موجود ہے، اس میں کوئی تحریف نہیں، لیکن یہ ناقص ہے، اس میں حضرت علی کی ولایت کے متعلق مخصوص یا ساقط ہیں:

''بہتر یہ تھا کہ بحث کا عنوان: ''وحی میں نقص اور کمی (کیا خوب) ہوتا، یا کسی دوسری وحی کے نزول یا عدمِ نزول کی تصریح ہوتی، تاکہ کفار کے لیے کم عقل لوگوں کو یہ دھوکا دینا ممکن نہ ہوتا کہ اسلام کی کتاب میں خود مسلمانوں کے ایک فرقے کے مطابق تحریف ہوئی ہے۔''[3]

چوتھی قسم کا کہنا ہے:

''ہم شیعہ کی جماعت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ قرآن جو ہمارے پاس ہے، جو دو جلدوں کے درمیان ہے، یعنی (کتابی صورت میں ہے) یہ وہی ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیا ﷺ کے دل پر اتارا، اس میں کوئی کمی یا کوئی اضافہ داخل نہیں ہوا، یہ ہو بھی کس طرح سکتا ہے، جب شارع نے خود اس کی حفاظت کی ذمے داری اٹھائی ہے:

---

[1] محمد حسین آلِ کاشف الغطاء: أصل الشيعة (ص: ٦٣۔ ٦٤)

[2] الطبطبائي: الميزان في تفسير القرآن (١٢/ ١٠٨)

[3] آغا بزرگ الطهراني: الذريعة (٣/ ٣١٣۔ ٣١٤)

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ۹]

''بے شک ہم ہی نے یہ نصیحت نازل کی ہے اور بے شک ہم اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں۔''

''ہم شیعہ (اثنا عشری) یہ اعتراف کرتے ہیں کہ ایک قرآن تھا، جس کو امام علی (رضی اللہ عنہ) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکفین و تجہیز اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیتیں نافذ کرنے کے بعد اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔

''وہ اس کو مسجد نبوی میں لے کر آئے تو عمر فاروق نے مسلمانوں سے یہ کہہ کر اسے پھینک دیا تھا کہ ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے اور تمھارے پاس قرآن موجود ہے، تو امام علی اس کو اپنے گھر واپس لے آئے اور ہر امام اس کو خدائی امانت سمجھ کر اس کی حفاظت کرتا رہا، تا آنکہ وہ امام مہدی قائم آلِ محمد کے پاس محفوظ ہوگیا، اللہ تعالیٰ اس کو جلد ظاہر کرے اور ہمارے لیے آسانی پیدا کرے۔''[1]

پانچواں نقطہ نظر کہتا ہے:

''ہمارے بعض قدیم علما اشتباہ کے شکار ہوگئے اور انھوں نے تحریف کا نظریہ اختیار کرلیا اور ان کے لیے عذر ہے، جس طرح ان کے لیے ان کا اجتہاد ہے، چاہے وہ غلط رائے اختیار کریں، لیکن ہم نے جب اس کی تحقیق و تفتیش کی تو ہمارے سامنے عدمِ تحریف ثابت ہوئی تو ہم نے یہی قول اختیار کیا اور اسی پر اجماع کیا۔''[2]

چھٹا گروہ کہتا ہے:

''یہ الزام اور جھوٹ بیانی ان شیعہ لوگوں کا مذہب ہے، جنھیں صحیح اور ضعیف روایات میں امتیاز کرنا نہیں آتا۔ یہ اخباری شیعہ ہیں۔ اصولی شیعہ اس باطل نظریے کا انکار کرتے ہیں۔''[3]

نقد و تبصرہ:

ان تمام سابقہ آرا پر ہم بالترتیب بحث کرتے ہیں:

- ان کا دعویٰ کہ یہ ''داستانیں'' شیعہ پیمانوں کے مطابق ضعیف اور شاذ روایات ہیں، کی تردید کے لیے تو یہی کافی ہے کہ ان کے علما مثلاً مفید کاشانی اور نعمت اللہ جزائری وغیرہم نے تکرار کے ساتھ یہ ذکر کیا ہے کہ یہ روایات مشہور اور متواتر ہیں، بلکہ مجلسی نے تو اس کی روایات کو ''امامت'' کی روایات کی طرح کثیر اور

---

[1] الخراساني: الإسلام على ضوء التشيع (ص: ٢٠٤)

[2] الشيعة والسنة في الميزان، محاكمة بقلم س خ، نشر نادي الخاقاني (ص: ٤٨۔ ٤٩)

[3] دیکھیں: الطبطبائي: في تعليقه على الأنوار النعمانية (٢/ ٣٥٩)

مشہور و مستفیض قرار دیا ہے، جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

مزید برآں یہ نظریہ شیعہ کے بڑے اور نامور علما کے ایک گروہ کا مذہب بن چکا ہے۔ اس کے باوجود ان کے ایک بڑے عالم کا ان روایات پر ان کی۔ان کے علما کے بقول۔ کثرت کے باوجود، شاذ ہونے کا حکم لگانا، اس مذہب میں بہت بڑے پیمانے پر جھوٹ کے عام ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ یہ اعلان کردہ حکم اگر سچائی پر مبنی ہے تو اسے شیعہ کے دیگر مسلمانوں سے شاذ عقائد پر حکم لگانے کے لیے ایک مہمیز اور محرک ہونا چاہے، اسی طرح اس کو شیعہ کی روایات پر تنقید اور ان کے رجال پر جرح کے لیے بھی نقطہ آغاز ہونا چاہیے اور جنھوں نے یہ روایات روایت کی ہیں اور اس کو مذہب قرار دے دیا ہے، ان پر قطعاً اعتبار نہیں کرنا چاہیے، مثلاً کلینی اور ابراہیم قمی وغیرہ، جن کا شیعہ مذہب میں اس کفر کو داخل کرنے اور پھیلانے میں بہت بڑا ہاتھ ہے۔[1]

(ت) یہ کہنا کہ اس کے متعلق شیعہ روایات کا مقصود ان بعض نصوص میں تحریف ہے، جو قرآنِ کریم کی آیات کی تفسیر میں نازل ہوئیں، تو یہ قول قرآنِ کریم کے دفاع میں نہیں، بلکہ اس افسانے کی مزید تاکید ہے، کیوں کہ جس نے ان نصوص اور کلمات میں تحریف کی اور انھیں رد کرتے ہوئے قرآنِ کریم سے ساقط کر دیا، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآنِ کریم کی تفسیر اور بیان میں نازل ہوئیں تو اس کا یہ فعل آیات میں تحریف اور ان کا رد ہی ہے۔ جو معنی میں امین نہیں، لفظ میں کس طرح اس پر اعتبار کیا جا سکتا ہے؟

پھر اگر معانی ہی مفقود ہو جائیں تو الفاظ کی کیا قیمت رہ جاتی ہے؟ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تفسیر اس گروہ کی نظر میں تحریف ہے تو قمی، کلینی اور مجلسی نے قرآنِ کریم کے معانی میں جو تحریفات کی ہیں، وہ کس طرح تفسیر ہیں، جن کے بارے میں عربی زبان کے ساتھ ادنیٰ سا تعلق رکھنے والا بھی قطعاً شک نہیں کرتا کہ یہ تحریفات اللہ تعالیٰ کی آیات میں الحاد اور تحریف ہیں؟!

اگر قرآنِ کریم کے معانی ہی مفقود ہو جائیں اور منتظر (امامِ زمانہ) کے ساتھ ہی غائب ہو جائیں تو امت اس کی آیات سے کس طرح ہدایت پا سکے گی یا اس طرح حیران و سرگرداں، گم گشتہ راہ رہے گی، اس کے بعد

---

[1] لیکن اس قول کا قائل جس پر ہم بحث کر رہے ہیں، محمد حسین آلِ کاشف الغطاء، ان بعض شیعہ ملحدین کی عظمت کے قصیدے پڑھتا ہے، جنھوں نے علی الاعلان اس کفر کا اظہار کیا، چناں چہ وہ نوری طبرسی کے بارے میں کہتا ہے، جو فصل الخطاب کا مولف ہے: ”حجة الله على العالمين، معجب الملائكة بتقواه“ فرشتے بھی اس کے تقوے پر تعجب کرتے ہیں، وہ ایسا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے سامنے ظاہر ہو جاتا تو کہا جاتا: یہ نوری ہے، مولانا ثقة الاسلام محمد حسین کاشف الغطا، مقدمہ کشف الاستار، لحسین نوری طبرسی، مطبع موید العلماء الجدیرة قم ۱۳۱۸، یہ مدح نوری کے اس جرم کے ارتکاب کے بعد ہوتی ہے!

دیکھیے کہ انھوں نے ہمارے سامنے ائمہ سے منقول تفسیر قرآنِ کریم کا جو نمونہ پیش کیا ہے، اس کے جھوٹ کو پہچاننے کے لیے اس پر تامل کرنا ہی کافی ہے۔ اس کو وہ ''تفسیر الٰہی'' کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے، جسے ۔ان کے الزام کے مطابق۔ صحابہ کرام نے رد کر دیا تھا؟

پھر افسانہ تحریف کی نصوص و روایات کی یہ تاویل ان میں سے بہت ساری روایات کے ساتھ میل بھی نہیں کھاتی، کیوں کہ ان کی ان خود ساختہ روایات میں یہ تصریح موجود ہے کہ قرآنی نص اور عبارت میں ۔ان کے نظریے کے مطابق۔ اس کے ساتھ ملتے جلتے الفاظ اور کلمات کے ساتھ تبدیلی کی گئی۔[1]

لہٰذا یہ تاویل اس کفر اور ننگ سے نکلنے کا محفوظ راستہ نہیں ...ان کے متعلق صحیح اور سچا موقف یہی ہے کہ ان کو رد کر دیا جائے اور جو اس کا اعتقاد رکھتا ہے، اس کی مرویات کو بھی رد کر دیا جائے، کیوں کہ وہ شخص اہلِ قبلہ میں شامل نہیں۔

- یہ قول کہ قرآنِ کریم ناقص ہے اور اس میں تحریف نہیں ہوئی، یہ بھی پہلے قول کی طرح دفاع نہیں، بلکہ ان کی کہانیوں اور فرضی داستانوں کی تاکید اور اثبات ہے اور دفاع کی صورت میں کتاب اللہ میں عیب جوئی ہے۔

امت کس طرح ناقص قرآن سے راہِ ہدایت حاصل کر سکتی ہے؟ جو اس کے ایک حصے کو ساقط کرنے کی ہمت اور استطاعت رکھتا ہے، وہ باقی ماندہ میں تحریف بھی کر سکتا ہے، لیکن کسی چیز کا اپنے اصل پر ہونا موجبِ تعجب نہیں ہوتا اور اس قول کا قائل آغا بزرگ طہرانی ''فصل الخطاب في تحريف كتاب رب الأرباب''

---

[1] مثال کے طور پر وہ یہ الزام تراشی کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: کتاب اللہ میں جہاں تحریف ہوئی ہے، ان میں ایک یہ آیت بھی ہے: ''كنتم خير (أئمة) أخرجت للناس'' اس میں تحریف کرتے ہوئے ائمہ کو ''أمة'' میں بدل دیا گیا، جس میں زنا کار، لونڈے باز، چور، ڈاکو، ظالم، شراب نوش، فرائض میں کوتاہی کرنے والے اور حدود اللہ سے تجاوز کرنے والے سب داخل ہیں، تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان صفات کے حامل افراد کی مدح سرائی کر رہے ہیں؟
(یعنی اس روایت کا وضع کرنے والا، اللہ اس پر لعنت کرے! قرآنِ کریم اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کرتا ہے اور شیعہ کا دین ان کو سب وشتم کرنے پر قائم ہے، چنانچہ انھوں نے محض اس سبب کی وجہ سے کتاب اللہ ہی میں کیڑے نکالنے شروع کر دیے)۔
اسی طرح یہ آیت بھی ہے: ''ان تكون أمة هي أربىٰ من أئمة'' تو اس کو انھوں (صحابہ) نے ''أمة'' بنا دیا۔
اسی طرح یہ آیت: ''وكذلك جعلناكم ''أئمة'' وسطاً (بين الرسول وبين الناس)'' تو انھوں نے اس میں تحریف کرتے ہوئے اسے ''أمة'' بنا دیا۔
سورت عم میں بھی ایسے ہی ہوا: ''ويقول الكافر يا ليتني كنت ترابيا'' انھوں نے اس میں تحریف کر کے اس کو ''ترابا'' بنا دیا، کیوں کہ رسولِ کریم مجھے اکثر ابو تراب کے لقب سے پکارا کرتے تھے اور اس جیسی آیات بہت زیادہ ہیں۔'' (بحار الأنوار: ۹۳۔۲۶۔ ۲۸) تو کیا یہ اور اس جیسی روایات ان کی اس تاویل کے ساتھ اتفاق رکھتی ہیں کہ یہ روایات تفسیر کی قسم سے ہیں؟

کے مولف نوری طبرسی ہی کا شاگرد ہے۔

اس لیے آپ دیکھتے ہیں کہ طہرانی یہ خیال ظاہر کر کے مسلمانوں کو دھوکا دینے کی کوشش کر رہا ہے کہ فصل الخطاب کے مولف نے اس سے بالمشافہہ کہا تھا کہ اس نے یہ کتاب قرآن کریم کے دفاع میں لکھی ہے، لیکن اس کا نام رکھنے میں غلطی کھائی۔[1] وہ بڑی مکاری اور فریب کاری کے انداز میں اپنے باطل عقیدے کو چھپانے کی کوشش کر رہا ہے اور یہاں اس دفاع کے ذریعے وہ صریح الفاظ میں یہ انکشاف کر رہا ہے کہ قرآن کا باقی حصہ اور وحی کا تکملہ ابھی باقی ہے۔ اس لیے بہتر یہ ہوتا کہ تحریف کے بجائے یہ عنوان ہوتا: ''نقصِ قرآن'' یا ''دوسری وحی الٰہی کا نزول'' یہ بات کہہ کر وہ یہ گمان کر رہا ہے کہ اس میں دشمنوں کے سامنے قرآنِ کریم کا دفاع ہے؟

یہ ہے اس کی قرآنِ کریم اور اسلام کے دفاع کی حقیقت! سبحانك هذا بهتان عظيم!

- چوتھی قسم نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان کے منتظر اور امامِ زمانہ کے پاس ایک قرآن موجود ہے تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ دین مکمل نہیں ہوا، جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾ [المائدة: ٣]

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا۔''

پھر بندوں کو اس کتاب کا کیا فائدہ ہوسکتا ہے، جو صدیوں سے ان کے منتظر کے ساتھ غائب ہے؟ اگر اس کا پوشیدہ رہنا ضروری ہے تو شیعہ کا، ان صدیوں میں گزرنے والے شیعہ کے متعلق، جن میں ان کے اسلاف بھی شامل ہیں، کیا حکم ہوگا؟ کیا وہ گمراہی پر ہیں؟ اگر امت اس کے بغیر بھی ہدایت حاصل کر سکتی ہے تو پھر ان دعووں کی کیا قدر و قیمت ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام ''خرافات'' روافض کے تمام شذوذ اور انحراف پر پیروانِ شیعیت کو مطمئن کرنے کی کوشش ہے، جن کی کتاب اللہ سے کوئی دلیل نہیں، چنانچہ انھوں نے پیروانِ مذہب کو یہ کہہ کر چکمہ دینے کی کوشش کی کہ ان کی دلیل (اگر اس قرآن میں نہیں تو کیا ہوا) دوسرے یا مکمل یا باتفسیر غائب قرآن میں منتظر کے پاس ہے۔

پھر ایک دوسرے قرآن کے وجود کا مسئلہ اور کتاب اللہ پر اعتراض اور تنقید کا مسئلہ یہ دونوں شیعہ کی اساسی کتابوں میں ایک ہی مسئلہ ہے، جو ایک دوسرے سے جدا نہیں۔ شیعہ کا یہ دعویٰ ہے کہ حضرت علی نے مکمل قرآن جمع کیا اور اس کو صحابہ کے پاس لے کر آئے، لیکن انھوں نے اسے قبول نہ کیا اور ایک دوسرا قرآن تالیف

[1] أعلام الشيعة، القسم الثاني (١/ ٥٥٠)

کر لیا، جس سے ولایتِ علی کے متعلق آیات حذف کر دیں اور یہ مزعوم قرآن ائمہ کے پاس نسل در نسل منتقل ہوتا رہا، تا آنکہ منتظر کے پاس آ پہنچا۔ یہ رافضی اور اس کا ہم مسلک حقیقت کو چھپانے اور دھوکا دینے کا مرتکب ہے اور آپ دیکھتے ہیں کہ یہ مسلمان قاری کو بتدریج اس جھوٹ اور الزام (قرآن کے منتظر کے پاس موجود ہونے) کا قائل کرنے کے لیے کوشاں ہے۔

5. پانچواں گروہ کہتا ہے کہ تحریف کا قول غلط رائے اور گمراہی ہے۔ پہلے ہم بھی اسی کے قائل تھے، لیکن پھر ہمارے سامنے حق واضح ہوگیا، تو ہم نے اس سے رجوع کر لیا... ایک مسلمان کے لیے یہ خوش کن بات ہے کہ وہ اس فاسد مذہب کو چھوڑ دیں ...لیکن اس قول میں تقیے کا اثر بھی ہوسکتا ہے ....، کیوں کہ اس نظریے کے حاملین اور اس کفر پر مشتمل کتابیں ان کی نگاہ میں مقامِ احترام رکھتی ہیں، جب کہ اس مسئلے میں موقف کی سچائی، اس کا اعتقاد رکھنے والوں اور ان کی کتابوں سے براءت اور لاتعلقی کے اعلان کا تقاضا کرتی ہے، جس طرح کلینی اور اس کی کتاب کافی ہے اور قمی اور اس کی تفسیر ہے اور ان کے علاوہ وہ تمام لوگ جو اس کفر کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان تمام سے اظہارِ لاتعلقی ضروری ہے۔

کیوں یہ لوگ آج تک شیعہ کے لیے قیادت اور ثقاہت کی حیثیت رکھتے ہیں؟ کیوں ان کی کتابوں پر عقیدہ وشریعت کے مسائل حاصل کرنے کے لیے بطور مآخذ اور مصادر اعتبار کیا جاتا ہے اور کیوں ان کے اقوال کی توثیق کی جاتی ہے اور ان کے افعال کی تقلید کی جاتی ہے؟!!

پھر یہ دعویٰ کہ تمام اثنا عشریہ اس نظریے سے رجوع کر چکے ہیں، شیعہ کے معاصر عالم حسین نوری طبرسی کی اپنی کتاب ''فصل الخطاب'' میں کی گئی کارروائی سے ٹوٹ جاتا ہے، جس نے اس جھوٹ کو ثابت کرنے کے لیے یہ کتاب تحریر کی۔

یہ شیعہ کے معاصر سید علی نقی بن سید ابوالحسن نقوی لکھنوی (پیدائش ۱۳۲۳ھ) کی کتاب ''تحریف القرآن'' سے بھی ہوا بردوش ہوجاتا ہے، جو اردو زبان میں ہے۔[1] ان دونوں کتابوں کے علاوہ بھی ان کی اس گمراہی کے متعلق کئی کتابیں ہیں (جو اس دعوے کی دھجیاں بکھیر دیتی ہیں)۔

ہم نے پہلے آغا بزرگ طہرانی اور امینی نجفی وغیرہما سے جو نقل کیا ہے، یہ اس کے بھی خلاف ہے، چنانچہ ابھی تک ان کا ایک گروہ اس گمراہی کی دشت نوردی میں گرداں ہے اور اپنا اپنا حصہ ڈال رہے ہیں۔ پھر ایک ایسے معاملے میں یعنی کتاب اللہ کے محفوظ اور صحیح سالم ہونے میں مسلمانوں کا اجماع ہوچکا ہے، تو اس کے

[1] الذريعة إلى تصانيف الشيعة (٣/ ٣٩٤)

بارے میں یہ کیوں کہا جا رہا ہے کہ جو اس کی مخالفت کرے، اس کے لیے اس کا اپنا عذر اور اجتہاد ہے؟ کیا یہ کوئی اجتہادی مسئلہ ہے، جس میں کسی عذر یا تاویل کی کوئی گنجایش ہو؟!

- آخری گروہ کا جو یہ مذہب ہے کہ اس نظریے کے تمام اثنا عشریہ قائل نہیں، بلکہ یہ شیعہ کے ایک فرقے اخباریہ کا موقف ہے، جو صحیح اور ضعیف حدیث کے درمیان امتیاز نہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ یہ قول شیعہ کے قدیم عالم شریف مرتضیٰ نے بھی کہا ہے، اس کے الفاظ ہیں:

''اس میں جن امامیہ نے اختلاف کیا ہے، ان کے اختلاف کی کوئی حیثیت نہیں، اس لیے کہ اس میں اختلاف (شیعہ) اصحاب الحدیث کی طرف منسوب ہے، جنھوں نے ضعیف روایات نقل کیں اور انھیں صحیح گمان کر لیا۔ ان جیسی روایات کے ساتھ ایک معلوم اور قطعی طور پر درست (نظریے) سے رجوع نہیں کیا جا سکتا۔''[1]

اسی طرح شیعہ کے اپنے زمانے کے سب سے بڑے مرجع تقلید جعفر نجفی (م ۱۲۲۷ھ) نے بھی تاکید کے ساتھ یہی کہا ہے کہ یہ کذب بیانی ''اخباریہ'' کے ساتھ مخصوص ہے، لیکن وہ (کشف الغطاء کا مولف) اصولی ہونے کے باوجود شیعہ کی کتابوں میں تحریف کے متعلق وارد شدہ روایات کے بارے میں ایک ایسا مذہب اختیار کرتا ہے، جو اس کے بھائی اخباریوں کی رائے سے کچھ کم خطرناک نہیں، وہ یہ ذکر کر کے کہ یہ جھوٹ اور الزام اخباریہ کی رائے ہے، جو عقل و نقل اور دین کے ضروری امور کے علم کی روشنی میں باطل ہے، کہتا ہے:

''ان روایات کو یا تو آسمانِ دنیا کی طرف نزول سے پہلے پیدا کیے گئے کلمات[2] میں کمی پر یا آسمانِ دنیا سے زمین پر نازل ہونے سے پہلے نقص پر محمول کرنا ضروری ہے، یا اس کی تفسیر میں اس کے معنی میں نقص اور کمی پر محمول کرنا۔ اس کوتاہ فہم کی نظر میں قوی یہ ہے کہ ان روایات کو زمین پر نازل ہونے کے بعد کمی واقع ہونے پر محمول کیا جائے، اس طرح قرآن کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک وہ قسم جس کو نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو سنایا، انھوں نے اسے لکھا، یہ ان کے درمیان رہا اور اس کے ساتھ اعجاز واقع ہوا، لیکن دوسری قسم کو چھپا لیا اور اس کو امیر المومنین کے سوا کسی پر ظاہر نہ کیا، اس کے بعد ان کی طرف سے یہ باقی ائمہ کو دے دیا گیا اور اب وہ صاحبِ زمان کے پاس محفوظ ہے، میں اس پر قربان جاؤں۔''[3]

---

[1] الطوسی في التبيان (١/ ٣) الطبرسي في مجمع البيان (١/ ١٥)

[2] کیوں کہ۔ جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ یہ معتزلہ کے منہج کی طرح یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے۔

[3] کشف الغطاء (ص: ٢٩٩)

کشف الغطا کا مولف، جس طرح آپ دیکھ رہے ہیں، ان کہانیوں اور اساطیر کی تکذیب کرنے کی جرأت نہیں کر سکا، جس طرح مرتضٰی نے کیا، بلکہ تکلفات اور مکاریوں کے وسیع صحرا میں ٹامک ٹوئیاں مارتا رہا اور جس سے بھاگا تھا، اس سے بھی برے موقف کا مکمل طور پر یا تقریباً شکار ہوگیا۔

اس نے یہ گمان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآنِ کریم کی ایک قسم چھپا لی، جو اللہ نے آپ پر نازل کی تھی اور آپ نے اپنی امت میں حضرت علی کے سوا کسی کو اس کی خبر نہ دی، پھر حضرت علی نے اس کو اپنے بیٹوں کے پاس چھپا دیا اور وہ آج امام منتظر کے پاس ہے، اس سے بڑھ کر اور کیا افترا ہوسکتا ہے؟!

③ اس کفر کا علانیہ اظہار اور استدلال:

اس مصیبت کا اصل مصنف اور بانی حسین نوری طبرسی نامی شخص ہے، جو ۱۳۲۰ھ کو فوت ہوا اور اس نے اس داستان کے اثبات میں ”فصل الخطاب“ کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ شائد تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ ہوا کہ شیعہ کی متفرق کہانیوں، ان کے علما کے اقوال اور ان کی خود ساختہ آیات کو ایک کتاب میں جمع کیا گیا اور اسے طبع اور شائع کیا گیا۔ یہ کتاب ان کے لیے ابدالآباد تک ننگ اور ان کے ماتھے پر کلنگ کا ٹیکا رہے گی۔

اگر مسلمانوں کے پاس قوت اور اقتدار ہوتا تو اس کتاب اور اس کے مولف پر مقدمہ چلایا جاتا اور اس کی روشنی میں اثنا عشریہ کے اسلام میں داخل ہونے یا اس سے خارج ہونے کا فیصلہ سنایا جاتا، تاکہ مسلمان ان بھاڑے کے ٹٹوؤں سے خلاصی پاتے، جو عالمِ اسلام میں شیعیت پھیلانے کے لیے، پھیل چکے ہیں اور وہ جاہل پیروانِ شیعیت بھی جاگ جاتے اور ہوش کے ناخن لیتے، جن کو شیعہ علما نے دھوکے کا نشہ پلا دیا ہے۔ یہ لوگ شیعیت میں سے صرف یہی جانتے ہیں کہ وہ آلِ بیت کی محبت کا دوسرا نام ہے، جو ان کو بلا حساب جنت میں داخل کر دے گی!!

علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”الشیعة والقرآن“ میں اس کتاب کا بہت بڑا حصہ شائع کر دیا ہے اور اس افترا پرداز کے دلائل اور شبہات بھی ذکر کیے ہیں۔ اگرچہ عصرِ حاضر میں اثنا عشریہ کی حقیقت سے پردہ اٹھانے کے لیے اتنا ہی کافی ہے، لیکن علامہ صاحب نے کسی تبصرے یا تنقید کے بغیر محض اقتباسات اور نصوص ذکر کرنے ہی پر اکتفا کیا ہے ... لہٰذا اس کی سنگینی اپنی جگہ برقرار ہے، کیوں کہ شیعہ مولف نے بالخصوص اپنے الزام کو ثابت کرنے کے لیے بارہ شبہات اور اعتراضات پیش کیے ہیں، اگرچہ ان کی تارِ عنکبوت سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں، لیکن ان میں ایسی باتیں ضرور موجود ہیں، جو بعض ان افراد کی نگاہوں سے اوجھل رہ سکتی ہیں، جن کا دینی علم کے ساتھ کوئی واسطہ نہ ہو، لہٰذا ضروری تھا کہ ان خرافات کو بے نقاب کیا جاتا،

شبہات کو مسل دیا جاتا اور ان کی جڑوں کو اکھاڑ دیا جاتا۔

درج ذیل صفحات میں اس کتاب کے مندرجات کا مختصر تنقیدی جائزہ پیش کیا جاتا ہے، کیوں کہ اس کا مولف معاصرین[1] میں شمار ہوتا ہے، نیز اللہ کی مدد سے اس کی غلطیوں اور شبہات کا بھی ازالہ کیا جائے گا۔ چوں کہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ کی کتاب عالم اسلام کے ہر علاقے میں پہنچ چکی ہے، جو اس بنا پر کہ معاملہ اتنا واضح ہے کہ محتاجِ بیان نہیں، کسی تنقید یا رد سے خالی ہے۔ اس الزام کو صرف پیش کر دینا، اس کے بطلان کو بیان کرنے کے لیے کافی ہے، مَیں بھی اس سے متفق ہوں کہ اس الزام کے اصل اور آغاز کے اعتبار سے یہی کافی ہے، لیکن اس نے جو شبہات پیدا کیے ہیں، ان کی تردید کرنا اور ان کی گمراہی واضح کرنا بھی نہایت ضروری ہے۔

مولف کتاب نے اثنا عشریہ کے قرآنِ کریم میں تحریف کے متعلق عقیدے کو بے نقاب کر دیا ہے، اس نے اس کے متعلق ان کی متفرق روایات کو جمع کیا ہے، جو دو ہزار سے زیادہ ہیں اور اس نے شیعہ علما کی یہ وضاحت بھی نقل کی ہے کہ یہ تمام متواتر روایات ہیں، اس نے اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تحریف اور اس پر اتفاق کا الزام دیا ہے اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا کسی کو مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔ یہ استثنا بھی بس صورت کی حد تک ہے، وگرنہ اس کی اس بات کہ ''تمام نے اتفاق کر لیا'' کا تقاضا یہی ہے کہ وہ بھی ان میں شامل ہیں، کیوں کہ وہ قرآن جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور ،ان کے دعوے کے مطابق، تحریف سے محفوظ تھا، اس کو حضرت علی نے اپنے ایامِ خلافت میں بھی ظاہر نہیں کیا تھا۔

اس کے بعد اس نے اپنی کتابوں سے۱۰۶۲ روایات پیش کی ہیں، جن کی اکثریت قرآنِ کریم کی آیات کے متعلق کہتی ہیں کہ یہ غلط ہیں اور وہ اپنی افسانوی کتابوں سے ان کی درستی نقل کرتا ہے، اس طرح اس نے اس امر کا رد اور انکار کیا ہے، جس پر امت کا اجماع ہو چکا ہے اور اس شئے پر راضی اور مطمئن ہے، جو الزام تراشوں کی غلیظ فکر کا نتیجہ ہے۔

اسی طرح اس نے بعض ایسی سورتوں کو مکمل ذکر کرنے سے بھی کسی بزدلی یا خوف کا مظاہرہ نہیں کیا، جن کو شیعہ حلقے آپس میں نقل کرتے ہیں، لیکن ان کا مصحف میں کوئی ذکر تک نہیں۔ ان کی عبارتوں اور معانی میں جھوٹ اور افترا کی علامات اتنی واضح ہیں، جو کسی عجمی جاہل کی نظروں ہی سے اوجھل ہو سکتی ہیں اور ان کو کسی مفاد پرست زندیق کے سوا کوئی شخص رائج اور عام نہیں کر سکتا۔

[1] اسی کتاب کے صفحہ (۲۵۹) پر شیعہ کی ان کتابوں کے ضمن میں، جن میں یہ افسانہ ذکر کیا گیا ہے، اس کتاب کا حوالہ بھی گزر چکا ہے۔ یہاں ہم اس کتاب کے اعتراضات اور مندرجات پر بحث کریں گے۔

اس نے اپنے گروہ کے ان علما کے موقف کا بھی رد کیا ہے، جنھوں نے تحریف کا انکار کیا اور اس نے یہ بیان کیا ہے کہ قدما کا انکار تقیے کی بنا پر تھا، نیز جو تحریف کی روایات کا انکار کرتا ہے، اس کے لیے امامت کی روایات کا انکار کرنا بھی لازم ہو جاتا ہے، کیوں کہ ان دونوں میں تلازم اور گہری وابستگی ہے۔ یہ کتاب جو اس کفر پر مشتمل ہے، ایران میں ۱۲۹۸ھ کو چھپی۔ جونہی یہ باہر نکلی، بہت زیادہ شیعہ پریشان ہوگئے، اس کیفیت کو شیعہ کے ایک عالم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''آپ حوزہ علمیہ (شیعوں کا مرکزِ علم) کی جس مجلس میں داخل ہوتے ہیں، وہاں آپ کو اس کتاب، اس کے مولف اور ناشر کے خلاف ایک آواز اور شور سنائی دیتا ہے، وہ اس کو خوب جلی کٹی سناتے ہیں۔''[1]

استاذ محبّ الدین خطیب کا خیال ہے کہ اس شور وغل کا سبب یہ ہے کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ صحتِ قرآن میں تشکیک ان کے مخصوص افراد تک ہی محدود رہنی چاہیے اور ان کی سیکڑوں معتبر کتابوں میں مختلف مقدمات پر متفرق ہی رہے، ان تمام معلومات کو ایک کتاب میں جمع کر کے اس کے ہزاروں نسخے شائع نہ کیے جائیں کہ حریف بھی اس سے واقف ہو جائے اور وہ تمام لوگوں کی نظروں میں ان کے خلاف ایک مجسم حجت بن جائے۔

وہ رقم طراز ہے:

''جب شیعہ کے اصحابِ دانش نے یہ اعتراضات اور ملاحظات ظاہر کیے تو اس کتاب کے مولف نے ان کی ان ملاحظات میں مخالفت کی اور ایک دوسری کتاب لکھ دی، جس کا نام ''رد بعض الشبهات عن فصل الخطاب في إثبات تحريف كتاب رب الأرباب'' رکھا۔''[2]

اگر غالی شیعہ عقیدۂ تقیہ کی بنا پر، جو ان کا قلعہ اور جائے امان بن چکا ہے، اکثر اوقات اس جگ ہنسائی اور رسوائی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ شور وغل جو برپا ہوا، اس میں اس کفر کے قائل نے بھی شرکت کی اور اس فضیحت سے، جس نے ان کے ڈھانچے کو ہلا کر رکھ دیا اور ان کے عقیدے کے انتشار کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہوگئی، اپنے دین کو بچانے کے لیے اور اپنی قوم کی شہرت خراب ہونے سے محفوظ رکھنے کے لیے اس کو چھپانا لازمی سمجھا، تو میں استاذ محبّ الدین خطیب کی طرح اس عقیدے کو بالجزم تمام شیعہ کا عمومیت کے ساتھ عقیدہ قرار نہیں دے سکتا، کیوں کہ شیعہ کا ایک گروہ ایسا بھی ہے، جو تسلسل کے ساتھ اس کفر کا انکار کرتا ہے اور اس سے براءت کا اظہار کرتا ہے، بہ ظاہر اسی نقطۂ نظر سے انھوں نے کتاب ''فصل الخطاب'' کے رد بھی

---

[1] المرعشي: المعارف الجليلة (ص: ٢١)

[2] الخطوط العريضة (ص: ١١)

لکھے ہیں، جس طرح شیعہ کے عالم آیت محمد حسین مرعشی نے اپنی کتاب "رسالة في حفظ الكتاب الشريف من شبهة القول بالتحريف" میں لکھا ہے۔ یہ "فصل الخطاب" کا جواب ہے۔[1]

اسی طرح ہم "فصل الخطاب" کے مطالعے کے دوران میں یہ امر بھی ملاحظہ کرتے ہیں کہ وہ شیعہ ہی میں سے اس جھوٹ (تحریف) کا انکار کرنے والوں پر رد کرتا اور ان سے اس بارے میں جھگڑتا ہے، جو شخص بھی اس کتاب کا مطالعہ کرے گا، وہ دیکھے گا کہ نوری نے یہ کتاب شیعہ میں سے اس کفر کا انکار کرنے والوں کو مطمئن اور قائل کرنے کے لیے تحریر کی ہے۔[2]

پھر فصل الخطاب کے مولف نے جو بقول محبّ الدین "رد بعض الشبهات عن فصل الخطاب" کے نام سے جواب لکھا ہے، وہ بہ ظاہر اس شخص کا جواب نہیں، جس نے یہ کہا: اس مسئلے کو ان کے درمیان خفیہ ہی رہنا چاہیے تھا، کیوں کہ جو محبّ الدین اشارہ کر رہا ہے، اس کی بہ ظاہر کچھ یوں صورت بنتی ہے، جب فصل الخطاب چھپ کر سامنے آئی تو ان کے معرب طہرانی کے نام سے مشہور عالم محمود بن ابو القاسم نے ایک کتاب میں اس کا جواب لکھا، جس کا نام "كشف الارتياب في عدم تحريف الكتاب" رکھا۔

"الذريعة" کے مولف نے "كشف الارتياب" کے مصنف کا جو پہلا رد ہمارے سامنے پیش کیا، وہ تحریف کے انکار پر دلالت کرتا ہے، اس کو چھپانے کی دعوت نہیں دیتا۔

صاحب "الذريعة" کہتا ہے:

"کشف الارتیاب کا پہلا شبہہ[3] یہ ہے کہ اگر تحریفِ قرآن ثابت ہو جائے تو یہودی کہہ سکتے ہیں کہ عدمِ اعتبار کے لحاظ سے ہماری اور تمھاری کتاب میں کوئی فرق نہیں۔"[4]

تو طبرسی نے اس کا جواب "الرد على كشف الارتياب"[5] میں لکھا، محبّ الدین شاید اسی کی طرف

---

[1] یہ کتاب ابھی تک غیر مطبوع ہے۔ (دیکھیں: المعارف الجليلة، ص: ٢١)

[2] دیکھیں: فصل الخطاب (ص: ٣٦٠ وما بعدها)

[3] دیکھیے! وہ اس کے جوابات کو شبہات کا نام دے رہا ہے، کیوں کہ اس کفر میں "الذريعة" کے مصنف اور "فصل الخطاب" کے مولف دونوں کا ایک ہی مذہب ہے، وہ اس کفر کی گہرائی میں اترتے ہوئے "كشف الارتياب" کے دلائل کو شبہات کا نام دے رہا ہے، کیوں کہ "فصل الخطاب" کا مولف آغا بزرگ طہرانی کا استاذ ہے اور اس نے اس کے حالات بیان کرتے ہوئے اس کی مدح و تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے ہیں۔

[4] دیکھیں: آغا بزرگ الطهراني: الذريعة إلى تصانيف الشيعة (١٨/ ٩) حرف الكاف، و (١٠/ ٢٢١) حرف الزاء.

[5] دیکھیں: المصدر السابق (١٠/ ٢١١)

اشارہ کر رہے ہیں۔ ''الذریعة'' کا مصنف کہتا ہے:

''وہ ہر اس شخص کو تلقین کرتا تھا، جس کے پاس فصل الخطاب موجود تھی کہ وہ اس کے ساتھ اس رسالے کو بھی ملا لے، جس میں ان شبہات کا ازالہ ہے، جو اس پر شیخ محمود نے اٹھائے تھے۔ یہ فارسی میں ہے اور ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔''

طبرسی کا صاحبِ ''کشف الارتیاب'' کی دلیل کے رد میں جواب اس کی پیچھے ہٹنے اور پسپائی اختیار کرنے کی ایک کوشش اور تناقض کی برہان ہے۔ وہ کہتا ہے:

''یہ لفظی مغالطہ ہے، کیوں کہ تحریف سے مراد وہ نہیں، جو تم نے لفظ کے ظاہر معنی پر محمول کرتے ہوئے سمجھا ہے، یعنی تغییر، تبدیلی، زیادتی اور کمی وغیرہ، جو تمام معانی یہود اور دوسروں کی کتابوں میں ثابت اور واقع ہیں، بلکہ تحریف سے مراد بالخصوص صرف کمی مراد ہے، وہ بھی بالجزم احکام کی آیات میں نہیں۔

جہاں تک اضافے کی بات ہے، تو تمام مسلمان فرقوں کا اجماع اور اسلام کی طرف منسوب ہر گروہ کا عمومی اتفاق ہے کہ قرآن کریم میں، جو ان دو جلدوں کے درمیان کتابی صورت میں جمع ہے، کسی ایک کلام کا بھی اضافہ نہیں ہوا، خواہ وہ کلام اس کی چھوٹی ترین آیت کی مقدار کے برابر ہی ہو، جس پر فصیح کلام کا اطلاق ہوسکتا ہو، بلکہ تمام اہلِ قبلہ کا اتفاق و اجماع ہے کہ مکمل قرآن میں ایک کلمے کا بھی اس لحاظ سے اضافہ نہیں ہوا کہ ہمیں اس کی جگہ کا علم نہ ہو، تو کہاں وہ اجمالی کمی جو ہماری مراد ہے اور کہاں وہ تحریف، جس کو ظاہر لفظ پر محمول کیا گیا؟ یہ لفظی مغالطہ نہیں تو اور کیا ہے؟''[1]

دونوں رسالوں میں جو بحث ہوئی، یہ اس کا ایک حصہ ہے، جو ''الذریعة'' کے مصنف نے ہم تک نقل کی ہے۔ وہ یہ بیان کر رہا ہے کہ مکالمہ تحریف کے وقوع اور عدمِ وقوع کے متعلق تھا نہ کہ اس الزام کو چھپانے کے وجوب پر، لیکن یہ بات اس خیال کی قطعاً نفی نہیں کرتی کہ شیعہ کے ہاں کوئی ایسا نقطہ نظر اور رجحانِ فکر موجود ہو، جو مذہب کی حرمت بچانے کی خاطر اس کو چھپانا ضروری خیال کرتا ہو۔

لیکن اس حکم کو وہ تمام پر بالعموم لگانے کی نفی کرتا ہے، مزید برآں صاحب ''الذریعة'' کے کلام میں، جو اس نے ''فصل الخطاب'' کے مولف کے فارسی رسالے سے تلخیص کیا ہے اور ہم نے اس کو اسی کے اسلوب اور انشا میں نقل کیا ہے، جس پر عجمیت کا اثر بالکل واضح ہے، آمیزش، تناقض اور تقیہ بھی موجود ہے، جس کی عمومی طور

---

[1] الذریعة (۱۰/ ۲۲۱)

پر روافض کی عادت کے مطابق اثنائے کلام میں دلیل گھڑ لی جاتی ہے۔[1]

اس کتاب کو اس کے مولف نے (عليه من الله ما يستحق) تین مقدمات اور دو ابواب میں ترتیب دیا ہے۔ پہلے مقدمے میں اس نے اپنی ان روایات کا مجموعہ نقل کیا ہے، جو ان زندیقوں کے تصور کے مطابق جمع و تدوینِ قرآن کے متعلق ہیں، جس طرح ان کے دین کے ثقہ کی روایت ہے، جو کہتی ہے:

''جس نے بھی یہ دعویٰ کیا کہ اس نے سارا قرآن اسی طرح جمع کیا ہے، جس طرح نازل ہوا، وہ کذاب ہے، اس کو، جس طرح اللہ نے نازل کیا، حضرت علی اور ان کے بعد ائمہ کے سوا کسی نے نہ جمع کیا اور نہ حفظ کیا۔''

یہ شیعہ کا ایک آدمی (علی رضی اللہ عنہ) کی عصمت اور پوری امت کی گمراہی کے عقیدے پر مبنی قول ہے اور یہ اس فارسی ماحول کا نتیجہ ہے، جو اپنے بادشاہوں کو تقدس کے ہالے میں گھیرے رکھتے تھے۔ یہ عقلاً بھی کتنی سخیف اور گھٹیا بات ہے کہ جس پر پوری امت کا اجماع ہو، اس کو رد کر دیا جائے اور یہ دعویٰ کیا جائے کہ ان میں صرف ایک کی نقل کا اعتبار ہے، باوجودیکہ اس دعوے کا ان زندیقوں کے خیالات کی دنیا کے سوا کہیں وجود ہی نہیں۔ حضرت علی اور پوری امت اس قرآن کے سوا کوئی دوسرا قرآن نہیں جانتی، اس کے بعد وہ ''علی کے قرآن'' سے نقل جاری رکھتا ہے، جس میں۔شیعہ کے دعوے کے مطابق۔ایک حرف بھی کم نہیں ہوا اور اپنی چند روایات پیش کرتا ہے، جن کو دیکھ کر قاری بڑی آسانی سے یہ سمجھ جاتا ہے کہ شیعہ عقل، خرافات کی بڑی جلد بازی کے ساتھ تصدیق کرنے والی عقلوں میں داخل ہے، وہ ایسی کتاب پر ایمان رکھتی ہے، جس کا ان کے افسانوں کے سوا کہیں وجود نہیں اور اس قرآن کا انکار کرتی ہے، جس پر امت کا اتفاق ہے، جس میں ائمہ بھی شامل ہیں۔

---

[1] مثلاً دیکھیے! اس نے مطلقاً اضافے کی نفی کی، پھر اس کے بعد کہا: بلکہ تمام قرآن میں اس اعتبار سے ایک کلمے کا بھی اضافہ نہیں ہوا کہ ہم اس کی جگہ نہ جانتے ہوں، اس کی یہ بات سنیے: ''ہم اس کی جگہ نہ جانتے ہوں'' اس جملے کے ساتھ وہ خفیہ انداز میں ''فصل الخطاب'' کے مولف کے مذہب کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور اس مذہب پر اس کے ساتھ اتفاق ظاہر کر رہا ہے کہ اللہ کے کلام میں اضافہ ہوا ہے۔

''فصل الخطاب'' کا مولف قرآنِ کریم میں تبدیلی کی صورت ذکر کرتے ہوئے، جو اس کے شیطان نے اس کے دل میں ڈالی، کہتا ہے: ''سات: کلمے کا اضافہ جیسے اس آیت: ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ﴾ میں ''عن'' کا اضافہ۔ (فصل الخطاب، ص: ۲۵)

ایسے ہی اس کا یہ کہنا کہ قرآنِ کریم میں کمی ہوئی ہے، اس کو اس آیت: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ۹] ''بے شک ہم نے ہی یہ نصیحت نازل کی ہے اور بے شک ہم اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں۔'' کی تکذیب اور تردید سے خارج نہیں کرتا۔

یہ اساطیر بیان کرتی ہیں کہ حضرت علی نے قرآنِ کریم جمع کیا اور اس کو صحابہ کے سامنے پیش کیا، لیکن انھوں نے اسے رد کر دیا۔ ان روایات میں اس شیعی کی خبر بھی ذکر کرتا ہے، جس نے ان کے اس منتظر سے ملاقات کی، جو اصل میں پیدا ہی نہیں ہوا۔

اس روایت میں منتظر اس سے کہتا ہے:

''جب سید البشر حضرت محمد بن عبد اللہ (ﷺ) اس فانی دنیا کو چھوڑ گئے اور قریش کے دوصنموں[1] نے خلافت نصب کر کے جو کیا سو کیا، تو امیر المومنین نے سارا قرآن جمع کیا، اس کو اِزار میں رکھا اور ان کے پاس لے کر آئے، وہ سب مسجد میں تھے، پھر ان سے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ میں اس کو تمھارے سامنے تم پر اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کے دن حجت قائم کرنے کے لیے پیش کر دوں، تو اس امت کے فرعون اور نمرود[2] نے کہا: ہمیں تمھارے قرآن کی کوئی ضرورت نہیں۔ انھوں نے کہا: مجھے میرے حبیب محمد ﷺ نے تمھارا یہ جواب بتایا تھا، میں نے یہ کہہ کر صرف تم پر حجت قائم کی ہے، پھر امیر المومنین اپنے گھر لوٹ آئے۔

''اس کے بعد ابن ابی قحافہ نے مسلمانوں کو اکٹھا کیا اور ان سے کہا: جس کسی کے پاس بھی قرآن کا کوئی حصہ کوئی آیت یا کوئی سورت ہے، اس کو لے کر آؤ، تو ابوعبیدہ بن جراح، عثمان، سعد بن ابی وقاص، معاویہ بن ابی سفیان، عبدالرحمٰن بن عوف، طلحہ بن عبد اللہ، ابوسعید خدری، حسان بن ثابت اور مسلمانوں کی جماعتیں جو کچھ ان کے پاس تھا، سب لے کر آ گئے۔ انھوں نے اس قرآن کو جمع کیا اور وہ مثالب اور عیوب جو ان سے صادر ہوئے، انھوں نے ان کو سید المرسلین کی وفات کے بعد اس سے ساقط کر دیا، اس لیے آپ دیکھتے ہیں کہ اس کی آیات غیر مرتبط اور بے ڈھنگی ہیں، جب کہ وہ قرآن جس کو امیر المومنین نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر جمع کیا، وہ صاحبِ امر کے پاس محفوظ ہے۔ اللہ جلدی جلدی اس کی رہائی کا بندوبست کرے۔ اس میں ہر چیز موجود ہے، حتی کہ خراش کا تاوان بھی مذکور ہے، اس قرآن میں کوئی شک ہے نہ اس کی صحت ہی میں کوئی شبہہ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ صاحبِ امر سے ایسے ہی یہ بیان جاری ہوا۔''[1]

---

(1) ان دونوں سے وہ صدیق امت اور فاروقِ امت کو مراد لیتے ہیں، جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد سلطنتِ اسلام قائم کی۔

(2) ان کی مراد عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں، جنھوں نے بلادِ فارس فتح کیے اور وہاں اسلام پھیلایا، جس کی ان حاسدوں کے نزدیک یہ سزا ہے کہ انھیں سب وشتم اور تکفیر کا نشانہ بنایا جائے!

(3) فصل الخطاب (ص: ۹۔ ۱۰)

یہ اقتباس ہم نے طویل ہونے کے باوجود نقل کیا ہے، کیوں کہ ان کی اکثر روایات اس مضمون کے گرد گھومتی ہیں، جو اس میں بیان ہوا ہے۔ یہ مسئلہ اصل میں ان کے اصحابِ رسول کے خلاف حقد اور اس دین کے خلاف بغض کی پیداوار ہے، جس دین کے وہ حامل ہیں، چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ صحابہ کے معائب اور عیوب کے بارے میں یہ گفتگو ہے اور ۔ان کے نظریے کے مطابق۔ جس نے قرآن جمع کیا، اس نے ان (صحابہ) کے عیوب پر مشتمل آیات حذف اور ساقط کر دیں، ان لوگوں نے اس سربستہ راز سے پردہ اٹھایا۔ وما تخفي صدورهم أكبر!!

پھر اگر ۔ان کے دعوے کے مطابق۔ صحابہ کرام نے اس قرآن کا انکار کر دیا تو وہ ان کے بعد آنے والی نسلوں اور زمانوں سے کیوں چھپا رہا؟ اگر صحابہ پر حجت قائم ہوگئی تو ان کے بعد میں آنے والوں پر تو قائم نہیں ہوئی؟ پھر حضرت علی جب اپنی خلافت کے دور میں قوت اور اقتدار رکھتے تھے تو تب انھوں نے حجت قائم کیوں نہ کی؟

شیعہ کی داستانیں خود ایک دوسری کو جھٹلاتی ہیں، اگر ۔ان کے دعوے کے مطابق۔ صحابہ کرام نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو کیا امت میں ان تمام صدیوں کے مراحل اور ادوار میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا، جو اس کو قبول کر لیتا؟ ان میں وہ بھی شامل ہے، جس نے ائمہ کی صحبت پائی اور منتظر سے شرف بازیابی بھی حاصل کیا؟ شیعہ کی حکومتیں اور سلطنتیں بھی رہیں، تو ان سے یہ کیوں محجوب رہا اور غائب کے ساتھ اس کی سرداب اور کمین گاہ میں چھپا رہا؟

کیا یہ بات ہر صاحبِ فکر و بینش کو یقین دلانے کے لیے کافی نہیں کہ دوسرے دلائل تو ایک طرف رہے، یہ دعویٰ محض ایک خرافت اور بکواس ہے، بلکہ "فصل الخطاب" کے مولف نے تو اس مقدمے میں ایسی روایات بھی نقل کی ہیں، جو کہتی ہیں کہ حضرت علی سے جب صحابہ نے اس قرآن کا مطالبہ کیا، جو انھوں نے ان کے لیے لکھا تھا، تو انھوں نے یہ کہہ کر انھیں دینے سے انکار کر دیا کہ اس کو صرف پاک ہی چھو سکتے ہیں اور پاک صرف بارہ امام ہیں۔[1]

خود حضرت علی ۔جس طرح یہ الزام تراشی کرتے ہیں۔ نے قرآن کے ابلاغ سے انکار کر دیا اور دعویٰ کیا کہ یہ صرف ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے مخصوص ہے۔ اس بات کا تو کوئی ایک مسلمان بھی قائل نہیں، امیر المومنین حضرت علی تو ایک طرف رہے۔

اس کلام کا مقصود اہلِ بیت کی گستاخی اور ان کی عیب جوئی ہے، اس لیے شیعہ کے بعض فرقوں، مثال کے طور پر کاملیہ، کا یہ مذہب ہے کہ امیر المومنین ۔نعوذ باللہ۔ کافر ہوگئے۔ یہ آثار جنھیں اثنا عشریہ کی کتابوں نے جمع

---

[1] فصل الخطاب (ص: ٧)

کیا ہے، اس مذہب کا باعث ہیں۔ یہ لوگ شیطان کے شیعہ ہیں، حضرت علی کے شیعہ نہیں۔ جو لوگ امیر المومنین کو ان افتراءات اور ان جیسی خرافات سے مبرّا قرار دیتے ہیں، حقیقت میں وہی ان کے شیعہ اور انصار ہیں۔

اس کی کتاب کا دوسرا مقدمہ تحریف کی ان صورتوں پر مشتمل ہے، جن کے متعلق اس کا دعویٰ ہے کہ یہ کتاب اللہ میں واقع ہوئیں یا انھیں نہیں ہونا چاہیے تھا، چنانچہ اس نے وہ چند شکلیں پیش کی ہیں، جو اس کے شیطان نے اس کے دل میں ڈالیں۔

اس نے یہ فیصلہ سنایا ہے:

''کسی سورت کا اضافہ یا اس کو کسی دوسری میں تبدیل کرنا یہ ناممکن الوقوع چیز ہے۔''[1]

کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾ [البقرة: ٢٣]

''اور اگر تم اس کے بارے میں کسی شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا ہے تو اس کی مثل ایک سورت لے آؤ۔''

وہ کہہ رہا ہے کہ وہ قرآن جو مسلمانوں کے پاس ہے، اس میں اصلاً کوئی اضافہ نہیں ہوا، کیوں کہ انسان اس جیسی سورت بنا کر لانے سے قاصر ہیں، لیکن اس کی اس بات کی تردید اس سے ہو جاتی ہے، جب وہ یہ دعویٰ کرتا ہے:

''سورت کا کم ہونا جائز اور ممکن ہے، مثال کے طور پر سورۃ الولایۃ۔''[2]

گویا یہ بات کہہ کر وہ یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ کتاب اللہ میں کمی ہوتی ہے، اس کی مثال وہ سورت ولایت کے ساتھ دیتا ہے، لیکن یہی دعویٰ بلاشک وشبہہ کتاب اللہ میں ایک سورت کے اضافے پر ضمناً دلالت کرتا ہے، جس کے متعلق اس نے یہ فیصلہ سنایا ہے کہ وہ ناممکن الوقوع ہے، کیوں کہ اس خود ساختہ سورت کی عبارت ہی اس کے جھوٹ اور مَن گھڑت ہونے پر گواہی پیش کرتی ہے، جس کا بعض شیعہ علما نے بھی اظہار و انکشاف کیا ہے۔[3]

یہ سورت مَن گھڑت عبارت، گری ہوئی اور سستی ترکیب اور بے قیمت معانی پر مشتمل ہے، جس کو پڑھ کر واضح ہوتا ہے کہ اس کو گھڑنے والا کوئی عجمی اور جاہل شخص ہے۔ جس طرح آگے ذکر ہوگا۔

وہ مزید کہتا ہے:

---

[1] فصل الخطاب (ص: ٢٤)

[2] فصل الخطاب (ص: ٢٤)

[3] شیعہ کے عالم محمد جواد بلاغی نے اپنی تفسیر ''آلاء الرحمن'' (ص: ٢٤) میں اس کا اظہار کیا ہے۔

''قرآن میں کسی آیت کا اضافہ یا کسی آیت کا دوسری کے ساتھ بدل جانا بھی بالاجماع غیر موجود ہے، پھر وہ اپنے اس دعوے کے ساتھ کہ ''آیت کا کم ہونا ممکن ہے۔''[1] اپنی ہی بات کی تردید کر رہا ہے۔

البتہ قرآن میں کسی کلمے کے اضافے کے بارے میں وہ اپنی فرضی داستانوں کی روشنی میں کہتا ہے کہ یہ ممکن ہے اور اس کی مثال دیتے ہوئے کہتا ہے:

''جس طرح اس آیت: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ﴾ میں ''عن'' کا اضافہ ہے۔''

وہ یہ افترا بازی کرتا ہے کہ قرآن میں کلمہ ''عن'' زیادہ ہے۔ رافضہ کی اس دعوے سے یہ غرض ہے کہ انفال (مالِ غنیمت) رسول اللہ ﷺ کے لیے مخصوص تھا، پھر یہ آپ ﷺ کے بعد ان کے بارہ معصوم ائمہ کے لیے ہے اور صحابہ کرام رسول اللہ سے جو سوال کرتے تھے، تو وہ یہ تھا کہ آپ ﷺ ان کو اس سے بطورِ صدقہ کچھ دے دیں، ان کا اس کے حکم کے بارے میں سوال نہیں تھا، رافضہ کے لیے یہ مقصد اس وقت تک پورا نہیں ہوتا، جب تک وہ کلمہ ''عن'' کو حذف نہ کریں۔

پھر وہ کہتا ہے:

> ''اس کا کم ہونا، یعنی کسی کلمے کا کم ہونا، تو یہ بہت زیادہ واقع ہوا ہے، جیسے کئی جگہوں پر ''في علي'' یعنی ۔ان کے عقیدے کے مطابق۔ حضرت علی کا نام قرآن میں وارد ہوا، لیکن صحابہ نے اس کو حذف کر دیا۔

یہ دعویٰ ان پیروانِ مذہب کو چپ کروانے کے لیے ہے، جن کے دل میں شیعہ مذہب کے بارے میں شک نے ڈیرے ڈال لیے تھے، جس کی کتاب اللہ میں کوئی دلیل نہیں۔ یہ ان قریب ترین اور اولین اسباب میں ایک سبب ہے، جس نے رافضہ کو یہ نظریہ پیش کرنے پر مجبور کیا۔ جہاں تک اس نظریے کے بعید اسباب اور جڑیں ہیں، تو وہ اصلاً شیعیت کی عمارت کو توڑنا اور شیعہ کو کلی طور پر اسلام سے دور رکھنا ہے۔

اس کے بعد وہ کتاب اللہ میں مزعوم تبدیلی کی صورت پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ کلمات کی تبدیلی بھی ایک پہلو ہے۔ وہ اپنی خرافات کی راہنمائی میں ثابت کرتا ہے کہ ایسا ہوا ہے، مثال کے طور پر ذکر کرتا ہے: ''جیسے اس آیت: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ﴾ [آل عمران: ٣٣] میں آلِ محمد کو آلِ عمران کے ساتھ بدل دیا گیا۔

شیعہ کی اس تحریف سے واضح غرض یہ ہے کہ وہ کسی وسیلے سے یہ ثابت کر سکیں کہ ان کے ائمہ کا

---

[1] فصل الخطاب (ص: ٢٤)

کتاب اللہ میں ذکر ہوا ہے، کیوں کہ آلِ عمران کا تو ذکر ہو رہا ہے، لیکن شیعہ کے ائمہ کا ذکر کیوں نہیں ہوا؟ اس کے بعد حرف کے بارے میں گفتگو کرتا ہے اور اپنی اساطیر کے تقاضے کے مطابق خیال ظاہر کرتا ہے کہ اس کا اضافہ ہونا یا اس کی کمی ہونا، دونوں باتوں کا احتمال موجود ہے، بلکہ ایسا ہوا ہے۔ وہ کہتا ہے:

''حرف کا کم ہونا، جیسے آیت: ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ﴾ [آل عمران: ١١٠] میں ''ہمزہ'' کا کم ہونا اور اس آیت: ﴿يَٰلَيْتَنِي كُنتُ تُرَٰبًا﴾ [النبأ: ٤٠] میں "ي" کا کم ہونا۔''

اس افترا پردازی کا ہدف بالکل عریاں ہے، ان لوگوں کی لغت میں امت محمد یہ ایسی قوم ہے، جن کے خلاف ان کے سینے حسد و بغض کی آگ میں جل رہے ہیں، کیوں کہ اس امت نے ان کے ممالک فتح کیے، ان کی بادشاہیاں گرا دیں اور ان کے درمیان اسلام کو پھیلا دیا۔ یہ امت شیعہ کے اعتقاد میں ملعون اور ظالم ہے، جب اللہ تعالیٰ ان کی ثنا خوانی کرتے ہیں تو ان کو بڑی تکلیف ہوتی ہے، چنانچہ انھوں نے یہ کوشش کی کہ اس ثنا خوانی کو اپنے بارہ اماموں کے ساتھ مخصوص کر دیں، جن میں آخری درحقیقت پیدا ہی نہیں ہوا، اس لیے انھوں نے کہہ دیا کہ یہ لفظ "أمة" نہیں بلکہ "أئمة" ہے۔

اسی طرح انھوں نے اپنے افترا کے زور پر اس آیت ﴿تُرَابًا﴾ میں "ي" کا اضافہ کرنے کی جسارت کی، تاکہ اس کو ''ترابیاً'' بنا دیا جائے اور حضرت علی کی طرف اس کی نسبت پیدا کر دی جائے، جن کا ابو تراب لقب تھا۔ اس کے مطابق کافر یہ کہے گا کہ کاش میں ترابی ہوتا، یعنی حضرت علی کا شیعہ ہوتا۔ خدا معلوم یہ کافر یہ خواہش کیوں نہیں کرے گا کہ کاش میں محمدی ہوتا؟ کیا علی رضی اللہ عنہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں؟

یہ اور اس طرح کی دیگر ہذیان گوئیاں ہیں، جنھوں نے شیعہ کو بدترین انجام سے دوچار کر دیا اور ان کے چہرے پر ابدی ذلت کی کالک مل دی۔

تیسرا مقدمہ: یہ مقدمہ اس نے قرآنِ کریم میں تبدیلی اور غیر تبدیلی کے متعلق اپنے فرقے کے علما کے اقوال ذکر کرنے کے لیے قائم کیا ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے: ''جان لیجیے! شیعہ کے اس کے بارے میں مشہور دو اقوال ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ اس میں تبدیلی اور کمی واقع ہوئی ہے۔'' اس کے بعد اس نے اس قول کے قائل اپنے علما کا ذکر کیا ہے، جن میں ایک قمی ہے، جس نے اپنی تفسیر میں یہ کہا اور دوسرا کلینی ہے، جس نے کافی میں اس کا ذکر کیا۔ یہ دونوں اس کے بقول وہ لوگ ہیں، جنھوں نے اس میں غلو کیا اور اس عقیدے کی کثیر تعداد میں روایات ذکر کیں۔

اسی طرح مجلسی نے "مرآة العقول" میں، صفار نے "بصائر الدرجات" میں، نعمانی نے "الغيبة"

میں، عیاشی اور فرات کوفی نے اپنی اپنی تفسیروں میں، شیعہ کے مفید نے "المسائل السروية" میں اور شیعہ کے محدث بحرانی نے "الدرر النجفية" میں اس مذہب کا اقرار کیا ہے۔

اسی نہج پر اس نے اپنے مذہب کے مشہور علما کے نام گنوائے ہیں، جو اس افسانے پر یقین رکھتے تھے، ساتھ ساتھ ان کو بھاری بھرکم القاب سے بھی یاد کیا ہے یا بعض کے بارے میں یہ کہا ہے:

''یہ ان لوگوں میں ہے، جن کی کوئی لغزش معلوم نہیں ہوسکی۔'' (حالانکہ اس کے گمراہی میں ڈوبنے اور کفر میں پھیلنے کے لیے یہ نظریہ ہی کافی ہے)

اس کے بعد اس نے اپنے علما کے نام ذکر کیے ہیں، اس کفر کے موضوع پر ان کی کتابوں کا تذکرہ کیا ہے اور ان کے بعض الفاظ سے استشہاد بھی کیا ہے، جنھوں نے درحقیقت ان آخری زمانوں میں تشیع کی حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے، مثال کے طور پر اس کا اپنے عالم ابو الحسن شریف، مولف "مرآة الأنوار" کا یہ قول نقل کرنا، جو اس نے اسی کتاب میں ذکر کیا ہے: ''یہ نظریہ شیعہ مذہب کی ضروریات اور اساسیات میں داخل ہے۔''[1]

پھر کہتا ہے:

''دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں کوئی تبدیلی یا کمی واقع نہیں ہوئی۔ جو رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل ہوا تھا، وہ آج لوگوں کے پاس سارا مجلد صورت میں موجود ہے۔

یہ موقف صدوق نے اپنی کتاب "العقائد" میں، سید مرتضیٰ نے اور شیخ الطائفہ نے "التبيان" میں اپنایا ہے اور قدما میں ان کا کوئی بھی ہم خیال نہیں، بہ جز اس کے جس کا مفید نے اہلِ امامہ کی ایک جماعت سے ذکر کیا ہے، جس سے بہ ظاہر اس کی مراد صدوق اور اس کے ہم نوا ہیں۔[2]

آپ دیکھ رہے ہیں، جس طرح ہم نے پہلے بھی ذکر کیا ہے، وہ اس نظریے کو شیعہ مذہب کا اصل اور قاعدہ قرار دے رہا ہے، وگرنہ قدیم علمائے مذہب اس کفر سے کہیں دور تھے... اس جھوٹ کے اصل اور آغاز کے متعلق گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

اس کے بعد اس نے منکرین کی چند عبارتیں نقل کی ہیں اور اپنی کتابوں میں اس جھوٹ کے موقف میں وارد شدہ روایات کی روشنی میں ان کے انکار اور مخالفت پر بحث کی ہے، پھر یہ نتیجہ پیش کیا ہے کہ ان کا انکار حقیقی نہیں تھا، بلکہ اہلِ سنت کو دھوکا دینے کی غرض سے تھا۔[3]

---

[1] دیکھیں: فصل الخطاب (ص: ٣٢)

[2] المصدر السابق (ص: ٣٣)

[3] المصدر السابق (ص: ٣٣ وما بعدها)

پہلے باب میں اس نے، اس کے الفاظ میں، ان دلائل کا ذکر کیا ہے، جن سے انھوں نے استدلال کیا، جن سے قرآن میں تبدیلی اور کمی کے وقوع پذیر ہونے پر استدلال کرنا ممکن ہے۔ اس میں اس نے اپنے ائمہ کی تعداد کے برابر ۱۲ شبہات پیش کیے ہیں:

پہلا شبہہ:

یہ ملحد کہتا ہے:

''پہلی دلیل: یہود و نصاریٰ نے اپنے اپنے نبی کی وفات کے بعد اپنی اپنی کتابوں میں تحریف اور تبدیلی کی، لہٰذا یہ امت بھی ضروری ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کی وفات کے بعد قرآن میں تبدیلی کرے، کیوں کہ جو کام بنی اسرائیل میں واقع ہوئے، ان کا صادق اور مصدوق نبی اکرم ﷺ کی خبر کے مطابق، اس آیت میں واقع ہونا بھی لازمی ہے۔''[1]

جواب:

اس شبہے کا جواب کئی وجوہ سے دیا جا سکتا ہے:

- ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جو کچھ بنی اسرائیل میں وقوع پذیر ہوا، وہ امتِ محمدیہ ﷺ میں بھی ضرور رونما ہوگا، لیکن ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس عموم سے وہ کام خارج ہو جاتے ہیں، جن کے خارج ہونے پر دلیل دلالت کرے۔

بنا بریں تحریفِ قرآن اس عموم سے نصِ قرآن کی دلیل کی بنا پر خارج ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ۹]

''بے شک ہم ہی نے یہ نصیحت نازل کی ہے اور بے شک ہم اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں۔''

کیا اس سے بھی قوی کوئی چیز ہوسکتی ہے کہ قرآن کی نص حدیث کے عموم کی تخصیص کرے؟ ان لوگوں کی عقلیں کہاں گم ہیں؟! اسی لیے باقلانی نے کہا ہے:

''تمھاری سب سے پہلی جہالت تو یہی ہے کہ تم نے خبر واحد کو لے کر یہ قطعی بات کہہ دی کہ قرآن میں تبدیلی اور تغیر ہوا ہے اور جو اس سے قوی تر دلیل ہے، اس کو تم رد کر رہے ہو؟''[2]

پھر یہ بات بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب سے تورات کو محفوظ رکھنے کا مطالبہ کیا اور یہ امانت ان

---

[1] فصل الخطاب (ص: ٣٦)

[2] نکت الانتصار (ص: ١٠٤)

کے سپرد کی، لیکن انھوں نے اس امانت میں خیانت کی اور اس کی حفاظت نہ کی، بلکہ عمداً اس کو ضائع کر دیا، لیکن قرآنِ کریم کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے کسی کے سپرد نہیں کی، تا کہ اس کو بھی ضائع کر دینا ممکن ہو سکے، اس لیے خود اس کی ذاتِ کریم ومقدس نے اس کام کی ذمے داری اٹھائی، جس طرح اس آیت ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ٩] ''بے شک ہم ہی نے یہ نصیحت نازل کی ہے اور بے شک ہم اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں۔'' نیز اس آیت: ﴿لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ﴾ [فصلت: ٤٢] اور دیگر آیات میں اس کی وضاحت ہے۔[1]

کیوں کہ قرآنِ کریم آخری آسمانی کتاب ہے، اس کے بعد کوئی کتاب نہیں آئے گی اور رسولِ کریم ﷺ آخری رسول ہیں، ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ آپ ﷺ کی وفات کے ساتھ ہی وحی بھی منقطع ہوچکی ہے۔ اس لیے یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت ہے کہ اس نے اپنی کتاب کی حفاظت فرمائی، تا کہ وہ قیامت تک امت کے لیے نورِ ہدایت کا منبع بن کر رہے۔

- اس کا یہ دعویٰ کہ جو بھی بنی اسرائیل میں واقع ہوا، وہ اس امت میں بھی ضرور واقع ہوگا، اس مقدمے کو مطلقاً تسلیم نہیں کیا جا سکتا، اس لیے اس مقدمے پر جو نتیجہ اس نے مرتب کیا ہے، وہ بھی جھوٹا نتیجہ ہے، کیوں کہ وہ ایسے مقدمے پر بنا رکھتا ہے، جس کو علی الاطلاق تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے تو اپنے انبیا کو قتل بھی کیا تھا اور یہ کام اس امت میں نہیں ہوا، اگرچہ منافقوں کی ایک جماعت اور بچھڑے کے پجاری بنی اسرائیل نے یہ گھناؤنی کوشش کی تھی، لیکن امتِ اسلامیہ میں اس کی کوئی نظیر وقوع پذیر نہیں ہوئی۔ اس لیے یہ مقدمہ مطلق نہیں اور تحریفِ قرآن کا اس عموم سے، اس نص کی بنا پر جو ہم نے ذکر کی ہے، مستثنیٰ ہونا زیادہ استحقاق رکھتا ہے۔ اگرچہ منافقوں کے کچھ گروہوں نے شیعیت کی آڑ میں یہ مذموم کوشش کی ہے۔

ہماری امت بنی اسرائیل سے اس لحاظ سے بھی مختلف ہے کہ اس میں ہر وقت ایک حق پرست گروہ موجود رہتا ہے، جن کو مخالفین قیامت تک کوئی نقصان اور کسی رسوائی سے دوچار نہیں کر سکتے، اس لیے ان پر اللہ تعالیٰ باہر سے کوئی دشمن مسلط نہیں کریں گے، جو ان کی نسل کشی کر دے۔

یہ دونوں باتیں رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ رہے گا، جو حق پر قائم ہوگا، ان کو ان کی مخالفت کرنے والے قیامت

[1] دیکھیں: الشنقيطي: أضواء البيان (٢/ ١٠٠۔ ١٠١)

تک کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔''[1]

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی بتایا:

''آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان پر ان کے باہر سے کسی دشمن کو مسلط نہ کرے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول کر لی، آپ ﷺ نے یہ بھی سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو عمومی قحط سے ہلاک نہ کرے، اللہ نے یہ بھی آپ کو دے دیا، پھر یہ سوال کیا کہ ان کی آپس میں لڑائی سخت نہ ہو تو اللہ نے یہ سوال پورا نہ کیا۔''[2]

ہم سے پہلے لوگوں میں خلاف عام تھا، حتی کہ ان میں ایک بھی ایسا گروہ نہیں تھا، جو ظاہراً حق پر قائم ہو اور اس کی مدد کی گئی ہو، اس لیے دشمن ان پر مسلط ہوتا اور ان کی بیخ کنی کر دیتا، جس طرح بنی اسرائیل پر مسلط کیا گیا۔ دو مرتبہ بیت المقدس کو ویران کیا گیا اور ان کا کوئی بادشاہ نہ بچا۔[3]

- اگر ہم جدلیاتی طور پر تسلیم کر بھی لیں کہ قرآن مذکورہ نص کے ساتھ اس عموم سے نہیں نکلتا تو وہ تحریف جو شیعہ کرتے ہیں، وہ معنوی تحریف ہے اور لفظی تحریف کی کوشش ہے اور جو ہم نے ان کی طرف سے پیش کیا ہے، وہ اس کی واضح دلیل ہے، لیکن وہ اپنے اہداف حاصل نہیں کر سکے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ آیت کی نص اور صریح عبارت کے مطابق اس کی حفاظت کی ذمے داری اٹھائی ہے۔[4]

دوسرا شبہہ:

ملحد کہتا ہے:

---

[1] اس کی تخریج گزر چکی ہے۔ دیکھیں: (ص: ٤٤٥)

[2] صحيح مسلم، كتاب الفتن وأشراط الساعة، باب هلاك هذه الأمة بعضهم ببعض (٣/ ٢٢١٦) رقم الحديث (٢٨٩٠) سنن الترمذي، كتاب الفتن، باب ما جاء في سؤال النبيﷺ ثلاثاً في أمته (٤/ ٤٧١۔ ٤٧٢) رقم الحديث (٢١٧٥، ٢١٧٦) سنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب ما يكون من الفتن (٢/ ٣٠٣) رقم الحديث (٣٩٥١) مسند أحمد (١/ ١٧٥، ١٨١۔ ٣/ ١٤٦، ١٥٦۔ ٥/ ١٠٨، ٢٤٠، ٣٤٣۔ ٦/ ٣٩٦)

[3] منهاج السنة (٣/ ٢٤٢)

[4] اس جگہ ڈاکٹر محمد رشاد سالم رحمہ اللہ نے مجھے لکھوایا: ''دونوں امتوں کے فعل میں وجہ مشابہت یہ ہے کہ امت محمدیہ میں ایسے لوگ ہوئے ہیں، جنھوں نے بالفعل اور عملاً تحریفِ قرآن کی کوشش کی ہے، جس طرح رافضہ شیعہ نے کیا، یا جنھوں نے اس کی باطل اور پر تکلف تاویل کی کوشش کی، جس طرح جہمیہ نے کیا ...لیکن نتیجہ مختلف ہے۔ امت بنی اسرائیل میں بالفعل تحریف ہوئی، جنھوں نے تورات کو چھپا دیا اور تحریف شدہ تورات باہر نکال لی۔ عیسائیوں نے اپنی انجیل کے ساتھ بھی ایسے ہی کیا، لیکن امتِ محمدیہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ان کی کتاب قرآن کی حفاظت کی ذمے داری لی ہے۔''

''دوسری دلیل: قرآنِ کریم جمع اور اکٹھا کرنے کی کیفیت عموماً اس میں تبدیلی اور تحریف کے رونما ہونے کومستلزم ہے۔ علامہ مجلسی نے ''مرآة العقول'' میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے، اس کا کہنا ہے: عقل فیصلہ سناتی ہے کہ اگر قرآن لوگوں کے پاس متفرق اور منتشر تھا اور غیر معصوم نے اس کو جمع کرنے کی ٹھانی تو یہ بات عقلاً ناممکن ہے کہ وہ جمع مکمل اور حقیقت کے مطابق ہو۔''[1]

جواب:

یہ شبہہ امامی عقل وفکر پر مبنی ہے، جو تمام امت کو، اگر وہ اجماع بھی کرے، تو بھی حتماً غلط ہی قرار دیتی ہے اور صرف امت کے ایک فرد کی رائے کو (جو نبی نہیں) درست کہتی ہے۔ یہ بات اس کے ان الفاظ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے کہ ''غیر معصوم نے اس کو جمع کرنے کی ٹھانی'' یہ رائے باطل اور شکستہ ہے، جس طرح ہم نے عصمت کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے یہ بات واضح کر دی ہے۔ جس کی بنیاد ہی باطل ہو، وہ باطل ہی ہوتا ہے۔

اس کا اس شبہے کو بنا کر پیش کرنے کا اسلوب اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ امامیہ کے اکثر شیوخ وعلما بہتان باز اور واضح حقائق کو جھٹلانے والے اور جھوٹوں اور خرافات کی تصدیق کرنے والی قوم ہے۔ قرآنِ کریم جمع کرنے کا کام ضبط و اِتقان کے دقیق ترین اور ثقہ ترین ذرائع کے ذریعے عمل میں لایا گیا، کاتبینِ وحی، وحی لکھتے ہیں، حفاظ اس کو حفظ کرتے ہیں، پوری کی پوری امت قرآنِ کریم کی آیات اپنی نمازوں اور حلقوں میں بار بار دہراتی ہے، جیسے ہی قرآن کی کوئی آیت یا سورت نازل ہوتی ہے، وہ اس کو یاد کرنے، لکھنے، سیکھنے اور اس پر عمل کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ قرآن میں کسی حرف کا اضافہ ہو یا اس سے کوئی دوسرا حرف کم ہو جائے، اس لیے امت نے اس پر اجماع کیا اور اجماع معصوم ہے۔

چنانچہ تمام شیعہ فرقوں میں صرف اثنا عشریہ کی طرف سے جو یہ دعویٰ پیش کیا گیا، جو ایسے قرآن کے بارے میں کہتے ہیں، جس کو حضرت علی نے جمع کیا اور وہ ان کی نگاہ میں کامل ہے اور جس پر امت نے اجماع کیا، اس کا انکار کرتے ہیں، اس دعوے کو ہم نے اپنی عقلوں کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ وہ کیا فیصلہ سناتی ہیں؟ ہم ان معنوں میں سے کس کو سچا کہیں، قرآن کو یا اس غائب کتاب کو جس کا کوئی اَتا پتا نہیں، جس کو نہ دیکھا گیا نہ جانا گیا، اس کا خروج خیالی منتظر کے ظہور کے ساتھ معلق ہے، جس کو۔ان کے اعتراف کے مطابق۔ صرف ایک فرد نے جمع کیا؟ شیعہ نے ہمارے سامنے اس کی آیات پیش کی، جن کا رب العالمین کا کلام ہونا

---

[1] فصل الخطاب (ص: ۹۷)

مستحیل ہے، کیوں کہ وہ اتنا سخیف کلام ہے کہ ایک عام آدمی کے معیار سے بھی پست ہے، رب العالمین کا معجزانہ کلام تو ایک طرف رہا؟!

ہم نے دیکھا کہ شیعہ جس کی طرف یہ مزعوم کتاب منسوب کرتے ہیں، وہ بھی اسی قرآن کو پڑھ کر عبادت کرتا ہے، جو مسلمانوں کے پاس ہے، لیکن شیعہ اس پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ تقیہ کرتے ہوئے اس قرآن کو پڑھتا تھا! کیا اس جیسے کام میں تقیہ جائز ہے، جس کے نتیجے میں دین ہی ضائع ہو جائے اور نسلیں گمراہ ہو جائیں؟

یہ ایسا نظریہ ہے کہ تمام شواہد بول بول کر اس کی تکذیب کر رہے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ تمام مسلمانوں کے سامنے اس گروہ کی حقیقت بے نقاب ہو جائے، جو امت اسلامیہ میں لمبی صدیوں تک تقیے کی آڑ میں رہتا رہا ہے۔

یہ بھی معلوم حقیقت ہے کہ امت کا صدیق اکبر اور امیر المومنین حضرت عثمان کے ادوار میں جمع قرآنِ کریم کا کارنامہ صحابہ کے اجماع کے ساتھ وقوع پذیر ہوا اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ اس دستے کے سربر آوردہ تھے، پھر اکثر متداول قراءات، خود شیعہ کے اقرار کے مطابق، متواتر سندوں کے ساتھ انہی کی طرف لوٹتی ہیں۔[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف جانے والی ان تمام اسانید میں کوئی ایک بھی ایسی چیز نہیں، جو امت کے قرآن کے مخالف ہو، بلکہ امیر المومنین حضرت علی نے مصحف کے معاملے میں انجام دیے کارنامے پر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عثمان کی بہت زیادہ تعریف کی ہے۔[2]

تو کیا صاف آسمان پر چمکنے والی سورج کی روشنی کا انکار کر دیا جائے اور ایسے اساطیر کی تصدیق کی جائے، جن کو امت اور دین کے دشمنوں کی ایک ٹولی نے نقل کیا ہے؟ اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہو سکتا ہے، جو اپنے اَتباع کو کتاب اللہ سے اعراض کرنے اور ایک خیالی من گھڑت کتاب کے انتظار کی دعوت دیتا ہے، جو ایک خود ساختہ امام یا ایک ہزار سال سے زیادہ عرصے سے اپنی کمین گاہ میں بھاگے ہوئے ایک شخص کے پاس ہے؟!

اس موہوم کتاب کے ساتھ بندوں پر کس طرح حجت قائم ہو سکتی ہے؟ جب کہ شیعہ کو اس مصحف کا کوئی علم ہے نہ ان کا اس کے ساتھ کوئی تعلق ہی ہے۔ یہ محض گمان کے پیچھے پیچھے بھاگ رہے ہیں اور صرف اٹکل پچو لگا رہے ہیں۔

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۲۹۶) دیکھیں۔
[2] اسی کتاب کا صفحہ (۲۶۳) دیکھیں۔

تیسرا شبہہ:

ملحد کہتا ہے:

''اکثر عامہ اور خاصہ کی ایک جماعت نے منسوخ آیات کی اقسام میں ایسی آیات کا ذکر کیا ہے، جن کی تلاوت منسوخ ہے، حکم نہیں اور ان کا بھی ذکر کیا ہے، جن کی تلاوت اور حکم دونوں ایک ساتھ منسوخ ہیں۔ انھوں نے دونوں قسموں کی مثالیں پیش کی ہیں اور بہت ساری ظاہر بلکہ صریح روایات نقل کی ہیں، جو بعض آیات یا کلمات کے وجود پر دلالت کرتی ہیں، جن کا متداول قرآن میں کوئی اثر اور وجود نہیں، لیکن یہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں اس میں تھے اور اصحاب اس کی تلاوت کرتے تھے۔

''انھوں نے ان کو ان دونوں اقسام میں سے ایک قسم پر محمول کیا ہے، حالانکہ اس میں کوئی ایسا اشارہ یا دلالت موجود نہیں۔

''چونکہ ہمارے نزدیک تلاوت منسوخ ہونا غیر واقع ہے، اس لیے یہ آیات اور کلمات ضروری ہے کہ ان کلمات اور آیات میں سے ہوں، جو قرآن سے ساقط ہوگئیں، یا انھوں نے عمداً یا جہلاً اللہ اور اس کے رسول کی اجازت کے بغیر ان کو ساقط کر دیا ہو اور یہی مطلوب ہے۔''[1]

جواب:

یہ شبہہ معاصر شیعہ کی زبانوں پر اکثر دہرایا جاتا ہے اور اس کے ذریعے وہ قاری کی سوچ کو متاثر کرنے اس میں جگہ بنانے اور اس کو یہ باور کروانے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ آیات جن کی تلاوت منسوخ ہوچکی ہے اور ان کا ذکر اہلِ سنت کی روایات میں ہوا ہے، شیعہ کی تحریف کی روایات بھی انھی کی طرح ہیں۔

آپ اس فرقے کی جو کتاب بھی پڑھتے ہیں، جب اس جھوٹ کے موضوع پر گفتگو کا ذکر ہوتا ہے تو آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ یہ اپنی کتابوں میں پھیلی ہوئی داستانوں کو اہلِ سنت کی احادیث میں منسوخ احادیث کے ساتھ جواز مہیا کرتے ہیں۔[2]

بلاشبہہ ان کی یہ حجت باطل اور بے کار ہے، کیوں کہ نسخ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

[1] فصل الخطاب (ص: ١٠٦)

[2] جیسے عبدالحسین مولوی نے "أجوبة مسائل جار اللّٰه"، محسن امین نے اپنی کتاب "الشيعة بين الحقائق والأوهام" میں، عبدالحسین رشتی نے "كشف الاشتباه" میں اور خنیزی نے "الدعوة إلى وحدة أهل السنة والإمامية" میں کیا ہے۔

﴿ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَاۤ اَوْ مِثْلِهَا ﴾ [البقرة: ١٠٦]

''جو بھی آیت ہم منسوخ کرتے ہیں، یا اسے بھلا دیتے ہیں، اس سے بہتر، یا اس جیسی (اور) لے آتے ہیں۔''

لیکن تحریف بشر کا فعل ہے اور ان دونوں میں بعد بین المشرقین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ علما میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے، جو ان داستانوں کی دلالت کے تقاضے کے مطابق اس مذہب (تحریف) کے قائل ہیں، لیکن اہلِ سنت میں کوئی عالم بھی اس جھوٹ کا قائل نہیں، کیوں کہ نسخ اس الزام سے ہٹ کر ایک بالکل دوسری چیز ہے، بلکہ مسلمانوں کے نزدیک تو اس افسانے کی اصلاً کوئی حیثیت ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے ہم دیکھتے ہیں کہ اہلِ سنت میں قرآن سے متعلق جس انحراف کے بارے میں بحث ہوئی ہے، وہ خلقِ قرآن کا مسئلہ یا اس سے ملتے جلتے دیگر اقوال ہیں، جو اہلِ سنت کے عمومی محور ومجالس میں پائے گئے، لیکن یہ مسئلہ تو اصلاً کبھی ان کے ہاں ذکر ہی نہیں ہوا، اس لیے نسخ کے قول کو تحریف کے قول کے مانند کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے؟ یہ کھلی گمراہی اور ارادی سازش ہے۔

ان آثار کی زیادہ سے زیادہ یہی دلالت ہے کہ وہ قرآن تھا، پھر رسولِ کریم ﷺ کی زندگی ہی میں، جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی، اس کو اٹھا لیا گیا، اس لیے ان آثار کو اہلِ سنت کے ہاں علومِ قرآن کے مباحث میں نسخ کی بحث میں رکھ دیا گیا اور کبھی کسی کے ذہن میں یہ خیال تک نہ آیا کہ یہ آثار نازل شدہ قرآن میں تحریف پر دلالت کرتے ہیں۔ اثنا عشریہ کے نزدیک اس افسانے کی روایات کے خلاف، جو تحریف کو صحابہ کرام کی طرف منسوب کرتی ہیں، جن سے اللہ راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے، کیوں کہ یہ جھوٹوں کی ٹولی کی خبر کی تصدیق کرتی ہیں اور دین کے ضروری و اساسی امور، متواتر روایات اور اللہ اور اس کے رسول کی ان کے لیے گواہی کی تکذیب کرتی ہیں۔

صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) اہلِ سنت کے نزدیک، اس جیسا کوئی بھی کام کرنے میں اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے اور خوف کھانے والے ہیں، اگر ہم الزامی طور پر یہ تسلیم بھی کر لیں کہ انھوں نے ایسا کام کرنے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ کوشش ممکن نہ ہونے دی، وگرنہ اس کے قول میں وعدہ خلافی لازم آئے گی، جو محال ہے، بلکہ ان سے ایسے کسی بھی عمل کا سہواً بھی صادر ہونا مستحیل ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔

تلاوت کی منسوخی کا خود روافض بھی اقرار کرتے ہیں، اگر چہ اس نوری طبرسی نے اپنے باطل موقف کی تائید میں اس کا انکار کیا ہے اور یہ انکار تمام شیعہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ اگر وہ اس نسبت کرنے میں صادق ہے تو وہ اپنے فرقے کے بعض معاصرین کے زمرے میں داخل ہوجاتا ہے، اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ اس مسئلے میں اپنے پیشروؤں سے زیادہ غلو رکھتے ہیں۔

شیعہ کے شیخ طبرسی (المتوفی ۵۴۸ھ) نے اس مسئلے میں تلاوت منسوخ ہونے کے ثبوت کا اقرار کیا ہے، وہ مجمع البیان میں کہتا ہے:

''اسی کی قسم سے یہ بھی ہے، جہاں لفظ اٹھ جاتا ہے اور حکم باقی رہتا ہے، جس طرح رجم کی آیت ہے۔''[1]

طبرسی نے تحریف کا انکار کیا ہے اور شیعہ علما اس کے انکار سے، اپنے مذہب کی اس عار اور شرمندگی سے براءت ثابت کرنے کے لیے، استدلال کرتے ہیں، کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ اس کا تلاوت منسوخ ہونے کو ثابت کرنا تحریف کا موقف ہے۔

اس سے پہلے شیعہ کے شیخ طوسی (المتوفی ۴۶۰ھ) نے بھی اپنی تفسیر ''التبیان'' میں کہا ہے:

''قرآنِ کریم میں نسخ تین اقسام سے خالی نہیں: ① لفظ موجود ہو، لیکن اس کا حکم منسوخ ہو۔ ② لفظ منسوخ ہو، لیکن حکم موجود ہو، جیسے رجم کی آیت ہے۔ شادی شدہ زانی کو رجم کرنے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں اور وہ آیت جو اس حکم پر مشتمل تھی، وہ بھی بلا اختلاف منسوخ ہے، جو اس طرح ہے: الشیخ والشیخة إذا زنیا''[2]۔''

ایک دوسری جگہ کہتا ہے:

''ایک قوم نے نسخِ قرآن کے جواز و امکان کا انکار کیا ہے۔ جو ہم نے ذکر کیا ہے، اس میں اس قول کے باطل ہونے کی دلیل موجود ہے، ایسی بہت ساری روایات ذکر ہوئی ہیں کہ قرآن میں ایسی اشیا تھیں، جن کی تلاوت منسوخ ہوچکی ہے۔''[3]

ان دونوں سے بھی پہلے شیخ الشیعہ مرتضیٰ (المتوفی ۴۳۶ھ) بھی ان لوگوں میں شامل ہے، جو اس کذب بیانی کی تردید کرتے ہیں۔ امام ابن حزم نے اس کو، اس افسانے کے قائل جمہور امامیہ سے، مستثنیٰ کہا ہے۔

[1] مجمع البیان (۱/ ۱۸۰)

[2] التبیان (۱/ ۱۳)

[3] المصدر السابق (۱/ ۳۹٤)

معاصر شیعہ بھی اس کے انکار سے شیعہ مذہب کی اس کفر سے براءت پر استدلال کرتے ہیں۔ وہ بھی نسخِ تلاوت کا اقرار کرتا ہے، چناں چہ وہ اپنی کتاب ''الذریعة'' میں لکھتا ہے:

''فصل: تلاوت کے بغیر حکم کے منسوخ ہونے کا جواز اور حکم کی منسوخی کے بغیر تلاوت کے منسوخ ہونے کا بیان'' اس کے بعد اس کے متعلق بحث کی ہے۔[1]

لہٰذا تلاوت منسوخ ہونے کا اقرار کرنا دونوں گروہوں کے درمیان امر مشترک ہے اور یہ تحریف سے علاحدہ دوسری چیز ہے۔ ان کی مکاری اور چالبازی دیکھیے، جس سے شاید ہی کسی معاصر شیعہ کی کوئی کتاب خالی ہو، اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے وہ ظاہر یہ کرتا ہے کہ شیعہ بھی اس کذب بیانی اور خیالی افسانے کی تردید کرتے ہیں اور استدلال کے طور پر وہ مرتضی اور طبرسی وغیرہ کا انکار و تردید پیش کرتا ہے، پھر بڑی چالاکی سے اس کذب بیانی کو اہلِ سنت کی طرف منسوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں، کیوں کہ وہ نسخِ تلاوت کے قائل ہیں، حالاں کہ طبرسی اور مرتضی بھی نسخِ تلاوت کے قائل ہیں!

لیکن اس چالبازی کا مقصد ایسے ہدف کو حاصل کرنا ہے، جس کے اظہار کی وہ جرأت نہیں رکھتے اور وہ ہدف ان کا یہ کفریہ عقیدہ ہے۔

چوتھا شبہہ:

ملحد کہتا ہے:

''چوتھی دلیل: امیر المومنین کا ایک مخصوص قرآن تھا، جو موجود قرآن کی ترتیب کے مخالف تھا، اس میں اضافہ تھا، جو احادیثِ قدسیہ کی قبیل سے تھا، تفسیر و تاویل کی قسم سے نہیں۔''

جواب:

مَیں کہتا ہوں: اگر امیر المومنین کا کوئی مصحف ہوتا تو وہ اس کو مسلمانوں کے سامنے پیش کرتے اور ان کے لیے اسے چھپانا ممکن نہ ہوتا، اگر وہ۔ تمھاری سوچ کے مطابق۔ اپنے پیشروؤں کی خلافت میں ایسا نہ کر سکے، تو وہ اس کو اپنی خلافت کے عہد کے دوران میں تو ظاہر کر سکتے تھے۔ اس کو چھپانا کفر اور گمراہی ہے، جس شخص نے امیر المومنین پر یہ الزام لگایا ہے، وہ ان کا شیعہ نہیں ہوسکتا، بلکہ وہ ان کا دشمن ہے، کیوں کہ وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے شیر ہونے کے باوجود محض خوف اور بزدلی کی وجہ سے حق کے اظہار اور بیان کو چھپایا۔

[1] الذريعة إلى أصول الشريعة (ص: ٤٢٨ـ ٤٢٩)

دین کی اصل اور اساس کو چھپانا اسلام سے خروج ہے۔ اگر حضرت علی اس کو نہ نکال سکے تو حضرت حسن اپنی خلافت کے دوران میں نکال دیتے، لیکن جس بات کی سب گواہی دیتے ہیں، حتی کہ روافض بھی، وہ یہ ہے کہ حضرت علی نے اپنی نمازوں میں بھی اسی قرآن کی تلاوت کی اور اپنی خلافت کے ایام میں اسی کے مطابق فیصلے اور حکومت کی، نہ صرف انھوں نے بلکہ تمام ائمہ اہلِ بیت نے اسی قرآن پر عمل کیا، جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔[1]

یہ عمل روافض کے دعووں کو باطل قرار دیتا ہے، جن کی اس بات سے راتوں کی نیند اڑ گئی ہے، بستر کاٹ کھانے کو دوڑنے لگے، شیرازہ منتشر ہوگیا اور جماعت ریزہ ریزہ ہوچکی کہ اسلام کی عظیم کتاب ایسے دلائل سے بالکل خالی ہے، جو ان کے شذوذ اور انحراف کو ثابت کرسکیں، تو انھوں نے ایک غائب قرآن کا دعویٰ کر دیا، جب ان کو مسلمانوں کی کتاب میں اپنا متاع گم گشتہ اور گوہر مقصود نہ مل سکا۔ اسی طرح جب ان کا امام بھی لا ولد فوت ہوگیا تو انھوں نے ایک غائب امام کا بھی دعویٰ کر دیا!!

اگر امیر المومنین کا کوئی مصحف ہوتا بھی تو وہ ایک طبعی امر ہے، جو اس مجوسی کے موقف پر قطعاً دلالت نہیں کرتا۔ یہ بعض صحابہ کی طرح ہی ہے، جنھوں نے اپنے اپنے مخصوص مصاحف لکھے تھے، لیکن وہ ''مصحفِ امام'' کے مرتبے اور معیار کے نہیں تھے، جس کو کاتبینِ وحی رسولِ ہدایت ﷺ کی نگرانی میں لکھتے تھے۔

اگر امیر المومنین کا، ان کے دعوے مطابق، کوئی مصحف تھا، جو مصحفِ امام کے مخالف تھا، تو ایسا مصحف جو اس مصحف کے مخالف ہو، جس پر مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہو، اس کی کوئی حیثیت نہیں رہتی، کیوں کہ اجماع معصوم ہے اور اسی کا اعتبار ہوگا، جس پر اہلِ اسلام نے اجماع کیا ہو، حالانکہ امیر المومنین اجماع کرنے والوں اور جمع کرنے والوں میں سرفہرست تھے، ان کی اس کام کی وجہ سے حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان کی مدح سرائی معروف و مشہور ہے، جس طرح ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔

باقلانی کہتے ہیں:

''اگر یہ لوگ کہیں: انھوں نے تقیے کی وجہ سے اس کا انکار کیا نہ اس کو بدلا، تو ان سے کہا جائے گا: وہ بنو ہاشم میں بڑی قدر و منزلت رکھتے تھے، بہادری میں اپنی مثال آپ تھے اور انھیں محفوظ پشت پناہی بھی حاصل تھی، تو کیا کوئی ان سے بھی زیادہ طاقتور قبیلے سے تعلق رکھتا تھا؟ یہ بات غایت درجہ ناممکن اور باطل ہے۔''[2]

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۲۹۴) دیکھیں۔

[2] نکت الانتصار (ص: ۱۰۸)

اس کے بعد انھوں نے روافض کے تضاد کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کا حضرت علی کے بارے میں یہ نظریہ، ان کے ان کے بہادری، حق گوئی اور باطل کے سامنے خاموش نہ رہنے کے متعلق جو دعوے ہیں، ان کے بھی خلاف ہے۔ انھوں نے ذکر کیا ہے کہ امیر المومنین کے اپنی خلافت کے ایام کے احوال و واقعات اس باب میں تقیے کے تصور ہی کی نفی کرتے ہیں:

''جب آپ نے تحریف اور تبدیلیِ قرآن سے کہیں چھوٹے مسئلے میں تلوار ننگی کر لی، صفین میں لڑائی لڑی اور اپنے اور اپنے مخالفین کے درمیان میدانِ جنگ سجا لیا تو اس کے بعد کون سا تقیہ رہ جاتا ہے؟ یہ ایسی بات ہے، جس کا باطل ہونا ہر کسی کے لیے معلوم ہے اور قطعیت کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مستحیل ہے۔''[1]

پانچواں اور چھٹا شبہہ:

ملحد کہتا ہے:

''پانچویں دلیل: عبداللہ بن مسعود کا بھی مصحف تھا، اس میں جو تھا وہ معتبر تھا اور وہ موجودہ قرآن میں نہیں، اس کے بعد اس نے اپنی روایات کی روشنی میں مصحفِ عبداللہ بن مسعود میں ذکر ہونے والی اشیا کا نمونہ پیش کیا ہے، جو اس نے ذکر کیا ہے، اس کی ایک مثال یہ ہے: "وكفى الله المؤمنين القتال بعلي بن أبي طالب، ورفعنا لك ذكرك بعلي صهرك"''[2]

مَیں کہتا ہوں: اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ بعض صحابہ کے اپنے مخصوص مصاحف تھے، جن میں وہ جو رسول اکرم ﷺ سے سنتے، ان کو لکھ لیتے۔ یہ مصحفِ امام پر کوئی طعن وتنقید ہے نہ اس میں ان کمینے لوگوں کی مقصد برآری کے لیے کوئی دلیل ہی ہے، کیوں کہ اصل اور قابلِ اعتماد وہی ہے، جس پر تمام مسلمانوں نے اجماع کیا اور جو ان کا انفرادی عمل تھا، اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

آپ دیکھتے ہیں کہ اس نے عبداللہ بن مسعود کے مصحف کو معتبر اور واضح ہدف قرار دیا ہے، کیوں کہ اس میں ۔اس کے گمان کے مطابق۔ علی رضی اللہ عنہ کا ذکر ہوا ہے، لیکن جن نمونوں سے اس نے استدلال کیا ہے، وہ اس امر کی دلیل ہے کہ جو باتیں انھوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یا ان کے مصحف کی طرف منسوب کی ہیں، وہ سب انہی کے جھوٹ اور افتراءات ہیں۔

---

[1] المصدر السابق.

[2] فصل الخطاب (ص: ١٣٦)

اس کا یہ کہنا: ''ورفعنا لك ذكرك'' یہ سورۃ الانشراح کی آیت ہے، جس کی تمام آیات مکی ہیں، جس طرح یہ معلوم بات ہے اور جو انھوں نے اضافہ کیا ہے کہ ''وجعلنا عليا صهرك''، یہی ان کے جھوٹ کا پول کھول دیتا ہے، کیوں کہ مکے میں آپ کے اکیلے داماد حضرت عاص بن ربیع اموی رضی اللہ عنہ تھے۔

انھوں نے جھوٹ بنایا تو سہی، لیکن تاریخ سے ناواقفیت کی بنا پر اچھی طرح نہ بنا سکے۔ کیا ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایسی بات لکھ سکتے ہیں، جو حقیقت کے خلاف ہو اور انھوں نے اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا بھی نہ ہو۔

اسی طرح دوسرا شاہد: ''وكفى الله المؤمنين القتال بعلي'' یہ بھی قرآن کی نص اور حقیقت کے خلاف ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس نے کن اشیا کے ساتھ مسلمانوں کو قتال سے کفایت کر دی تھی، ان کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے:

﴿ إِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ﴾ [الأحزاب: ٩]

''جب تم پر کئی لشکر چڑھ آئے تو ہم نے ان پر آندھی بھیج دی اور ایسے لشکر جنھیں تم نے نہیں دیکھا۔''

اسی لیے سلف صالحین اس آیت: ﴿وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ﴾ [الأحزاب: ٢٥] کی تفسیر میں کہتے ہیں، یعنی فرشتوں کے لشکروں اور ہوا کے ساتھ جو اس نے ان پر چلائی تھی۔[1]

یہ حقیقت کے خلاف اس طرح ہے کہ حضرت علی اکیلے ہی، تمام مسلمانوں کے سوا، کافی نہیں تھے، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف حضرت علی ہوتے تو دین قائم نہ ہوتا، حضرت علی تو اس وقت بھی، جب ان کے ساتھ حضرت امیر معاویہ کے خلاف لڑائی میں ساری دنیا کا سب سے بڑا لشکر تھا، تب بھی اپنے آپ کو کوئی فائدہ نہ دے سکے۔[2]

اسی لیے باقلانی کہتے ہیں:

''ان کا یہ دعویٰ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس کو ایسے پڑھا: ''وكفى الله المؤمنين القتال بعلي'' اور اس جیسی دیگر روایات تو یہ جھوٹ اور الزام ہے، جو بالکل نادرست ہے...''[3]

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] تفسير الطبري (٢١/ ١٤٨) فتح القدير (٤/ ٢٧٢)

[2] دیکھیں: منهاج السنة (٤/ ٥٦)

[3] نكت الانتصار (ص: ١٠٧) نیز دیکھیں: روح المعاني (٢١/ ١٧٥)

''ان کا یہ کہنا[1] کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کا مصحف ہمارے مصحف کے خلاف ہے۔ یہ باطل، جھوٹ اور الزام ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کے مصحف میں بلاشبہہ قراءات تھیں، ان کی قراءت وہی تھی جو عاصم بن ابی النجود کی قراءت ہے اور آج مشرق ومغرب اور چہار دانگ عالم میں مشہور ہے۔''[2]

اس ملحد کے تعصب اور ہٹ دھرمی کی انتہا دیکھیے، حضرت ابی کا مصحف ان کے نزدیک معتبر ہے، لیکن امت کا مصحف معتبر نہیں؟ اس کی کیا دلیل ہے کہ امت کے مصحف کو چھوڑ کر حضرت ابی کے مصحف میں جو کچھ مذکور ہے، وہ سب صحیح اور معتبر ہے؟

ان مجوسیوں کے پاس کتاب اللہ پر تنقید کرنے کی رغبت اور حرص کے سوا کوئی دلیل نہیں، لیکن یہ ان کے بس کی بات نہیں! اس قرآن کے سوا کوئی مصحف نہیں اور اس کے کلمات نے ان کو بدترین انجام سے دوچار کر دیا ہے۔

اگر حضرت عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، عائشہ اور سالم مولیٰ حذیفہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے مصاحف تھے، جس طرح اہلِ سنت اور شیعہ کی کتابوں میں اس کے متعلق روایت ذکر ہوئی ہے، تو یہ ذاتی مصاحف تھے، جو بعض صحابہ کا ذاتی اور انفرادی عمل تھا، ان کا ہدف ایسے مصحف کو لکھنا نہیں تھا، جس کے ساتھ ساری امت التزام کرے۔ اس لیے یہ ذاتی مصاحف، عثمان کے سوا جو بھی مصحف ہے، اس کی صحت یقینی نہیں، وہ اخبار آحاد کے قائم مقام ہے۔[3]

اگر ان مصاحف سے کوئی ایسی بات نقل کی جائے جو مصحفِ امام کے خلاف ہو تو یہ ایک طبعی بات ہے، کیوں کہ وہ کبھی اپنے اس مصحف پر بعض کلمات کی تفسیر لکھ لیتے تھے اور انھیں التباس کا کوئی خدشہ نہیں تھا، کیوں کہ وہ انھوں نے اپنے لیے لکھا ہوتا تھا۔

امام ابن جزری کہتے ہیں:

''وہ بسا اوقات قراءات میں وضاحت اور بیان کی خاطر تفسیر داخل کر دیتے، کیوں کہ انھوں نے جو قرآن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا ہوتا، انھیں اس کے متعلق یقین ہوتا تھا، لہٰذا وہ التباس اور اختلاط سے مامون تھے، البتہ شاید بعض لوگ اس کے ساتھ ہی کچھ لکھ لیتے۔''[4]

پھر کسی وقت وہ ایسی آیات بھی لکھ لیتے، جن کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہوتی، اس لیے اکثر علما نے صریح

---

[1] یعنی عیسائیوں کا یہ کہنا، کیوں کہ وہ بھی امت اسلامیہ پر انھی روافض کے شبہات کی طرح ہی کے شبہات پیش کرتے تھے۔

[2] الفصل (٢/ ٢١٢)

[3] البرهان (١/ ٢٢٢)

[4] ابن الجزري: النشر (١/ ٣٢) السيوطي: الإتقان (١/ ٧٧)

الفاظ میں کہا ہے:

''وہ حروف جو حضرت ابی اور ابن مسعود وغیرہما سے نقل ہوئے ہیں اور وہ ان مصاحف کے خلاف ہیں، وہ منسوخ ہیں ... اور بلاشبہہ قرآن کے آخری دور اور مراجعت کے وقت (جو جبرائیل نے رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ کی) کئی کچھ تبدیل اور منسوخ ہوا تھا۔''[1]

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے لیے لکھتے تھے، امت کے لیے نہیں، اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ روافض اس باب میں بہت کچھ گھڑتے ہیں اور اسے ان مصاحف کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔[2]

جہاں تک جمعِ قرآن کا تعلق ہے تو یہ کام حفاظ صحابہ کرام نے کیا، انھوں نے ان تمام صحیفوں میں موجود قرآن کو، جن کو کاتبینِ وحی نے نبی اکرم ﷺ کی زیرِ نگرانی لکھا تھا، اسی ترتیب اور کیفیت کے ساتھ جمع کیا، جس ترتیب و کیفیت کے ساتھ حضرت جبرائیل نے رسولِ کریم ﷺ کے سامنے مکمل قرآن آخری مرتبہ پیش کیا اور آپ ﷺ کے ساتھ دَور بھی کیا، پھر اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی اور آج جو قرآن ہے، وہ اس آخری نظر ثانی کے مطابق ہی ہے، اس میں کوئی کمی یا زیادتی نہیں، اس لیے اس مسئلے میں دو آدمیوں نے بھی ان سے اختلاف نہ کیا،حتی کہ حضرت علی بن ابی طالب نے بھی یا کسی دوسرے نے کسی حرف کا انکار کیا نہ اسے بدلا۔[3]

ساتواں شبہہ:

ملحد کہتا ہے:

''ساتویں دلیل: عثمان نے جب دوسری مرتبہ قرآن جمع کیا تو بعض کلمات اور آیات ساقط کر دیں...۔''[4]

اس کے بعد اس دعوے پر دلیل قائم کرنے کی کوشش میں کہتا ہے:

''جو اس نے جمع کیا، اس کے نازل شدہ قرآن کے مطابق ہونے کا علم نقل کرنے والوں یا لکھنے والوں کی عدالت (امانت) وصداقت پر موقوف ہے یا صحیح اور مکمل مصحف کے ساتھ موازنہ کرنے پر ...۔''[5]

---

[1] ابن الجزري: النشر (١/ ٣٢)

[2] اس لیے اہلِ علم نے ذکر کیا ہے کہ قراءات کی کچھ اقسام ایسی ہیں، جو موضوع ہیں۔ (الإتقان: ١/ ٧٧)

[3] النشر (١/ ٣٣)

[4] فصل الخطاب (ص: ١٥٠)

[5] المصدر السابق (ص: ١٥٤)

جواب:

آپ دیکھتے ہیں کہ اس نے اس دعوے کی بنیاد رافضہ کے صحابہ کرام کے متعلق عقیدے پر رکھی ہے، جو کتاب وسنت، اجماعِ امت اور متواتر احوال و واقعات کے مخالف ہے۔[1] اسی طرح اس نے اس وہم اور خیال پر بھی اعتبار کیا ہے، جو شیعہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ایک ایسا مصحف موجود ہے، جس کو حضرت علی نے جمع کیا اور وہ ائمہ کے پاس وراثتاً منتقل ہوتا رہا۔ یہ مصحف مصحفِ امام کی تصدیق کے لیے اصل ہے۔

اس کی یہ ساری باتیں غیر مسلم ہیں اور اس کا ان اقوال اور روایات کے بے قیمت پلندے سے استدلال بھی ناقابلِ تسلیم ہے، جس کو اس نے اس نظریے کو ثابت کرنے کے لیے اپنی کتابوں سے نقل کیا ہے۔ سب کو معلوم ہے:

> ''مکمل قرآن عہدِ نبوی میں لکھا جا چکا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تو صرف اسے لکھنے کا حکم دیا تھا، جو پہلے ہی لکھا جا چکا تھا۔ اس لیے انھوں نے سورت براءت کی آخری آیت لکھنے سے اس وقت تک توقف کیا، جب تک وہ انھیں لکھی ہوئی نہ ملی، حالاں کہ وہ ان کو بھی یاد تھی اور ان کے ساتھیوں کے ذہن میں بھی موجود تھی۔''[2]

کیوں کہ وہ قرآن جمع کرنے میں حفظ اور کتابت دونوں پر ایک ساتھ اعتماد کر رہے تھے، انھوں نے صرف حفظ پر انحصار نہیں کیا، کیوں کہ وہ یہ چاہتے تھے کہ وہ بعینہٖ اسی مکتوب اور لکھے ہوئے سے نقل کریں، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھا گیا۔ صرف اپنے حفظ اور یاد کیے پر انحصار نہ کریں۔[3]

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں بھی بتایا ہے کہ وہ صحف میں جمع کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ﴾ [البينة: ٢] ''جو پاک صحیفے پڑھ کر سنائے۔''

لہٰذا قرآن صحیفوں میں لکھا ہوا تھا، لیکن جدا جدا مقامات پر تھا حضرت ابوبکر صدیق نے اس کو ایک جگہ اکٹھا کر دیا۔ اس کے بعد وہ محفوظ رہا، تاآنکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی کئی نقلیں بنانے کا حکم دیا اور انھیں مختلف علاقوں میں بھیج دیا۔[4]

---

[1] اسی کتاب میں دیکھیں: صحابہ کرام کے متعلق شیعہ عقائد کی تردید (ص: ٨٠٢ وما بعدها)

[2] فتح الباري (٩/ ١٢۔ ١٣)

[3] أبو شامة: المرشد الوجيز (ص: ٥٧) نیز دیکھیں: الإتقان للسيوطي (ص: ٥٨)

[4] فتح الباري (٩/ ١٣)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ جمعِ قرآن کے عمل کی تلخیص کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''جب وہ سال آیا، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض ہوئی تو جبرائیل نے دو مرتبہ آپ کے سامنے قرآن پیش کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کا دَور کیا۔ وہ قرآن جو آخری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا، وہ زید بن ثابت وغیرہ کی قراءت ہے۔ خلفاے راشدین حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور علی المرتضٰی رضی اللہ عنہم نے اسی قراءت کو مصاحف میں لکھنے کا حکم دیا، اس کو حضرت ابوبکر و عمر نے خلافتِ صدیقی میں مصاحف میں لکھوایا اور حضرت زید بن ثابت کو اس کام پر مامور کیا، پھر حضرت عثمان نے اپنی خلافت کے ایام میں اس کو مصاحف میں لکھوانے، اسے مختلف علاقوں میں بھجوانے اور حضرت علی اور تمام صحابہ کے اتفاق کے ساتھ تمام لوگوں کو اسی پر اکٹھا کرنے کا حکم دیا۔''[1]

جو حضرت ابوبکر و عثمان کی غلطی نکالتا ہے، وہ حضرت علی اور تمام صحابہ کی غلطی نکالتا اور انھیں غلط قرار دیتا ہے، کیوں کہ وہ حقیقت جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے، یہ ہے کہ حضرت عثمان نے تمام صحابہ کی موافقت اور اجازت کے ساتھ قرآن جمع کیا تھا۔[2]

اگر یہ کام ہوا ہوتا جو شیعہ کہتے ہیں تو کسی ایک کے لیے بھی اسلام کی اصل اور اساس میں تبدیلی کرنے والے اس عمل پر خاموش رہنا جائز اور روا نہ ہوتا، وگرنہ اس کی وجہ سے سارے ہی گمراہ ہوجاتے، جن میں حضرت علی بھی شامل تھے، جب کہ اس بات کی متفق دلیلیں موجود ہیں، جن میں دو آدمیوں کا بھی اختلاف نہیں کہ صحابہ کرام تو اس سے کہیں چھوٹے امور میں خاموش نہیں رہے، انھوں نے زکات نہ دینے والوں کے خلاف جہاد کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ کے خلاف اس سنگین اور عظیم تر معاملے سے کہیں چھوٹے مسئلے میں لڑائی لڑی۔

اگر اس طرح ہوا ہوتا جو رافضہ کہتے ہیں تو اس کو اسلام کے دشمن بھی نقل کرتے، جو ہر دم اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے موقع کی تاک میں رہتے ہیں، اس کو نقل کرنے میں رافضہ کا ٹولہ اکیلا نہ ہوتا! یہ ٹولہ جس نے یہ کفر نقل کیا ہے، اس نے ایسی باتیں بھی نقل کی ہیں، جو اس کے خلاف حقائق کو ثابت کرتی ہیں۔

ابن طاؤس روایت کرتا ہے، جو شیعہ کے بڑے علما میں شمار ہوتا ہے:

''(حضرت) عثمان رضی اللہ عنہ نے ہمارے آقا حضرت علی بن ابی طالب کی رائے کے ساتھ مصحف جمع کیا۔''[3]

---

[1] مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام (١٣/ ٣٩٥)

[2] دیکھیں: المرشد الوجیز لأبي شامة (ص: ٥٣)

[3] تاریخ القرآن للزنجاني (ص: ٦٧)

یہ قول اس افترا کی دھجیاں بکھیر دیتا ہے، جو شیعہ صدیوں سے باندھتے آئے ہیں، کیوں کہ یہ اجماعِ امت کے مطابق ہے اور شیعہ ہی کا اعتراف اور اقرار ہے....۔

دشمن کا اعتراف دوست کے اعتراف سے دل میں زیادہ اثر رکھتا ہے۔ فصل الخطاب کا مولف جو اس جھوٹ کو ثابت کرنے کے لیے بہت زیادہ آرزومند ہے، وہ اس عبارت کو دیکھ کر اپنے اوپر قابو نہیں رکھ سکا اور اسے یہ کہنا پڑا:

''یہ ایک طرح کی عجیب اور نامانوس بات ہے؟''[1]

یہ صرف اسی ملحد اور اس کے ہمنواؤں کی نظر میں عجیب ہے ...ابن ابی داود نے صحیح سند کے ساتھ، جس طرح حافظ ابن حجر نے کہا ہے، حضرت علی سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا:

''حضرت عثمان کے متعلق کلمہ خیر کے سوا اور کچھ نہ کہو۔ خدا کی قسم! انھوں نے مصاحف کے متعلق جو بھی کیا، وہ ہماری مرضی سے اور ہمارے سامنے کیا۔''[3]

ان تمام باتوں کے بعد وہ ''نمونہ'' جس کو یہ ''جھوٹے'' ہمارے سامنے پیش کرتے اور دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت عثمان نے اس کو حذف کر دیا تھا، وہی ان کے قول کی حقیقت پر سب سے بڑا شاہد ہے....۔

فصل الخطاب کے مولف نے اپنی چار کتابوں سے چار روایات نقل کی ہیں، جو کہتی ہیں:

''علی بن موسی رضا نے کہا: نہیں خدا کی قسم! تم میں سے دو آگ میں کبھی نہیں دیکھے جائیں گے، نہیں! خدا کی قسم! ایک بھی نہیں، اس نے کہا: اللہ آپ کی اصلاح فرمائے! یہ کتاب اللہ میں کہاں لکھا ہے؟ اس نے کہا: یہ سورت رحمٰن میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "لا یسئل عنه ذنبه "منکم" انس ولا جان" وہ کہتا ہے: میں نے کہا: اس آیت میں "منکم" تو نہیں۔ اس نے کہا: کیوں نہیں، یہ اس میں ثابت ہے، سب سے پہلے جس نے اس کو بدلا، وہ ابن اروی تھا۔''[3]

باقی تین روایات بھی اسی مفہوم سے خارج ہیں اور ابن اروی سے وہ حضرت عثمان کو مراد لیتے ہیں۔ یہ ''مثال'' جس کو شیعہ کی کتابیں ان کلمات کے شاہد اور دلیل کے طور پر پیش کرتی ہیں، جن کو حضرت عثمان نے ساقط کر دیا، درپردہ حقیقت سے پردہ اٹھاتی ہے۔ جب قرآن نازل ہو رہا تھا، اس وقت نہ شیعہ تھے، نہ مرجیہ اور

---

[1] فصل الخطاب (ص: ۱۵۳)

[2] فتح الباري (۹/ ۱۸) نیز دیکھیں: ابن أبي داود: کتاب المصاحف (ص: ۱۹) أبو شامة: المرشد الوجیز (ص: ۵۳)

[3] فصل الخطاب (ص: ۱۵۷)

نہ کوئی دوسرا فرقہ اور یہ آیت، جس طرح یہ دعویٰ کرتے ہیں، ثابت کرتی ہے کہ شیعہ شخص سے اس کے گناہوں کی باز پرس نہیں ہوگی۔ یہ ایک خطرناک دعویٰ ہے، جس کی کوئی دلیل سند مہیا نہیں کرتی، بلکہ یہ قرآنِ کریم کی نصوص اور اسلام کے ضروری اساسی معلوم شدہ عقائد کے بھی منافی ہے اور اس کے انتہائی خطرناک آثار ہیں، جو شرعی تکالیف اور پابندیوں سے آزادی اور کبیرہ اور مہلک گناہوں کے ارتکاب کے لیے جرأت پیدا کرتے ہیں۔

ان کا امام شیعہ کو قسم کھا کر کہتا ہے کہ ان میں کوئی ایک آدمی بھی دوزخ میں نہیں جائے گا... کیا اس نے غیب پر جھانک لیا ہے یا اللہ کے ساتھ کوئی عہد کیا ہوا ہے ...؟ وہ یہ دعویٰ کر کے یہود سے بھی غلو میں دو ہاتھ آگے بڑھ چکے ہیں، جنھوں نے کہا تھا:

﴿لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ [البقرۃ: ۸۰۔۸۱]

''ہمیں آگ ہرگز نہیں چھوئے گی مگر گنے ہوئے چند دن۔ کہہ دے کیا تم نے اللہ کے پاس کوئی عہد لے رکھا ہے تو اللہ کبھی اپنے عہد کے خلاف نہیں کرے گا، یا تم اللہ پر وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔ کیوں نہیں! جس نے بڑی برائی کمائی اور اسے اس کے گناہ نے گھیر لیا تو وہی لوگ آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔''

یہی مثال ان تمام دعویٰ جات کے جھوٹ کا پردہ فاش کر دیتی ہے۔ تحریفِ قرآن کا دعویٰ کرنے کی اصل غرض و غایت انحراف اور شذوذ کو ثابت کرنا ہے، جس کی کتاب اللہ اور سنت صحیحہ میں کوئی دلیل نہیں ملتی۔ یہ امور مزید انکشاف کرتے ہیں کہ اس روایت کو گھڑنے والا کوئی زندیق اور کتاب اللہ کے معانی سے ناآشنا ہے، کیوں کہ یہ آیت مجرموں کے متعلق ہے، لیکن اس نے اس کو صالحین اور نیک لوگوں کے متعلق گمان کیا تو اپنے شیعہ کو اس سے مراد لے لیا، پھر اس نے اس میں ''منکم'' کا لفظ اپنی طرف سے بڑھا کر اس میں قطعیت اور تاکید پیدا کرنے کی کوشش کی اور اس کی یہ توجیہ پیش کی کہ اگر وہ اس اضافے کو نہ گھڑتا تو ساری مخلوق سے عذاب ساقط ہو جاتا، جو صرف شیعہ سے ساقط ہوگا، جس طرح وہ افترا پردازی کر رہا ہے، حالانکہ یہ آیت اس آیت: ﴿وَ لَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ [القصص: ۷۸] ''اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے بارے میں پوچھا نہیں جائے گا۔'' کے مفہوم کی طرح ہے۔

یہ آیت مجرموں اور گناہ گاروں کے متعلق ہے، اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں کہا:

''وہ ان سے یہ نہیں پوچھے گا کہ کیا تم نے یہ یہ کام کیے؟ کیوں کہ وہ ان کو ان سے زیادہ جانتا ہے۔''

مجاہد کہتے ہیں:

''فرشتے مجرم سے نہیں پوچھیں گے، وہ ان کی علامات ہی سے ان کو پہچان لیں گے۔''[1]

ہم امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قرآنِ کریم جمع کرنے کے متعلق ان کے شبہے کو زائل کرنے کے لیے جاحظ کے الفاظ میں اپنی بات ختم کرتے ہیں۔ اس نے کہا:

''جو اس مسئلے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خطا کار قرار دیتا ہے، اس نے یقیناً حضرت علی، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد، زبیر، طلحہ اور اونچے درجے کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی غلط قرار دیا۔ اگر یہ حضرت علی کی رائے نہ ہوتی تو وہ اس کو ضرور بدلتے، اگر ان کے لیے بدلنا ممکن نہ ہوتا، تو اس کے متعلق بات ضرور کرتے، اگر حضرت عثمان کے زمانے میں ممکن نہ ہوتا تو ان کے اپنے زمانے میں ضرور ممکن تھا، اگر وہ امت کو پھیرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے تو کم از کم اظہارِ حجت سے تو قاصر نہیں تھے۔ اگر انھیں کامیابی کا یقین نہیں تھا تو وہ کم سے کم تجربہ ضرور کر سکتے تھے۔

''بلکہ حضرت عثمان کے لیے یہ ممکن ہی نہیں تھا، جب تک تمام کے تمام صحابہ اور اصحابِ رائے و قیادت ان کے ساتھ نہ ہوتے، پھر انھوں نے جو کیا، اس کا مقصد اور اس کی صورت بالکل واضح تھی، بلکہ انھوں نے جو کیا، اس کی ہم اصابت (درستی) احتیاط، امت کے درد، دور اندیشی اور معترض کے اعتراض کو کاٹ ڈالنے کے سوا کوئی اور وجہ اور سبب نہیں پاتے۔

''انھوں نے جو کیا اگر اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا شامل نہ ہوتی تو امت کا اول اور آخر اس پر اکٹھا نہ ہوتا۔ وہ کام جس پر معتزلہ، شیعہ، خوارج اور مرجیہ اپنے مختلف نقطہ ہائے نظر کے باوجود، اکٹھے اور متفق ہیں، اس کا درست ہونا بالکل ظاہر اور اس کی برہان بڑی واضح ہے۔

''اگر کوئی کہنے والا کہے: یہ روافض تمام کے تمام اس کا انکار کرتے، اس میں طعن کرتے اور اس کو تبدیل شدہ سمجھتے ہیں تو ہم کہیں گے: روافض کے ساتھ ہمارا کوئی لینا دینا نہیں، ان کی راہ ہم سے بالکل جدا ہے، کیوں کہ جس کی اذان، نماز، طلاق، غلام آزاد کرنا، حج، فقہا، امام، قراءت، حلال اور

[1] تفسیر الطبري (٢٧/ ١٤٢۔ ١٤٣) تفسیر ابن کثیر (٤/ ٢٩٤)

حرام، ہماری اذان، نماز، طلاق، غلام آزاد کرنے، حج، فقہا، امام، قراءت، حلال اور حرام ہمارے جیسے نہیں، نہ ہمارا ان کے ساتھ کوئی تعلق ہے اور نہ ان کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق ہے۔"[1]

آٹھوں شبہہ:

ملحد کہتا ہے:

''آٹھویں دلیل: جو روایات گزری ہیں، ان کے علاوہ بہت ساری ایسی روایات ہیں، جنھیں مخالفین نے روایت کیا ہے اور وہ صریحاً کمی واقع ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔''[2]

اس کے بعد اس نے اہلِ سنت کی سند سے تلاوت کی منسوخی کے متعلق وارد ہونے والی روایات ذکر کی ہیں، لیکن ان میں اس کی مطلب برآری کا کوئی سامان موجود نہیں، جس طرح ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ نسخ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور تحریف انسانی فعل ہے، اس لیے اس کے متعلق گفتگو اہلِ سنت کی کتب کے ''باب النسخ'' میں ذکر ہوئی ہے ... جو باتیں پہلے ذکر ہوگئی ہیں، ہم ان کا یہاں اعادہ نہیں کریں گے، لیکن وہ مختلف شکلوں کے ساتھ دلیلوں کا تکرار واعادہ کرتا ہے، تاکہ دلائل کو ائمہ کی تعداد تک پہنچا سکے۔

اس جگہ اس نے ایک خود ساختہ سورت ذکر کی ہے، جس کے متعلق وہ کہتا ہے:

''اس نے یہ سورت ''دبستانِ مذاہب''[3] نامی کتاب میں پائی، لیکن اس نے اسے اس کے علاوہ کسی دوسری شیعہ کی کتاب میں نہیں دیکھا۔''

پھر کہتا ہے:

''ہوسکتا ہے یہ ''سورۃ الولایۃ'' ہو، جس کا بعض شیعہ علما نے اشارتاً تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد اس نے اس کی مکمل عبارت نقل کی ہے۔''[4]

جواب:

یہ انتہائی رکیک اور بودی عبارتیں، ردی الفاظ، گھٹیا معانی، بے ربط سیاق اور ناموزوں جملے ہیں۔ یہ

---

[1] رسائل الجاحظ رسالة حجج النبوة (٣/ ٢٣٣۔ ٢٣٤)

[2] فصل الخطاب (ص: ١٦٢)

[3] یہ ایرانی (فارسی) زبان میں ہے، اس کا مولف محسن فانی کشمیری ہے۔ یہ ایران میں کئی مرتبہ چھپی ہے۔ یہ سورت مستشرق نولڈیک (Thoodor Noldeke) نے اپنی کتاب "تاريخ المصاحف" (٢/ ١٠٢) میں اسی کتاب سے نقل کی ہے۔ اس کو ۱۸۴۲ میں ایشین فرنچ اخبار (ص: ٤٣١۔ ٤٣٩) نے شائع کیا۔ نیز دیکھیں: الخطوط العريضة (ص: ١٣)

[4] فصل الخطاب (ص: ١٨٠)

سورت ایسے کلمات پر مشتمل ہے، جنھیں انتہائی گھٹیا انداز میں بعض قرآنی الفاظ سے جوڑ کر بنایا گیا ہے۔ اس کا موضوع وہ معاملہ ہے، جس نے شیعہ کو ہمیشہ پریشان رکھا ہے، یعنی کتاب اللہ ان کے شذوذ و انحراف سے خالی ہے۔ اس لیے یہ خود ساختہ سورت حضرت علی کی امامت کے لیے وصیت اور تعیین کا تذکرہ کرتی ہے اور صحابہ کرام کی، وصی کی نافرمانی کی وجہ سے، تکفیر کرتی ہے۔

اس کے کلمات کچھ اس طرح ہیں:

"يا أيها الذين آمنوا بالنورين أنزلناهما يتلوان عليكم آياتي. إن الذين يوفون ورسوله في آيات لهم جنات نعيم. والذين كفروا من بعد ما آمنوا بنقضهم ميثاقهم وما عاهدهم الرسول عليه يقذفون في الجحيم. ظلموا أنفسهم وعصوا الوصي الرسول يسقون من حميم. إن الله الذي نور السماوات والأرض بما شاء واصطفىٰ من الملائكة وجعل من المؤمنين أولئك في خلقه يفعل الله ما يشاء ... إن علياً من المتقين وإنا لنوفيه حقه يوم الدين .. فإنه وذريته الصابرون، وإن عدوهم إمام المجرمين.. يا أيها الرسول قد جعلنا لك في أعناق الذين آمنوا عهداً فخذه وكن من الشاكرين بأن علياً قانتاً بالليل. يحذر الآخرة ويرجوا ثواب ربه، قل هل يستوي الذين ظلموا وهم بعذابي يعلمون. سيجعل الأغلال في أعناقهم وهم على أعمالهم يندمون"[1] الخ

یہ اس سورت کے بعض کلمات ہیں، جو کسی تنقید کے محتاج نہیں۔ یہ ہذیان گوئی پر مشتمل، گھٹیا اور بازاری قسم کا کلام، کھوکھلا جھوٹ اور مضطرب الفاظ و معانی کا مجموعہ ہے۔ کوئی چھوٹے سے چھوٹا ادیب بھی، اس کو اپنی طرف منسوب کرنے سے انکار کرے گا، چہ جائیکہ یہ کتاب اللہ کا حصہ ہو، جس نے اربابِ بیان اور فصاحت کے شاہسواروں کو بھی مات دے دی۔

اس ''خود ساختہ سورت'' پر شیخ یوسف الدجوی نے اپنی کتاب "الجواب المنيف في الرد على مدعي التحريف في القرآن الشريف" میں تنقید کی ہے۔[2]

ایک شیعہ عالم بلاغی نے بھی اپنی تفسیر "آلاء الرحمن" میں اس کا رد کیا اور اس کا جعلی پن واضح کیا

---

[1] المصدر السابق (ص: ۱۸۰۔ ۱۸۱)

[2] الجواب المنيف (ص: ۱۷٤ وما بعدها)

ہے۔[1] اس کا باطل ہونا واضح ہے کہ محض اس کے الفاظ پر ایک نظر ڈالنے سے اس کی حقیقت آشکارا ہوجاتی ہے۔

مثال کے طور پر اس کے یہ الفاظ دیکھیے:

"واصطفٰی من الملائكة، وجعل من المؤمنين أولئك في خلقه"

''اس نے فرشتوں سے چنا اور مومنوں سے بنایا ان کو اپنی مخلوق میں۔''

آپ دیکھتے ہیں کہ یہ کسی عجمی کی کارستانی ہے، جو اپنی مراد بیان کرنے سے بھی قاصر ہے، کیا فرشتوں سے چنا؟ یہ معنی اس نے مکمل نہیں کیا۔ شاید اس کی یہ مراد ہو کہ اس نے فرشتوں سے اوصیا کی طرف بھیجنے کے لیے ایلچی منتخب کیے، لیکن وہ اس جملے کو مکمل نہیں کر سکا، پھر مومنوں سے کیا بنایا؟ "أولئك في خلقه" سے کیا مراد ہے؟ آپ دیکھتے ہیں کہ جس کسی نے بھی قرآنِ کریم کی نقل اتارنے کی کوشش کی، اللہ تعالیٰ نے اس کو جہالت میں مبتلا کر دیا اور سرِ بازار رسوا کر دیا۔

نواں شبہہ:

ملحد کہتا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے اپنی سابقہ مبارک کتابوں میں اپنے اوصیا کے نام بھی ذکر کیے ہیں اور ان کے اخلاق وشمائل بھی، لہٰذا ضروری ہے کہ وہ اپنی اس کتاب میں بھی ان کا ذکر کرے، جو ان کتابوں پر نگران ہے۔''[2]

چونکہ یہ پائے نہیں گے، اس لیے یہ اس کے گمان کے مطابق اس میں تحریف ہونے کی دلیل ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنی روایات کا ایک مجموعہ نقل کیا ہے، جو ذکر تی ہیں کہ ''ان کے بارہ اماموں کا ذکر سابقہ آسمانی کتابوں میں بھی ہوا ہے۔''[3]

جواب:

مَیں کہتا ہوں: یہ دعویٰ اس بنیاد پر کیا گیا ہے کہ بارہ اماموں کے نام سابقہ انبیا کی کتابوں میں ذکر ہوئے ہیں ... یہ دعویٰ ہی باطل ہے، جو ایک باطل اور جھوٹی بنیاد پر کیا گیا ہے اور یہ ایک ایسی خرافت اور بکواس ہے، جس کے ثبوت کو ایک دوسری خرافت کے ساتھ معلق کیا گیا ہے۔ یہ کون تسلیم کرے گا کہ ان کا آسمانی کتابوں میں ذکر ہوا ہے، تاکہ قرآن میں ان کے ذکر کو تسلیم کیا جائے؟

---

[1] دیکھیں: آلاء الرحمن (ص: ٢٤۔ ٢٥)

[2] فصل الخطاب (ص: ١٨٤)

[3] المصدر السابق (ص: ١٨٤۔ ٢٠٤)

یہ انبیا کی کتابیں جو لوگوں نے پیش کیں، ان میں نبی اکرم ﷺ کا ذکر تو موجود ہے، لیکن ان میں سارے ائمہ تو ایک طرف رہے، حضرت علی کا بھی ذکر نہیں۔ یہ لوگ جو اہلِ کتاب سے مسلمان ہوئے، ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ ذکر نہیں کیا کہ حضرت علی کا ان کی کتابوں میں ذکر ہوا ہے۔[1]

سابقہ کتابوں میں خاتم المرسلین ﷺ کی بشارت کا تذکرہ تو موجود ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ ﴾ [الأعراف: ١٥٧]

''وہ جو اس رسول کی پیروی کرتے ہیں، جو امی نبی ہے، جسے وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔''

تورات اور انجیل میں صحابہ کا ذکر اور ان کی ثنا خوانی بھی وارد ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ ... ﴾ [الفتح: ٢٩]

''محمد اللہ کا رسول ہے اور وہ لوگ، جو اس کے ساتھ ہیں، کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں نہایت رحم دل ہیں، تو انھیں اس حال میں دیکھے گا کہ رکوع کرنے والے ہیں، سجدے کرنے والے ہیں، اپنے رب کا فضل اور (اس کی) رضا ڈھونڈتے ہیں، ان کی شناخت ان کے چہروں میں (موجود) ہے، سجدے کرنے کے اثر سے۔ ان کا یہ وصف تورات میں ہے اور انجیل میں ان کا وصف اس کھیتی کی طرح ہے ...۔''

لیکن اس پر گراں گزرا کہ رسولِ ہدایت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کا ذکر تو ان کتابوں میں موجود ہو، لیکن ان کے ائمہ کا ذکر نہ ہو! جب کہ صحابہ شیعہ کے نزدیک دین سے پھر گئے اور شیعہ کے ائمہ انبیا و رسل سے بھی افضل ہیں تو یہ اپنے اَتباع اور پیروکاروں کو کیا کہیں گے اور کیا منہ دکھائیں گے؟ اس لیے انھوں نے ایسی روایات تو گھڑ لیں، جن میں کہا گیا کہ ائمہ کا آسمانی کتابوں میں ذکر ہوا ہے، لیکن کتاب اللہ میں ان کا ذکر کیوں نہیں ہوا؟ اس کے لیے انھیں اس کے سوا کوئی جواب نہ ملا کہ قرآن میں تحریف کا دعویٰ کر دیں، جس نے ان کو بدترین انجام سے دوچار کر دیا۔

---

[1] منهاج السنة (٤/ ٤٦)

دسواں شبہہ:

اس میں کہتا ہے:

''اہلِ اسلام کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف اور اِشکال نہیں کہ قرآنِ کریم کے کلمات اور حروف میں کمی بیشی کی صورت میں بہت زیادہ اختلافات اور نا قابلِ شمار تبدیلیوں نے راہ پائی، پھر مخالفین کی آرا حسبِ اختلاب سات یا دس قراء کو منتخب کرنے میں متفق ہوگئیں، اس کے بعد انھوں نے ان کی قراءت کی توجیہ کرنے اور انھیں رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹانے اور منسوب کرنے پر بھرپور توجہ دی۔

''اس طرح ان کے اس گمان کی روشنی میں قرآن اپنی ذات میں اور اپنے نزول ہی کے وقت سے اختلاف اور مغایرت کی بنا پر تشکیل پایا اور تضاد کی نذر ہوگیا۔ چوں کہ قرآن میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے نہ اس میں کوئی اختلاف ہی ہے، اس لیے یہ تمام قراءات ایسی قراءت ہوں گی، جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کے مطابق نہیں۔

''اس کے بعد اس نے اپنی چند ایک روایات پیش کی ہیں، جو کہتی ہیں:

''قرآن ایک ہی ہے، جو ایک ہی کی طرف سے نازل ہوا، اس میں اختلاف راویوں کا پیدا کردہ ہے۔''

پھر اس نے سات راویانِ قرآن پر بھی طعن و اعتراض کے تیر برسائے ہیں اور ان کی قراءات کو نا قابلِ استدلال قرار دیا ہے، کیوں کہ اس کے بقول:

''قراء کا پہلا طبقہ مطلق العنان اور خود رائے لوگ تھے اور انھوں نے اپنے زمانے کے امام امیر المومنین کی بیعت نہ کی۔''[1]

یہ ملحد کوشش کر رہا ہے کہ اپنے فرقے کے جھوٹ اور افسانے کو ثابت کرنے کے لیے، جو قراءات وارد ہوئی ہیں، ان سے استدلال کر سکے، لیکن اس میں اس کے لیے کوئی دلیل اور تمسک کا کوئی سامان موجود نہیں، کیوں کہ قراءات کا اختلاف کسی ایسی چیز کا باعث نہیں بنتا، جس طرح یہ الزام تراشی کر رہا ہے، کیوں کہ ایسا اس وقت ممکن ہوتا، جب بعض آیات کی قراءات میں اختلاف کرنے والے تمام قراء اپنی طرف سے جس طرح خیال کرتے پڑھ لیتے، لیکن ایسا نہیں، کیوں کہ احادیث صریحاً الفاظ میں دلالت کرتی ہیں کہ ان میں سے ہر ایک نے

[1] فصل الخطاب (ص: ۲۱۰)

اپنی قراءت رسول اللہ ﷺ سے لی تھی، جو اس کے ساتھی کی قراءت کے مخالف تھی اور آپ ﷺ نے دونوں کو ثابت رکھا اور کہا کہ یہ اس طرح بھی نازل ہوئی ہے۔[1]

جس سے واضح ہوا کہ تمام قراءات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہیں۔ اس کے درمیان اور شیعہ کے افسانے کے درمیان فرق بالکل واضح ہے۔ اس جھوٹ ساز شخص پر قراءات اور قرآن کا مسئلہ گڈ مڈ ہوگیا، اس لیے اس نے یہ سمجھ لیا کہ ان دونوں کے درمیان لازم وملزوم کا رشتہ ہے، جو بالکل واضح جہالت ہے۔

قرآنِ کریم مسلمانوں کے اجماع کے ساتھ متواتر ہے، جس کو بعد والی نسلیں پہلی نسلوں سے برابر نقل کرتی آئی ہیں، حتی کہ وہ رسول اللہ ﷺ تک جا پہنچتا ہے، جب کہ قراءات میں کچھ متواتر ہیں، کچھ آحاد، کچھ شاذ کچھ مُدرج[2] اور کچھ موضوع۔ یہ کسی نے نہیں کہا کہ قرآن کو سات یا دس قرا سے حاصل کیا گیا ہے، کیوں کہ قراءات تو قرآنِ کریم کے نطق اور تلفظ کے مذاہب میں ایک مذہب ہے، جس کو کسی امامِ قراءت نے اختیار کیا اور اس میں وہ دوسرے کے ساتھ اختلاف رکھتا ہے ....

زرکشی کہتے ہیں:

''جان لو! قرآن اور قراءات دونوں ایک دوسرے کے مخالف حقیقتیں ہیں۔ قرآن وحی ہے جو محمد ﷺ پر اعجاز اور بیان کے لیے نازل ہوئی، جب کہ قراءت مذکورہ وحی کے حروف لکھنے یا ان کی تخفیف وثقل (بھاری پن) وغیرہ جیسی کیفیات میں اختلاف کا نام ہے۔''[3]

قراءات سات حروف کے علاوہ چیزیں ہیں[4]، جن کا اس رافضی نے انکار کیا ہے۔ اس نے ان کو سات قراءات کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے۔ حالاں کہ سات حروف کے بارے میں حدیث رسول اکرم ﷺ سے صحیح ثابت ہے۔[5]

---

[1] دیکھیں: صحیح البخاري مع الفتح (۹/ ۲۲)

[2] جو قراءات میں تفسیر کے طور پر اضافہ کیا گیا ہو۔ (الإتقان، ص: ۷۷)

[3] البرهان (۱/ ۳۱۸)

[4] اہلِ علم کے درمیان اس میں کوئی نزاع اور اختلاف نہیں۔ بعض جاہل لوگ ان دونوں کو ایک چیز سمجھتے ہیں، حالاں کہ سب سے پہلے ابوبکر بن مجاہد نے چوتھی صدی کے دوران میں سات قراءات کو جمع کیا تھا۔ دیکھیں: المرشد الوجیز لأبي شامة (ص: ۱٤٦) مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام ابن تیمیة (۱۳/ ۳۹۰) النشر لابن الجزري (۱/ ۲٤)

[5] صحیح البخاري، کتاب فضائل القرآن، باب أنزل القرآن علی سبعة أحرف، من البخاري مع شرحه فتح الباري (۹/ ۲۳) رقم الحدیث (٤۹۹۲) صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب بیان أن القرآن علی سبعة أحرف وبیان معناه، رقم الحدیث (۸۱۸) سنن أبي داود، کتاب الصلاة، باب أنزل القرآن علی سبعة أحرف (۲/ ۱۵۸) رقم الحدیث (۱٤۷۵)

بلکہ خود شیعہ کی کتابوں میں بھی کئی احادیث میں قرآنِ کریم کے ساتھ حروف میں نازل ہونے کے متعلق روایت ذکر ہوئی ہے کہ قمی نے اپنی کتاب "الخصال"[1] میں اس کے لیے باب باندھا ہے۔ ان قراءات کی سندوں پر غور کرنے والے دیکھے گا کہ ان میں کئی سندیں ان کے ساتھ جا ملتی ہیں، جن کی امامت کا شیعہ دعویٰ کرتے ہیں۔ مثلاً امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ اور جعفر صادق وغیرہما، اس سلسلے میں شیعہ کے اعتراف کا حوالہ بھی پہلے گزر چکا ہے۔[2]

گیارھواں شبہہ:

ملحد کہتا ہے:

''گیارھویں دلیل: ان معتبر اور صریح اخبار و روایات کے بیان میں جو موجودہ قرآن میں سقوط اور کمی کے واقع ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور یہ قرآن اس مقدار سے کم ہے، جو جن و انس کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر معجزانہ نازل ہوا۔ یہ (آیات) ان معتبر کتابوں میں متفرق اور جدا جدا ہیں، جو اصحاب کے نزدیک قابلِ اعتماد ہیں۔''

جواب:

اس کے بعد اس نے اپنے فرقے کی کتابوں سے اس کے متعلق بہت زیادہ روایات نقل کی ہیں۔ یہ کثیر روایات جن سے اس نے استدلال کیا ہے، قرآن کریم میں تحریف پر دلالت نہیں کرتیں، جس پر امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا اور قطعی دلائل اور قرائن اس کے سلامت اور محفوظ ہونے پر دلالت کرتے ہیں، بلکہ یہ روایات خود ہی ان احادیث کے جھوٹ اور ساقط الاعتبار ہونے پر گواہی پیش کرتی ہیں، جن کو یہ ائمہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، اس کے بعد ان کی روایات کا کوئی اعتبار نہیں رہتا، ان کی یہ کتابیں ہی تحریف شدہ اور خود ساختہ ہیں، اسی جھوٹ نے ان روایات کا بھانڈا پھوڑ دیا ہے اور اس فرضی داستان نے خود ان کی حقیقت ننگی کر دی ہے۔

اس کی روایات کی اس کے مطلوب و مقصود پر دلالت اس کی ملت اور قوم پر تو لازم ہو سکتی ہے، امتِ اسلام پر قطعاً نہیں۔ ان کے گھر کے ایک بھیدی ہی نے ان کی لنکا ڈھاتے ہوئے کہا ہے:

''ان کی اس باب اور مسئلے میں جتنی روایات ہیں، ان سب کو غالیوں، جھوٹوں اور دین میں بدنام

---

[1] الخصال: نزل القرآن علی سبعة أحرف (ص: ۳۵۸)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۲۹۶) دیکھیں۔

لوگوں نے روایت کیا ہے، جن سے روایت کرنا حلال ہی نہیں۔‘‘

یہ گواہی شیعہ کے شیخ بلاغی نے اپنی تفسیر ’’آلاء الرحمن‘‘ میں دی ہے۔ وہ کہتا ہے:

’’اس کے ساتھ ساتھ، معاصر محدث نے فصل الخطاب میں ایسی روایت جمع کرنے کی بڑی مشقت اٹھائی ہے، جن سے اس نے اس عیب پر استدلال کیا ہے۔ یہ جملہ روایات جو اس نے ذکر کی ہیں، ایسی ہیں، جن کو سچا ماننا آسان نہیں، ان میں کچھ ایسی ہیں، جن میں اتنا اختلاف ہے، جو تعارض اور ایک دوسری کی نفی پر ختم ہوتا ہے، ...اس کے ساتھ ساتھ ان روایات کی ایک بہت بڑی قسم ایسی ہے، جس کی سندیں صرف چند اشخاص تک پہنچتی ہیں، جن تمام کو علمائے رجال نے یا تو ضعیف الحدیث، فاسد المذہب اور ساقط الروایت قرار دیا ہے یا مضطرب الحدیث اور مضطرب المذہب کہا ہے، وہ معروف ومنکر ہر طرح کی روایت کرتا ہے۔ وہ ضعفا سے روایت کرتا ہے، یا وہ کذاب اور تہمت زدہ ہے، مَیں اس کی تفسیر سے ایک روایت بھی نقل کرنا حلال نہیں سمجھتا، وہ مشہور واقفی ہے اور امام رضا کا سب سے بڑا دشمن ہے یا پھر وہ غالی جھوٹا ہے یا ایسا ضعیف ہے کہ جس کو کوئی اہمیت دی جاتی ہے نہ اس پر اعتماد ہی کیا جاتا ہے اور جھوٹوں میں سے ہے یا پھر وہ فاسد الروایہ ہے اور اسے غلو کا الزام دیا جاتا ہے۔ واضح بات ہے کہ ان جیسے لوگوں کی کثرت کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔‘‘[1]

اسی طرح اپنے زمانے کا شیعہ مرجع تقلید مرزا مہدی شیرازی ذکر کرتا ہے کہ اس موضوع پر ان کی روایات شاذ اور ضعیف سند کی حامل ہیں، جن کے متنوں میں بھی تضاد پایا جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

’’وہ روایات جن کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ بعض آیات میں تحریف ہوئی ہے، ان سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی، کیوں کہ یہ روایات شاذ ہیں اور ان کی سندیں ضعیف ہیں، ان میں اکثر روایات سیاری[2] سے مروی ہیں، جس کو علمائے رجال نے ضعیف کہا ہے، جس طرح شیخ الطائفہ کی ’’الفهرست‘‘، علامہ کی ’’الخلاصة‘‘ اور نجاشی کی ’’الرجال‘‘ میں ہے، وہ ضعیف الحدیث، فاسد المذہب اور مردود الروایت ہے۔‘‘[3]

---

[1] البلاغي: آلاء الرحمن (ص: ٢٦)

[2] شیعہ کے ہاں اس کا ترجمہ اس طرح ذکر ہوا ہے: ’’ابوعبداللہ احمد بن محمد بن سیار، بصری کاتب سیاری کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ضعیف الحدیث، مردود الروایت اور کثیر المراسیل ہے۔ (الفهرست للطوسي، ص: ٥١، رجال النجاشي، ص: ٦٢، رجال الحلی، ص: ٢٠٣) حافظ ابن حجر کہتے ہیں: ’’یہ تیسری صدی کے آخر میں ہوا ہے۔‘‘ (لسان الميزان: ١/ ٢٥٢)

[3] المعارف الجلية (ص: ١٨)

اس کے بعد اس نے اس کے متن میں تناقض بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

''یہ دو صورتوں میں سے ایک دوسرے کے متضاد و معارض ہے: ① ساقط کی تعیین میں ان میں تعارض ہے۔ ② بعض روایات میں ذکر ہوا ہے کہ بہت ساری جگہوں سے حضرت علی کا نام ساقط ہوا ہے، جب کہ بعض روایات یہ دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حضرت علی کا نام ذکر ہی نہیں کیا۔''

یہ ان کے رجال اور ان کی سندوں کے بارے میں بلاغی اور شیرازی کے اقوال ہیں۔ ہمیں روافض کے حکم کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن ہم یہ صرف ان کے اقوال میں تناقض، ان کے اپنے قول کے گھٹیا اور ساقط ہونے کے احساس، اپنے مذہب پر پردہ ڈالنے کی کوشش یا ان کی اس کفر اور ننگ و عار کی تردید بیان کرنے کے لیے ذکر کرتے ہیں، جو شیعہ کے کلینی، ابراہیم القمی، مجلسی اور اس کے ہمنوا پہلے علما نے اس کفر اور الحاد کو ان کے اصول میں رکھ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس فرقے کے منہ پر کالک مَل دی ہے۔

صرف اس وجہ سے ہم ان کے وہ اقوال لیتے ہیں، جو ان کی سندوں پر حکم لگاتے ہیں۔

بارھواں شبہہ:

ملحد کہتا ہے:

''بارھویں دلیل: قرآن کریم کی مخصوص مقامات کے متعلق وارد ہونے والی اخبار جو گذشتہ گیارہ شکلوں میں کسی ایک شکل کے ساتھ بعض کلمات، آیات اور سورتوں میں تبدیلی پر دلالت کرتی ہیں، یہ بہت زیادہ ہیں (یعنی ان کے فرضی افسانوں کے مطابق) حتی کہ سید نعمت اللہ جزائری نے اپنی بعض مولفات میں، جس طرح اس سے نقل کیا گیا ہے، کہا ہے: اس پر دلالت کرنے والی اخبار و روایات دو ہزار احادیث سے زیادہ ہیں، ایک جماعت، جیسے: مفید، محقق داماد اور علامہ مجلسی وغیرہ نے ان کے مشہور ہونے کا دعویٰ کیا ہے، بلکہ شیخ نے بھی "التبیان" میں ان کی کثرت کا صریحاً ذکر کیا ہے، یہی نہیں بلکہ ایک جماعت نے ان کے متواتر ہونے کا بھی دعویٰ کیا ہے۔ ہم ان روایات کو ذکر کرتے ہیں، جو ان کے دعوے کی تصدیق کرتی ہیں۔''[1]

جواب:

اس کے بعد اس نے اپنی روایات میں ذکر ہونے والی آیات کا بیان شروع کیا ہے، جن کے بارے میں شیعہ کا دعویٰ ہے کہ وہی وہ قرآن ہے، جو تحریف سے سالم اور محفوظ ہے، پھر اس نے قرآن کی سورتوں کی ترتیب

[1] فصل الخطاب (ص: ۲۵۱۔ ۲۵۲)

کے مطابق ایک سو صفحے پر ۱۰۶۲ مثالیں ذکر کی ہیں۔ میں ان میں چند ایک مثالیں ذکر کروں گا، تا کہ ان افترا پردازیوں کے مطلوبہ اہداف کی حقیقت واضح ہو جائے۔

اس سے پہلے میں یہ بیان کرنا چاہوں گا کہ اس موضوع پر ان کی روایت کی کثرت اس کے اپنے ہم مذہبوں کے لیے تو کچھ لازم اور ثابت کر سکتی ہے، امتِ اسلام کے لیے نہیں ... یہ کثرت جو وہ بیان کر رہا ہے، اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ شیعہ کے دین کا تانا بانا جھوٹ سے اور اسلام کے عظیم رکن اور بنیاد؛ قرآنِ کریم جس پر اس کی بنیاد قائم ہے، اس کے خلاف محاذ آرائی کر کے اسلام کے خلاف سازش کرنے سے بُنا گیا ہے۔ یہ ملحد ان کے ہاں اس باطل کی کثرت اور اس کا مستفیض ومشہور ہونا بیان کرتا ہے، جب کہ دوسرے اس کے شاذ و نادر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور یہ سب لوگ ان کے معتبر علما اور شیوخ میں شمار ہوتے ہیں تو کیا یہ اس مذہب اور اس کے ماننے والوں کے تناقض کا عنوان نہیں؟

یہ دعویٰ جس کو وہ اپنی مراد ثابت کرنے کے لیے دلیل خیال کر رہا ہے، یہ اس کے کفر کا عنوان، کلنگ کا ٹیکا اور کالک ہے، جو اس نے قیامت تک اپنی قوم کے چہرے پر مل دی ہے۔

شرم مگر تم کو آتی نہیں

جب حیا ختم ہو جائے تو جو جی میں آئے کرتے پھرو۔ کفر کے بعد کوئی گناہ بڑا نہیں۔ وہ یہ دعویٰ کر کے اپنی قوم کو کتاب اللہ سے پھیرنا چاہتا ہے، کیوں کہ ان کی مزعوم کتاب ابھی تک ان کے موہوم اور خیالی غائب کے پاس ہے، جو دائمی عزلت اور ہمیشہ کی پوشیدگی کی قبر میں دفن ہو چکا ہے، کیوں کہ وہ اصلاً پیدا ہی نہیں ہوا۔

البتہ جو مثالیں اس نے پیش کی ہیں، وہ کتاب اللہ میں اپنے عقائد کی سند گھڑنے کی ایک مایوسانہ کوشش ہے، تا کہ اپنے پیروکاروں اور فرزندانِ قوم کے دل کی تسلی کا کوئی سامان کر سکیں، جو اس وجہ سے حیران اور متزلزل ہیں کہ اسلام کی عظیم بنیاد اور اصل کتاب قرآنِ کریم میں بارہ اماموں کی امامت و ولایت کا کوئی ذکر تک نہیں، جس میں ان کا سارے کا سارا دین بند ہے!

اس سلسلے میں اس ملحد نے جو کچھ کہا، اس کی چند ایک مثالیں سنیے:

- سورۃ بقرۃ: ''.... جابر جعفی سے مروی ہے، ابو عبداللہ نے اس آیت کے بارے میں کہا: ''وإذا قيل لهم آمنو بما أنزل الله (في علي) قالوا أنؤمن بما أنزل علينا'' [1]

---

[1] فصل الخطاب (ص: ٢٥٤)

آپ دیکھ رہے ہیں کہ انھوں نے اس آیت کریمہ میں "في علي" کا اضافہ کرلیا ہے اور یہ زندیق اس بات کو نہیں سمجھ سکے کہ یہ آیت بنی اسرائیل کے متعلق ہے، جو انھوں نے اضافہ کیا ہے۔ سیاقِ کلام اس کو ایک طرف پھینکتا ہے اور آیت کا لفظ بھی اس کی تکذیب کرتا ہے۔ شیعہ کا یہ کہنا: "بما أنزل علینا" (جو ہم پر نازل ہوا) صریح نص ہے کہ یہ آیت اس امت کے متعلق نہیں۔

لیکن یہ لوگ یا تو عجمی زندیق ہیں، جو آیات کے معانی نہیں سمجھتے یا پھر شیعہ کو گمراہ کرنے اور ان کو کفر اور الحاد کی راہ پر چلانے کے لیے جان بوجھ کر اس کا قصد کیا گیا ہے۔

سورۃ انعام: کلینی نے ابوعبداللہ سے روایت کیا ہے: "إن الذین فارقوا أمیر المؤمنین وصاروا أحزابا"[1] (وہ لوگ جنھوں نے امیر المومنین کو چھوڑا اور وہ گروہوں میں تقسیم ہوگئے) اس طرح کہہ کر یہ لوگ اس آیت: ﴿إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ﴾ [الأنعام: ١٥٩] کو بدلنا چاہتے ہیں۔

لیکن یہ ملحد وضع کرنا بھی نہیں جانتے، کیوں کہ یہ آیت مکی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں کوئی امیر المومنین نہیں تھا، تمام رسول اللہ ﷺ کے اَتباع اور پیروکار تھے، حضرت علی کے پیروکار نہیں، جو آپ ﷺ کو چھوڑ جاتے!

سورت براءت: ملحد کہتا ہے: کلینی اور عیاشی نے ابوالحسن رضا سے روایت کیا ہے کہ حسین بن جہم نے ان سے کہا: وہ اس آیت: ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾ [التوبة: ٤٠] سے ہمارے خلاف استدلال کرتے ہیں اور اس کو ہمارے خلاف بہ طورِ حجت پیش کرتے ہیں۔

اس نے کہا: اس میں ان کے لیے کوئی حجت نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "فأنزل الله سکینته علی رسوله" اللہ تعالیٰ نے اس میں اس کا خیر کے ساتھ ذکر نہیں کیا، وہ کہتا ہے: میں نے ان سے کہا: کیا اس طرح اس کی قراءت ہے؟ اس نے کہا: ہاں اسی طرح اس کی قراءت ہے۔ ابوجعفر سے بھی اس سے ملتی جلتی بات منقول ہے۔ اس نے کہا: کیا تم دیکھتے نہیں کہ سکینت اللہ کے رسول پر نازل ہوئی اور اس نے ان لوگوں کے کلمے کو نیچے کر دیا، جنھوں نے کفر کیا، یہ کلام تمھارے عتیق (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کے بارے میں ہے۔ ملحد کہتا ہے: یہ آیت اس صاحبِ (غار) کے عدمِ ایمان پر دلالت کرتی ہے۔"[2]

چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ یہ زنادقہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ﴾ [التوبة: ٤٠]

[1] فصل الخطاب (ص: ٢٦٢)

[2] فصل الخطاب (ص: ٢٦٦)

میں ''علیہ'' کو حذف کر کے اور اس کی جگہ ''علی رسولہ'' کا اضافہ کر کے تحریف کی کوشش کر رہے ہیں۔

اس نص میں رافضہ کی تحریف کرنے کا مقصد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرنا ہے، جبکہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مناقب میں سب سے بڑی دلیل ہے، لیکن ان عجمیوں کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی کہ یہ تبدیلی ان کے اختیار کردہ موقف اور مطلوبہ غرض کو پورا نہیں کرتی۔[1]

لہٰذا آپ دیکھتے ہیں کہ ان کی ''تحریفات'' اور اساطیر ولایت کے محور میں گھومتی ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر کرتی ہیں۔ اس ملحد کی ذکر کردہ اکثر کہانیاں اسی رنگ ڈھنگ کی ہیں۔ اس الحاد پسند نے اپنے بارہ شبہات[2] پیش کرنے کے بعد شیعہ کے دوسرے بازو اور اس افسانے کے واضح طور پر فاسد ہونے کی وجہ سے اس کی موافقت سے انکار کرنے والے گروہ کی تردید کی کوشش کی ہے اور اپنی کتاب کا ایک باب اس موضوع پر باندھا ہے، جس میں اس نے شیعہ کے دلائل پیش کیے ہیں اور ان کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ میں آیندہ صفحات پر اس الزام کا انکار کرنے والے شیعہ کے دلائل ذکر کروں گا، اس ملحد نے جو ان کے جوابات دیے ہیں، ان کی طرف بھی اشارہ کرتا جاؤں گا اور اس کے ساتھ بحث و مناقشہ بھی کروں گا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ باب جو اس نے باندھا ہے، اس کے ساتھ اس نے خود اپنے الزامات اور افتراءات کی تردید کی ہے، کیوں کہ یہ اپنی قوم کے منکرینِ تحریف کا جواب نہیں دے سکا، جس طرح آپ دیکھیں گے۔

ملحد کہتا ہے:

کتاب اللہ میں مطلقاً تبدیلی واقع نہ ہونے کے قائلین کے دلائل کا بیان، جو یہ کہتے ہیں کہ موجودہ قرآن مکمل طور پر وہی ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، اور یہ متعدد امور ہیں:

---

[1] امام ابن کثیر نے اس آیت: ﴿فَأَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهُ عَلَيْهِ﴾ کی تفسیر میں کہا ہے کہ اللہ نے اس پر یعنی اپنے رسول پر سکینت نازل کی اور یہ دو مشہور قولوں میں سے ایک قول ہے۔ (ابن كثير: ٢/ ٣٨٤) یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ حضرت علی بن ابی طالب، ابن عباس اور حبیب بن ابی ثابت کا قول ہے۔ (زاد المسير: ٣/ ٤١)

[2] اس باب میں تفصیل کے ساتھ شیعہ کے جھوٹوں کا جواب جاننے لیے قاری، امام باقلانی کی کتاب "الانتصار" کی طرف رجوع کر سکتا ہے، (اس کا پہلا حصہ ۳۰۴ اوراق میں، معهد المخطوطات العربيه، قاہرہ میں قلمی صورت میں موجود ہے) یا پھر "نكت الانتصار لنقل القرآن" بتحقیق ڈاکٹر محمد زغلول، کو دیکھا جا سکتا ہے۔
اس رافضی کے شبہات نئے نہیں، کیوں کہ یہ اس کے اسلاف زنادقہ نے بھی پیش کیے اور علمائے مسلمین نے ان کے جوابات دیے۔ مجھے ایسے لگتا ہے کہ اس رافضی نے یہ شبہات بعض علمائے مسلمین کی تحریروں سے ان کے جوابات نقل کیے بغیر لیے ہیں، تاکہ اپنی قوم کو سیدھی راہ سے بھٹکا سکے۔ حقیقتِ امر معلوم کرنے کے لیے اس کے شبہات کا "نكت الانتصار بلألقاني" میں وارد ہونے والے شبہات سے تقابل کیجیے۔

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ۹]

''بے شک ہم ہی نے یہ نصیحت نازل کی ہے اور بے شک ہم اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں۔''

ملحد کہتا ہے:

''اعتراض کیا گیا کہ حفاظتِ قرآن سے مراد یہ ہے کہ اس میں معاندین اور دشمنانِ دین کے شبہات راہ نہیں پا سکیں گے، کیوں کہ اس میں الحمد للہ کسی اعتراض اور تنقیص کے لیے کوئی راستہ نہیں۔''[1]

دیکھیے! اس ملحد کا یہ احمقانہ اعتراض جو اپنے ''تحریف'' کے قول کو معاندین کے شبہات ہی میں شمار نہیں کرتا، چنانچہ وہ حفاظت کے عموم میں داخل ہی نہیں؟ حفاظت کا سب سے قریب اور پہلا معنی تبدیلی اور تغییر سے حفاظت ہے اور یہ آیت اس عموم میں بالکل ظاہر ہے، چاہے کافر ناپسند ہی کریں۔

کہتا ہے: یہ بھی اعتراض کیا گیا ہے کہ ''اس آیت میں ''له'' کی ضمیر نبی ﷺ کی طرف لوٹتی ہے، قرآن کی طرف نہیں۔ لہٰذا اس میں کوئی دلیل نہیں۔''[2]

یہ بالکل واضح اور جلی ہے کہ ضمیر ﴿اَلذِّكْرَ﴾ کی طرف لوٹتی ہے اور ضمیر عربی زبان میں قریب ترین مذکور کی طرف لوٹتی ہے، جو ''سیاق سے بالکل واضح ہے۔''[3] پھر کیا اللہ اپنے رسول کی تو حفاظت کریں، لیکن اپنی کتاب کو ضائع ہونے دیں؟ ان لوگوں کو کیا ہے کہ کوئی بھی بات سمجھنے کے قریب نہیں پھٹکتے۔

ملحد کہتا ہے:

''اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حفاظت تبدیلی کو بھی شامل ہے (یعنی صرف معاندین کے شبہات سے ہی نہیں، اس کی عبارت بھی تبدیلی سے محفوظ ہے، جس طرح یہ ملحدین سمجھ رہے ہیں) تو وہ اجمالی طور پر قرآن کو حاصل ہے، اس کی ایک ایک آیت کو نہیں، کیوں کہ ایسا رونما ہوا، بلکہ بعض اوقات اسے پھاڑ دیا گیا، جس طرح ولید وغیرہ نے کیا تھا۔''[4]

یہ جاہل شخص کا اعتراض ہے، جو یہ سمجھتا ہے کہ قرآن کے کسی نسخے کو جلانا اس کو تبدیل کرنا ہے، اس لیے

---

[1] فصل الخطاب (ص: ٣٦٠)

[2] فصل الخطاب (ص: ٣٦٠)

[3] تفسير ابن كثير (٢/ ٥٩٢)

[4] فصل الخطاب (ص: ٣٦٠)

اس کا جواب اس کفر کا انکار کرنے والے ایک شیعہ عالم ہی نے دیا ہے، وہ کہتا ہے:

''یہ کلام غور وفکر کا نتیجہ نہیں۔ تبدیلی سے مراد اس حیثیت سے ہے کہ جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دے کر بھیجا گیا، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی، یہ نہیں جو نسخوں میں لکھا گیا، کیوں کہ یہ تمام ضائع ہو سکتے ہیں، جب کہ قرآن تو سینوں اور صحیفوں دونوں میں محفوظ ہے، حتی کہ اگر ۔نعوذ باللہ۔ یہ فرض کر لیا جائے کہ زمین پر موجود قرآنِ کریم کے تمام نسخے تلف ہوگئے ہیں تو وہ پھر بھی محفوظ ہی رہے گا۔''[1]

(1) فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَإِنَّهُ لَكِتَٰبٌ عَزِيزٌ ۝ لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِۦ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴾ [حم السجدة: ٤١۔ ٤٢]

''اور بلاشبہہ یہ یقیناً ایک باعزت کتاب ہے۔ اس کے پاس باطل نہ اس کے آگے سے آتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے، ایک کمال حکمت والے، تمام خوبیوں والے کی طرف سے اتاری ہوئی ہے۔''

اس آیت کے جواب میں اس ملحد کو بہت زیادہ تذبذب اور اضطراب کا سامنا کرنا پڑا ہے، کبھی کہتا ہے:

''حذف اور تغییر اگرچہ باطل ہے، لیکن اس آیت سے یہ مراد نہیں۔''[2]

یہ کیوں مراد نہیں، حالاں کہ قرآن میں تبدیلی سب سے بڑا باطل ہے؟ اس ملحد کی تعصب کی شہوت پرستی کہتی ہے:

''اس آیت کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ یہ جائز نہیں کہ اس میں ایسی چیز واقع ہو، جو اس کے باطل ہونے کو لازمی قرار دیتی ہو، جیسے اس کے احکام میں تناقض ہونا یا اس کی خبروں اور واقعات کا جھوٹا ہونا۔''[3]

اس تاویل پر غور کیجیے، جو بیمار ذہنیت پر یا برضا و رغبت اختیار کردہ زندیقیت پر، یا پھر ایک ساتھ دونوں ہی پر دلالت کرتی ہے۔ قرآن میں ۔معاذ اللہ۔ اگر وہ واقع ہوجاتا، جس کو یہ ملحد تبدیلی سمجھتا ہے تو اس کے احکام میں تناقض اور اس کی خبروں میں جھوٹ واقع ہوجاتا۔

اس کے بعد کہتا ہے: ''ثانیاً: اس وجہ سے بھی کہ یہ ان آیات سے بھی منہدم ہوجاتا ہے، جن کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہو چکے ہیں، یا صرف تلاوت منسوخ ہوچکی ہے۔''[4]

---

[1] یہ محسن کاظمی کا قول ہے، جو اس کی کتاب "شرح الوافية" میں مذکور ہے اور اسی سے "فصل الخطاب" (ص: ٣٦٠) کے مولف نے نقل کیا ہے۔

[2] فصل الخطاب (ص: ٣٦٢)

[3] المصدر السابق.

[4] فصل الخطاب (ص: ٣٦٢)

یہ اس دلیل کی طرف دوبارہ واپسی ہے، جس کو ہم نے پہلے توڑ دیا ہے۔ گویا وہ اس کے ساتھ رب العالمین کی تکذیب کر رہا ہے، کیوں کہ اس کا گمان ہے کہ نسخ باطل امور میں سے ہے، جو کتاب اللہ میں واقع ہوا ہے۔ دیکھیے! یہ اس کا کتنا بڑا جرم ہے؟

نسخ حق ہے، کیوں کہ وہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے، جس کا اس ملحد کے مرتضٰی طوسی اور طبرسی[1] جیسے بڑے علمانے بھی اقرار کیا ہے۔

گویا یہ اور اس کے ہم قدم اور ہم نوا معاصرین غلو کے اس مرحلے پر سوار ہو چکے ہیں، جس کا ان کے اسلاف کے دل میں بھی خیال پیدا نہیں ہوا۔

اس کے بعد ملحد کہتا ہے:

''اس سے باطل کی نفی کرنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اہلِ بیت کے پاس یکتا محفوظ نسخہ اس باطل سے خالی ہے۔''[2]

ان روافض کے نقطۂ نظر پر تعجب ہے کہ یہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی اپنی کتاب کی حفاظت کے متعلق آیات کی تاویل اپنی موہوم کتاب سے کرتے ہیں، جو ان کے مزعوم غائب امام کے پاس ہے، جن دونوں کے بارے میں امت کچھ جانتی ہے نہ ان دونوں کا کوئی اَتا پتا ہی ہے۔

پھر اس کا منتظر کے پاس محفوظ ہونا کیا فائدہ دے رہا ہے؟ اگر یہ لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں دے رہا تو اس کا اللہ کے پاس ہی رہنا زیادہ مفید تھا، تاکہ تحریف سے تو محفوظ رہتا، بلاشبہہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم نازل کرنے کے بعد محفوظ کیا، تاکہ وہ امت کے لیے قیامت تک دستورِ زندگی اور منہجِ حیات رہے۔ حفاظتِ قرآن کا اس کے سوا کوئی مفہوم اور کوئی حکمت نہیں۔

''ان کے ہاں قرآن کی سورتوں کے ثواب میں ذکر ہونے والی بہت زیادہ روایات۔''

صدوق کہتا ہے:

''قرآن کی ہر سورت کے پڑھنے کے ثواب، سارا قرآن ختم کرنے کے ثواب، ہر نفل رکعت میں دو سورتوں کو اکٹھا کرنے کا جواز اور فرض رکعت میں دو سورتوں کو اکٹھا کرنے سے منع (یہ ان کی روایات کے مطابق ہے) کے بارے میں ذکر ہونے والی روایات قرآن کریم کے بارے میں جو ہم

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۱۰۵۲) دیکھیں۔
[2] فصل الخطاب (ص: ٣٦٣)

نے کہا ہے، اس کی تصدیق کرتی ہیں اور یہ کہ جو لوگوں کے پاس اس کی مقدار ہے (وہی اصل ہے) ایک ہی رات میں سارے قرآن کی تلاوت سے نہی اور تین دن سے کم مدت میں اس کو ختم کرنے سے منع کے بارے میں جو کچھ روایت کیا گیا، وہ ہمارے مذہب کی تصدیق ہے۔''[1]

② نبی اکرم ﷺ اور ائمہ سے متواتر منقول روایات جو ان کی اخبار اور روایات کو قرآن پر پیش کرنے کا کہتی ہیں اور اگر یہ قرآن تحریف شدہ اور تبدیل شدہ ہے تو اس پر پیش کرنے کی کوئی وجہ نہیں اور جو (غائب امام کے پاس) نازل محفوظ ہے، اس پر پیش کرنا استطاعت سے باہر ہے۔[2]

③ جن دلائل سے تحریف کی خرافت کے مخالف بازو اور جماعت نے استدلال کیا ہے، ان میں ایک دلیل یہ بھی ہے کہ کتاب وسنت اور عترت (آلِ نبی) کو لازماً پکڑے رکھنے کے حکم کے بارے میں ان کے ہاں متواتر روایات وارد ہوئی ہیں، جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ہر زمانے میں موجود ہے، کیونکہ یہ عقلاً محال ہے کہ امت کو ایک ایسی چیز پکڑے رکھنے کا حکم دیا جائے، جس کو پکڑے رکھنے پر وہ قادر نہ ہو۔[3]

---

[1] الاعتقادات (ص: ۱۰۲) فصل الخطاب (ص: ٣٦٣) اس کے جواب کی کوشش میں اس نے کہا ہے کہ قرآن کو پڑھنے اور ختم کرنے کا حکم ... الخ سے یہ مراد نہیں کہ اس میں تحریف نہیں ہو سکتی، اس نے اس دعوے کے خلاف دلیل اپنے غلط اور منکر اصول کے تقاضے کے مطابق دی ہے، جو باطل پر مبنی ہے، وہ کہتا ہے: ''یہ ایک طرح سے امام کی اتباع اختیار کرنے کی ترغیب ہے یا جو امانت اس کے سپرد کی گئی ہے، تقیے یا خوف کے پیشِ نظر اس کے اظہار کی عدمِ قدرت کی وجہ سے، اس پر قدرت نہ رکھنے جیسا ہے۔'' (فصل الخطاب، ص: ٣٦٣)

یہ روافض کے غیبت، تقیہ اور ولایت امام کے مذہب پر مبنی ہے، جس کا باطل ہونا اور عقل ونقل، دین کے ضروری امور کے علم اور تواتر کے مخالف ہونا پہلے واضح کیا جا چکا ہے۔ اس موضوع کو ہوا دینا درحقیقت ان کے اس شذوذ اور انحراف پر مبنی ہے، جس کی انھیں کتاب اللہ میں کوئی دلیل نہیں ملی۔

[2] فصل الخطاب (ص: ٣٦٤) اس صورت نے بڑے واشگاف انداز میں شیعہ کے تناقض سے پردہ ہٹایا ہے، فصل الخطاب کے مولف کے ذہن میں اس کے بند نہیں کھل سکے، چنانچہ اس کے جواب میں حق کا کچھ اعتراف کیے بغیر اس کی نہیں بنی اور کہتا ہے: ''یہ قرینہ ہے کہ جو ساقط ہے، وہ موجود کے لیے نقصان دہ نہیں، اس کا تمام کا تمام ہونا اعجاز کے لیے ہے، لہٰذا اس پر روایات کو پیش کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں، نیز اس کا زیادہ تعلق اور اختصاص احکام کی آیات کے ساتھ ہے کہ جن میں خلفا کی طرف سے کوئی کمی نہیں کی گئی۔'' (فصل الخطاب، ص: ٣٤٦)

یہ جواب شیعہ کی ان روایات میں پائے جانے والے تناقض کو دور کرنے کے لیے کافی نہیں، جو ایک طرف تو روایات کو قرآن پر پیش کرنے کا حکم دیتی ہیں اور دوسری طرف تحریف کا قول اور نظریہ بھی پیش کرتی ہیں۔ عدم تحریف وسقوط کو احکام کی آیات کے ساتھ مخصوص کرنے کا دعویٰ بلا دلیل ہے، کیوں کہ ان کی روایات ان کی تمام روایات کو بالعموم قرآن پر پیش کرنے کا حکم دیتی ہیں، صرف احکام کی آیات کی تخصیص نہیں کرتیں۔

[3] الطوسي: التبیان (١/ ٣) فصل الخطاب (٣٦٤) ملحد نے اس دلیل کا رد بھی شیعہ کی خرافات کے تقاضے کے مطابق دیا ہے، ←

اگر اس سے کچھ بھی ساقط ہوجاتا تو اس کی طرف رجوع کرنے میں کوئی اعتماد باقی نہیں رہتا۔[1]

قرآن کریم کی حفاظت اور ضبط کے اتنے زبردست اہتمام کے بعد اس سے کسی چیز کا ساقط ہوجانا عادات جاریہ کے خلاف ہے، ایسا نہیں ہوتا۔

اس کے متعلق سید شارح وافیہ[2] کہتا ہے:

''یہ طویل مدت، اس کو ضبط کرنے کا بہت بڑا داعی اور سبب ہے، جس کی طرف دیکھتے دیکھتے گردنیں پھیل جاتی ہیں۔ اس جیسی چیز کس طرح مخفی رہ سکتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو جب آپ کو وحی ڈھانپ لیتی، اتنا بوجھ محسوس کرتے کہ اگر سوار ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی ٹانگیں مڑ جاتیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم

← کیوں کہ ان کے ہاں عترت کو پکڑے رکھنے کا حکم ذکر ہوا ہے، حالانکہ امام اور کتاب دونوں ہی صدیوں سے غائب ہیں۔ شیعہ کے ایک عالم محسن کاظمی نے ''شرح الوافیۃ'' میں اس کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے: ''ان کو پکڑے رکھنا غیوبت (یعنی منتظر کی غیوبت) کے ساتھ بھی ممکن ہے، یعنی ان کے بارے میں اور ان کے طریقے کے بارے میں جان کر، لیکن یہ کتاب کو پکڑے رکھنے کے خلاف ہے، کیوں کہ اس کے ساتھ تمسک کرنا، اس کو پکڑے بنا ممکن نہیں اور یہ اس کو دیکھے اور پڑھے بغیر محال ہے۔ (دیکھیں: فصل الخطاب، ص: ۳٦٥)

ملحد کو اس کا یہ جواب پسند نہیں آیا، تو اس نے کہہ دیا: ''غیوبت میں امام کے تمام طریقوں کے علم کا کسی عالم نے بھی دعویٰ نہیں کیا۔'' اس کے بعد اس نے جو کہا، اس کا لب لباب یہ ہے کہ ''امام کے بعض طریقوں کا علم بھی کافی ہے، اسی طرح تحریف سے محفوظ سارے نہیں تو بعض قرآن کا علم بھی کافی ہے۔'' (فصل الخطاب، ص: ۳٦٥) اس طرح یہ مذہب خود اپنی اینٹ سے اینٹ بجاتا ہے۔

[1] یہاں بھی ملحد نے اپنے جواب میں اس دلیل سے پردہ اٹھایا ہے، چنانچہ کہتا ہے: ''یہ اعتراض نہیں بنتا، کیوں کہ یہ احتمال ہے کہ ظاہر، جس کو اس کے ظاہر سے پھیر دیا گیا ہو، ایسے ظواہر سے ہو، جو عملی شرعی احکام کے متعلق نہ ہوں، جن میں ہمیں کتاب کے ظاہر سے رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔'' (فصل الخطاب: ۳٦٥)

گویا وہ یہ اشارہ کر رہا ہے کہ ان کا قرآن سے رجوع صرف احکام کی آیات میں ہے، یا وہ احکام کی آیات کے سوا قرآنِ کریم کی اپنی باطنی تاویلات سے رجوع کرتے ہیں ... پھر کہتا ہے: ''ائمہ کا ان کے ساتھ تمسک (یعنی احکام کی آیات کے ساتھ) اصحاب کو اسی پر پکا کرنا اور کئی ایک جگہوں میں ان ان آیات کو لینا، ایسا عدمِ سقوط بیان کرنے والا ہو، جو احکام کی آیات میں موجود اجمال کو لازمی کرتا ہے اور ان کے علاوہ میں سقوط کے منافی نہ ہو۔'' (المصدر السابق: ۳٦٥)

وہ یہاں اپنی روایات اور اساطیر کو قرآن پر حاکم قرار دے رہا ہے، اس لیے آیاتِ احکام میں قرآن سے رجوع کرنے کا ان کا حکم قبول کرتا ہے، جبکہ حقیقت میں ان کے ہاں تناقض بالکل واضح ہے۔ کتاب کے ساتھ تمسک کا حکم بھی عام ہے، جو احکام اور غیر احکام سب آیات کو شامل ہے اور تحریف کی کہانیاں بھی عام ہیں، چنانچہ تناقض ان کی روایات کے ساقط اور بے حقیقت ہونے کی دلیل ہے۔

[2] محسن بن سید حسن الاعرجی، الحسینی، الکاظمی (المتوفی ۱۲۲۷ھ) اس کی کتاب کا نام ''شرح الوافیۃ'' یا ''المحصول'' ہے۔ ''الذریعۃ'' کے مولف نے کہا ہے کہ اس نے اپنے بعض اساتذہ کے پاس اس کے کئی نسخے دیکھے ہیں۔ (الذریعۃ: ۲۰/ ۱۵۱)

سے یہ کیفیت دور ہوتی، جو آپ پر نازل ہوتا، آپ ان کے سامنے اس کی تلاوت فرما دیتے۔

''ایک قادر الکلام خطیب یا شاعر کی طرح جو حکمت کے مقامات اور حسبِ موقع وضرورت، خصوصاً جب اس کے ورود اور آمد کا کوئی معلوم شاہد اور واضح نشانی ہو، شعر پر شعر سناتا ہے یا ایک بات کے بعد دوسری بات کرتا جاتا ہے۔

''آپ ﷺ ان کے پاس وعدو وعید، ترغیب وترہیب، پیش آمدہ تکالیف، گذشتہ امتوں کے واقعات اور نئے اقوال لے کر آتے۔ وہاں لوگوں کی ایسی جماعتیں تھیں، جو بصد شوق منتظر ہوتیں کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے ترغیب وترہیب کے سلسلے میں ظاہر کی جائیں۔ آپ ﷺ نے ان کو اس کو سیکھنے، اس کی تلاوت کرنے، اس کی حفاظت کرنے اور اس کے معانی میں ان کو غور وفکر کرنے کا پابند کیا تھا اور اس پر ان کو جنت کا وعدہ دیا اور اس کی تلاوت کو عبادات کی تمام انواع سے عظیم قرار دیا۔

''اس لیے ان میں ایسے لوگ بھی تھے، جو ساری رات اس کی تلاوت میں کاٹ دیتے، لیکن آپ ان تمام کاموں پر مطمئن نہیں ہوئے، بلکہ اس کی کتابت، حفاظت اور حراست کے لیے چودہ لوگوں کی ذمے داری لگائی،[1] جو اس کو آپ ﷺ پر پیش کرتے اور آپ ﷺ کے سامنے اس کو پڑھتے، کیوں کہ وہ نبوت کا معجزہ، شرعی احکام کا ماخذ، امت کا مرجع اور ائمہ کی دلیل ہے، حتی کہ ان کی جماعت جیسے عبداللہ بن مسعود اور ابی بن کعب وغیرہ نے اس کو آپ ﷺ کے سامنے کئی مرتبہ ختم کیا۔''

مسلسل اس کا معاملہ پھیلتا رہا، روز بہ روز اس کی روشنی عام ہوتی رہی ہے، سال بہ سال اور صدی بہ صدی اس کی چمک دمک بلند و بالا ہوتی رہی، حتی کہ یہ دنیا میں ظاہر ہونے والے تمام متواتر امور میں عظیم تر متواتر امر کی شکل اختیار کر گیا۔ یہاں سے ہمارے سید مرتضی کے قول کا راز سامنے آجاتا ہے، جو ان سے ہمارے شیخ ابو علی نے مجمع میں نقل کیا ہے:

''قرآن کریم کے منقول ہونے کی صحت کا علم ملکوں اور دنیا میں رونما ہونے والے بڑے بڑے

---

[1] نبی اکرم ﷺ کے متعدد کاتب تھے، کئی علما نے ان کے نام شمار کیے ہیں۔ ابو شامہ نے ان میں سے پچیس کے قریب نام گنوائے ہیں۔ دیکھیں: المرشد الوجیز (ص: ٤٦) امام ابن قیم نے ان میں ۱۷ صحابہ کا نام ذکر کیا ہے۔ (زاد المعاد: ۱/ ۱۱۷) شاید ان کا ان سب سے زیادہ احاطہ حافظ عراقی نے کیا ہے، جنھوں نے ۴۲ کاتبین رسول ﷺ ذکر کیے ہیں۔ (دیکھیں: التراتیب الإداریة للکتاب: ۱/ ١١٦) برہان جلی نے ان کو الشفاء کے حواشی میں شمار کیا ہے اور ۴۳ تک جا پہنچے ہیں۔ (المصدر السابق،: ۱/ ۱۱۷، نیز دیکھیں: الصباغ، لمحات في علوم القرآن، ص: ٦٧)

واقعات اور عظیم تر حادثات کے علم کی طرح ہے ...۔'' اس کے بعد اس نے شریف مرتضیٰ کا وہ کلام ذکر کیا ہے جو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔[2]

پھر وہ کہتا ہے کہ قرآن کریم اتنا زیادہ نہیں کہ جس کو جمع کرنا ناممکن ہو نہ اتنا منتشر اور متفرق تھا کہ جس کو اکٹھا نہ کیا جا سکتا ہو، وہ تو کسی بھی بڑے شاعر کے دیوان کی طرح ہے، جو نفیس اشعار، حکمت کے موتیوں اور بکھری ہوئی ضرب المثل پر مشتمل ہو، جس کو یاد کرنے والے اور آگے منتقل کرنے والے ہوتے ہیں، لوگ اپنی محفلوں میں پڑھ کر اسے سناتے ہیں اور اسے اپنے رجسٹروں میں لکھ لیتے ہیں۔ پورا قصیدہ یا کوئی ٹکڑا تو ایک طرف رہا، اگر ایک شعر بھی ان سے کم ہو جائے، پھر سلطان اعلان کروائے کہ جو اس دیوان کو یاد کرنے والے، اس کو منتقل کرنے والے، اپنی مجلسوں میں سنانے والے اور اپنے پاس لکھنے والے ہیں، ان کے پاس جو کچھ لکھا ہوا ہے اور موجود ہے، سب لے آئیں، تو کیا آپ کے خیال میں اس کے بعد بھی اس کا کوئی حصہ باقی اور مفقود رہ جائے گا؟

کتاب عظیم ہماری بیان کردہ مثال سے بہت زیادہ اعلیٰ اور بالا ہے، اس کے حاملین، کاتبین اور حافظین، جو ہم نے کہا، اس سے بہت بہت زیادہ ہیں، اس کی طرف رغبتوں کی توجہ بھی شدید تر ہے، اس کے قراء اور حفاظ بھی کثیر تعداد میں ہیں، اس کو آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ کے ایام ہی میں، بعد کی باتیں تو ایک طرف رہیں، ایک جماعت نے جمع کیا، حتی کہ قرطبی کے بقول: جنگِ یمامہ میں ستر قراء شہید ہو گئے اور عہدِ نبوی میں بئر معونہ کے واقعے میں بھی اتنے ہی شہید ہوئے۔

بخاری نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ عہدِ رسالت میں کس نے قرآن جمع کیا؟ انھوں نے جواب دیا: چار انصاریوں نے، جن میں ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابو زید تھے۔ میں نے پوچھا: ابو زید کون تھے؟ انھوں نے کہا: میرے ایک چچا تھے ...۔

یہ تمام امور اس زبردست توجہ اور اہتمام پر مستزاد ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے اس کو دیا اور اللہ تعالیٰ کا اس کی حفاظت کا وعدہ اور اس دین کے اظہار کا پیمان پورا ہوا، جو اس کا سب سے بڑا رکن ہے، حتی کہ اس نے اس کے ظہور کا انکار کرنے والے سب بڑے منکروں اور اس کے مرتبے کو سب سے کم اہمیت دینے والوں کو اس کی حفاظت اور صیانت کا علمبردار بنا دیا، اسی طرح اس نے سلطنتِ اسلام کی حفاظت بھی کی، باوجودیکہ انھوں نے اس کی اولاد تک کو مٹانے پر اکٹھ کر لیا ہوا تھا۔[1]

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۳۲۴) دیکھیں۔

[2] دیکھیں: فصل الخطاب (ص: ۳۶۵۔ ۳۶۷)

پھر اس کو اعجاز اور چیلنج کے طور پر پیش کرنے کے لیے مسلمانوں، کافروں اور منافقوں میں پھیلا دینے کے اسباب کا میسر ہونا، اس کا بڑے بڑے اور بنیادی احکام پر مشتمل ہونا، مصحف میں اس کی تلاوت کرنا، اس میں موجود علم کو حاصل کرنا، اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو اس کی تعلیم دینا، ماہِ رمضان میں اس کو ختم کرنا، ہر مہینے میں ایک مرتبہ مکمل قرآن کی تلاوت کرنا، ہر ہفتے میں، تین دن بعد یا ایک ہی رات میں اس کو مکمل پڑھنا، یا ہر رات اس کے کچھ حصے کی تلاوت کرنا، اس کو حفظ کرنا، اس کو اٹھانے اور اس میں دیکھنے کا شرف حاصل کرنا، اس کے معانی میں تفکر کرنا اور اس کی مثالوں اور وعد و وعید پر تدبر کرنا؛ یہ اور اس جیسے نا قابلِ شمار امور ہیں، جو اس کی حفاظت کا باعث ہیں، پھر مسلمانوں کی کثرت اور ان کا غلبہ بھی ایک بڑا اہم عنصر ہے، حتی کہ غزوۂ تبوک میں لشکرِ اسلام تیس ہزار نفوس پر مشتمل تھا اور حجۃ الوداع میں ستر ہزار (مسلمان) اکٹھے ہوئے ...۔[1]

فصل الخطاب کے مولف کا سینہ، اپنے ان علما کے، یہ کلمات جو اس الزام کے منکر ہیں، نقل کرتے کرتے تنگ ہوگیا، چنانچہ وہ ان پر تعقیب کرتے ہوئے کہتا ہے:

> ''وہ کلمات، جنھیں ہم نے نقل کرنا چاہا، ختم ہوگئے ہیں، جو ایسے شخص کے کلام سے مشابہت رکھتے ہیں، جس کو امامت کے مباحث سے کوئی سروکار اور اصحابِ نبی ﷺ کی آپ ﷺ کی زندگی میں اور وفات کے بعد گمراہی اور گم گشتگی کے حالات کی کوئی خبر نہیں۔''[2]

ان کے کئی علما کے اس طرح کے کلمات ہیں، جو اس الزام کے واضح طور پر فاسد اور باطل ہونے کی بنا پر اس کی تردید کرتے ہیں، اس لیے علامہ آلوسی نے طبرسی کے اس کفر کا انکار ذکر کرنے کے بعد کہا ہے:

> ''یہ ایسا کلام ہے، جس کے مذہب کا فساد بچوں پر بھی واضح ہے، اللہ کا شکر ہے کہ حق ظاہر ہوگیا ہے، وكفى الله المؤمنين القتال''[3]

بہر حال یہ کتاب جس کو اس کے مولف نے کتاب اللہ کو نشانہ بنانے کے لیے لکھا ہے، اس نے کتاب اللہ کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچایا، بلکہ الٹا اس کے مذہب ہی کو اس کا نقصان پہنچا ہے اور اس نے اس کو بدترین انجام سے دوچار کر دیا ہے۔

یہ شیعہ کے ماتھے پر رسوائی کا سب سے بڑا داغ بن چکا ہے، جو ان کی اخبار و روایات کے ساقط اور بے قیمت ہونے کی سب سے بڑی دلیل اور برہان ہے، ان کے متواتر اور مستفیض ہونے کی بھی کوئی حیثیت نہیں،

---

[1] دیکھیں: فصل الخطاب (ص: ٣٦٧)

[2] دیکھیں: فصل الخطاب (ص: ٣٦٧)

[3] روح المعاني (١/ ٢٤)

اس لیے شیعہ کے ایک معاصر عالم نے کہا ہے:

''اس نے اس کی تالیف میں کوئی عمدگی دکھائی ہے نہ اس کو جمع کر کے درست اور صحیح موقف کی موافقت ہی کی ہے۔ کاش! یہ اس کو نہ ہی لکھتا۔ اگر لکھتا بھی تو اس کی اشاعت نہ کرتا، اس کا نقصان فائدے سے بڑھ چکا ہے، بلکہ اس کی اشاعت میں کوئی فائدہ خیال نہیں کیا جا سکتا، اس نے تو خود اسلحہ تیار کر کے دشمن کے ہاتھ میں تھما دیا ہے...''

اس کے بعد کہتا ہے:

''کہا جاتا ہے: بعض دین کے دشمنوں اور مذہب کے حریفوں نے اسے یہ کتاب لکھنے پر اُکسایا، لیکن وہ اس اس بری غرض کا احساس نہیں کر سکا۔ یہ اندازہ یا نقل کچھ بعید نہیں۔''[1]

اس طرح یہ لوگ تمنا کرتے ہیں کہ یہ مسئلہ نہ عام ہوتا، بلکہ چھپا ہی رہتا اور ان کی روایات اکٹھی نہ کی جاتیں، بلکہ متفرق ہی رہتیں، کیوں کہ اس کا ان کو فائدے سے زیادہ نقصان ہوا ہے، بلکہ اس کی اشاعت میں سر دست کوئی فائدہ نہیں۔ یہ ان کے درمیان خفیہ انداز ہی میں متداول رہنا چاہیے تھا۔

کیا یہ بات ہمیں بتاتی نہیں کہ ان کے پاس ایسی کتابیں ہیں، جو اشاعت سے بہرہ ور نہیں ہوتیں؟ کیونکہ ان میں پیش کی گئی معلومات عالمِ اسلام کو بھڑکا سکتی ہیں، جن کے آثار بہت زیادہ خطرناک ہیں، چنانچہ وہ انھی کے درمیان متداول رہنے کے لیے خاص ہو چکی ہیں۔ یہ کچھ بعید نہیں۔[2]

④ ظاہری طور پر اس کذب بیانی کا انکار، لیکن خفیہ اور مکارانہ طریقوں سے اس کو ثابت کرنے کی کوشش:

شیعہ کے بعض معاصر علما نے یہ روش اختیار کی ہے کہ وہ بہ ظاہر اس الزام کا انکار کرتے ہیں اور کتاب اللہ کا دفاع کرتے ہیں ...لیکن آپ کو اس کی زبان کی لڑکھڑاہٹ میں یہ منکر اور غلط عقیدہ پھیلتا دکھائی دے گا اور آپ دیکھیں گے کہ وہ یہاں وہاں اس باطل کو داخل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طریقے پر چلنے والا سب سے زیادہ خبیث شخص ان کا عالم خوئی[3] ہے، جس نے اپنی تفسیر ''البیان'' میں یہ راہ اپنائی ہے۔

وہ توثیق کرتا ہے:

---

① الطبطبائي: الأنوار النعمانية (٢/ ٣٦٤ حاشيه)

② بلکہ یہ حقیقت ہو سکتی ہے، حتی کہ آپ دیکھتے ہیں کہ ان کے حوزات اور علمی مراکز کے حکم سے "بحار الأنوار" کے بعض اجزا اور جلدوں کو شائع کرنے پر پابندی عائد ہے۔

③ ابو القاسم موسوی الخوئی، عراق اور دیگر علاقوں میں شیعہ کا موجودہ مرجعِ تقلید۔

''علمائے شیعہ اور محققین کے درمیان مشہور بلکہ، جس بات پر انھوں نے ایک دوسرے کے ساتھ اتفاق اور مصالحت کر لی ہے، وہ عدمِ تحریف کا قول ہے۔''[1]

لیکن وہ تحریف کی جملہ روایات کی صحت کو بھی قطعی اور یقینی قرار دیتا ہے:

''روایات کی کثرت بعض کے معصومین سے قطعی اور یقینی طور پر صادر ہونے کو نسل در نسل نقل کرتی ہے، جو اس پر اطمینان کے لیے کم نہیں، ان میں ایسی روایات بھی ہیں، جو معتبر سند سے مروی ہیں۔''[2]

وہ اس موضوع کے متعلق مخصوص روایات اور اساطیر تلاش کرتا ہے اور اپنی ان روایات کو معتبر قرار دیتا ہے، جو مصحفِ علی کے بارے میں کہتی ہیں کہ اس میں اضافہ جات ہیں، جو اللہ کی کتاب قرآن میں نہیں، ان اضافہ جات میں ائمہ کے نام ذکر ہوئے ہیں اور وہ کہانیاں جو قرآن میں کمی بیان کرتی ہیں، ان تمام کو بھی وہ ثابت اور معتبر خیال کرتا ہے، لیکن وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ تفسیر کی قبیل سے ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی اور یہ اضافہ جات تاویل اور کلام جن معانی کی طرف لوٹ سکتا ہے، اس کے عنوان سے تفسیر ہے، یا اس عنوان سے تفسیر کہ ''مراد کی شرح کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنزیل ہے۔''[3]

لیکن ان کی وہ فرضی داستانیں، جو اس کے عنوان یا اس کی ترکیب کے مطابق تحریف پر دلالت کرتی ہیں اور وہ اس کے اعتراف کے مطابق ۲۰ روایات تک پہنچتی ہیں، وہ ان سے وہ کہانیاں مراد لیتا ہے، جن کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن میں تحریف کی اور انھوں نے اس کو بدل ڈالا۔ اپنی اس بات کے لیے استدلال کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ کافی اور صدوق سے ان دونوں کی سندوں کے ساتھ علی بن سوید سے مروی ہے، اس نے کہا: میں نے ابوالحسن کے نام ایک خط لکھا... یہاں تک کہ اس نے اس میں اس کا مکمل جواب ذکر کیا، جس میں ابوالحسن کا یہ قول بھی ہے:

''کتاب اللہ کی امانت ان کے سپرد کی گئی، تو انھوں نے اس میں تحریف کر دی اور اس کو بدل ڈالا۔''

ان کہانیوں کے بارے میں اس کا موقف ان کو قبول کرنا تھا، لیکن وہ کہتا ہے کہ یہ قرآنِ کریم کے الفاظ کی تحریف پر دلالت نہیں کرتیں، ان کی ظاہری اور واضح دلالت یہ ہے کہ تحریف سے مراد آیات کو ان کے غیر مراد معانی پر محمول کرنا ہے ...اگر یہ تحریف نہ ہوتی تو عترت کے حقوق آج تک محفوظ رہتے، نبی کی حرمت کا خیال رکھا جاتا اور عترت کے حقوق کی بے حرمتی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے میں معاملہ جہاں پہنچا ہے، وہاں نہ پہنچتا۔[4]

---

[1] البیان (ص: ٢٢٦)

[2] البیان (ص: ٢٢٢)

[3] دیکھیں: المصدر السابق (٢٢٣ وما بعدها)

[4] البیان (ص: ٢٢٩)

اس کا گمان ہے کہ امت جس کے ''ہراول دستہ'' صحابہ کرام نے قرآنی آیات کو ان کے غیر حقیقی معانی پر محمول کیا، لیکن جو کلینی، قمی اور عیاشی کی قرآنی آیات کی تحریفات ہیں، وہ اس کے نزدیک کتاب اللہ کی حقیقی تفسیر ہے۔ اگر آج شیعہ کے سب سے بڑے مرجع کا یہ منتہائے علم ہے اور کتاب اللہ کے دفاع کی یہ اس کی آخری حد ہے تو پھر آج شیعہ کا معاملہ غایت درجہ خطرے میں ہے ... جب وہ اس زہر کو اِدھر اُدھر پھیلاتا ہے تو قاری کے غضب کو ٹھنڈا کرنا بالکل نہیں بھولتا، خصوصاً جب اس کو احساس ہو کہ اس کی یہ تاویلات اس شخص کے نزدیک نا قابلِ تصدیق ہیں، جو ان کی روایات اور اخبار کی خبر رکھتا ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے:

''اگر یہ محمول کرنا درست نہ ہو تو پھر ان روایات کو پھینک دینا ضروری ہے۔''[1]

وہ قرآن میں کمی کی کہانیوں کے بارے میں کہتا ہے:

''ان میں اکثر روایات بلکہ کثیر کی سندیں ضعیف ہیں، پھر اپنے ایک عالم کا قول نقل کرتا ہے: کتاب اللہ میں کمی واقع ہونا ایک بے اصل بات ہے۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو بڑے بڑے واقعات میں عادت کو دیکھتے ہوئے یہ نقص مشہور اور متواتر ہوتا اور یہ کام یعنی کمی واقع ہونا بھی ان بڑے واقعات میں بلکہ سب سے بڑا واقعہ ہوتا۔''[2]

اس کے بعد اپنی ان کہانیوں کے بارے میں جو قرآن میں کمی یا زیادتی کی صورت میں تحریف واقع ہونے پر دلالت کرتی اور کہتی ہیں کہ امت نے نبی اکرم ﷺ کے بعد بعض کلمات میں تبدیلی کر دی اور ان کی جگہ دوسرے کلمات رکھ دیے، اس کی اس نے مثالیں بھی ذکر کی ہیں، اس سلسلے میں اس نے جو نقل کیا ہے، وہ یہ ہے:

''عیاشی عن ہشام بن سالم کی سند سے مروی ہے کہ میں نے ابوعبداللہ سے اس آیت: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ﴾ [آل عمران: ٣٣] کے بارے میں پوچھا: تو انھوں نے کہا: دراصل ''آل إبراهيم و آل محمد على العالمين'' ہے، انھوں نے نام کی جگہ نام داخل کر دیا، یعنی انھوں نے تبدیلی کی اور آلِ محمد کی جگہ ''آلِ عمران'' کر دیا۔''

اس کا اس کے متعلق یہ جواب تھا کہ یہ کتاب وسنت اور قرآن میں کسی ایک حرف کا اضافہ بھی نہ ہونے پر مسلمانوں کے اجماع، حتی کہ تحریف کے قائلین کے بھی مخالف ہے۔

دھوکا دہی کی انتہا دیکھیے! وہ اپنی کہانیوں کے اس آخری زمرے پر تبصرہ کرتے ہوئے قاری کو یہ باور کروا

---

[1] المصدر السابق (ص: ٢٣٠۔ ٢٣١)

[2] المصدر السابق (ص: ٢٣٣)

رہا ہے کہ پہلے ان کی کہانیوں کی جن انواع کا ذکر ہوا ہے، ان کا باطل ہونا، مسلمانوں کے نزدیک متفقہ مسئلہ نہیں، پھر وہ کتاب اللہ پر تحریف کا الزام لگانے والے ٹولے کو ان لوگوں میں شمار کر رہا ہے، جن کے قول کا مسلمانوں کے اجماع کے ضمن میں اعتبار کیا جاتا ہے ...

یہ شیعہ شیخ کی کوشش ایک خبیث ہدف کے حصول کے لیے صرف ایک خوبصورت پردہ ہے۔ یہ ایک ایسی سازش ہے، جس کا ہدف خفیہ اور مکارانہ انداز میں کتاب اللہ کو بری نیت سے چھونا ہے، اس لیے ان کی کتاب نے وہ آگ نہیں لگائی، جو فصل الخطاب نے لگائی، بلکہ ان کے بعض لوگوں نے تو اس کو دفاعِ قرآن کی ایک کوشش قرار دیا ہے!!

آپ نے دیکھا ہے کہ وہ اپنے ''افسانے'' کو اہلِ سنت کے طرق اور اسانید سے ایک عجیب اور پرفریب انداز میں ثابت کرتا ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے:

''(بہ ظاہر وہ کتاب اللہ کا دفاع کر رہا ہے) تلاوت منسوخ ہونے کا قول بعینہٖ تحریف کا قول ہے، اس بنیاد پر علمائے اہلِ سنت کے نزدیک تلاوت منسوخ ہونے کا قول (اس کے گمان میں) تحریف کے قول کے مشہور ہونے کو مستلزم ہے۔''[1]

وہ کہتا ہے:

''ان روایات (منسوخی تلاوت کی روایات) کی صحت کا التزام قرآن میں تحریف واقع ہونے کو لازم قرار دیتا ہے۔''[2]

آگے کہتا ہے:

''چنانچہ یہ دعویٰ کرنا ممکن ہے کہ تحریف کا قول اکثر اہلِ سنت کا قول ہے، کیوں کہ وہ آیات کی تلاوت منسوخ ہونے کے جواز کے قائل ہیں۔''[3]

یہ چال جو عصرِ حاضر میں شیعہ کے شیخ اور مرجع نے چلی ہے، کوئی نئی نہیں۔ بعض ملاحدہ نے اس سے پہلے بھی اس کی صدا بلند کی ہے اور اہلِ سنت نے ان کی تردید کی ہے۔[4]

---

[1] البیان (ص: ۲۰۱)

[2] المصدر السابق.

[3] المصدر السابق (ص: ۲۰٦)

[4] دیکھیں: الباقلاني: نکت الانتصار (ص: ۱۰۳)

نسخ اور تحریف کے درمیان معاملہ بالکل واضح اور جلی ہے، جو کسی مفاد پرست اور نفس کے پجاری ہی پر مخفی اور پوشیدہ رہ سکتا ہے، جس طرح ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ تحریف بشر کا کام ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے فاعل کی مذمت کی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِه ﴾ [النساء: ٤٦، المائدة: ١٣]

''ان میں سے کچھ لوگ بات کو اس کی جگہوں سے پھیر دیتے ہیں۔''

جب کہ نسخ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ﴾ [البقرة: ١٠٦]

''جو بھی آیت ہم منسوخ کرتے ہیں، یا اسے بھلا دیتے ہیں، اس سے بہتر، یا اس جیسی (اور) لے آتے ہیں۔''

یہ کسی صورت میں کتاب اللہ کو بری نیت کے ساتھ ہاتھ لگانے اور اس میں تحریف کو مستلزم نہیں۔ وہ قدیم شیعہ علما جو اس الزام اور جھوٹ کی تردید و انکار کرتے ہیں، وہ نسخ کا اقرار کرتے ہیں، جس طرح طبرسی نے "مجمع البیان" اور مرتضیٰ نے "الذریعة" میں اور دیگر نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے۔ جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

آپ دیکھتے ہیں، جب وہ یہ مقرر کرتا ہے کہ ''عدمِ تحریف کا قول ہی مشہور قول، بلکہ شیعہ علما اور محققین نے اسی پر مصالحت کر لی ہے۔''[1] تو وہ اس بات میں بھی دھوکا دے رہا ہے، کیوں کہ وہ اپنی اس بات پر طبرسی کے "مجمع البیان"[2] میں اس الزام کی تردید سے استدلال کرتا ہے۔ حالانکہ طبرسی نے اس کی تردید کے چند ہی صفحات بعد منسوخی تلاوت کو بھی ثابت کیا ہے اور اس سے استدلال بھی کیا ہے، لیکن خوئی سمجھتا ہے کہ منسوخی تلاوت کا موقف اور تحریف کا موقف دونوں ایک ہی ہیں۔ کیا یہ تناقض نہیں؟

بلکہ آپ اس کو دیکھتے ہیں، کہتا ہے کہ عدمِ تحریف کا قول علمائے شیعہ اور محققین کا قول ہے، جبکہ ان کے جملہ اساطین، شیوخ اور بڑے علما جیسے کلینی، قمی اور احتجاج کا مولف طبرسی وغیرہم نہ صرف علانیہ اس کفر کا اظہار کرتے ہیں، بلکہ وہ تو اس کفر کے ''امام'' ہیں۔[3]

یہی شیعہ کے بڑے علما اور محققین ہیں، تو کیا یہ دھوکا نہیں؟ بلکہ معاملہ تو اس سے بھی کہیں سنگین ہے،

[1] البیان (ص: ٢٠٠)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (١٠٥٢) دیکھیں۔

[3] اسی کتاب کا صفحہ (٣٠٤) دیکھیں۔

کیوں کہ ان کے شیخ قمی نے اپنی تفسیر میں اس افسانے کی روایات بڑی کثیر تعداد میں نقل کی ہیں اور ان کے دیگر علما کے ساتھ اس کا بھی یہی مذہب ہے۔

کاشانی کہتا ہے:

''جہاں تک ہمارے علما و مشائخ کا اس کے متعلق عقیدہ ہے تو ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ وہ قرآن میں تحریف اور کمی کا اعتقاد رکھتا تھا ...اسی طرح اس کا استاذ علی بن ابراہیم قمی بھی، اس کی تفسیر اس سے بھری ہوئی ہے اور وہ اس میں غلو رکھتا تھا۔'' اس کے بعد اس نے اپنے ان باقی علما کا ذکر کیا ہے، جنھوں نے اسی الحاد کی راہ اپنائی۔[1]

آپ دیکھتے ہیں کہ اس نے تسلیم کیا ہے کہ قمی کی تفسیر اس کفر سے بھری ہوئی ہے، اس کے باوجود خوئی، جو بہ ظاہر انکار کرتا ہے، قمی کی تفسیر کی صحت کا موقف رکھتا ہے اور اقرار کرتا ہے کہ اس کی تفسیر کی تمام روایات ثابت شدہ اور معصومین کی طرف سے صادر ہوئی ہیں، کیوں کہ وہ روایات اس تک شیعہ کے ثقہ شیوخ و اساتذہ کے ذریعے پہنچی ہیں، جس طرح اس کا دعویٰ ہے۔[2]

اس بحث کی روشنی میں واضح ہوجاتا ہے کہ ''البیان'' کا مولف الخوئی ''فصل الخطاب'' کے مولف کی غرض و غایت ہی رکھتا ہے، لیکن موخر الذکر نے کھلم کھلا طریقہ اپنایا، جب کہ اول الذکر نے حیلے بازی اور مکاری کا اسلوب اور مسلک اپنایا۔

دوسرا محور؛ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تاویل وتفسیر میں معاصرین کا رجحان:

کیا عصرِ حاضر کے شیعہ باطنی تاویل کی گہرائی میں ڈوبے ہوئے رجحانِ فکر کی گندگی سے اپنے دامن کو بچا سکے ہیں، جو کتاب اللہ کی تاویل میں شیعہ کے قدیم علما، جیسے: قمی، کلینی، عیاشی، کاشانی، بحرانی اور ان جیسے دیگر علما کا اسلوب اور وتیرہ رہا ہے یا وہ بھی انھی کے آثار اور قدموں کے نشانات کے پیچھے پیچھے ہی ہانپتے کانپتے بھاگ رہے ہیں؟

کتاب اللہ کی تفسیر کے متعلق عصرِ حاضر کے شیعہ کی تحریروں میں دلچسپی اور ان کی جستجو رکھنے والا یہ دیکھتا ہے کہ معاصر شیعہ کی عقل اور سوچ غالباً ابھی تک انھی تاویلات کے سحر اور قید میں جکڑی ہوئی ہے، جو ان کے پہلے علما نے وضع کیں، جن کا ہم نے گذشتہ مباحث میں جائزہ پیش کیا ہے، اس کی علامت یہ ہے کہ وہ باطنی

[1] تفسیر الصافي، المقدمة السادسة (١/ ٥٢)

[2] مجمع رجال الحدیث (١/ ٦٣)، ط: الأولیٰ بالنجف ١٣٩٨ھ، أو (ص: ٤٩) ط الثالثة: بیروت ١٤٠٣ھ. مقدمہ کتاب میں اس کے الفاظ گزر چکے ہیں۔

تفاسیر شیعہ کے ہاں اعتماد اور اعتبار میں سب سے پہلا درجہ رکھتی ہیں۔

اس سے بڑھ کر اس کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ عصرِ حاضر میں شیعہ کے سب سے بڑے مرجع تقلید خوئی نے قمی کی تفسیر میں ذکر کردہ روایات اور اسانید کی توثیق کی ہے[1]، جبکہ تفسیر قمی وہ ہے جو باطنی تاویل میں آخری درجے اور انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔

اسی طرح طبطبائی، جس کا شیعہ کے عصرِ حاضر کے کبار علما میں شمار ہوتا ہے، مقرر کرتا ہے کہ تفسیر عیاشی ہمارے آج کے زمانے تک شیعہ کے نزدیک ثقاہت اور اعتماد کے مقام پر ہے۔[2] تفسیر عیاشی بھی باطنی اور غالی اسلوب میں قمی ہی کے نقشِ قدم پر ہے، جو صحابہ کی تکفیر کرتا ہے، قرآن کی ہر آیت کی تفسیر ائمہ اور ان کے دشمنوں کے ساتھ کرتا ہے اور اپنی تفسیر میں تحریف کے اساطیر ٹھونس کر داخل کرتا ہے۔ اسی طرح غالی رجحان کی تمام تفاسیر شیعہ کے اعتماد اور توثیق سے بہرہ ور ہیں، مثلاً: تفسیر البرہان، تفسیر الصافی اور مرآۃ الانوار وغیرہ۔[3]

اس کے بعد کیا باقی بچتا ہے؟

تاہم کتاب اللہ کی تاویل میں معاصرین کا رجحان دو مختلف راستوں پر چل نکلتا ہے۔ ایک غالی اور انتہا پسندانہ نقطۂ نظر اور دوسرا معتدل اور درمیانہ نقطۂ نظر ہے۔ اگر ہم غلو پسند رجحان پر قیاس کریں، تو قرآنِ کریم کی بہت سی آیات کی تاویل ان عقائد کے ساتھ کرنے میں، جن میں یہ امتِ اسلام سے علاحدہ ہیں، غلو اور انتہا پسندی کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔

شیعہ کا ایک معاصر عالم علی محمد دخیل اپنے مہدی منتظر کی پوشیدگی کے بارے میں گفتگو کرتا ہے، اس کی یہ کتاب ایک شیعہ ادیب کے بقول امامیہ کی سب سے مشہور کتاب ہے، جنھوں نے غیوبت اور پوشیدگی کے موضوع پر بحث کی۔[4]

اس نے اپنی کتاب میں ایک فصل ''مہدی قرآنِ کریم میں'' کے عنوان سے قائم کی ہے۔ اس فصل میں اس نے قرآنِ کریم سے پچاس آیات نقل کی ہیں اور اس نے ان تمام کی تاویل مہدی سے کرنے کا دعویٰ کیا ہے اور حاصل بحث یہ ذکر کیا ہے کہ مہدی کا موضوع اسلام کی دیگر ضروریات اور بنیادی عقائد سے مختلف نہیں، جس کا انکار دین کی کسی بھی ضرورت اور بنیادی عقیدے کا انکار ہے۔[5]

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۳۴) دیکھیں۔

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۳۵) دیکھیں۔

[3] ان تفاسیر کے مقدمات پر ایک نظر ڈالیے۔

[4] عبداللّٰه الفياض: تاريخ الإمامية (ص: ١٦٢)

[5] علی دخيل: الإمام المهدي (عن المصدر السابق، ص: ١٦٢)

بلکہ شیعہ کے متاخر علما کی قرآنی آیات کی مہدی کے ساتھ تاویلات ۱۲۰ آیات تک جا پہنچی ہیں۔[1] ایک معاصر اسی پر مطمئن نہیں رہا، بلکہ اس نے ان کا استدراک کرتے ہوئے انھیں ۱۳۲ آیات تک پہنچا دیا ہے۔[2]

ہم شیعہ کے ایک معاصر عالم محمد رضا طبیسی نجفی (المتوفی ۱۳۶۵ھ) کو دیکھتے ہیں کہ اس نے کتاب اللہ کی ۷۶ آیات کی تفسیر اپنے عقیدہ رجعت سے کی ہے۔[3] یہ تجاوز اور تفریط کی وہ حد ہے، جس تک شیعہ کے قدیم علما بھی نہیں پہنچ پائے۔ ابن سبا نے تو صرف ایک آیت کی تاویل مسئلہ رجعت سے کی تھی،[4] پھر اس میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا اور ان کے قدیم علما نے بیس کے قریب یا اس سے کچھ زیادہ آیات کی رجعت کے ساتھ تاویل کی،[5] بارھویں صدی میں معاملہ ۶۴ آیات تک جا پہنچا، جن کی تاویل شیعہ کے شیخ حر عاملی کے ہاتھوں اس باطل عقیدے کے ساتھ کی گئی۔[6] پھر اس تفریط کا اختتام اس طبیسی اور اس کے علاوہ دیگر ان کے معاصر علما کے ہاتھوں ہوا۔

اس تاویل کا سفر مزید اعداد تک جاری بھی رہ سکتا ہے۔ شیعہ کے امام اعظم محمد حسین طبطبائی کی تفسیر ''المیزان'' میں، بہت زیادہ باطنی تفاسیر ہیں، جن کو وہ اپنی پرانی کتابوں سے منتخب کرتا ہے اور ''بحث روائي'' کے عنوان سے انھیں ذکر کرتا ہے، چند ایک مثالیں ملاحظہ کیجیے، جن کا اقرار و توثیق کرتے ہوئے وہ انھیں ان کی تفسیر ''البرهان'' سے نقل کرتا ہے۔

اس آیت: ﴿ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ﴾ [التحریم: ۱۰]

''اللہ نے ان لوگوں کے لیے جنھوں نے کفر کیا، نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال بیان کی۔''

کی تاویل میں کہتا ہے:

''یہ آیت مثال ہے، جو اللہ نے عائشہ اور حفصہ کے لیے بیان کی، جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف اکٹھ کر لیا اور آپ کا راز فاش کر دیا۔''[7]

دیکھیے! یہ کس طرح قرآنِ کریم کے معانی میں تحریف کر رہا ہے اور اس کے ساتھ امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی

[1] دیکھیں: هاشم البحراني: المحجة فيما نزل في القائم الحجة.

[2] دیکھیں: محمد منير الميلاني: مستدرك الحجة.

[3] اس کی کتاب دیکھیں: ''الشيعة والرجعة'' مطبعة الآداب، النجف ۱۳۸۵ھ

[4] دیکھیں: تاريخ الطبري (٤/ ٣٤٠)

[5] دیکھیں: جواد تارا: دائرة المعارف العلوية (ص: ٢٥٦)

[6] دیکھیں: الحر العاملي: الإيقاظ من الهجعة بالبرهان على الرجعة (ص: ٧٢۔ ٩٨)

[7] الطبطبائي: الميزان (١٩/ ٣٤٦)

تکفیر کرتا ہے۔

اس آیت: ﴿ وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ﴾ [الرحمن: ۲۷] ''اور تمھارے رب کا چہرہ باقی رہے گا۔''

کی تاویل میں اپنی روایت نقل کرتا ہے، جس کو وہ صادق سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا: ''ہم اللہ کا چہرہ ہیں۔''[1] اس طرح ماضی کی باطنی تاویل زمانہ حاضر کی تاویل کے ساتھ جا ملتی ہے، ایک ہی شکل ہے اور ایک ہی چہرہ۔ اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں، لیکن ایک معتدل معاصر نقطۂ نظر اور رجحانِ فکر بھی ہے، جس کے اعتدال کے مظاہر تین نمایاں پہلوؤں میں چھپے ہوئے ہیں:

- قرآنِ کریم کی بہت ساری آیات کی امامت اور اس کے محور میں گردش کرنے والے مفہوم کے ساتھ تفسیر کے غلو کا غائب ہوجانا۔
- اپنی تفسیر کو تحریف کے افسانے اور اس کی روایات کے آثار اور نشانات سے پاک کرنا۔
- انسانیت کی آج تک گزرنے والی تمام نسلوں میں سے بہترین نسل یعنی اصحابِ محمد ﷺ سے اس صریح اور واضح تکفیر سے براءت کا اظہار کرنا۔

اس رجحان کی تفاسیر کی مثالوں میں محمد جواد مغنیہ کی تفسیر ''الکاشف'' اور اس کی ''التفسیر المبین'' کا نام آتا ہے۔ آپ اس آیت: ﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ ...﴾ [الحشر: ۸] ''(یہ مال) ان محتاج گھر بار چھوڑنے والوں کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکال باہر کیے گئے۔'' کی تفسیر میں ملاحظہ کرتے ہیں کہ وہ صحابہ کرام کی تعریف کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے:

''کسی اور وجہ سے نہیں، صرف ان کے حق کے ساتھ کھڑا رہنے، کلمہ اسلام کو بلند کرنے اور اس کی راہ میں قربانیاں پیش کرنے کی وجہ سے۔

﴿يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ [الحشر: ۸] یہ ایمان، قول اور عمل میں سچے ہیں، ان مہاجرین اور ان جیسے انصار کی ہی وجہ سے اسلام درست سمت میں قائم رہا اور مشرق و مغرب میں پھیل گیا، اس میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں، کیونکہ ان کے قائد محمد (ﷺ) تھے۔ وہ امت کبھی فاسد نہیں ہوسکتی، جس کا قائد صالح ہو۔ ﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ''اَلذین'' سے مراد، انصار ہیں، ''تبوؤا''

[1] المیزان (۱۹/ ۱۰۳)

انھوں نے جگہ دی اور ٹھہرایا، ''الدار'' اس سے دارِ ہجرت مراد ہے، جو مدینہ طیبہ ہے اور ''ایمان'' محذوف فعل کا مفعول ہے، یعنی ''أخلصوا الإیمان'' انھوں نے ایمان کو خالص کیا (یعنی وہ اپنے ایمان میں مخلص ہیں) اللہ تعالیٰ نے انصار کی ثنا خوانی کی، کیوں کہ وہ ﴿يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾۔

﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ اس کی تفسیر میں ذکر ہوا ہے، جو صحابہ کے بعد آئے، ان سے مراد وہ ہیں، جو ان کی احسان اور اخلاص میں پیروی کرنے والے ہیں، یعنی تابعین، سیاقِ کلام کا قرینہ اور اشارہ یہی کہتا ہے۔ اس کے باوجود یہ ثنا خوانی ہر اس کو عام اور شامل ہے، جو قیامت تک صحابہ کی سیرت پر چلتا رہے گا۔''[1]

اگر آپ اس گفتگو کا مطالعہ کریں تو آپ یہ نہیں جان پائیں گے کہ اس کا قائل کوئی رافضی ہے، جو صحابہ کرام کو کافر قرار دیتے ہیں اور انھیں سب وشتم کا نشانہ بناتے ہیں۔ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ اس نے بھی بعض صحابہ کرام کے بارے میں طعن وتنقید آمیز گفتگو کی ہے، لیکن اس نے دوسرے شیعہ کی طرح ان کو صریحاً کافر نہیں کہا۔

اس آیت: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ۹] کی تفسیر میں کہتا ہے:

''یہاں ''الذکر'' سے مراد قرآن کریم ہے اور ''له'' کی ضمیر اس کی طرف لوٹتی ہے۔ معنی یہ ہوا کہ وہ قرآن جو عملاً مجلد صورت میں موجود ہے، تمام لوگ اس سے واقف اور مانوس ہیں، وہ بالذات وہی ہے، جو محمد ﷺ پر کسی کمی بیشی کے بغیر نازل ہوا، تورات کے نام سے مشہور کتاب کے عکس، جو وہ نہیں، جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے، اسی طرح انجیل کے نام سے معروف کتاب، یہ بھی وہ نہیں، جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے۔''[2]

اس کے ساتھ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ شخص مذکور نے بعض آیات کی اپنے عقیدے کے اصول کے تقاضے کے مطابق تاویل کرنا نہیں چھوڑا، لیکن اس نے اپنے فرقے کے بعض دوسرے لوگوں کی طرح تاویل میں غلو کا بھی اظہار واعلان نہیں کیا۔ مثلاً وہ اپنی تفسیر ''الکاشف'' میں اس آیت: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾

---

[1] التفسیر المبین (ص: ٦٣١) اس کی تفسیر کا، جو آیات کے سیاق اور مفہوم کے ساتھ مکمل لگاؤ رکھتی ہے، ان روایات سے تقابل کیجیے، جو بحرانی نے اس آیت کی تفسیر میں ائمہ سے نقل کی ہیں۔ دیکھیں: البرهان (٤/ ٣١٦۔ ٣١٩)

[2] التفسیر المبین (ص: ٢٨٦)

[المائدة: ۳] ''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا۔'' کی تفسیر میں کہتا ہے:

''...آیت کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے آج کے دن کے ساتھ ہی حضرت علی کی خلافت کی تعیین کر کے دین مکمل کر دیا۔''

یہ معتدل رجحان شیعہ کے ایک عالم طبرسی کی ''جمع الجوامع'' پر اعتماد کا ثمر اور نتیجہ ہے، جس طرح اس نے اپنے مقدمے میں اشارتاً ذکر کیا ہے اور طبرسی نے غالب روایات میں اہلِ سنت کی مرویات اور تفاسیر پر اعتبار کیا ہے، جس طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔[1]

قصہ کوتاہ! قرآن کی تاویل میں شیعہ رجحان کے دو رخ ہیں، ایک غالی رخ اور دوسرا معتدل۔ جس طرح گزری ہوئی صدیوں میں شیعہ کی باطنی تفسیر سے بھری ہوئی کتبِ تفسیر تھیں، جیسے: قمی، عیاشی، کاشانی اور بحرانی وغیرہم کی تفاسیر، ایسے ہی ان کی معتدل تفاسیر بھی تھیں، جیسے: تفسیر البیان للطوسی، مجمع البیان اور طبرسی کی جمع الجوامع....۔

ان کی روایات میں ان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ دو مختلف چہروں اور متضاد نقطۂ ہائے نظر کے ساتھ لوگوں کے سامنے ظاہر ہوں، تاکہ لوگ ان کے مذہب کی حقیقت سے آشنا نہ ہوسکیں۔ ان کا امام کہتا ہے:

''یہ ہمارے لیے بھی اور تمھارے لیے بھی بہتر ہے، اگر تم نے ایک ہی معاملے پر اتفاق کر لیا، تو جو تم ہم سے نقل کرتے ہو، لوگ اس کی تصدیق کریں گے (یعنی لوگ مذہب کو جان جائیں گے) جو ہماری بقا اور تمھاری بقا کی عمر کم کر دے گا۔''[2]

اگر آپ ان دونوں مناہج اور اسالیب کا تقابل کریں تو آپ دیکھیں گے کہ غلو پرست اور شدت پسند رجحان شیعہ کی روایات اور ان کی اخبار سے مواد حاصل کرتا ہے، لیکن اعتدال پسند رجحانِ فکر نے اپنے دل و دماغ کو اہلِ سنت کی روایات اور تفسیری آثار کے لیے کھول دیا، لہٰذا وہ غلو اور انتہا پسندی کی جنونی کیفیت سے نکل آئے، یا یہ تقیے کی بنا پر تھا یا پھر خود رائے اور مکمل رضا و رغبت کے ساتھ تھا، لیکن آپ کو کوئی ایسی شیعہ تفسیر نہیں ملے گی، جس کے مفسر نے صرف ان کی روایات پر اعتماد کیا ہو اور وہ تفسیر میں باطنی اسلوب سے خالی ہو۔[3]

چنانچہ ان دونوں اسالیب میں سے کون سا اسلوب شیعہ مذہب کی نمایندگی کرتا ہے؟ شیعہ کے شیخ مجلسی

---

[1] دیکھیں: منهاج السنة (۳/ ۲٤٦)

[2] أصول الكافي (۱/ ٥٦)

[3] اسی کتاب کا صفحہ (۲۲۲) دیکھیں۔

نے کھلے لفظوں میں کہا ہے کہ ان کا اہلِ سنت کی روایات پر اعتماد محض ان کے خلاف حجت قائم کرنے کی وجہ سے ہے، اس کے لیے اس نے یہ عنوان: ''باب ۲۸: جو عامہ (اہلِ سنت) رسول اللہ ﷺ کی احادیث روایت کرتے ہیں، ان میں سے ان (یعنی شیعہ) کے نزدیک صحیح روایات اور مخالفین کی روایات کی طرف رجوع کی ممانعت''[1] باب باندھا ہے۔ اس کے بعد اس نے، شیعہ مذہب کی اشاعت کے لیے ان روایات کو مستثنیٰ قرار دیا ہے، جو اہلِ سنت کے خلاف بطورِ حجت پیش کی جا سکتی ہیں، بلکہ عراق میں شیعہ کا مرجع ''خوئی'' صحابہ کرام سے منقول تفسیری روایات کو اس تحریف کے ہم معنی خیال کرتا ہے، جو ان کی روایات میں ذکر ہوئی ہے۔[2]

جب شیخ محبّ الدین خطیب نے کہا کہ وہ قرآن جس کو ہمیں اور ان کو اتحاد کے قریب کرنے کے لیے اکٹھا کرنے والا ہونا چاہیے، شیعہ کے اصولِ دین اس کی آیات کی تاویل اور اس کے معانی، صحابہ کرام کے فہمِ قرآن، جو انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے حاصل کیا، پھر ان صحابہ کرام کی نسل سے، جن پر قرآن نازل ہوا، اس فہم اور سمجھ کو حاصل کرنے والے ائمہ اسلام کی فہم کے خلاف معانی پر محمول کرنے پر قائم ہیں۔[3]

تو ایک شیعہ عالم نے اس بات کا ان الفاظ میں جواب دیا:

''شیعہ اس کو اسلام کے خلاف سازش کرنا سمجھتے ہیں کہ وہ قرآن کی تفسیر ان سے لیں، جن کو تم خاص طور پر مراد لیتے ہو، جیسے ابو ہریرہ، سمرہ بن جندب اور انس بن مالک جیسے لوگوں سے، جو جھوٹ سازی، افترا بازی، گھڑنے اور ملاوٹ کرنے کے فن کے ماہر تھے۔''[4] العیاذ باللہ۔

یہ مولف اپنے اس جواب کو شیعہ کی طرف منسوب کرتا ہے، ...اگر شیعہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ صحابہ کرام کے طریق سے دین حاصل کرنا اسلام کے خلاف سازش ہے تو ان کو ان کا دین اور ہمارے لیے ہمارا دین مبارک ہو!! کیوں کہ ان کا یہ قول اسلام کو کلیتًا چھوڑ دینے کی راہ پر لگا دیتا ہے۔ کیا اس کا یہ معنی نہیں کہ یہ معتدل راستہ اور دوسرا رخ تقیہ کے باب سے ہے؟

اس معتدل رجحان کا حامل محمد جواد مغنیہ شیعہ کے ہاں تفسیر میں باطنی رجحان کے وجود کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اثنا عشریہ ان گمراہیوں اور بدعتوں سے تمام لوگوں سے زیادہ دور بھاگنے والے ہیں اور ان کی کتابیں

---

[1] بحار الأنوار (٢/ ٢١٤)

[2] اس سلسلے میں شیعہ کہانیوں اور روایات کا یہ طوفان دیکھیں کہ وہ بیان کرتی ہیں کہ صحابہ کرام کی کتاب اللہ کی تحریف سے مراد اس کی آیات کو غلط معانی پہنانا ہے۔ (البیان، ص: ۲۲۹)

[3] الخطوط العريضة (ص: ١٠)

[4] عد الواحد الأنصاري: أضواء على خطوط محب الدين (ص: ٦٥)

اس کی گواہ ہیں، جو ہر ایک کی دسترس میں ہیں۔[1]

اسی طرح شیعہ کا ایک دوسرا عالم محسن امین ان کے وجود کا تو اقرار کرتا ہے، لیکن کہتا ہے کہ یہ شاذ روایات ہیں۔[2]

خنیزی بھی، شیعہ کی کتابوں میں موجود بعض روایات کے انکار کے باوجود، اس جیسی بات ہی کہتا ہے۔[3]

موجود شے اور حقیقت کا یہ انکار تقیہ کی علامت ہے۔ معاملہ صرف شاذ روایات تک محدود نہیں، بلکہ مکمل تفاسیر باطنی تاویل کے لیے مخصوص کی گئیں، جن میں سرفہرست قمی کی تفسیر کا نام آتا ہے، جو ان کے ہاں قابلِ اعتماد ہے اور کبار علما میں شمار ہوتا ہے۔

ان کی حدیث کی سب سے زیادہ صحیح کتاب "الکافی" میں مکمل ابواب ہیں اور "بحار الأنوار" وغیرہ میں دسیوں ایسی احادیث پر مشتمل ابواب موجود ہیں، جو تمام کی تمام آیات کی باطنی تفسیر کرتی ہیں۔ اس کے باوجود ان واضح حقائق کے انکار کی جراَت کیوں ہے؟ کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اس ذریعے سے اپنے دین کی خدمت کر رہے ہیں؟

اسی طرح یہ انکار شیعہ کے معاصر علما کے ایک گروہ کے عمل سے بھی پختہ ہو جاتا ہے، جو ابھی تک اس گم راہی کی بھول بھلیوں میں گم گشتہ راہ ہیں۔

بلکہ شیعہ کا شیخ اور آیت عبدالحسین شرف الدین موسوی تو یہ خیال کرتا ہے کہ آیات کی یہ باطنی تاویلات اور ائمہ کے حق میں وارد ہونے والی یہ تفسیریں ان کے نزدیک ضرورت اور بنیادی عقیدے کے تقاضے کے مطابق مسلّمہ ہیں۔[4]

---

[1] تفسیر الکاشف (۷/ ۱۰٤)

[2] دیکھیں: الشیعة بین الحقائق والأوهام (ص: ٤١٩۔ ٤٢٠)

[3] دیکھیں: الدعوة الإسلامیة إلی وحدة أهل السنة والإمامیة (۱/ ۱۷۸۔ ۲۰۲)

[4] اس نے یہ بات اس وقت کہی، جب شیخ موسیٰ جار اللہ نے کہا: ''شیعہ کی کتابوں میں ان آیات اور سورتوں کے باقاعدہ ابواب ہیں، جو ائمہ اور شیعہ کے بارے میں نازل ہوئیں اور ان آیات اور سورتوں کے بھی ابواب ہیں، جو ابوبکر و عمر اور ان کے پیروکاروں کے کفر کے متعلق نازل ہوئیں۔ یہ آیات ۱۰۰ سے زیادہ ہیں، بلکہ ان میں مستقل سورتیں بھی ہیں...ان کو شیعہ کا سب سے بڑا امام ان کی سب سے مقدس کتاب "أصول الکافي" میں ذکر کرتا ہے۔ (الوشیعة، ص: ۲۷، نیز دیکھیں: ص: ٦٥)
تو شیعہ کے عالم عبدالحسین علی نے اس کا ان الفاظ میں جواب دیا: ''جو اہلِ بیت میں سے ائمہ اور ان کے شیعہ کے متعلق نازل ہوا، وہ روایات سے منقول علمِ تفسیر کی ضرورت کے تقاضے کی وجہ سے اور سنت مقدسہ میں ثابت شدہ اسباب نزول کے سبب مسلّم ہے، لیکن جہاں تک قرآن میں کسی چیز کا فلاں فلاں کے کفر کے بارے میں نازل ہونے کا تعلق ہے، تو ہم اس سے اللہ کی عدالت میں بَری ہیں، اس میں جو مصیبت در آئی ہے، وہ بعض غالی مفوّضہ کا کیا دھرا ہے، شاید یہ ان کی کتابوں ←

لہٰذا تاویل کے میدان میں شکل وصورت اوائل اور اواخر کے درمیان ایک دوسری سے ملتی جلتی ہی ہے۔
معاصرین کے نزدیک جدید یہ ہے کہ وہ اپنے اسلاف حتی کہ ان میں سے متاخرین کی بھی تحریروں سے خوش اور مطمئن ہیں، چنانچہ انھوں نے، مجلسی وغیرہ جیسے متاخرین نے جو لکھا، اس کو روایت میں معتبر مراجع کی حیثیت دے دی۔

اس طرح شیعہ کے ہاں تاویل کا دائرہ وسیع ہوگیا اور دولتِ صفویہ کے علما کی کوششوں کے نتیجے میں، جنھوں نے اس کو انتہا تک پہنچا دیا، اس کا دائرہ کار، وسیع سے وسیع تر ہوگیا۔ لیکن بعض معاصرین نے کچھ معتدل تفاسیر بھی لکھی ہیں، جس طرح شیعہ کے بعض قدیم علما نے بھی یہ کام کیا ہے اور اس نے ان انتہا پسندانہ تاویلات کے وجود کا انکار کیا ہے۔ یہ انکار زمانہ قدیم میں تو سچا ہوسکتا تھا، لیکن آج نشر و اشاعت کے اس دور میں یہ چنداں مفید اور کارگر نہیں، لہٰذا لامحالہ اس کو تقیے ہی پر محمول کیا جائے گا۔

جہاں تک دو متضاد نقطہ ہائے نظر کا سامنے آنا ہے تو یہ ان کے مذہب میں ایک قاعدے کی حیثیت رکھتا ہے، تاکہ لوگ ان کی حقیقت سے واقف نہ ہوسکیں۔[1]

شیعہ معاصرین کے نزدیک سنت:

معاصر شیعہ کے ہاں ان مسائل کے متعلق موقف میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، جن کو ہم نے سنت کی بحث میں موضوعِ سخن بنایا ہے۔ وہ تسلسل کے ساتھ اپنے بارہ ائمہ کے اقوال کو اللہ اور اس کے رسول کے اقوال کے

← میں مذکور تھا، اس آدمی نے اس کو وہاں دیکھا تو حقائق کے حالات سے بے خبر کی طرح معصوم شخص کو مجرم سمجھ کر پتھر مارنا شروع کر دیے۔'' (أجوبة مسائل جار الله، ص: ٦٧)

آپ نے ملاحظہ کیا کہ شیعہ کی اس ''آیت'' نے کافی میں مذکور قرآنِ کریم کی امام اور امامت سے کی گئی تاویلات کو ضرورت کے تقاضے کی وجہ سے تسلیم شدہ قرار دیا ہے، لیکن جب اس نے کفر اور کافروں کے متعلق آیات کی ابوبکر و عمر سے کی گئی تاویلات کی تردید کی اور یہ گمان کیا کہ یہ کافی میں موجود نہیں، تو تب اس نے تقیہ استعمال کیا۔ یہ بلاشبہہ تقیہ ہے، کیوں کہ اس نے کافی میں ان کے وجود کا انکار کیا ہے، حالاں کہ وہ اس میں موجود ہیں اور دسیوں ایسی روایات میں ان کا وجود نظر آتا ہے، جو کفر اور کافروں کے متعلق آیات کی شیخین رضی اللہ عنہما کے ساتھ تفسیر کرتی ہیں۔ (دیکھیں: أصول الكافي، باب فيه نكت ونتف من التنزيل في الولاية: ١/ ٤١٢)

لیکن یہ شخص لوگوں کو دھوکا دینا اور حقیقت کا انکار کرنا چاہتا ہے اور اس کو مفوّضہ کے سر تھوپ رہا ہے کہ جن کے متعلق لکھنے والے محققین میں سے کسی نے بھی ان کا یہ مذہب اور عقیدہ بیان نہیں کیا۔ (مفوّضہ کے عقیدے کی تفاصیل جاننے کے لیے مفید کی شرح ''عقائد الصدوق'' (ص: ٢٥٨) دیکھیں) پھر اب یہ فرقہ مکمل طور پر مٹ چکا ہے اور مرجع شیعہ محمد حسین آلِ کاشف الغطا کے بقول نہ یہ خود موجود ہے نہ اس کی کتابیں ہی موجود ہیں۔ دیکھیں: أصل الشيعة (ص: ٣٨)

[1] دیکھیں: أصول الكافي (١/ ٦٥) نیز اسی کتاب کا صفحہ (١٠٩٤) دیکھیں۔

مانند ہی قرار دیتے ہیں۔ شیعہ کا شیخ خمینی کہتا ہے:

''ائمہ کی تعلیمات قرآن کی تعلیمات ہی کی طرح ہیں، جن کو اپنانا اور نافذ کرنا لازمی ہے۔''[1]

محمد جواد مغنیہ کہتا ہے:

''معصوم کا قول اور حکم مکمل طور پر اللہ عزیز وعلیم کے نازل کرنے کی طرح ہی ہے۔ ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى﴾ [النجم: ٣۔٤]''

گویا انھوں نے اپنے اس موقف میں ان ائمہ کو، جن میں یہ غائب بھی شامل ہے، جو حقیقت میں موجود ہی نہیں اور حسن عسکری بھی، جس کو ابن الجوزی نے ''الموضوعات'' میں ضعفا میں شمار کیا ہے، اللہ تعالیٰ کے انبیا اور رسولوں کی طرح خیال کیا ہے ...اور یہ ان کی عصمت کے دعوے پر مبنی ہے، جس کا جھوٹ اور باطل ہونا گذشتہ مباحث میں ذکر ہو چکا ہے۔

جہاں تک شیعہ کا یہ دعویٰ ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے شریعت کا ایک حصہ چھپا لیا اور وہ حضرت علی کے سپرد کر دیا تو اس کو صاف صاف لفظوں میں کہنے سے بھی نہیں کتراتے، حتی کہ اپنے مذہب کی اشاعت کے لیے لکھی گئی اپنی کتابوں میں بھی صراحت کے ساتھ کہتے ہیں، چناں چہ یہی بات شیعہ کے شیخ محمد حسین آلِ کاشف الغطا نے اپنی کتاب ''أصل الشیعة وأصولها'' میں بھی لکھی ہے۔[2]

پھر ان کی وہ خیالی کتابیں، جیسے: جفر اور جامعہ وغیرہ، جن کے متعلق ان کی روایت کی کتابیں ذکر کرتی ہیں، جب شیخ موسیٰ جار اللہ نے معاصرین شیعہ کی ان اوہام کی تصدیق کرنے پر مذمت اور تشہیر کی، تو شیعہ کے ایک معاصر مرجع محسن امین نے بڑی بے شرمی اور ڈھٹائی کے ساتھ جواب دیا:

''اگر صحیفہ فرائض، الجفر اور الجامعہ اور جن کا ان کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اس کے اور اس کے ہمنواؤں (یعنی موسیٰ جار اللہ) کے پاس ضائع اور مفقود ہو چکے ہیں تو ان کو ماننے والوں کے پاس بالکل ضائع نہیں ہوئے۔''[3]

بلکہ شیعہ کے کبار معاصر علما میں ایک ایسا عالم بھی ہے، جو ان خیالی خزانوں اور بلا حقیقت کے ناموں کو ذکر کر کے فخر محسوس کرتا اور بڑی کم عقلی کے ساتھ ان کتابوں کو شمار کرنا شروع کر دیتا ہے۔ وہ ان بے

---

[1] الحکومة الإسلامیة (ص: ١٣)

[2] دیکھیں: أصل الشیعة وأصولها (ص: ٧٧) میں نے اس کی عبارت صفحہ نمبر (١٦٥) میں نقل کر دی ہے۔

[3] الشیعة بین الحقائق والأوهام (ص: ٢٥٤)

حقیقت خیالی کتابوں کی کثرت پر سرفخر سے بلند کرتا ہے، جب اس سے پوچھا جاتا ہے کہ یہ مزعومہ کتابیں کہاں ہیں؟ تو اس کا جواب ہوتا ہے کہ وہ منتظر کے پاس ہیں۔ اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم ان کی اس کے بارے میں گفتگو نقل کرتے۔[1]

شیعہ کا منتظر جس کی زندگی اور پوشیدگی کا وہ سیکڑوں سالوں سے دعویٰ کر رہے ہیں، یہ دعویٰ ان کے لیے رسوائی اور عار کا باعث بنا ہوا ہے اور روز بہ روز اس میں اضافہ ہو رہا ہے، شیعہ کا یہ منتظر اصل میں پیدا ہی نہیں ہوا۔ بعض جھوٹوں نے اس کی طرف ''رقاع'' منسوب کر دیے کہ وہ اس سے جاری ہوئے ہیں، ان کے بارے میں گفتگو بھی گزر چکی ہے۔[2] عصرِ حاضر کے شیعہ کے بارے میں یہ گمان کیا جاتا تھا، بالخصوص جب وہ اہلِ سنت کے ساتھ قربت پیدا کرنے اور ان کے ساتھ اتحاد کا شعار بلند کرتے ہیں کہ وہ اپنے مذہب اور اپنی قوم کو ماضی کی ان خرافات سے نجات دلا دیتے، لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا، انھوں نے بھی ان ''رقاع'' کو ایسی سنت کا درجہ دے دیا، جس میں باطل داخل نہیں ہوسکتا۔[3]

اس سے بھی حیران کن یہ امر ہے کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ شیعہ کے اس منتظر کا ان کے بعض علما کے ساتھ براہِ راست رابطہ اور تعلق ہے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ ''توقیعات'' کی کہانی تسلسل کے ساتھ جاری ہے اور معصوم فتاویٰ اور نصوص آج بھی جاری ہو رہی ہیں، جو ان کے دعوے کے مطابق وحی الٰہی کی طرح ہیں۔

شیعہ کا عالم محمد تقی مدرسی کہتا ہے:

> ''ہم امام[4] اور مراجع شیعہ کے درمیان خفیہ رابطوں کے وجود کو بعید (بلکہ یہ عملاً ہو رہا ہے) خیال نہیں کرتے اور یہ بہت بڑا راز ہے۔''[5]

ان اوہام پر اعتماد کر کے اور جھوٹوں کی روایات قبول کر کے وہ مسلسل بلا حجت و برہان، سنتِ مصطفیٰ ﷺ سے اعراض برت رہے ہیں اور اپنی گمراہی میں اندھے پھر رہے ہیں۔ یہ سنت جس کو اصحابِ رسول ﷺ نے آپ ﷺ سے نقل کیا، اس سے وہ صرف اس دعوے کی وجہ سے صرفِ نظر کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت علی کی ۔شیعہ کے دعوے کے مطابق۔ منصوص اور وصیت کردہ امامت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

---

[1] دیکھیں: محمد آصف المحسني: صراط الحق (٣/ ٣٤٧) محسن الأمین: أعیان الشیعة (١/ ١٥٤)

[2] اسی کتاب کا صفحہ نمبر (٣٦٣) ملاحظہ کریں۔

[2] الخنیزي: الدعوة الإسلامیة (٢/ ١١٢)

[3] شیعہ کا خیالی امام، جو صرف شیعہ کتابوں ہی میں نظر آتا ہے۔

[4] الفکر الإسلامي مواجهة حضاریة (ص: ٣٠٥)

حتی کہ شیعہ کا عصرِ حاضر کا ایک مرجع اور آیت کہتا ہے:

''ابو ہریرہ، سمرہ بن جندب، عمرو بن عاص جیسے اور ان کے نظائر، جن کو وہ (اہلِ سنت) کچھ سمجھتے ہیں، امامیہ کے نزدیک مچھر کے برابر بھی اہمیت نہیں رکھتے۔''[1]

بلکہ ایک شیعہ معاصر نے تو صراحت کی ہے کہ ''شیعہ کی رائے میں اصحابِ رسول ﷺ کی روایت قبول کرنا اسلام کے خلاف سازش کرنا ہے۔''[2]

اس لیے ایک دوسرے معاصر کا کہنا ہے:

''شیعہ ان اسانید (یعنی اہلِ سنت کی اسانید) پر اعتماد نہیں کرتے، بلکہ انھیں کچھ حیثیت نہیں دیتے۔ یہ ان کے نزدیک قابلِ استدلال نہیں، لہٰذا یہ مذہب کے موافق ہوں یا مخالف، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''[3]

مزید کہتا ہے:

''شیعہ کے پاس احادیث ہیں، جن کو انھوں نے اپنے معتبر طرق سے روایت کیا ہے اور اپنی مخصوص کتابوں میں انھیں جمع کیا ہے، وہ کافی ہیں اور دین کے اصول وفروع کے مقاصد پورے کرتی ہیں، انھی پر ان کے علم عمل کا مدار ہے، ان کے نزدیک ان کے سوا اور کوئی حجت نہیں۔''[4]

چوں کہ سنت نبویہ کے متعلق ان کے موقف کی یہ حقیقت ہے ...اس لیے سنت میں شک پیدا کرنے اور اس کے خلاف محاذ آرائی قائم کرنے کے لیے ان کی سرگرمیاں وسیع پیانے پر پھیلی ہوئی ہیں۔ شیعہ کے کبار علما اصحابِ رسول ﷺ میں سے کثرت کے ساتھ روایات نقل کرنے والے افراد کے خلاف بڑے زہریلے حملے کرتے ہیں، جس طرح ان کے آیت عظمیٰ عبدالحسین موسوی نے اپنی کتاب ''ابو ہریرۃ'' وغیرہ میں یہ کام کیا ہے، پھر یہ امت اسلامیہ کے محدثین اور مسلمانوں کی بنیادی بڑی بڑی کتابوں کو بھی شدید سب وشتم اور طعن وتنقید کا نشانہ بناتے ہیں، جس کی نظیر کسی کافر فرقے کی کتابوں میں بھی نہیں ملتی۔ جس طرح ہم شیعہ کے شیخ امینی کی کتاب ''الغدیر'' میں دیکھتے ہیں۔ یہاں اس تلچھٹ اور بے قیمت مواد کے شواہد اور ذکر کرنے کی گنجایش نہیں۔

---

[1] محمد حسين آل كاشف الغطا: أصل الشيعة وأصولها (ص: ٧٩)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۱۰۹۵) دیکھیں۔

[3] عبدالله السبيتي: تحت راية الحق (ص: ١٤٦)

[4] المصدر السابق (ص: ١٦٢)

شیعہ معاصرین کے نزدیک اجماع:

اس سلسلے میں ان کی گفتگو میں سرِدست کوئی نئی چیز نہیں، جس کا ہم ذکر کریں۔ صرف ''اجماع'' کے متعلق اپنے مذہب کو دھوکے کے اسلوب میں ڈھال کر پیش کرنے کی ایک کوشش ہے، جس سے ممکن ہے ایسا شخص دھوکا کھا جائے، جو شیعہ کے نظریے کی حقیقت سے ناشنا ہو۔ مثلاً: محمد جواد مغنیہ کہتا ہے:

''صحابہ کا اجماع یہ ہے کہ تمام اصحاب کی بات کسی شرعی حکم میں ایک ہو۔ شیعہ اور اہلِ سنت نے اس اجماع کو بطورِ دلیل لینا اور شریعت کے اصول میں سے ایک اصل اور قانون خیال کرنا لازمی قرار دیا ہے۔''

اس کے بعد ذکر کرتا ہے:

''شیعہ اس کی حجت کے تب قائل ہیں، جب اصحاب کے ساتھ اس میں امام کا وجود بھی ہو۔''[1]

اس حیلے سازی کی طرف دیکھیے! اس کے باوجود کہ اس کے قول کا مدعا اور مفہوم یہی ہے کہ شیعہ معصوم کے قول میں حجت سمجھتے ہیں، بہ ذاتِ خود اجماع میں نہیں، لیکن اس نے دھوکا دینے[2] اور الجھانے کے لیے یہ گھما پھرا کر بات کرنے والا اسلوب اپنایا ہے، جس سے بعض لوگ دھوکا کھا بھی گئے۔[3]

اصولِ دین کے بارے میں شیعہ کا عقیدہ:

توحیدِ ربوبیت اور اللہ تعالیٰ کو اس کے افعال میں اکیلا تسلیم کرنے کے مقام پر معاصرین کے ائمہ کو رب جل شانہ کے افعال دینے کے متعلق ایسے ایسے کلمات ہیں، جو شیعہ کے اثنا عشری اسلاف سے بھی منقول نہیں۔ شیعہ کا عبدالحسین عاملی کے نام سے معروف ایک عالم ہے، جس کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ وہ ان کے ایسے ''آیات'' میں سے تھا، جس کو وہ، جھوٹ بولتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ عاملی امیر المومنین کی مدح میں کہتا ہے۔ اللہ نے ان کو شیعہ کے افترا سے بَری کیا ہوا ہے:

أبا حسن أنت عين الله   و عنوان قدرته السامية
و أنت المحيط بعلم الغيوب   فهل عندك تعزب من كافية

---

[1] الشيعة في الميزان (ص: ٣٢١)

[2] اجماع کے سلسلے میں ان کے عقیدے کے متعلق گزرنے والے مباحث دیکھیں: (ص: .... وما بعدها)

[3] جیسے شیخ محمد غزالی، جس نے مغنیہ کا یہ کلام نقل کر کے اس سے یہ استدلال کیا کہ اہلِ سنت اور شیعہ کے درمیان اصولِ احکام میں کوئی فرق نہیں۔ (دیکھیں: ليس من الإسلام، ص: ٧٩۔ ٨٠)

وأنت مدير رحى الكائنات وعلة إيجادها الباقية
لك الأمر إن شئت تنجي غداً وإن شئت تسفع بالناصية [1]

''ابوالحسن تم اللہ کی آنکھ ہو اور اس کی بلند و بالا قدرت کا عنوان ہو۔ تم علمِ غیب کا احاطہ کرنے والے ہو۔ کیا آپ سے کچھ پوشیدہ رہ سکتا ہے؟ آپ ہی اس کائنات کی چکی کو چلانے والے والے ہیں اور اس کے وجود کی باقی رہنے والی علت۔ حکم آپ ہی کا ہے، چاہے تو کل آپ نجات دے دیں اور چاہے تو پیشانی سے سے پکڑ کر گھسیٹ دیں۔''

دیکھیے! اس نے کس طرح اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق کو بعینہٖ اللہ قرار دیا ہے۔ رب تعالیٰ کی جو تدبیر وایجاد اور زندہ کرنے اور مارنے کی صفات ہیں، ان کے ساتھ وہ حضرت علی کو موصوف کر رہا ہے۔ لہٰذا وہ اس کے نزدیک کائنات کے امور کی تدبیر کرنے والے، اس کی ایجاد کی علت اور قدرت الٰہیہ کے مظہر ہیں، وہ علمِ غیب کا احاطہ کرنے والے، بلکہ قیامت کے دن کے مالک بھی وہی ہیں، کیوں کہ اس دن انھی کا حکم چلے گا اور بندوں کی نجات اور ہلاکت انھی کی مشیت کے مرہونِ منت ہوگی۔ [2]

یہ کلینی، قمی اور مجلسی کی روایات کا طبعی کڑوا پھل ہے، جن سے اس مواد کی مثالیں پہلے گزر چکی ہیں، جو اس رجحان کا حاصل ہے۔

آج اثنا عشریہ اپنی روایات اور اپنے علما کے ایک گروہ کی زبان سے سبائی اور ان دیگر فرقوں کی ترجمانی کرتے ہیں، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا کا درجہ دیتے تھے، جن کے بارے میں ہمارا خیال تھا کہ وہ مٹ چکے اور قصہ پارینہ بن چکے ہیں، لیکن یہ تو اثنا عشریہ کی گود میں پرورش پا رہے ہیں اور ان کے سائے تلے رہ رہے ہیں، بلکہ یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ سبائی ایک ہی حقیقت کا پرانا نام ہے اور اثنا عشریہ اسی کا نیا نام ہے، یعنی شراب کہن در جام نو!!

یہ کلمات شیعہ کے کسی عام آدمی یا چھوٹے موٹے لکھاری کے منہ سے نہیں نکلے، بلکہ ان کے ''آیات'' میں سے ایک آیت کی زبان سے نکلے ہیں، جس کے قول کی طرف ہزاروں لوگ رجوع کرتے ہیں۔

---

[1] ديوان الحسين: الجزء الأول من القسم الثاني الخاص في الأدب العربي (ص: ٤٨)

[2] بلکہ شیعہ کے ایک دوسرے شاعر نے صریحاً کہا ہے کہ حضرت علی میں اللہ تعالیٰ کی تمام صفات جمع ہوگئیں۔ وہ کہتا ہے:

جميع صفات الرب فيه تجمعت وما اجتمعت إلا لسر و حكمة

''رب کی تمام صفات اس میں جمع ہوگئیں اور یہ نہیں جمع ہوئیں مگر ایک راز اور حکمت کی وجہ سے۔'' (دیکھیں: الحائري: مقتبس الأثر: ١/ ٢٤٦)

آپ محمد حسین آلِ کاشف الغطاء کو دیکھتے ہیں۔اس کا شیعہ کے کبار علما اور آیات میں شمار ہوتا ہے اور وہ اہلِ سنت اور شیعہ کے درمیان قربت کا داعی ہے، وہ اپنے ائمہ کی منقبت میں کہتا ہے:

يا كعبة الله إن حجت لها الـ أملاك فعرشه ميقاتها
أنتم مشيئته التي خلقت بها الـ أشياء بل ذرئت بها ذراتها
أنا في الورى قال لكم إن لم أقل ما لم تقله في المسيح غلاتها[1]

''اے اللہ کے کعبہ! اگر فرشتے اس کا حج کرتے ہیں، تو اس کا عرش ان کے لیے میقات ہے۔تم اللہ کی وہ مشیت ہو، جس کی وجہ سے اشیا پیدا کی گئیں، بلکہ اسی سے ان کے ذرات پیدا کیے گئے۔ میں مخلوق میں تمھاری تعریف میں وہ کہتا ہوں، اگر میں نہیں کہتا تو میں جس کائنات میں ہوں، وہ تمھارے لیے وہ کچھ کہہ رہی ہے، جو مسیح علیہ السلام کے بارے میں غالی عیسائیوں نے بھی نہ کہا ہو۔''

اس نے اپنے ائمہ کو کعبہ قرار دیا ہے، جس کا فرشتے حج کرتے ہیں اور رحمٰن کے عرش کو میقات کا درجہ دیا ہے، ان کو اللہ تعالیٰ کی وہ مشیت اور قدرت کہا ہے، جس کے ساتھ اشیا پیدا کی گئیں اور اس پختہ عزم کا اظہار کیا ہے کہ وہ ائمہ کی تعریف میں وہ کچھ کہنے کا ارادہ رکھتا ہے، جو غالی عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں بھی نہیں کہا۔

شاید وہ یہ اوصاف بیان کر کے اپنے مقصد تک پہنچ گیا ہے۔ یہ شیعہ کے عصرِ حاضر کے سب سے بڑے مرجعِ تقلید کا بیان ہے، جو مختلف کانفرنسز میں ان کی نمایندگی کرتا ہے اور یہ بعض اہلِ سنت کے نزدیک معتدل سمجھا جاتا ہے، جو اس کی حقیقت سے ناآشنا ہیں، اس لیے انھوں نے اس کو پہلی القدس کانفرنس میں امامت کے لیے آگے کیا[2]، کیوں کہ اس کے دو چہرے اور دو قول ہیں اور شیعہ کے نزدیک تقیے کے اسرار اور اسالیب بے شمار ہیں۔

میں نے ان کا اس رجحان کی غمازی کرنے والا جس قدر مواد پایا ہے، اگر سب لکھوں تو بات بہت زیادہ لمبی ہوجائے گی۔[3] میں یہاں اتنا ہی اضافہ کرنا چاہوں گا کہ شیعہ کے شعرا اور ادبا نے اس غلو پر مبنی اتنا زیادہ لٹریچر اور مواد چھوڑا ہے، جس کا تصور نہیں کیا جا سکتا... ایسے لگتا ہے کہ جذبات کا شعلہ اور جوش کا الاؤ اتنا شدید ہے کہ تقیے کی قوت اور اقتدار بھی اس کے سامنے بے بس ہے اور حقیقت دھوکے اور فریب کا لباس اتار کر ننگی ہو

[1] ديوان شعراء الحسين: جمع محمد باقر النجفي (ص: ١٢) ط: طهران ١٣٧٤هـ

[2] پہلی قدس کانفرنس کے متعلق دیکھیں: مجلة الأزهر، المجلد (٢٥/ ٥٠٦، ٦٣٨، ٩٧٩) المسلمون، المجلد السادس (ص: ٤٥) نیز محمد حسین کو نماز میں امام بنانے سے متعلق رشید رضا کے تبصرے کے لیے دیکھیں: مجلة المنار، المجلد (٢٩/ ٦٢٨)

[3] اس بارے تفصیل کے لیے دیکھیں: الحائري: مقتبس الأثر (١/ ١٥٣، ٢٥٤۔ ٢٤٨) محسن الأمين: أعيان الشيعة (٥/ ٢١٩) و ديوان الحسين لمجموعة من شيوخ الروافض في مواضع كثيرة، و عبد الحسين الأميني: الغدير (٧/ ٣٤۔ ٦٧ وغيرها)

کر سامنے ناچ رہی ہے۔

اس لیے یہ موضوع مستقل اور خصوصی تحقیق کا مستحق ہے۔ جہاں تک توحیدِ الوہیت کے مقام کی بات ہے تو شیعہ کے مزارات اور درگاہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کے سب سے بڑے مظاہر بن چکے ہیں اور ان کے ہاں اس برائی کے ختم ہونے کی بھی کوئی امید نظر نہیں آتی، کیوں کہ ان کو ان روایات کی تائید حاصل ہے، جو اہلِ بیت کی طرف بہتان باندھتے ہوئے منسوب کی گئیں۔

یہ معاملہ اہلِ سنت کے بالکل الٹ اور عکس ہے، کیوں کہ ان کے معاشرے میں یہ عملی انحراف ہے اور ان کے اصول و عقائد اور روایات اس کی مخالفت کرتی ہیں، جو بھی ان مزارات اور درگاہوں کا دورہ کرتا ہے، وہ اپنی آنکھوں سے اس شرک کا وہاں مظاہرہ کرے گا۔

شیخ موسیٰ جار اللہ، ایران اور عراق کے دورے کے بعد، جو کئی ماہ پر مشتمل تھا، کہتے ہیں کہ انھوں نے دیکھا کہ وہاں قبروں اور مزاروں کی پوجا کی جاتی ہے۔[1] مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ ایران کے دورے کے بعد علی رضا کے مزار کا حال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''اچانک ایک اجنبی سیدنا علی رضا کے مزار میں داخل ہوتا ہے، وہ یہی محسوس کرتا ہے کہ وہ حرمِ کعبہ میں داخل ہوا ہے، جو حاجیوں کی آہ و بکا میں ڈوبا ہوا اور عورتوں اور مردوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے، کھوئے سے کھوا چل رہا ہے، زیبایش و آرایش کے نفیس کام سے مزین ہے، دولتمندوں کی دولتیں اور غریبوں کے صدقات دونوں کا منہ اس کی طرف کھلا ہوا ہے۔''[2]

تحفہ اثنا عشریہ کے مصنف رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ ابھی تک ائمہ کی قبروں میں غلو کرتے ہیں، ان کا طواف کرتے ہیں، ان کی طرف منہ کر کے اور قبلے کی طرف پشت کر کے نماز پڑھتے ہیں اور ان کے علاوہ دیگر کئی امور بجا لاتے ہیں، جس کے سامنے مشرکین کے اپنے بتوں کے سامنے کیے گئے عمل بھی ہیچ ہیں۔[3]

اس کے بعد کہتے ہیں:

> ''اگر آپ کو اس میں کوئی شک ہو تو شیعہ کے کسی مزار میں چلیں جائیں اور حقیقت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔''[4]

---

[1] الوشيعة، المقدمة (ص: ط)

[2] أبو الحسن الندوي: من نهر كابل إلى نهر اليرموك (ص: ٩٣) مجلة "الاعتصام" (السنة ٤١، العدد: ٣)

[3] دیکھیں: مختصر التحفة الأثنى عشرية (ص: ٣٠٠)

[4] المصدر السابق.

آپ شیعہ کے معاصر عالم محمد مظفر کو دیکھتے ہیں کہ اس نے اپنے فرقے کے عقائد بیان کرنے کے لیے ''عقائد الإمامية'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، اس کو ان کے شیعہ نے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے، لیکن آپ کسی ایک کو بھی نہیں دیکھتے، جس نے اس میں ذکر ہونے والے کسی ایک عقیدے کی بھی مخالفت کی ہو۔

اس نے یہ کتاب ایسے اسلوب میں لکھی ہے، جس پر شیعہ مذہب کی تبلیغ و اشاعت کا رنگ نمایاں ہے، اس کے باوجود وہ رافضہ کے ائمہ کی قبروں کے متعلق عقیدے کی تاکید بیان کرنے سے اپنی زبان کو قطعاً لگام نہیں دیتا، وہ ذکر کرتا ہے:

''اس کے فرقے کی امتیازی خصوصیت، اس کا ائمہ کی قبروں کے ساتھ تعلق ہے، وہ ان کو پختہ کرنا اور ان پر پرشکوہ عمارات تعمیر کرنا، جس کے لیے وہ بہ رضا و رغبت اور ایمان رکھتے ہوئے ہر چھوٹی بڑی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں۔''[1]

اس کے بعد وہ صریحاً کہتا ہے:

''اس کا سبب ائمہ شیعہ کی زیارت پر اُکسانے والی وصیتیں اور ترغیبات ہیں، جن میں ذکر کیا گیا ہے کہ اس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت زیادہ اجر و ثواب ہے ... نیز اس وجہ سے بھی کہ یہ قبریں ۔اس کے دعوے کے مطابق۔ قبولیتِ دعا[2] کے لیے بہترین جگہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ لَو لگانے کے بھی بہترین مقامات ہیں۔''[3]

اس کے بعد اس نے زیارت کے آداب و احکام بیان کیے ہیں اور ان بت پرستی کے مظاہر کا اعلان کرنے سے ذرا خوف یا شرم محسوس نہیں کی۔[4] شیعہ کے معاصر علما کی ایک جماعت بلا خوف و شرم بابانگِ دہل یہ کہتی ہے کہ کربلا کعبہ شریف سے افضل جگہ ہے۔

شیعہ کا یہ سب سے بڑا مرجع تقلید، جو اہلِ سنت اور شیعہ کے درمیان قربت پیدا کرنے کا دعویدار ہے، یہ دعویٰ کرتا ہے کہ کربلا کعبہ سے افضل ہے، جو اللہ کا حرمت والا گھر ہے، جس کو اس نے لوگوں کے لیے قیام، امن

---

[1] محمد رضا المظفر: عقائد الإمامية (ص: ١٣٣)

[2] اگر یہ بہترین جگہوں میں سے ہوتے اور ان کی یہ فضیلت ہوتی، جو یہ بیان کرتے ہیں تو اس کا کتاب و سنت میں کوئی ذکر ہوتا اور یہ معلوم و مشہور بات ہوتی، جو امت پر مخفی نہ رہتی۔ صرف اہلِ بیت پر جھوٹ گھڑنے والے رذیل لوگ ہی ان کو نقل کرنے والے نہ ہوتے۔ اگر اس کی کچھ بھی حقیقت ہوتی تو قبروں کو مساجد بنانے سے صریحاً اور تاکیدی ممانعت مذکور نہ ہوتی۔

[3] محمد رضا المظفر: عقائد الإمامية (ص: ١٣٣)

[4] المصدر السابق (ص: ١٣٥۔ ١٣٩)

اور ثواب کی جگہ قرار دیا ہے اور اس کے بارے میں قرآنی آیت نازل کر کے اس کو عزت بخشی ہے۔

چناں چہ مرجعِ شیعہ محمد حسین آلِ کاشف الغطا، نص قرآنی اور اجماعِ امت کے خلاف اس بت پرستی پر مبنی شعر کو گنگناتا ہے:

ومن حديث كربلا والكعبة لكربلا بان علو الرتبة

''کربلا اور کعبہ کی گفتگو میں کربلا کے مقام کی بلندی واضح ہوگئی۔''

وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ ان کے مذہب کی ضروریات اور بنیادوں میں داخل ہے، اس لیے کہتا ہے:

''سرزمین کربلا بدیہی طور پر زمین کا سب سے مقدس ٹکڑا ہے۔''[1]

کیوں کہ ان کی روایات اور آثار (بقول اس کے) اس کی گواہی دیتے ہیں، یہ گواہی جس پر وہ اعتماد کر رہا ہے، لازم ہے کہ اسی کو ان اخبار کے جھوٹا ہونے، ان کو گھڑنے والے کے دین سے خارج ہونے اور ان کی تصدیق کرنے والے کے اجماعِ امت سے باہر ہونے کی دلیل قرار دیا جائے۔ کہاں کربلا اور کہاں یہ فرمانِ الٰہی:

﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ [آل عمران: ٩٦۔ ٩٧]

''بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا، یقیناً وہی ہے جو بکہ میں ہے، بہت با برکت اور جہانوں کے لیے ہدایت ہے۔ اس میں واضح نشانیاں ہیں، ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ اور جو کوئی اس میں داخل ہوا امن والا ہو گیا اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج (فرض) ہے، جو اس کی طرف راستے کی طاقت رکھے اور جس نے کفر کیا تو بے شک اللہ تمام جہانوں سے بہت بے پروا ہے۔''

چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک! کیا اس کے بعد بھی کسی کے پاس کوئی بات رہ جاتی ہے؟

﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴾ [محمد: ٢٤]

''تو کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے، یا کچھ دلوں پر ان کے قفل پڑے ہوئے ہیں؟''

ان چند ایک مذکور اقوال کے علاوہ بھی شیعہ کے معاصر علما کے اس مفہوم کے بہت زیادہ اقوال ہیں۔[2]

---

[1] محمد حسين آلِ كاشف الغطا: الأرض والتربة الحسينية (ص: ٥٥۔ ٥٦)

[2] مثلاً شیعہ کے آیت مرزا حسین حائری کا یہ قول: ''کربلا وہ پاک اور طاہر خاک اور مقدس زمین، جس کے بارے میں، زمین و آسمان کے رب نے کعبہ کو اس وقت مخاطب کر کے کہا، جب اس نے زمین کے تمام ٹکڑوں پر فخر کیا۔ ٹھہرا رہ، سکون کر، اگر کربلا ←

اگر شیعہ کی قدیم کتابیں یہ ثابت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ائمہ کے وسیلے سے انبیا کی توبہ قبول کی،[1] تو ائمہ کو انبیا پر ترجیح دینے پر مشتمل غلو میں سرتاپا ڈوبا ہوا یہ مفہوم[2] اور پھر کم عقلی اور ''سادگی'' میں مکمل طور پر کھویا ہوا معنی، جس کے مطابق یہ ائمہ ان سابقہ انبیا کی زندگی میں موجود تھے اور شرک اور غیر اللہ کی دعوت میں انتہا کو پہنچا ہوا بڑی آفت پر مشتمل ایسا موقف ہے کہ شیعہ کا ایک بہت بڑا عالم نہ صرف ان مصیبتوں پر مشتمل معانی کی توثیق کرتا ہے، بلکہ اپنے بیٹے کو ان کے تقاضے پر عمل کرنے کی بھی وصیت کرتا ہے۔ چناں چہ شیعہ کا آیت اور حجت عبداللہ ممقانی کہتا ہے:

''اے بیٹے! نبی اور آلِ نبی کے وسیلے کو اختیار کر، میں نے تمام روایات اکٹھی کیں، تو اس نتیجے تک پہنچا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کی بھی لغزش[3] کو اس وقت تک معاف نہیں کیا، جب تک اس نے ان کا وسیلہ نہیں پکڑا۔''[4]

اگر شیعہ کے قدیم مصادر قبرِ حسین کی زیارت کو حج بیت اللہ سے افضل قرار دیتے ہیں، تو یہ خطرناک اور سنگین موقف ان کے معاصر علما کی زبانوں پر بھی عام ہے اور وہ اس کی دعوت دیتے ہیں، کیوں کہ اس کا، جس طرح یہ اپنے پیروکاروں کو دھوکا دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت زیادہ ثواب ہے، کیوں کہ یہ تمام عبادات اور

← کی زمین نہ ہوتی اور جو اس میں ہے، وہ نہ ہوتا، تو میں تجھے پیدا ہی نہ کرتا۔'' پھر یہ رافضی کہتا ہے: ''اس طرح یہ مقدس ٹکڑا، امام کا مدفن بننے کے بعد مسلمانوں کے لیے مزار، موحدین کے لیے کعبہ، بادشاہوں کے لیے جائے طواف اور نمازیوں کے لیے مسجد بن گئی۔'' (الحائري: أحكام الشريعة: ١/ ٣٢)

ڈاکٹر عبدالجواد آلِ طعمہ، اپنی تاریخ کربلا نامی کتاب میں کہتا ہے: ''شیعہ کی روایات کربلا کو زمین کا سب سے افضل ٹکڑا خیال کرتی ہیں۔ یہ شیعہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی مقدس، مبارک اور منتخب زمین ہے۔ یہ ان کے پیمانوں کے مطابق اللہ کا حرم، اس کے رسول کا حرم اور اسلام کا گنبد ہے۔ اس کی خاک میں شفا ہے اور یہ خوبیاں زمین کے کسی ٹکڑے حتی کہ کعبہ میں بھی ایک ساتھ موجود نہیں۔'' (تاریخ کربلا، ص: ١١٥۔ ١١٦)

اس کتاب کی ان کے کئی آیات نے تصدیق کی ہے۔ کتاب کے مقدمات دیکھیے، ان کا آیت عظمیٰ محمد شیرازی کہتا ہے: ''ہم ان کی قبروں کو اس طرح بوسہ دیتے ہیں، جس طرح حجرِ اسود کو چومتے ہیں، جس طرح قرآن کی جلد کو چومتے ہیں۔'' (مقالة الشريعة لمحمد الشيرازي، ص: ٨)

[1] اسی کتاب کا صفحہ (٤٨٣) دیکھیں۔

[2] یہ غالی رافضیوں کا مذہب ہے، جس طرح قاضی عیاض، بغدادی اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے کہا ہے اور شیخ محمد بن عبدالوہاب نے اس نظریے کے قائل کے کفر پر اجماع نقل کیا ہے۔ اسی کتاب کا صفحہ (٦٥٩) دیکھیں۔

[3] دیکھیں یہ لوگ کس طرح انبیا کی لغزشوں کا اقرار کرتے ہیں، جب کہ اپنے ائمہ کے متعلق مطلقاً عصمت کا دعویٰ کرتے ہیں!!

[4] مرآة الرشاد (ص: ١٠٤)

نیکیوں سے افضل نیکی اور عبادت ہے۔[1]

اس لیے ان کا آیت عبداللہ ممقانی اپنے بیٹے کو روزانہ حسین کی زیارت کرنے کی تلقین کرتے ہوئے کہتا ہے:

''اے بیٹے! ضروری ہے کہ تم ہر روز اس کی (حسین کی قبر کی) دور سے زیارت کرو، ہر مہینے میں ایک مرتبہ وہاں ضرور جاؤ، اگر تم کسی دور دراز کے شہر میں ہو تو پھر سال میں ایک مرتبہ ضرور جاؤ۔''[2]

دیکھیے! یہ شیخ اپنے بیٹے کو نماز کی وصیت نہیں کر رہا، بلکہ اس کو قبر کی طرف متوجہ ہونے کی تلقین کر رہا ہے، جہاں شرک کے جھنڈے بلند کیے جاتے ہیں، کیوں کہ یہ ان کے نزدیک تمام نیکیوں سے افضل نیکی ہے۔ مشرکوں کی یہی شریعت ہوتی ہے۔ بیٹے (محی الدین ممقانی) نے اس وصیت پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا:

''ذکر ہوا ہے کہ جس نے اس کا حق پہچانتے ہوئے اس کی زیارت کی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک ہزار حج اور ایک ہزار عمرے کا ثواب لکھ دے گا...''

مزید کہتا ہے:

''گویا وہ اللہ کی زیارت کر رہا ہوتا ہے! لہٰذا اللہ کا فرض بنتا ہے کہ اس کو دوزخ کا عذاب نہ دے۔ یاد رہے! قبولیت اس کے گنبد تلے ہے اور شفا اس کی خاک اور تربت میں ہے۔''[3]

''جس نے ایک ہی سال میں نصف شعبان، عید الفطر کی رات اور عرفات کی رات، حسین علیہ السلام کی قبر کی زیارت کی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک ہزار مقبول حج اور ایک ہزار مقبول عمرہ لکھ دے گا، نیز اس کی دنیا و آخرت کی ایک ہزار ضروریات پوری کی جائیں گے۔''[4]

''جو عرفات کے دن اس کا حق پہنچاتے ہوئے اس کے پاس آیا، اللہ اس کے لیے ایک ہزار مقبول حج و عمرہ اور کسی فرستادہ نبی یا عادل امام کے ساتھ ایک ہزار غزوے کا ثواب لکھ دے گا۔''[5]

بڑے میاں تو بڑے میاں، چھوٹے میاں سبحان اللہ!

اس طرح شیعہ کی قدیم و جدید تمام کتابیں اس بت پرستانہ عقیدے پر متفق نظر آتی ہیں اور اس کو ائمہ اہلِ بیت بلکہ اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں، جب کہ تمام مسلمان اس معاملے سے بے خبر ہیں، بلکہ اس کو

---

[1] عقائد الإمامية (ص: ١٣٣)

[2] مرآة الرشاد (ص: ١٠٥۔ ١١٤)

[3] مرآة الرشاد (ص: ١١٠ حاشيه)

[4] مرآة الرشاد (ص: ١١٣ حاشيه)

[5] المصدر السابق.

صرف رافضہ نقل کرتے ہیں اور کوئی نہیں، بلاشبہہ اپنے اس شذوذ اور انحراف کے ساتھ وہ اپنے جھوٹ کا خود اعلان کرتے ہیں اور اپنے مذہب کو خود رسوا کرتے ہیں۔

ان نصوص اور روایات کا شیعہ کی دنیا پر بڑا خطرناک اثر تھا، جس کے نتیجے میں شیعہ کے مزارات اور درگاہوں میں مشرکین کے عقیدے کو زندہ کیا گیا، درگاہیں آباد ہوگئیں اور مساجد ویران اور نوحہ کناں!

شیعہ کے علما بھی اس برائی کی تائید کرتے ہیں اور اس کو ثابت اور جاری رکھنے کے لیے بھرپور کوشش کرتے ہیں، بلکہ ان کو اپنی صریح روایات اس برائی سے خبردار کرتی ہیں، جس میں یہ مبتلا ہیں، لیکن ان کے مراجع، ان روایات کو چھپا دیتے ہیں اور ان کم عقل پیروکاروں تک پہنچنے ہی نہیں دیتے، بلکہ وہ اس نور کو جس قدر ممکن ہوسکتا ہے، ان کی نگاہوں سے دور کرنے اور اس پر پردہ ڈالے رکھنے کے لیے ان کے وجود ہی کا انکار کرتے ہیں۔

شیعہ کا مجتہد اکبر، شیعہ کے کرائے ہوئے اپنے تعارف کے مطابق، محسن امین اپنی کتاب ''الحصون المنيعة'' میں شیعہ کی قبر پرستی کا دفاع کرتے ہوئے مسلمانوں کی بڑی بڑی کتابوں میں قبر پرستی اور ان پر عمارتیں تعمیر کرنے سے منع کرنے کے متعلق ذکر ہونے والی احادیث کی تردید میں کہتا ہے:

''ان احادیث کو نقل کرنے میں اہلِ سنت اکیلے ہیں اور یہ اہلِ بیت کی سند سے ثابت ہونے والی متواتر روایات کے خلاف ہیں۔''[1]

میں کہتا ہوں: یہ ممانعت شیعہ کی سند سے بھی بہت ساری روایات میں ذکر ہوئی ہے، جن کو حر عاملی نے ''وسائل الشيعة'' وغیرہ میں روایات کیا ہے، جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے۔[2] یا تو یہ محمد امین نامی بندہ غیر امین اور خائن ہے اور اس نے اپنی کتابوں میں موجود حقیقت کو چھپانے کا ارادہ کیا ہے یا وہ اپنی مدونات اور ذخیرہ روایات سے جاہل اور ناواقف ہے، حالانکہ وہ ان کی اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی منسوب کردہ آیات (کبار علما) میں سے ایک آیت (بہت بڑا عالم) ہے!

اسما وصفات کے باب میں بھی شیعہ کے معاصر علما، متاخر علما ہی کے مذہب کا اثبات کرتے ہیں، جو تعطیل پر مبنی ہے اور وہ اس باب میں معتزلہ کے نقش پر قدم بہ قدم چلتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ خلقِ قرآن کے قائل ہیں[3]، آخرت میں مومنوں کے لیے دیدارِ الٰہی کا انکار کرتے ہیں[4] اور کتاب وسنت میں ثابت شدہ اللہ تعالیٰ کی

---

[1] محسن الأمين: الحصون المنيعة (ص: ٢٧)

[2] اس سلسلے میں ان کی معتبر کتابوں سے نقول پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ دیکھیں (ص: ۵۲۲)

[3] دیکھیں: محسن الأمين: أعيان الشيعة (١/ ٤٦١) الأميني النجفي: الغدير (٣/ ١٣٩)

[4] دیکھیں: محسن الأمين: أعيان الشيعة (١/ ٤٦٣) المظفر: عقائد الإمامية (ص: ٥٩)

صفات کے بھی منکر ہیں۔[1]

یہ اللہ تعالیٰ کو "سلوب" (نصِ محض) سے متصف کرتے ہیں، جس طرح شیعہ کے عالم مظفر نے اپنی کتاب "عقائد الإمامية" میں بہ عنوان "اللہ کے بارے میں ہمارا عقیدہ" بحث کی ہے۔ وہ کہتا ہے:

"نہ وہ جسم ہے نہ صورت، نہ جوہر نہ عرض، نہ اس کے لیے ثقل ہے نہ خفت، نہ حرکت نہ سکون، نہ زمان نہ مکان، نہ اس کی طرف اشارہ ہی کیا جا سکتا ہے۔"[2]

آپ دیکھتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کو محض سلبی صفات سے متصف کرتے ہیں۔ انھوں نے حق تعالیٰ کے وجود ہی کی نفی کر دی ہے، اس باب میں ان کے پاس کچھ نیا نہیں۔ ان کلمات کو ان سے پہلے جہمیہ نے دہرایا ہے اور یہ انھی کے نشانات کے پیچھے پیچھے زبان لٹکائے بھاگ رہے ہیں۔ یہاں وہ لوگ غلطی کرتے ہیں، جو کہتے ہیں کہ جہمیہ معطلہ کا وجود راہی عدم ہو چکا ہے اور قصہ ماضی بن چکا ہے۔

مزید برآں جو ان کی اس تعطیل میں مخالفت کرتا ہے، اس کو یہ کافر قرار دیتے ہیں۔ مظفر کہتا ہے: جس نے کہا: وہ آسمانِ دنیا میں اترتا ہے یا وہ اہلِ جنت کے سامنے چاند کی طرح نمودار ہوگا یا اس جیسی جو بھی بات کرتا ہے، وہ اس کا انکار اور کفر کرنے والے کے قائم مقام ہے، اسی طرح وہ بھی کافر سے جا ملتا ہے، جو کہتا ہے:

"وہ قیامت کے دن اپنی مخلوق کے سامنے ظاہر ہوگا۔"[3]

وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کی عقل نے انھیں اس تعطیل کی راہ دکھائی ہے۔[4] کیا عقل کبھی کسی غیبی معاملے کو حاصل کرنے کے لیے مصدر اور ماخذ رہی ہے؟ نیز کیا عقل سلیم اللہ تعالیٰ کو ان محض سلبی صفات کے ساتھ متصف کرنے کی موافقت کر سکتی ہے، جس کی کوئی دلیل ہی نہیں اور کیا وہ وحی الٰہی کا رد کر سکتی ہے؟ پھر وہ افکار اور فلسفے، جنھوں نے وحی الٰہی سے علاحدہ رہ کر اس مسئلے پر گفتگو کی ہے، ان کا حاصل کیا ہے؟

انھوں نے تناقضات کے طومار اور بچوں کی بے کار کی حرکتوں کی طرح حرکتوں کے سوا کچھ پیش نہیں کیا، بلکہ انھوں نے الٹا ان مفکرین اور فلاسفہ ہی کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔

تاریخِ اسلام میں جن متکلمین نے بھی عقل کو راہبر اور قائد بنایا، آخر میں ان کے ہاتھ میں حیرانی اور

---

[1] دیکھیں: الغدیر (۳/ ۱۳۹)

[2] عقائد الإمامية (ص: ۵۹)

[3] المصدر السابق (ص: ۵۹۔ ٦۰)

[4] المصدر السابق (ص: ٦۰)

سرگردانی کے سوا کیا آیا؟ جس نے بھی کلامی طریقوں اور فلسفی اسلوبوں کی آبلہ پائی کی، وہ اسی نتیجے تک پہنچا کہ یہ عقل وفکر کی پیاس بجھانے سے قاصر ہیں اور ہدایت کے قریب ترین راہ قرآن کی راہ ہے، لیکن انھوں نے جب قرآن کی راہ سے اعراض کیا تو ان کی ساری کوشش گمراہی کی نذر ہوگئی،[1] انھوں نے وقت اور محنت دونوں ضائع کیے اور امت کو اس کے واجبی فرائض سے غافل رکھا۔

اسما وصفات میں اہلِ سنت کا منہج اور مسلک کتاب وسنت کے التزام کی وجہ سے عظیم الشان مسلک ہے۔ یہ ایک مسلمان کے وقت، کوشش، طاقت اور عقل کو ایسی چیز کی تلاش میں برباد ہونے سے بچاتا ہے، جس کا وہ مکلّف ہی نہیں اور جس کی کیفیت کی معرفت حاصل کرنے کی کوئی راہ ہی نہیں۔

شیعہ کے معاصر علما کے عقیدہ توحید میں ایک اور رجحان کا اضافہ کرنا باقی رہ گیا ہے، وہ رجحان ان صوفیہ کے نشانات کی پیروی ہے، جو یہ مذہب رکھتے ہیں کہ توحید کے مراتب ہیں، جن میں، ان کے نزدیک، کم تر مرتبہ اسلام کے عظیم الشان کلمے "لا إلٰه إلا الله" کا مدلول ہے۔

اس طرح انھوں نے دین میں ایسی راہیں نکال لی ہیں، جن کا اللہ تعالیٰ نے اذن نہیں دیا اور ان مراتب کے ذریعے وہ کفر بواح (صریح کفر) اور نظریہ وحدت الوجود تک جا پہنچے ہیں کہ مخلوق عین خالق ہے۔ یہ عقیدہ اپنا کر وہ عقل، نقل اور دین تینوں سے باہر ہوجاتے ہیں اور نصاریٰ کے شرک پر بھی بازی لے جاتے ہیں، جنھوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا کا اوتار قرار دیا اور انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ان میں حلول کر گیا ہے، کیوں کہ عیسائیوں نے ایک خاص میں حلول کا دعویٰ کیا، لیکن انھوں نے حلول عام کا نظریہ پیش کر دیا۔

لیکن شیعہ کے علما، جو زمانے کی کروٹوں اور وقت کے دھاروں کے ساتھ ساتھ بدعتی مذاہب کے دسترخوانوں کا بچا کھچا، انسانیت کے گھٹیا افکار کا گند اور پراگندہ افکارِ نفوس کا تلچھٹ اس فرقے کے لیے نقل کرتے آئے ہیں، انھوں نے اس مشکوک صوفی رجحان کو بھی لے لیا اور اسے اپنی قوم تک منتقل کر دیا، بلکہ اسی کو اپنا قابلِ اعتماد عقیدہ شمار کیا!

شیعہ کا شیخ اور آیت ابراہیم زنجانی (جس کو خوئی نے "ركن الإسلام"، "عماد العلما" کا لقب دیا ہے) اپنی کتاب: "عقائد الإمامية الاثنى عشرية" (اس کتاب کی ان کے خوئی اور حسن موسوی جیسے بڑے علما اور آیات نے توثیق اور تصدیق کی ہے) میں: ''شیعہ کا توحید کے بارے میں عقیدہ'' کے زیرِ عنوان کہتا ہے:

[1] ان کی حیرت اور تجربے کا نتیجہ دیکھنے کے لیے ملاحظہ کریں: مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام (۵/ ۱۰۔ ۱۱) ابن أبي العز: شرح الطحاوية (ص: ۱۶۹۔ ۱۷۲) ملا علي القاري: الفقه الأكبر (ص: ۱۰۔ ۱۲)

''توحید کے چار مراتب ہیں، عوام کی توحید، خواص کی توحید، خاص الخاص کی توحید اور اخص الخواص کی توحید، پہلا مرتبہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا مدلول ومفہوم ہے۔''[1]

وہ ذکر کرتا ہے کہ شیعہ تمام مسلمانوں سے عقیدہ توحید خاص الخاص اور توحید اخص الخواص کے ساتھ منفرد اور ممتاز ہیں۔[2] وہ کہتا ہے کہ ان مراتب کی شرح اور تفصیل کے لیے جگہ کی گنجایش نہیں، پھر وہ کہتا ہے کہ انھوں نے یہ مراتب امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے لیے ہیں:

''دین کی اول اس کی معرفت ہے، اس کی معرفت کا کمال اس کی تصدیق ہے، اس کی تصدیق کا کمال اس کی توحید ہے اور اس کی توحید کا کمال ...اس کی صفات کی نفی ہے ...جس نے اللہ کی صفت بیان کی، اس نے اس کو ملا دیا، جس نے اس کو ملا دیا، اس نے اس کو دو بنا دیا، جس نے اس کو دو بنا دیا، اس نے اس کو تقسیم کر دیا، جس نے اس کو تقسیم کر دیا، وہ اس سے جاہل رہا اور جو اس سے جاہل رہا، اس نے اس کی طرف اشارہ کیا، جس نے اس کی طرف اشارہ کیا، اس نے اس کی حد مقرر کی اور جس نے اس کی حد متعین کی، اس نے اس کو شمار کیا...۔''[3]

یہ اقتباس، جس کو یہ جھوٹ بانی اور افترا پردازی کرتے ہوئے امیر المومنین کی طرف منسوب کرتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب وسنت سے ثابت شدہ صفات کی تعطیل اور نفیِ صفات کو کمال توحید قرار دینے کے عقیدے پر مشتمل ہے، جو جہمیہ کا عقیدہ ہے، جنھوں نے اپنے اصول میں ''توحید'' کو شامل کیا اور اس میں نفیِ صفات کو داخل کر دیا۔

ان کے قول کا خلاصہ اور انجام کار ذات کی تعطیل اور نفی پر آ کر ختم ہوتا ہے، کیونکہ صفات کی نفی ذات کی نفی کی طرف لے جاتی ہے، کیوں کہ صفات سے خالی ذات کے وجود کا خارج اور حقیقت میں تصور محال ہے۔

پھر جہمیہ کا تعطیلِ صفات کا مذہب چوں کہ حلول اور وحدت الوجود کے مذہب تک پہنچا دیتا ہے[4]، اس لیے یہی، جیسے ظاہر ہوتا ہے، اس کے توحید خاص اور خاص الخاص کے موقف کی دلیل اور بنیاد ہے، ان کی گمراہی کی حدود کو جاننے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ اس توحید کو، جو رسولوں نے پیش کی، جس کے ساتھ کتابیں نازل ہوئیں اور اللہ نے پہلوں اور پچھلوں تمام لوگوں کا حکم دیا، اپنی توحید کے مراتب میں سے سب سے نیچے والا درجہ

---

[1] عقائد الإمامية الاثنیٰ عشرية (ص: ٢٤)

[2] المصدر السابق.

[3] المصدر السابق.

[4] دیکھیں: شرح الطحاوية (ص: ١٦)

خیال کرتے ہیں، جو ان کے نزدیک ایسا مرتبہ ہے، جو عوام کے لائق ہے اور انھی کے حال کے مناسب ہے۔ کیا ان کے پاس اس کا کوئی علم بھی ہے، جسے ہمارے سامنے یہ پیش کر سکیں؟![1]

یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، جو اس کے رسول ﷺ پر نازل ہوا۔ یہ سنتِ رسول ﷺ ہے اور یہ رسول ﷺ کے بعد بہترین زمانوں کے علما کا کلام، کیا یہ تقسیم ان میں سے کسی ایک سے بھی منقول ہوئی ہے؟ یہ اس سلسلے میں صرف اور صرف اپنے شیوخ اور زندیقوں کے اقوال کے پیچھے چلتے ہیں، ان کے پاس گمان کی پیروی، نفس کی پوجا اور شیطانی الہامات کے سوا علم کی کوئی راہ نہیں۔

آپ کے لیے یہی جان لینا کافی ہے کہ شیعہ کا ان مقامات پر چلنے کا منتہائے مقصود، جو ان کے اعتراف کے مطابق لا الٰہ الا اللہ کے معنی کا مدلول نہیں، سالک کو مقامِ الحاد تک پہنچاتا ہے، جسے حلول یا وحدت الوجود کے نام سے جانا جاتا ہے۔[2]

---

[1] المصدر السابق.

[2] شیخ الاسلام نے ذکر کیا ہے کہ امت محمدیہ ﷺ میں وحدت الوجود کے نظریے کا آغاز تاتاریوں کی حکومت قائم ہونے کا زمانہ ہے۔ (مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام: ۲/ ۱۷۱)

امامت

امامت معاصرین کے اقرار کے مطابق نبوت کی طرح[1]، نبوت کا تسلسل[2] یا پھر نبوت کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف ہی سے تعیین کا نام ہے۔[3]

یہ شیعہ کے نزدیک اسلام کا ایک رکن ہے۔ کاشف الغطا کہتا ہے:

''شیعہ نے اسلام کے ارکان میں ایک اور رکن کا اضافہ کیا ہے، جو امامت ہے۔''[4]

شیعہ میں ان کے اس غلو میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، جس کے متعلق گذشتہ مباحث میں گفتگو ہو چکی ہے، لیکن ان کی کتابوں میں جو اسلامی دنیا کے لیے لکھی جاتی ہیں، تین مسائل کے متعلق ایک نیا دعویٰ ضرور سامنے آیا ہے:

- امامت کے منکر کی تکفیر۔
- مسلمانوں کی حکومتوں پر کفر کی حکومت ہونے کا حکم لگانا۔
- صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تکفیر۔

پہلا مسئلہ؛ امامت اور شیعہ کے دیگر اصول و عقائد کے منکر مسلمانوں کی تکفیر کے متعلق معاصرین کا موقف:

اس مسئلے میں آپ کو معاصرین کے دو موقف ملیں گے، جن کو ان کے اصول سے ناواقف یہ سمجھ سکتا ہے کہ وہ دو مختلف موقف ہیں:

① امامت کا منکر اسلام سے خارج نہیں ہوتا اور یہ موقف اس شخص کی مخالفت اور تردید کرتا ہے، جو کہتا ہے کہ شیعہ دوسروں کو کافر کہتے ہیں۔

---

[1] محمد حسين آلِ كاشف الغطا: أصل الشيعة (ص: ٥٨) خليل ياسين: الإمام علي (ص: ٣٢٧) باقر القريشي: الرسول الأعظم مع خلفائه (ص: ١٨)

[2] المظفر: عقائد الإمامية (ص: ٩٤)

[3] السماوي: الإمامة (١/ ٦٥)

[4] أصل الشيعة (ص: ٥٨) یہ اس کا اعتراف ہے کہ ارکانِ اسلام میں امامت کا اضافہ شیعہ کی طرف سے کیا گیا ہے۔

② تقیہ اور لگی لپٹی لگائے بغیر کھلے عام تکفیر کا اعلان کرتا ہے۔

پہلے موقف کی بابت محسن امین، موسیٰ جار اللہ کے اس اعتراض ''شیعہ کی کتابیں صریحاً تمام فرقوں کو کافر اور ناصبی قرار دیتی ہیں۔''[1] کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے:

''اے اللہ تو پاک ہے! یہ بہت بڑا الزام ہے۔ کوئی شیعہ بھی یہ عقیدہ نہیں رکھتا، بلکہ ان کا اتفاق ہے کہ اسلام شہادتین کے اقرار کا نام ہے، جس پر مسلمانوں کے تمام فرقے قائم ہیں، ما سوائے اس کے جو دین کی ضروریات، جیسے وجوبِ نماز، شراب کی حرمت وغیرہ میں سے کسی ضرورت اور بدیہی طور پر معلوم چیز کا انکار کرے۔ مسلمانوں میں اختلاف کی اصل اور بنیاد خلافت کا معاملہ ہے، جو بداہتاً دین کی ضروریات میں شامل نہیں، کیوں کہ دین کا ضروری معاملہ وہ ہوتا ہے، جو تمام مسلمانوں کے نزدیک ضروری ہو اور یہ اس طرح نہیں۔''[2]

محمد حسین آلِ کاشف الغطا کہتا ہے:

''جو امامت پر ایمان نہیں رکھتا، وہ عام معنی میں مسلم اور مومن ہے، جس پر اس کے خون کی حرمت، مال اور عزت کی حرمت، اس کی حفاظت کا وجوب اور اس کی غیبت[3] کی حرمت وغیرہ جیسے تمام اسلام کے احکام مرتب اور لاگو ہوتے ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ امامت کا اعتقاد نہ رکھنے کی وجہ سے، معاذ اللہ، مسلمان ہونے سے نکل جاتا ہے، البتہ امامت کو دین ماننے کے اثرات قیامت کے دن قربت اور کرامت کی منازل میں ضرور ظاہر ہوں گے۔''[4]

عصرِ حاضر کے کچھ دیگر شیعہ نے بھی اس سے ملتی جلتی رائے دی ہے۔[5] جہاں تک دوسرے موقف کا تعلق ہے، تو ابھی تک ان کے شیوخ اور آیات میں سے کوتاہ قیمت اور گھٹیا لوگ اُسی گمراہی کا ہذیان بکتے اور صریحاً

---

① الوشيعة (ص: ١٠٥) کتبِ شیعہ سے اس کا اثبات گزر چکا ہے۔ (ص: ٧٩٦)

② محسن الأمين: الشيعة بين الحقائق والأوهام (ص: ١٧٦) أعيان الشيعة (١/ ٤٥٧)

③ پھر تم لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں کیوں دیتے ہو، کیوں کہ وہ تمھارے اقرار کے مطابق صرف امامت میں اختلاف رکھتے ہیں؟

④ أصل الشيعة (ص: ٥٨۔ ٥٩)

⑤ دیکھیں: عبد الحسين الموسوي: أجوبة مسائل جار الله (ص: ٣٩) محمد حسين الزين العاملي: الشيعة في التاريخ (ص: ٣٢) الخنيزي: الدعوة الإسلامية (٢/ ٢٦٠) محمد جواد مغنية: الشيعة في الميزان (ص: ٢٦٩) لطف الله الصافي: مع محب الدين في خطوطه العريضة (ص: ٩٥)

مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں، مثلاً شیعہ کا عالم علی یزدی حائری،[1] عبدالحسین الرشتی[2] اور عبدالہادی فضلی[3] اس زمرے میں شامل ہیں۔

جب کہ ان میں بعض علما دونوں ہی مسلکوں پر چلتے ہیں، یعنی حالات اور مواقع کی مناسبت سے کبھی تکفیر کی طرف آ نکلتے ہیں تو کبھی دوسری طرف جا نکلتے ہیں، کیوں کہ تقیے میں بڑی گنجایش ہے!

ان میں محمد رضا مظفر کا شمار ہوتا ہے، جو اپنی کتاب "عقائد الإمامية" میں کہتا ہے:

''شیعہ کے نزدیک، جو شہادتین کی گواہی دیتا ہو، وہ مسلمان ہے، خواہ جو بھی اس کا مذہب ہو۔''[4]

لیکن وہ اپنی کتاب "السقيفة" میں رسولِ کریم ﷺ کی وفات کے بعد تمام مسلمانوں پر مرتد ہوجانے کا حکم لگاتا ہے، اس کے الفاظ ہیں:

''نبی اکرم ﷺ فوت ہوگئے اور ضروری ہے کہ تمام مسلمان، اب مجھے نہیں پتا، اپنی ایڑھیوں کے بل پھر گئے ہوئے (یعنی دین سے پھر گئے ہوں)۔''[5]

دیکھیے! یہ کس طرح صحابہ رسول، قرابتِ رسول اور تمام امت پر ارتداد کا حکم لگاتا ہے اور ہر ایک کے ایمان میں بھی شک کا اظہار کرتا ہے، اس غلو تک کو سابقہ شیعہ میں سے بھی ''کاملیہ'' کے سوا کوئی نہیں پہنچ سکا۔

---

[1] جس کو یہ "شيخ الفقهاء والمجتهدين، حجة الاسلام والمسلمين، آية الله الكبرىٰ في العالمين" کہتے ہیں، اسلام اس سے بری ہے، اس کی کتابوں میں "إلزام الناصب في إثبات الحجة الغائب" کا نام بھی ہے، لہٰذا اہلِ سنت اور وہ تمام لوگ جو اس کے مہدی معدوم کے مخالف ہیں، وہ سب اس کی رائے میں نواصب ہیں، یہ ۱۳۳۲ھ کو ہلاک ہوا۔

[2] یہ اپنے گروہ کے سوا تمام امت پر کافر ہونے کا حکم لگاتا اور یہ رائے رکھتا ہے کہ امت کے کفر کا سبب ۔نعوذ باللہ۔ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ وہ کہتا ہے: ''ابوبکر اور عمر، یہ دونوں قیامت تک اس امت کی گمراہی کا سبب ہیں۔'' (كشف الاشتباه، ص: ۹۸) دیکھیے! کس طرح یہ علما و شیوخ قصہ پارینہ ہوجانے والی صدیوں کے زندیقوں کے افکار کی زنجیروں میں ابھی تک جکڑے ہوئے ہیں!!

رشتی یہ قول، جس کا وہ علانیہ اظہار کر رہا ہے، شیخ موسیٰ جار اللہ کی تردید میں لکھتا ہے، جس کا یہ مطلب ہوا کہ تقیے کے سائے اور اثر نے بہت کچھ چھپا کر رکھا ہوا ہے اور جو ابھی تک چھپا ہوا ہے، وہ اس سے بہت سنگین ہے۔

[3] جو یہ مقرر کرتا ہے کہ امامت دین کا ایک رکن ہے۔ (التربية الدينية، ص: ٦٣) یعنی ان کی امامت کا منکر دین کے رکن کا منکر ہے اور وہ کافروں کی فہرست میں شامل ہوجاتا ہے۔

اس کی جرأت دیکھیے کہ اس کو اس کے وطن سے نکال دیا گیا اور یہ اہلِ سنت کے درمیان رہ کر، ان کی نعمتیں کھا کر، اس منکر اور برائی کو گھڑ رہا ہے۔ (یہ عراقی نژاد تھا، سعودیہ میں رہ رہا ہے اور وہاں ایک یونیورسٹی میں کام کر رہا ہے)۔

[4] عقائد الإمامية (ص: ١٥٥)

[5] السقيفة (ص: ١٩)

فرقہ کاملیہ کی طرف یہ منسوب کیا جاتا ہے کہ وہ حضرت علی کو اپنے حق کے مطالبے سے دست برداری کی وجہ سے کافر کہتے ہیں اور صحابہ کو حضرت علی کی بیعت نہ کرنے کی وجہ سے کفر کی سولی پر چڑھاتے ہیں۔

لیکن اس گروہ کا آج اس نام کے ساتھ وجود باقی نہیں رہا اور یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اس زمانے میں کوئی بھی اس مذہب کا قائل نہیں رہا، لیکن پھر بہت جلد یہ گمان بھی چھپ گیا۔ اب یہ اس زمانے میں اثنا عشریہ کی گود میں تربیت پا رہا ہے اور شیعہ کے بعض بڑے علما کھلے عام اس مذہب کا اظہار بھی کرتے ہیں۔

اثنا عشری مذہب اپنے مدونات اور جوامع کی صورت میں، جو شذوذ اور انحراف پر مبنی آرا و افکار سے بھری پڑی ہیں، بہت ساری غالی فرقوں کو پیش کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے اور اس کے لیے تیار بیٹھا ہے۔ یہ صرف شیعہ کے عالم مظفر کا موقف نہیں، بلکہ ان کے معاصر علما میں کئی ایک اس کے ہم خیال ہیں۔[1]

یہ دونوں مواقف بہ ظاہر ایک دوسرے سے مختلف نظر آتے ہیں، لیکن یہ حقیقت میں ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ جو امت کے مسلمان ہونے کا فتویٰ اور حکم پیش کرتے ہیں، وہ ان سے مختلف نہیں، جو امت کو کافر کہتے ہیں، لیکن یہ کس طرح ایک ہی ہیں؟ تو اس کی تفصیل سنیے: وہ کہتے ہیں، ہم صرف ظاہر میں لوگوں پر مسلمان ہونے کا حکم لگاتے ہیں، لیکن باطن میں وہ شیعہ فرقے کے اجماع کے ساتھ کافر اور مخلّد فی النار ہیں۔

اس حقیقت کی وضاحت ان کے قدیم علما نے بھی کی ہے اور معاصرین نے بھی، پھر اگر آپ ان کے کلام اور گفتگو پر تامل کریں، جو کہتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو کافر نہیں کہتے، تو آپ کو اس میں، اس مذہب کے اشارات ضرور ملیں گے۔ جو شخص اس کے متعلق ان کے عقیدے کو جانتا ہے اور ان کے تقیے کے اسلوب سے بھی واقف ہے، وہ اس حقیقت کا ادراک کر لیتا ہے۔

شیعہ کے جن سابقہ علما نے اس کا صریحاً ذکر کیا ہے، ان میں شہیدِ ثانی زین الدین بن علی العاملی،

---

[1] مثلاً: عبدالحسین موسوی کو دیکھیے! جو اپنی متعدد کتابوں میں یہ دعویٰ کرتا ہے کہ شیعہ مسلمانوں کو کافر نہیں کہتے۔ (دیکھیے: رسالة إلى المجمع العلمي العربي بدمشق، ط: النجف ١٣٨٧ھ و كتابه: أجوبة مسائل جار الله، ص: ٣٩ اور اس کی دیگر کتب) لیکن وہ جلیل القدر صحابی، اسلام کے راوی حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) کو کافر کہتا ہے، بلکہ وہ ہر اس شخص کو کافر قرار دیتا ہے، جو اس کے بارہ اماموں پر ایمان نہیں لاتا، کیوں کہ وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ''ان کی ولایت دین کے اصول میں داخل ہے۔'' (الفصول المهمة، ص: ٣٢) وہ روایات جو مطلق موحدین کے ایمان کے بارے میں نقل ہوئی ہیں، انھیں بارہ ائمہ کی ولایت کے ساتھ مخصوص کرتا ہے، کیوں کہ وہ مغفرت کا دروازہ ہیں۔ وہی بخشا جائے گا، جو اس میں داخل ہوگا۔ (المصدر السابق، ص: ٣٢) پھر یہ مقرر کرتا ہے کہ ''جس نے اس مسئلے (امامت) میں تاویل کی یا غلطی کی۔ وہ ان کے اجماع کے ساتھ غیر معذور ہے۔'' (المصدر السابق، ص: ٤٥)

(المتوفی ۹۶۶ھ) کا نام آتا ہے، جو کہتا ہے:

''مخالفین (اہلِ سنت اور ان کے علاوہ دیگر مسلمان) کے اسلام کے قائلین ان پر ظاہر میں مسلمانوں کے اکثر احکام کے اطلاق صحیح ہونا مراد لیتے ہیں، اس وجہ سے نہیں کہ وہ حقیقت میں مسلمان ہیں، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ان کے جہنم رسید ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔''[1]

وہ مزید کہتا ہے:

''گویا اس میں (یعنی ظاہری طور پر ان کو مسلمان سمجھنے میں) مومنوں (یعنی ان کا گروہ، کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ایمان کا وصف اور صفت صرف ان کے لیے خاص ہے) کے لیے تخفیف ہے، کیوں کہ انھیں اکثر اوقات اور کثیر جگہوں پر ان کے ساتھ میل جول رکھنے کی بڑی شدت کے ساتھ ضرورت پیش آتی ہے۔''[2]

شیعہ کا شیخ ملا باقر مجلسی کہتا ہے:

''بعض روایات سے بلکہ اکثر سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دنیا میں بھی کفار ہی کے حکم میں ہیں، لیکن چونکہ اللہ کے علم میں تھا کہ ظلم کے امام اور ان کے پیروکار شیعہ پر غالب رہیں گے اور انھیں ان کے ساتھ میل جول رکھنے کی آزمایش سے گزرنا پڑے گا، تو اللہ تعالیٰ نے کشادگی کرتے ہوئے ان پر اسلام کے احکام جاری کر دیے۔ جب قائم ظاہر ہوجائے گا تو ان پر تمام امور میں تمام کافروں کی طرح کے احکام لاگو ہوں گے اور آخرت میں وہ جہنم میں جائیں گے، وہاں کفار کے ساتھ ابد تک رہیں گے، اس توجیہ کے ساتھ ان روایات کا تعارض ختم ہوجاتا ہے، جس طرح مفید اور شہید ثانی نے بھی یہی اشارہ کیا ہے۔''[3]

اب معاصرین کے اقوال کی طرف آتے ہیں۔ شیعہ آیت عظمی شہاب الدین حسین مرعشی نجفی کہتا ہے:

''دینِ اسلام کے اصول کی دو اقسام ہیں: ①اس پر مسلمان کے حکم کا اطلاق ہوتا ہے، جو وحدانیت اور رسالت کی شہادت دے۔ ②اس پر آخرت میں نجات، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھٹکارا، اس کی رضا کا حصول اور جنت میں دخول موقوف ہے۔ جو اس کا اعتراف نہ کرے، اس پر جنت کا

---

[1] دیکھیں: بحار الأنوار (۸/ ۳۶۸)

[2] دیکھیں: بحار الأنوار (۸/ ۳۶۸)

[3] المصدر السابق (۸/ ۳۶۹۔ ۳۷۰)

داخلہ حرام ہے اور اس کو کافروں کی جماعت کے ساتھ جہنم میں دھکیل دیا جائے گا، اس قسم کا نام اصولِ ایمان ہے۔''

پھر کہتا ہے:

''اس قسم میں امامت کا اعتقاد اور امام کا اعتراف داخل ہے۔''

نیز کہتا ہے:

''اس کی دلیل صحابہ کا نبی ﷺ کی رحلت کے بعد مرتد اور دوبارہ کافر ہوجانا ہے، جب کہ یہ ایک معلوم بات ہے کہ نبی ﷺ کی رحلت کے بعد صحابہ سے کوئی ایسا کام سرزد نہیں ہوا، جو کفر کی طرف پھیرنے کا باعث اور سبب ہو نہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نبی ﷺ کی رسالت کی گواہی ہی سے منہ موڑا، سوائے اس کے کہ انھوں نے امامت کا انکار کیا۔''[1]

اس تفصیل کے بعد تقیے کی بدلی چھٹ جاتی ہے اور واضح ہوجاتا ہے کہ بعض معاصر جو اپنے مخالفین کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتے تو وہ اس سے ''ظاہر اسلام'' مراد لیتے ہیں اور یہ ان کی اصطلاح ہے۔ اگر آپ ان کے کلام پر نظرِ تامل ڈالیں تو آپ اس کے جوہر سے آشنا ہوجائیں گے۔

آلِ کاشف کے قول پر غور کیجیے کہ اس نے بھی اس مذہب کی طرف اشارہ کیا ہے، جب وہ کہتا ہے:

''البتہ امامت کو دین بنانے کا اثر قیامت کے دن قربت اور کرامت کی منازل میں ضرور ظاہر ہوگا'' تو وہ یہی مذہب پیش کرتا ہے۔ اس کے باوجود بعض نام نہاد اہلِ سنت نے اس کے کلام کو وزنی بنا دیا ہے۔[2]

خطا اینجا است دلبر تو حقیقت آشنا نہیں!

جہاں تک محسن امین کی بات ہے تو اس نے اپنے کلام کے کئی جملوں میں اس باطل مذہب کا رمزیہ انداز میں ذکر کیا ہے، مثلاً اس کا کہنا: ''اسلام وہ ہے جس پر تمام فرقوں کا اجماع ہے۔'' بلاشبہہ کچھ ایسے فرقے ہیں، جو بالاتفاق اسلام سے خارج ہیں، لیکن وہ یہاں اپنی اصطلاح میں اسلام مراد لے رہا ہے۔

پھر اس کا یہ کہنا: ''سوائے اس کے جس نے دین کے کسی ضروری اَمر جیسے وجوبِ نماز، یا حرمتِ شراب وغیرہ کا انکار کیا، لیکن امامت ان کے نزدیک وجوبِ نماز اور حرمتِ شراب سے کہیں عظیم تر ہے۔ جس طرح پہلے

---

[1] شهاب الدين النجفي: تعليقاته على كتاب إحقاق الحق للتستري (٢/ ٢٩٤ـ ٢٩٥)

[2] فتحي عبد العزيز: الخميني الحل الإسلامي والبديل (ص: ٥٨ـ ٥٩)

ذکر ہوا اور اس بات میں ان میں کوئی اختلاف نہیں، چنانچہ اس نے تقیے کی چادر اوڑھ کر ادنا چیز کا ذکر کر کے اعلیٰ کو مراد لیا ہے۔

اس کے بعد اس کا یہ قول: ''مسلمانوں کے درمیان اختلاف کی اصل خلافت کا معاملہ ہے اور یہ ضروریاتِ دین میں شامل نہیں ...'' اس میں بھی تقیہ ہے۔ شاید وہ شخص اس کی طرف متوجہ نہ ہو سکے، جو ان کے ''اسالیب'' سے ناواقف ہو، اس لیے یہ بھی بعض کی نظر سے اوجھل رہ گیا۔[1]

وہ یہاں مسلمانوں کے نزدیک ''خلافت'' مراد لے رہا ہے، شیعہ کے نزدیک ''مسئلہ امامت'' مراد نہیں لے رہا۔ اس لیے اس نے یہاں اس کے لیے خلافت کا لفظ استعمال کیا ہے اور یہ دونوں یعنی ''خلافت اور امامت'' ان کے نزدیک ایک دوسرے کے مکمل الفاظ متضاد ہیں۔

شیعہ کا ایک معاصر عالم کہتا ہے:

''امامت دین کی سربراہی کا نام ہے اور خلافت ملک کی سربراہی کا نام، جس طرح ان دونوں کے متعلق ذکر ہونے والی روایات سے سمجھا جاتا ہے۔''[2]

اس لیے یہ کہتے ہیں:

''علی کی امامت رسول ﷺ کی وفات کے فوراً بعد شروع ہوگئی[3] اور صحابہ نے اپنی خلافت میں دین کو سلطنت سے جدا کر دیا۔''[4]

دوسرا مسئلہ؛ اسلامی حکومتوں کے متعلق شیعہ کا موقف:

جب شیخ موسیٰ جار اللہ نے کہا:

''شیعہ اسلامی حکومتوں اور ان کے قاضیوں کو طاغوت خیال کرتے ہیں۔''[5]

تو ایک آیت (شیعہ عالم) نے ان الفاظ میں ان کا جواب دیا:

''شیعہ کے نزدیک طاغوت حکومتیں اور ان کے قاضی ظالم، دغاباز اور آلِ محمد کی اللہ اور اس کے

---

1. الزعبي: لا سنة ولا شيعة (ص: ٨٤)
2. محمد علي الحسني: في ضلال التشيع (ص: ٣٨)
3. المفيد: الإرشاد (ص: ١٢) اس روایت کے الفاظ گزر چکے ہیں۔ دیکھیں (ص: ٥٨)
4. دیکھیں: الصادقي: علي والحاكمون (ص: ٨٣)
5. الوشيعة (ص: ١٠٥) شیعہ کتب سے اس کی توثیق گزر چکی ہے۔ دیکھیں (ص: ٧٨٩)

رسول کی مقرر کردہ حرمت کو پامال کرنے والے ہیں، ان کے علاوہ جو مسلمانوں کی حکومتیں ہیں تو ان کے متعلق شیعہ کا موقف ہے کہ اس معاملے میں ان کی معاونت کرنا واجب ہے، جس پر اسلام کی عزت اور حفاظت موقوف ہو اور اس کی سرحدوں اور زمین کی حفاظت و حمایت مقصود ہو۔ شیعہ کے نزدیک مسلمانوں کی مخالفت اور بغاوت کر کے ان کے شیرازے کو منتشر کرنا جائز نہیں، بلکہ ضروری ہے کہ اس کے امور کو قائم کرنے والے اور اس کی سرحدوں کی حفاظت کرنے والے بادشاہ اور سلطان کے ساتھ اس طرح پیش آیا جائے، جس طرح خلفاے حق کے ساتھ پیش آیا جاتا ہے۔''[1]

اسی اسلوب اور انداز میں ان کے دیگر علما و شیوخ نے بھی اپنے رشحاتِ فکر پیش کیے ہیں۔[2] تو کیا عصرِ حاضر کے شیعہ کے اس موقف کو ان کے مذہب کے اصل اور عقیدے سے انحراف سمجھا جائے، جس کے بارے میں گفتگو مسئلہ امامت کے تحت گزر چکی ہے، یا معاملہ تقیے اور محض مکھن لگانے کا ہے؟ کیوں کہ گفتگو ایک سنی شخص سے ہو رہی ہے اور مخاطب بھی اہلِ سنت ہیں اور جب ایسی کیفیت ہو تو یہ تقیے کے لیے سازگار ماحول ہوتا ہے؟

اس کے جواب میں میں کہتا ہوں:

ابھی تک معاصر علماے شیعہ کی ایک جماعت یہ صریحاً کہتی پھرتی ہے کہ شیعہ کا مذہب بارہ اماموں کی حکومت کے سوا کسی حکومت کا اعتراف نہیں کرتا اور اس میں وہ اپنا کوئی اختلاف ذکر نہیں کرتے۔

شیعہ کا عالم محمد جواد مغنیہ کہتا ہے:

''امامت کی شروط: یہ امام علی اور ان کے بعد آنے والے بالخصوص ان کے بیٹے حسن کے سوا کسی بھی منصبِ امامت پر فائز ہونے والے خلیفہ میں پائی نہیں گئیں، چنانچہ یہ طبعی امر ہے، جس طرح وہ کہتا ہے کہ وہ حضرت علی اور ان کے بیٹوں کے سوا کسی بھی حاکم کی امامت قبول نہ کریں اور ان کی طرف اسی نگاہ سے دیکھیں کہ وہ اہلِ بیت کے الٰہی حق کو غصب کرنے والے اور ان کو ان کے اس مقام اور مرتبے سے ہٹانے والے ہیں، جس پر انھیں اللہ نے بٹھایا تھا، لہٰذا حاکمِ وقت شیعہ کو اپنا سخت دشمن اور حکومت کی مخالف پارٹی سمجھتا تھا۔''

پھر اس کے بعد کہتا ہے:

''چنانچہ نظریہ تشیع کسی صورت حاکمِ وقت کی مخالفت سے جدا نہیں ہوسکتا، اگر اس میں یہ شرطیں نہ

---

[1] أجوبة مسائل جار الله (ص: ٣٨۔ ٣٩)

[2] دیکھیں: لطف الله الصافي: مع محب الدين الخطيب في خطوطه العريضة (ص: ٨٩۔ ٩٠)

پائی جائیں: ①وصیتِ تعیین۔ ② حکمت۔ ③افضلیت ...اس طرح وہ دینی اور ایمانی طور پر حزب مخالف کی نمایندگی کرتے تھے۔''[1]

آپ ملاحظہ کرتے ہیں کہ وہ شیعہ کی طرف عمومی طور پر ہر اس حکومت کی مخالفت منسوب کرتا ہے جو، ان کے نظریے کے مطابق، منصوص علیہ اور خدا کی طرف سے تعیین کردہ ائمہ کی حکومت نہ ہو، اس لیے وہ یہی حکم خلافتِ راشدہ اور خلافتِ نبوت پر بھی لگاتے ہیں۔

شیعہ کا شیخ صادق[2] کہتا ہے:

''خلفائے ثلاثہ اسلام کے خلاف سازش میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہیں۔''[3]

شیعہ کا دوسرا عالم کہتا ہے:

''نبی کریم محمد ﷺ کی وفات کے وقت ہی سے حاکموں کے مجرم ہاتھوں نے اسلام کے ساتھ کھلواڑ شروع کر دیا۔''[4]

اسی طرح وہ یہ رائے بھی رکھتے ہیں کہ امت اسلامیہ کی زمامِ حکومت غائب منتظر کے ہاتھ میں ہے، اس کے سوا جو بھی حکمران بنا، وہ غاصب ہے۔ شیعہ کے بعض علما اس سے شیعہ فقیہ کی ولایت کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، کیوں کہ اس کو نیابت کا حق حاصل ہے۔ شیعہ کا عالم عبدالہادی فضلی کہتا ہے:

''منتظر کی سلطنت وحکومت ہی اسلام کی سلطنت ہے۔''[5] اس کے علاوہ کوئی سلطنت نہیں۔ اس لیے وہ کہتا ہے:

''ہمیں چاہیے کہ ہم غیوبت کے زمانے میں یومِ موعود (وہ دن جس کا انتظار ہے) کے انتظار میں زندگی گزار دیں کہ جس دن کا آغاز، امام منتظر کفر کا صفایا کر کے کرے گا۔''[6]

لیکن شیعہ کا اپنے مہدی کی واپسی کا انتظار یہ معنی نہیں رکھتا کہ اسلامی حکومتوں کے ساتھ صلح رکھی جائے۔ وہ کہتا ہے: ''اس موضوع کی روایات کا خلاصہ اور انتظار سے مقصود امام منتظر کے ظہور کے لیے سازگار ماحول اور

---

[1] الشيعة والحاكمون (ص: ٢٤)

[2] وہ اپنے بارے میں خود کہتا ہے کہ وہ نجف کے حوزہ علمیہ (علمی مرکز) کا نمایندہ ہے۔

[3] علي والحاكمون (ص: ٧٨، ٨٣)

[4] محمد علي الحسني: في ضلال التشيع (ص: ٥٥٨)

[5] في انتظار الإمام (ص: ٥٧)

[6] المصدر السابق (ص: ٦٧)

زمین ہموار کرنے کا حکم ہے۔'' اس کے بعد اس تمہید اور ماحول کی سازگاری کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''امام منتظر کے ظہور کی تیاری، سیاسی بیداری پیدا کر کے اور مسلح انقلاب برپا کر کے سیاسی عمل کے ساتھ ہوگی۔''[1]

ان اقوال کی روشنی میں آپ نے ملاحظہ کیا کہ وہ شیعہ حکومت کے سوا ہر اسلامی حکومت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرتے ہیں اور اپنے اعتقادات کو مختلف وسائل کے ذریعے سے پھیلا کر جو فضلی کے الفاظ میں ''سیاسی بیداری'' ہے، لوگوں کو اپنے انقلابات قبول کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ یہ امر بالکل مخفی نہیں کہ اثنا عشری علما کا یہ منہج اور مسلک اثنا عشریہ کی اس روش کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا، جس پر ان کے پہلے چل رہے تھے، اس لیے نعمانی کی "الغيبة" میں ذکر ہوا ہے:

ابو الجارود، ابوجعفر سے نقل کرتا ہے کہ میں نے ان سے کہا: مجھے کوئی وصیت کیجیے! تو انھوں نے کہا: میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہو، اپنے گھر میں بیٹھے رہو اور ہم سے نکلنے والوں سے دور رہو، ان کی کوئی بنیاد ہے نہ ان کا کوئی مقصد ہی ہے...۔''[2]

مجلسی کہتا ہے:

''ہم سے نکلنے والوں سے مراد زید اور بنوحسن جیسے لوگ ہیں۔''[3]

لہٰذا شیعہ کی روایات خروج اور بغاوت سے منع کرتی ہیں، چاہے وہ اہلِ بیت کی طرف سے ہو، تو جو ان کے علاوہ محض شیعہ کے علما ہیں، ان کا خروج کس طرح روا ہوگا؟ ان کو ابو عبداللہ نے، شیعہ کی روایات کے مطابق، ان کے مہدی کے غائب ہونے کے بعد فتنے بھڑکانے سے منع کیا اور کہا:

''اپنے گھروں میں چپکے رہو، فتنہ اس کے سر چڑھے گا، جو اس کو بھڑکائے گا۔''[4]

باقر نے کہا:

''جب تک زمین و آسمان سکون میں رہیں، تم بھی سکون میں رہو، یعنی کسی کے خلاف بغاوت نہ کرو۔''[5]

شیعہ کے شیخ نعمانی نے اس موضوع کے متعلق ایک باب قائم کیا ہے، جس کا عنوان ہے:

---

[1] المصدر السابق (ص: ٦٩)

[2] الغيبة للنعماني (ص: ١٢٩) بحار الأنوار (٥٢/ ١٣٦)

[3] بحار الأنوار (٥٢/ ١٣٦)

[4] الغيبة (ص: ١٣١)

[5] المصدر السابق (ص: ١٣٤)

"باب ما روي فيما أمر به الشيعة من الصبر والكف والانتظار في حال الغيبة، وترك الاستعجال بأمر الله وتدبيره"[1]

اس کے بعد اس نے اس موضوع کی کئی روایات نقل کیں اور ان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

''اللہ تم پر رحم کرے۔ ائمہ کی اس تربیت کو دیکھو جو انھوں نے صبر، اپنے ہاتھ کو روکے رکھنے اور کشادگی کے انتظار کے لیے کی اور جلدی کرنے والوں کی ہلاکت کا ذکر کیا...''[2]

یہ سب کچھ تیسری صدی میں اثنا عشریہ کے علما نے ثابت کیا ہے۔ معاصرین یا تو اپنے شیعہ مذہب سے ناآشنا ہیں یا وہ ''انتظار'' کو اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں دیتے، کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ وہ کبھی نہیں نکلے گا، اس لیے کہ اس کا وجود ہی نہیں۔ لہٰذا انھوں نے انقلاب اور ملک بنانے کی دعوت دی۔

یہ ہے وہ موقف جس کا معاصر شیعہ ڈھنڈورا پیٹتے ہیں، انھوں نے اسلامی حکومتوں کو کافر قرار دینے کے ساتھ ساتھ منتظر کے خروج سے پہلے پہلے ان حکومتوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنے کی بھی دعوت دی ہے، بلکہ ان کا خمینی تاکید کرتا ہے کہ ''جب تک منتظر کا ظہور نہ ہو جائے، تب تک جہاد کا آغاز کرنا جائز نہیں۔''[3]

لیکن وہ خود قوت کے بَل بوتے پر انقلاب کی سربراہی کر کے اپنی ہی بات کی مخالفت کرتے ہیں، جس طرح آگے ذکر ہوگا،[4] کیونکہ ان کا مذہب علما کی خواہشات اور مرضی کا غلام ہے اور وہ حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ بدل جاتا ہے، پھر ان کے نزدیک تاویلات کا دروازہ اتنا وسیع ہے کہ جس کی کوئی حدود اور قیود نہیں۔

اس اعتقاد کے نقطہ آغاز سے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی ممالک پر کافروں کی حکومت مسلمانوں کی حکومت سے کہیں بہتر ہے۔ شیخ رشید رضا مصری نے نقل کیا ہے کہ رافضی ابوبکر عطاس نے کہا:

''وہ اراضی مقدسہ پر ابن سعود کے بجائے انگریز کا حکمران ہونا زیادہ پسند کرتا ہے۔''[5]

شیعہ کے آیت حسین خراسانی نے ہمارے سامنے یہ حقیقت کشائی کی ہے کہ ہر شیعہ مکہ مدینہ فتح کرنے اور وہاں سے بقول ان کے وہابی حکومت ختم کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

''شیعہ گروہ وقتاً فوقتاً انتظار کرتے رہتے ہیں کہ بہت جلد وہ دن آنے والا ہے، جب اللہ تعالیٰ ایک

---

[1] المصدر السابق (ص: ١٢٩)

[2] المصدر السابق (ص: ١٣٤)

[3] تحرير الوسيلة (١/ ٤٨٢)

[4] اس بارے میں ''آیات کی سلطنت'' کا مبحث ملاحظہ کریں۔

[5] المنار (المجلد٩، ص: ٦٠٥)

مرتبہ پھر ان کے لیے یہ اراضی مقدسہ (حجاز کی سر زمین) فتح کر دے گا، تاکہ وہ وہاں امن اور اطمینان کے ساتھ داخل ہوں، اپنے رب کے گھر کا طواف کریں، اپنے مناسک ادا کر سکیں اور اپنے سادات اور شیوخ کی قبروں کی زیارت کر سکیں، اس وقت وہاں ان پر کوئی ظالم حکمران مسلط نہیں ہوگا، جو ان کی عزتیں پامال کر کے، ان کے اسلام کی حرمت ختم کر کے، ان کے حرام کردہ خونوں کو بہا کر اور ان کے محترم مالوں کو ظلم و زیادتی کرتے ہوئے لوٹ کر حد سے تجاوز کر سکے گا، اللہ تعالیٰ ہی ہماری امیدوں کو پورا کرے۔'' [1]

اس طرح یہ رافضی دیارِ مقدسہ کو فتح کرنے کی تمنا کرتا ہے۔ گویا وہ کفار کے قبضے میں ہیں اور اس خواہش کی وجہ جواز یہ پیش کرتا ہے کہ وہ حج اور زیارت کرنا چاہتا ہے، جیسے اس پر اور اس کے فرقے پر حج اور زیارت کرنے پر پابندی ہے! لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ وہ حرمین شریفین میں توحید کو ختم کر کے شرک قائم کرنا چاہتا ہے۔

اگر ایک طرف شیعہ کے علما علی الاعلان یہ کہتے ہیں اور دوسری طرف وہ ہے جس پر ان کے اصول مقرر ہیں تو پھر عبدالحسن اور اس کے ہمنواؤں کے قول کی کیا حقیقت ہے؟

زمینی حقیقت یہی ہے کہ اس کا قول شیعہ علما کے اقوال سے قطعاً مختلف نہیں، جن سے ہم نے استدلال کیا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس نے اپنے کلام کو توریہ کے اسلوب میں اس طرح ڈھال کر پیش کیا ہے، جس سے وہ شخص دھوکا کھا جاتا ہے، جو تقیے میں ان کے اسالیب اور طریقوں سے ناواقف ہو۔

وہ کہتا ہے:

''شیعہ کے نزدیک حکومتوں اور ان کے قاضیوں میں طاغوت وہ ہیں، جو آلِ محمد پر ظلم ڈھانے والے ہیں۔''

یہ بات کہہ کر وہ اپنے موقف سے بالکل باہر نہیں نکلا، کیوں کہ وہ مسلمانوں میں حضرت علی اور ان کے بیٹے حضرت حسن کے سوا تمام حکمران بننے والوں کو آلِ محمد پر ظلم کرنے والوں میں شمار کرتے ہیں، کیوں کہ امامت کا منصب انھی کے ساتھ خاص ہے اور ان کا ایسا حق ہے، جس میں کوئی بھی ان کے ساتھ شریک نہیں، لہٰذا ان کے سوا جو بھی حکمران بنے گا، وہ ان پر ظلم کرنے والا شمار ہوگا۔ اس لیے ابن بابویہ کہتا ہے:

''جس نے امامت کا دعویٰ کیا، لیکن وہ (شیعہ کا) امام نہ ہو تو وہ ظالم ملعون ہے۔'' [2]

بنا بریں وہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو ان (آلِ محمد) پر سب سے پہلا ظلم کرنے والا خیال کرتے ہیں۔

---

[1] الإسلام علی ضوء التشیع (ص: ۱۳۲۔ ۱۳۳)

[2] الاعتقادات (ص: ۱۱۲)

اپنی اس بات میں کہ ''شیعہ ان کی یعنی حکام کی اس معاملے میں معاونت کو واجب سمجھتے ہیں، جس پر اسلام کی عزت موقوف ہو۔'' وہ روافض کے منہج سے بالکل انحراف نہیں کر رہا۔ ''اسلام کی عزت'' سے اس کی مراد اپنے فرقے کے مذہب کی نصرت ہے، یعنی مسلمانوں کی حکومتوں کو گرانے کے لیے، یا شیعہ کو اپنا مذہب پھیلانے کے لیے اقتدار و قوت مہیا کرنے کے لیے، یا ان کے وسائل کو استعمال کرتے ہوئے اپنی سرگرمیوں کو مالی معاونت فراہم کرنے کے لیے ان میں داخل ہونا واجب ہے... اس لیے آپ شیعہ کے امام خمینی کو دیکھتے ہیں کہ جب نصیر الدین طوسی نے خلافت اسلامیہ کو گرانے اور شیعہ مذہب کے اظہار کی نیت سے ہلاکو خاں کا وزیر بننا قبول کیا تو اس نے کہا:

''شیعہ کا بادشاہوں کے قافلے میں شامل ہونا جائز تقیے میں داخل ہے، خصوصاً جب اس کا اس میں عملی طور پر شامل ہونا اسلام اور مسلمانوں کی نصرت کے لیے ہو، جس طرح نصیر الدین طوسی شامل ہوا۔''[1]

لہٰذا آپ دیکھتے ہیں کہ اس قوم کا مذہب غلو اور انتہا پسندی میں ہی آگے بڑھا ہے۔

تیسرا مسئلہ؛ معاصرین کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق موقف:

اس سے پہلے ان کے اصول کی روشنی میں ہم نے صحابہ کرام کے متعلق اس گروہ کا جو مذہب پیش کیا ہے، کیا اس میں کوئی تبدیلی آئی ہے، خصوصاً اتحاد بین المسلمین کی کوششوں اور چہار طرف سے کافر دشمن کے امت پر جھپٹنے کے بعد...؟

اتنی طویل صدیاں گزر چکی ہیں اور ابھی تک امت اس قرآنِ کریم کے سائے میں تربیت پانے والی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نسل سے کوئی بہتر، اشرف، افضل اور عظیم تر نسل پیش نہیں کر سکی، تو کیا شیعہ کے دل و دماغ اس حقیقت کو قبول کرنے کے لیے کشادہ ہو چکے ہیں اور کیا انھیں صحابہ کی ردّت کے افسانے کی سنگینی اور آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان گھڑی گئی کشمکش اور مخاصمت کا اندازہ ہو گیا ہے، جس کو نسل در نسل ان کی قدیم کتابیں نقل کر رہی ہیں؟

کیا اب بھی ان کے لیے وقت نہیں آیا کہ تنزیل الٰہی، سنتِ مطہرہ، اجماعِ امت اور دین و تاریخ سے بداہتاً معلوم شدہ امور پر ایمان لے آئیں اور انھیں اختیار کرنے یا ان جھوٹوں کے نقل کردہ بے قیمت مواد اور نیچے رہ جانے والے تلچھٹ کو نقل کر کے دھوکے میں پڑے رہنے کے درمیان، عقل سے کام لیتے ہوئے موازنہ

---

[1] الحكومة الإسلامية (ص: ١٤٢)

کریں، جن کی مذمت اور جھوٹ کی طرف ان کی نسبت زمانہ بھر میں مشہور ہے۔

کیا عقلِ سلیم جھوٹوں کی ایک ٹولی کی تصدیق اور تمام صحابہ کرام کی، جن سے اللہ راضی ہوا اور وہ اللہ سے، تکذیب قبول کر سکتی ہے؟

وہ تمام صفحات، جو اس دین کو حاصل کرنے اور ہم تک پہنچانے والے صحابہ عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تکذیب یا تکفیر اور ان پر لعن طعن سے سیاہ کیے گئے ہیں، وہ درحقیقت دینِ اسلام اور رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن و تنقید ہیں، اس لیے شیعہ میں سچے اور مخلص مسلمانوں کو ایک دوسرے کے قریب دیکھنے کی خواہش رکھنے والوں کا یہ فرض بنتا ہے کہ صحابہ کرام میں سے بھی بہترین افراد کو لعنت و تکفیر کا نشانہ بنانے والے ان شاذ، منحرف اور ملحدانہ اقوال سے براء ت کا اعلان کریں اور پہلے اپنی قوم کے سامنے پھر تمام مسلمانوں کے سامنے عمومی طور پر بیان کریں کہ یہ روایات اور اقوال بعض قدیم منحرف اور گمراہ گروہوں کی آرا و افکار ہیں، ان کا اور ان پر عمل کرنے والوں کا گناہ تا قیامت انھی کے سر ہوگا، اس طرح وہ اس نفرت کو زائل کر سکتے ہیں، جو قدیم زمانوں سے لے کر اب تک اہلِ سنت کے دلوں میں بیٹھ چکی ہے...۔

ان کے ازالے کا سب سے مفید طریقہ یہ ہے کہ وہ بیان جاری کریں کہ وہ ان آرا کی صحت کا عقیدہ نہیں رکھتے، جس سے دنیا کے ہر کونے میں بسنے والے مومن وحشت اور نفرت محسوس کرتے ہیں۔ کوئی بھی سچا مومن جب یہ جانتا ہے کہ ایک ایسا فرقہ بھی ہے، جو اس امت کے صدیق پر، جن کے ایمان کو اگر پوری امت کے ایمان کے ساتھ تولا جائے تو ان کے ایمان کا پلڑا بھاری ہو جائے، یا اس امت کے فاروق پر کہ جنھوں نے اسلام کی اتنی عمدگی اور مہارت کے ساتھ خدمت کی ہے اور ایسے کام کیے ہیں، جو آج تک کوئی نہیں کر سکا، لعنت کرنا دین ہے، تو کیا اس کے بعد وہ اس مذہب کا مطالعہ کرنا بھی پسند کرے گا؟

وہ کون سا مومن ہے، جس کو علم ہو کہ یہ فرقہ سب و شتم اور لعن طعن کو دین کا درجہ دیتا ہے، پھر بھی ان کی آرا اور افکار پر اعتبار کرے؟ ان گندگیوں اور آفتوں کا ازالہ اہلِ سنت اور شیعہ کو ایک دوسرے کے قریب کرنے کا بنیادی رکن اور اساس ہے، اگر یہ مسلمانوں کے ساتھ الفت اور یکجہتی پیدا کرنے کے دعوے میں سچے ہیں تو پھر ضروری ہے کہ وہ اس تبدیلی اور ان گندگیوں کے ازالے کا ایسا اعلان کریں[1]، جو اہلِ سنت کے بلاد و ممالک میں اپنے اعتقادات پھیلانے کے لیے سازش کی بدنیتی سے پاک ہو۔

---

[1] دیکھیں: محمد أبو زهرة: الإمام الصادق (ص: ١٢)

تو کیا فرماتے ہیں شیعانِ عصرِ حاضر بیچ اس مسئلے کے؟ عصرِ حاضر کے شیعہ سے ایک آدمی نکلا ہے، جو ''احمد الکسروی'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ استاذ محمود ملاح نے اس کے متعلق کہا ہے:

''جب سے صفحہ ہستی پر شیعہ کا نام ظاہر ہوا ہے، تب سے لے کر اب تک شیعہ[1] کی دنیا میں اس کے وزن کا کوئی آدمی ظاہر نہیں ہوا۔[2] یہ طہران یونیورسٹی میں پروفیسر رہا ہے اور کئی عدالتی مناصب پر بھی فائز رہا ہے۔''[3]

کسروی نے صحابہ کے متعلق شیعہ کے مذہب کا باطل ہونا بے نقاب کیا ہے اور ان اساطیر سے نکل آیا ہے، جو اس حاسدی ٹولے نے صحابہ کے متعلق بنائی ہیں کہ وہ حضرت علی کی منصوص علیہ امامت کی مخالفت کی وجہ سے مرتد ہوگئے۔ اس نے اس مذہب میں اپنے فرقے کی گمراہی واضح کرتے ہوئے کہا ہے:

''جو انھوں نے یہ کہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی موت کے بعد تین یا چار کے علاوہ تمام مسلمان مرتد ہوگئے، تو یہ ان کی جھوٹ اور بہتان کی بہت بڑی جرأت ہے، کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے: وہ اس وقت ایمان لائے، جب آپ ﷺ کی دوسرے لوگوں نے تکذیب کی، آپ کا دفاع کیا، آپ کے لیے مشقتیں اٹھائیں، جنگوں میں آپ ﷺ کی مدد کی، کبھی اپنی جانوں کو نبی ﷺ پر ترجیح نہ دی اور وہ نبی ﷺ کے ساتھی تھے، وہ کس طرح مرتد ہوگئے، پھر ابوبکر کی خلافت میں ان کا کیا مفاد تھا، جس کے لیے وہ اپنے دین سے بھی پھر جاتے؟ ان دونوں باتوں میں کون سا احتمال زیادہ آسان ہے، ایک یا دو مفاد پرست آدمیوں کا جھوٹا ہونا یا سیکڑوں مخلص مسلمانوں کا مرتد ہوجانا؟ اگر تمھارے پاس اس کا کوئی جواب ہے تو دو۔''[4]

کسروی کے اس نقطہ نظر اور رجحانِ فکر کا اثر اور نتیجہ تھا کہ بعض تعلیم یافتہ افراد اس کے گرد جمع ہوگئے، نوجوان اس کی طرف متوجہ ہوئے اور ہزاروں نے اس کو گھیر لیا، وہ اس کی نصرت کرنے، اس کی آرا کو پھیلانے اور اس کی کتابیں شائع کرنے کے لیے کمر بستہ ہوئے، لیکن اس کے حریف روافض نے، اس سے پہلے کہ اس کی

[1] شیعہ اور شیعی میں رافضہ اور رافضی دونوں شامل ہیں، صرف شیعہ نہیں، وگرنہ یہ اطلاق درست نہیں۔

[2] محمود الملاح: الوجيز على الوجيز، ضمن مجموع السنة (ص: ٢٧٨)

[3] کسروی کے متعلق تفصیل کے لیے دیکھیں: يحيىٰ ذكا: مقدمة "كاروند كسروي" أي مقالات الكسروي، و مقدمة كتاب التشيع والشيعة، و معجم المؤلفين (٢/ ٥٣)

[4] التشيع والشيعة (ص: ٦٦) اس کا ذکر گزر چکا ہے، یہاں ہم نے اسے صرف اس کی اہمیت کے پیشِ نظر اور مناسبت کی بنا پر دوبارہ نقل کیا ہے۔

دعوت ظاہر ہوتی اور پھیلتی، اس کو قتل کر دیا۔[1]

بعض ایسے شیعہ معاصرین کی تحریریں بھی سامنے آئی ہیں، جو بہ ظاہر اہلِ سنت اور شیعہ کے درمیان یکجہتی اور قربت پیدا کرنے کے داعی ہیں، لیکن حقیقت میں ان کی یہ تحریریں شیعہ کے اعتقادات کا دفاع اور شیعہ مذہب کی تبلیغ واشاعت کے لیے اہلِ سنت کے ممالک کو مخاطب کر کے لکھی گئی ہیں۔

یہ اس بات پر مشتمل ہیں کہ شیعہ خلفاے ثلاثہ کی تکفیر تو درکنار وہ ان کو گالی بھی نہیں دیتے اور وہ اصحابِ رسول ﷺ کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، چنانچہ خنیزی اپنی کتاب ''الدعوة الإسلامية إلى وحدة أهل السنة والإمامية'' میں کہتا ہے:

''امامیہ، اس زمانے میں، خلفا کے احترام میں قطعاً کمی نہیں کرتے، یہ دیکھیے ان کی تحریریں ہیں اور یہ ان کی کتابیں جو علانیہ طور پر خلفا کو سب وشتم کرنے کی تردید کرتی ہیں اور ان کی تعریف کرتی ہیں۔''[2]

خنیزی کہتا ہے: جنھوں نے صریحاً اس کو گالی دینے کی نفی کی، ان میں محمد باقر کا شمار ہوتا ہے، جو کربلا کا ایک مشہور مجتہد ہے، وہ اپنی نظم میں کہتا ہے، جو بمبئی میں چھپی:

فلا نَسُبّ عمراً كلا ولا   عثمان والذي تولى أولا
ومن تولى سبهم ففاسق   حكم به قضى الإمام الصادق

''ہم عمر اور عثمان کو قطعاً گالی نہیں دیتے، جو پہلے منصبِ خلافت پر فائز ہوئے، جس نے ان کو گالی دی، وہ امام صادق کے فیصلے کے مطابق فاسق ہے۔''

پھر کہتا ہے:

وعندنا فلا يحل السب   ونحن أيم الله لا نسب[1]

''ہمارے نزدیک گالی دینا جائز نہیں اور ہم خدا کی قسم! گالی نہیں دیتے۔''

---

[1] اس بارے میں معلومات کے لیے اس کے گزرے ہوئے مصادرِ ترجمہ کو ملاحظہ کریں۔ بعض بھائیوں نے مجھے بتایا ہے کہ وہ ایک الحادی نقطۂ نظر رکھتا تھا، لیکن مجھے یہ الزام ثابت کرنے کے دلائل نہیں مل سکے، ممکن ہے کہ یہ الزام اس کے خلاف روافض کے پروپیگنڈے کا حصہ ہو۔ اس شخص پر اس کی چھوڑی ہوئی عبارات اور کلمات کی بنا پر حکم لگایا جائے گا اور میں اس کی جس کتاب پر مطلع ہوا ہوں، اس میں مجھے ایسا کوئی مظہر اور نشان نظر نہیں آیا۔ مجھے اس کے مزید رسائل اور مقالات دستیاب نہیں ہوسکے، تاکہ میں اس سے مزید آگاہ ہوسکوں اور اس شخص پر بات ہی نقل کی ہے۔ اس کی دعوت کو شیعی معاشروں میں بڑا قبول حاصل ہوا ہے۔

[2] الدعوة الإسلامية (١/ ٢٥٦۔ ٢٥٧)

[3] الدعوة الإسلامية (١/ ٨)

اس لیے حنیزی حضرت عمر بن خطاب کو امیر المومنین کا لقب دیتا ہے اور ان کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' بھی لکھتا ہے۔[1] وہ حضرت عائشہ صدیقہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما کو امہات المومنین کہتا ہے، اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کو بھی امیر المومنین کا لقب دیتا ہے۔[2] وہ کہتا ہے:

''جعفر صادق فخر سے کہتے ہیں: ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے دُہرے نانا ہیں، کیوں کہ ان کی والدہ ام فروہ، قاسم بن محمد بن ابوبکر بیٹی (حضرت ابوبکر کے پوتے کی بیٹی) اور ان کی ماں: عبدالرحمٰن بن ابوبکر (حضرت ابوبکر کی پوتی) کی بیٹی ہے، اس طرح وہ ماں اور باپ دونوں کی طرف سے حضرت ابوبکر کی طرف منسوب تھی۔''

وہ کہتا ہے:

''جعفر صادق کا فیصلہ ہے: جس نے خلفائے ثلاثہ کو گالی دی، وہ فاسق ہوگیا۔''[3]

احمد مغنیہ شیعہ کا خیال ہے کہ شیعہ حضرت عمر کی تعریف کرتے ہیں اور انھیں "رضي الله عنه" کہتے ہیں۔ یہ کہنا کہ شیعہ حضرت عمر فاروق کی گستاخی کرتے ہیں، انتہائی گھٹیا قسم کی دسیسہ کاری ہے، پھر وہ اس جیسی افواہ کے پھیلنے کا سبب بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

''فرقے بازوں نے عظیم الشان خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور قاتلِ حسین عمر بن سعد کے ناموں میں مماثلت پائی تو حقیقت کو بگاڑنے اور شیعہ کے خلاف گھٹیا ترین دسیسہ کاری کرنے کے لیے اپنے سامنے کھلا میدان پایا۔ عمر بن سعد کو لعن طعن کرنے والوں کا لعن طعن کرنا ایک طبعی امر تھا، کیوں کہ وہ جرم کا ہیرو اور بزدل مجرموں کا قائد تھا، اس لیے کون ایسا مسلمان ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کے قاتل عمر بن سعد کو لعن طعن نہ کرے۔

''ان فرقہ پسند مجرموں نے لفظ ''عمر'' سے فائدہ اٹھایا اور کہہ دیا کہ شیعہ خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کرتے ہیں۔ میں اس وقت میں جب ان لوگوں پر غصے سے کھول رہا ہوں، جو سازشی دین کو تجارت کا مال بنانے والے، مفاد پرست اور گھٹیا مقاصد کے حامل ہیں تو میں یہ انکار نہیں کر رہا کہ کل شیعہ عوام اور سادہ لوح افراد میں ایسے لوگ بھی شامل تھے، جو ان دونوں ناموں

[1] المصدر السابق (١/ ٩)

[2] المصدر السابق (١/ ١٣)

[3] المصدر السابق (١/ ٧٤)

کے درمیان فرق نہ کر سکتے ہوں، بلکہ انھیں علم ہی نہ ہو کہ تاریخ اسلامی کی دنیا میں دو عمر گزرے ہیں، ایک نیک اور دوسرا بدبخت۔''[1]

لہٰذا اس کی رائے کے مطابق دونوں ناموں میں مشابہت کا ہونا اور فرقہ پسند دشمنوں کا اس سے فائدہ اٹھانا اور ماضی میں بعض ایسے عوام کا موجود ہونا جو دونوں عمروں میں فرق نہیں کر سکتے تھے، ان تمام امور نے حضرت عمر کو گالی دینا شیعہ کی طرف منسوب کیا۔ جہاں تک شیعہ کی کتابیں اور ان کے علما ہیں تو وہ اس الزام سے بَری ہیں، کیوں کہ وہ ان کو پاک باز خلیفہ اور رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ سمجھتے ہیں ...!!

ایک عراقی رافضی مصر میں شیعیت پھیلانے کے لیے آیا اور اس نے وہاں اس غرض کے لیے ''جمعیت اہلِ بیت'' کے نام سے ایک تنظیم قائم کی، وہ اپنے آپ کو عربی جمہوریہ مصر میں شیعہ کا امام کہتا تھا۔[2] باوجودیکہ صلاح الدین ایوبی کی زبردست کوششوں کے بعد مصر میں شیعہ کا نام ونشان تک مٹ گیا۔ اس شخص نے مصر سے ''تقدير الإمامية للصحابة'' کے نام سے ایک کتاب شائع کی، اس رسالے میں اس نے شیعہ سے شیخین اور ان کی بیعت کرنے والوں پر لعنت بھیجنے یا ان کو کافر کہنے کی نفی کی ہے۔[3]

وہ کہتا ہے:

''اگر شیعہ ان کو کافر کہیں تو انھیں حضرت علی کو بھی کافر کہنا پڑے گا، کیوں کہ انھوں نے ان دونوں کی بیعت کی اور سلمان وعمار کو بھی کافر کہنا پڑے گا، کیوں کہ ان دونوں نے بھی ان دونوں کی بیعت کی، بلکہ سلمان تو حضرت عمر کے عہدِ خلافت میں مدائن کے گورنر رہے ہیں۔ ان کے بارے میں یہ کس طرح سوچا جا سکتا ہے کہ وہ حضرت عمر کو کافر بھی کہیں اور ان کی حکومت میں کام بھی کریں؟''[4]

پھر کہتا ہے:

''شیعہ قرآن پر ایمان رکھتے ہیں، اس میں اصحابِ رسول کی تعریف اور ثنا خوانی ذکر ہوئی ہے، پھر اس نے اس کے لیے سورۃ التوبہ کی آیت نمبر (۱۰۰) اور سورۃ الفتح کی آیت نمبر (۲۹) سے استدلال کیا ہے، اس کے بعد نہج البلاغہ اور صحیفہ سجادیہ سے ان کی تعریف پر مشتمل اقتباسات نقل کیے ہیں۔''[5]

---

[1] أحمد مغنية: الإمام جعفر الصادق (ص: ١١٣۔ ١١٤)

[2] اس کا ایک پمفلٹ دیکھیں: مع الإمام علي في نهجه (ص: ٦٤)

[3] تقدير الإمامية للصحابة (ص: ٣٦)

[4] دیکھیں: المصدر السابق (ص: ٣٧۔ ٣٩)

[5] المصدر السابق (ص: ٣٩۔ ٤٢) ط: القاهرة.

اس کے بعد اس نے صحابہ کی تعریف میں اپنے بعض معاصر علما کے اقوال پیش کیے ہیں اور باقر الصدر کے اس قول سے استدلال کیا ہے:

''صحابہ کرام، پہلے مومن اور روشن کرن ہونے کی وجہ سے امتِ رسالت کے آغاز کے لیے افضل اور صالح ترین بیج تھے۔ انسان کی تاریخ نے آج تک کوئی ایسی نظریاتی نسل نہیں دیکھی، جو اس سے زیادہ عمدہ، شریف اور پاکیزہ ہو، جس کو رسولِ قائد ﷺ نے بنایا تھا۔''[1]

اس کے بعد اس موضوع پر اپنی گفتگو کو وہ ان الفاظ پر ختم کرتا ہے:

''جو ان کی طرف اس چیز کی نسبت کرتا ہے (یعنی صحابہ کو گالی دینے کی نسبت) یا تو وہ بدنیت دشمن ہے، یا اس نے شیعہ مذہب کے متعلق حریفوں کی کتابوں میں پڑھا ہے اور اس کو خود اس مذہب کو ماننے والوں کی کتابیں پڑھنے کا موقع نہیں ملا۔''[2]

بیروت میں جعفری عدالت کے سربراہ کی تفسیر الکاشف میں محمد جواد مغنیہ کہتا ہے:

''شیعہ صحابہ کی عزت پر ہاتھ نہیں ڈالتے۔ وہ زین العابدین علی بن حسین کے قول سے استدلال کرتا ہے، جو صحیفہ سجادیہ میں ان کی رسولوں کے پیروکاروں کے لیے دعا ہے، اس کے الفاظ ہیں:

"اللهم وأصحاب محمد خاصة الذين أحسنوا الصحبة والذين أبلوا البلاء الحسن في نصره... وفارقوا الأزواج والأولاد في إظهار كلمته، وقاتلوا الآباء والأبناء في تثبيت نبوته..."[3]

''اے اللہ! بالخصوص اصحابِ محمد ﷺ پر، جن کی صحبت صحیح رہی اور ان کو اسلام کی نصرت کے لیے بڑی آزمایشوں سے دوچار ہونا پڑا، انھوں نے اعلاے کلمۃ اللہ کے لیے بیویاں اور اولاد چھوڑ دی اور آپ ﷺ کی نبوت ثابت کرنے کے لیے اپنے بیٹوں اور باپوں سے بھی لڑائی کی۔''

پھر وہ کہتا ہے:

''یہ مناجات اور دعائیں صحیفہ سجادیہ میں وارد ہوئی ہیں، جس کا شیعہ بہت زیادہ احترام کرتے ہیں

---

[1] المصدر السابق (ص: ٤٣۔ ٤٦) باقر صدر کے کلام کے لیے اس نے "التشيع ظاهرة طبيعية" (ص: ٨٠) کا حوالہ دیا ہے۔

[2] تقدير الإمامية للصحابة (ص: ٤٦۔ ٤٧)

[3] الصحيفة السجادية (ص: ٤٣۔ ٤٤)

اور اس کا ایک ایک حرف ان کے لیے مقدس ہے۔[1] یہ اس شخص کے لیے منہ بند کر دینے والا جواب ہے، جو کہتا ہے کہ ''شیعہ صحابہ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔''[2]

عصرِ حاضر کے کئی دیگر شیعہ سے بھی اس طرح کے اقوال منقول ہیں۔[3]

نقد و تبصرہ:

کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق شیعہ کا موقف واقعی بدل چکا ہے؟ کیا یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں، وہ حقیقت ہے یا تقیہ اور محض دکھاوے کا حسنِ سلوک؟

ہم خنیزی، احمد مغنیہ، رفاعی، محمد جواد اور ان تمام سے، جو کہتے ہیں کہ ہم صحابہ کا احترام کرتے ہیں اور ہم ان کی گستاخی نہیں کرتے اور ہم انھیں ''رضي اللّٰه عنهم'' بھی کہتے ہیں، کہتے ہیں:

> ''یہ پاکیزہ کلمات ہمارے دلوں کو ٹھنڈک اور سکون پہنچاتے ہیں اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد پیدا کرنے والی اس پاکیزہ روح کو خوش آمدید! ہم ہر اس بات کے لیے اپنے سینوں کو کھولتے ہیں، جو اتفاق کی دعوت دے اور فرقے بازی کی مخالفت کرے اور صحابہ کرام کی عزت پر حملہ کرنے والے ان تمام کالے صفحات اور گندگیوں کو مٹانے والی ہر سچی کوشش کو مرحبا کہتے ہیں۔''

لیکن کیا خنیزی وغیرہ کو یہ علم نہیں کہ شیعہ لٹریچر پر مشتمل معاصر کتب خانے ایسی ایسی کتابیں شائع کر رہے ہیں، جو بہترین صحابہ کرام کی تکفیر اور ان پر سب وشتم پر مشتمل ہیں، پھر یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ عصرِ حاضر کے شیعہ صحابہ کو گالیاں نہیں دیتے اور شیخین پر تبرّا کرنا ان کے نزدیک فسق ہے؟

---

[1] امام ابن تیمیہ ان کے اس صحیفے کے متعلق کہتے ہیں، جس کو یہ علی بن حسین کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اس کے الفاظ میں اس کے ایک ایک حرف کو مقدس سمجھتے ہیں، گویا یہ آسمانی وحی ہے: ''اس کی اکثریت علی بن حسین کے نام پر گھڑے گئے جھوٹ پر مبنی ہے۔'' (منهاج السنة: ۳/ ۲۰۹)

[2] تفسير الكاشف (۱۰/ ۵۱۵)

[3] مثلاً حسین یوسف مکی عاملی کہتا ہے: ''ہم کسی کے لیے جائز قرار نہیں دیتے کہ وہ ان دونوں کو گالی دے یا ان کی شان میں گستاخی کرے، نہ ہم نے کسی کو ان دونوں کو گالی دینے کے جواز ہی کا فتویٰ دیا ہے۔ ہمارے نزدیک وہ مقامِ احترام پر فائز ہیں، ہم مسلمانوں کے درمیان محبت اور الفت کی دیواروں کو مضبوط کرنے کی بہت زیادہ آرزو رکھتے ہیں۔ (عقيدة الشيعة في الإمام الصادق، ص: ۱۹، بیروت دار الأندلس، ط: الأولى ۱۳۸۲ھ، نیز دیکھیں: المصدر السابق، ص: ۳۰)

محمد حسین آلِ کاشف الغطا کہتا ہے: ''صحابہ کرام جس عزت کی اوج ثریا پر فائز ہیں، وہاں تک خیال کے کیڑوں مکوڑوں کا اُڑنا محال ہے۔'' (أصل الشيعة، ص: ۱۱۳)

شیعہ کی ایک آیت حسین الخراسانی اپنی کتاب "الإسلام علی ضوء التشیع" میں (جو اس نے قاہرہ کے مکتبہ دار التقریب کو ہدیہ کی اور اس کے سرورق پر لکھا ہے: یہ عربی فارسی اور انگریزی، تین زبانوں میں شائع ہوئی ہے اور ایرانی وزارتِ تعلیم نے اس کو بہ نظرِ استحسان دیکھا) لکھتا ہے:

''شیعہ کا شیخین ابوبکر و عمر اور ان کے پیروکاروں پر لعنت بھیجنے کو جائز قرار دینا، رسول اللہ ﷺ کے نمونے اور نقش قدم پر چلنے کی پیروی میں ہے۔''[1]

''وہ بلاشبہہ، اس کی الزام تراشی کے مطابق، نبی ﷺ کی جناب سے نکال دیے گئے اور اللہ تعالیٰ کے سفیر (ﷺ) کے ذریعے لعنتی قرار دیے گئے۔''[2]

دیکھیے! ان کا کوئی عام آدمی نہیں، بلکہ ایک آیت اعلان کرتا ہے کہ شیعہ کا نقطہ فکر اس امت کی دو عظیم ترین شخصیات، نبیوں کے بعد بہترین انسانوں اور جن دونوں کی رسولِ کریم ﷺ نے اپنی امت کو اقتدا کرنے کا حکم دیا، ان پر لعنت بھیجنا اور انھیں کافر قرار دینا دین اور شریعت ہے، پھر یہ کیوں اس گالی گلوچ، لعن طعن اور صریح تکفیر کے وجود کا انکار کرتے ہیں، جس کا سرعام ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے اور مختلف زبانوں میں اسے چھاپا جاتا ہے؟

ان کی اردو زبان میں دعاؤں پر مشتمل ایک کتاب میرے ہاتھ لگی، جس کی شیعہ کے چھے علما نے تصدیق کی ہے، جن میں ہر ایک کو ''آیت عظمیٰ'' کہا جاتا ہے، ان میں خمینی، خوئی اور شریعت مداری کے نام بھی شامل ہیں۔ اس کتاب میں، جس کی ان چھے نے تصدیق کی ہے، عربی زبان میں تقریباً دو صفحات پر مشتمل ایک دعا مذکور ہے، جو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور دونوں کی بیٹیوں امہات المومنین عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما پر لعنت کو متضمن ہے۔

یہ دعا اس طرح ہے:

"اللهم العن صنمي قريش وجبتيها، وطاغوتيها، وإفكيها، وابنتيهما الذين خالفا أمرك وأنكرا وحيك وجحدا إنعامك وعصيا رسولك، وقلبا دينك، وحرفا كتابك، وأحبا أعدائك وجحدا آلائك ـكذاـ وعطلا أحكامك، وألحدا في آياتك ..."[3]

---

[1] الإسلام علی ضوء التشیع (ص: ۸۸، حاشیہ)

[2] المصدر السابق (ص: ۸۸)

[3] منصور حسین: تحفة العوام مقبول (ص: ٤٢٣۔ ٤٢٤) یہ مکمل دعا ملاحظہ کرنے کے لیے میری کتاب "فکرة التقریب" کے آخر میں ملحق الوثائق کو دیکھیں۔

اس طرح یہ آیات روئے زمین پر موجود ہر شیعہ سے مخاطب ہو کر اس کو کہہ رہے ہیں کہ وہ یہ دعا مانگیں اور یہ لعنت اللہ تعالیٰ کی عبادت سمجھ کر بھیجیں، تاکہ یہ لوگ اپنے پیروکاروں کے دلوں میں خیر القرون اور قیامت تک ان کی نیکی میں پیروی کرنے والوں کے خلاف حسد اور نفرت کا بیج بو دیں اور ایک دوسرے کو قریب کرنے کی تمام کوششوں کی راہ میں روڑے اٹکائیں... پھر تاکہ ان کو اس طرح یہ ضمانت مل جائے گی، ان کا باطل عیاں نہیں ہوگا، یہ اپنے آپ کو اور دوسروں کو یہ بات کہہ کر دھوکا دیتے ہیں کہ ہم تو گالی نہیں دیتے، تعاون اور قربت پیدا کرنے کے لیے آگے بڑھو!

قصہ کوتاہ! شیعہ نے دریدہ دہنی اور لعنت گوئی بالکل ترک نہیں کی، ان کے علما کا ایک گروہ ابھی تک یہ گمراہی بکتا ہے اور ان کے عوام ان کے نقشِ پا پر چلتے ہوئے گالیاں بھی نکالتے ہیں اور تکفیر بھی کرتے ہیں۔ شیخ موسی جار اللہ نے جب ایران اور عراق کے شہروں کا دورہ کیا، گھروں، مسجدوں اور سکولوں میں ان کی مجالس، محافل اور دروس میں شرکت کی تو انھوں نے انتہائی نزدیک سے یہ مشاہدہ کیا کہ شیعہ کے معاشرے میں ان کی تکفیر کس قدر عام ہے، جن سے اللہ راضی ہوا اور وہ اللہ سے، چنانچہ وہ اس حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہتے ہیں:

> میں نے سب سے پہلی جو چیز دیکھی اور جو مجھے بری لگی، وہ صدیق و فاروق، امہات المومنین عائشہ و حفصہ اور تمام عصرِ اول پر لعنت بھیجنا تھا۔ میں یہ ہر خطبے میں، ہر مجلس میں، اس کے شروع اور آخر میں سنتا، کتابوں اور رسالوں کے دیباچوں میں پڑھتا، زیارت کی تمام دعاؤں میں پاتا، حتی کہ پانی پلانے والے بھی، وہ اس وقت تک پانی نہ پلاتے، جب تک لعنت نہ بھیج لیتے اور کوئی پینے والا اس وقت تک نہ پیتا، جب تک ان پر لعنت کے تیر نہ برسا لیتا۔
>
> ہر حرکت اور ہر عمل کا آغاز محمد ﷺ اور آلِ محمد ﷺ پر درود اور صدیق و فاروق اور عثمان پر لعنت بھیجنے سے شروع ہوتا۔ جنھوں نے، ان کے دعوے کے مطابق، حضرت علی کا حق چھینا اور ان پر ظلم کیا۔ بلکہ گالیاں بکنا اور لعنت بھیجنا شیعہ کے نزدیک سب سے زیادہ مشہور رواج بن چکا ہے۔ خطیب اس سے لذت اٹھاتا ہے، سامع اس کو سن کر خوشی سے جھوم اٹھتا ہے اور جماعت ان کو سن کر راحت محسوس کرتی ہے۔"[1]

یہ خوف ناک حقیقت جس میں لعنت، تبرا اور تکفیر ان کی زبانوں پر جاری رہتی ہے، ایسے شخص کے لیے قطعاً نامانوس نہیں، جس نے بچپن ہی سے صحابہ کی نفرت کا دودھ پیا ہوا اور بچپن ہی سے اس کو تلقین کی جاتی رہی

---
[1] موسى جار الله: الوشيعة (ص: ٢٧)

کہ اس پر ٹوٹنے والے مصائب ان کی وجہ سے تھے اور جس کے سامنے ہر سال ایسے ڈرامے پیش کیے جاتے ہوں، جو ان کے زعم میں صحابہ کی طرف سے اہلِ بیت پر ڈھائے گئے ظلموں کی تصویر کشی کریں۔

"الوشیعة" کے مصنف (شیخ موسیٰ جار اللہ) نے جو ان کے اعمال دیکھے، ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے: ان تمام ڈراموں اور کھیلوں میں دشمنی، نفرت اور اشتعال کا سبق پڑھایا جاتا ہے۔[1] بلکہ یہ خیر القرون اور ان کے پیروکاروں کے خلاف نفرت اور حسد کے بیج بونے کے مدارس ہیں۔

یہ ان کے عوام کے افعال نہیں، بلکہ ان کے شیوخ اور آیات کی کارستانیاں ہیں۔ وہ مختلف وسائل اور ذرائع کے ساتھ ان کو اس پر بھڑکاتے اور اکساتے ہیں۔ شیعہ کے آیت اور مرجع محمد آلِ کاشف الغطا کے سامنے یہ سوال پیش کیا گیا کہ مولانا حجۃ الاسلام ان غمزدہ جلوسوں کے بارے میں کیا فرماتے ہیں، جن کو جعفریہ عشرہ محرم میں، اس کربناک واقعے کی تمثیل پیش کرنے کے لیے جس رسولِ کریم ﷺ کی مجاہد اولاد کو قتل کر کے آپ ﷺ کی بے حرمتی کی گئی، ان کو جن حالات کا سامنا کرنا پڑا، جو ان کے بچوں پر گزری، انھیں بے دردی سے قتل کیا گیا، ان شہدا کی تمثیل میں، اس سب کے اظہار کے لیے اور چیخ کر، پیٹ کر، نوحہ کر کے، رو کر، گریہ زاری کر کے، سینوں پر ہاتھ مار کے اور اپنی پشتوں پر زنجیریں مار کر اظہارِ غم کی ان تمام اقسام کے ساتھ اپنے حزن وغم کے اعلان کے لیے نکالتے ہیں، تو کیا یہ تمام اعمال شریعت میں جائز ہیں یا نہیں؟ ہمیں اس کے بارے میں فتویٰ دیں۔ جزاک اللہ!

تو شیعہ کے آیت نے ان الفاظ میں اس سوال کا جواب دیا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ذٰلِكَ وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ﴾ [الحج: ٣٢۔ ٣٣]

"یہ اور جو اللہ کے نام کی چیزوں کی تعظیم کرتا ہے تو یقیناً یہ دلوں کے تقوے سے ہے۔ تمھارے لیے ان میں ایک مقرر وقت تک کئی فائدے ہیں، پھر ان کے حلال ہونے کی جگہ اس قدیم گھر کی طرف ہے۔"

بلاشبہہ یہ غم ناک جلوس اور اس دکھ بھرے واقعے کی تمثیل فرقہ جعفریہ کا سب سے عظیم شعار اور نشانی ہے۔"[2]

وہ اپنے دین کی اس خطرناک بدعت کو، جو سب سے بڑا باطل ہے، اللہ تعالیٰ کے شعائر اور علامات میں

[1] المصدر السابق (ص: ٢٦)

[2] الآيات البينات (ص: ٥)

شمار کر رہا ہے۔ اگر یہ ان کے مرجع کی رائے ہے تو پھر عام آدمی کا کیا حال ہوگا، حالانکہ ان جلوسوں میں اپنی جان کو تکلیف دی جاتی ہے اور بسا اوقات اس کو قتل بھی کیا جاتا ہے۔ صحابہ و تابعین کو کافر کہا جاتا ہے، نوحہ گری ہوتی ہے، سینہ کوبی ہوتی ہے اور مخلوق کو پکار کر شرک کیا جاتا ہے اور اس میں وہ سارے کام ہوتے ہیں، جن کا اسلام میں باطل ہونا بداہتاً ہر ایک کو معلوم ہے، اس کے باوجود شیعہ کا شیخ محسن امین بڑے فخر سے کہتا ہے:

''اس نے دمشق میں مجلسِ عزا کروائی، جس میں، اس کے گمان کے مطابق، لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے شرکت کی، جس کا اختتام ہیجان خیز اور شدید سینہ کوبی پر ہوا۔''[1]

یہ اعمال جن کو یہ ہر سال محرم کے مہینے میں کرتے ہیں، ان کا صحابہ کو گالی دینے اور اللہ کے ساتھ شرک کا اعلان کرنے کے سوا کوئی دوسری موضوع نہیں ہوتا۔ ہر طرف یہ آوازیں گونجتی ہیں: ''یا حسین، یا حسین'' پھر عصرِ اول پر لعنت کے مسموم تیر برسائے جاتے ہیں اور خصوصی طور پر خلفاے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو اس کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

یہ عمل لوگوں کے دلوں میں نفرتوں کو بو رہا ہے، جن کی کوئی حد نہیں، اس لیے آپ شیعہ کے معاصرین کو دیکھتے ہیں کہ وہ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان خود ساختہ کشمکش کے بارے میں اس طرح لکھتے ہیں، گویا وہ وقت کی حقیقت اور ایسا خطرہ ہے، جس سے امت کا وجود خطرے میں ہے!

علی ہذا القیاس صحابہ کی تکفیر اور ان پر تبرّا بازی کے مظاہر ابھی بھی موجود اور کئی دیگر چینلز اور ذرائع پر جاری ہیں۔ شیعہ کے علما اس گمراہی پر تعاون کر رہے ہیں، ان کو اس پر اکسا رہے ہیں اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کر رہے، ان موجود مظاہر اور جاری نہروں کی، جو صرف تمے کے درختوں کی آبیاری کر رہی ہیں اور فرقے بندی، حسد اور ناختم ہونے والی نفرت کا بیج بو رہی ہیں، درج ذیل صورتیں موجود ہیں:

- قدیمی رافضی ثقافتی (علمی) ورثے کے احیا، ترویج اور اشاعت کے لیے ایک بڑی سرگرم تحریک سرگرم عمل ہے۔ یہ ورثہ مہاجرین و انصار اور ان میں سرفہرست خلفاے ثلاثہ، امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ[2] کے سوا باقی عشرہ مبشرہ صحابہ کرام پر تبرا بازی، تکفیر اور ان کو مخلّد فی النار قرار دینے سے بھرا ہوا ہے۔

لہٰذا یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اس زمانے کے شیعہ گالیاں نہیں دیتے، حالاں کہ انھوں ہی نے ان

---

[1] رسالة التنزيه لأعمال الشبيه (ص: ٣٠)

[2] جب کہ اس طرح امیر المومنین حضرت علی بھی (شیعہ کے اعمال کی بنا پر) بلا واسطہ ان تمام کفریات سے حصہ پاتے ہیں، جس طرح ان کی روایات پر تامل کرنے سے واضح ہوتا ہے۔

کالے صفحات کو نئے لباس پہنا کر اپنے اَتباع کے درمیان بلا تنقید وتبصرہ شائع کیا ہے۔

(1) شیعہ کے معاصر علما کا ایک بہت بڑا مجموعہ ہے، جو اس باطل کو پھیلانے کے لیے کل وقتی کام کرتے ہیں۔ یہ جو لکھتے اور شائع کرتے ہیں، اس کا صدر اول کی شخصیات کو گالیاں دینے اور ان پر تنقید کرنے کے سوا کوئی دوسرا مقصد ہی نہیں، گویا عصرِ حاضر کے شیعہ کو اس کے علاوہ اور کوئی غم ہی نہیں، ان کی اس تبرا بازی کے لیے مخصوص کتابیں ہیں، جو بیہودہ گوئی اور دریدہ ذہنی میں ان کی قدیم کتابوں سے بھی سبقت لے گئی ہیں، جیسے شیعہ کے معاصر عالم عبد الحسین امین نجفی کی کتاب ''الغدیر'' جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف جھوٹ، دسیسہ کاری اور تبرا بازی سے بھری ہوئی ہے، پھر اس پر ان کے متعدد علما و آیات کی تقریظات بھی ہیں۔

اس کی اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم خصوصاً خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خلاف یورش امت کے دشمنوں کی نگاہ میں پسندیدگی کا درجہ رکھتی ہے، جس طرح آپ کو یہ پسندیدگی عیسائی شاعر پولس سلامہ کے کلام میں نظر آئے گی، جو اس رافضی نے اس سے اپنے کتاب کی ساتویں جلد کے مقدمے میں لکھوایا، اس نے جو الفاظ لکھے، وہ اس الزام تراش کے امت اور دین کے خلاف کیے گئے کام کی تحسین اور اسلام کی عظیم الشان شخصیت حضرت عمر فاروق، جن کی فتوحات، جہاد اور اشاعتِ اسلام آج تک دشمنوں کے حلق میں کانٹا بن کر چبھ رہے ہیں، ان کے خلاف اس کے زہریلے پروپیگنڈے پر اس کی خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔[1]

اسی طرح شیعہ کے عالم عبد الحسین شرف الدین موسوی کی کتاب ''ابو ہریرۃ'' ہے، جس میں اس نے اسلام کے سب سے بڑے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر جھوٹ اور منافقت کی تہمت لگائی ہے، لیکن آپ دیکھیں گے کہ وہ جابر جعفی وغیرہ جیسے جھوٹوں اور احادیث گھڑنے والوں کا دفاع کرتا ہے۔[2]

---

[1] اس رافضی نے اپنی کتاب کی ساتویں جلد کے مقدمے میں اس عیسائی کی تقریظ کو شامل کیا ہے، یہ عیسائی اس میں لکھتا ہے: ''آپ نے میرا خط اپنے مقدمے میں درج کر کے میری عزت افزائی کی ہے، میں نے اس نفیس کتاب کا مطالعہ کیا تو پایا کہ سمندر کے موتی آپ کے غدیر (تالاب) میں جمع ہوگئے ہیں ...'' آپ نے بالخصوص خلیفہ ثانی کے متعلق جو کچھ کہا، اس نے میری توجہ کو اپنی طرف کھینچے رکھا، آپ کی دلیل کے کیا کہنے، وہ کتنی قوی ہے! (الغدیر: ۷/ ح)
یہ کم عقل رافضی یا اسلام کے لبادے میں چھپا ہوا زندیق اس کافر کی تعریف سے پھول گیا، لہٰذا اس نے اس تعریف کا جواب شکریے میں دینا ضروری سمجھا اور کہا: ''ہمارے پاس عیسائیوں کے محقق، آزاد قاضی اور محترم شاعر استاذ پولس سلامہ کی طرف سے خط آیا، ہم اس پر اس کا مکرّر شکریہ ادا کرتے ہیں۔'' (الغدیر: ۷/ ح)
دیکھیے! یہ رافضی جو صحابہ کرام کو ہر مذمت اور عیب کا الزام دیتا ہے، کافروں کی مدح کرتا اور ان کے قرب کا خواست گار ہے!! یہ رافضہ کی پرانی عادت ہے۔

[2] دیکھیں: المراجعات (ص: ۷۵) جیسے وہ ہشام بن حکم کا دفاع کرتا ہے۔ دیکھیں: المراجعات (ص: ۳۱۲، ۳۱۳)

شیعہ کے عالم محمد رضا مظفر کی کتاب "السقيفة" بھی اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہے، جس میں اس نے صحابہ کرام کو ایک ایسے جتھے کی صورت میں پیش کیا ہے، جس کا اسلام کے خلاف سازش کرنے کے سوا کوئی دوسرا ہدف نہیں، بلکہ اس نے یہاں تک کہا ہے:

''نبی ﷺ فوت ہوئے تو ضروری ہے کہ تمام مسلمان، میں اب نہیں جانتا، اپنی ایڑھیوں کے بل پھر گئے ہوں۔''[1]

ان کتابوں کے علاوہ اور بھی بہت سی ہیں۔[2]

- وہ دعائیں جن کو شیعہ ہر روز دہراتے ہیں، جو اس امت کے بہترین افراد، قائدینِ امت، رسول اللہ ﷺ کے پیاروں، آپ ﷺ کے سسروں اور آپ ﷺ کی بعض بیویوں پر لعنت بھیجنے سے خالی نہیں ہوتیں۔ شیعہ کی دورِ جدید میں لکھی گئی دعاؤں کی کتابیں ان کی قدیم کتابوں کے مواد سے قطعاً مختلف نہیں، جس

---

[1] السقيفة (ص: ١٩) اس نے خیار صحابہ کرام کی طرف حضرت علی کے خلاف سازش کرنے کی تہمت منسوب کی ہے۔ دیکھیں: السقيفة (ص: ٨٥)

[2] مثال کے طور پر کتاب "النص والاجتهاد" تالیف عبدالحسین شرف الدین الموسوی، اس نے اس کتاب میں صحابہ کرام کی خود ساختہ وصیتِ علی کی مخالفت کا عذر پیش کیا ہے، اس نے ان کی طرف سے یہ بڑا خبیث اور مکارانہ عذر پیش کیا ہے کہ وہ دین کو دنیا سے الگ رکھنے کے نظریے پر یقین رکھتے ہیں، اس لیے انھوں نے اس وصیت پر عمل نہیں کیا۔ یہ بالکل ننگا جھوٹ اور الزام ہے، جس کو اللہ تعالیٰ کا ان کی مدح سرائی کرنا، ان کی پرہیزگاری، زہد اور جہاد؛ یہ تمام خصوصیات بے نقاب کرتی ہیں۔
ایسے ہی: "الإمام الصادق والمذاهب الأربعة" کتاب ہے، جس کو اسد حیدری نے تالیف کیا۔ اس کتاب میں وہ خلفائے اسلام پر حملے کرتا ہے، رافضیت کی تائید کے لیے ائمہ اسلام جیسے امام احمد پر الزام تراشی کرتا ہے اور آلِ بیت کے مزعومہ مصائب کا تذکرہ کرتا ہے۔
ڈاکٹر نوری جعفر کی کتاب "علي و مناوئوه" بھی اس قسم میں شامل ہے۔ یہ صحابہ اور حضرت علی کے درمیان کشمکش کو گھڑتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ جھگڑا اور کشمکش ایسی ہی تھی، جیسی نبی ﷺ اور کفار کے درمیان تھی۔ پھر کہتا ہے: ''جب نبی ﷺ کے لیے اپنے دشمنوں کے ساتھ جھگڑے میں مدد لکھ دی گئی تھی، کیوں کہ وہ بتوں کو تھامے ہوئے تھے تو امام کے لیے نصرت میسر نہیں تھی، کیوں کہ ان کے مخالفین اسلام کی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔'' (علی ومنائوہ، ص: ١٢)
ان کا سوچنے کا انداز ماضی کے زندیقوں سے بالکل نہیں بدلا، اگرچہ یہ لکھاری پی ایچ ڈی جیسی علمی ڈگری رکھتا ہے ...ان کی ان عجیب وغریب منشورات میں سے ایک کتاب "الرسول الأعظم مع خلفائه" تالیف مہدی قریشی، بھی ہے، اس میں اس نے اپنی سوچ اور اعتقاد کی روشنی میں اسی خیال کو دوڑاتے ہوئے قیامت والے دن ابوبکر وعمر اور صحابہ کو جن حالات کا سامنا کرنا پڑے گا، ان کی تصویر کشی کی ہے اور اس نے یہ گمان کیا ہے کہ یہ مکالمے صحابہ اور نبی ﷺ کے درمیان ہوں گے، جن میں آپ ان کا حضرت علی کی بیعت ترک کرنے کی وجہ سے محاسبہ کریں گے۔

طرح ان کی کتاب ''مفتاح الجنان'' تالیف عباس قمی (معاصر) اور ''ضیاء الصالحین'' تالیف محمد جوہری اور دیگر کتابوں میں یہ مواد ملتا ہے۔

ان تمام باتوں کے بعد بھی کیا منکرین کے انکار کی تفسیر تقیے اور جھوٹ کے علاوہ کسی اور چیز سے کی جا سکتی ہے؟ لہٰذا یہ حنیزی، جو کہتا ہے کہ شیعہ گالی نہیں دیتے، کیا اس سے تجاہل عارفانہ سے کام لے رہا ہے، جو اس باب میں ان کے قدیم اور معاصر علما نے لکھا ہے؟ بلکہ اس حنیزی نے بہ ذاتِ خود اس جرمِ دشنام طرازی کا ارتکاب کیا ہے، وہ صدیقِ اکبر (رضی اللہ عنہ) پر طعن وتشنیع کرتا ہے۔[1] وہ یہ گمان کرتا ہے کہ جو ان کی کتاب ''الکافي'' میں صحابہ پر لعن طعن اور دشنام طرازی مذکور ہوئی ہے، اس جیسی گالی گلوچ اور لعن طعن صحیح بخاری میں بھی موجود ہے۔[2] یہ ایک بے بنیاد دعویٰ ہے، جو ان کی صحابہ کرام کے بارے میں اپنے مذہب کا جواز تلاش کرنے کی کوشش کے سوا اور کچھ نہیں۔ اگر صحیح بخاری میں بھی ایسی خرافات ہوتیں جو ''الکافي'' میں موجود ہیں تو اہلِ سنت میں بھی ایسے لوگ ہوتے جو شیعہ کی طرح لعن طعن کرتے اور انھیں کافر کہتے!

لیکن مسئلہ یہ ہے کہ یہ آدمی اپنا جھوٹا عقیدہ ثابت کرنا چاہتا ہے، چاہے جس ذریعے سے بھی ممکن ہو! جہاں تک استاد احمد مغنیہ کی بات ہے، جو یہ سمجھتا ہے کہ شیعہ عمر بن سعد کو گالیاں نکالتے ہیں، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو نہیں، صرف ناموں میں مشابہت کی وجہ سے وہم پیدا ہوا ہے تو کیا اس پر یہ حقیقت پوشیدہ ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شیعہ کی معتبر کتابوں میں، جن میں سرفہرست ''الکافي''، ''بحار الأنوار''، ''تفسیر القمي'' اور ''تفسیر العیاشي'' کا نام آتا ہے، لعنت وتکفیر کا نشانہ بنے ہیں؟ جس طرح ان کتابوں کے حوالہ جات پہلے نقل کیے جا چکے ہیں، اس لیے یہاں ان کے اعادے کی ضرورت نہیں۔[3]

کیا اس کے دماغ سے یہ بات بھی غائب ہوگئی ہے کہ عصرِ حاضر کے شیعہ بھی ابھی تک مسلسل اسی منہج اور راہ میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں، جس طرح ہم نے ''الغدیر''، ''السقیفة'' اور ''الإسلام علی ضوء التشیع'' کے مصنفین کے ہاں دیکھا۔

بلکہ جو اتحاد بین المسلمین کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں، ان میں بھی بہت سارے ابھی تک یہی گمراہی بکتے ہیں اور یہ الزام گھڑتے ہیں۔ شیعہ کا محمد خالصی نامی آیت، جو عراق میں ان کے بڑے مراجع میں شمار ہوتا اور شیعہ و

[1] الدعوة الإسلامیة (۱/ ۲۱)

[2] المصدر السابق (۱/ ۵۔ ۱٤)

[3] اسی کتاب کا صفحہ (۷۷۳ وما بعدھا) دیکھیں۔

اہلِ سنت کے درمیان قربت اور یگانگت کا دعویدار ہے، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ایمان میں شک کرتا ہے، اس کے الفاظ ہیں:

''اگر وہ کہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر بیعتِ رضوان کرنے والوں میں شامل ہیں، جن پر راضی ہونا قرآنِ کریم کی اس نص اور آیت میں ذکر ہوا ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ [الفتح: ١٨]

''بلاشبہہ یقیناً اللہ ایمان والوں سے راضی ہوگیا، جب وہ اس درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے۔''

تو ہم کہیں گے: اگر اس نے کہا ہوتا: وہ ان لوگوں سے راضی ہو چکا ہے، جنھوں نے آپ کی درخت کے نیچے بیعت کی، تو آیت میں ہر بیعت کرنے والے کے لیے رضائے الٰہی کی دلالت موجود ہوتی، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے یہ کہا کہ وہ ان مومنوں سے راضی ہو چکا ہے، جنھوں نے آپ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کی، تو اس میں صرف ان پر رضائے الٰہی کی دلالت ہے، جن کا ایمان محض اور خالص تھا۔''[1]

اس کا یہ معنی ہوا کہ ابوبکر و عمر کا ایمان خالص نہیں تھا، اس لیے وہ اس رافضی کے گمان اور خیال میں اللہ تعالیٰ کی رضا میں داخل نہیں۔ کیا اس سوچ سے زیادہ کوئی بیمار سوچ ہوسکتی ہے، جو ان کے ایمان کے ساتھ بیان ہی کو، ان کے بہترین افراد کے ایمان سے خارج ہونے پر دلیل قرار دے رہی ہے؟

اس لیے یہ خالصی اور اس جیسے دیگر عصرِ حاضر کے رافضی ہیں۔[2]

کیا یہ بات بھی احمد مغنیہ پر پوشیدہ رہی ہے، یا اس نے اہلِ سنت کو دھوکا دینا چاہا ہے؟! اللہ ہی حقیقت جانے، تقیہ شیعہ کی بہت بڑی مصیبت ہے۔

اب آیئے اس رفاعی کی طرف جو کہتا ہے کہ شیعہ صحابہ کا احترام کرتے ہیں اور جس نے شیعہ کی طرف اس کے خلاف کوئی بات منسوب کی، وہ دشمن اور بدنیت ہے... کیا اس کی نظر سے بھی یہ اوجھل رہا ہے کہ شیعہ کی طرف جو یہ مذہب منسوب کر رہا ہے، وہ خود ان کی اپنی کتابیں، یہ ذلت جو ان کی پیشانی پر چمک رہی ہے، خود ان کے اپنے کلینی، قمی، عیاشی اور مجلسی جیسے علما کی لکھی ہوئی ہے، یہ کسی بدنیت حریف یا ان کی کتابوں میں موجود

[1] الخالصي: إحياء الشريعة في مذهب الشيعة (١/ ٦٣۔ ٦٤)

[2] مثال کے طور پر دیکھیں: شهاب الدين النجفي: تعليقاته على إحقاق الحق للتستري (٢/ ٢٩١)

مواد سے واقف کا کام نہیں۔

بلکہ اس رفاعی نے خود اپنے کتابچے "تقدیر الإمامیة للصحابة" کو لکھنے کے لیے ملا باقر مجلسی کی "بحار الأنوار" سے رجوع کیا ہے۔[1] جو سب وشتم اور لعنت وتکفیر کے اتنے زیادہ مواد پر مشتمل ہے، جس کو سن کر مومنوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ اس نے اس میں "کفر الثلاثة" کے عنوان سے ایک باب قائم کیا[2] ہے، جس سے اس کی مراد حضرت علی سے پہلے تین خلفا ہیں۔

لہٰذا یہ کس طرح کہہ سکتا ہے کہ شیعہ صحابہ کا احترام کرتے ہیں؟ اگر وہ صحابہ کرام کے احترام کے نظریے پر ایمان رکھتا ہے تو پھر اس کو چاہیے کہ وہ اس کا شیعہ معاشرے اور ان کے حلقے میں اعلان کرے، قاہرہ میں نہیں اور اپنے امامی بھائیوں کو قائل کرنے کی کوشش کرے، تاکہ وہ اس مصیبت کو بدلیں، جو ان کی کتابوں میں بڑی کثرت سے پائی جاتی ہے، یا ان سے اعراض کریں اور ان کے غلط اور فاسد ہونے کا اعلان کریں۔ صرف ایک موجود حقیقت کی نفی کرنا دفاع میں چنداں مفید نہیں، کیوں کہ اس کو شیعہ اور شیعہ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والے غیر شیعہ سب تقیے ہی پر محمول کریں گے۔

یہ رفاعی جو قاہرہ میں اہلِ سنت کے درمیان رہ کر "تقدیر الإمامیة للصحابة" لکھتا ہے اور اپنی جدید و قدیم کتابوں میں مذکور مواد اور اپنے عوام وخواص شیعہ کی زندگی میں ہونے والے واقعات شتر مرغ کی طرح آنکھیں بند کر کے بہ ذاتِ خود خیارِ صحابہ (صحابہ میں بہترین افراد) کو گالیاں دیتا ہے اور یہ ان لوگوں میں داخل ہے، جن کے قول وفعل میں تضاد ہوتا ہے اور جو جس شئے کو جانتے اور پہچانتے ہیں، اسی کا انکار کرتے ہیں۔

وہ فاروقِ امت رضی اللہ عنہ کو سازش کا الزام دیتا ہے اور کہتا ہے:

''مسلمانوں میں سب سے پہلے انھوں نے رجعت کا قول پیش کیا۔''[3]

اسی طرح یہ حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم کو بھی گالیاں دیتا ہے۔[4]

عجیب بات یہ ہے کہ وہ محمد باقر الصدر کی کتاب "التشیع ظاهرة طبیعیة في إطار الدعوة الإسلامیة" میں مذکور مواد سے استدلال کرتا ہے، حالانکہ یہ کتابچہ رافضیت کی حقیقت کو ثابت کرنے کی ایک

---

[1] دیکھیں صفحہ (۱۵، ۱۷، ۱۹)

[2] بحار الأنوار (۲/ ۲۰۸۔ ۲۵۲) الطبعة الحجرية.

[3] دیکھیں: التشيع: لمحمد باقر الصدر (ص: ۳۰۔ ۳۱) یہ اس کا حاشیہ۔

[4] المصدر السابق (ص: ٤٦)

ناکام اور مایوسانہ کوشش ہے، وہ یہ الزام دیتا ہے کہ صحابہ کرام رسالت اور شریعت کی تبلیغ کے اہل نہیں، اس پیغام کے حامل ہونے اور اس کی تبلیغ کے لائق صرف ایک ہی شخصیت تھی، جو سیدنا علی بن ابی طالب تھے، اس دعوے میں صحابہ کی جو ہتکِ عزت ہے وہ تو ہے ہی، اس کے ساتھ ساتھ یہ ایک جاہلانہ اور احمقانہ دعویٰ بھی ہے یا پھر مفاد پرست اور حاسدانہ جو سنت مطہرہ اور اس دین کے تواتر پر حملہ کرنے کی ایک نامراد کوشش ہے۔

یہ کتابچہ دعویٰ کرتا ہے کہ ایک کا نقل کرنا، مجموعے کے نقل کرنے سے زیادہ قابلِ اعتماد ہے۔ یہ عقیدہ عصمتِ ائمہ اور تکفیرِ صحابہ کی گندگی رطوبت ہے۔ صحابہ کرام کی یہ مزعوم ثنا خوانی جو اس نے صدر کے اس کتابچے سے لی ہے، یہ صدر نے قاری کے دماغ کو سن کرنے کے لیے کہی ہے، تاکہ وہ اس کے صحابہ کرام پر لگائے گئے الزامات کی تصدیق کر سکے، رفاعی نے کلام کا پہلا اور آخری حصہ حذف کر دیا ہے، کیوں کہ یہ دونوں حصے اس کے استدلال کا بھانڈا پھوڑ دیتے ہیں۔ صدر کہتا ہے:

''باوجودیکہ صحابہ کرام پہلے مومن تھے اور وہ امتِ رسالت کی نشو و نما اور آغاز کے لیے بہترین بیج تھے ...اس کے باوجود نبی ﷺ کی زندگی ہی میں ایک ایسے رجحان کے وجود کو تسلیم کیے بنا بھی چارہ نہیں، جو مصلحت کا اندازہ کرنے اور اس کا حالات سے استنباط کرنے میں اجتہاد کو دینی نصوص پر حرف بہ حرف عمل کر کے عبادت کرنے پر ترجیح دینے کی طرف مائل تھا اور نبی ﷺ نے بہت سارے حالات میں اس رجحان کی وجہ سے کڑواہٹ برداشت کی ....''[1]

کیا آپ کو اس اقتباس میں صحابہ کی مدح نظر آ رہی ہے؟ وہ تو یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ صحابہ کرام ۔معاذ اللہ۔ نص کے ہوتے ہوئے بھی اجتہاد کرتے تھے، بلکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے احکامات کو پسِ پشت ڈال دیتے اور اپنے مفادات اور مصلحتوں کی اتباع کرتے۔ کیا یہ ہے صحابہ کا احترام؟ یہ ایک عام اور مشہور بات ہے کہ نص کے ہوتے ہوئے اجتہاد نہیں ہوتا اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت بہت بڑا جرم ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾

[النور: ٦٣]

''سو لازم ہے کہ وہ لوگ ڈریں جو اس کا حکم ماننے سے پیچھے رہتے ہیں کہ انھیں کوئی فتنہ آ پہنچے، یا انھیں دردناک عذاب آ پہنچے۔''

اس رافضی کے اپنے الزام کی تائید میں یہ تمام دعوے کہ حضرت علی کی امامت متعین اور منصوص علیہ ہے

---

[1] التشیع (ص: ٨٠)

اور صحابہ نے اپنی کسی مصلحت کی خاطر اس پر عمل کرنے سے اعراض برتا تو ہم پوچھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کی بیعت کرنے میں ان کا کون سا مفاد اور مصلحت پوشیدہ تھی؟!

رفاعی نہ صرف صدر کے کتابچے سے استدلال کرتا ہے، بلکہ اس کے باطل کی اشاعت بھی کرتا ہے اور اس کو اپنی تائید اور اس کی تقریظ کا نذرانہ بھی پیش کرتا ہے۔ یہ ایک دوسرے کتابچے میں کہتا ہے: امامیہ صحابہ کا احترام کرتے ہیں۔ یہ کون سا احترام ہے، اگر وہ ان کے سب وشتم کو احترام سے تعبیر کرتا ہے تو یہ ایک دوسری بات ہے!!

یہ لوگ کس جرأت سے جھوٹ بولتے ہیں! جہاں تک محمد جواد مغنیہ کی یہ بات ہے کہ شیعہ صحابہ کی شان میں گستاخی نہیں کرتے اور وہ علی بن حسین کے قول سے استدلال کرتا ہے، تو میں کہوں گا کہ تم نے امام علی بن حسین کے نقشِ قدم کی پیروی نہیں کی ... کیوں کہ جو تمھاری نئی اور پرانی کتابوں میں مذکور ہے اور جو تمھارے ہاں عملاً ہوتا ہے، وہ اس بات کی دلیل ہے کہ تم نے ان کے منہج اور طریقے کو چھوڑ دیا ہے۔ وہ تو تمھارے اقرار اور تمھارے ان سے نقل کرنے کے مطابق تمام صحابہ کرام کو ''رضی اللہ عنہم'' کہتے تھے، لیکن تم نے نہ اپنے امام کی اقتدا کی نہ اپنی بات میں سچ کا التزام کیا۔

مغنیہ جو یہ کلام لکھ رہا ہے، وہ اپنی کتاب "في ظلال نهج البلاغة" میں شرم و حیا کے پیکر نبی ﷺ کی یکے بعد دیگرے دو بیٹیوں کے شوہر، جیش العسرۃ کا انتظام کرنے والے، دو مرتبہ ہجرت کرنے والے اور رسول اللہ ﷺ سے جنت کی بشارت پانے والے خلیفہ راشد، ذوالنورین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتا ہے:

> ''عثمان نے سنتِ رسول ﷺ سے انحراف کیا، شریعتِ اسلام کی مخالفت کی، مسلمانوں کے اموال کے ساتھ اپنے آپ کو اور اپنے رشتے داروں کو نوازا، لہٰذا وہ محلات، کھیتوں، گھوڑوں، ساز وسامان، عمدہ لباس، غلاموں اور لونڈیوں کے مالک بن گئے، لیکن ان کے اردگرد لاکھوں بھوکے اور نادار لوگ پھر رہے تھے۔''[1]

مزید کہتا ہے:

> ''عثمان کے لیے جو حالات پیدا ہوئے، اس کے پیچھے طلحہ و زبیر اور عائشہ کا ہاتھ تھا، وہی اس کے خون کے ذمے دار ہیں....''[2]

وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور اہلِ شوریٰ کو، جن کو انھوں نے اپنے بعد خلیفہ چننے کا اختیار دیا تھا، خیانت

---

[1] مغنية: في ظلال نهج البلاغة (٢/ ٢٦٤)

[2] المصدر السابق (١/ ٢٩٢ـ ٢٩٣)

اور سازش کا الزام دیتا ہے۔[1] جب وہ یہ نفرت انگیز کلام خیارِ صحابہ کے متعلق کہہ رہا ہے، تو صحابہ کے مرتبے کا وہ کون سا احترام کر رہا ہے؟

رسول اللہ ﷺ کے لیے اس سے زیادہ اور کیا ایذا رسانی ہوگی، جس کا آپ ﷺ کو اپنی بعض بیویوں، سسرال اور خیارِ صحابہ کرام کی وجہ سے نشانہ بنایا جا رہا ہو؟

ان تمام باتوں کے بعد ہم ان رافضہ کے تناقض کی کیا تفسیر کر سکتے ہیں؟ کہیں یہ تقیہ تو نہیں؟ کیوں کہ تقیہ شیعہ کے نزدیک دین کا نوے فیصد حصہ ہے۔ جو تقیہ نہیں کرتا، اس کا دین ہی نہیں، یا یہ شیعہ اور شیعیت کو پھیلانے کے لیے کوئی سازش بھی ہوسکتی ہے؟

اس سے پہلے کہ مَیں اس موضوع سے قلم اٹھاؤں، مَیں ان کی صحابہ کرام کی مدح سرائی اور ثنا خوانی کی حقیقت کے متعلق بعض اہم حقائق اور اسرار سے پردہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہوں، جن تک شاید اس شخص کی عقل رسائی نہ کر سکے، جو ان کی کتابوں کے مطالعے اور ان کے اسالیب اور اصطلاحات میں غور وفکر کرنے کا عادی نہ ہو۔

روافض کی صحابہ کرام کی تعریف کی حقیقت:

یہ روافض، جس طرح یہ دعویٰ کرتے ہیں، اہلِ بیت کے ساتھ محبت اور موالات رکھتے ہیں، ان سے وہ اپنے بارہ امام مراد لیتے ہیں اور باقیوں کو بالخصوص ان میں سے جو امامت کی طلب کے لیے نکلے، سب وشتم، تنقید وتنقیص بلکہ تکفیر اور مخلد فی النار کرنے کا نشانہ بناتے ہیں، اسی طرح وہ بعض اوقات یہ خیال پیش کرتے ہیں کہ وہ صحابہ سے محبت رکھتے ہیں، ان سے وہ صرف ان تین یا چار یا سات صحابہ کو مراد لیتے ہیں، جو ان کی داستانوں کے بیان کے مطابق مرتد نہیں ہوئے تھے۔

جو شخص یہ حقیقت نہیں جانتا، وہ بعض اوقات ان کی اس موضوع پر گفتگو سے دھوکا کھا سکتا ہے اور وہ یہ تصور تک نہیں کرتا کہ صحابہ کی ان کے ہاں ایک مخصوص تفسیر ہے۔ یہ صحابہ کی ایک اور تفسیر بھی کرتے ہیں، جس کی تفصیل شیعہ کی بعض روایات میں ذکر ہوئی ہے۔

شیعہ کی روایات صحابہ کی تعریف کرنے اور ان کے اقوال اور اجماع کی طرف رجوع کرنے کا حکم دینے کے بعد کہتی ہیں کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا: اللہ کے رسول! آپ کے اصحاب کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے اہلِ بیت۔''[2] چناں چہ صحابہ کی اہلِ بیت کے ساتھ تفسیر کرتے ہیں۔

---

[1] المصدر السابق (۲/ ۲۔ ۳)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۸۱۳) دیکھیں۔

صحابہ کی ثنا خوانی میں ان کا ایک تیسرا مسلک بھی ہے، جس میں یہ اس کو تقیے پر محمول کرتے ہیں۔ شیعہ کے عالم طوسی نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دشنام طرازی کرنے کے بعد اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

''اگر کہا جائے: کیا ابوجعفر محمد بن علی باقر سے بیان نہیں کیا جاتا کہ جب ان سے سائل نے اس جنگ میں حضرت عائشہ کے انجام کے بارے میں پوچھا تو اس نے ان کے لیے بخشش کی دعا کی، راوی نے ان سے کہا: آپ اس کے لیے بخشش کی دعا کرتے ہو اور اس کے ساتھ موالات رکھتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہاں، کیا تجھے علم نہیں، جو وہ یہ کہا کرتی تھیں کہ کاش! میں کوئی پودا ہوتی؟ کاش! میں کوئی مٹی کا ٹکڑا ہوتی؟''

طوسی نے کہا:

''اس میں ہمارے مذہب کے خلاف کوئی دلیل نہیں، کیوں کہ ہم ان کے لیے تقیہ جائز قرار دیتے ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ سائل کوئی دشمن ہو اور انھوں نے یہ بات کہہ کر اس سے تقیہ کیا ہو، اس میں توریہ بھی مروی ہے، جو اس کو جھوٹ ہونے سے بچا لیتا ہے، اس کے بعد اس نے اس کی توبہ کو اس کی اس تمنا کے ساتھ معلق کیا ہے کہ کاش وہ کوئی درخت ہوتی، یا کوئی اینٹ ہوتی، لیکن ہم نے بیان کر دیا ہے کہ یہ کوئی توبہ نہیں۔ وہ (محمد بن باقر) اس کو بہ خوبی جانتے تھے۔''[1]

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ شیعہ صحابہ کا احترام کرتے ہیں، تو ان کا فرض بنتا ہے کہ وہ ان مسالک کے غلط اور غیر صحیح ہونے کا اعلان و اظہار کریں، ان سیاہ روایات کے باطل ہونے کا اعتراف کریں، سچ بولیں اور تضاد بیانی سے احتراز کریں، تا کہ ان کا یہ موقف قبول کیا جا سکے۔ پھر اہلِ سنت جب کہتے ہیں کہ صحابہ پر طعن و تشنیع کرنا اور ان کی تکفیر کرنا شیعہ کا مذہب ہے، تو ان کا جواب دینے کے لیے کیوں دوڑ پڑتے ہیں اور خود اپنا، اپنی کتابوں کا اور اپنے معاصر علما کا کیوں رد نہیں کرتے، جو مسلسل یہی گمراہی بکتے ہیں؟!۔عصرِ اول تو اپنے تمام تر امور سمیت گزر چکا ہے، پھر آج لعن طعن، سب و شتم اور تکفیر کا کیا فائدہ، جس سے شیعہ کی کتابیں، بازار اور مزارات بھرے ہوئے ہیں؟

حقیقت میں اس لعن طعن کا ہدف قرآن و سنت اور عمومی طور پر دین پر طعن و تشنیع کرنے (اس کی حیثیت

---

[1] الطوسي: الاستيفاء في الإمامة، الورقة (٢٨٨) النسخة المخطوطة.

مشکوک کرنے) فتنے بھڑکانے اور امت میں تفرقہ بازی پیدا کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔

اگر یہ پرہیزگار، وفا شعار، نیک طینت، قائدینِ امت، ساداتِ ملت اور زعمائے دین، جنھوں نے اسلام کو پھیلایا، سلطنتِ اسلام قائم کی، بلادِ عالم فتح کیے، انسانوں کی راہنمائی کی اور ایک ایسی تہذیب کی عمارت تعمیر کی کہ دنیا آج تک اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے، اگر یہ سابقین و اوائل عدل و انصاف، نیکی اور بھلائی اور فضائل و مناقب کے تمام تر مظاہر اور معالم کے باوجود اپنے بیٹوں، پوتوں اور آیندہ نسلوں کی طرف سے لعنت کے مستحق ہیں، تو پھر ہماری عظمتوں اور سنہری تاریخ سے کیا باقی بچتا ہے؟

ان کی تاریخ کو فسخ کرنا، جن کی اللہ اور اس کے رسول نے بھی مدح سرائی کی ہے اور سچی تاریخ نے نور کی روشنائی سے ان کی عظمتوں کو قلم بند کیا ہے، تاریخ کا سب سے بڑا جرم ہے۔ اگر یہ لوگ اسی طرح کے تھے تو پھر تعریف و ثنا کا کون مستحق ہے اور ہماری عظمتیں، رفعتیں اور قابلِ فخر تاریخ کہاں ہے؟

شیعہ معاصرین کا نظریۂ عصمت:

اس مسئلے میں معاصرین کے ہاں نیا یہی ہے کہ وہ ائمہ کی مطلقاً عصمت کے شیعہ عقیدے کے متعلق متاخرین کی رائے سے مکمل اتفاق رکھتے ہیں اور اس کو من وعن قبول کرتے ہیں۔ یہ رائے غلو اور تفریط میں انتہا پسندی کی نمایندگی کرتی ہے، کیوں کہ یہ ائمہ کے بارے میں یہ عقیدہ اور نظریہ رکھتے ہیں کہ وہ غفلت کا شکار ہوتے ہیں نہ بھولتے ہی ہیں۔

یہ مذہب چوتھی صدی میں شیعہ کی نظر میں غالی اور شدت پسند رجحان کا ترجمان سمجھا جاتا تھا، حتی کہ ان کے شیخ ابن بابویہ قمی (شیعہ کی چار معتبر کتابوں میں سے ایک کتاب: "من لا يحضره الفقيه" کا مولف) نے ائمہ سے سہو (غفلت) کی نفی کرنے کو شیعیت میں غلو کی علامت قرار دیا ہے، اس کا کہنا ہے:

''غالیوں اور مفوضہ پر اللہ لعنت کرے، یہ نبی ﷺ کے سہو کا بھی انکار کرتے ہیں ....''[1]

جو ائمہ کے سہو کا انکار کرے تو وہ تو غلو اور انتہا پسندی میں سرتاپا ڈوبا ہوا ہے۔ شیعہ کے شیخ مجلسی نے ''بہت ساری روایات اور آیات کی روشنی میں ان سے سہو کے واقع ہونے کو تسلیم کیا ہے۔''[2] لیکن ان کے متاخرین نے اس کو کوئی اہمیت نہیں دی اور انھوں نے یہ اعتقاد رکھ کر کہ ائمہ کو سہو نہیں ہوتا، اس کی مخالفت پر

---

[1] ابن بابويه: من لا يحضره الفقيه (١/ ٢٣٤)

[2] بحار الأنوار (٢٥/ ٣٥١)

ڈھٹائی اختیار کی۔ اس لیے مجلسی کو بالآخر یہ رائے دینا پڑی کہ اس مسئلے میں بہت زیادہ اشکال ہے، کیونکہ اس کے اصحاب نے بہت ساری اپنی روایات کی مخالفت پر اتفاق کر لیا ہے۔[1]

معاصرین بھی متاخرین کے نقشِ قدم ہی پر چلتے ہوئے خود شیعہ کی روایات اور شیعہ کے کبار علما کے اقوال کی مخالفت کرتے ہیں۔ شیعہ کا معاصر عالم عبداللہ ممقانی، جس کو یہ آیت عظمیٰ کا لقب دیتے ہیں، تاکید کے ساتھ کہتا ہے:

''ائمہ سے سہو کی نفی کرنا شیعہ مذہب کی ضرورت میں داخل ہو چکا ہے۔''[2]

وہ اس بات سے بھی انکار نہیں کرتا کہ شیعہ کے بعض سابقہ علما اس کو غلو خیال کرتے تھے، لیکن وہ یہ کہتا ہے:

''جس کو ماضی میں غلو سمجھا جاتا تھا، آج وہ مذہب کی ضرورت میں داخل ہو چکا ہے۔''[3]

یہ نظریہ کہ ائمہ سے سہو واقع نہیں ہوتا، شیعہ کے معاصر علما کے اقوال میں اس کی تاکید تکرار کے ساتھ موجود ہے۔ مظفر اس کو امامیہ کے ثابت شدہ عقائد میں خیال کرتا ہے اور اس میں رہ کر ان کا ادنیٰ سا اختلاف بھی نقل نہیں کرتا۔[4] خنیزی جو ''الدعوة الإسلامية إلى وحدة أهل السنة والإمامية'' کا مصنف ہے، وہ بھی اس نظریے کو ثابت کرتا ہے اور اس نے اس میں تقیے سے کام نہیں لیا۔[5]

خمینی اپنی کتاب ''الحكومة الإسلامية'' میں اپنے ائمہ کے بارے میں سہو کا تصور کرنے کی بھی نفی کرتا ہے۔[6]

اگر عصمتِ ائمہ کے دعوے کا مفہوم، قول وعمل میں ائمہ کو رسول اللہ ﷺ کے مقام و مرتبے تک بلند کر دینا ہے، جو: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى﴾ [النجم: ٣۔ ٤] ''اپنی خواہش سے نہیں بولتا، یہ تو وحیِ الٰہی ہے، جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے۔''

تو پھر یہ دعویٰ کہ ائمہ کو سہو نہیں ہوتا یا ان کے بارے میں سہو کا تصور بھی محال ہے، تو ان کے متعلق یہ نظریہ ان کو خدا اور معبود قرار دینا ہے۔ اس لیے تو شیعہ کے شیخ ابن بابویہ نے کہا ہے:

---

[1] المصدر السابق.

[2] الممقاني: تنقيح المقال (٣/ ٢٤٠)

[3] المصدر السابق.

[4] عقائد الإمامية (ص: ٩٥)

[5] الخنيزي: الدعوة الإسلامية (١/ ٩٢)

[6] الحكومة الإسلامية (ص: ١٩)

''اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اس وجہ سے سہو میں مبتلا کیا، تا کہ معلوم ہو سکے کہ آپ ﷺ بشر ہیں اور مخلوق، اس لیے آپ ﷺ کو اللہ کے سوا رب اور معبود نہ بنایا جائے۔''[1]

ابن بابویہ اور چوتھی صدی کے شیعہ علما سمجھتے تھے کہ ان روایات کی تردید (جو نبی ﷺ کے نماز میں بھول جانے کو بیان کرتی ہیں) دین اور شریعت کو باطل قرار دینے کی طرف لے جاتی ہیں۔ وہ کہتا ہے:

''اگر یہ جائز ہو کہ اس مفہوم پر دلالت کرنے والی روایت کو رد کر دیا جائے تو پھر یہ بھی جائز ہوگا کہ تمام روایات کو رد کر دیا جائے۔ ان روایات کا انکار کرنا دین اور شریعت کو باطل قرار دینا ہے اور میں نبی ﷺ کے سہو کو ثابت کرنے کے لیے اور منکرین کا رد کرنے کے ایک علاحدہ کتاب لکھنا ثواب سمجھتا ہوں۔''[2]

لیکن متاخر جماعت اور معاصر جتھے کو ابن بابویہ کی اس بات کی پروا ہے نہ ان کی نگاہ میں اس کی کوئی اہمیت، جو اس نے ان کے افسانہ تحریف کی تردید میں کہا ہے۔ انھوں نے ہر ایسے قول کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا ہے، جو دولتِ صفویہ کے علما کے طے کردہ عقائد ونظریات کے خلاف ہو۔

معاصر شیعہ نے اپنے بزرگ ''ممقانی'' کی زبان سے ائمہ سے سہو ونسیان کی نفی کو شیعہ مذہب کی ضرورت میں شمار کیا ہے۔ جس طرح پہلے ذکر ہو چکا۔ تو شیعہ کا عالم محسن امین توثیق کرتا ہے کہ شیعیت میں جو ضروری امر ہے، اس کا منکر کافر ہے۔[3]

اس کا معنی یہ ہوا کہ متاخرین شیعہ اپنے سابقہ بزرگوں کو کافر قرار دیتے ہیں، کیوں کہ وہ اس عقیدے کا انکار کرتے ہیں، جو شیعیت کی ضرورات اور ارکان میں شامل ہے، جب کہ شیعہ کے بزرگ اور متقدمین ان پر یعنی متاخرین پر لعنت بھیجتے ہیں، کیوں کہ انھوں نے غالی مفوضہ کا مذہب قبول کر لیا ہے، جو شیعہ کے ائمہ کی زبان سے ملعون ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ہم شیعہ کی ان تحریروں میں دیکھتے ہیں، جو یہ اہلِ سنت کے دیار[4] وممالک کے لیے لکھتے ہیں کہ ''ائمہ سے سہو نہ واقع ہونے کا عقیدہ تمام شیعہ کا عقیدہ ہے۔''[5] دیگر معاصر شیعی تحریروں میں شیعہ کا

---

[1] من لا يحضره الفقيه (١/ ٢٣٤)

[2] بحار الأنوار (١٧/ ١١١)

[3] محسن الأمين: كشف الارتياب، المقدمة الثانية، نیز یہ بات شیعہ کے نزدیک ''مذهب الأحكام'' (١/ ٣٨٨۔ ٣٩٣) میں ثابت شدہ ہے۔

[4] یہ محمد جواد مغنیہ کی تحریریں ہیں، جن میں ہم شیعہ کی بعض غلو اور تعصب سے آزادی دیکھتے ہیں۔ یہ اہلِ سنت کے ممالک میں چھاپی جاتی ہیں، اس لیے ان میں تقیے کا احتمال موجود ہے۔

[5] محمد جواد مغنيه: الشيعة في الميزان (ص: ٢٧٢۔ ٢٧٣)

اجماع نقل کیا گیا ہے کہ ائمہ کو سہو نہیں ہوتا۔[1] نیز یہ شیعہ مذہب کی ضرورات (بنیادی عقائد) میں داخل ہے۔[2]

اب ہم کس کی تصدیق کریں اور کس کو شیعہ مذہب کا ترجمان سمجھیں؟ اس طرح یہ ایک دوسرے ہی کو کافر کہتے اور ایک دوسرے ہی کے ساتھ اختلاف اور تناقض رکھتے ہیں اور ہر کسی کا یہی دعویٰ ہے کہ جو وہ کہہ رہا ہے، وہی اس فرقے کا مذہب ہے!

شیعہ معاصرین کا نظریۂ رجعت:

اس مسئلے میں معاصرین کے مذہب میں یہ ایک نئی لہر ہے کہ شیعہ علما کا ایک ایسا گروہ سامنے آیا ہے، جو بالخصوص، شیعہ اور اہلِ سنت کے درمیان اتحاد و یگانگت کا داعی ہے، ان کا خیال ہے کہ رجعت ایک خرافت ہے، جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

خنیزی کہتا ہے:

''وہ حق جو محققین کا مذہب ہے، وہ یہ ہے کہ بارھویں امام کے ظہور کے سوا کوئی رجعت نہیں۔''[3]

اس بارھویں امام سے شیعہ کی مراد ان کا مہدی منتظر ہے۔ معاصرین کی ایک دوسری قسم اس کا انکار تو نہیں کرتی، البتہ ان کا خیال ہے کہ اگرچہ ان کی بعض روایات میں مسئلہ رجعت کا ذکر ہوا ہے، لیکن یہ ان کے مذہب کے اصول میں داخل ہے نہ اس کا ان کے نزدیک ضرورات (بنیادی عقائد) میں شمار ہوتا ہے اور نہ یہ ان کے اعتقادات ہی میں شامل ہے، بلکہ اس کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں۔

ہاشم حسینی کہتا ہے:

''رجعت امامیہ کے اعتقادات میں داخل ہے نہ یہ شیعہ کے نزدیک ضرورات ہی میں شامل ہے۔''[4]

محمد حسین آلِ کاشف الغطا کہتا ہے:

''شیعہ مذہب میں رجعت کو دین اور عقیدہ بنانا لازم ہے نہ اس کا انکار کوئی نقصان دہ ہے، اگرچہ یہ ان کے نزدیک ضروری (بدیہی) ہے۔''[5]

---

[1] محمد آصف المحسني: صراط الحق (٣/ ١٢١)

[2] "تنقيح المقال" سے ممقانی کے حوالے سے اس کی عبارت گزر چکی ہے۔

[3] الخنيزي: الدعوة الإسلامية إلى وحدة أهل السنة والإمامية (٢/ ٩٤)

[4] هاشم الحسيني: الشيعة بين الأشاعرة والمعتزلة (ص: ٢٣٧)

[5] أصل الشيعة (ص: ٣٥)

مزید کہتا ہے:

''میرے نزدیک اس کی یعنی رجعت کی کوئی اہمیت نہیں۔''[1]

شاید قاری اس کلام میں تناقض کا ادراک کر سکے اور شاید یہ تناقض تقیے کی نشانی کے طور پر مقصود ہی ہو، جس طرح کلام کے ساتھ کھلواڑ کرنا ان کی عادت ہے! کیوں کہ اگر شیعہ کے نزدیک اس کا عقیدہ رکھنا لازمی نہیں، اس کا انکار کرنا نقصان دہ نہیں اور اس کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت بھی نہیں تو پھر یہ ان کے نزدیک ضروری کس طرح ہوسکتا ہے؟ حالاں کہ ضروری کا منکر کافر ہے، جس طرح یہ ان کے علما کا فیصلہ ہے۔[2]

شیعہ کے شیخ محمد رضا مظفر نے بھی اس کے قریب قریب ہی کام کیا ہے، وہ کہتا ہے:

''رجعت ان اصول میں داخل نہیں، جن کا اعتقاد ونظریہ رکھنا اور ان میں غور وفکر کرنا ضروری ہوتا ہے ...''[3]

پھر وہ یہ بھی کہتا ہے:

''رجعت ضروری امور میں داخل ہے، کیوں کہ اس کے متعلق آلِ بیت سے متواتر روایات منقول ہیں۔''[4]

رجعت کے بارے میں معاصرین کی جماعت کا یہ موقف ہے۔ ایک صنف اس کا انکار کرتی ہے، دوسری اس کو کوئی اہمیت نہیں دیتی تو تیسری اس کے متعلق اپنا مذہب بیان کرنے میں تردد کرتی ہے یا پھر تضاد بیانی اور ہر ایک کا یہی دعویٰ ہے کہ جو وہ کہہ رہا ہے، وہی شیعہ کا مذہب ہے۔ اب ہم کس کی بات کا یقین کریں؟ ان میں سے ہر ایک اثنا عشریہ کا بڑا عالم ہے اور یہ ایک ہی زمانے کے ہیں، اس کے باوجود ان کے اقوال میں اختلاف اور تباین پایا جاتا ہے، تو کیا یہ ان کے عقیدہ تقیہ کے آثار تو نہیں؟ کیوں کہ بعض اہلِ سنت نے رجعت کو رافضیت میں غلو اور انتہا پسندی کی علامت قرار دیا ہے، اس لیے ان کا شیخ مظفر کہتا ہے:

''رجعت کا اعتقاد امامی شیعہ پر کی جانے والی سب سے بڑی تنقید، لعن طعن اور اعتراض ہے۔''[5]

جن امور کی یہ کیفیت ہو، ان میں شیعہ کے نزدیک تقیہ جاری ہوتا ہے۔ وہ تحریریں جن سے یہ متضاد

---

[1] المصدر السابق (ص: ٣٦)

[2] دیکھیں: السبزواري: مهذب الأحكام (١/ ٣٨٨ وما بعدها) محسن الأمين: كشف الارتياب، المقدمة الثانية.

[3] عقائد الإمامية (ص: ١١٣)

[4] المصدر السابق (ص: ١١٣)

[5] المصدر السابق (ص: ١١٠)

اقوال لیے گئے ہیں، یہ شیعہ کی وہ کتابیں ہیں، جو اہلِ سنت کو مخاطب کر کے لکھی گئی ہیں، جس طرح ان کے مقدمات، مناہج اور اپنے عقائد بیان کرنے کے اسلوب سے ظاہر ہوتا ہے، لیکن جب ہم شیعہ کے دوسرے معاصر علما کی کتابوں کو دیکھتے ہیں تو وہ ابھی تک رجعت کے معاملے میں غلو اور انتہا پسندی کا شکار نظر آتے ہیں اور اس کے منکر کو مومنوں کے رتبے سے خارج خیال کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے:

''(ان کی) روایات کثیر تعداد میں کہتی ہیں کہ ''لیس منا من لم یؤمن برجعتنا'' جو ہماری رجعت پر ایمان نہیں رکھتا، وہ ہم میں سے نہیں۔''[1]

وہ کہتے ہیں:

''رجعت کا ثبوت ان امور میں ہے، جن پر سچے شیعہ اور مسلکِ حق کا اتفاق ہے، بلکہ یہ شیعہ کے مذہب کی ضرورات میں داخل ہے۔[2] اس کا منکر مومنوں کے رتبے سے خارج ہے، کیوں کہ یہ ائمہ طاہرین کے مذہب کی ضرورات میں داخل ہے۔''[3]

زنجانی اپنی کتاب ''عقائد الاثنیٰ عشریة'' میں لکھتا ہے:

''میرا اور علماے اثنا عشریہ ۔قدس اللّٰہ اسرارھم۔ کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بارھویں امام کے ظہور کے وقت شیعہ کی ایک جماعت کو دنیا میں لوٹائے گا، تاکہ وہ اس کی نصرت کا ثواب حاصل کر سکیں اور اس کی حکومت کا مشاہدہ کر سکیں، اسی طرح ظالموں، غاصبوں، آلِ محمد کا حق چھیننے والوں کی ایک جماعت کو بھی دنیا میں بھیجیں گے، تاکہ وہ ان سے انتقام لے سکے۔''[4]

''... میرا یہ عقیدہ ہے کہ جو ان جیسی چیزوں میں شک کرتا ہے، وہ ائمہ دین کے بارے میں شک کرتا ہے۔''[5]

اس کے بعد ہم اس تضاد بیانی کی کیا تفسیر اور تشریح کر سکتے ہیں؟ کیا حقیقت میں ان کی آرا میں اختلاف پایا جاتا ہے یا انھوں نے عقیدۂ تقیہ کے ساتھ ہر چیز کو حلال کر لیا ہے...؟

اگر ہم ہر بات کا ظاہری مفہوم مراد لیں تو کہہ سکتے ہیں کہ ایک گروہ ایسا ہے، جس نے اپنی گردن سے

---

[1] إبراهيم الزنجاني: عقائد الإثنى عشريه (ص: ٣٤٠) ط: الأولى، نیز دیکھیں: عبداللّٰہ شبر: حق اليقين (٢/ ٣)

[2] عقائد الإثنىٰ عشريه (ص: ٢٣٩) ط: الأولى، حق اليقين (٢/ ٣)

[3] عقائد الإثنىٰ عشرية (ص: ٢٤١)

[4] المصدر السابق (ص: ٢٣٩)

[5] المصدر السابق (ص: ٢٤٠)

تقلید کی رسی اتار پھینکی ہے اور انھوں نے اپنے اساطیر اور افسانوں کے خلاف بغاوت کا اعلان کیا ہے، اگر چہ ان کے مشہور اور متواتر ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، لیکن اس گروہ کی اس خطرناک عقیدے، یعنی تقیہ، کے ذریعے آواز دبائی جاتی ہے اور ان کے آثار کو مٹایا جاتا ہے۔ اس لیے جب تک یہ عقیدہ اس مذہب کے اصول اور رگ و پے میں داخل ہے، تب تک کوئی مصلح اس فرقے پر اثر انداز نہیں ہوسکتا اور ان کا مذہب انتہا پسندوں کا مذہب رہے گا، اعتدال پسندوں کا نہیں اور علما کے اقوال پر مبنی ہوگا، ائمہ کی روایات پر نہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ ابھی تک وہ افسانوی واقعات اور شکلیں جو اس رجعت میں وقوع پذیر ہوں گی، جنھیں ان کی روایات بیان کرتی ہیں، ان کے کلمات میں مکرر ذکر ہوتی ہیں۔ ان میں خرافاتی پہلو کو ایک طرف رکھیے، لیکن یہ کہانیاں ان کی امت مسلمہ کے خلاف دبے ہوئے احساسات، خفیہ خواہشات، نفرتوں اور سازشوں کی عکاسی کرتی ہیں۔

ایک شیعہ آدمی اپنے لیے ان خیالی جنتوں اور اپنے دشمنوں کے لیے تصوراتی ذبح خانوں کا تصور اور انتظار کر کے، جن کے واقع ہونے کی خودساختہ رجعت میں امید کی جاتی ہے، غایت درجہ کی لذت اٹھاتا ہے۔ اسی لیے وہ اپنی روزانہ کی دعاؤں میں یہ خصوصی دعا مانگتا ہے کہ وہ بھی اس واپسی (رجعت) میں شریک ہو، جس میں یہ مزعوم انتقام لیا جائے گا۔[1]

وقت بدل جانے اور صدیاں گزر جانے کے علی الرغم معاصرین کا اس کے بارے میں شعور ابھی تک نہیں بدلا۔ ان کے ایک آیت کی زبانی مزعومہ رجعت میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ پیش آنے والے حالات کا تذکرہ سنیے:

> ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ساتھیوں کی قبر کھودنا، ان کو زندہ اور تروتازہ حالت میں باہر نکالنا، پھر ان کو سولی پر چڑھا کر جلا دینا، کیوں کہ بشر نے آدم سے لے کر قیامت تک جتنے ظلم، جرم اور گناہ کیے، ان سب کا گناہ ان کے سر ہونا؛ یہ ایک بہت زیادہ پیچیدہ مسئلہ ہے۔ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں، جو اس اشکال کو ختم کر سکے، ہمارے ائمہ سے صحیح منقول ہے کہ ہماری حدیث مشکل اور دشوار طلب ہے۔''[2]

---

[1] جس طرح ان کی ''دعاے عہد'' میں ہے: "اللهم إن حال بيني وبينه الموت الذي جعلته على عبادك حتماً مقتضيا فأخرجني من قبري مؤتزراً كفني شاهراً سيفي مجرداً قناتي ملبياً دعوة الداعي في الحاظر والبادي" نیز دیکھیں: الزنجاني: عقائد الإمامية الأثنى عشرية (ص: ٢٣٦) ط: الأولىٰ.

[2] الرشتي: كشف الاشتباه (ص: ١٣١)

کیا دل میں یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ یہ خرافت اور مَن گھڑت کہانی ایک ایسے آدمی کے دل میں جاگزیں ہوجائے، جو ان کے علمی پیمانوں کے مطابق ''آیت عظمیٰ'' کے مرحلے اور ڈگری کو حاصل کرے، لیکن وہ اس کہانی کو جھوٹا کہنے کی جراَت نہ رکھے، بلکہ اس کو مشکل اور پیچیدہ امور میں شمار کرے اور اس سے نکلنے کے لیے اور خرافت کی مدد کے بغیر کوئی راہ نہ پائے کہ ان کا دین مشکل اور دشوار ہے؟ بلاشبہہ یہ صعب اور دشوار دینِ اسلام نہیں ہوسکتا، کیوں کہ یہ خلافِ فطرت ہے اور عقلیں اس کے انحراف اور بے اصولی کی وجہ سے اس کو تسلیم نہیں کرسکتیں۔ قصہ کوتاہ! رجعت کی یہ خرافت اور من گھڑت کہانی اور اس میں جو مناظر اور واقعات رونما ہوں گے، وہ ابھی تک اس گروہ کی عقلوں کے اندر گھسے ہوئے ہیں۔

شیعہ معاصرین کا نظریۂ تقیہ:

کیا معاصرین کے مذہب میں کوئی ایسی تبدیلی رونما ہوئی ہے، جو متقدمین کے مذہب و مسلک سے مختلف ہو، جس کو ہم یہاں لکھ سکیں، یا معاصرین کا مذہب اس موقف سے بالکل نہیں بدلا، جو ہم نے ان کے اسلاف سے اس عقیدے کے متعلق نقل کیا اور ان کی معتبر کتابوں میں مذکور ہے؟

شیعہ کے بعض معاصر علما کا کہنا ہے کہ صورتِ حال بدل چکی ہے۔ آج شیعہ کے ہاں تقیہ نہیں پایا جاتا، کیوں کہ شیعہ نے گذشتہ زمانوں میں اپنے اوپر ہونے والے ظلم کی وجہ سے تقیے کو اختیار کیا تھا۔ آج ظلم ختم ہوچکا ہے، اس لیے نہ تقیہ ہے، نہ جھوٹ اور نہ منافقت بلکہ سچ، صریح بیانی اور وضاحت ہے۔

شیعہ عالم محمد جواد مغنیہ کہتا ہے:

''تقیہ شیعہ کے ہاں عہدِ رفتہ، عہدِ ظلم اور دباؤ کے ایام میں تھا، آج شیعہ علانیہ ظلم کا نشانہ نہیں بنائے جاتے، اس لیے تقیہ ماضی کا قصہ بن چکا ہے!!''[1]

وہ کہتا ہے:

''مصر میں مجھ سے ایک فلسفے کے استاذ نے کہا: تم شیعہ تقیے کے قائل ہو؟ میں نے کہا: اللہ ان پر لعنت کرے، جنھیں اس کی ہم سے زیادہ ضرورت ہے۔ اب جس شیعہ علاقے میں جانا چاہتے ہو جاؤ، وہاں تمھیں تقیے کا کوئی وجود یا نشان نظر نہیں آئے گا۔ اگر یہ ہر حال میں دین اور مذہب ہوتا تو وہ اس کی اسی طرح پابندی کرتے، جس طرح وہ دین کی تعلیمات اور شریعت کے اصول اور مبادی

---

[1] مغنية: الشيعة في الميزان (ص: ٥٢، ٣٤٥) أهل البيت (ص: ٦٦ـ ٦٧)

کی پابندی کرتے ہیں۔‘‘[1]

اسی طرح ان کی کئی معاصر شخصیات جو ان کے ہاں ’’مراجع‘‘ اور ’’آیات‘‘ کے القاب و صفات سے پکاری جاتی ہیں، انھوں نے کہا ہے کہ شیعہ کے ہاں تقیہ صرف ضرورت کے وقت استعمال کیا جاتا ہے، جیسے جان، مال یا عزت کا خوف ہو، یہ شیعہ کے ساتھ ہی خاص نہیں ...شیعہ تو صرف اس وجہ سے اس اعتقاد میں نمایاں ہیں کہ ان پر ظلم بڑی کثرت سے ہوا ہے۔[2]

تو کیا جو یہ کہہ رہے ہیں، وہ حقیقت پر مبنی ہے یا تقیہ در تقیہ ہے یا باوجودیکہ مسلمانوں کے سامنے ان کی حقیقت کھل چکی ہے، پھر بھی یہ اس پر پردہ ڈال رہے ہیں؟ ذیل کی سطور میں ہم اس حقیقت کا جائزہ لیتے ہیں۔

اگر ہم ان کے ساتھ کہیں کہ شیعہ کا کوئی راز راز نہیں رہا اور ان کا کوئی عقیدہ اب ایسا نہیں، جس کے لیے ان کو تقیے کا سہارا لینا پڑے، بلکہ بر سر عام بڑی صراحت اور وضاحت کے ساتھ مسلمانوں کے سامنے اپنی پوری پٹاری کھولتے ہیں تو پھر بھی تقیے کا اثر ختم نہیں ہوا۔ شیعہ کے علما کا اپنی اور تحریروں میں اس کو استعمال کرنا موقوف نہیں ہوا۔ یہی سب سے بڑا خطرہ اور مہلک بیماری ہے، جس کو شاید وہ شخص نہ پہچان سکے، جس کا ان کی بنیادی کتابوں کے ساتھ کوئی خاطر خواہ تعلق نہ ہو۔

اس سنگینی اور خطرناک امر کی ترجمانی اس چیز میں ہوتی ہے کہ ان کے اس نظریہ تقیہ نے ان کو اپنی معتبر کتابوں میں موجود ایسی نصوص اور روایات سے استفادہ کرنے کے امکان کو مکمل طور پر ختم کر دیا ہے، جو مسلمانوں کے عقائد ونظریات کی موافقت کرتی ہیں اور شیعہ کے شذوذ و انحراف کی مخالفت کرتی ہیں۔

کیوں کہ آپ عمومی طور پر جو بھی ان کی ایسی رائے دیکھتے ہیں، جس میں انھوں نے مسلمانوں سے علاحدہ راہ اپنائی ہے تو آپ کو ان کی اپنی ہی ایسی روایات بھی ملیں گی، جو یکسر اس کی مخالفت کرتی ہوں گی، لیکن شیعہ عالم ان روایات کے ساتھ، جو ان کے شذوذ اور انحراف کی مخالفت کرتیں، مسلمانوں کے مواقف کی تائید کرتیں اور اس کی اپنی قوم کے رسم و رواج کی نفی کرتی ہیں، یہ سلوک کرتا ہے کہ یہ امام سے تقیے کے طور پر صادر ہوئی ہیں۔

---

[1] الشيعة في الميزان (ص: ٥٢)

[2] دیکھیں: محمد حسين آلِ كاشف الغطا: أصل الشيعة (ص: ١٥٠۔ ١٥٣) عبد الحسين الموسوي: أجوبة مسائل جار الله (ص: ٦٨۔ ٧٠) عبد الحسين الرشتي: كشف الاشتباه (ص: ١٣٠) محسن الأمين: الشيعة بين الحقائق والأوهام (ص: ١٨٥ وما بعدها) القزويني: الشيعة في عقائدهم وأحكامهم (ص: ٣٤٦) هاشم الحسيني: دراسات في الحديث والمحدثين (ص: ٣٢٦ وما بعدها) وغیرها.

اس اسلوب اور منہج پر عمل کرنے میں شیعہ کے معاصر علما اپنے متقدمین سے بالکل مختلف نہیں، اس لیے آپ دیکھتے ہیں کہ ان کے اصولی قواعد میں، جن کو ان کی قدیم کتابوں[1] نے مقرر کیا ہے اور جدید کتابوں نے بھی ان کا اقرار و اثبات کیا ہے[2]، یہ قاعدہ ہے کہ جب ان کی کتابوں میں احادیث میں تعارض پیدا ہو جائے، تو اس تعارض کو دور کرنے کے لیے ان روایات کو قبول کیا جائے گا، جو عامہ یعنی اہلِ سنت کی روایات کی مخالفت کرتی ہوں، کیوں کہ شیعہ کے نزدیک وہ احادیث جو اہلِ سنت کی موافقت کرتی ہیں، ان کو تقیے پر محمول کیا جائے گا۔ جب یہ ملاحظہ کیا جائے کہ ان کی احادیث میں تضاد اور تناقض ہے اور ان میں عقائد و احکام کے مختلف ابواب میں ایسی روایات بھی موجود ہیں، جو اہلِ سنت کے عقائد و نظریات اور اعمال کے ساتھ موافقت رکھتی ہیں، تو ہمیں ان کے عقیدہ تقیہ کی سنگینی کا احساس اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف کو باقی رکھنے میں اس کے آثار کا ادراک ہو جاتا ہے۔

شیعہ کی احادیث میں تناقض کا وجود، یہ دعویٰ ہم نہیں کرتے، بلکہ یہ ایسی حقیقت ہے جس کا خود شیعہ کے علما اقرار کرتے ہیں، حتی کہ طوسی نے یہ اعتراف کیا ہے کہ ان کے پاس شاید ہی کوئی ایسی حدیث ہو، جس کے مقابلے میں اس کے متضاد کوئی حدیث نہ ہو۔[3]

یہ طوسی کا اعتراف ہے، جو ان کی حدیث کی چار بڑی معتبر کتابوں میں سے دو کا مولف اور چار رجال کی معتبر کتابوں میں سے دو کا جامع ہے! اس طوسی کو اپنے آپ کو اور اپنے شیعہ کو اپنی روایات میں پائے جانے والے تضاد سے بچانے کے لیے اس کے سوا کوئی بات نہیں سوجھی کہ ہر وہ روایت جو جمہور مسلمانوں کی موافقت کرے اور شیعہ کے انحراف کی مخالفت، تو وہ تقیے کے طور پر ذکر ہوئی ہوگی۔ اس کی آپ کو "التہذیب" اور "الاستبصار" دونوں کتابوں میں دسیوں مثالیں ترجمانی کرتی ہوئی مل جائیں گی۔[4]

لہٰذا تقیے کا عقیدہ ثابت شدہ احادیث کو رد کرنے کا بہانہ، غلو کے دخول کا راستہ اور اختلاف اور فرقے

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۴۴۴) دیکھیں۔

[2] دیکھیں: تعارض الأدلة: تقرير لأبحاث محمد باقر الصدر، نشرها محمود الهاشمي (ص: ٣) نیز دیکھیں: أيضاً مجلة رسالة الإسلام، كلية أصول الدين ببغداد، العدد (٣۔ ٤) السنة الخامسة شوال ١٣٩١هـ، بحث وظيفة المجتهد عند تعارض الأدلة، داود العطار، مدرس التفسير وعلوم القرآن في الكلية (ص: ١٣٣) یہ فیکلٹی شیعہ کی ہے اور یہ مجلّہ اپنی بحوث میں شیعہ کتب پر اعتماد کرتا ہے۔

[3] دیکھیں: الطوسي: تهذيب الأحكام (١/ ٢) اس کی عبارت گزر چکی ہے۔

[4] دیکھیں: الاستبصار (١/ ٦٠۔ ٦١۔ ٦٢۔ ٦٣۔ ٦٥۔ ٦٦ إلخ)

بازی کو زندہ رکھنے کا وسیلہ تھا، اس لیے یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ آج تقیہ ختم ہو چکا ہے اور اس کا وجود مٹ چکا ہے، جب کہ شیعہ کے تمام علما نصوص اور احادیث کو رد کرنے کے لیے اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں؟[1]

اس طرح عقیدۂ تقیہ ایک ٹھوس رکاوٹ تھی، جو شیعہ کی اپنے ائمہ سے روایت کردہ ان روایات سے استفادہ کرنے کے آڑے آتی رہی، جو امت کے عقائد کے ساتھ مطابقت رکھتی تھیں، اس کے ساتھ ساتھ اس نظریے نے ہر اس معتدل اور عقل مند آواز کی تاثیر مٹا دی، جو ان کے درمیان اٹھتی رہی اور اس نے ان کو اس سے فائدہ اٹھانے سے محروم کر دیا۔

شاید یہ عقیدہ وضع کرنے والے نے اس فرقے کے لیے یہی چاہا کہ یہ اصلاح اور ہدایت سے دور رہے۔ یہ محض ایک تصوراتی کلام اور مفروضہ نہیں، جس کی حقائق تائید نہ کرتے ہوں، بلکہ شیعہ کی عملی زندگی اس کی گواہی دیتی ہے۔

مثال کے طور پر شیعہ کی سب سے بڑی مصیبت قرآن کریم میں کمی اور تحریف کی کہانیاں ہیں، جو شیعہ کے مذہب اور کتابوں میں سرایت کر چکی ہیں۔ جب شیعہ کے علما مرتضیٰ، ابن بابویہ، قمی اور طبرسی نے اس پر خامہ فرسائی کی اور شیعہ مذہب سے اس نظریے کو زائل کیا تو ان کے متاخر علما کے ایک گروہ (نعمت اللہ جزائری اور نوری طبرسی) نے اس کو تقیے پر محمول کیا۔[2]

لہٰذا یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ تقیہ شیعہ مذہب میں ختم ہو چکا ہے؟ حالانکہ اس کو ہر وقت حق کو مٹانے اور دبانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے؟ جب شیعہ کے عالم طوسی نے تفسیرِ قرآن لکھنے کا کام شروع کیا، تاویل میں ان کے مرغوب اس باطنی انتشار پسند رجحان سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کی اور تفسیرِ قرآن میں سلف صالحین کے آثار سے استفادہ کرنے کی رغبت کا اظہار کیا، تو شیعہ کے علما نے اس کے اس کام کو تقیے سے تعبیر کیا۔[3]

چناں چہ آپ ملاحظہ کرتے ہیں کہ یہ عقیدہ ان کے ہاتھ میں ایک توڑنے والا ہتھیار بن چکا ہے، جس کو غالی شیعہ اس فرقے کے غلو کے دائرے ہی میں بند رکھنے کے لیے اور جماعتِ مسلمین یا تمام اسلام سے دور رکھنے

---

1. ان کتابوں میں بکھری ہوئی ان روایات کو جمع کرنا جو ان کے انحراف کی مخالفت کرتی ہیں اور انھوں نے ان کو تقیے کی وجہ سے رد کیا ہے، اس زمانے میں ایک مفید کام ہے۔ پاک و ہند کے بعض علما نے اس منصوبہ پر کام کرنا شروع کیا ہے، مثال کے طور پر دیکھیے: "مناقب الخلفاء الأربعة في مؤلفات الشيعة" مولف: مولانا عبدالستار تونسوی۔ شاید سب سے پہلے جس شخصیت نے یہ کام کیا، وہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تھے، جنھوں نے اپنی کتاب "تحفة الإثنى عشرية" میں یہ کام کیا ہے۔
2. اسی کتاب کا صفحہ (۳۰۹) دیکھیں۔
3. اسی کتاب کا صفحہ (۲۲۳) دیکھیں۔

کے لیے استعمال کرتے ہیں، اس لیے یہ کیوں کر کہا جا سکتا ہے کہ تقیے کا زمانہ گزر چکا، جب کہ اس کے زہریلے اثرات مذہب کی رگوں میں چل رہے ہیں اور اس میں تخریب اور شکستگی کا عمل تسلسل کے ساتھ کر رہے ہیں؟

اگر آج کفر کا غلبہ ہے اور مسلمان کمزور ہیں، اس لیے اس زمانے میں شیعہ کے نزدیک تقیہ ختم ہو چکا ہے، جس طرح اس زمانے کے شیعہ کہتے ہیں، تو وہ کون سا زمانہ تھا، جس میں شیعہ نے تقیے کے نظریے اور عقیدے کو جزوِ ایمان بنایا؟

یہ لوگ خلفائے ثلاثہ کے ادوار اور اسلام کے سنہری ایام کو عہدِ تقیہ قرار دیتے ہیں، گویا وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مسلمان کی عصرِ حاضر میں حالت خلافتِ راشدہ کے عہد کی حالت سے کہیں بہتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ کے شیخ مفید نے یہ بات مقرر کی ہے کہ حضرت علی خلفائے ثلاثے کے زمانے میں تقیہ اور ظاہر داری استعمال کر کے رہ رہے تھے۔ وہ حضرت علی کی حالت کو رسولِ کریم ﷺ کی حالت کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے کہ جیسے آپ ﷺ ہجرت سے پہلے کافروں کے درمیان رہتے تھے۔[1] وہ صحابہ کرام کو خلافتِ راشدہ کے زمانے میں ان مشرکوں کی طرح خیال کرتا ہے، جن کے ساتھ رسول اللہ ﷺ رہ رہے تھے اور وہ حضرت علی کے ان کے ساتھ تعلقات کو اس طرح خیال کرتا ہے، جس طرح رسول اللہ ﷺ کے مشرکوں کے ساتھ تعلقات تھے۔

لہٰذا جس وقت مسلمان کمزور ہوں، وہ شیعہ کی عزت و رفعت کا وقت اور تقیے سے آزادی کا عہد ہوتا ہے، کیوں کہ ان کا وہ دین نہیں جو صحابہ کا دین ہے، جس کو انھوں نے اپنے نبی ﷺ سے حاصل کیا تھا۔ وہ زمانہ جس کے بہتر ہونے کی خود رسول اللہ ﷺ نے گواہی دی اور وہ جماعت جو "رضي الله عنهم ورضوا عنه" کے قرآنی خطاب کی حامل ہے، اس کا زمانہ تقیے کا زمانہ ہے اور وہ اس حاسد گروہ کی لغت میں کفر کی نسل ہے، جس نے اپنی قوم کو صراطِ مستقیم سے گمراہ کر دیا ہے۔

جب یہ گمراہی پر متفق گروہ امیر المومنین حضرت علی کے عملی عہدِ خلافت میں حیرت کا شکار ہو گئے، کیوں کہ ان (علی رضی اللہ عنہ) کے اقوال و افعال اس کے بالکل الٹ ہیں، جو یہ اپنے پیروکاروں سے کہتے رہے، تو انھوں نے حضرت علی کے زمانے کو بھی عہدِ تقیہ کہہ دیا، کیوں کہ ان کے پاس اس سے نکلنے کے لیے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

شیعہ کا "السيد السند" اور "الركن المعتمد" جیسے القاب کا حامل عالم نعمت اللہ جزائری کہتا ہے:

''جب امیر المومنین مسندِ خلافت پر بیٹھے تو وہ اس قرآن کو (جو ان کے مہدی منتظر کے پاس قرآن

---

[1] شیعہ عالم مفید سے اس روایت کی نقل گزر چکی ہے۔ دیکھیں (ص:٦١)

غائب تھا) ظاہر کرنے اور اس کو چھپانے کی قدرت نہ رکھ سکے ...۔‘‘[1]

اس طرح یہ لوگ ان واقعات کو ان کے مفہوم سے تقیے کا دعویٰ کر کے پھیر دیتے ہیں، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی مذہب کو ثابت کرتے ہیں۔ اس وقت تقیہ استعمال کرنے کی آخر کیا ضرورت تھی، بالخصوص جب معاملہ دین کی اصل یعنی قرآن کے متعلق تھا! اور اسلام اور مسلمانوں کے غلبے کے عہد میں تقیے کی کیا حاجت ہوسکتی ہے؟!

آخر یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ تقیے کا زمانہ گزر چکا ہے، جب کہ شیعہ کا سارا دین ہی اس پر کھڑا ہے اور شیعہ کے علما تقیے کے جھنڈے تلے شیعیت کے سفینے کو ہلاکت کے سمندر میں چلا رہے ہیں؟ پھر ان کی روایات اور اقتباسات پر غور کرنے والا یہ کہیں نہیں پاتا کہ تقیے کا دامن ضرورت کے وقت تھاما جاتا ہے، بلکہ اس کو دروغ بافی، دھوکا دہی، حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ شیعہ روایات تو یہاں تک کہتی ہیں کہ ائمہ ایسی مجلس میں بھی تقیے سے کام لیتے تھے، جس میں کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہوتا تھا، جس سے تقیے کی ضرورت ہو، بلکہ اس کے لیے کوئی ادنا جواز بھی نہیں ہوتا تھا۔ جس کے دلائل پہلے گزر چکے ہیں۔[2]

اگر تقیہ آج تک شیعہ مذہب میں کام کر رہا ہے اور اس کو بلاضرورت استعمال کیا جاتا ہے، جس طرح شیعہ کی روایات کہتی ہیں، بلکہ اس کو خوف اور دہشت کی وجہ سے نہیں، بلکہ شوق اور رغبت کے ساتھ عمل میں لایا جاتا ہے اور خالص قرآن کی غیر سلیم تفسیر کی جاتی ہے، حتی کہ ان کا امام ایک ہی مجلس میں قرآن کریم کی ایک ہی آیت کی تین مختلف اور متضاد تفسیریں بیان کرتا ہے، تو اس کو بھی تقیے کی قبیل میں شمار کیا جاتا ہے، جس طرح پہلے ذکر ہوا۔[3]

حالاں کہ کوئی عقلمند یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اسلام اور مسلمانوں کے غلبے کے عہد میں قرآنِ کریم کی تفسیر میں تقیے سے کام لیا جائے تو ان تمام باتوں سے ثابت ہوا کہ تقیہ صرف ضرورت ہی کے میدان میں استعمال نہیں کیا جاتا اور شیعہ کے مذہب میں اس کا اثر ختم نہیں ہوا۔

شیعہ کے ایک معاصر عالم اور ’’آیتِ عظمیٰ‘‘ محمد صادق روحانی نے تاکید کے ساتھ بیان کیا ہے کہ شیعہ کے دین میں تقیے کی ضرورت کے علاوہ کئی دیگر میدان بھی ہیں، اس نے شیعہ کے نزدیک تقیے کو چار اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ خوف کی وجہ سے تقیہ، مجبوری کی وجہ سے تقیہ، چھپانے کے لیے تقیہ اور ظاہر داری کے لیے تقیہ کرنا۔[4]

---

[1] نعمة الله الجزائري: الأنوار النعمانية (٢/ ٣٦٢)

[2] اسی کتاب میں ’’تقیہ‘‘ کا مبحث ملاحظہ کریں۔ (ص: ٨٥٣)

[3] اسی کتاب کا صفحہ (٨٦٥) دیکھیں۔

[4] محمد صادق روحاني: رسالة في التقية ضمن كتاب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر له أيضاً (ص: ١٤٨۔ ١٤٩)

وہ جو کہتے ہیں کہ شیعہ تقیے پر صرف ضرورت کے وقت عمل کرتے ہیں، ان کا کلام خوف اور مجبوری کی وجہ سے کیے جانے والے تقیے پر صادق آتا ہے، چھپانے اور ظاہر داری کے تقیے پر نہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تقیہ ابھی تک شیعہ کے دین میں استعمال کیا جاتا ہے، کیوں کہ اس کا میدان ضرورت اور خوف کے میدان سے زیادہ وسیع ہے، لہٰذا انھوں نے چھپانے اور ظاہر داری کے تقیے کے نام پر جھوٹ، دغا بازی اور جعل سازی کو حلال کر لیا، اس کے دلائل معاصرین کے اعمال کے ضمن میں درج ہوں گے۔

ان تمام باتوں کے باوجود شیعہ کی معتبر کتابوں میں ثابت شدہ روایات تاکید کے ساتھ بیان کرتی ہیں کہ تقیے کا اس وقت تک کسی بھی حالت میں ختم ہونا اور اٹھ جانا جائز نہیں، جب تک ان کا مہدی منتظر پوشیدگی ترک کر کے ظاہر نہ ہو جائے اور غیوبت کے زمانے میں تقیے کا تارک، تارکِ نماز کی طرح ہے، بلکہ شیعہ کے نزدیک جس نے اسے ترک کیا، اس نے امامیہ کے دین کو چھوڑ دیا۔

تو شیعہ عالم جواد مغنیہ کس بنا پر کہہ رہا ہے کہ تقیے کا زمانہ گزر گیا ہے؟ کیا وہ اپنے مذہب کی حقیقت سے ناواقف ہے یا معاملہ کچھ اور ہے؟

شیعہ کی معتبر کتابوں نے بھی تواتر کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے:

''جس نے ہمارے قائم کے ظہور سے پہلے تقیہ ترک کر دیا، وہ ہم میں سے نہیں۔''[1]

شیعہ کے عصرِ حاضر کے عالم اور آیت محمد باقر صدر نے یہ مقرر کیا ہے کہ ان کی اس موضوع پر روایات ''شہرت بلکہ تواتر کی حد تک بہت زیادہ مروی ہیں۔''[2]

اس نے قائم کے خروج تک تقیے کو تھامے رکھنے کی یہ توجیہ پیش کی ہے کہ ''اس کو ترک کر دینا خالص اور مخلص شیعہ کی قابلِ کفایت تعداد کے وجود کے کم ہو جانے کا باعث ہو جائے گا، جن کا وجود اس کے ظہور کی اساسی شرطوں میں سے ایک شرط ہے۔''[3]

شیعہ کی روایات تقیے کو ان کے نزدیک دین کا نوّے فیصد حصہ قرار دیتی ہیں اور کسی بھی وقت یا زمانے کا استثنیٰ کیے بغیر، ہر اس شخص سے ایمان کی نفی کرتی ہیں، جو تقیہ نہیں کرتا۔[4] چنانچہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مغنیہ کی طرح

---

[1] الطبرسي: أعلام الوریٰ (ص: ٤٠٨) ابن بابويه: إكمال الدين (ص: ٢١٠) الحر العاملي: وسائل الشيعة (١١/ ٤٦٥۔ ٤٦٦) نیز دیکھیں: أصول الكافي (٢/ ٢١٧)

[2] تاريخ الغيبة الكبریٰ (ص: ٣٥٣)

[3] المصدر السابق (ص: ٣٥٣۔ ٣٥٤)

[4] اسی کتاب کا صفحہ (٨٥٦) دیکھیں۔

کے شیعہ علما کیا اپنے مذہب کے ان حقائق سے ناواقف ہیں کہ وہ یہ کہیں کہ تقیے کا زمانہ گزر چکا ہے اور تقیہ ان کا دین نہیں رہا؟!

میرا خیال ہے کہ ان کی نصوص و روایات کا ،جن میں سے کچھ ہم نے بیان کر دی ہیں، مطالعہ کرنے والا اس نتیجے تک پہنچے گا، جس نتیجے تک استاذ محمود ملاح [1] پہنچا ہے، وہ کہتا ہے:

''مغنیہ کا یہ کہنا کہ آج تقیے کا زمانہ ختم ہو چکا ہے، یہ تقیے پر تقیہ ہے۔'' [2]

شیعہ کی حدیث کی چار معتبر کتابوں کی جامع کتاب "الوافي" میں ایسی روایات موجود ہیں، جن سے اشارہ ملتا ہے کہ مغنیہ وغیرہ شیعیت کا دفاع کرنے والے شیعہ تقیے کے ختم ہو جانے کے متعلق جو کچھ کہتے ہیں، وہ بھی ان کے شرعی احکام اور تقیے کا حصہ ہے اور یہ ہر رافضی سے مطلوب ہے، تاکہ وہ تقیے کے عقیدے سے بھرپور مستفید ہو سکیں۔

صاحبِ وافی، حسان بن ابی علی سے نقل کرتا ہے کہ میں نے ابوعبداللہ کو کہتے ہوئے سنا:

''ہمارا راز ہمارے ظاہر کے خلاف ذکر نہ کرو اور نہ ہمارا ظاہر ہمارے باطن کے خلاف بیان کرو۔ جو ہم کہتے ہیں، وہی کہو اور جس سے ہم خاموش رہتے ہیں، اس سے خاموش رہو...۔''

وافی کا مولف اس روایت کی شرح میں کہتا ہے:

''یعنی جو ہم لوگوں سے چھپاتے ہیں، اس کو ظاہر نہ کرو، ان سے یہ نہ کہو کہ ہمارا باطن ہمارے ظاہر کے خلاف ہے، ہم ان سے وہ چھپاتے ہیں، جس کے عکس ہم ان کے لیے ظاہر کرتے ہیں اور جو ہم ظاہر کرتے ہیں، وہ وہ نہیں ہوتا جو ہم چھپاتے ہیں، کیوں کہ یہ تقیے کی مصلحت ختم کر دے گا، جس کی بدولت ہماری اور ہمارے مذہب کی بقا ہے، بلکہ تم ہمارا اسلوب اختیار کرو۔ جو ہم کہتے ہیں، وہی کہو، جس سے ہم خاموش رہتے ہیں، اس سے خاموش رہو اور ہماری موافقت کرو، مخالفت نہیں۔'' [3]

گویا وہ مغنیہ کے اسلوب میں کہہ رہا ہے کہ ''لوگوں سے یہ نہ کہو کہ تقیے کا زمانہ باقی ہے اور ہمارا ظاہر

---

[1] استاذ محمود ملاح ایک عراقی معاصر عالم ہیں، جنھوں نے اخبار "السجل" کے صفحات پر اور دیگر رسائل میں اتحاد بین المسلمین کے نام پر شیعہ کے شیعیت پھیلانے کی سازشوں کا بھرپور انداز میں تعاقب کیا ہے، ان کی ایک معروف کتاب ہے، جس کا نام "الوحدة الإسلامية بين الأخذ والرد" ہے۔

[2] مجموع السنة (١/ ١١١)

[3] الفيض الكاشاني: الوافي، كتاب الحجة، باب النوادر، المجلد الأول (٢/ ٦٠)

ہمارے باطن کے خلاف ہے، کیونکہ یہ تقیے کے فائدہ کو بے اثر کر دے گا۔

کیا مغنیہ سے یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ مصر کے اساتذہ فلسفہ سے کہے، جن سے وہ محو بحث ہے: تقیہ باقی ہے ... ہم تمھارے ساتھ اس کے مطابق معاملات کرتے ہیں...! جو کچھ اس نے کہا ہے، وہ اس کے مذہب کے بالکل ہم آہنگ ہے، جو خود تقیے کو بھی چھپانے کا حکم دیتا ہے ... جو شیعہ کے معاصر کتب خانے کا مطالعہ کرتا ہے اور ان کی کتابوں کا تجزیہ اور تقابل کرتا ہے، وہ یہی موقف اختیار کرے گا کہ تقیے پر عمل موقوف نہیں ہوا۔

گذشتہ مباحث میں ہم نے دیکھا کہ وہ کس طرح اپنے مذہب سے اس عقیدے کی نفی کرتے ہیں، جو ان کے اصول و عقائد میں شامل ہوتا ہے، جیسے رجعت کا مسئلہ ہے اور ایسی دسیوں روایات کے وجود ہی سے انکار کر دیتے ہیں، جو ان کی کتابوں میں موجود ہیں، جس طرح عبدالحسین نجفی نے قرآن میں تحریف یا نقص کے متعلق ان کے کسی بھی قول یا روایت کے وجود کا انکار کیا ہے، جس طرح پہلے گزر چکا ہے، بلکہ ایک ہی عالم کے اقوال میں تضاد پایا جاتا ہے، کیوں کہ وہ موقع کی مناسبت اور سامع کے حسبِ حال، تقیہ کر کے گفتگو کرتا ہے۔

یہ مغنیہ بہ ذاتِ خود، جو کہتا ہے کہ تقیہ ختم ہو چکا ہے، اپنی کتاب ''الکاشف'' میں خامہ فرسائی کرتا ہے: ''شیعہ صحابہ کی شان میں گستاخی نہیں کرتے۔'' جب کہ وہ اپنی کتاب ''في ظلال نهج البلاغة'' میں کبار صحابہ کرام پر طعن و تنقید کرتا ہے، ...جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے۔[1]

نیز وہ کہتا ہے:

''امامت دینِ اسلام کے اصول و قواعد میں داخل نہیں۔ یہ صرف شیعہ مذہب کا ایک قاعدہ اور عقیدہ ہے، اس کا انکار کرنے والا، اگر توحید و رسالت اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو مسلمان ہے، لیکن وہ شیعہ نہیں ہوگا۔'' یہ بات وہ اپنی کتاب ''مع الشيعة الإمامية'' میں کہتا ہے۔[2]

جب کہ وہ اپنی ایک دوسری کتاب ''الشيعة والتشيع'' میں اپنی عیدِ غدیر[3] کے بارے میں کہتا ہے:

''ہمارے اس دن کا جشن منانا بہ ذاتِ خود قرآنِ کریم، سنتِ نبی، عظیم اسلام اور اسلام کے دن کا جشن منانا ہے۔ عیدِ غدیر منانے سے روکنا دوسرے لفظوں میں کتاب و سنت اور اسلامی تعلیمات و

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۱۱۳۴) دیکھیں۔

[2] مع الشيعة الإمامية (ص: ٢٦٨) ضمن كتاب الشيعة في الميزان.

[3] شیعہ اپنی اس عید کے متعلق بڑی رومانوی داستانیں تراشتے ہیں، جو عموماً حضرت علی رضی اللہ عنہ پر منتج ہوتی ہیں۔ اس موضوع پر نقد و تبصرہ ملاحظہ کرنے کے لیے دیکھیں: ابن تيمية: منهاج السنة (٤/ ٨٤۔ ٨٧) المنتقى (ص: ٤٦٦)

مبادیات سے روکنا ہے۔''[1]

اس کے بعد وہ اپنے معاصر عالم عبداللہ العلایلی کے اس قول کو بطورِ دلیل پیش کرتا ہے:

عیدِ غدیر اسلام کا حصہ ہے، جس نے اس کا انکار کیا، اس نے بذاتِ خود اسلام کا انکار کیا۔''[2]

دونوں اقتباسات کا تقابل کرنے سے حقیقت واضح ہوجاتی ہے۔ وہ پہلے اقتباس میں کہتا ہے: ''جس نے امامت کا انکار کیا، وہ مسلم ہے۔'' اور دوسرے اقتباس میں وہ عیدِ غدیر کے منکر پر، جو شیعہ کی ایک بدعت ہے، جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی، حکم لگاتا ہے کہ وہ بہ ذاتِ خود اسلام کا منکر ہے۔ کیا اس واضح تناقض کی تقیے کے علاوہ کوئی دوسری توجیہ کی جاسکتی ہے، جو ان کی نس نس میں دوڑ رہا ہے؟

لیکن ان دونوں اقوال میں کون سا قول حقیقت پر مبنی اور شیعہ مذہب کا ترجمان ہے؟ دوسری عبارت بلاشبہہ شیعہ کے قدیم مصادر میں مذکور عقائد کے ساتھ مکمل مطابقت رکھتی ہے۔ شاید جو بات اس نے اس دوسرے قول میں کہی ہو، وہی حقیقت ہو، جو اس مزعومہ عید کے جشن کے جوش اور جذبات میں بے نقاب ہوگئی ہو!

شیعہ کے معاصر کتب خانے نے ایسی کتابیں شائع کی ہیں، جو اہلِ سنت کے درمیان شیعیت کی نشر و اشاعت کے لیے لکھی گئی ہیں، ان کتب کا مطالعہ کرنے والا اس نتیجے تک پہنچتا ہے کہ ان کتابوں کے مولفین یا تو ملحد اور زندیق ہیں، جن کا مقصد جھوٹ گوئی اور دھوکے بازی کے ذریعے اللہ کے بندوں کو گمراہ کرنا ہے یا پھر وہ جاہل رافضی ہیں، جنھوں نے تقیے کے نام پر ہر چیز کو حلال کرلیا ہے۔ لیکن ان کتابوں کی تمام کڑیاں تقیے ہی پر آکر ملتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کتابوں میں جھوٹ کے عنصر کے واضح ہونے کے باوجود شیعہ حلقوں میں کوئی ایک بھی ایسا شخص نظر نہیں آتا، جو ان پر تنقید یا حرفِ اعتراض بلند کرتا ہو!

اس کی سب سے نمایاں مثال ''المراجعات'' نامی کتاب ہے، جو ان کے آیتِ عظمیٰ عبد الحسین شرف الدین موسوی کی تالیف ہے۔ مبلغینِ رافضیت نے اس کتاب کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے اور انھوں نے اس کو لوگوں کو دھوکا دینے والے ذرائع میں سے ایک ذریعہ بنا لیا ہے یا زیادہ تفصیلی الفاظ میں، وہ اس کے ساتھ اپنے شیعہ اور پیروکاروں کو دھوکا دیتے ہیں، کیوں کہ اہلِ سنت بالخصوص ان میں سے اہلِ علم اس کتاب کے بارے میں کچھ جانتے ہیں نہ ان جیسی دیگر سیکڑوں کتابوں کے بارے میں جنھیں شیعہ چھاپہ خانے شائع کرتے

---

[1] الشيعة والتشيع (ص: ٢٥٨) ضمن كتاب: الشيعة في الميزان.

[2] المصدر السابق (ص: ٢٥٨، حاشيه) علایلی نے یہ بات اپنے ایک خطبے میں کہی ہے، جو لبنانی ریڈیو اسٹیشن نے ۱۸/ ذوالحجہ ۱۳۸۰ھ کو نشر کیا تھا۔ (المصدر السابق، ص: ٢٥٨)

ہیں، بہ جز اس کے جو شیعہ مذہب کے مطالعے کا خاص اہتمام رکھتا ہو۔ ان لوگوں کا اس کتاب کے ساتھ لگاؤ عشق کی حد تک ہے اور انھوں نے اس کی نشر و اشاعت اور ترویج پر اس قدر زیادہ توجہ دی ہے کہ اس کے ایک سو سے زیادہ اِڈیشن چھپ چکے ہیں، جس طرح ایک رافضی کا دعویٰ ہے۔[1]

بے وقوف پیروانِ مذہب کے درمیان اس کتاب کا فتنہ شاید ابن مطہر حلی کی کتاب ''منهاج الكرامة'' کے فتنے جیسا شر انگیز ہو، جس کے باطل کے پردے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ''منهاج السنة'' میں چاک کیے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس ''جھوٹ'' کا تعاقب اور اس کو سرِ بازار رسوا کرنے کے لیے ایک مستقل تحقیق اور تصنیف کے لیے اسباب مہیا کرے۔

تاہم مَیں یہاں اختصار کے ساتھ اس کے مندرجات کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔ یہ کتاب شیخ الازہر سلیم البشری کے درمیان، جو اس رافضی کے دعوے کے مطابق اہلِ سنت کا ترجمان اور اپنے مذہب کے دلائل پیش کرتا ہے، اور عبدالحسین کے درمیان ہونے والی مراسلت اور خط کتابت پر مشتمل ہے، جو شیعہ مذہب کا ترجمان اور اس کے دلائل پیش کرتا ہے۔

اس مراسلت کے اختتام پر یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ شیخ الازہر رافضہ کے مذہب کے صحیح ہونے کا اقرار اور اہلِ سنت کے مذہب کے باطل ہونے کا اعتراف کرتا ہے۔ یہ کتاب بلاشک و شبہہ رافضیت پھیلانے کی ایک خود ساختہ سازش اور رافضی چال ہے۔ جو شخص رافضیت کو بڑے نزدیک سے جانتا اور ان کی کتابوں سے واقف ہے، وہ اس اسلوب اور انداز کو کوئی نئی اور انوکھی چیز نہیں سمجھتا، کیوں کہ اس میں کوئی جدت نہیں۔ یہ ان کا پرانا اسلوب ہے، جو ان کے رگ و پے میں داخل ہے۔

پرانے زمانوں میں بھی ان کی یہ عادت تھی کہ یہ اپنے مذہب کی تائید کے لیے اپنی طرف سے ایسی کتابیں لکھ لیتے، جو صحابہ پر طعن و تشنیع اور اہلِ سنت کے مذہب کے بطلان پر مشتمل ہوتیں اور یہ انھیں بعض مشہور اہلِ سنت کی طرف منسوب کر دیتے۔

امام شوکانی نے اپنی کتاب ''الفوائد المجوعة'' میں ''النسخ الموضوعة'' (خود ساختہ نسخے) کے عنوان سے ایک مبحث قائم کیا ہے، اس میں انھوں نے یہ نسخے ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ ان میں سے اکثر نسخے رافضہ نے گھڑے ہیں اور یہ ان کے پیروکاروں کے پاس موجود ہیں۔[2]

---

[1] أحمد مغنية: الخميني أقواله وأفعاله (ص: ٤٥)

[2] الفوائد المجموعة (ص: ٣٢٥)

تحفہ اثنا عشریہ کے مصنف شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے بھی اس اسلوب کا تذکرہ کیا ہے اور ان کی کتاب ''سر العالمین'' کو بہ طورِ مثال پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انھوں نے یہ کتاب امام غزالی کی طرف منسوب کی اور اس کو ہذیان اور یاوہ گوئی سے بھر دیا۔ انھوں نے اس کتاب کے خطبے اور مقدمے میں امام غزالی کی زبان سے اس کتاب کو چھپانے اور اس امانت کی حفاظت کرنے کی وصیت بھی ذکر کی اور یہ بھی نقل کیا کہ انھوں نے کہا: اس کتاب میں جو ذکر ہوا ہے، وہ میرا عقیدہ ہے، لیکن جو دوسری کتابوں میں ذکر ہوا ہے تو وہ مداہنت کے طور پر ہے۔[1]

مَیں نے شیعہ کی بعض معاصر کتابوں کو دیکھا ہے، جن میں وہ اس کتاب سے حوالے دیتے ہیں اور اس میں مذکور خرافات کو اہلِ سنت کے خلاف بہ طورِ دلیل بھی پیش کرتے ہیں[2] ۔ اس کتاب کے متعدد اِڈیشن چھپے ہیں۔[3]

ڈاکٹر عبدالرحمن بدوی ذکر کرتے ہیں:

''تین مستشرقین گولڈ زیہر، بویج اور مکڈونلڈ کا یہ موقف ہے کہ یہ کتاب امام غزالی کی طرف غلط منسوب کی گئی ہے۔''[4]

عبدالرحمن بدوی بھی بڑے وثوق اور قطعیت کے ساتھ یہی موقف رکھتا ہے اور وہ اس کی دلیل دیتے ہوئے کہتا ہے:

''جو بات قطعیت کے ساتھ یہ ثابت کرتی ہے کہ یہ کتاب امام غزالی کی نہیں، وہ اس کے صفحہ (۸۲) پر ذکر ہونے والا اس کا یہ قول ہے: میں جب جوان تھا تو یوسف بن علی شیخ الاسلام کی معیت میں معری نے خود مجھے یہ شعر سنایا۔ معری تو ۴۴۸ھ کو فوت ہوگیا تھا، جب کہ غزالی کی پیدایش ہی ۴۵۰ھ میں ہوئی، لہٰذا اس نے کس طرح خود یہ شعر ان کو سنایا؟''[5]

---

[1] مختصر التحفة الأثنى عشرية (ص: ٣٣) نیز دیکھیں: السويدي: نقض عقائد الشيعة (ص: ٢٥)

[2] مثال کے طور پر دیکھیں: كشف الاشتباه للرافضي عبد الحسين الراشتي، المطبوع في المطبعة العسكرية بطهران في ١٣٦٨هـ.

[3] طبع في بومباي سنة ١٣١٤هـ وفي القاهرة سنة ١٣٢٤هـ و سنة ١٣٢٧هـ وفي طهران بغير تاريخ (نیز دیکھیں: عبدالرحمن بدوي: مؤلفات الغزالي، ص: ٢٢٥)

[4] مؤلفات الغزالي (ص: ٢٧١)

[5] المصدر السابق (ص: ٢٧١) عجیب بات یہ ہے کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ پر بھی یہ بات مخفی رہ گئی اور انھوں نے یہ کتاب امام غزالی کی طرف منسوب کر دی۔ (ميزان الاعتدال: ١/ ٥٠٠) یا ممکن ہے کہ امام غزالی کی واقعتاً اس نام سے کوئی کتاب ہو اور رافضہ نے اسی نام سے ایک کتاب لکھ کر اس کی نسبت امام غزالی کی طرف منسوب کر دی۔

یہاں ماضی کا صفحہ کھولنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ کتاب "المراجعات" ان سازشوں کے سلسلے ہی کی ایک کڑی ہے، جن کی جڑیں زمانے کی گہرائی تک پھیلی ہوئی ہیں اور روافض نے ان کو زندہ رکھا ہوا ہے، تاکہ کہیں وہ اپنے پیروکاروں سے محروم نہ ہوجائیں اور مسلمانوں کے درمیان فتنہ اور رافضیت پھیلاتے رہیں۔

آمدم برسرِ مطلب! یہاں ہم اختصار کے ساتھ اس کتاب میں موجود ان علامات کا ذکر کریں گے، جو قطعیت کے ساتھ اس کے موضوع ہونے پر دلالت کرتی ہیں:

- کتاب "المراجعات" میں درج کردہ خطوط کا اسلوب، جو فکری، ثقافتی، علمی اور معاشرتی ماحول کے اعتبار سے دو مختلف شخصیات کی ترجمانی کرتا ہے، ایک ہی انداز اور روش پر ہے، اس میں کوئی فرق یا امتیاز نہیں، جو اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ ان کو بنانے والا ایک ہی شخص ہے، جو عبدالحسین ہے اور یہ کتاب خود ساختہ ہے۔
- شیخ الازہر جو اس وقت علم اور رتبے کی وجہ سے شیخ الازہر ہوتا تھا، محض ایک سرکاری منصب کے طور پر نہیں، وہ ان خطوط میں ایک طفلِ مکتب کی صورت میں ظاہر ہوا ہے، جس کا کام اس رافضی کے ہر قول کو بلا چوں چرا تسلیم کرنے، بلکہ اس کے ہر حرف کی تعریف و ثنا اور تعظیم کرنے کے سوا اور کچھ نہیں، چاہے شیعی کا جواب باطنی تفسیر ہی کیوں نہ ہو، جس کا قرآنی آیات کے ساتھ ادنا سا ربط بھی نہ ہو۔[1]

یہ ایسی گمراہی ہے، جن کا اہلِ سنت کے چھوٹے چھوٹے طالبِ علم بھی ادراک رکھتے ہیں، بلکہ عوام بھی انکار کرسکتے ہیں۔ یا وہ جواب کسی موضوع حدیث کی توثیق، یا کسی خرافت کی تصدیق ہی پر مشتمل کیوں نہ ہو، اس رافضی نے شیخ الازہر سے ان روایات کی صحت اور تواتر کا اقرار نقل کیا ہے، جو اہلِ حدیث (محدثین) کے نزدیک ضعیف، بلکہ موضوع ہیں، جن کا موضوع یا ضعیف ہونا مبتدی طلبہ علم پر بھی عیاں ہے، چہ جائیکہ شیخ ازہر! وہ بھی بالخصوص اس وقت میں جب مشیختِ ازہر کے منصب پر صرف وہی فائز ہوسکتا تھا، جو علم کے چشمہ صافی سے سیراب شدہ اور علومِ اسلامیہ میں مکمل مہارت رکھتا ہو۔[2]

یہی نہیں، بلکہ اس رافضی نے شیخ ازہر کو ایسے شخص کی صورت میں پیش کیا ہے، جو یہ بھی نہیں جانتا کہ اہلِ سنت کی کتابوں میں، شیعہ کی کتابوں میں نہیں، احادیث کہاں تلاش کی جاسکتی ہیں، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ

---

[1] اس کی قرآنی آیات کی باطنی تاویلات کے لیے دیکھیں: مراجعاته (ص: ٦٢۔ ٧٣)

[2] دیکھیں: المراجعات (ص: ٥٥۔ ٦٠) نیز دیکھیں: البینات في الرد علی أباطیل المراجعات (ص: ٤٥ وما بعدها)

رافضی سے یہ درخواست کرتا ہے کہ وہ ان کو اس کے سامنے ذکر کرے۔[1]

کیا شیخ ازہر ان سے ناواقف ہوسکتا ہے؟ اس کے پاس کئی کتب خانے ہیں، کیا وہ ان سے ان کو تلاش کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا؟ اس کے پاس علماے ازہر اور طلبۂ ازہر کی ایک فوج ہے، ان کے ہوتے ہوئے بھی وہ یہ کام اس رافضی کے سر لگا سکتا ہے؟ محدثین اہلِ سنت کے ہاں کب سے رافضی حدیث نقل کرنے میں امانت دار ہو چکے ہیں؟؟!!

- کتاب کی یہ رافضی اشاعت کسی بھی قسم کے حوالے سے خالی ہے، اس میں کوئی ایسی چیز مذکور نہیں، جو ذرائعِ توثیق میں سے کسی ایک ذریعے کے ساتھ بھی ان کی صحت کی تصدیق کر سکے، مثلاً وہ، اس کے دعوے کے مطابق، ایک دوسرے کو بھیجے گئے ان ۱۱۲ خطوط میں سے کسی ایک خط کی فوٹو کاپی ہی چسپاں کر دیتا، جن میں سے شیخ ازہر کے ۵۶ خطوط ہیں!

یہ تمام خطوط ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے تو اس نے کیوں کوئی ایک بھی خط چسپاں نہیں کیا، جو اس کے موقف کی تائید کرتا؟ بالخصوص وہ خطوط جو شیخ ازہر کے حق کو چھوڑ کر باطل اختیار کرنے اور اہلِ سنت کا مذہب ترک کر کے رافضیت قبول کرنے کے انتہائی سنگین معاملے پر مشتمل تھے۔

اس رافضی کا اپنے اس دعوے کی دلیل پیش کرنے سے قاصر ہونا ہی اس کے دعوے کے باطل ہونے کی دلیل اور ان خطوط کی شیخ سلیم کی طرف نسبت کرنے میں کذب بیانی کی برہان ہے، بلکہ یہ اس موضوع کو جڑ ہی سے اُکھاڑ دیتی ہے۔

یہ دعویٰ صرف اس رافضی کی طرف سے کیا گیا ہے، شیخ سلیم سے کوئی ایسی بات نہیں نکلی، جو اس پر دلالت کرے اور یہ رافضی، جو رافضیت کو ان کی طرف منسوب کرنے کا دعویٰ کرتا ہے، ان کی ساری زندگی میں اس کا کوئی اثر اور نشان نہیں ملتا، بلکہ یہ رافضی اس کتاب کو ان کی زندگی میں چھاپنے کی جرأت نہیں کر سکا اور اس نے اس کو ان کی وفات کے بیس سال بعد چھاپا،[2] جب اس کو اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے کوئی دلیل نہ سوجھی تو یہ خود اپنے آپ کو اپنے مقدمے میں رسوا اور ننگا کرنے پر مجبور ہوگیا۔

کیوں کہ اس کے پاس کوئی راستہ ہی نہیں تھا کہ وہ ایسے خطوط لکھے، جو سلیم بشری کے اسلوب اور انداز میں ہوں نہ وہ بشری کے ہاتھ کی لکھائی کے ساتھ ان خطوط کی فوٹو کاپی ہی شائع کر سکتا تھا، اس لیے اس کو ان

---

[1] مثال کے طور پر دیکھیں: المراجعات (ص: ۲۳۷)

[2] بشری کی وفات ۱۳۳۵ھ کو ہوئی۔ دیکھیں: الأعلام (۳/ ۱۸۰)

خطوط کو خود بنانے کا اعتراف کرنا پڑا۔

وہ کہتا ہے:

''میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ یہ صفحات انھی عبارتوں پر مشتمل ہیں، جو اس وقت ہمارے درمیان خطوط کے تبادلے کے دوران میں لکھی گئیں نہ میں یہ دعویٰ ہی کرتا ہوں کہ ان مراجعات کے الفاظ میں سے کوئی لفظ ایسا ہو، جس کو میرے قلم نے نہ لکھا ہو۔''[1]

اگر ان مراجعات کو اس کے قلم کے علاوہ کسی دوسرے کے قلم نے نہیں لکھا، پھر وہ شیخ الازہر پر اس برائی کی تہمت کیوں لگاتا ہے؟ اس کے بعد اس نے اس رسوائی کے ساتھ ایک اور رسوائی کا اضافہ کیا ہے۔ اس کے بقول: ''اس نے ان خطوط میں جہاں جہاں موقع کی مناسبت دیکھی اور نصیحت و راہنمائی نے تقاضا کیا، وہاں وہاں اضافہ بھی کیا۔''[2]

یہ ایک دوسرا اعتراف ہے کہ اس نے شیخ ازہر کی طرف بہت کچھ منسوب کیا ہے، جو انھوں نے نہیں کہا، لیکن اس نے اس جھوٹ کو جواز مہیا کرنے کے لیے کہا کہ یہ جہاں نصیحت کا تقاضا تھا، وہیں ہوا۔ ایسا کام اہلِ تقیہ کے نزدیک درست ہے!!

اس قوم نے اگر رسول اللہ ﷺ، آپ ﷺ کے اصحاب اور آپ ﷺ کے اہلِ بیت کو بھی نہیں بخشا اور ان پر جھوٹ باندھا ہے تو اس کے بعد اگر وہ دوسروں کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کریں تو کیا اس کو بہت گراں سمجھا جائے گا؟ یہ بھی تقیے کی ایک صورت اور عصرِ حاضر میں اس کی ایک نمایاں مثال ہے، اس باب میں بہت زیادہ مثالیں ہیں اور تقیے کے نام پر جھوٹ کی اقسام مختلف اور متنوع ہیں، جو ایک مستقل تحقیق کی محتاج ہیں۔[3]

---

[1] دیکھیں: مقدمة المراجعات (ص: ٢٧)

[2] المصدر السابق.

[3] "لما ذا اخترت مذهب الشيعة" نامی ایک کتاب بھی اسی کی مثال ہے، اس میں ایک مَن گھڑت واقعہ بیان کیا گیا ہے، جس کے مطابق اہلِ سنت کے ایک بڑے عالم محمد مرعی انطا کی کے سامنے جب اہلِ سنت کے مذہب کا باطل ہونا واضح ہوگیا تو اس نے اس کو ترک کر کے رافضیت قبول کر لی۔ یہ کتاب جھوٹ، افترا، دسیسہ کاری اور جعل سازی سے بھری پڑی ہے، جو رافضہ کی، تقیے کے عقیدے کے مطابق، فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔
جو شخص علومِ اسلامیہ میں ماہر ہو، کیا وہ رافضہ کے عقیدے سے دھوکا کھا کر ان کے غائب امام کے انتظار کی کہانی پر یقین کر سکتا ہے، جس کا وہ گیارہ صدیوں سے انتظار کر رہے ہیں؟ یا وہ رجعت کے افسانے کو سچا مان سکتا ہے، جس میں وہ اصحاب رسول ﷺ، اصہارِ رسول اور بعض امہات المومنین سے انتقام لیں گے یا وہ شیعہ کے عقیدہ بدا پر ایمان لا سکتا ہے؟
کوئی شخص اس جیسے مذہب سے فریب نہیں کھا سکتا، اس لیے کسی بزرگ کا یہ قول ہے کہ کسی عجمی (دین سے ناواقف) یا ←

یہ انتہائی خطرناک اسلوبِ وضع ہے۔ روافض اس میں پیش وارانہ مہارت رکھتے ہیں اور یہ ان کے تقیے کے اعمال میں سے ایک مستقل عمل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس بنا پر سویدی نے ذکر کیا ہے کہ ''اس اسلوب کے مطابق بہت ساری کتابوں کی نسبت کی گئی اور اس کو صرف وہ شخص جانتا ہے جو اہلِ سنت کے کلام کے مزاج سے آشنا ہو۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے ایک رافضی کی زبان پر حق جاری کر دیا اور اس کے منہ سے یہ حقیقت اگلوائی، چنانچہ شیعہ کا ایک معاصر علمی ستون سلیم بن قیس کی کتاب کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہتا ہے:

''یہ کتاب اور ان کی دیگر جملہ کتابیں صحیح غرض کے لیے خود بنائی گئیں۔''[2]

یعنی جن کی طرف ان کی نسبت کی گئی ہے، وہ غلط اور جھوٹ ہے، گویا شیعہ کے نزدیک جب غرض اور مقصد صحیح ہو تو اس کے لیے وضع کرنا ان کے لیے جائز ہے۔

جگہ کی تنگی کی وجہ سے ہم اس تحقیق اور مطالعے میں اپنے قلم کو مزید آزاد نہیں چھوڑ سکتے[3] کیوں کہ یہ باب معاصر کے لیے خاص ہے۔

شیعہ علما اپنے پیروکاروں کے ساتھ بھی تقیے کے روپ میں پیش آتے ہیں:

شیعہ جو اپنے بعض علما کی زبان سے یہ دعویٰ پیش کرتے ہیں کہ تقیہ اٹھ چکا ہے، وہ ابھی تک تقیے کو نہ صرف اہلِ سنت کے خلاف، بلکہ اپنے پیروکاروں کے خلاف بھی استعمال میں لاتے ہیں۔

شیعہ کے بعض معاصر علما باطن کو چھپا کر اپنے شیعہ پیروکاروں کے ساتھ بھی تقیے پر عمل کرتے ہیں۔ یہ محض ایک دعویٰ نہیں، جو ہم کر رہے ہیں، بلکہ خود ان کے اعتراف کے ساتھ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔

← نوعمر کے بارے میں یہ خدشہ ہوتا ہے کہ وہ بدعت قبول نہ کر لے... وگرنہ جس شخص نے دینی و شرعی علم کے چشمے سے اپنی علمی تشنگی کی پیاس بجھائی ہو، وہ روافض کے جھوٹوں کے فریب میں نہیں آ سکتا۔ (دیکھیے: مقدمه کتاب، ص: ٢٣)

بنا بریں اہلِ علم نے کہا ہے کہ رافضہ کے علما ان دو اشخاص میں سے ایک شخص ضرور ہیں، یا تو وہ جاہل ہیں یا زندیق۔ (دیکھیں: منهاج السنة: ٤/ ٧٧) یہ باطنی جو ''الانطاکی'' کے نام سے بلایا جاتا ہے، جس کا دعویٰ ہے کہ وہ حلب میں اقامت پذیر ہے اور وہ اہلِ سنت کے مذہب کے مطابق قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے منصب پر کام کرتا ہے، یہ ایک غیر معروف شخص ہے، اس کو حلب کا کوئی بھی صاحبِ علم نہیں جانتا، مجھے اس کے متعلق کئی اشخاص نے بتایا، جن میں شیخ عبدالفتاح ابوغدہ وغیرہ بھی ہیں۔

[1] السويدي: نقض عقائد الشيعة (ص: ٢٥ مخطوط)

[2] الشعراني: تعليقات علمية على الكافي مع شرحه للمازندراني (٢/ ٣٧٣۔ ٣٧٤)

[3] اس باب کے لیے مستقل بحث و تحقیق کی ضرورت ہے، کیوں کہ ایک تو یہ بڑا مہیب امر ہے اور دوسرا شیعہ مذہب کی حقیقت جاننے کے لیے یہ بہت اہم معاملہ ہے۔

شیعہ کے تین بڑے بڑے علما نے اپنے دین کے ایک فرعی فقہی مسئلے کی غلطی کا اعلان کرنے سے محض عوام کے خوف کی وجہ سے اپنے آپ کو روک لیا۔ وہ اس کے غلط ہونے کا فتویٰ دیتے تھے اور صرف اپنے خاص لوگوں کے سامنے خفیہ طور پر اس کے خلاف کہتے تھے۔[1]

طرفہ تماشا یہ ہے کہ جس نے اس حقیقت کو بے نقاب کیا، یہ وہی شخص ہے جو کہتا ہے کہ تقیہ اٹھ چکا ہے، یعنی شیعہ کا عالم محمد جواد مغنیہ، اس کے الفاظ ہیں:

''اہلِ کتاب کی نجاست کے قول نے شیعہ کے لیے ایک معاشرتی مسئلہ کھڑا کر دیا ہے اور انھیں انتہائی تنگی اور سختی میں ڈال دیا ہے، بالخصوص جب وہ کسی عیسائی مغربی ملک کا سفر کریں یا وہ ایسے ملک کے باشندے ہوں، جہاں عیسائی بھی رہتے ہوں، جیسے لبنان ہے۔

''تین بڑے بڑے مراجع تقلید وفتویٰ ایک دوسرے کے ہم عصر ہوئے ہیں، پہلا شیخ محمد رضا آلِ یاسین نجف اشرف میں، دوسرا سید صدر الدین صدر قم میں اور تیسرا سید محسن الامین لبنان میں، ان تمام نے ان کے طاہر ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ انھوں نے یہ راز ان کے سپرد کیا، جن پر ان کو اعتماد تھا اور انھوں نے فتنہ انگیز لوگوں کے خوف سے اس کا اعلان نہ کیا، حالاں کہ آلِ یاسین ان سب سے زیادہ جراَت مند تھا۔ مجھے بھی یقین ہے کہ آج اور کل کے کئی فقہا ان کی طہارت ہی کے قائل ہیں، لیکن وہ اہلِ جہل سے ڈرتے ہیں، حالانکہ اللہ زیادہ حق رکھتا ہے کہ وہ اس ے ڈرتے۔''[2]

مغنیہ اپنی تفسیر ''الکاشف'' میں ذکر کرتا ہے کہ ان کے امام اکبر خوئی نے اپنی رائے اس کے سامنے بیان کی، جس پر اس کو اعتماد تھا۔[3]

اسی طرح ایک اور رافضی، کاظم کفائی کہتا ہے:

''ان کے امام ''الغطا'' نے اپنے خاص لوگوں کو ان کی طہارت کا فتویٰ دیا، کیوں کہ عام لوگوں کی عقلیں اس کی متحمل نہیں ہوسکتیں۔''[4]

---

[1] حالاں کہ وہ مسلسل اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ان کے ہاں اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے۔ اگر ایک فرعی مسئلے کے متعلق ان کا یہ موقف ہے تو ان سے یہ کس طرح امید کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے ان اصول وعقائد پر نظر ثانی کریں گے، جن میں وہ امت کے خلاف ہیں!

[2] مغنية: فقه الإمام جعفر الصادق (ص:٣١۔ ٣٣)

[3] مغنية: الكاشف (٦/ ١٨)

[4] ڈاکٹر علی السالوس نے اسی طرح نقل کیا ہے۔ (دیکھیں: فقه الإمامية، ص:٨١، حاشیه)

ڈاکٹر علی سالوس اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

''اسی طرح علم ضائع ہوتا ہے اور اسلام پر افترا پردازی کی جاتی ہے، کیوں کہ وہ لوگ جنھیں علم میں امانت دار سمجھا گیا، انھوں نے اسے ضائع کر دیا اور اس میں دروغ بافی سے کام لیا، کیوں کہ وہ لوگوں سے تو ڈرتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے!!''[1]

میں یہاں اضافہ کرتے ہوئے کہوں گا کہ علماے شیعہ کا جاہل شیعہ اور شیعہ عوام سے تقیہ کرنے یا ان کی رعایت رکھنے کا ایک یہ سبب بھی ہے کہ یہ لوگ ان کے رزق کا منبع ہیں، کیوں کہ وہ ان سے ''خمس'' کے نام پر مال بٹورتے ہیں۔

اگر ایک فرعی مسئلے کے متعلق پانچ معاصر کبار مراجع شیعہ کا یہ موقف ہے، جس کے غلط ہونے کا ان کو یقین ہے، تو ان سے کس طرح امید کی جا سکتی ہے کہ یہ اپنے اصول و عقائد کی اصلاح کے لیے صحیح دعوت قبول کریں گے؟ ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ شیعہ اس وقت تک تقیہ چھوڑیں گے نہ اس سے لاتعلقی کا اظہار کریں گے، جب تک ان کا قائم نہ آ جائے، جس طرح ان کی روایات، اقتباسات اور اعمال اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

شیعہ کے نزدیک حالات و واقعات کے مطابق تقیہ استعمال کرنے میں سختی و نرمی اور کمی بیشی ہوتی ہے، یعنی جب شیعہ کو قوت و اقتدار اور بادشاہت حاصل ہو تو تقیے پر عمل و التزام کمزور ہو جاتا ہے۔

اگر ہم ان کی ان کتابوں کا تقابل، جو دولتِ صفویہ کے علما نے لکھیں، جیسے: مجلسی نے "بحار الأنوار" لکھی، نعمت اللہ جزائری نے "الأنوار النعمانية"، کاشانی نے "تفسير الصافي" ہیں اور بحرانی نے تفسیر البرہان میں جو لکھا، ان کتابوں کے ساتھ کریں، جو ان کے سابقین اور پیشروؤں نے سلطنتِ اسلام کی قوت و شوکت کے وقت لکھیں، تو ہم دیکھتے ہیں کہ اول الذکر لوگوں نے بڑی جراَت سے شیعہ کے وہ عقائد بیان کیے ہیں، جو ان کے نزدیک قابلِ راز تھے، جب کہ موخر الذکر لوگوں کی تقریباً ہر عبارت کے آخر میں راز کو محفوظ رکھنے اور نظریے کو چھپانے کا حکم ملے گا۔[2] حتی کہ شیعہ کے نزدیک مسئلہ ولایت بھی بادی الامر میں راز کی چیز تھی۔[3]

ان تمام باتوں کے بعد یہ معاصرین کے جملہ عقائد و افکار اور آرا ہیں، جو اس زمانے میں ان کے

---

[1] علی السالوس: فقه الإمامية (ص: ۸۱، حاشیه)

[2] مثلاً اسی کتاب (ص: ۹۹۶) میں ''عقیدہ طینہ'' کی روایت ملاحظہ کریں۔

[3] اسی کتاب کا صفحہ (۷۰۴) دیکھیں۔

اعتقادی منہج کو بیان کرتے ہیں۔ میں نے انھی چیزوں کو موضوعِ بحث بنایا ہے، جو ان کی طرف سے نئی سامنے آئیں یا نئے دعوے کیے گئے۔ گزری ہوئی باتوں پر میں نے قلم نہیں اٹھایا، کیوں کہ جب تک ان بنیادی کتابوں اور ماخذ کے ساتھ ان کا تعلق قائم اور مضبوط ہے، جو ان کے دین کے بنیادی مصادر ہیں، تب تک بہتری کی کوئی امید رکھنا فضول ہے۔

اس تفصیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیعہ معاصرین، متقدمین شیعہ سے زیادہ خطرناک ہیں، کیوں کہ پہلی صدیوں نے جو جعل سازی اور دسیسہ کاری کی، وہ سب ان کو وراثت میں مل چکی ہے، انھوں نے ان کو اپنے معتبر مصادر قرار دیا ہے اور جدید پریس نے ان کی ان کتابوں کو چھاپنے اور عام کرنے کا کام اپنے سر لے کر آسان کر دیا ہے۔

مسلمانوں کی کمزوری ان کی سرگرمیوں کے تیز ہونے کا ایک سبب ہے اور جہالت کا عام ہونا اور اہلِ سنت کا کمزور ہونا، ان سے متاثر ہونے اور ان کی گمراہی کی تاثیر کا ایک اہم عامل ہے۔

چوتھی فصل

''آیات'' کی سلطنت وحکومت

جب یہ ثابت ہوگیا کہ معاصر شیعہ کا اپنے قدما کے ساتھ گہرا تعلق اور ربط قائم ہے، بلکہ جو قدما کے ہاں غلو سمجھا جاتا تھا، وہ معاصرین کے ہاں مذہب کی ضرورت بن چکا ہے، تو کیا اس کے بعد ان کی ریاست پر بحث کرنے کی کوئی ضرورت رہتی ہے؟ کیا ہر دیدہ و بینا کے سامنے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی نہیں ہو چکا؟

یقیناً ایسے ہی ہے، لیکن ان کی موجودہ ریاست اور حکومت کو خصوصی طور پر تحقیق و تجزیے کا موضوع بنانے کا سبب دو بنیادی امور ہیں:

پہلا سبب:

اس ریاست نے اپنے زعیم کی زبان اور اپنے دستور کی عبارت اور مندرجات کے ذریعے سے اثنا عشری تشیع کے دائرے میں ایک نئی سوچ پیش کی ہے، جس نے شیعہ علما کے درمیان ایک جدل اور بحث کو جنم دیا ہے، جس کی تائید کرنے والے بھی ہیں اور مخالفت کرنے والے بھی۔ اس نظریے کے مطابق مہدی کی طویل پوشیدگی اور ظاہر ہونے میں تاخیر کی وجہ سے اس کے فرائض منصبی اور اختیارات مکمل طور پر شیعی فقیہ کے سپرد کر دیے جائیں۔ اس کی تفصیل اور آثار کے بارے میں گفتگو آگے ذکر ہوگی، کیوں کہ خمینی نے اپنی حکومت قائم کرنے کے بعد ان کے مہدی منتظر کے تمام اختیارات اور فرائض سنبھال لیے تھے۔

دوسرا سبب:

یہ بات زبان زدِ خاص و عام ہے کہ یہ وہ واحد ملک ہے، جو اس زمانے میں اسلام کی نمایندگی کرتا ہے، شیعہ علما ہی مسلمانوں کے مراجع اور فتویٰ دینے کے اہل ہیں اور اس کے بانی مجدد تھے، یہ بات آج بعض مسلمانوں میں بھی رائج اور مشہور ہو چکی ہے۔

ان کا ملک اور ریاست قائم ہونے کے بعد کہا گیا:

''شیعہ مذہب اپنی حقیقی پاکیزگی، یعنی اللہ اور اس کے رسول کے لیے ولا اور دوستی، آلِ بیت کے

ساتھ اللہ کی رضا کی خاطر سچی محبت، کی طرف لوٹ آئی ہے، جس میں دوسرے مسلمانوں بالخصوص اصحابِ رسول ﷺ میں سے کوئی اپنا احترام نہیں کھوئے گا۔‘‘[1]

بعض اخبارات نے یہ دعویٰ کیا کہ ’’وہ ردعمل جو خمینی کی تحریک نے پیدا کیے، ان کا باعث صرف یہ تھا کہ خمینی کی تحریک سو فیصد اسلامی تحریک تھی۔‘‘[2]

بلکہ تیونس کے ’’المعرفۃ‘‘ نامی جریدے نے تو خمینی کو اسلام کی خدمت کے لیے شاہ فیصل ایوارڈ کے لیے بھی نامزد کیا۔[3] اسی راستے پر کچھ دوسرے جرائد اور رسالے بھی چلے جیسے الرائد[4]، الدعوۃ[5]، الرسالۃ[6] اور امان[7] وغیرہ اور یہ تمام مجلّات اہلِ سنت کی طرف منسوب ہیں۔

بعض اہلِ سنت کی طرف منسوب افراد نے خمینی اور اس کے انقلاب کے بارے میں کئی تحریریں لکھیں، جن میں اس کو سراہا گیا اور اس کو اسلامی حکومت کی صحیح مثال قرار دیا۔[8]

بعض اسلامی تحریکات نے ایسے بیانات جاری کیے، جو خمینی کے منہج کی تعریف اور تائید پر مشتمل تھے، حتی کہ اخوان المسلمون کی انٹرنیشنل تنظیم کے بیان میں خمینی کی حکومت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا:

’’یہ دنیا میں اکیلی اسلامی حکومت ہے۔‘‘[9]

اس فتنے کے سیاہ بادل مکمل طور پر چھا چکے تھے، جس کے آثار ابھی تک باقی ہیں، اگرچہ بہت سارے لوگ ہوش میں آ چکے ہیں اور ان کے سامنے حقیقت واضح ہوچکی ہے، اس کے باوجود ایسے لوگ ابھی تک موجود ہیں کہ جو خمینی پر اعتراضات کیے جاتے ہیں، وہ ان کو محض ایک ’’خود ساختہ‘‘ شور سے تعبیر کرتے ہیں۔[10]

---

[1] مجلة البلاغ (العد: ٥١٢) ٩ ذی القعدة ١٣٩٩ھ

[2] مجلة الاعتصام، العدد الخامس، السنة الثانية والأربعون، ربيع أول ١٣٩٩ھ

[3] دیکھیں: مجلة المعرفة التونسية (العدد: ٩) السنة الخامسة، ذی الحجة ١٣٩٩ھ

[4] دیکھیں: الرائد الألمانية (العد: ٣٤) ذی الحجة ١٣٩٨ھ (ص: ٢٥۔ ٢٦)

[5] دیکھیں: الدعوة المصرية (العدد: ٣٠) في ١/ ١٢/ ١٣٩٨ھ (ص: ٨)

[6] دیکھیں: رسالة اللبنانية (العدد ٢٩) جمادی الثانية ١٣٩٩ھ

[7] دیکھیں: الأمان بنانية (العد: ٣١) ٩ شوال ١٣٩٩ھ

[8] ① مثلًا الخمینی، الحل الإسلامي والبديل، تأليف: فتحي عبد العزيز، ناشر در المختار الإسلامي. ② ”مع ثورة إيران“ المركز الإسلامي آخن. ③ ”نحو ثورة إسلامية“ لمحمد عنبر.

[9] دیکھیں: الشيعة والسنة ضجة مفتعلة، وهو من سلسلة الكتب التي تصدرها دار المختار الإسلامي (ص: ٥٢)

[10] دیکھیں: المصدر السابق.

شیعہ نے اپنے مذہب کی اشاعت اور پروپیگنڈے کے لیے اس ماحول اور فضا سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور اسلامی اخبار کی اس ابلاغی اور تشہیری مہم نے نوجوانانِ اسلام کے سامنے اس حقیقت کو چھپانے میں حصہ ڈالا، کیوں کہ یہ اخبارات اہلِ سنت اور شیعہ کے درمیان اختلافات کے بارے میں اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتیں کہ ان میں صرف یہ اختلاف ہے کہ ابوبکر وعلی میں سے خلافت کا زیادہ حق دار کون تھا۔ وہ ایک امت تھی، جو گزر چکی ہے اور آج یہ اختلاف کوئی ایسا مسئلہ نہیں رہا، جس کی کوئی حیثیت ہو۔

چنانچہ یہ صورتِ حال اور ماحول فتنے اور رافضیت کو پھیلانے کے لیے زرخیز میدان تھا، اس لیے اس حقیقت کو بیان کرنے اور لوگوں کو اس سے آگاہ کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ اس لیے تجدید اور تغیر و اصلاح کے اس دعوے پر تنقیدی بحث کرنا از حد ضروری ہے اور شاید اس ریاست کے بانی کی فکر وسوچ اور اس کے دستور کے مواد اور شقوں کا تجزیاتی مطالعہ کرنا اس کے بارے میں حقیقت پسندی اور غیر جانبداری پر مشتمل حکم صادر کرنے میں معاون ثابت ہو۔[1]

[1] میں نے اپنے ایم۔اے کے مقالے میں خمینی اور تقریب کے موضوع پر لکھا ہے۔ اب اس تحقیق میں مَیں اس موضوع کے لیے ایسے پہلو بے نقاب کر کے اس کو مکمل کروں گا، جن پر شاید اس سے پہلے خمینی کے بارے میں لکھی گئی کتابوں پر خامہ فرسائی نہیں کی گئی۔

جدید شیعہ ریاست کے بانی کے افکار

خمینی کی، ''کشف الاسرار''[1]، ''تحریر الوسيلة''، ''الحكومة الإسلامية''، ''مصباح الإمامة والولاية''، ''رسائل التعادل والترجيح''، ''التقية''، ''دروس في الجهاد والرفض'' اور''سر الصلاة'' وغیرہ کتابوں میں اس کی تحریروں کے مطالعے کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ اس کے کئی رجحانات ہیں، جن میں شاید درج ذیل اہم ہیں:

① بت پرستانہ رجحان۔

② غالی صوفیانہ رجحان۔

③ نبوت کا دعویٰ۔

④ رافضیت میں غلو۔

⑤ عمومی ولایتِ فقیہ (یا منتظر کی مکمل نیابت)

① بت پرستانہ رجحان[2]:

خمینی اپنی کتاب ''كشف الأسرار'' میں شرک کے داعی اور مشرکین کی قوم کے وکیل کی حیثیت سے نمودار ہوا ہے۔ وہ اس عنوان ''مُردوں سے حاجات طلب کرنے میں کوئی شرک نہیں'' کے تحت لکھتا ہے:

''ممکن ہے کہا جائے کہ مُردوں کا وسیلہ پکڑنا اور ان سے حاجت طلب کرنا شرک ہے، کیونکہ نبی اور امام جمادات کے سوا اور کچھ نہیں، ان سے کسی نفع یا نقصان کی توقع نہیں رکھی جا سکتی۔

''جواب: شرک غیر اللہ سے اس عقیدے کے ساتھ حاجت طلب کرنے میں ہے کہ غیر کو معبود اور رب سمجھا جائے، لیکن جب اللہ کے علاوہ دوسرے کے متعلق یہ عقیدہ رکھے بغیر حاجت طلب کی

---

[1] یہ کتاب فارسی زبان میں ہے۔ اس کتاب کے کئی حصوں کو ایک فارسی جاننے والے شخص نے عربی میں ترجمہ کیا۔ اسلامک یونیورسٹی مدینہ طیبہ کے ایک استاذ نے۔ اللہ اس کو جزائے خیر دے۔ مجھے اس کی فوٹو کاپی ارسال کی ہے۔

[2] میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس نے خمینی کے اس رجحان کو، اس کی خطرناکی اور سنگینی کے باوجود، موضوعِ سخن بنایا ہو۔

جائے تو وہ شرک نہیں ہوتا اور اس مفہوم میں مُردہ اور زندہ کے درمیان کوئی فرق نہیں، اس لیے اگر کوئی کسی پتھر یا کچی اینٹ سے مدد مانگے تو وہ شرک نہیں ہوگا، حالانکہ اس نے ایک باطل کام کیا ہے۔ دوسری طرف سے ہم انبیا کی مقدس ارواح اور ائمہ سے مدد طلب کرتے ہیں، جن کو اللہ نے قدرت دی ہے۔ یہ امر قطعی دلائل اور عقلی مضبوط براہین سے ثابت ہو چکا ہے۔ روح کی مرنے کے بعد زندگی ہوتی ہے اور اس جہاں میں ارواح کا مکمل احاطہ ہوتا ہے۔‘‘[1]

اس کے بعد اس نے اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے فلاسفہ کے اقوال ذکر کیے ہیں۔ یہ اقتباس درج ذیل امور پر مشتمل ہے:

- اس کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کے سوا پتھروں، بتوں اور قبروں کو پکارنا شرک نہیں، اگر پکارنے والا یہ عقیدہ نہ رکھے کہ وہ معبود اور رب ہیں۔ یہ باطل اور جھوٹی بات ہے، کیونکہ یہ بعینہٖ شرک اکبر ہے، جس کی تردید کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجے اور کتابیں نازل کیں۔ یہ انھی مشرکوں کا شرک ہے، جن کے خلاف رسول اللہ ﷺ نے جہاد کیا۔ یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ مشرکین اپنے ’’بتوں‘‘ کے متعلق یہ قطعاً عقیدہ نہیں رکھتے تھے کہ وہ رب ہیں، بلکہ وہ تو یہ کہتے تھے، جو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کہا ہے:

﴿ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ [الزمر: ۳]

’’ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لیے کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں، اچھی طرح قریب کرنا۔‘‘

نیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ [یونس: ۱۸]

’’اور وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انھیں نقصان پہنچاتی ہیں اور نہ انھیں نفع دیتی ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ کہہ دے کیا تم اللہ کو اس چیز کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے اور نہ زمین میں؟ وہ پاک ہے اور بہت بلند ہے اس سے جو وہ شریک بناتے ہیں۔‘‘

---

[1] كشف الأسرار (ص: ۳۰)

نیز فرمایا:

﴿ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ﴾ [المؤمنون: ٨٤۔ ٨٩]

''کہہ یہ زمین اور اس میں جو کوئی بھی ہے کس کا ہے، اگر تم جانتے ہو؟ ضرور کہیں گے اللہ کا ہے۔ کہہ دے پھر کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ کہہ ساتوں آسمانوں کا رب اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ ضرور کہیں گے اللہ ہی کے لیے ہے۔ کہہ دے پھر کیا تم ڈرتے نہیں؟ کہہ کون ہے وہ کہ صرف اس کے ہاتھ میں ہر چیز کی مکمل بادشاہی ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں پناہ نہیں دی جاتی، اگر تم جانتے ہو؟ ضرور کہیں گے اللہ کے لیے ہے۔ کہہ پھر تم کہاں سے جادو کیے جاتے ہو؟''

اس سے ثابت ہوا کہ مشرکین عرب اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے اور ہر چیز کے خالق ہونے کا اقرار کرتے تھے، اس کے باوجود وہ مشرک تھے، ان کا شرک بھی یہی شرک تھا، جس کی خمینی دعوت دیتا ہے۔

- خمینی کا یہ عقیدہ کہ فوت شدہ ائمہ نفع و نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتے ہیں اور وہ ان سے مدد طلب کرتے ہیں، یہ بلاشک وشبہہ شرکِ اکبر ہے۔ مُردے اپنے آپ کو بھی کوئی نفع یا نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے۔ کیا اس عقیدے اور مشرکینِ قریش کے شرک اور دیگر مشرک قوموں کے شرک کے درمیان کوئی فرق ہے، جن کا اکثر شرک اسی نوع کا تھا؟[1]
- اس کا یہ دعویٰ کہ روحیں اس عالم پر مکمل احاطہ رکھتی ہیں۔ اس کے بعد وہ اپنے مُدّعا کو ثابت کرنے کے لیے فلسفے کے طومار میں ہاتھ مارتا ہے۔ اس عالم کا احاطہ کرنے والی صرف ایک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے:

﴿ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا﴾ [النساء: ١٢٦]

''اور اللہ ہمیشہ سے ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے۔''

روح مخلوق ہے اور اس کا انجام متعین ہے۔ یہ جسم کو چھوڑنے کے بعد یا نعمت میں ہوگی یا عذاب میں، اس کا عالم کے احاطے میں کوئی حصہ نہیں، لیکن انسان پر اس کی اصل اور نسل کا اثر تو ضرور ہوتا ہے، اس لیے اگر

[1] دیکھیں: شرح الطحاویة (ص: ٢٠)

وہ اس طرح کی باتیں کر رہا ہے تو کچھ عجب نہیں، کیوں کہ جو انسان فلاسفہ کے الحاد اور رافضہ کے غلو کو ایک ساتھ اکٹھا کرتا ہے، اُس سے اِس سے بھی قبیح چیزیں صادر ہوسکتی ہیں۔

انسان کی حرکت وعمل پر کواکب اور ایام کی تاثیر کا عقیدہ:

خمینی فکر شرک اور مشرکین کے اوہام کی اسیر ہے، اس کا دعویٰ ہے کہ ہر مہینے میں چند دن منحوس ہوتے ہیں، جن میں ہر شیعہ پر لازم ہے کہ وہ ہر کام چھوڑ دے، نیز چاند کے بعض برجوں میں منتقل ہونے کی بھی انسان پر منفی تاثیر ہوتی ہے، اس لیے ایک شیعی کو چاہیے کہ جب تک چاند اس متعین برج سے گزر نہ جائے، اتنے دنوں تک وہ اپنے کسی مخصوص منصوبے پر کام کرنا چھوڑ دے۔ بلاشبہہ جو انسان یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ دنوں اور ستاروں کی خوش بختی حاصل کرنے یا کوئی نقصان پیدا کرنے یا دور کرنے میں تاثیر ہوتی ہے، وہ مشرک اور کافر ہے اور وہ وہی عقیدہ ہے، جو صابئہ (ستارہ پرست) ستاروں کے متعلق رکھتے ہیں۔

خمینی کے اس رجحان کی شاہد "تحریر الوسیلة" میں اس کی یہ تحریر ہے۔ وہ کہتا ہے:

''چاند جب برج عقرب میں ہو اور مہینے کے آخر دن میں ہو، جب وہ مکمل چھپ جاتا ہے اور نیا نکلنے کے لیے تیار ہوتا ہے تو ہر مہینے کے ان سات منحوس دنوں میں، جو تیسرا، پانچواں، تیرھواں، سولہواں، اکیسواں چوبیسواں اور پچیسواں دن ہیں، شادی کرنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔''[1]

یہ خمینی کا عقیدہ ہے، اس پر اور اس کے پیروکاروں پر تحفہ اثنا عشریہ کے مصنف شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کا یہ جملہ صادق آتا ہے:

''صابی (ستارہ پرست) ان دنوں سے، جب چاند برج عقرب میں ہوتا یا کنارے میں، یا نیا نکلنے کے لیے مکمل چھپ جاتا، تو وہ ان سے احتراز برتتے، ایسے ہی رافضہ بھی ان دنوں سے احتراز کرتے ہیں۔ ستارہ پرستوں کا عقیدہ تھا کہ تمام ستارے فاعل اور خود مختار ہیں اور عالم سفلی کا یہی انتظام وتدبیر کرتے ہیں، ایسے ہی رافضہ بھی یہی سمجھتے ہیں۔''[2]

خمینی کے نزدیک شرک کی حقیقت:

اگر اس کے نزدیک مشرکین کی بت پرستی شرک نہیں، تو پھر وہ کون سا کام ہے، جو اس کی نگاہ میں شرک

---

[1] تحریر الوسیلة (۲/ ۲۳۸)

[2] مختصر التحفة (ص: ۲۹۹) نیز دیکھیں: باب ما جاء في التنجيم من كتاب التوحيد مع شرحه فتح المجيد (ص: ۳٦۵)

ہے؟ وہ کہتا ہے:

''ایسی بہت ساری روایات موجود ہیں، جو ہر غیر اسلامی نظام کو شرک کہتی ہیں اور اس کے حاکم یا گورنمنٹ کو طاغوت سے تعبیر کرتی ہیں۔ ہم اپنے مسلم معاشرے میں شرک کے آثار مٹانے کے ذمے دار ہے اور ہم اس کو اپنی زندگی سے مکمل طور پر دور کر دیں گے۔''[1]

آپ دیکھتے ہیں کہ اس کے نزدیک شرک کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی اہلِ سنت کے اسلامی ملک کا سربراہ بن جائے تو وہ مشرک ہوگا اور اس کے باشندے بھی مشرک ہوں گے، چنانچہ ان کا دین ''ولایت'' ہے، توحید نہیں، اس لیے شرک نے ان کے علاقوں میں ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔

② تصوف میں غلو یا حلول و اتحاد، یعنی وحدت الوجود کا نظریہ:

خمینی کی کتاب "مصباح الهداية إلى الخلافة والولاية" اور ایک دوسری کتاب "سر الصلاة" میں اس کے نزدیک تصوف کی صورت اپنے بڑے واضح مظاہر اور شوخ و شنگ انداز میں نظر آتی ہے۔ مندرجہ ذیل صفحات پر اس کے بعض غالی صوفیانہ رجحانات کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

(ا) حلول خاص کا نظریہ:

وہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہتا ہے:

''آپ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا خلیفہ ملک اور ملکوت میں آپ کا قائم مقام، جبروت اور لاہوت میں ان کی حقیقت کے ساتھ متحد، شجرہ طوبی کی اصل، سدرۃ المنتہیٰ کی حقیقت، کسی مقام میں یا اس سے ادنیٰ پر رفیق اعلیٰ، روحانیوں کا معلم، انبیا اور مرسلین کی مدد کرنے والا علی امیر المومنین ہے۔''[2]

اس کے اس قول پر غور کیجیے: ''لاہوت کے ساتھ متحد...'' یہ عیسائیوں کے لاہوت کے ناسوت میں حلول کرنے کے قول جیسا قول اور نظریہ ہے۔ اس سے پہلے غالی شیعہ نے یہ دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ علی رضی اللہ عنہ میں حلول کر گئے ہیں۔[3] اس جیسے غالی اور ملحدانہ افکار آج تک ان علما کے دماغوں پنپ رہے ہیں، جس طرح آپ دیکھتے ہیں۔

ان کے الزام کے مطابق، اللہ تعالیٰ کے حضرت علی میں حلول کرنے کے دعوے کے پیشِ نظر خمینی حضرت

---

[1] الحكومة الإسلامية (ص: ٣٣۔ ٣٤) نیز دیکھیں: اعتقادهم في توحيد الألوهية (ص: ٤٢٥ وما بعدها)

[2] مصباح الهداية (ص: ١)

[3] متعدد غالی شیعہ فرقوں کے ہاں حلول کا نظریہ ملاحظہ کرنے یک لیے دیکھیں: مقالات الإسلاميين (١/ ٨٣۔ ٨٦) امام شہرستانی نے ذکر کیا ہے کہ تمام غالی شیعہ فرقے نظریہ حلول پر متفق ہیں۔ (الملل والنحل: ١/ ١٧٥)

علی کی طرف یہ قول منسوب کرتا ہے کہ انھوں نے کہا:

''میں باطن میں انبیا کے ساتھ تھا اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ظاہر میں تھا۔''[1]

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے خمینی کہتا ہے:

''آپ علیہ السلام (علی رضی اللہ عنہ) کلی اور مطلق ولایت کے مالک ہیں۔ ولایت خلافت کا باطن ہے، ... وہ اپنی کلی ولایت کے مرتبے کی وجہ سے ہر نفس پر قائم اور نگران ہیں، جو اس نے کمایا اور تمام اشیا کے ساتھ برحق الٰہی قیومی معیت کے سائے کی طرح قیومی اور ظلِ الٰہی کی معیت رکھتے ہیں، لیکن چوں کہ ولایت انبیا میں زیادہ ہے، اس لیے بالخصوص ان کا ذکر کیا۔''[2]

آپ دیکھتے ہیں کہ خمینی اس غلو میں ڈوبے ہوئے کلمے اور جھوٹ کے زور پر حضرت علی کی طرف منسوب اس قول پر جو تعلیق لکھ رہا ہے، وہ غلو اور انتہا پسندی میں اس سے بھی چار ہاتھ آگے ہیں۔ وہ اس کے نزدیک صرف انبیا ہی پر قائم نہیں، بلکہ ہر نفس پر نگران ہیں، اس غرض کے لیے وہ اس آیت کا انتخاب کرتا ہے، جو اللہ کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ اس کے ساتھ مخلوق کو متصف کرتا ہے۔ وہ آیت یہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ﴾ [الرعد: ٣٣]

''تو کیا وہ جو ہر جان پر اس کا نگران ہے جو اس نے کمایا (کوئی دوسرا اس کے برابر ہوسکتا ہے؟)۔''

یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ حفیظ وعلیم ہے اور ہر سانس لینے والی جان کا نگران ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَ مَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّ مَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّ لَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ﴾ [يونس: ٦١]

''اور تو نہ کسی حال میں ہوتا ہے اور نہ اس کی طرف سے (آنے والے) قرآن میں سے کچھ پڑھتا ہے اور نہ تم کوئی عمل کرتے ہو، مگر ہم تم پر شاہد ہوتے ہیں، جب تم اس میں مشغول ہوتے ہو۔''[3]

ہر آنکھ رکھنے والے کے سامنے حقیقت بالکل عیاں ہو چکی ہے۔ یہ قول کہ حضرت علی ہر جان پر قائم اور نگران ہیں، اگر صریحاً ان کو خدا قرار دینا نہیں تو اور کیا ہے؟ وہ اس فرمانِ الٰہی: ﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ﴾ [الرعد: ٢] ''وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے، کھول کھول کر آیات بیان

[1] مصباح الهداية (ص: ١٤٢)

[2] مصباح الهداية (ص: ١٤٢)

[3] تفسير ابن كثير (٢/ ٥٥٦)

کرتا ہے، تا کہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرلو۔'' کے متعلق کہتا ہے:

''یعنی تمھارا وہ رب جو امام ہے۔''[1]

حلول اور کلی وحدت الوجود کا نظریہ:

خمینی جزوی حلول یا حضرت علی کے ساتھ خاص حلول کے مرحلے سے گزر کر عمومی حلول کے مرحلے میں داخل ہو چکا ہے۔ وہ اپنے تصور کے مطابق توحید اور اس کے مقامات پر گفتگو کرنے کے بعد کہتا ہے:

''تمام مقامات اور توحیدوں کا نتیجہ فعل اور صفت کی عدمِ رؤیت ہے، حتی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اور کثرت کی کلیت کے ساتھ نفی اور وحدتِ محض کا شہود ...۔''[2]

یوں لگتا ہے کہ اس کا یہ قول ''فعل وصفت کی عدمِ رؤیت، حتی کہ تعالیٰ کی طرف سے بھی'' اتحادیہ (وحدت الوجود) کے مذہب کی تاکید ہے، کیوں کہ امتیازی اور نمایاں فعل کو دیکھنا اور اللہ تعالیٰ کے لیے متعین صفت کو ثابت کرنا دوسرا اور غیر ثابت کرنا ہے، جو ان کے نزدیک شرک ہے، اس کے بعد وہ اپنے ایک امام سے نقل کرتا ہے کہ اس نے کہا:

''ہمارے اللہ تعالیٰ کے ساتھ حالات ہیں، وہ وہ ہے، اور ہم ہم، وہ ہم ہیں اور ہم وہ۔''[3]

پھر اس پر تعلیق لکھتے ہوئے کہتا ہے:

''اہلِ معرفت بالخصوص شیخ کبیر محی الدین کے کلمات اور عبارتیں اس جیسے الفاظ سے بھرے ہوئے ہیں، جیسے اس کا یہ قول: حق مخلوق ہے اور مخلوق حق، حق حق ہے اور مخلوق مخلوق۔''

وہ اس کے اقتباسات نقل کرتے ہوئے ذکر کرتا ہے: ''یقیناً حق منزّہ وہی حق مشبّہ ہے۔''[4]

اس کے بعد اس نے ابن عربی کے کلام سے کئی جملے نقل کیے ہیں۔[5]

پھر کہتا ہے:

''ظہور اور وجود صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہے اور احرار کے نزدیک عالَم خیال میں ایک خیال ہے۔''[6]

---

1. مصباح الهداية (ص: ١٤٥)
2. مصباح الهداية (ص: ١٣٤)
3. المصدر السابق (ص: ١١٤)
4. اصل مصدر میں لفظ ''مشیئت'' ہے۔ یہ واضح طور پر عبارت میں غلطی ہے۔
5. مصباح الهداية (ص: ١١٤)
6. المصدر السابق (ص: ١٢٣)

مزید کہتا ہے:

''جب حقیقت کا گھر کثرت کے غبار سے صاف ہوجائے، نور اور اندھیرے کے پردے اٹھ جائیں، توحید ذاتی کا مقام پا لے اور کلی فنا ہوجائے تو تب اس کے لیے حقیقی استعاذہ حاصل ہوتا ہے۔''

پھر کہتا ہے:

''اس کا فرمان: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ بندے کا مطلق اور کلی فنا کے ساتھ حق تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے۔''[1]

اس کے بعد آپ اس کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے وحدۃ الوجود کے مذہب پر ابن عربی کے اقوال سے استدلال کرتا ہے، جس کو وہ شیخ کبیر[2]، قونوی اور خلیفہ شیخ کبیر محی الدین کے القاب سے ذکر کرتا ہے۔[3]

اس طرح ثابت ہوجاتا ہے کہ خمینی نے حلول واتحاد کے قائلین کا منہج اختیار کیا ہے۔

(ل) نبوت کا دعویٰ:

تصوف کی گندی رطوبتوں اور فلسفے کے خیالات نے اس کے ہاں ایک عجیب دعوے اور صریح کفر کو جنم دیا ہے۔ وہ سالک کے لیے چار سفروں کا نقشہ بناتا ہے۔ پہلا سفر مقامِ فنا تک جا کر ختم ہوجاتا ہے، جس میں مخفی راز اور زیادہ مخفی راز دونوں ہیں، پھر اس سے شطحات رونما ہوتے ہیں (اس پر وجد طاری ہوجاتا ہے اور وہ اول فول بکنا شروع کر دیتا ہے) اور اس پر کفر کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔ اگر اس کو خدائی توجہ اپنی لپیٹ میں لے لے، تو وہ ربوبیت میں ظہور کے بعد عبودیت کا اقرار کر لیتا ہے۔[4]

اس کے نزدیک دوسرا سفر یہاں آ کر ختم ہوتا ہے کہ ''اس کی ولایت مکمل ہوجاتی ہے اور اس کی ذات، صفات اور افعال حق (سبحانہ) کی ذات، صفات اور افعال میں فنا ہوجاتی ہے، اسی میں فنائیت سے فنا مل جاتی ہے، جو زیادہ چھپا مقام ہے اور ولایت کا دائرہ مکمل ہوجاتا ہے۔''[5]

تیسرے سفر میں: ''اس کو مکمل بیداری حاصل ہوجاتی ہے اور وہ اللہ کے باقی رکھنے کے ساتھ باقی رہتا ہے، پھر وہ عالمِ جبروت، عالمِ ملکوت اور عالمِ ناسوت میں سفر کرتا ہے، اس کو نبوت کا بھی کچھ حصہ حاصل ہوتا ہے

---

[1] سر الصلاۃ (ص: ۱۷۸)

[2] مثال کے طور پر دیکھیں: مصباح الهداية (ص: ۸٤، ۹٤، ۱۱۲)

[3] المصدر السابق (ص: ۱۱۰)

[4] مصباح الهداية (ص: ۱۸٤)

[5] المصدر السابق (ص: ۱٤۸۔ ۱٤۹)

اور یہ نبوت تشریعی نہیں۔ یہاں تیسرا سفر ختم ہوجاتا ہے اور چوتھا سفر شروع ہوجاتا ہے۔[1] چوتھے سفر میں وہ نبوت تشریعی کے ساتھ نبی بن جاتا ہے۔''[2]

بنا بریں اس کے نزدیک سفر کے مراحل حسبِ ذیل ہیں:

پہلے فنا، پھر ولایت (اس میں فنا سے فنائیت ہے) پھر نبوت بلا تشریع اور پھر مکمل نبوت۔

یہ اقتباس اس بات پر مشتمل ہے کہ نبوت اہلِ تصوف کے مجاہدوں، مراقبوں اور ریاضتوں کے ذریعے خود حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس دعوے کی جڑیں قدیم صوفیانہ فلسفے سے جاملتی ہیں، اس لیے قاضی عیاض نے کہا ہے:

''جس نے اپنے لیے نبوت کا دعویٰ کیا یا اس کے کسبی ہونے اور صفائے قلب کے ساتھ اس کے مرتبے تک پہنچنے کو ممکن کہا، جس طرح فلسفی اور غالی صوفی کہتے ہیں، ہم اس کو کافر قرار دیتے ہیں۔''[3]

یہ نظریہ صریح کفر، کھلا الحاد، نبوت و انبیا کا انکار اور دینِ اسلام سے خروج ہے۔ یوں لگتا ہے کہ وہ اپنے لیے ان مقامات تک رسائی کا دعویٰ کرتا ہے، اس نے اپنی کتاب ''الحكومة الإسلامية'' میں دعویٰ کیا ہے:

''رافضی فقیہ موسیٰ اور عیسیٰ کے مرتبے پر ہے۔''[4]

یہ بھی ذہن سے غائب نہ رہے کہ شیعہ کے نزدیک امامت کا مقامِ نبوت کے مقام سے اعلیٰ ہے، جس طرح پہلے ذکر ہوچکا ہے،[5] اس کا خود خمینی کے کلام میں بھی ذکر آئے گا، اس کے ساتھ ساتھ خمینی کو ایران میں امام کہا جاتا ہے، یعنی اسے اس صفت کے ساتھ متصف کیا جاتا ہے، جو شیعہ کے نزدیک نبوت کی صفت سے بھی بلند ہے۔[6]

اسی لیے مرتضیٰ کتبی (استاد طہران یونیورسٹی) اور جان لیون وانڈرون (فرانسیسی صحافی) نے کہا ہے:

''ایرانی قوم کی اکثریت روح اللہ خمینی کو آیت اللہ شمار نہیں کرتی، بلکہ امام خیال کرتی ہے اور یہ ایک نادر لقب ہے، جو شیعہ کی تاریخ میں کسی کو نہیں دیا گیا۔''[7]

---

[1] المصدر السابق (ص: ١٤٩)

[2] المصدر السابق.

[3] الشفاء (٢/ ١٠٧٠۔ ١٠٧١)

[4] الحكومة الإسلامية (ص: ٩٥)

[5] اسی کتاب کا صفحہ (٢٠٧) دیکھیں۔

[6] شیعہ کے نزدیک امام کی اصطلاح مکمل طور پر اہلِ سنت سے جداگانہ ہے اور اسی بنا پر شیعہ کے اس لفظ کے استعمال پر اہلِ سنت متنبہ نہیں ہوتے۔

[7] المجتمع والدين عند الإمام الخميني، یہ مضمون ''الموند الفرنسية'' میں شائع ہوا، پھر ایک کتاب ''إيران'' (ص: ٢١٦) میں طبع ہوا۔

ایک ایرانی بیوروکریٹ فخر الحجازی نے جب یہ کہا کہ ''خمینی اللہ کے نبی حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے بھی عظیم تر ہے۔'' تو اس نے بھی اس بات کی تاکید کی۔ یہ بات کہہ کر اس نے خمینی کی خوشنودی حاصل کی، چنانچہ خمینی نے اس کو تہران کا ڈپٹی مقرر کیا اور اسے ملک کے سب سے بڑے مالیاتی ادارے ''مؤسسة المستضعفين'' کا چیئر مین بنا دیا۔''[1]

ہم محمد جواد مغنیہ کو بھی دیکھتے ہیں کہ وہ بھی خمینی کو اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تلمیحاً کچھ برتری دیتے ہوئے کہتا ہے:

''السید المعلم (خمینی) نے اپنی کتاب "الحكومة الإسلامية" (ص: ۱۱۱) میں کہا ہے: خوف کیوں؟ قید ہوگی یا جلا وطنی یا پھر قتل۔ اللہ کے ولی تو اللہ کی رضا چاہنے کے لیے اپنی جانیں بیچ دیتے ہیں۔''

اس کے بعد مغنیہ اس پر تعلیق لکھتے ہوئے کہتا ہے:

''یہ کلمات محض غضب کی کوئی علامت یا جوش اور ابال نہیں، جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے تورات کی تختیاں پھینک کر کیا اور اپنے بھائی کو سر سے پکڑ کر کھینچنا شروع کر دیا، بلکہ یہ جذباتی آگ سے الگ، علم اور قطعی منطق پر مبنی ہیں۔''[2]

یہ مغنیہ کی حرف بہ حرف عبارت ہے، جس سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ خمینی اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ کامل ہے۔ خمینی کا فعل علم اور منطق پر مبنی ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا فعل غصے اور جذبات کا نتیجہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اتنے کریم الاصل اور عظیم الشان نبی ہیں کہ ان کا کسی ولیوں کے خالص ترین ولی کے ساتھ بھی کوئی تقابل نہیں بنتا، خمینی کون ہوتا ہے کہ اس کو ان پر برتری دی جائے یا ان کے ساتھ تقابل میں اس کا نام بھی پیش کیا جائے؟ لیکن غالیوں کی منطق ہی نرالی ہے، ان کے دل اللہ کے انبیا اور اس کے رسولوں کی تعظیم سے خالی ہیں، کیوں کہ ان کے اپنے ائمہ اور ان کے نائبین کے متعلق غلو نے ان کے دلوں سے رسالت اور رسولوں کی عظمت نکال دی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ خمینی نے اپنا نام اذان میں داخل کیا اور شہادتین پر اس کو مقدم کیا۔ ڈاکٹر موسیٰ موسوی[3] کہتا ہے:

''خمینی نے اپنا نام نمازوں کی اذان میں داخل کیا اور اپنا نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر بھی مقدم کیا،

---

[1] موسیٰ الموسوي: الثورة البائسة (ص: ١٤٧)

[2] الخميني والدولة الإسلامية (ص: ١٠٧)

[3] یہ شیعہ کے عالم ابو الحسن الموسوی اصفہانی کا پوتا ہے، اس نے تہران یونیورسٹی اور پیرس یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں اور اس نے کئی یونیورسٹیوں میں فلسفے اور اقتصادیات کے پروفیسر کے طور پر کام کیا۔

چنانچہ جب خمینی نے حکومت سنبھالی، تو ایران کی تمام مساجد میں اذان اس طرح دی جاتی تھی: اللہ اکبر، اللہ اکبر، خمینی راہبر، پھر "أشهد أن محمد رسول اللّٰه"کہا جاتا۔"[1]

بلکہ "أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه"کا اصلاً ذکر ہی نہیں ہوا۔ یہ مولف کی بھول بھی ہوسکتی ہے۔ اگر چوتھی صدی میں شیعہ کا عالم ابن بابویہ یہ سمجھتا ہے کہ شیعہ کا اذان میں یہ کہنا: "أشهد أن عليا ولي اللّٰه..." مفوضہ[2] نے گھڑا ہے، اللہ ان پر لعنت کرے۔"[3] تو معلوم ہوا کہ معاصرین اور متقدمین کے راستے جدا جدا ہیں۔ معاصرین نے اپنے اور غالیوں کے درمیان تمام فرق مٹا دیے ہیں اور زندیقیت وغلو کی طرف اپنے مذہب کو واپس لے جانے کے سفر کی ان کے ہاں کوئی حدود نہیں، جہاں وہ پڑاؤ ڈال سکیں۔

④ رافضیت میں غلو:

خمینی کا شیعیت میں غالی اور انتہا پسند مذہب کو لینے کا رجحان ہے، جو غالی رافضیوں کا مذہب ہے۔[4] اس کے ائمہ کو انبیا پر برتری دینے کے غالیوں کے نظریے پر اعتماد کی دلیل، اس کا یہ کہنا ہے:

''ہمارے مذہب کی ضروریات (بنیادی عقائد) میں داخل ہے کہ ہمارے ائمہ کا مقام اتنا بلند ہے، جس تک کوئی مقرب فرشتہ پہنچ سکتا ہے نہ کوئی نبی مرسل ہی ...ان سے منقول ہے: ہمارے اللہ کے ساتھ حالات ہیں، جو کسی مقرب فرشتے یا مرسل نبی کی پہنچ سے باہر ہیں۔''[5]

یہ بعینہٖ غالی رافضیوں کا مذہب ہے، جیسا عبدالقاہر بغدادی،[6] قاضی عیاض[7] اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ[8] نے ثابت کیا ہے۔

---

① الثورة البائسة (ص: ١٦٢۔ ١٦٣) نیز دیکھیں: عبد الجبار العمر: الخميني بين الدين والدولة (ص: ٦)

② مفوضہ۔ غالی شیعہ کا ایک گروہ ہے، جن کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو پیدا کیا، پھر جہاں کی تخلیق اور انتظام آپ ﷺ کے سپرد کر دیا، پھر محمد نے جہاں کا انتظام حضرت علی کے سپرد کر دیا، لہٰذا وہ دوسرے منتظم ہیں۔ (دیکھیں: مقالات الإسلاميين للأشعري: ١/ ٨٨، الفرق بين الفرق للبغدادي، ص: ٢٥١، اعتقادات فرق المسلمين والمشركين للرازي، ص: ٩٠، الخطط للمقريزي: ٢/ ٣٥١) نیز شیعہ کتب دیکھیں: المفيد: تصحيح الاعتقاد، ص: ٦٤۔ ٦٥، المجلسي: بحار الأنوار: ٢٥/ ٣٤٥)

③ دیکھیں: من لا يحضره الفقيه (١/ ١٨٨۔ ١٨٩)

④ اس کے رافضہ نام کے ساتھ شغف کا یہ عالم ہے کہ اس نے اپنی ایک کتاب کا نام "دروس في الجهاد والرفض" رکھا ہے۔

⑤ الحكومة الإسلامية (ص: ٥٢)

⑥ دیکھیں: أصول الدين (ص: ٢٩٨)

⑦ الشفاء (٢/ ٢٩٠)

⑧ منهاج السنة (١/ ١٧٧)

آپ دیکھتے ہیں کہ وہ خمینی غالی رافضیوں کا مذہب تمام معاصرین کی طرف منسوب کرتا ہے کہ یہ شیعہ کے نزدیک ضروریاتِ مذہب میں داخل ہے، بنا بریں معاصرین ائمہ اسلام کے فیصلے کے مطابق غالی رافضی ہیں۔ یہی نہیں، بلکہ خمینی کا اپنے ائمہ کے بارے میں عقیدہ وہی ہے، جو چوتھی صدی ہجری کے شیعہ علما کی نگاہ میں غالیوں کا مذہب تھا، اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ بھی یہی کہتا ہے کہ اس کے ائمہ کے بارے میں ''سہو اور غفلت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔''[1]

یہ ان کے رئیس المحدثین ابن بابویہ کی نظر میں ائمہ کے بارے میں غالیوں اور مفوضہ کا مذہب ہے، جو ابن بابویہ وغیرہ کے نزدیک لعنت کے مستحق ہیں، اس کے الفاظ ہیں:

''غالیوں اور مفوضہ پر اللہ کی لعنت ہو، وہ نبی ﷺ کے سہو کے بھی منکر ہیں۔''[2]

اس نے اپنے استاذ محمد بن حسین بن ولید سے نقل کیا ہے کہ وہ نبی اور امام سے سہو کی نفی کو غلو خیال کرتا تھا،[3] نیز اس نے اپنی کتاب ''الإعتقادات'' میں ان غالیوں اور مفوضہ پر ان الفاظ میں حکم لگایا ہے:

''غالیوں اور مفوضہ کے بارے میں ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ اللہ۔جل اِسمہ۔ کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں اور وہ یہود و مجوس اور نصاریٰ سے بھی بُرے ہیں۔''[4]

ان تمام نظریات کے ساتھ ساتھ خمینی اپنے باقی عقائد میں اثنا عشریہ کے عقائد سے مختلف نہیں، جن پر میں نے اس بحث کے صفحات پر گفتگو کی ہے۔ یعنی خصوصاً صحابہ کرام اور عموماً اہلِ سنت کی تکفیر میں اس کے عقائد ان سے بالکل مختلف نہیں۔[5] حتی کہ وہ ان کو، ان کے سوا جن کو وہ کمزور (مستضعفین) کہتے ہیں[6]، نواصب کے لقب سے یاد کرتا ہے، بلکہ وہ اس مسئلے میں اپنی قوم کی شدت پسندی پر مبنی رائے کو اختیار کرتا ہے، یعنی ان کے ساتھ حربی کافر کا سا معاملہ کیا جائے۔ وہ کہتا ہے:

---

[1] الحکومة الإسلامية (ص: ٩١)

[2] من لا يحضره الفقيه (١/ ٢٣٤)

[3] المصد السابق.

[4] الإعتقادات (ص: ١٠٩)

[5] حتی کہ وہ اپنی کتاب ''تحرير الوسيلة'' (ص: ١/ ١٦٩) میں نماز میں ائمہ کے دشمنوں سے براءت کی مشروعیت ثابت کرتا ہے اور ائمہ کے دشمنوں سے مراد شیعہ کے ہاں تین یا سات کے علاوہ تمام صحابہ کرام ہیں۔ نیز خمینی اپنی کتاب ''کشف الأسرار'' (ص: ١١٢) میں سیدنا ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی تکفیر کی صراحت کرتا ہے۔ نیز دیکھیں: الندوي: صورتان متضادتان (ص: ٥٧۔ ٥٨) محمد منظور النعماني: الثورة الإيرانية في ميزان الإسلام (ص: ٤٨ وما بعدها)

[6] شیعہ کے نزدیک اس اصطلاح کی تعریف گزر چکی ہیں۔ دیکھیں (ص: ٩٥٩)

''قوی ترین رائے یہ ہے کہ ناصب کو حربی کافر کے ساتھ ملایا جائے، اس طرح ان کا مال، مالِ غنیمت کے طور پر لیا جائے اور اس سے خمس بھی نکالا جائے، بلکہ ظاہر مذہب یہ ہے کہ وہ جہاں بھی پایا جائے اور جس سمت بھی ہو، اس کا مال لینا جائز ہے اور اس سے خمس نکالنا واجب ہے۔''[1]

وہ نواصب سے اہلِ سنت کو اور شیعہ میں سے جن کو ان کے ساتھ ملایا جا سکے، یعنی جارودیہ کے علاوہ زیدی شیعہ کو مراد لیتا ہے، جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ صرف ''خوارج'' اس کی مراد نہیں، جو امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر پر ان کے اجماع کے سبب اہلِ سنت کے ہاں نواصب کے نام سے جانے جاتے ہیں، اس لیے کہ وہ نواصب کے ساتھ خوارج کو ایک علاحدہ قسم کے طور پر ذکر کرتا ہے، مثلاً وہ کہتا ہے:

''نواصب اور خوارج پر اللہ لعنت کرے، وہ دونوں پلید ہیں۔''[2]

قرآنِ کریم کے بارے میں ان کے عقیدے کے متعلق بھی خمینی اشارتاً حضرت علی کے پاس قرآن کے موجود ہونے کی خرافت کی تصدیق کرتا ہے کہ انھوں نے وہ قرآن صحابہ کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے اس کو رد کر دیا، نیز وہ قرآن بہت سارے اضافوں پر مشتمل ہے، جو اس قرآن میں نہیں۔ وہ کہتا ہے:

''شاید وہ قرآن جس کو اس نے (یعنی حضرت علی نے) جمع کیا اور رسول اللہ[3] کے بعد اسکو لوگوں تک پہنچانے کا ارادہ کیا، وہی قرآن کریم ہو، اس کے فہم میں وہ تمام خصوصیات داخل ہوں، جو ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق تحریر کیا گیا ہو۔''[4]

وہ ''فصل الخطاب'' کے مولف، ملحد مجوسی کے لیے رحمت کی دعا کرتا اور اس کی کتاب ''مستدرك الوسائل'' سے استفادہ کرتا ہے۔[5] اسی طرح وہ اپنی ان بنیادی کتابوں سے بھی استفادہ کرتا ہے، جو اس کفر پر مشتمل ہیں، جیسے، کلینی کی ''الکافي''[6] اور طبرسی کی ''الاحتجاج''[7] ہے۔ مولانا ابو الحسن علی ندوی نے ''کشف الأسرار'' کی بعض فارسی عبارتوں کا عربی ترجمہ کیا ہے، جو خمینی کے علی الاعلان اس کفر کے

---

[1] تحرير الوسيلة (١/ ٣٥٢) نیز دیکھیں: وجاء دور المجوس (ص: ١٨٦)

[2] تحرير الوسيلة (١/ ١١٨)

[3] اس نے یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درود کا ذکر نہیں کیا۔ صلى الله عليه وسلم.

[4] رسالة في التعادل والترجيح (ص: ٢٦) ضمن الجزء الثاني من الرسائل للخميني.

[5] دیکھیں: الحكومة الإسلامية (ص: ٧٧)

[6] دیکھیں: المصدر السابق (ص: ٦٢، ٦٣، ٩٤)

[7] دیکھیں: المصدر السابق (ص: ٧٧)

اظہار پر مشتمل ہیں۔[1]

''کشف الأسرار'' کی ایک مترجم عبارت میں جس میں خمینی سائل کے اس سوال کا کہ ''قرآن میں ائمہ کا ذکر کیوں نہیں ہوا؟'' جواب دیتے ہوئے کہتا ہے:

''وہ لوگ جن کا اسلام اور قرآن کے ساتھ تعلق صرف سرداری اور دنیاداری کے لیے تھا، وہ اپنے برے مقاصد کے لیے قرآن کو ذریعہ بناتے تھے، ان کے لیے ممکن تھا کہ اگر قرآن میں امام کا نام ذکر ہوتو وہ اس آسمانی کتاب میں تحریف کرتے ہوئے ان آیات کو اس سے مٹا دیں اور مسلمانوں کی زندگی پر شرمندگی کا یہ دھبا لگا دیں۔''[2]

یہاں وہ قرآن کریم میں تحریف کے واقع ہونے کی صراحت اشارے کی زبان میں کر رہا ہے، لیکن وہ کھلے الفاظ میں یہ دعویٰ کرتا ہے کہ کسی بھی شخص کے لیے قرآنِ کریم میں تحریف کرنا ممکن ہے، حالاں کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ۹] کو جھٹلاتی ہے۔

اس تنگ اور متعصب فکر کو دیکھیں، جس کا یہ دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اس خدشے کے پیشِ نظر کہ کہیں صحابہ قرآن میں تحریف نہ کر دیں، ائمہ میں اس کا ذکر نہیں کیا، جو ان کے عقیدے کے مطابق دین کی اصل اور مضبوط اساس ہے۔

اس طرح خمینی غیوبت کی خرافت کا بھی قائل ہے اور اس کے لوٹنے کا دعویٰ کرتا ہے، بلکہ وہ کہتا ہے:

''تمام انبیا دنیا میں عدالت کے قواعد مضبوط کرنے کے لیے آئے، لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے، حتی کہ نبی آخر الزمان، ختم المرسلین، حضرت محمد ﷺ بھی جو انسانیت کی اصلاح کے لیے آئے، اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس میں جو شخص کامیاب ہوگا، وہ مہدی منتظر ہے۔''[3]

مسلمانوں نے اس کی شدید مذمت کی اور رابطہ عالمِ اسلامی نے بھی ایک مذمتی بیان جاری کیا، جس میں اس نظریے کی مخالفت کی گئی اور وضاحت کی گئی کہ یہ صریحاً اسلام، قرآن وسنت اور اجماعِ امت کے خلاف ہے،

---

[1] دیکھیں: صورتان متضادتان (ص: ۵۸)

[2] كشف الأسرار (ص: ۱۱٤)

[3] یہ خمینی کی ایک تقریر ہے، جو اس نے شیعہ عقیدے کے مطابق امام مہدی کے جشنِ میلاد کی مناسبت سے ۱۵/ شعبان ۱۴۰۰ھ میں کی اور اسے تہران ریڈیو میں نشر کیا گیا۔ (الرأي العام الكويتية بتاريخ ۱۷ شعبان ۱٤۰۰ھ. اور دیکھیں: مجلة المجتمع الكويتية، العدد: ٤۸۸، في: ۸/ ۷/ ۱۹۸۰م) نیز دیکھیں: أحمد الأفغاني: سراب في إيران (ص: ٤۱۔ ٤۲) ونهج الخميني (ص: ٤۵۔ ٤۷)

اس کے علاوہ متعدد اداروں اور شخصیات کی طرف سے اس کی مذمت کی گئی۔[1]

جماعتِ اسلامی پاکستان کے رسالے میں خمینی کا یہ خطاب شائع کیا گیا اور اس پر ان الفاظ میں تنقید کی گئی:

''یہ اسلام اور تاریخ اسلام کی نفی اور تردید ہے، یہ ایسی بات ہے، جس کو دوست بھی ہضم نہیں کر سکتے۔''[2]

اپنی اس وضاحت میں وہ اپنے غلو میں اَٹے ہوئے مذہب کے مزاج اور فطرت سے باہر نہیں نکلا، اس کا عقیدہ ہے کہ ائمہ (مہدی بھی ان میں سے ہے) انبیا سے افضل ہیں۔ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت علی کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر کی بیعت کرنے کی وجہ سے مرتد ہوگئے تھے۔

شیعہ کے نزدیک رسالت کا جوہر حضرت علی کی امامت ہے، اس لیے وہ کہتا ہے:

''رسول نے اگر اپنے بعد خلیفہ کی تعیین نہ کی ہوتو وہ رسالت کو نہ پہنچانے والا خیال کیا جائے گا۔''

اس بنا پر اس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کامیاب نہیں ہوسکے، کیوں کہ آپ نے اپنے فوراً بعد حضرت علی کو خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا۔ خمینی نے ایک بیان جاری کیا، جس میں اس نے اپنے خطاب کا انکار اور مذمت کرنے والوں کو جواب دیا، اس کے جواب میں اس منکر اور برائی کی تاکید کے سوا اور کچھ نہیں، وہ کہتا ہے:

''ہم کہتے ہیں کہ انبیا کو اپنے مقاصد کو نافذ کرنے کی توفیق نہیں ہوسکی اور اللہ تعالیٰ زمانے کے آخر میں ایک شخص کو مبعوث کرے گا، جو انبیا کے مسائل نافذ کرے گا۔ اس کے بعد اس نے انکار کرنے والوں کی مذمت میں کہا کہ یہ لوگ مسلمانوں کے درمیان انتشار پیدا کرنے کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔''[3]

خمینی کہتا ہے:

''ائمہ کی تعلیمات قرآن کی تعلیمات کی طرح ہیں۔''[4]

بلکہ وہ رقاع کی کہانیوں پر بھی عمل کرتا ہے اور ان کو وہی احترام دیتا ہے جو امتِ مسلمہ کتاب وسنت کو دیتی ہے۔[5] اس طرح امامیہ کے عقائد کی فہرست میں آخری عقیدے تک خمینی ان کی اتباع کرتا ہے، بلکہ وہ بسا

---

[1] اس سلسلے میں علمائے مغرب کی طرف سے ایک بیان بھی جاری ہوا تھا۔ دیکھیں: مجلة "دعویٰ الحق" العدد الرابع، الصادر في شعبان و رمضان ١٤٠٠هـ. نیز دیکھیں: نهج الخميني (ص: ٤٩)

[2] یہ مجلّہ ٢٩/ ذوالحجہ ١٤٠٤ھ کو شائع ہوا۔ نیز دیکھیں: نهج خميني في ميزان الفكر الإسلامي (ص: ٥٢)

[3] الخميني: مسألة المهدي المنتظر مع رسالة أخرى (ص: ٢٢) مركز الإعلام العالمي للثورة الإسلامية في إيران.

[4] الحكومة الإسلامية (ص: ١١٣)

[5] اپنے ولایتِ فقیہ کے عموم کے نظریے پر اس نے ان توقیعات سے استدلال کیا ہے۔ دیکھیں: الحكومة الإسلامية (ص: ٧٦۔ ٧٧)

اوقات ان سے بھی زیادہ شدت پسندی کا مظاہرہ کرتا ہے، جس کی تفصیل اور استیعاب کی ضرورت نہیں، کیوں کہ یہاں صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ ایسا نہیں، جیسا اس کو سطحی اور عام نظریہ دیکھنے والے خیال کرتے ہیں، لیکن میں نے بعض کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا ہے:

''خمینی تقیے میں اپنے بعض عقائد سے دستکش ہو چکا ہے اور اس نے اپنے پیروکاروں کو اہلِ سنت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، جو ظاہر صورت میں اعتدال سمجھا جائے گا۔''[1]

اس کا جواب اس کے رسالے ''التعادل والترجیح'' اور ''التقیة'' میں موجود ہے۔ آپ کے لیے یہی جاننا کافی ہوگا کہ اس کا ایمان ہے کہ ان کے دین کی بنیاد ہی اہلِ سنت کی مخالفت پر کھڑی ہے اور روایات کے اختلاف کے وقت یہ قاعدہ اس کے ہاں مرجحات (ترجیح دینے والے قواعد) میں شامل ہے۔ وہ کہتا ہے:

''ان کی عامہ (اہلِ سنت) کے خلاف روایات کو اختیار کرنے کا حکم دینے والی روایات، جیسے یہ روایت: ''جو عامہ کے خلاف ہو اس میں ہدایت ہے۔'' اور یہ روایت: جو قوم (اہلِ سنت) کے موافق ہو، اس کو چھوڑ دو، کیوں کہ ہدایت اس کے خلاف میں ہے۔'' یہ ترجیح کے اصول میں ایک اصل اور قاعدہ ہے، اس کے ساتھ ترجیح محض عبادت کے لیے نہیں، بلکہ اس وجہ سے ہے کہ ان کی مخالفت حقیقت کی راہ دکھاتی اور ہدایت ان کی مخالفت میں ہے۔''[2]

اس کے بعد اس نے اس عنوان: ''عامہ کی مخالفت میں ذکر ہونے والی روایات''[3] کے تحت ایک مبحث قائم کیا ہے اور ذکر کیا ہے کہ اس باب میں ان کی روایات دو قسموں کی ہیں۔ پہلی قسم عامہ سے نقل کی جانے والی روایات میں تعارض کے وقت، عامہ کے خلاف روایات کو لینے کا حکم دیتی ہے اور دوسری قسم ان کی مطلقاً مخالفت کا حکم دیتی ہے۔ پھر پہلی قسم میں اس نے پانچ روایات ذکر کی ہیں۔ وہ کہتا ہے:

''حسن بن جہم سے مروی ہے کہ میں نے نیک بندے (یعنی امام) سے کہا: ابوعبداللہ سے ایک بات روایت کی جاتی ہے، پھر اس سے اس کی مخالف بات نقل کی جاتی ہے، تو ہم کس کو لیں؟ انھوں نے کہا: وہ لو جو قوم کے خلاف ہو، جو قوم کے مطابق ہو، اس سے اجتناب کر۔''[4]

---

[1] دیکھیں: أحمد جلي: دراسة عن الفرق (ص: ١٥٤۔ ١٥٥)

[2] دیکھیں: رسالة التعادل والترجيح (ص: ٧١)

[3] المصدر السابق (ص: ٨٠)

[4] رسالة التعادل والترجيح (ص: ٨٠)

باقی روایات بھی اس مفہوم سے باہر نہیں، بلکہ بعض میں شیعہ روایات کو اہلِ سنت کی کتبِ حدیث پر پیش کرنے کا حکم ہے، چناں چہ وہ کہتا ہے:

''ان کو عامہ (اہلِ سنت) کی احادیث پر پیش کرو تو جو ان کی روایات سے موافقت کریں، انھیں چھوڑ دو اور جو ان کی موافقت کریں، ان کو اپنا لو۔''[1]

خمینی نے اس قسم کی روایات ذکر کرنے کے بعد ان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

''ان روایات کی دلالت بڑی واضح ہے کہ عامہ کی مخالفت دو متعارض روایتوں میں ترجیح دینے کا سبب ہے، اگرچہ بعض کی سندیں معتبر ہوں، بلکہ اگرچہ وہ ظاہری طور پر صحیح بھی ہوں اور ان کا مضمون ہمارے اصحاب کے درمیان مشہور ہی کیوں نہ ہو۔ تمام ابوابِ فقہ اور فقہا کی زبانوں میں ترجیح کا یہی متداول، عام اور معروف اصول ہے۔''[2]

آپ دیکھ رہے ہیں کہ خمینی اپنی ہر اس روایت کو ترک کرنے کی تلقین کر رہا ہے، جو اہلِ سنت کے موافق ہو، گویا وہ عیسائی اور یہودی ہیں، جن کی مشابہت اختیار کرنا منع ہے، بلکہ شیعہ کی کتابوں میں ایسی روایات موجود ہیں، جو صریحاً دلالت کرتی ہیں کہ یہ یہود و نصاریٰ سے بھی بڑے کافر ہیں۔[3]

دوسری قسم میں ان کی وہ روایات ہیں، جو نہ صرف مطلقاً اہلِ سنت کی مخالفت کا حکم دیتی ہیں، بلکہ اہلِ سنت کے اعمال، اقوال اور عقائد کو تلاش کرنے کا حکم دیتی ہیں، تاکہ وہ ان کی مخالفت کریں۔ اس قسم میں خمینی نے پانچ روایات ذکر کی ہیں۔

پہلی روایت شیعی شخص کو حکم دیتی ہے کہ وہ اپنے شہر کے مفتی سے سوال کرے، تاکہ اس کے مخالف عمل کر سکے، چناں چہ وہ کہتا ہے:

''فقیہِ شہر کے پاس جا، اس سے اپنا مسئلہ دریافت کر، اگر وہ تجھے کوئی فتویٰ دے تو اس کے خلاف چل، حق اسی میں ہے۔''[4]

یہ اور اس قسم کی دوسری روایات نے شیعہ کے ہاں ایک اشکال کو جنم دیا کہ اہلِ سنت کی روایات میں،

---

[1] المصدر السابق (ص: ٨٠۔ ٨١)

[2] رسالة التعادل والترجيح (ص: ٨٢)

[3] اسی کتاب کا صفحہ (٧٦٤) دیکھیں۔

[4] رسالة التعادل والترجيح (ص: ٨٢)

بالخصوص فقہ کے ابواب میں، ایسی باتیں ہیں، جو شیعہ کی روایات کے موافق ہیں، اگر وہ مطلقاً ان روایات کی مخالفت پر عمل پیرا ہوں تو اس کے نتیجے میں وہ دونوں مذہبوں سے یکسر خارج ہو جائیں گے، اس لیے خمینی نے ان تمام روایات میں سے ہر روایت کے بعد اس پر اس طرح کا تبصرہ کیا، جس میں وہ اس اشکال سے باہر نکلنے کی کوشش کرتا نظر آتا ہے، لہٰذا سابقہ روایت پر اس نے یہ تبصرہ کیا:

''یہ اضطرار اور مجبوری کی صورت میں ہے، جب کوئی راہ نہ سجھائی دے، تو امام نے اس کو تمام راستے بند ہونے کی صورت میں باہر نکلنے کی راہ بتائی، اس سے یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ اس روایت کو رد کر دینا بھی جائز ہے جو ہماری سند سے نقل ہوئی ہو اور ان (اہلِ سنت) کے بھی موافق ہو۔''[1]

پھر کہتا ہے:

''اس کا یہ کہنا: خدا کی قسم! جن پر وہ ہیں، تم ان میں سے کسی چیز پر بھی نہیں ہو اور نہ وہ اس میں سے کسی چیز پر ہیں، جن پر تم ہو، لہٰذا ان کی مخالفت کرو، ان کا حنیفیت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔'' اس کا ظاہری مفہوم ان کے عقائد میں اور امامت اور اس کے متعلقہ امور میں مخالفت ہے، لیکن یہ دونوں روایات اس پر دلالت نہیں کرتیں کہ اس خبر کو بھی رد کر دیا جائے جو ان کے موافق ہو۔ (یعنی جو امت مسلمہ کے موافق ہو'')[2]

آپ خمینی کو دیکھتے ہیں کہ وہ اہلِ سنت کی مخالفت کو اپنے اصولِ ترجیح میں شمار کرتا ہے، لہٰذا وہ لوگ کہاں سوئے ہیں، جو اس کی طرف ہم آہنگی اور تقارب کا ہاتھ پھیلاتے ہیں؟ ایسے لوگ کہاں ہیں جو کہتے ہیں کہ اس نے اہلِ سنت کے ساتھ تقیہ کرنا چھوڑ دیا ہے؟

اپنے فرقے کو اہلِ سنت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا حکم دینا بھی اس کا تقیے پر عمل کرنے کا ایک حصہ ہے، جس کے بارے میں اس نے اپنی کتاب "التقیة" میں بڑی تفصیلی گفتگو کی ہے، لیکن وہ سارے اہلِ سنت جو تمام چیزوں کے صرف ظاہر کو دیکھتے ہیں اور وہ شیعہ مذہب کے خفیہ گوشوں سے کوئی واقفیت نہیں رکھتے، وہ اس کے اس قدم کو سراہتے ہیں اور اسے اس کی مسلمانوں کو اکٹھا کرنے کی کوششوں اور اس کے مناقب میں شمار کرتے ہیں۔[3]

باوجودیکہ اس نے اپنے تقیے کے موضوع پر کتابچے میں اس عنوان ''عامہ (اہلِ سنت) کے ساتھ نماز کے

---

[1] المصدر السابق.

[2] رسالة التعادل والترجيح (ص: ٨٣)

[3] دیکھیں: الشيخ محمد المجذوب: جريدة "المدينة المنورة" العدد (٤٨٠٨) ١ ربيع الأول ١٤٠٠هـ

صحیح ہونے پر دلالت کرنے والی روایات'' کے تحت ایک خاص بحث کی ہے۔ جس میں وہ کہتا ہے:

''بالخصوص ایسی روایات ذکر ہوئی ہیں، جو لوگوں کے ساتھ نماز ادا کرنے کے صحیح ہونے، ان کی مساجد میں حاضر ہونے کی ترغیب، ان کی اقتدا کرنے اور ان نمازوں کو صحیح شمار کرنے پر دلالت کرتی ہیں، حماد بن عثمان، ابوعبداللہ سے روایت کرتا ہے کہ انھوں نے کہا:

''جس نے ان کے ساتھ پہلی صف میں نماز پڑھی، وہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پہلی صف میں نماز پڑھی۔''

اس پر تعجب کرتے ہوئے خمینی کہتا ہے:

''بلاشبہہ آپ، یعنی رسول اللہ ﷺ، کے ساتھ نماز صحیح اور بہت زیادہ فضیلت والی ہے، ایسے ہی ان کے ساتھ بھی تقیے کی حالت میں نماز ادا کرنے کی فضیلت ہے۔''[1]

پھر کہتا ہے:

''میں نے اس سے ان کے ساتھ نکاح کرنے اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا: یہ بڑا شدید معاملہ ہے، تم اس کی استطاعت نہیں رکھ سکو گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ نکاح کیے اور حضرت علی نے ان کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔''[2]

اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ تقیے کی یہ قسم ضرورت کے ساتھ منسلک نہیں، یہ اہلِ سنت کے ساتھ تعامل میں خاص ہے، کیوں کہ اس کی رائے میں تقیہ خوف کی حالت میں اضطراری ہوتا ہے اور مدارات یعنی ظاہر داری کے لیے بھی، یہ اس وقت ان کے نزدیک تمام اعمال سے افضل ہوتا ہے۔ پہلی حالت کے بارے میں حکم بالکل واضح ہے، لیکن دوسری حالت کو وہ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

''مداراتی تقیہ (صلح جوئی کے لیے) مرغوب عمل ہے، اس کے ساتھ عبادت تمام عبادات سے زیادہ محبوب اور افضل ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ عامہ کے ساتھ تقیہ کرنے میں خاص ہے اور روایات کے بہت زیادہ ہونے کے ساتھ اس پر اس کو محمول کیا جائے گا۔''[3]

معلوم ہوا کہ اہلِ سنت کے ساتھ تقیہ کرنا افضل عمل ہے اور یہ ان کے نزدیک مطلقاً جائز ہے، اس کے بعد وہ

---

[1] رسالة في التقية (ص: ١٠٨) ضمن الجزء الثاني من الرسائل.

[2] رسالة في التقية (ص: ١٩٨) ضمن الجزء الثاني من الرسائل.

[3] المصدر السابق (ص: ٢٠٠)

اپنے نزدیک تقیے کی ایک تیسری قسم ذکر کرتا ہے، جو پھیلانے کے مقابلے میں چھپانا ہے، جس طرح وہ کہتا ہے:

''یہ اس کی تعبیر کے مطابق مذہب کو پھیلانے اور اہلِ بیت کے راز افشا کرنے سے تحفظ کے معنی میں ہے۔''[1]

تو کیا اس کے بعد بھی کہا جائے گا کہ خمینی نے تقیہ کرنا اور دھوکا دینا چھوڑ دیا ہے؟ لیکن جس نے یہ بات کہی، اس کی نگاہوں سے یہ بات پوشیدہ ہے کہ شیعہ کے نزدیک تقیے کی کئی اقسام ہیں اور اہلِ سنت کے ساتھ تقیہ کرنا شیعہ کے نزدیک افضل عمل ہے، ضرورت کے ساتھ مشروط نہیں۔ آخر میں آپ کے لیے یہ جاننا ہی کافی ہوگا کہ وہ خلفائے راشدین کے زمانے کو تقیے کا زمانہ قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

''رسول اللہ ﷺ کے بعد امیر المومنین کے خلافت کے زمانے تک اور ان کے بعد غیوبت کے زمانے تک، ائمہ اور ان کے شیعہ دوسو سال سے زیادہ عرصے تک تقیے میں مبتلا رہے۔''[2]

چنانچہ واضح ہوا کہ خمینی غالی رافضی ہے، بلکہ وہ ان کی ان آرا کو بھی اختیار کرتا ہے، جو سب سے زیادہ شاذ ہیں۔ وہ جان بوجھ کر اہلِ سنت کی مخالفت کرتا ہے اور اگر وہ اس سے نکلے تو وہ تقیہ ہوگا۔

(۸) خمینی کا ولایت فقیہ کی عمومیت کا نظریہ:

اثنا عشریہ کا عقیدہ ہے کہ مسلمانوں کی عام ولایت چند اشخاص کے ساتھ مربوط ہے، جن کے نام بھی متعین ہیں اور تعداد بھی، ان کو اللہ تعالیٰ نے اسی طرح منتخب کیا ہے، جس طرح اس نے نبیوں کو منتخب کیا۔[3]

ان ائمہ کا حکم اللہ کے حکم کی طرح ہے، ان کی عصمت اللہ کے رسولوں کی عصمت کی طرح ہے اور ان کی فضیلت اللہ کے نبیوں کی فضیلت سے بڑھ کر ہے، لیکن ان میں سے آخری امام، شیعہ کے عقیدے کے مطابق، ۲۶۰ھ سے غائب ہے، اس لیے اثنا عشریہ کسی کے لیے بھی اس وقت تک منصبِ خلافت پر فائز ہونا حرام قرار دیتے ہیں، جب تک وہ اپنی کمین گاہ سے باہر نہ آجائے، وہ یہاں تک کہتے ہیں:

''قائم کے آنے سے پہلے جو جھنڈا بھی بلند کیا جائے گا، ایسا کرنے والا طاغوت ہوگا، خواہ وہ حق کی طرف ہی کیوں نہ بلائے۔''[4]

---

[1] المصدر السابق (ص: ١٨٤)

[2] المصدر السابق (ص: ٢٩٦)

[3] اس سلسلے میں تفصیل کے لیے ''امامت'' کا مبحث دیکھیں۔

[4] کتبِ شیعہ سے ان روایات کا ذکر گزر چکا ہے۔ دیکھیں (ص: ۷۸۹، ۷۹۰)

گذشتہ صدیوں کے شیعہ اسی مذہب پر گزر گئے، وہ غائب امام سے، اپنے نظریے کے مطابق، صرف ایک ایسی توقیع اور امامی حکم نامہ وصول کرنے میں کامیاب ہوئے، جو ان کے علما کو اس کے بعض اختیارات استعمال کرنے کی اجازت دیتا ہے، تمام اختیارات کی نہیں۔ یہ رقعہ کہتا ہے:

''پیش آمدہ مسائل میں ہمارے حدیث کے راویوں کی طرف رجوع کرو۔''[1]

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ ان کو جدید مسائل اور پیش آمدہ واقعات کے احکام جاننے کے لیے علما سے رجوع کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس لیے شیعہ کے ہاں یہی رائے ٹھہری کہ ان کے فقہا کی ولایت صرف فتویٰ نویسی اور اس جیسے مسائل کے ساتھ خاص ہے، جس طرح منتظر کے رقعے کی عبارت اس پر دلالت کرتی ہے۔ جہاں تک عمومی ولایت کا تعلق ہے، جو ریاست سازی اور سیاست بازی پر مشتمل ہے تو وہ غائب کے ساتھ خاص ہے اور یہ اس وقت تک موقوف ہے، جب تک وہ اپنی پوشیدگی سے باہر نہ نکل آئے، اس لیے شیعہ مذہب کے پیروکاروں نے اسی انداز میں زندگی گزار دی کہ وہ مسلمانوں کے خلفا کو غاصب، مستبد اور ظالم کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، جنھوں نے ان کے امام کی سلطنت پر قبضہ جما لیا اور وہ ہر لحہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ اس کی کشادگی اور آزادی کو جلدی ممکن بنائے، تاکہ وہ ان کا ملک قائم کر سکے۔ اس دوران میں وہ حکومتوں کے ساتھ اپنے عقیدۂ تقیہ کے تقاضے کے مطابق تقامل کرتے رہے۔

لیکن امامِ حجت کی غیوبت طویل ہوگئی۔ بارہ صدیاں گزرنے کو آ گئیں، لیکن وہ ظاہر نہ ہوا اور شیعہ اپنے عقیدے کے مطابق اپنی شرعی حکومت و ریاست سے محروم تھے، تو اس عالم میں مہدی کے فرائض فقیہ کو سونپنے کا نظریہ متاخرین کے افکار کو پچکارنے لگا۔ خمینی نے ذکر کیا ہے کہ شیعہ کے دو علما نراقی[2] اور نائنی[3] نے یہ موقف اختیار کیا کہ فقیہ کو بھی حکومت، سیاست اور انتظامی امور کی سربراہی کے تمام فرائض منصبی اور ذمے داریوں کا وہ حق حاصل ہے جو امام کے ساتھ مخصوص ہیں۔''[4]

خمینی نے اپنے علما میں سے کسی ایسے عالم کا ذکر نہیں کیا، جس نے ان دونوں سے پہلے یہ نظریہ پیش کیا ہو، کیوں کہ اگر کوئی ایسا شیعہ عالم ہوتا تو وہ ضرور اس کا ذکر کرتا، کیوں کہ وہ اپنے مذہب کو سندِ جواز مہیا کرنے

---

[1] کتبِ شیعہ سے ان روایات کا ذکر گزر چکا ہے۔ دیکھیں (ص: ٩٤٤)

[2] أحمد بن محمد مهدي النراقي الكاشاني (١١٨٥۔ ١٢٤٥)

[3] حسين بن عبد الرحمن النجفي النائني (١٢٧٣۔ ١٣٥٥)

[4] الحكومة الإسلامية (ص: ٧٤)

کے لیے ایسی چیزوں کا متلاشی ہے۔ چنانچہ ولایت فقیہ کی عمومیت کا عقیدہ تیرھویں صدی ہجری سے پہلے اثنا عشریہ کے ہاں نہیں ملتا۔ خمینی نے اس دھاگے کو اٹھا لیا، جس کو اس نے پہلے سے بُنا تھا، پھر اس نے اس نظریے کا پرچار اور شیعہ مذہب کو نافذ کرنے کے لیے امام کے نائب کی سربراہی میں ایک ملک قائم کرنے کی ضرورت پر زور دینا شروع کر دیا۔ وہ کہتا ہے:

''آج، غیوبت کے زمانے میں، کوئی ایسی روایت موجود نہیں، جو کسی مخصوص شخص کو متعین کرتی ہو، جو کاروبارِ مملکت سنبھالے، تو ایسی صورت میں کیا رائے ہونی چاہیے؟ کیا احکامِ اسلام کو ایسے ہی بے کار اور بلاعمل چھوڑ دیا جائے؟ یا ہم اسلام سے بے رغبت ہو جائیں؟ یا ہم یہ کہیں کہ اسلام صرف دو صدیوں کے لیے لوگوں پر حکومت کرنے کے لیے آیا تھا، تا کہ بعد میں ان کو ایسے ہی بے مہار چھوڑ دے؟ یا یہ کہیں کہ اسلام نے ملک چلانے کے امور اور احکام کو مہمل کر دیا ہے، جب کہ ہم جانتے ہیں کہ حکومت کے وجود کے نہ ہونے کا مطلب اسلام کی سرحدوں کو پامال کرنا ہے، جس کا مطلب ہوگا کہ ہم اپنی زمین سے پسپائی اختیار کر لیں۔ کیا ہمارا دین ہمیں اس کی اجازت دیتا ہے؟ کیا حکومت زندگی کی ضروریات میں سے ایک ضرورت نہیں؟''[1]

ایک دوسری جگہ وہ کہتا ہے:

''ہمارے امام مہدی کی غیوبت کبریٰ کو ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ ہونے کو ہے اور ہو سکتا ہے کہ امام منتظر کے آنے کی مصلحت کو آتے آتے مزید ہزاروں سال گزر جائیں، اس طویل مدت میں کیا اسلام کے احکام معطل اور بے کار ہی رہیں گے؟ لوگ اس دوران میں جو چاہیں کرتے رہیں؟ کیا اس کی وجہ سے قتل و غارت اور انتشار پیدا نہیں ہو جائے گا؟

''وہ قوانین جن کا رسولِ اسلام ﷺ نے اعلان کیا، ان کو پھیلانے کے لیے جدوجہد کی اور تئیس سال تک ان کے بیان اور نفاذ میں لگے رہے، کیا یہ صرف اسی محدود مدت تک کے لیے تھے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے شریعت کی عمر صرف دو صدیاں مقرر کی ہے؟ میری نظر میں اس رائے کو اختیار کرنا اس عقیدے سے بھی برا ہے کہ اسلام منسوخ ہو چکا ہے۔''[2]

پھر کہتا ہے:

---

[1] الحکومة الإسلامية (ص: ٤٨)

[2] المصدر السابق (ص: ٢٦)

''لہٰذا ہر وہ شخص جو اسلامی حکومت کی تشکیل کی عدمِ ضرورت کے موقف کا اظہار کرتا ہے، وہ احکامِ اسلام کے نفاذ کی ضرورت کا انکار کرتا ہے، وہ ان کو معطل اور جامد کرنے کی دعوت دیتا ہے اور نتیجتاً وہ دینِ حنیف، دینِ اسلام کے دوام اور جامعیت کا انکار کرتا ہے۔''[1]

بنا بریں خمینی ان اسباب کی وجہ سے، جن کو اس نے ذکر کیا ہے، یہ سمجھتا ہے کہ شیعہ فقیہ اور اس کے پیروکاروں کے لیے مہدی کی نیابت کرتے رہنا اور اسلامی ممالک میں حکومت پر قبضہ کرنے کے لیے خروج کرنا ضروری ہے۔ یہ موقف اختیار کر کے وہ اپنے دین کے طے شدہ اصول کی خلاف ورزی کرتا ہے اور اپنے ائمہ کی ان بہت ساری وصیتوں کی مخالفت کرتا ہے، جو غائب کا انتظار کرنے کی ضرورت پر زور دیتی ہیں اور خروج کے لیے جلد بازی سے روکتی ہیں، بلکہ شیعہ کے عصرِ حاضر کے ایک آیت اور مرجع نے کہا ہے:

''ان سے (ائمہ سے) اپنے دشمنوں اور اپنے وقت کے حاکموں کے خلاف خروج کی حرمت کے بارے میں کثرت کے ساتھ روایات منقول ہیں۔''[2]

کیوں کہ شیعہ کے نزدیک امامت کا منصب صرف اسی کے لیے خاص ہے، جس کو اللہ کی طرف سے اس پر متعین کیا گیا ہو، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان حکومتوں سے راضی تھے۔ یہ تمام بہانے جو خمینی نے شیعہ ملک قائم کرنے کی ضرورت بیان کرنے اور فقیہ کی ریاست میں مہدی کی نیابت کو جواز مہیا کرنے کے لیے ذکر کیے ہیں، چاہیے تو یہ تھا کہ اگر شیعہ علما اپنی بات میں سچے ہوتے اور اپنے پیروکاروں کے لیے نصیحت اور خیر خواہی کا جذبہ رکھتے تو اس نظریے کو ایک بالکل دوسرے نقطہ نظر سے دیکھتے۔ یہ نقطۂ نظر مذہب کی اس اساس اور اصل پر تنقید کی راہ کھولتا ہے جو غیوبت کی خرافت اور غائب کے انتظار پر قائم ہے، جس نے ان کو اس انجام سے دوچار کر دیا ہے۔

بہر حال یہ اس حجت اور آیت کی بڑی اہم اور خطرناک گواہی ہے، جو رافضیت کے اصلاً فاسد ہونے پر دلالت کرتی ہے اور یہ کہ گذشتہ تمام صدیوں میں اس فرقے کا اجماع گمراہی پر اجماع تھا اور ایک متعین امام کے بارے میں وصیت کا ان کا مذہب، جس کے لیے وہ اہلِ سنت سے صدیوں تک جھگڑتے رہے اور ان کو کافر کہتے رہے، ایک فاسد اور خراب موقف ہے۔ تاریخ اور واقعاتی حقائق نے مکمل وضاحت کے ساتھ اس کے فساد اور خرابی کو ثابت کر دیا ہے۔

---

[1] المصدر السابق (ص: ٢٦۔ ٢٧)

[2] محمد الحسيني البغدادي النجفي (الملقب بالآية العظمىٰ، والمرجع الديني الأعلى): وجوب النهضة لحفظ البيضة (ص: ٩٣)

اب وہ اپنے نام نہاد صاحبِ زمان کے خروج کا صدیوں تک طویل انتظار کرنے کے بعد اس سے مایوس ہو کر ''ولایتِ فقیہ کی عمومیت'' کے موقف کے ساتھ اس کے خلاف خروج کے لیے مجبور ہو چکے ہیں، لہٰذا انھوں نے اس کے تمام اختیارات پر قبضہ جما لیا اور خمینی نے اس کے تمام فرائضِ منصبی اپنے لیے اور اپنے ہم جنس و ہم مذہب بعض فقہا کے لیے مخصوص کر لیے، کیوں کہ وہ ملک کی سربراہی میں غائب کے تمام منصبی امور اپنے سر لینا ضروری سمجھتا ہے، اس لیے اس نے اپنے فرقے کو اس نظریے کا قائل اور اس پر مطمئن کرنے کے لیے اپنی کتاب ''الحكومة الإسلامية'' یا ''ولاية الفقيه'' لکھی۔

خمینی مملکت کے امور چلانے میں ہر کس و ناکس کی ولایت اور گورنری پر موافقت نہیں کرتا، بلکہ اس کو وہ فقہاے شیعہ کے ساتھ خاص کرتا ہے اور حکومت اور سلطانی انھی میں محصور کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

''باوجودیکہ کوئی ایسی نص موجود نہیں، جو کسی متعین شخص کو امام کی پوشیدگی میں اس کا نائب مقرر کرتی ہو، لیکن شرعی حاکم کے خصائص ہمارے اس زمانے کے اکثر فقہا میں موجود ہیں، اگر وہ اتفاق کر لیں تو ان کے لیے ایک بے مثال عادل حکومت تشکیل دینا ممکن ہے۔''[1]

اگر آیات اور فقہا کی حکومت اس کے بقول عدل میں بے مثال ہے تو پھر ان کو منتظر کے خروج کا انتظار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کی یہ رائے ہے کہ شیعہ فقیہ کی ولایت (حکومت) رسول اللہ ﷺ کی ولایت کی طرح ہے، اس کے الفاظ ہیں:

''اللہ نے رسول کو تمام مومنوں کا ولی (سربراہ) بنایا ہے، آپ ﷺ کے بعد امام ولی تھا، ان دونوں کی ولایت کا یہ مطلب ہے کہ ان دونوں کے شرعی احکام سب پر لاگو ہیں۔''[2]

پھر کہتا ہے:

''یہی ولایت اور حاکمیت فقیہ کے پاس بھی موجود ہے۔ صرف ایک فرق ہے کہ فقیہ کی دوسرے فقہا پر ولایت اس طرح نہیں کہ وہ ان کو معزول کر سکتا ہو یا مقرر کر سکتا ہو، کیوں کہ فقہا اہلیت کے اعتبار سے ایک دوسرے کے برابر ہیں۔''[3]

لہٰذا خمینی کا یہ نظریہ دو قواعد پر مرتکز ہے:

---

[1] الحكومة الإسلامية (ص: ٤٨۔ ٤٩)

[2] الحكومة الإسلامية (ص: ٥١)

[3] المصدر السابق.

- فقیہ کے لیے عمومی ولایت کا موقف۔
- ملک کا سربراہ صرف شیعہ فقیہ ہوسکتا ہے۔

یہ موقف ائمہ کی تعیین اور بارہ میں حصر کے دعوے سے خروج ہے، کیوں کہ فقہا کی تعداد متعین کی جا سکتی ہے نہ ان کی مخصوص شخصیات ہی متعین و مقرر ہیں، جس کا یہ معنی ہوا کہ وہ کسی حد تک[1] اہلِ سنت کے مذہب کے مطابق امامت کے مفہوم کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ اس نظریے کے تقاضے کے مطابق انھوں نے اقرار کر لیا ہے کہ ان کے اسلاف گمراہ تھے اور ان کا مذہب فاسد تھا۔

لیکن وہ اس نظریے (ولایتِ فقیہ کا نظریہ) کو مہدی کی نیابت ہی شمار کرتے ہیں، تا آنکہ وہ لوٹ آئے، لہٰذا وہ اپنے مذہب کی اصل اور بنیاد سے دستکش نہیں ہوئے، اس لیے، میرے خیال کے مطابق، یہ رجحان بابیت کے مذہب سے مختلف نہیں، کیوں کہ اس کا دعویٰ ہے کہ شیعہ فقیہ ہی مہدی کی نمایندگی کرتا ہے، جس طرح باب کا یہ دعویٰ تھا۔ شاید صرف یہ فرق ہو کہ خمینی اپنے تمام فقہا کو ابواب (نائبین) خیال کرتا ہے۔

اگر ہم یہ بھی کہنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ خمینی نے روافض کے مہدی منتظر کو باہر نکال دیا ہے، کیوں کہ اس نے اس کے تمام اختیارات اور فرائض منصبی فقیہ کے ساتھ جوڑ دیے ہیں، بلکہ اس نے یہ نظریہ پیش کر کے ایک نہیں، بلکہ دسیوں مہدی نکال دیے ہیں، کیوں کہ شیعہ کے اکثر علما اور آیات اس منصب کے اہل اور حق دار ہیں۔ اس کا کہنا ہے:

> ''ہمارے عصر حاضر کے اکثر فقہا میں وہ خصوصیات موجود ہیں، جو ان کو امام معصوم کی نیابت کا اہل بنا سکتی ہیں۔''[2]

اس نیابت کے تقاضے کے مطابق ان کا حکم رسول ﷺ کے حکم کی طرح ہوگا۔ وہ کہتا ہے:

> ''وہ لوگوں پر اس طرح حجت ہیں، جس طرح رسول اللہ ﷺ ان پر اللہ کی حجت تھے۔ جو بھی ان کی فرمانبرداری سے پیچھے ہٹے گا تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کا محاسبہ اور مواخذہ کرے گا۔''[3]

مزید کہتا ہے:

---

[1] کسی حد تک اس لیے کہ وہ امامت کسی شخص میں محصور کرنے سے تو نکل آئے ہیں، لیکن انھوں نے اس کو ایک نوع میں محصور کر دیا ہے، جو شیعہ فقیہ ہے۔

[2] الحکومة الإسلامية (ص: ١١٣)

[3] المصدر السابق (ص: ٨٠)

''ان (علماے روافض) کو وہ سب سپرد کیا گیا ہے، جو ان (انبیا) کے سپرد کیا گیا تھا۔ جو امانت ان کے سپرد کی گئی تھی، وہی ان کے سپرد کی گئی ہے۔''[1]

بلکہ اس نے یہ اشارہ بھی کیا ہے کہ شیعہ فقیہ کی حکومت ان کے مہدی موعود کی حکومت کی طرح ہے۔ وہ کہتا ہے:

''ہمارے پاس صرف عصاے موسیٰ، علی بن ابی طالب[2] کی تلوار اور ان دونوں کی زبردست عزیمت کی کمی ہے۔ جب ہم اسلامی حکومت قائم کرنے کا ارادہ کر لیں گے، تب ہم موسیٰ کی لاٹھی اور علی کی تلوار بھی حاصل کر لیں گے۔''[3]

مجھے ایسے لگتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے عصا اور علی بن ابی طالب کی تلوار کو اکٹھا کرنا ''آیات'' کے ملک اور حکومت میں یہودیوں کے شیعہ کے ساتھ تعاون سے کنایہ ہے۔ یہ کسی حد تک خمینی کی حکومت میں وقوع پذیر بھی ہوا، جس طرح نیوز ایجنسیوں نے ان دونوں کے درمیان خفیہ تعاون کا راز فاش کیا اور اسلحے کے سکینڈلز سامنے آئے جو بڑے مشہور ہوئے۔

خمینی یہ تاکید کرتا ہے:

''ماضی کے شیعہ نے شیعہ کی حکومت کی تشکیل کبھی نہیں کی۔ ماضی میں ہم حکومت کی تشکیل کے لیے ایک ساتھ اٹھے نہ ہم نے ایک ساتھ کام کیا، جو حکومت خیانت کرنے والے فاسدوں کو توڑ کر رکھ دے۔''[4]

وہ کہتا ہے:

''ہمارے ائمہ کو زمامِ ریاست سنبھالنے کا موقع نہیں ملا۔ وہ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک اس کا انتظار کرتے رہے، چنانچہ عادل فقہا پر لازم ہے کہ وہ حکومت کی تشکیل و تنظیم کے خود مواقع پیدا کریں اور ان سے فائدہ اٹھائیں ...۔''[5]

شیعہ کی حکومتیں پہلے بھی قائم ہوئی ہیں، لیکن ان کی سربراہی ''آیات'' اور ''معصوم کے نائبین'' کی طرف

---

[1] المصدر السابق.

[2] یہ مہدی کے لیے انبیا اور ائمہ کی میراث ہے۔ دیکھیں: أصول الكافي (١/ ٢٣١)

[3] الحكومة الإسلامية (ص: ١٣٥)

[4] المصدر السابق (ص: ٤٠)

[5] الحكومة الإسلامية (ص: ٥٤)

سے نہیں کی گئی، اس لیے انھوں نے اپنی حکومت کو پہلی اسلامی یعنی شیعی ریاست شمار کیا۔

ایک رافضی کہتا ہے:

''خمینی نے اسلام کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایران میں عظیم اسلامی جمہوریہ کی بنیاد رکھی اور انبیاے کرام، رسولِ عظیم اور ائمہ معصومین کے خواب کو تعبیر بخشی۔''[1]

شیعہ کا آیت ''طالقانی'' اس رائے کا اظہار کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے خلفا کی حکومت ان کی ریاست کے مرتبے کو نہیں پہنچتی اور وہ اس کے قیام کے لیے تمہید اور ابتدائیہ تھی، اس کے الفاظ ہیں:

''ہم سمجھتے ہیں کہ اسلامی جمہوریہ اس زمانے میں زندہ رہنے کی اہل ہے اور اسلام کے آغاز میں زندہ رہنے کے اہل نہیں تھی۔ وہ سیاسی اور معاشرتی تبدیلیاں جن کا دنیا نے رسول اللہ ﷺ اور خلفاے راشدین کے زمانے سے لے کر آج تک مشاہدہ کیا، وہی اسلامی جمہوریہ کے قیام کی حقیقی بنیاد فراہم کرتی ہیں۔''[2]

چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ شیعہ نقطۂ نظر کا مزاج ہمیشہ غلو، شخصیت پرستی اور اعتقادات میں شدت پسندی کی طرف میلان رکھتا ہے، جس طرح آپ نے ملاحظہ کیا کہ طالقانی خمینی جمہوریہ کو کس نگاہ سے دیکھتا ہے، بلکہ بعض نے تو یہاں تک دعویٰ کیا ہے کہ ان کے ائمہ نے خمینی کی پہلے سے بشارت دے رکھی ہے۔[3]

شیعہ مہدی کے واپس آنے کے بعد اپنے عقیدے کے مطابق اس کی سیرت اور اعمال کے متعلق جو بیان کرتے ہیں، اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور ان کے حوالے سے نقل ہو چکا ہے کہ واپس آنے کے بعد اس کو قتل کرنے اور انتقام لینے کے سوا اور کوئی کام نہیں ہوگا۔

وہ کہتے ہیں:

''اس کو ''جفر احمر'' دے کر بھیجا جائے گا، جس کا مطلب ذبح کرنا ہے اور وہ اپنے ذبح خانوں میں بالخصوص عرب کو ذبح کرے گا... الخ۔''[4]

---

[1] أحمد الفهري (شیعہ اسے ''علامہ'' کا لقب دیتے ہیں): تقديمه لكتاب "سر الصلاة" للخميني (ص: ١٠)

[2] یہ بیان ایک لبنانی مجلّے "السفیر" نے ۳۱/۳/ ۱۹۷۹ء کو نشر کیا تھا۔ اسے محمد جواد مغنیہ نے نقل کیا اور اسے اسلامی جمہوریت کے لیے ایک جدید فہم قرار دیا، جو صرف وہی شخص کہہ سکتا ہے، جس کے دل و دماغ میں اسلام جاگزیں ہوا! دیکھیں: الخميني والدولة الإسلامية (ص: ١١٣)

[3] محمد جواد مغنية: الخميني والدولة الإسلامية (ص: ٣٨۔ ٣٩)

[4] اسی کتاب کا صفحہ (۹۲۵) دیکھیں۔

ہم آج اس مزعومہ سیرت اور کردار کے آثار آیات کی ریاست میں نمودار ہوتے دیکھتے ہیں، کیوں کہ خمینی اور اس کے انصار و اعوان نے ایران کے اندر اور ایران کے باہر مہدی کی ریاست کے ذبح خانوں کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانا شروع کر دیا ہے۔

درحقیقت گم شدہ مہدی کی واپسی کے بعد مزعوم قتل و غارت کی روایات کے واضعین اس بات کا ادراک رکھتے ہیں کہ مہدیت اور اس کی پوشیدگی کا مسئلہ ایک خیال اور وہم کے علاوہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ لیکن وہ حقیقت میں اپنے سینوں میں چھپے ہوئے جذبات اور اپنے دلوں میں بھڑکنے والی نفرتوں کا اظہار کرتے ہیں، اسی طرح شیعہ علما کی اکثریت بھی یہ جانتی ہے کہ مہدی ایک خرافت ہے، اس لیے انھیں جوں ہی مسلمانوں کو قتل کرنے کی اپنی خواہش کو پورا کرنے کا موقع ملا، تو انھوں نے فوراً اس سے فائدہ اٹھایا اور اپنے مہدی کے خروج کا انتظار بھی نہیں کیا، کیوں کہ ان کو علم ہے کہ وہ نہیں نکلے گا، کیوں کہ وہ اصلاً موجود ہی نہیں۔ اس کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ خمینی اپنی کتاب ''تحریر الوسیلة'' میں یہ بات مقرر کرتا ہے کہ ان کے مہدی کی غیوبت کی وجہ سے جہاد کا آغاز کرنا جائز نہیں۔ وہ کہتا ہے:

''ولی امر اور سلطانِ عصر، اللہ اس کی جلدی جلدی رہائی فرمائے، کی پوشیدگی کے زمانے میں اس کے نائبین جو فتوے اور قضا کی شروط پر پورا اترنے والے فقہا ہیں، سیاسیات اور امام کے سارے کاموں کے اجراء میں، ما سوائے جہاد کا آغاز کرنے کے، اس کے قائم مقام ہوں گے۔''[1]

لیکن جب اس نے اپنی ریاست قائم کی تو اس نے اس کے دستور میں مقرر کیا:

''اسلامی جمہوریہ کی فوج صرف حدود کی حفاظت اور حراست کی ذمے داری نہیں سنبھالے گی، بلکہ یہ عقدی پیغام، یعنی اللہ کی راہ میں جہاد اور دنیا کے تمام میں اطراف و اکناف میں اللہ تعالیٰ کے قانون کی حاکمیت کو توسیع دینے کی بھی ذمے داری ہوگی۔''[2]

لہٰذا آپ اس کے کلام میں تناقض کو واضح دیکھتے ہیں، وہ تحریر الوسیلہ میں جہاد کو مہدی کے فرائض میں سے قرار دیتا ہے اور اپنی ریاست قائم کرنے کے بعد اس کے دستور میں جہاد کو فوج کے ساتھ منسلک اور فقیہ کے فرائض میں شمار کر رہا ہے۔ یہ امر ولایتِ فقیہ کے اس کے نئے مذہب کے تقاضے کے مطابق ہے، جس میں

---

[1] تحریر الوسیلة (١/ ٤٨٢)

[2] الدستور لجمهورية إيران الإسلامية (ص: ١٦) منشورات مؤسسة الشهيد، نیز دیکھیں: ''الدستور'' کا دوسرا اڈیشن ''وزارة الإرشاد الإيرانية'' (ص: ١٠) نے شائع کیا ہے۔

مہدی کے تمام اختیارات شیعہ عالم کو مل چکے ہیں، ان کے دستور کی ایک شق اس پر بھی دلالت کرتی ہے، اس کے الفاظ ہیں:

''امام مہدی کی پوشیدگی کے زمانے میں اسلامی جمہوریہ ایران میں حکومت کی سربراہی اور امت کی امامت فقیہ کے ہاتھ میں ہوگی ...''[1]

اس لیے اپنی ریاست قائم کرنے کے بعد انھوں نے سب سے پہلے جو کام کیا، وہ اپنے لشکروں اور بعض اسلامی ممالک میں اپنی ماتحت تنظیموں کے ذریعے مسلمان اقوام کا قتل کرنے کے لیے چڑھائی کرنا تھا۔ اس کے باوجود خمینی کبھی یہ کہتا ہے کہ یہ دفاع کے دائرے میں داخل ہے اور تاویل کی کوئی حد نہیں، وہ کہتا ہے:

''ہم کسی پر حملہ کرنے اور اسلحہ اٹھانے کی نیت نہیں رکھتے۔ عراق ایک طویل عرصے سے ہم پر حملے کر رہا ہے، ہم اس پر حملہ نہیں کرتے، بلکہ صرف دفاع کرتے ہیں اور دفاع ایک ضروری کام ہے۔''[2]

لیکن وہ یہ بھی کہتا ہے کہ وہ اپنے انقلاب کو برآمد کرنا چاہتا ہے، اس کے الفاظ ہیں:

''ہم اپنے انقلاب کو تمام اسلامی ممالک میں برآمد کرنا چاہتے ہیں۔''[3]

وہ اپنے انقلاب کو پرامن برآمد ہی نہیں کرنا چاہتا، بلکہ وہ قوت کے بل بوتے پر اپنے مذہب کو مسلمانوں پر لاگو کرنا چاہتا ہے، اس نے اپنی ریاست قائم کرنے سے پہلے اس کا ذکر کیا تھا اور یہ اقرار کیا کہ اس کا ذریعہ ایک شیعہ ریاست قائم کرنا ہے، جو اس کام کی ذمے داری نبھائے گی، وہ کہتا ہے:

''ہم امتِ اسلامیہ کو (رافضیت پر) اکٹھا کرنے استعمار کے ہاتھوں سے اس کی زمینوں کو آزاد کروانے اور ان کی عملی حکومتوں کو گرانے کے لیے اس کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں پاتے کہ ہم اپنی اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوشش کریں۔ یہ اس کے بیج اور ابتدائی کوششیں ہیں، جس دن خیانت کے سرداروں کے سر کچل دینا اور ان بشری بتوں کو پاش پاش کرنا ممکن ہوگا، جو زمین پر ظلم اور فساد پھیلا رہے ہیں، اس دن اس کے اعمال کامیابی کا تاج پہنیں گے۔''[4]

یہ روافض محض ان اسباب کی بنا پر حکومتوں پر تنقید نہیں کرتے، جو وہ ذکر کرتا ہے، کیوں کہ اگر دنیا میں کوئی

---

[1] دستور الجمهورية الإسلامية في إيران (ص: ١٨) ط: وزارة الإرشاد.

[2] خطاب الخميني حول مسألة تحرير القدس والمهدي المنتظر (ص: ٩۔ ١٠)

[3] المصدر السابق (ص: ١٠)

[4] الحكومة الإسلامية (ص: ٣٥)

ایسی حکومت ہوتی، جس سے بہتر کوئی نہ ہوتی، تو پھر بھی وہ ان کے غصے اور غضب ہی کا نشانہ ہوتی، جب تک وہ رافضیت پر مبنی نہ ہوتی۔ یہ بات جاننے کے لیے اتنا ہی کافی ہوگا کہ وہ خلفاے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔

ابھی تک مسلمانوں کو قتل کرنے کا مہدی کا ممکنہ عمل ان کے حجتوں اور آیات کی زبانوں پر جاری ہے اور اس کام کا آغاز خمینی کرے گا، کیوں کہ وہ مہدی کے تمام فرائض منصبی کا نائب ہے۔ شیعہ کے بعض علما نے اس حقیقت کو بے نقاب کیا ہے، کیوں کہ وہ اپنے امام کے بقول:

''طیش میں مبتلا ہیں اور زیادہ دیر تک کسی بات کو چھپا نہیں سکتے۔''[1]

۱۷ مارچ ۱۹۷۹ء کو عبدان میں اسلامی جمہوریہ ایران کی تائید میں ایک سرکاری اور عوامی جلسے کا انعقاد ہوا۔ ڈاکٹر محمد مہدی صادقی نے اس جلسے میں جو تقریر کی، وہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں تحریر کی گئی اور ریڈیو نے اس کو ایک اہم تقریر قرار دیا، اس خطاب میں مذکور ہے:

''مشرق و مغرب میں بسنے والے تمام مسلمان بھائیو! میں کھلے لفظوں میں کہتا ہوں کہ مکہ مکرمہ اللہ تعالیٰ کا امن والا حرم ہے، جس پر یہودیوں سے بدتر ایک گروہ نے قبضہ کیا ہوا ہے ....''

اس سے پہلے اس نے ذکر کیا:

''جب ان کا انقلاب ثابت قدم ہوجائے گا تو وہ قدس، مکہ مکرمہ، افغانستان اور مختلف ممالک میں منتقل ہوجائیں گے۔''[2]

آپ دیکھتے ہیں کہ ان کی نگاہ میں مکہ مکرمہ کی حالت قدس کی طرح ہے، جس پر یہود نے قبضہ کیا ہوا ہے اور افغانستان کی طرح ہے، جس پر اشتراکیوں نے قبضہ کیا ہوا تھا، لیکن اسی دوران میں آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ وہ شام میں نصیری کافر حکومت کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھاتے ہیں اور ان پر کوئی تنقید نہیں کرتے۔

مجلّہ ''شہید''، قم میں شیعہ علما کا ترجمان ہے، اس کے شمارہ نمبر ۴۶ میں، جو ۱۶ شوال ۱۴۰۰ھ کو جاری ہوا، ایک تصویر چھاپی گئی، جو کعبہ شریف کی نمایندگی کرتی ہے اور اس کے ساتھ ایک دوسری تصویر چھپی، جو مسجد اقصیٰ

---

[1] أصول الكافي (١/ ٢٢٢)

[2] یہ تقریر ''الثورة الإسلامية'' ریڈیو عباران سے ۱۲ بجے دوپہر بتاریخ ۱۷/ ۳/ ۱۹۷۹ء کو نشر کی گئی۔ نیز دیکھیں: وجاء دور المجوس (ص: ٣٤٤۔ ٣٤٧)

کی ترجمانی کرتی ہے اور ان دونوں کے درمیان ایک ہاتھ ہے، جس نے بندوق پکڑی ہوئی اور اس کے نیچے یہ سلوگن لکھا ہوا ہے:

''ہم دونوں قبلوں کو آزاد کروائیں گے۔''[1]

بعض شیعہ علما کی خمینی کے ولایتِ فقیہ کے مذہب کی مخالفت:

خمینی کے مہدی کے تمام فرائض فقیہ کو منتقل کرنے کے مذہب نے شیعہ کے جملہ علما کو بھڑکا دیا اور خمینی اور شیعہ کے ایک بڑے مرجع تقلید، شریعت مداری[2] کے درمیان شدید کشمکش نے جنم لیا، اسی طرح شیعہ کے علما کے ایک گروہ نے اس مذہب کی مخالفت کا اعلان کیا۔[3]

محمد جواد مغنیہ تعجب کرتا ہے کہ خمینی نے یہ موقف اختیار کر لیا ہے اور معصوم اور فقہا کے اختیارات کو برابر کر دیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

''معصوم کا قول[4] اور اس کا حکم مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ وحی کی طرح ہے، ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى﴾ [النجم: ٣۔ ٤] ۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ سمجھدار، ناسمجھ، عالم اور جاہل سب پر معصوم کی ولایت اور فرمانبرداری کا حق لازم ہے اور اگر وہ موجود ہو تو روحانی اور زمانی حکومت صرف اس میں محصور ہوگی اور اس میں کوئی اس کا شریک نہیں ہوگا، وگرنہ ولایت اس کے لیے نہیں ہوگی، بلکہ اس کے اوپر ہوجائے گی اور یہ علم ہونا چاہیے کہ غلطی اور خطا سے معصوم کے اوپر، اس ذات کے علاوہ کوئی نہیں، جس کے لیے خلق اور امر ہے، یعنی اللہ جل جلالہ۔ کیا اس کے بعد بھی یہ کہا جائے گا: جب معصوم غائب ہو تو اس کی مکمل ولایت فقیہ کی طرف منتقل ہوجائے گی؟''[5]

---

[1] دیکھیں: مجلّہ ''الشهيد''، کا مذکورہ شمارہ۔ نیز دیکھیں: اخبار ''المدينة''، سعودی عرب (۲۷ ذوالقعدہ ۱۴۰۰ھ) نیز مولانا عبدالقادر آزاد خطیب شاہی مسجد، لاہور پاکستان نے جب ایران کا دورہ کیا تو وہاں انھوں نے جو دیکھا، اس کے بارے میں کہا کہ انھوں نے تہران کے ہیلٹن ہوٹل کی دیواروں پر یہ نعرے لکھے پڑھے: ہم کعبہ، بیت المقدس اور فلسطین کو کافروں کے ہاتھوں سے آزاد کروائیں گے۔ (مزید دیکھیں: الفتنة الخمينية للشيخ محمد آزاد، ص: ٩)

[2] دیکھیں: عبد الجبار العمر: الخميني بين الدين والدولة، مبحث الخميني وشريعت مداري (ص: ١٤٤ وما بعدها)

[3] دیکھیں: المصدر السابق (ص: ١٥٣۔ ١٥٤)

[4] شیعہ کے نزدیک ان کے ائمہ رسول اللہ ﷺ کی طرح معصوم ہیں۔

[5] الخميني والدولة الإسلامية (ص: ٥٩)

یہ اس کی نگاہ میں غایت درجہ کا غلو ہے، کیوں کہ فقیہ کی حکومت کو معصوم کی حکومت کی طرح کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے؟ اس کے بعد وہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے:

''معصوم کی حکومت شکوک و شبہات سے پاک ہے، کیوں کہ وہ خود دلیل ہے، مدلول نہیں اور حقیقی ہے، ظاہری نہیں، لیکن فقیہ کی حکومت اور فیصلہ مدلول ہے جو ظاہر (دلیل) پر اعتماد کرتا ہے، صرف یہی نہیں، بلکہ وہ نسیان کا نشانہ بھی بن سکتا ہے اور اس پر تکبر، غرور، جیسے شخصی جذبات غالب آ سکتے ہیں، وہ ماحول سے بھی متاثر ہوسکتا ہے اور اس کی اقتصادی حالت اور معاشری رتبے میں تبدیلی ہوسکتی ہے۔ میں نے مشاہدہ بھی کیا ہے اور بہت سارے ظالم احکام کا جبر بھی سہا ہے، یہاں بہت زیادہ مثالیں پیش کرنے کی تو گنجایش نہیں، لیکن اتنا کہوں گا کہ میں ایک فقیہ کو جانتا تھا، جو سرکاری عہدے سے پہلے بڑا زاہد پارسا تھا اور اس کے بعد لوگوں نے باتیں کرنا شروع کر دیں کہ وہ اپنی اولاد اور سسرالی رشتے داروں کو نوازنے لگا ہے۔''[1]

یہ اس کی اپنی قوم کے ''شیوخ'' کے خلاف گواہی ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جونہی انھیں کسی عہدے کو حاصل کرنے کا موقع ملے، ان کی پارسائی اور زہد کی ظاہری صورت جو وہ لوگوں کو دکھاتے ہیں، مٹ جاتی ہے۔ یہ علما جن کی یہ حالت ہو، خمینی سمجھتا ہے کہ یہ امت کے ولی الاَمر ہیں!

خمینی کی روش کے مخالف رجحان کا حامل یہ گروہ یہ سمجھتا ہے کہ ''فقیہ کی ولایت معصوم کی ولایت سے بہت زیادہ کمزور اور محدود ہے۔''[2] جو ان کی روایات میں ثابت ہے کہ ''وہ فتویٰ نویسی، عدالتی امور، عمومی اوقاف، غائب کے اموال اور لاوارث کی وراثت کے امور کی ولایت اور حکومت ہے۔''[3] اس سے تجاوز نہیں کرسکتی۔

مغنیہ نے اپنے جملہ بڑے علما کے جملہ اقوال سے اس مذہب پر استدلال کیا ہے اور خمینی کی جانب سے اپنے موقف کے اثبات کے لیے پیش کردہ دلائل کی تردید کی ہے، اس نے بیان کیا ہے کہ اس کے دلائل عمومِ ولایت اس مفہوم پر دلالت نہیں کرتے، جو اس نے مراد لیا ہے، یہاں انھیں نقل کرنے اور ان کا جائزہ لینے کی کوئی گنجایش ہے نہ فائدہ۔ لیکن یہاں یہ فائدہ ضرور ہے کہ خمینی اپنے گروہ کے اس موقف پر کہ فقیہ کی ولایت حکومت کے لیے اہلیت نہیں رکھتی، یہ تنقید کرتا ہے کہ یہ اسلام کے احکام کو معطل کر دے گا اور یہ دین کے منسوخ

---

[1] الخميني والدولة الإسلامية (ص: ٥٩۔ ٦٠)

[2] المصدر السابق (ص: ٦١)

[3] المصدر السابق (ص: ٦٠)

ہونے کے قول کے قائم مقام ہے، لیکن خمینی کے اپنے مذہب کی تائید میں پیش کیے گئے دلائل اس درجے تک نہیں پہنچتے کہ وہ اس کی مراد پر دلالت کر سکیں، لہٰذا اس کے اپنے فرقے کے مذہب پر لگائے گئے احکام (الزامات) بالکل سچے ہیں، نیز یہ کہ یہ عقیدہ اصولِ شریعت، عقل ومنطق اور اشیا کے مزاج کی مخالفت پر مبنی ہے۔

خمینی مخالف رجحان امرِ ولایت کا مرجع عام لوگوں کو قرار دیتا ہے، اس کو شیعہ علما کے ساتھ خاص نہیں کرتا، بلکہ علما کو اس حالت پر باقی رکھتا ہے، جس پر ان کو رکھا گیا ہے، یعنی غائب کے آنے اور دین و دنیا کے امور سنبھالنے تک وہ مخصوص امور کی ولایت تک محدود رہیں گے، یہ اس زمانے کی زبان میں دین کو ریاست سے جدا کرنا ہے، لہٰذا یہ مذہب فقیہ میں غلو اور دین کو ریاست سے جدا کرنے کی دعوت کے درمیان گھوم رہا ہے۔ ہر وہ مذہب جو باطل ہو، ضروری ہے کہ وہ اس جیسے تناقضات کو جنم دے۔

یہ دونوں آرا ہی وصیت اور تعیین کے دعوے کی تردید پر آ کر رکتی ہیں، کیوں کہ دونوں ہی گم شدہ غائب، جو کبھی نہیں آئے گا، کیوں کہ اس کا سرے سے وجود ہی نہیں، کی شکلی تعیین کے سوا کسی متعین شخص کو رئیس مقرر نہیں کرتیں۔

آیات کی ریاست کا دستور:

اسلامی جمہوریہ ایران نے ایک کتاب کی شکل میں اپنے دستور کا اعلان کیا، جس کو وزارت ارشادِ اسلامی نے جاری کیا اور اس کی پہلی اشاعت ۱۴۰۶ھ کو ہوئی۔ اس سے پہلے اس دستور کا مواد ایک ''الشھید'' نامی ایرانی رسالے کے خاص نمبر میں شائع ہو چکا تھا۔[1] یہاں اس دستور کی بعض شقوں کو ذکر کیا جاتا ہے، تاکہ واضح ہو سکے کہ آیا یہ دستور ان کے دعویٰ کے مطابق اسلامی ریاست کی ترجمانی کرتا ہے، یا نہیں؟

یہ دستور بارہ نمبر شق میں یہ قاعدہ مقرر کرتا ہے کہ ریاست کا دین جعفری مذہب ہوگا:

''ایران کا سرکاری دین اسلام اور جعفری اثنا عشری مذہب ہے، یہ قانون ہمیشہ رہے گا، جو ناقابلِ تبدیل ہے۔''[2]

اسی طرح یہ دستور امامت میں اثنا عشری نظریے کو مقرر کرتا ہے اور ولایتِ فقیہ کے بارے میں خمینی کے مذہب کو امامت کے ساتھ مربوط کرتا ہے:

---

[1] طبعة مؤسسة الشهيد، قم، سنة ١٩٧٩م

[2] الدستور (ص: ٢٠)

''ولایتِ فقیہ، امامت اور حکومت کے استمرار کے لیے معتمد ہے۔''[1]

دیکھیے! وہ اپنے دستور میں گروہی تعصب کا اعلان کر رہے ہیں، حالاں کہ وہ اپنا نام ''اسلامی جمہوریہ'' رکھتے ہیں! شاید ان کا یہ قول یہ اشارہ کرتا ہو کہ ان کا مذہب اسلام کے نام میں داخل نہیں، اس لیے اسلام کے ساتھ ایک دوسرے دین کے طور پر جو اس میں شریک ہے، اس کا علاحدہ ذکر ضروری ہے، حالاں کہ آپ اکثر ان کو سنتے ہیں کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا مذہب باقی اسلامی مذاہب سے صرف فروع میں مختلف ہے۔ اگر ان کے تصور میں معاملہ ایسے ہی ہے تو پھر دستور میں علاحدہ سے جعفریہ کو اپنا مذہب قرار دینے کی کیا ضرورت تھی؟

پھر یہ شق ہمیشہ کے لیے ناقابلِ تبدیل کیوں ہے؟ کیا انھوں نے غیب پر جھانک لیا ہے یا رحمٰن سے کوئی عہد کیا ہوا ہے؟ یہ لوگ اہلِ سنت کے پاس موجود حق کو دیکھنے کے لیے اپنی عقلوں اور دلوں کو کیوں نہیں کھولتے، تاکہ وہ نفرت خیز تعصب کی بیماری سے شفا پا سکیں؟

اس شق کے موجب تو ان کے ملک کا نام اسلامی جمہوریہ ایران کے بجائے جعفری جمہوریہ ہونا چاہیے، کیوں کہ اسلامی ریاست اسلام کی بنیادوں پر کھڑی ہوتی ہے، مذہب کی بنیادوں پر نہیں۔ خلیفہ جب کسی مذہب کو اختیار کرتا ہے تو قوتِ دلیل کی بنا پر اختیار کرتا ہے نہ کہ وراثت اور تعصب کی وجہ سے، لیکن انھوں نے یہ شق داخل کر کے اپنے ایک عالم کی اس بات پر مہرِ تصدیق ثبت کی ہے کہ ''اثنا عشریہ ایک دین ہے، مذہب نہیں۔''[2]

اس دستور کے دوسرے قاعدے کی بعض شقیں ان کی ائمہ سے منقول روایات کو سنتِ رسول ﷺ کی جگہ رکھتی ہیں اور یہ لوگ ادنیٰ کو اعلیٰ کے ساتھ بدلتے ہیں۔ اس شق کے الفاظ ہیں:

> ''اسلامی جمہوریہ کا نظام کتاب اللہ اور معصومین کی سنت کی اساس پر، اجتہاد کی شرائط پر پورا اترنے والے فقہا کے جاری اجتہاد کی بنیاد پر کھڑا ہے۔''[3]

اس شق میں نبی ﷺ کی سنت کا اعتراف نہیں، کیوں کہ وہ اس پر ایمان نہیں رکھتے، بلکہ معصومین کی سنت کو لیتے ہیں، جن کو وہ انبیا اور رسولوں سے افضل شمار کرتے ہیں۔ یہ دستور جو اپنے حساب سے رسول اللہ ﷺ

---

[1] المصدر السابق (ص: ٩)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۷۸۰) حاشیہ (۳) دیکھیں۔

[3] الدستور (ص: ١٥۔ ١٦)

کی سنت کو کالعدم کرتا ہے، کیا اس کی اسلامی صفت باقی رہتی ہے؟

اس شق کے تقاضے کے مطابق وہ اصولِ کافی اور بحار الانوار وغیرہ جیسی کتابوں میں جو کفر اور گمراہی موجود ہے، اس سب کو لیں گے، کیوں کہ یہی ان کے وہ مصادر ہیں، جو ان کے معصوموں کی سنت نقل کرتے ہیں۔ دستور کی بعض شقوں میں آپ کو قوم پرستی اور لسانی تعصب کا مظاہرہ بھی نظر آتا ہے، دستور کا پندرہ نمبر قاعدہ کہتا ہے:

''ایرانی قوم کے لیے زبان اور سرکاری اور عوامی خط کتابت کا ذریعہ فارسی ہے، لہٰذا تمام سرکاری کاغذات، خط کتابت، سرکاری احکام اور درسی کتابیں اسی زبان میں ہوں گی۔''

آپ دیکھتے ہیں کہ یہ شق ایرانی قوم پرستی کی اساس پر رکھی گئی ہے، کیوں کہ اسلام کی ایک ہی زبان ہے جو عربی ہے، اس اعتبار سے نہیں کہ وہ عربوں کی زبان ہے، بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ قرآن وسنت کی زبان اور رسول اللہ ﷺ آپ کے صحابہ اور تابعین کی ریاست کی زبان تھی۔ دستور کا سولہ نمبر قاعدہ مقرر کرتا ہے کہ ان کا مرجع امت کی رائے ہے، کتاب وسنت نہیں، اس کے الفاظ ہیں:

''اسلامی جمہوریہ ایران کے تمام شہری امور کو امت کی رائے کے مطابق چلانا ضروری ہے۔''[1]

بلاشبہہ اسلام میں حکومتِ خلافت اپنے تمام کام کتاب وسنت کی روشنی میں چلاتی ہے، رائے عامہ کے مطابق نہیں، یہ اسلام میں حکومت کی بنیاد نہیں، بلکہ یہ انسان کے وضع کردہ نظاموں کی بنیاد ہے۔

یہ نظریہ قاعدہ نمبر ۵۷ میں زیادہ واضح ہو کر سامنے آتا ہے، جس کے مطابق:

''معاشی، سیاسی، معاشرتی اور اہم ثقافتی معاملات میں قانون سازی کے اختیارات بعض اوقات عام عوامی ریفرنڈم کے ذریعے عمل میں لائے جائیں گے۔ یہ عام ریفرنڈم پارلیمنٹ کے ممبران کی دوتہائی اکثریت کے مطالبے پر کروایا جائے گا۔''[2]

یہ اپنے آپ کو قانون سازی کے دوسرے مصدر یعنی سنت نبویہ سے محروم کر کے اپنے معاملات کے لیے عوامی ریفرنڈم کا سہارا لیں تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ شیعہ کے عالم یوسف بحرانی (الحدائق کے مولف) نے تو ان کو یہ تجویز دی ہے کہ یہ اپنے لیے کوئی دوسرا مذہب تلاش کریں، کیوں کہ یہ مذہب تو ان کے مقاصد پورے نہیں کر سکتا۔[3]

---

[1] الدستور (ص: ۱۸)

[2] المصدر السابق (ص: ٤٦)

[3] اس کی عبارت ملاحظہ کرنے کے لیے دیکھیں: (ص: ۴۲۲)

یہ ان کے دستور کی جدید ترین طباعت ۱۴۰۶ھ میں مذکور بعض شقوں کا اجمالی تذکرہ تھا،[1] جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ کسی اسلامی ریاست کی ترجمانی نہیں کرتا، بلکہ فارسی، نسل پرست، رافضی اور جعفری ریاست کی نمایندگی کرتا ہے، جو اپنے احکام کتاب وسنت سے نہیں لیتا، بلکہ کلینی اور اس کے ہمنواؤں کی روایات سے بندھا ہوا ہے، جن کو یہ معصومین کی ''سنت'' کہتے ہیں۔

[1] یہاں یہ درج کرنا بھی ضروری ہے کہ یہ دستور لبنانی اخبار ''السفیر'' میں چھپا۔ جس کا ترجمہ محمد صادق الحسینی نے کیا۔ یہ ترجمہ اس دستور کی جدید ترین سرکاری طباعت کے بالکل الٹ ہے، اس میں جو تبدیلی ہوئی ہے، ہوسکتا ہے، اس میں تقیے کا کوئی ہاتھ اور اثر ہو، تا کہ اپنے مذہب کو تنقید سے بچایا جا سکے۔

''حزب التحریر'' ایرانی انقلاب کے لیے نرم گوشہ رکھنے والی اور اس کی حلیف ایک جماعت ہے۔ یہ ایران کی حکومت کو صحیح اسلامی حکومت تصور کرتی ہے، اس تنظیم نے اخبار ''السفیر'' میں چھپنے والے ایرانی دستور کا مطالعہ کرنے کا اہتمام کیا اور بیروت میں موجود ایرانی سفارت خانے سے اس دستور کے ترجمے کی صحت کی تصدیق کروائی تو وہاں سے جواب آیا کہ یہ ترجمہ بڑا دقیق اور امانت دارانہ ہے، اس جماعت نے اپنی تحقیق کا ما حاصل یہ پیش کیا کہ اس دستور کا نام کے سوا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، بلکہ عدالتی امور و اختیارات کی آٹھویں فصل کی شق نمبر ۱۳۱۔۱۳۲، ۱۳۵ اور ۱۳۶ کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وضعی سول قانون ہی عدالتوں میں رو بہ عمل ہوگا۔ (دیکھیں: نقض مشروع الدستور الإیراني، ص: ٤٨) حزب التحریر کا اس پر یہ تبصرہ تھا کہ یہ اسلامی دستور ہے نہ یہ اپنے احکام کتاب وسنت سے اخذ کرتا ہے، نیز واضح ہوتا ہے کہ اس دستور کا خالق مغربی سوچ کا حامل ہے، اسلامی سوچ کا نہیں۔ (المصدر السابق: ٥٢)

نیز کہتا ہے: ''اگر اس دستور کو نافذ کیا جائے تو وہ ملک کو اسلامی ملک نہیں بنائے گا، دستور کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلامی عقیدے کے چشمے سے نکلتا ہو اور اس کا تمام مواد اور شقیں کتاب وسنت سے ماخوذ ہوں۔'' (المصدر السابق)

یہ حزب التحریر کا فیصلہ ہے، حالانکہ وہ ایرانی حکومت کی حلیف اور دوست ہے اور اس کا رجحان بھی رافضہ کے رجحانِ فکر کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے، کیوں کہ یہ جماعت بعض اسلامی احکام پر عمل کو اس وقت تک کے لیے موخر کرتی ہے، جب تک خلافتِ اسلامیہ قائم نہ ہو جائے، جس طرح شیعہ اپنے مذہب کے بعض احکام پر عمل کو مہدی کے آنے تک موخر کیے ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود یہ جماعت ان کے دستور پر یہ حکم لگاتی ہے۔ اگر جگہ تنگ نہ ہوتی تو میں ان کی تنقید کی تمام تر جہتیں ذکر کرتا۔ یہ تنقید تجویز کردہ اسلامی دستور کے ساتھ ملا کر خمینی کو بھیجی گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ نے اپنے دستور میں قابلِ اعتراض مواد کو بدلنے کے لیے اس سے استفادہ کیا ہے، جس طرح اس کی جدید ترین اشاعت سے معلوم ہوتا ہے، اس کے باوجود یہ گمراہی سے خالی نہیں، جیسا کہ ہماری تنقید میں بہ خوبی واضح ہو چکا ہے۔ ''حزب التحریر'' کے متعلق تفصیل کے لیے دیکھیں: الجماعات الإسلامیة في ضوء الکتاب و السنة: تالیف سلیم الهلالي، و زیاده الدبیج (ص: ١٣٧ وما بعدها)

پانچواں باب

عالمِ اسلام پر شیعہ کے اثرات

اس باب میں دو فصلیں ہیں:

پہلی فصل: عالمِ اسلام پر شیعہ کے اثرات۔

دوسری فصل: شیعہ کا حکم۔

پہلی فصل

عالمِ اسلام پر شیعہ کے اثرات

تاریخ کے مختلف مراحل اور طویل ادوار میں شیعہ کے عالمِ اسلام پر اثرات کا جائزہ لینا ایک بہت بڑا اور وسیع موضوع ہے، بلکہ اس کے متعدد موضوعات اور مختلف پہلو ہیں، جو کئی مقالوں اور بہت زیادہ کاوشوں کے متقاضی ہیں۔ صرف تیسری اور چوتھی صدی میں عراق میں رونما ہونے والے تاریخی واقعات کا جائزہ لینا، جن میں شیعہ کا گہرا اثر اور کردار تھا، ایک بڑا وسیع موضوع ہے۔ اگر پورے عالمِ اسلام میں ان واقعات کی تحقیق کی جائے تو کام کا پھیلاؤ کتنا زیادہ ہوجائے گا، اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ معاصر حالات میں عالمِ اسلام کے اطراف و اکناف میں روز بہ روز بڑھتی ہوئی شیعہ تنظیموں کا احاطہ کرنا اور ان کے اثرات کا جائزہ لینا، متعدد سفروں، وسیع تر تعلقات اور عملی تحقیقات کا تقاضا کرتا ہے۔

ایک مقالے بلکہ ایک مقالے کی ایک فصل میں اس کے کچھ حصے کی تحقیق بھی ممکن نہیں، بالخصوص اس مقالے میں، جس کا اصل مقصد ان کے اصول وعقائد کی تحقیق وتنقید کرنا ہو۔ ان اسباب کی بنا پر ہم اس فصل میں صرف دلالت کرنے والے اشارے، مختصر بات اور با مقصد تلمیح پر اکتفا کریں گے، نیز کل کے بجائے جز اور استیعاب وتفصیل کی جگہ ایک زمانے میں ایک علاقے کی ایک مثال پیش کرنے کو ترجیح دیں گے۔

میں چاہوں گا کہ مخصوص میدانوں میں شیعہ کے بعض اثرات کو نمایاں کرسکوں، تاکہ ہماری گفتگو بکھر نہ جائے۔ وہ میدان حسبِ ذیل ہوں گے:

(1) اعتقادی اورنظریاتی میدان۔
(2) سیاسی میدان۔
(3) معاشرتی میدان۔
(4) معاشی میدان۔

یہ محض ان اثرات کی وضاحت کے لیے تقسیم ہے، وگرنہ یہ ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے اور ایک

ہی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں، کیوں کہ بدعت کی نحوست امت کے لیے بڑی خطرناک ہے، جو زندگی کے تمام پہلوؤں کو متاثر کرتی ہے۔ اس امت کی تاریخ اور اس میں ظاہر ہونے والے مختلف بدعتی رجحانات کا مطالعہ کرنے والا انسان ساری اسلامی ریاست پر اس کے سلبی اثرات محسوس کرتا ہے۔

مثال کے طور پر اموی خلافت کے سقوط کے اسباب شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی زبان سے سنیے، وہ فرماتے ہیں:

''بنوامیہ کی حکومت مٹ جانے کا ایک سبب اس جعد بن درہم کا وجود تھا۔''[1] (جس نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صفات معطل کرنے کا نظریہ پیش کیا)۔[2]

وہ کہتے ہیں:

''بنوامیہ کا آخری خلیفہ مروان بن محمد الجعدی اس کی طرف منسوب تھا، اس کی نحوست اسی کے گلے میں پڑ گئی، حتی کہ اس کی حکومت ختم ہوگئی۔ جب ایسی بدعات ظہور پذیر ہونے لگیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے مخالف ہوں تو اللہ تعالیٰ رسولوں کے مخالفوں سے انتقام لیتے اور رسولوں کی نصرت فرماتے ہیں۔''[3]

تاریخی واقعات کی یہ تفسیر مورخین کی تاریخی واقعات کی روایتی تفسیر سے بالکل مختلف ہے، کیوں کہ وہ ان کی تفسیر خالص مادی اسباب کے ساتھ کرتے ہیں۔ یہ وہ علم ہے، جس کو اہلِ ایمان کے سوا کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔

---

[1] مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام (۱۳/ ۱۸۲)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۵۸۹) دیکھیں۔

[3] المصدر السابق (۱۳/ ۱۷۷)

اعتقادی اور نظریاتی میدان

یہ نہایت وسیع اور بڑا موضوع ہے۔ ذیل میں ہم اس کے بعض خدوخال کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

① امتِ محمدیہ ﷺ میں شرک کو پیدا کرنا:

شیعہ کے امام اور امامت کے متعلق عقیدے کا عالمِ اسلام میں شرک اور شرکیات کو جنم دینے میں واضح ہاتھ ہے، بلکہ اہلِ علم کی ایک جماعت کا یہ کہنا ہے کہ امتِ محمدیہ ﷺ میں شرک اور قبروں کی پوجا کو سب سے پہلے شیعہ نے پیدا کیا۔ شیعہ کا اپنے ائمہ کے بارے میں غلو، ان کی قبروں کے متعلق غلو میں بدل گیا اور انھوں نے اپنی اس بت پرستانہ روش کی تائید کے لیے روایات وضع کیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''قبروں پر بنے ہوئے درباروں کی زیارت کے لیے سفر کی مشروعیت کے متعلق روایات سب سے پہلے رافضی بدعتیوں اور ان کے ہم جنسوں نے وضع کیں، جو مساجد کو ویران کرتے ہیں اور درباروں کی تعظیم کرتے ہیں، جہاں شرک کیا جاتا ہے، جھوٹ بولا جاتا ہے اور ایسا دین ایجاد کیا جاتا ہے، جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ کتاب وسنت میں صرف مساجد کا ذکر ہے، درباروں کا نہیں۔''[1]

آج شیعہ کے مزار اور درگاہیں شرک اور غیر اللہ کی عبادت کے اڈے بن چکے ہیں۔ بہت سارے لوگ جنھوں نے شیعہ علاقوں کو دیکھا ہے، وہ ان شرکیہ مظاہر کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔[2]

یہ مصیبت اہلِ سنت کے بعض علاقوں میں بھی سرایت کر گئی ہے، لیکن یہ اصل میں رافضیوں کا کام ہے، جن کی کتابیں اس کی تائید ونصرت کرتی ہیں۔ یہاں ان درباروں، درگاہوں اور جگہوں کا نام اور ان میں ہونے والے کاموں کی صورت گری کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، کیوں کہ یہ بہت زیادہ مشہور ومعروف ہیں۔

② اللہ کے دین سے روکنا:

رافضی رجحانِ فکر کو، اپنی تمام تر گمراہی اور شذوذ کے باوجود جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے، ہمیشہ سے رافضی

---

① الرد علی الأخنائي (ص: ٤٧)

② اسی کتاب صفحہ (۱۱۰۴) دیکھیں۔

علما کی تبلیغی کوششوں کا ساتھ نصیب رہا ہے، جو اپنی جماعت کی تعداد بڑھانے کے لیے ہر کارآمد ذریعہ تلاش کرتے ہیں۔

یہ تبلیغی پڑاپیگنڈا اور تشہیری مہم ''بہت بڑے جھوٹ'' پر اپنی تمام تر توجہ مرکوز کرتی ہے اور شیعہ کو اس میں کھیلنے، اس کے ساتھ اپنے اَتباع کو دھوکا دینے اور جاہل مسلمانوں کو فریب دینے میں بڑی مہارت حاصل ہے۔ یہ جھوٹ کہتا ہے کہ شیعہ کے شذوذ و انحراف کو اہلِ سنت کی روایات کی تائید حاصل ہے، اس لیے وہ کثرت کے ساتھ یہ بات کہتے ہیں کہ ''اس نقطۂ نظر سے شیعہ اور اہلِ سنت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔''

ہم ان کی کتابوں میں ان لوگوں سے بہ کثرت استدلال دیکھتے ہیں، جنھیں یہ عامہ کہتے ہیں،[1] اس جھوٹی بات اور کذب بیانی سے وہ شخص دھوکا کھا گیا، جس کا دل اللہ تعالیٰ نے حق سے پھیر دیا، چنانچہ وہ سمجھ بیٹھا کہ دینِ اسلام وہی ہے، جو یہ بدعتی پیش کرتے ہیں، جب اس نے دیکھا کہ یہ تو عقل کے بالکل خلاف ہے تو اس نے اسلام کو چھوڑ کر الحاد اور بے دینی کی کھائی میں چھلانگ لگا دی۔

اس لیے شیعہ کے غالی لوگ اپنے ہاتھ اور زبان دونوں سے دینِ اسلام پر حملے کرتے ہیں، جس طرح بابک خرمی کے پیروکاروں ''خرمیہ''[2] کی عادت تھی۔ اسی طرح ابوسعید جنابی کے پیروکار بحرین کے

---

[1] شیعہ کی متاخر اور معاصر کتابوں میں سے تقریباً کوئی کتاب بھی اس اسلوب سے خالی نہیں۔ ان سب سے غلو اور جھوٹ میں آگے ''غاية المرام'' نامی کتاب ہے، جو مکمل اسی اسلوب پر لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب اپنے واضح اور عیاں جھوٹ کی وجہ سے شیعہ پر ہمیشہ کے لیے ایک بدنما دھبا ہے، اس کے باوجود عصرِ حاضر کا ایک مرجع اس پر فخر کرتا ہے۔ (محسن العاملي: الشيعة، ص: ١٢٤) نیز ''فكرة التقريب'' کے ضمیمہ جات ملاحظہ کریں۔

[2] خرمیہ، نامی کے دو فرقے ہوئے ہیں، ایک فرقہ اسلام کی سلطنت قائم ہونے سے پہلے کا ہے، جو مال اور شرم گاہ میں اشتراکیت کے داعی اور اباحیت پسند مزدک کے پیروکار تھے۔ جنھوں نے فارس میں فساد برپا کر دیا، تو عادل بادشاہ نوشیروان نے ان کا کام تمام کر دیا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے فوت ہوگیا تھا۔

خرمیہ کا دوسرا فرقہ سلطنتِ اسلام میں ظاہر ہوا، جیسے بابک خرمی کے پیروکار جو آذربائیجان کے ایک علاقے میں نمودار ہوا۔ اس کے پیروکار بہت زیادہ تھے۔ یہ تمام محرمات کو حلال کرتا تھا اور اس نے بیس سال تک بنوعباس کے بہت زیادہ لشکروں کو شکست دی۔ یہاں تک کہ معتصم باللہ (المتوفی ٣٢٣ھ) کے عہدِ خلافت میں یہ اپنے بھائی اسحاق کے ساتھ گرفتار ہوا اور ''سُرَّ من رآی'' نامی شہر میں اس کو صلیب پر چڑھا دیا گیا۔

اسلام کے عہد میں ظاہر ہونے والے یہ خرمیہ یقیناً قدیم فارسی مذہب ''مزدکیہ'' ہی کا تسلسل تھے۔ انھوں نے شیعہ کے انحراف میں مزید اضافہ کر دیا۔ اس لیے نوبختی شیعہ کہتا ہے: ''غلو کا آغاز ان سے ہوا، انھوں نے کہا کہ ائمہ آلہہ (معبود) اور انبیا و رسل ہیں۔'' نیز یہ تناسخ اور قیامت کے نہ ہونے کے بھی قائل تھے۔ (دیکھیں: النوبختي: فرق الشيعة، ص: ٣٦، ابن النديم: الفهرست، ص: ٣٤٢۔ ٣٤٤، الإسفرايني: التبصير في الدين، ص: ٧٩۔ ٨٠، الملطي: التنبيه والرد، ص: ٢٢، الغزالي: فضائح الباطنية، ص: ١٤ وما بعدها)

قرامطہ[1] اور کئی دیگر لوگ تھے۔[2]

رافضیت کو اسلام کہہ کر پیش کرنا بلاشبہہ اللہ کے دین سے روکنے کا ایک بہت بڑا سبب ہے، کیوں کہ ایک عقل مند انسان غیوبت و رجعت کی خرافات، باطنی تاویلات اور صحابہ پر تبرا بازی کو کس طرح قبول کر سکتا ہے۔ آج یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ ایران میں ''آیات'' کی حکومت و ریاست قائم کرنا دراصل مسلمانوں کی خلافت کو دوبارہ قائم کرنے اور اتحادِ امت میں رکاوٹ پیدا کرنا اور اسلامی بیداری کے مظاہر کو روکنے کے لیے ایک ذریعہ اور وسیلہ ہو۔

ایسی ریاست قائم کرنا جو اسلام کا چہرہ مسخ کرتی ہو اور مسلمانوں کی خواہشات اور امیدوں کے خلاف ایک صورت پیش کرتی ہو، وہ مسلمان نوجوانوں کے دلوں میں جوش و جذبات کے شعلوں کو ٹھنڈا کر سکتی ہے اور ان کی امیدوں پر پانی پھیر سکتی ہے۔

کافر استعمار مستشرقین کے نام کی ایک جماعت کے ذریعہ ان بدعتی رجحانات میں بڑی دلچسپی رکھتا ہے، جن کی اکثریت ان ممالک کی وزارت خارجہ میں مشیر کے طور پر کام کرتی ہے اور یہ بڑے بڑے ممالک اپنی سیاست کا طریقۂ عمل ان مستشرقین کی رپورٹوں کی روشنی میں تیار کرتے ہیں، جو امتِ اسلام کی تاریخ اور گروہی تحقیق پر مبنی ہوتی ہیں، اس کے ساتھ ساتھ کافر استعمار ہمارے ساتھ اپنی تاریخ کو بھی نہیں بھولا۔ جس طرح اس کے بعض راہنماؤں کے اقوال اور اس کے مختلف مواقف اس کی گواہی پیش کرتے ہیں، نیز بعض نومسلم یورپین نے بھی اس حقیقت کو بے نقاب کیا ہے، جس طرح محمد اسد نے اپنی کتاب: "الإسلام علی مفترق الطریق" میں ذکر کیا ہے۔[3]

---

[1] قرامطہ ایک اسماعیلی فرقہ ہے، جس کی تعریف (ص: ۱۱۵) گزر چکی ہے۔ انھیں ایک شخص حمدان قرمط کی طرف نسبت کی بنا پر قرامطہ کہا جاتا ہے۔ یہ شخص ابتدا میں ان کا ایک راہنما تھا۔ (فضائح الباطنیة، ص: ۱۲)

[2] دیکھیں: منهاج السنة (۱/ ۱۱٤)

[3] اس کے متعلق محمد اسد نے ''صلیبی جنگوں کا ہیولا'' کے عنوان کے تحت فصل میں گفتگو کی ہے۔ وہ کہتا ہے: ''کئی صدیوں تک متواتر صلیبی جنگیں ہی یورپ کے اسلام کے متعلق موقف کی تعیین میں سب سے آگے ہوئیں۔'' (الإسلام علی مفترق الطرق، ص: ٥٥) وہ کہتا ہے: ''جتنا اس سے یورپ نے فائدہ اٹھایا ہے، عالم اسلام نے بھی اس سے اتنا فائدہ نہیں اٹھایا، لیکن یورپ نے اس احسان کو یاد نہیں رکھا کہ اسلام کے خلاف نفرت ہی میں کچھ کمی کر دے، بلکہ معاملہ اس کے برعکس رہا اور یہ نفرت وقت بڑھنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئی، حتی کہ ان کی عادت بن گئی۔ جب لفظِ مسلم بولا جاتا تو یہ نفرت قومی شعور پر چھا جاتی، بلکہ یہ ان کے محاروں تک میں داخل ہو چکی تھی اور ہر یورپی مرد ہو کہ عورت، اس کے دل میں بیٹھ گئی تھی۔ (المصدر السابق، ص: ٥٩۔ ٦٠)

وہ مزید کہتا ہے کہ یہ دشمنانہ احساسات ثقافتی تبادلے کے تمام ادوار کے باوجود زندہ اور مسلسل ارتقا پذیر رہے، حالاں کہ ←

چاہے ''آیات'' کی حکومت کا قیام یا عالمِ اسلام میں شیعہ لہر کا چڑھنا کافر دشمن کا مقصود ہو یا نہ ہو، لیکن اس کے اللہ کی راہ سے روکنے اور بہ رضا و رغبت زندیقیت کو قبول کرنے اور پھیلانے کے اثرات ضرور ہیں، جس سے مسلمان دھوکا کھا رہے ہیں اور یہی سب سے بڑی بیماری ہے، جس کی درج ذیل مسئلے میں وضاحت ہوتی ہے۔

الحاد و زندیقیت کے فرقوں کا ظہور:

شیخ الاسلام ذکر کرتے ہیں کہ اسماعیلیہ، نصیریہ اور دیگر ملحد منافق زندیقوں کی گمراہی کا نقطۂ آغاز رافضہ کی جھوٹی باتوں کی تصدیق تھی، جن کو وہ قرآن اور حدیث کی تفسیر میں پیش کرتے ہیں۔[1] عبیدیوں کے ائمہ بھی اپنے دعوے کی بنیاد ان جھوٹوں پر کھڑی کرتے، جنھیں رافضہ نے گھڑا تھا، تاکہ اس کے ساتھ شیعہ ان کی گمراہی کو قبول کر لیں، اس کے بعد وہ آدمی کو صحابہ پر تنقید کے مرحلے سے گزار کر حضرت علی پر تنقید کے مرحلے میں داخل کر دیتے، اس کے بعد بالتدریج الوہیت کو ہدفِ تنقید بناتے، جس طرح "البلاغ الأکبر" اور "الناموس الأعظم" کے مولف نے ان کے لیے یہ ترتیب لگائی ہے۔ اس لیے رافضیت کفر و الحاد کا سب سے بڑا دروازہ اور دہلیز تھی۔[2]

چنانچہ رافضہ ان ملحدوں کے لیے دروازے کی حیثیت رکھتے تھے، جس سے گزر کر وہ اللہ تعالیٰ کے اسما اور اس کی کتاب مبین کی آیات میں الحاد کی تمام اصناف میں داخل ہو جاتے، جس طرح قرامطی اور باطنی وغیرہ جیسے منافقوں کے سربراہوں نے یہ خود تسلیم کیا ہے۔[3]

گذشتہ سطور سے واضح ہو جاتا ہے کہ اثنا عشریہ کی روایات اور احادیث جن کے بارے میں شیعہ کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے ان کو ائمہ اہلِ بیت سے حاصل کیا ہے، غالی افکار و نظریات اور بے دین فرقوں کے ظہور کے لیے ایک مناسب ماحول اور زرخیز مٹی مہیا کرتی ہیں۔

کیوں کہ ان روایات نے شیعہ فرقوں کے مختلف رجحانات اور شاذ افکار کے تلچھٹ کو یکجا کر دیا ہے، جنھوں نے امت میں تفرقہ بازی اور فساد کو ہوا دی۔ یہ اقوال ہم تک فرق اور عقائد و نظریات کی کتابوں

← دینی شعور، جو اس عداوت کا سبب تھا، وہ ختم ہو گیا۔ وہ کہتا ہے کہ یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں، کیوں کہ نفسیات میں یہ طے شدہ بات ہے کہ انسان بسا اوقات ان عقائد کو چھوڑ سکتا ہے، جو اس نے بچپن میں حاصل کیے ہوں، لیکن بعض خرافات اس کے ذہن کے ساتھ چپکی رہ سکتی ہیں، جو ہر عقلی تجزیے کو چیلنج کرتی ہے۔ (المصدر السابق، ص: ٦٠۔ ٦١) میں کہوں گا کہ نفسیات کے یہ مقررہ قاعدے یورپ کے دینوں پر تو صادق آ سکتے ہیں، دینِ فطرت اسلام پر نہیں۔

[1] منهاج السنة (٤/ ٣)

[2] منهاج السنة (٤/ ٣)

[3] المصدر السابق (١/ ٣)

کے ذریعے پہنچے، پھر ہم نے شیعہ روایات کو دیکھا کہ وہ ان رجحانات کی نہ صرف گواہی دیتی ہیں، بلکہ ان کی تائید بھی کرتی ہیں۔[1]

انھی روایات کی وجہ سے اثنا عشریہ کی کوکھ سے بہت سارے فرقوں نے جنم لیا، جن کا غلو اور کفر بہت زیادہ مشہور ہوا، جیسے: شیخیہ، بابیہ اور کشفیہ وغیرہ تھے۔ بلکہ منتقی کے مولف نے تو یہ کہا ہے کہ رافضیت بدترین فرقوں کی جائے پناہ ہے...''[2]

اس کے بعد انھوں نے زندیقیت اور الحاد کے ان جملہ فرقوں کا ذکر کیا، جو رافضیت کی چھتری تلے پناہ لیتے ہیں۔ اسی لیے امام غزالی نے کہا ہے کہ باطنیہ کا مذہب ظاہری طور پر رافضیت ہے، لیکن باطنی طور پر خالص کفر ہے۔''[3] لہٰذا وہ کافر ہیں، لیکن اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کرتے ہیں۔

بہ ظاہر ایسے لگتا ہے کہ ان کی جماعت میں انھی کی اکثریت ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے:

''رافضہ کے اکثر ائمہ اور عام لوگ زندیق اور ملحد ہیں، ان کو علم اور دین سے کوئی غرض نہیں۔''[4]

چنانچہ تشیع کا ماحول اور آب و ہوا مختلف فرقوں اور خواہش پرستوں کے لیے بڑی زرخیز ہے۔

محبّ الدین خطیب نے لکھا ہے:

''شیعیت ایران میں بہائیت اور کمیونزم کے پھیلاؤ کا ایک اہم عامل تھا۔''[5]

4 مسلمانوں کو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے گمراہ کرنے کی کوشش:

شیعہ کے فکری اثرات کے کے نتیجے میں سے ایک یہ امر ہے کہ ان کا ایک گروہ رجالِ حدیث میں گھس گیا اور انھوں نے بعض ان روایات کو ذخیرہ حدیث میں داخل کرنے کی کوشش کی، جو شیعیت کی معاون اور خادم ثابت ہوسکتی ہیں، بلکہ اس رنگ کا مواد اہلِ سنت کی معاجم اور دواوینِ حدیث میں بھی پایا گیا، لیکن رجالِ حدیث اس کی طرف متوجہ ہوگئے، انھوں نے حق کو واضح کر دیا اور رافضی سازش کو بے نقاب کر دیا۔

شیخ سویدی ان کے اس چھوڑے ہوئے اثر کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۱۰۱۵) دیکھیں۔

[2] دیکھیں: المنتقیٰ (ص: ۷۷)

[3] فصائح الباطنية (ص: ۳۷)

[4] منهاج السنة (٤/ ٧٠)

[5] الخطوط العريضة (ص: ٤٤۔ ٤٥)

''شیعہ کے بعض علما نے علم حدیث کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا، لہٰذا انھوں نے ثقہ محدثین سے احادیث سنیں، اہلِ سنت کی صحیح اسانید کو یاد کیا اور اپنے آپ کو تقوے اور پرہیزگاری کے ظاہری زیور سے آراستہ کیا، حتی کہ ان کو اہلِ سنت کے محدثین میں شمار کیا جانے لگا۔ یہ صحیح اور حسن احادیث روایت کرتے، اس کے بعد ان روایات میں اپنے مذہب کے مطابق موضوع روایات داخل کر دیتے۔ اس دسیسہ کاری کی وجہ سے عوام تو ایک طرف رہے، خواص اہلِ سنت بھی گمراہی کا شکار ہوگئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ائمہ حدیث کی ذمے داری لگائی، جنھوں نے موضوع روایات کا پیچھا کیا، انھیں جا پکڑا اور ان کے موضوع ہونے کو واضح انداز میں بیان کیا اور مقامِ شکر ہے کہ ان کی حالت واضح ہوگئی۔ شیعہ کے ایک گروہ کا جب پول کھل گیا تو انھوں نے احادیث وضع کرنے کا خود اعتراف کیا۔''

اس کے بعد سویدی کہتے ہیں:

''یہ موضوع روایات ابھی تک معاجم اور مصنفات میں موجود ہیں، اکثر تفضیلیہ[1] اور شیعہ ان روایات سے تمسک کرتے ہیں۔''[2]

علامہ آلوسی کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے یہ طریقہ اختیار کیا، ان میں جابر جعفی کا نام بھی شامل ہے۔[3] حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ حافظ ابو یعلی نے اپنی کتاب ''الإرشاد'' میں کہا ہے کہ رافضہ نے علی رضی اللہ عنہ اور آلِ بیت کی فضیلت میں تین ہزار روایات کے قریب وضع کیں۔ حافظ ابن قیم اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''ہم اس کو بعید از حقیقت نہیں سمجھ سکتے، کیوں کہ اگر آپ ان کے پاس موجود اس طرح کے مواد کی تلاشی کریں تو آپ کو وہی بات ملے گی، جو ابو یعلی نے کہی ہے۔''[4]

5 لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے ظاہری طور پر شیعہ کا اہلِ سنت کے مذہب میں داخل ہونا:

رافضی سازش نے جو فکری اثرات چھوڑے، ان کی ایک صورت یہ تھی کہ شیعہ کے علما کا ایک گروہ ظاہری

---

[1] زیدیہ وغیرہ میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ترجیح دینے والے۔ دیکھیں: التسعينية لابن تيمية (ص: ٤٠)

[2] السويدي: نقض عقائد الشيعة (ص: ٢٥۔ ٢٦) نیز دیکھیں: الألوسي: السيوف المشرقة (ص: ٥٠ مخطوط) و مختصر التحفة (ص: ٣٢)

[3] السيوف المشرقة (ص: ٥٠)

[4] المنار المنيف (ص: ١١٦)

طور پر اہلِ سنت کے مذہب میں داخل ہوگیا اور انھوں نے لوگوں کو گمراہی میں مکمل مبتلا کرنے کے لیے حنفی و شافعی کے القاب اختیار کر لیے اور ایسی کتابیں تالیف کیں، جو رافضیت کی تائید کرتی تھیں۔[1]

اسی طرح شیعہ کے اہلِ سنت کے پردے میں چھپے ہوئے بعض علما نے شیعہ فکر سے ملتے جلتے افکار پیدا کیے اور انھیں اسلامی حلقوں کے سامنے پیش کیا۔ شیخ ابو زہرہ رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ نجم الدین طوفی (المتوفی ۷۱۶ھ) نے شیعہ مذہب کو رائج کرنے کے لیے اسی ذریعے کو استعمال کیا۔ اس نے مصلحت کا نظریہ پیش کیا، جس کے بارے میں اس نے کہا کہ مصلحت نص (قرآنی آیت یا حدیث) سے مقدم ہوگی اور یہ شیعہ مسلک ہے، کیوں کہ ان کے نزدیک امام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نص کو مخصوص یا منسوخ کر سکتا ہے۔

چنانچہ طوفی پورا کا پورا شیعہ نظریہ لے کر آیا، اگرچہ اس نے امام کا لفظ نہیں بولا، لیکن اس کی جگہ اس نے مصلحت کا لفظ استعمال کیا ہے، تاکہ اپنی بات اور اپنے نظریے کو پھیلا سکے۔ اس کے بعد شیخ ابو زہرہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ طوفی نے ''نص'' کی اہمیت گھٹانے اور مصالح مرسلہ کے ساتھ نص کو مخصوص یا منسوخ کرنے کے نظریے کے ساتھ نصوصِ شرعیہ کی اس اہمیت اور تقدس کو گھٹانے کی کوشش کی، جو اہلِ سنت ان کو دیتے ہیں۔[2]

---

[1] ان کے اس کام کے لیے مختلف مسالک اور طریقے ہیں۔ تحفہ اثنا عشریہ کے مصنف شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ان کو بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''یہ بعض اوقات خلفاے اربعہ کے فضائل میں کوئی کتاب تالیف کرتے ہیں اور جب فضائلِ علی بیان کرنے کا موقع آتا ہے تو ان میں اپنے دعوے کی تائید کرنے والی روایات داخل کر دیتے ہیں، جو علی رضی اللہ عنہ کے لیے وصیتِ خلافت اور صحابہ کی تنقیص پر مشتمل ہوتی ہیں۔'' (تفصیل کے لیے دیکھیں: تحفة الإثني عشرية: الورقة: ٤٦ مخطوط)

کبھی بعض مذاہب کی فقہ کے متعلق کوئی کتاب لکھتے ہیں اور اس کو اس حلقے اور ماحول میں نشر کرتے ہیں، جہاں اس فقہ کا کوئی مقلد نہیں ہوتا، پھر اس مذہب میں بڑی غلط اور قبیح چیزیں ملا دیتے ہیں، جیسے احادیث کو رد کر کے ان کے مقابلے میں قیاس کو ترجیح دینا یا بعض بدکاریوں کا اقرار کرنا۔ شاہ عبدالعزیز نے ان کی اس طرح کی ایک کتاب کا ذکر کیا ہے، جس کو انھوں نے امام مالک کی طرف منسوب کیا تھا اور اس کا نام ''المختصر'' رکھا، اس کتاب میں انھوں نے امام مالک کی طرف غلاموں کے ساتھ بدفعلی کرنے کے جواز کی جھوٹی نسبت کی۔ (المصدر السابق، ورقة: ٤٥ ب)

کسی وقت یہ ایسی کتابیں لکھتے ہیں، جن میں ان کے مصنفوں کا دعویٰ ہوتا ہے کہ وہ پہلے اہلِ سنت تھے، پھر جب ان کے سامنے اہلِ سنت کا مذہب جھوٹا ثابت ہوگیا تو انھوں نے اس کو چھوڑ دیا، جیسے: ''لما ذا اخترت مذهب الشيعة'' (میں نے شیعہ مذہب کیوں اختیار کیا) انھوں نے یہ کتاب ''مرعی الانطاکی'' نام کے ایک شخص کی طرف منسوب کی ہے۔

رافضہ کے اس کام کے جتنے طریقے اور راہیں ہیں، وہ اتنی زیادہ ہیں، جن کی تفصیل بیان کرنے کے لیے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔

[2] دیکھیں: ابن حنبل (ص: ٣٢٦) ابو زہرہ نے طوفی کے حالات ذکر کیے ہیں اور یہ ثابت کیا ہے کہ وہ شیعہ تھا۔ (المصدر السابق، ص: ٣٢٤۔ ٣٢٥) ابو زہرہ نے اپنے اس حکم کی بنیاد طبقات الحنابلہ لابی یعلی میں طوفی کے مذکور کلام پر رکھی ہے۔

بلکہ روافض نے اپنی بعض مشہور شخصیات کے ناموں کی اہلِ سنت کی بعض بڑی شخصیات کے ناموں میں مشابہت کو بھی باعثِ غنیمت خیال کیا ہے اور حق کی تلاش کرنے والوں کو گمراہ کرنے کے لیے انتہائی سستی فکری ملاوٹ کی ہے۔ وہ اہلِ سنت کے معتبر ناموں میں غور کرتے ہیں، جس کا نام اور لقب اپنے کسی عالم کے نام اور لقب کے ساتھ مشابہ دیکھیں تو وہ شیعہ روایت یا شیعہ قول اس کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

اس کی ایک مثال امام ابن جریری طبری رحمہ اللہ ہیں۔ یہ مشہو سنی امام اور تفسیر طبری اور تاریخ طبری کے مولف ہیں۔ ان کے ساتھ شیعہ کا ایک عالم محمد بن جریر بن رستم طبری[1] نام میں موافقت رکھتا ہے، دونوں ایک ہی زمانے اور ایک ہی شہر بغداد میں ہوئے ہیں، بلکہ ان دونوں کی وفات بھی ایک ہی سال ۳۱۰ھ کو ہوئی۔

روافض نے اس مشابہت سے فائدہ اٹھایا اور امام ابن جریر طبری کی طرف اپنے مذہب کی تائید کرنے والی بعض کتابیں منسوب کر دیں، جس طرح "المسترشد في الإمامة"[2] نامی کتاب ہے، جو باوجودیکہ اس رافضی محمد بن جریر بن رستم طبری[3] کی تالیف ہے، انھوں نے یہ کتاب امام ابن جریر کی طرف منسوب کردی۔ یہ لوگ آج تک اپنے مذہب کی تائید کرنے والی بعض روایات کو امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔[4]

بلکہ رافضہ کی اس کارروائی نے امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کی زندگی میں ان کو اذیت سے دوچار کیا۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ بعض عوام نے ان پر رافضیت کا الزام لگایا اور بعض جاہلوں نے آپ پر الحاد کی تہمت باندھی۔[5] ان کی طرف ''غدیر خم'' کی حدیث کے متعلق دو جلدوں میں ایک کتاب منسوب کی گئی اور ان کی طرف وضو میں پاؤں پر مسح کرنے کا جواز بھی منسوب کیا گیا۔[6]

ایسے لگتا ہے کہ بعض علمائے اہلِ سنت کے سامنے رافضہ کی اس کوشش کا زمانہ قدیم ہی میں پول کھل چکا تھا۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

---

[1] رافضی مذہب میں اس کی کئی تالیفات ہیں، جیسے "المسترشد في الإمامة"، "نور المعجزات في مناقب الأئمة الإثني عشر" (دیکھیں: في ترجمة: جامع الروة: ٢/ ٨٢۔ ٨٣، بحار الأنوار: ١/ ١٧٧، تنقیح المقال: ٢/ ٩١، نیز دیکھیں: ابن حجر: لسان المیزان: ٥/ ١٠٣)

[2] دیکھیں: ابن الندیم: الفهرست (ص: ٣٣٥)

[3] دیکھیں: طبقات أعلام الشیعة في المائة الرابعة (ص: ٢٥٢) ابن شهر اشوب: معالم العلماء (ص: ١٠٦)

[4] دیکھیں: الأمیني النجفي: الغدیر (١/ ٢١٤۔ ٢١٦)

[5] دیکھیں: البدایة والنهایة (١١/ ١٤٦)

[6] المصدر السابق.

''بعض علما کا خیال ہے کہ ابن جریر دو ہیں، ایک یہ شیعہ جس کی طرف یہ سب منسوب کیا جاتا ہے اور وہ ابوجعفر محمد بن جریر کو ان صفات سے مبرّا قرار دیتے ہیں۔''[1]

یہ قول جس کو حافظ ابن کثیر نے بعض علما کی طرف منسوب کیا ہے، یہی عین حقیقت ہے، جس طرح تراجم کی کتابوں اور ان دونوں کے آثار کا مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے۔ کہاں زمین کہاں آسمان! دونوں آدمیوں کے آثار اور اقوال ونظریات میں جو فرق ہے، اس کو ایک دوسرے پر قیاس ہی نہیں کیا جا سکتا۔[2]

امام ابن جریر طبری کا عقیدہ رافضہ کے عقیدے کی کسی ایک جہت سے بھی نہیں ملتا۔ وہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کا علم رکھنے والے اور ان پر عمل کرنے والے مسلمانوں کے ائمہ میں سے ایک امام تھے۔ ابوجعفر طبری[3] نام کا ایک اور رافضی بھی ہے، جو پہلے رافضی طبری کے علاوہ ہے، اگرچہ استاذ فواد سزگین نے ان دونوں رافضیوں کو ملا دیا ہے۔[4] حالانکہ ان دونوں کے درمیان دو صدیوں سے زیادہ کا عرصہ ہے۔

اخبار ''المدينة المنورة'' نے اس دوسرے رافضی کی ایک ''عقد الزهراء'' کے نام سے خود ساختہ کہانی شائع کی ہے۔ اگر روافض اسما میں مشابہت کو استعمال نہ کرتے تو یہ کہانی کبھی چھپ نہیں سکتی تھی۔[5] ابن جریر کی طرح اور لوگ بھی ہیں،[6] لیکن یہ مقام تفصیل کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ نیز یہ بحث بھی ایک مستقل تحقیق کی مستحق ہے۔

---

[1] المصدر السابق.

[2] دونوں میں اس تفریق کے سلسلے میں مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: مجلة المجمع العلمي العراقي، المجلد التاسع (ص: ٣٤٥)

[3] ابوجعفر محمد بن ابی القاسم بن علی طبری، چھٹی صدی کا امامیہ کا عالم تھا۔ (دیکھیں: طبقات أعلام الشيعة، ص: ٢٤٢، ٢٧٨)

[4] اس نے کتاب ''بشارة المصطفیٰ'' پہلے یعنی ابن رستم شیعہ کی طرف منسوب کی ہے، جب کہ وہ دوسرے یعنی ابی القاسم کی تصنیف ہے۔ (دیکھیں: تاريخ التراث: ٢/ ٢٦٠)

[5] جريدة ''المدينة'' عدد (٤٦٢١) الثلاثاء ٢٤ رجب ١٣٩٩هـ (ص: ٧) اختبار محمد سالم محمد، یہ شیعہ کتاب ''بشارة المصطفیٰ'' سے منقول ہے۔ یہ کتاب ''بشارة المطفیٰ'' انتہائی غلو پر مشتمل ہے۔ اس میں جبت اور طاغوت کی تاویل ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے کی گئی ہے۔ (ص: ٢٣٨) نیز اس میں لکھا ہے کہ جو شخص علی رضی اللہ عنہ کی تقدیم، فوقیت اور ان کی طاعت وولایت کے وجوب میں شکر کرتا ہے، اس پر کفر کا حکم لگایا جائے گا، اگرچہ وہ اسلام کا اظہار کرے۔ (ص: ٥١)

[6] جیسے ابن قتیبہ، یہ بھی دو آدمی ہیں۔ ایک عبداللہ بن قتیبہ غالی رافضی اور دوسرا عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ، جو اہل سنت کے ثقہ رجال میں سے ہیں۔ ابن قتیبہ نے ''المعارف'' کے نام سے ایک کتاب لکھی، تو اس رافضی نے بھی گمراہ کرنے کی نیت سے اسی نام ''المعارف'' کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ (دیکھیں: مختصر تحفة الإثنى عشرية، ص: ٣٢، مختصر الصواقع، ص: ٥١ مخطوط، السويدي: نقض عقائد الشيعة، ص: ٢٥ مخطوط)

محققین ''الإمامة والسياسة'' کی ابن قتیبہ سنی کی طرف نسبت کی وجہ سے حیرت کا شکار ہیں، کیوں کہ یہ جھوٹوں اور باطل افکار کا پلندہ ہے۔ عبداللہ عسیلان کہتا ہے کہ میں نے کتاب ''الإمامة والسياسة'' کے اصل مولف کو جاننے کی بڑی کوشش ←

عالمِ اسلام میں رافضیت کی اشاعت:

رافضہ کی قدیم نصوص اور روایات میں مذکور ہے کہ ان کے نظریے کو صرف ایک شہر کے باسیوں نے قبول کیا اور یہ شہر کوفہ ہے، اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ رافضیت کا مسلمانوں کے معاشرے میں اپنے عقائد پھیلانے میں کس حد تک اثر ہوسکتا ہے۔

ابو عبداللہ نے کہا:

''اللہ تعالیٰ نے ہماری ولایت کو مختلف شہروں کے باشندوں پر پیش کیا، لیکن اہلِ کوفہ کے سوا کسی نے اس کو قبول نہ کیا۔''[1]

چنانچہ تشیع کو اسلامی بلاد میں سے کوفہ کے سوا اور کوئی وطن نہ ملا، کیوں کہ یہ شہر علم اور اہلِ علم سے دور تھا۔[2] یہاں تشیع کا پھیلنا ابن سبا کے آثار میں سے تھا، اس نے کوفہ کو بہت پہلے سے اپنی سرگرمی کا مرکز بنا لیا تھا، جب وہ اس کو چھوڑ کر گیا تو وہ وہاں اپنے منہج پر عمل کرنے والی ایک جماعت تیار کر چکا تھا۔[3]

کوفہ کے شیخ اور عالم ابو اسحاق سبیعی (المتوفی ۱۲۷ھ) نے اس شہر پر طاری ہونے والی تبدیلی ملاحظہ کی ہے۔ انھوں نے جب کوفہ چھوڑا، تب وہ لوگ اہلِ سنت کے مذہب پر تھے، ان میں سے کوئی ایک بھی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت اور تقدیم میں شک نہیں کرتا تھا، لیکن جب وہ لوٹ کر وہاں آئے تو وہاں کی فضا ہی بدلی ہوئی تھی اور نظریۂ رفض اتنا عام ہو چکا تھا کہ کوئی اس کو برا بھی نہیں جانتا تھا۔[4]

← کی ہے، لیکن کامیاب نہیں ہوسکا۔ (عبداللہ عسیلان: الإمامیة والسیاسیة، ص: ۲۰) بلکہ اس نے یہ مفروضہ پیش کیا ہے کہ اس کا مولف کوئی مالکی ہوسکتا ہے۔ (المصدر السابق، ص: ۲۰) حالاں کہ اس کتاب پر رافضی چھاپ بالکل واضح اور روشن ہے، کیوں کہ اس میں صحابہ کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے اور یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ حضرت علی نے حضرت ابوبکر کی خلافت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا، کیوں کہ وہ ۔اس کی رائے کے مطابق۔ خلافت کے زیادہ حق دار تھے۔ ڈاکٹر عبداللہ عسیلان نے مذکورہ کتاب سے اس کی مثالیں بھی نقل کی ہیں۔ (المصدر السابق، ص: ۱۷، ۱۸، ۱۹) لیکن اس کی اور دیگر بہت سارے لوگوں کی نظر سے اوجھل رہا کہ یہ روافض کی دسیسہ کاری ہے، کیوں کہ ابن قتیبہ نام کے دو آدمی ہیں اور کتاب ''الإمامیة والسیاسة'' اسی رافضی کی تصنیف ہے، لیکن میں نے، اس بات کی اہمیت کے باوجود، کسی کو نہیں دیکھا کہ اس نے یہ تنبیہ ذکر کی ہو۔

[1] بحار الأنوار (۶۰/ ۲۰۹، ۱۰۰/ ۲۵۹)

[2] اسی کتاب کا مقدمہ دیکھیں۔

[3] دیکھیں: سلمان العودة: عبداللہ بن سبأ (ص: ۴۹)

[4] اسی کتاب کا صفحہ (۷۲) دیکھیں۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہ بیماری پورے عالمِ اسلام میں سرایت کر گئی، حتی کہ بعض محققین کے مطابق آج مسلمانوں میں سے ہر دسواں آدمی شیعہ ہے۔[1] عصرِ حاضر میں تشیع کے داعی بڑی سرگرم اور زمین دوز تنظیمیں تشکیل دیتے ہیں، جو پہلے سے تیار شدہ منصوبے کے مطابق عالمِ اسلام میں رافضیت پھیلانے کے لیے پھیل جاتے ہیں۔ شیعہ کے علمی مراکز، جنھیں ''حوزات علمیہ'' کہتے ہیں، ان کو مالی مدد مہیا کرتے ہیں اور وہ ان کم عقل پیروکاروں کے خون پسینے کی کمائی سے اپنی جیبیں بھرتے ہیں، جن کے خیالات اور جذبات کو حبِ آلِ بیت کے خوبصورت دعوے کا نشہ پلا کر جوش سے بھر دیا جاتا ہے، حالاں کہ شیعہ کے علما کے نصیب میں یہ محبت محض نام اور دعوے کی حد تک ہے۔ یہ علما امام کے ''خمس'' کے نام پر ان کے اموال کی بھاری مقدار پر قبضہ جمائے بیٹھے ہیں۔

ان زمین دوز تنظیموں کے نعرے اور امتیازی نشانات فری میسنز (Free Masons) سے ملتے جلتے ہیں۔ یہ کبھی ''اتحاد بین المذاہب''[2] کا نعرہ لگاتے ہیں تو کبھی ''جمعیت اہلِ بیت'' کا جھنڈا اٹھا لیتے ہیں۔[3]

ایران میں آیات کی ریاست وحکومت قائم ہونے کے بعد ایرانی حکومت کے سفارت خانے رافضیت کی دعوت پھیلانے کے مراکز میں تبدیل ہوگئے۔ انھوں نے اسلامی مراکز اور مساجد کو بالخصوص جمعات کے دنوں میں رافضی رجحان کی دعوت کے لیے استعمال کیا۔

"المجتمع" رسالے نے یورپ میں ہونے والی رافضی سرگرمیوں پر ایک تحقیق شائع کی، جس کے مطابق:

> ''یورپ میں ایران کے سفارت خانے اور کونسل خانے یورپ میں مقیم مسلمانوں کے حلقوں میں (کافروں میں نہیں) اپنا عقیدہ پھیلانے کے مراکز میں تبدیل ہوگئے۔
>
> ''اس کی مزید تصدیق شیعہ فکر کو بیان کرنے والے وہ ہزاروں کتابچے اور پمفلٹس کرتے ہیں، جو یورپین مسلمانوں کو ایسی جگہوں پر تقسیم کیے جاتے، جہاں وہ اکٹھے ہوتے، بالخصوص مساجد کے دروازوں پر یا ڈاکخانے یا دیگر ذرائع سے ان تک پہنچائے جاتے۔ بلکہ ثقافتی مراکز اور کتب خانے بھی ایسے لگتا ہے کہ یورپ میں بسنے والے مسلمان اقلیت کے درمیان ایرانی رافضیت پھیلانے کی خاطر قائم کیے گئے ہوں! ان کتب خانوں کے ساتھ ساتھ، جو ایرانی انقلاب اور اس کے اعتقادی منہج کے متعلق کتابوں اور لٹریچر پر مشتمل ہیں، ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ ان کتب خانوں

---

[1] روم لاندو: الإسلام والعرب (ص: ٩٥)

[2] دیکھیں: فكرة التقريب (ص: ٥١١)

[3] دیکھیں: فكرة التقريب (ص: ٥١٤)

اور خانہ ہائے فرہنگ کے منتظمین لیکچرز اور سیمینارز کا بھی اہتمام کرتے، جن میں اکثر کا موضوع اعتقادی مسائل ہوتا ہے۔''

اس کے بعد اس رسالے نے یورپ کے ان بعض کتب خانوں کا نام ذکر کیا ہے، جو ہر ہفتے میں جمعرات اور سوموار کے دن ایرانی انقلاب کے نظریے کی روشنی میں اعتقادی محاضرات اور لیکچرز کا اہتمام کرتے۔ ان کو رسائل، کتابچوں اور آڈیو کیسٹوں کے ذریعے پھیلایا جاتا اور مسلمانوں کو ان لیکچرز میں شرکت کی دعوت دی جاتی، تاکہ ان کو ایرانی طریقے کے مطابق شیعہ منہج پھیلانے کے لیے ایک وسیلے کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔

ان ایرانی مراکز نے، بعض نوجوانوں کو، جن کو انھوں نے دھوکے کا شکار کر لیا اور ایرانی نقطۂ نظر کے لیے اپنا ایجنٹ بنا لیا، مسلمانوں کی بعض مساجد میں بھیجنا شروع کر دیا، تاکہ وہ وہاں خصوصاً جمعے کے دن نمازیوں سے رابطے کریں، کیوں کہ جمعہ میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد شریک ہوتی ہے۔

اس رسالے نے اپنی تحقیق میں یہ بھی ذکر کیا کہ یہ دعوتی رابطے عموماً مساجد میں بعض حادثات اور فتنوں کو پیدا کر دیتے، اس کی اس نے چند مثالیں بھی ذکر کیں اور یہ بھی کہا کہ ایرانی سرگرمیاں، جن فتنوں کو جنم دیتی ہیں، ان کے مسلمانوں پر منفی اثرات بھی مرتب ہو سکتے ہیں۔[1]

روافض کی سرگرمیاں مختلف چہرے اور متنوع وسائل رکھتی ہیں، جو اہلِ سنت کی طرح کسی نظریے یا قاعدے کی پابند نہیں، کیوں کہ روافض تقیے میں دین کا ۹۰ فیصد حصہ سمجھتے ہیں۔

ایک شیعہ معاصر عالم نے غیر ارادی طور پر اعتراف کیا ہے کہ شیعہ کے نزدیک تقیہ، اس کے الفاظ میں، ''وہ مقصد اور ضرورت ہے، جو ہر ذریعے کو جائز قرار دیتی ہے۔''[2]

یعنی مطلوبہ مقصد اور غرض و غایت کے حصول کے لیے ہر ذریعہ استعمال کرنا جائز ہوتا ہے۔ یہ میکاولی کا نظریہ ہے[3]، جس پر وہ لوگ اعتماد کرتے ہیں، جن کے سامنے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کوئی دین نہیں ہوتا، لیکن اسلام میں مقصد حرام ذریعے کو جائز قرار نہیں دیتا۔

---

[1] دیکھیں: مجلة المجتمع (العدد: ٧٦٠) السنة السابعة عشرة ١٥ رجب ١٤٠٦هـ.

[2] محمد جواد مغنية: الشيعة في الميزان (ص: ٤٩)

[3] ''ضرورت ہر ذریعے کو جائز قرار دیتی ہے۔'' یہ لوگوں کے ساتھ معاملات کرنے کا ایک اسلوب ہے، جو دھوکا دہی، فراڈ اور انانیت پر مبنی ہے۔ یہ قاعدہ اٹلی کے ایک فلاسفر نیکولا مکیاولی (١٤٦٩۔ ١٥٢٧ء) کی طرف منسوب ہے۔ اس نے سب سے پہلے یہ قاعدہ پیش کیا اور اسے اپنی کتاب ''The Prinse'' میں لکھا اور یہ کتاب قرون وسطیٰ کے ایک یورپی بادشاہ کی خدمت میں پیش کی۔ دیکھیں: أحمد عطية: القاموس السياسي (ص: ١١٠٥۔ ١١٠٦)

اس لیے روافض کے اپنے مذہب کو پھیلانے کے وسائل اور ذرائع دھوکا دہی اور فریب کاری کے رنگوں سے آراستہ ہیں، جن کی چکا چوند سے انھوں نے بہت سارے مسلمان افراد اور مسلم قبیلوں کو شکار کیا۔ انھوں نے بہت سارے قبائل کے سرداروں کو متعہ کے ذریعے گمراہ کر کے رافضیت قبول کرنے پر آمادہ کر لیا۔[1]

حیدری نے "عنوان المجد" میں ان سنی قبائل کے متعلق، جنھوں نے رافضہ کی کوششوں اور فریب کاریوں کی وجہ سے رافضیت قبول کر لی، ایک خطرناک تفصیل ذکر کی ہے، وہ کہتا ہے:

"عراق کے وہ عظیم الشان خاندان اور قبائل، جنھوں نے زمانہ قریب میں رافضیت قبول کی، ان میں اکثریت ربیعہ قبیلے کی ہے۔ یہ ستر سال سے رافضی ہو چکے ہیں۔ تمیم بھی ایک بہت بڑا قبیلہ ہے، جو عراق کے نواحی علاقوں میں رہتے ہیں اور تقریباً ساٹھ سالوں سے رافضی شیطانوں کی وہاں آمد و رفت کی وجہ سے رافضی ہو چکے ہیں۔

"خزاعل ڈیڑھ صدی سے زیادہ عرصہ ہوا کہ رافضی ہو چکے ہیں۔ یہ بنوخزاعہ کا ایک بہت بڑا خاندان ہے، لیکن تبدیل کر کے ان کا نام خزاعل رکھ دیا گیا ہے۔ زبید کا خاندان بھی بہت زیادہ قبائل پر مشتمل ہے، یہ بھی علما کی غیر موجودگی اور روافض کی آمد و رفت کی وجہ سے تقریباً ساٹھ سال سے رافضیت قبول کر چکا ہے۔

"ان نو گرفتارِ رافضیت قبائل میں بنوعمیر بھی داخل ہیں، جو تمیم ہی سے نکلے ہیں اور خزرج جو ازد کے بنی مزیقیا کی شاخ ہیں، اسی طرح شمرطوکہ یہ بہت زیادہ ہیں۔ نیز دوار اور دفافعہ بھی ان میں شامل ہیں۔

"عمارہ آلِ محمد کے قبائل نو گرفتارِ رافضیت بھی ہیں۔ ایسے قبائل کثرت کی وجہ سے ناقابلِ شمار ہیں۔ یہ بھی زمانہ قریب میں رافضی ہوئے ہیں۔ بنو لام کا قبیلہ بھی، یہ بھی بہت زیاہ ہیں، پھر دیوانیہ کے

[1] ۱۳۲۶ھ میں علامہ محمد کامل رافعی نے بغداد سے اپنے دوست شیخ رشید رضا مصری کو ایک خط لکھا، جس کو رسالہ "المنار" نے ۱۶ جلد میں شائع کیا۔ اس خط میں انھوں نے ان علاقوں کی روئیداد لکھی، جن کی انھوں نے سیاحت کی، اس میں انھوں نے شیعہ علما کی دیہاتیوں کو شیعہ بنانے کی کوشش میں ذکر کیا کہ وہ ان کے قبائل کے سرداروں کو نکاحِ متعہ کی حلت کا جھانسہ دے کر گمراہ کرتے ہیں، جو ہر وقت بہت زیادہ عورتوں سے لذت اٹھانے میں بڑی رغبت رکھتے ہیں۔

یہ خط مجلّہ "المنار" میں پہلے لکھنے والے کے نام کے بغیر شائع کیا گیا، اس کے بعد شمارہ نمبر ۲۹ میں سید رشید رضا نے خط لکھنے والے کا نام ذکر کیا اور وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ پہلے ہم نے اس خوف کے پیشِ نظر ان کا نام نہیں لکھا تھا کہ کہیں وہاں کی حمیدی حکومت ان کو نقصان نہ پہنچائے، کیوں کہ اس حکومت کی صورتِ حال معروف ہے۔ (مجلة المنار، المجلد: ۲۹، نیز دیکھیں: المجلد الثاني، ص: ٦٨٧)

قبیلے، جو پانچ خاندان ہیں: آلِ اقرع، آلِ بدیر، آلِ عفج، آلِ جبور اور آلِ جلیحہ۔ اقرع کے آگے سولہ قبیلے ہیں اور ہر قبیلہ بہت زیادہ تعداد میں ہے۔ آلِ بدیر کے تیرہ قبیلے ہیں اور ان کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ عفج کے آٹھ قبیلے ہیں، جن کی بہت زیادہ تعداد ہے۔ جلیحہ کے چار قبیلے ہیں، ان کی بھی بہت زیادہ تعداد ہے۔ اسی طرح جبور بھی ہے، سو سال سے عراق میں رافضی ہونے والے بڑے قبائل ہیں، کعب کا خاندان سب سے کم ہے، لیکن اس کی شاخیں بہت زیادہ ہیں ...۔''[1]

حیدری اس انداز میں ان اہلِ سنت قبائل کا ذکر کرتا چلا جاتا ہے، جو اہلِ سنت کی غفلت کی وجہ سے رافضی ہوگئے، نیز یہ لوگ رافضہ کی پیار ومحبت اور اتفاق واتحاد کی چکنی چپڑی باتوں سے متاثر ہو کر بھی ان کے قریب ہوگئے۔ اس طرح اہلِ سنت کے علما نے اپنی خاموشی کی وجہ سے شیعہ کے لیے اپنا مذہب پھیلانے کے لیے زمین ہموار کی، وگرنہ اگر حق بیان کیا جاتا تو کوئی شخص بھی رافضیت سے دھوکا نہ کھاتا۔

یہ لوگ آج تک مسلسل ہر سطح پر اپنے عقائد پھیلانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ ان بعض ممالک کے سربراہان کے ساتھ رابطے رکھنے میں خصوصی دلچسپی لیتے ہیں، جن میں ان کو اپنے مذہب کے لیے نرم گوشہ نظر آتا ہے۔ جس طرح دورِ قدیم میں ابن مطہر حلی نے خدا بندہ[2] میں یہ چیز محسوس کی اور اس کو اپنا شکار کر لیا، اس کے تاریخی اثرات بڑے معروف ومشہور ہیں۔

ایسے ہی دورِ جدید میں انھوں نے لیبیا کے سربراہ کے ساتھ کیا، جس پر آخری عمر میں رائے اور محبت میں

[1] عنوان المجد في بيان أحوال بغداد والبصرة و نجد (ص: ١١٢۔ ١١٨)

[2] خدا بندہ آٹھواں ایل خانی بادشاہ تھا۔ یہ چنگیز خان کی اولاد میں سے چھے پشتوں بعد اس کے ساتھ جا ملتا ہے، اس کا اصلی نام الجائتو بن ارغون بن ابغا بن ہلاکو تھا۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں: ''یہ ایک سال تک اہلِ سنت کے مذہب پر رہا، اس کے بعد رافضی ہوگیا اور اس نے اپنے علاقے میں اس کے شعائر بلند کیے۔'' (البداية والنهاية: ١٤/ ٧٧) یہ نومسلم تھا اور اسلامی تاریخ اور اسلامی عقیدے سے ناواقف تھا، اس کی ابن مطہر حلی سے ملاقات ہوئی، جس نے اس کے سامنے رافضیت کو بڑا بنا سنوار کر پیش کیا تو یہ اپنے تمام خاندان، قبائل اور پیروکاروں سمیت اس میں داخل ہوگیا۔

ابن مطہر حلی نے مذکورہ بادشاہ کو شیعہ مذہب کو اپنانے اور اس پر اُکسانے کے لیے بہت ساری کتابیں لکھیں، جن میں ''نهج الحق'' اور ''منهاج الكرامة'' وغیرہ کا نام آتا ہے۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں: ''اس کے دور میں بہت زیادہ فتنوں اور مصیبتوں نے جنم لیا تو اللہ تعالیٰ نے جلد ہی لوگوں کی اس سے جان چھڑا دی۔'' یہ چھتیس برس کی عمر میں وفات پا گیا، اس کے بعد اس کا بیٹا ابوسعید ۷۱۰ھ کو رافضیت سے تائب ہوگیا اور اہلِ سنت کی راہنمائی سے اس خبیث عقیدے سے براءت کا اظہار کر دیا، اس نے روافض کو دور بھگا دیا، حلی رافضی حلة بھاگ گیا اور اس کے تمام علما رفو چکر ہوگئے۔ (تحفة الإثنى عشرية: الورقة: ٤٣، تعليقات محب الدين خطيب على المنتقىٰ، ص: ١٨۔ ١٩)

رافضی رجحان بڑا واضح نظر آتا تھا۔ اسی طرح یہ بعض لکھاریوں اور ایمان سے تہی دامن اصحابِ فکر کو شیعہ مذہب کی ترویج کے لیے اور شیعہ کتابوں کے مقدمات لکھوانے کے لیے اجرت دے کر کام کرواتے ہیں۔[1]

یہ عالمِ اسلام کے ذہین ترین طلبا و طالبات کا انتخاب کرتے ہیں اور انھیں قم کا تعلیمی سکالرشپ دیتے ہیں، پھر وہاں ان کی برین واشنگ کی جاتی ہے اور رافضیت ان کے رگ و پے میں داخل کی جاتی ہے، تاکہ یہ جب اپنے ممالک واپس جائیں، تو وہاں رافضیت کے پرچارک بن کر جائیں۔ شیخ ازہر کہتے ہیں:

''دنیا کے مختلف کونوں سے جو خبریں میرے پاس آرہی ہیں، وہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ایرانی خمینی افکار کی یہ تحریک تشدد کو پھیلا رہی ہے۔ یہ بہت سارے اسلامی ممالک میں بالخصوص نوجوانوں کو اپنا ہدف بنا رہے ہیں اور انھیں ایران میں تعلیمی وظائف اور دیگر کئی طرح کا مالی لالچ دے کر پھسلا رہے ہیں، تاکہ ان نوجوانوں کو ان کے ممالک اور اقوام میں اختلافات پیدا کرنے کے لیے تیار کیا جا سکے۔ اس عنوان اور ان زمینی حقائق کے ساتھ یہ تحریک امت اسلامیہ میں اضطراب کا باعث بن رہی ہے۔ میرے خیال میں تمام مسلمان اقوام کو، جو ان کے پاس خمینی ازم کے ذریعے بھیجا جا رہا ہے، اس کے بارے میں بڑا ہوشیار رہنا پڑے گا، یہ امتِ اسلام میں اختلاف اور کشمکش کو ہوا دینے والی اور اس کی جمعیت کو منتشر کرنے والی بیرونی تحریکوں میں سے ایک تحریک ہے۔''[2]

⓫ بعض نام نہاد اہلِ سنت مفکرین اور ادبا کے ہاں رافضی رجحان کا ظہور:

بعض نام کے اہلِ سنت مفکرین کی تحریریں بھی رافضی فکر ونظر میں لتھڑی اور ان کی تالیفات امامت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق روافض کے پیدا کردہ شبہات سے بری طرح متاثر نظر آتی ہیں۔

اسلام کے دورِ اول کی تاریخ یا اسلام میں فلسفیانہ نظر وفکر کا آغاز یا امامت اور خلافت کے مسائل کے متعلق جو مفکرین اور ادبا کی ایک جماعت خامہ فرسائی کرتی ہے، ان کا مطالعہ کرنے والا انسان ان کے سامنے حقائق کو مسخ کرنے کی رافضی سازش کی گہرائی اور گیرائی کا بہ خوبی ادراک کر سکتا ہے۔

مجھے اس بات میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ اس قسم میں ایک تنخواہ دار ایجنٹوں کا ٹولہ بھی موجود ہے، جو مال

---

[1] وہ کتابیں جو یہ شیعہ مذہب کی ترویج و اشاعت کے لیے عالمِ اسلام میں بھجواتے ہیں، ان میں ان جیسے لوگوں سے لکھواتے ہیں، جس طرح "أصل الشیعة" اور "عقائد الإمامیة" وغیرہ کے مقدمات اس کی دلیل ہیں۔

[2] أخبار "الیوم" (العدد: ٢١٦٠) السنة: ٤٢، السبت ١١ رجب ١٤٠٦هـ.

کی چکاچوند سے اندھا ہو کر محض ''متاعِ غرور'' کی دوڑ میں ان کی کہی ہوئی باتوں اور ان کی لکھی ہوئی سطروں ہی کو دہراتا ہے۔

روافض ''نامور لکھاری شخصیات'' کو بھی مال دیتے ہیں، تاکہ وہ عوام کے سامنے رافضیت کے ان پہلوؤں کے متعلق لکھیں، جو اہلِ سنت کے ساتھ مطابقت رکھتے ہوں، بلکہ زمانہ قدیم میں ایک بزرگ (امام شعبی رحمہ اللہ) نے کہا تھا کہ اگر میں چاہوں کہ رافضہ میرے گھر کو مال سے بھر دیں اور میں حضرت علی پر جھوٹ گھڑوں، تو وہ ایسا کر گزریں گے، لیکن خدا کی قسم! میں ان پر کبھی جھوٹ نہیں گھڑوں گا۔[1]

لیکن آج جب ان کے ہاتھ میں مال کی بھی فراوانی ہے، بہت سارے لوگوں میں امانت کی بھی کمی ہے۔ دنیا نے بھی ان کو اپنی چمک دمک سے فریب خوردہ کر دیا ہے تو ایسے حالات میں ایسا ہونا کتنا آسان ہے۔[2] اگر آپ رافضیت کے منہج کی اس فکری تاثیر کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہیں تو سنیے:

ڈاکٹر علی سامی نشار، مولف ''شهداء الإسلام في عصر النبوة''، ''نشأة الفكر الفلسفي في الإسلام'' کے نام سے ایک کتاب تالیف کرتا ہے، جس میں ایسی باتیں لکھتا ہے، جس سے روافض کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں۔ وہ اس میں بعض صحابہ کرام کو کافر کہتا ہے۔ مثال کے طور پر وہ حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں کہتا ہے:

> ''معاویہ کے متعلق جتنا کچھ بھی کہا گیا ہو، متاخر سلفی مذہب کے علما اور بعض اہلِ سنت نے اس کو اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صف میں شامل کرنے کے لیے جتنی بھی کوشش کی ہو، لیکن یہ آدمی کبھی اسلام پر ایمان ہی نہیں لایا، یہ اکثر اسلام کے خلاف سازشیں کرتا رہا، لیکن اس سے بڑھ کر اور کچھ نہیں کر سکا۔''[3]

اس کے اس قدر بھیانک جھوٹ کو ملاحظہ کیجیے۔ کیا اس جیسا قول روافض یا ان کے ہم شکلوں کے علاوہ

---

[1] دیکھیں: السنة للإمام عبد الله بن أحمد (٢/ ٥٤٩)

[2] مقولہ ہے کہ ''جو برتن کے اندر ہوتا ہے، وہی باہر نکلتا ہے'' نیز ''الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکلا آیا'' کے مصداق بیروت میں جعفری عدالت کا قاضی القضاۃ محمد جواد مغنیہ، معروف تاریخ دان محمد حسین ہیکل کو الزام دیتا ہے کہ اس نے ۵۰۰ مصری جنیہ کے بدلے میں اپنی کتاب ''حیاتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' کے دوسرے اڈیشن سے ایک عبارت نکال دی، جب کہ محمد حسین ہیکل نے تو وہ عبارت اس لیے دوسری طبع میں حذف کی تھی کہ اس کو پہلی اشاعت کے بعد علم ہوا تھا کہ وہ موضوع ہے، تو اس نے دوسری اشاعت میں اس کو حذف کر دیا، لیکن اس رافضی نے اس کی اپنی قوم کی کارستانی اور عمل کے مطابق تاویل کی ہے، ملاحظہ فرمائیے اور داد دیجیے! محمد جواد مغنية: الشيعة في الميزان (ص: ١٨، حاشيه)

[3] نشأة الفكر الفلسفي (٢/ ١٩)

کوئی اور کہہ سکتا ہے؟ ایک مسلمان ایک ایسے صحابی کے بارے میں یہ بات کس طرح کہہ سکتا ہے، جس نے غزوہ حنین میں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جہاد کیا ہو؟[1] جو رسول اللہ ﷺ کی نگاہ میں امین ہو اور آپ کی وحی لکھتا ہو، جو چالیس سال تک مسلمانوں کا نائب اور پھر مستقل حکمران رہا ہو، جو ان کے ساتھ اسلام کے شعائر قائم کرتا ہو۔[2]

اس کے بعد وہ اہلِ سنت پر الزام تراشی کرتا ہے کہ حضرت معاویہ کے صحابی ہونے کا قول بعض اہلِ سنت کا قول ہے، جب کہ اکثریت اس کے موقف پر قائم ہے۔ یہ بات بھی روافض کے مسلک جھوٹ کی طرح ایک بنایا گیا جھوٹ ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایمان نقل متواتر اور اہلِ علم کے اجماع کے ساتھ ثابت ہے۔[3]

پھر یہ شخص ان کے والد (حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب) کے بارے میں کہتا ہے:

''ابوسفیان زندیق تھا، یعنی فارسی مجوسیت پر ایمان رکھنے والوں میں سے تھا۔''[4]

حالاں کہ خود نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوسفیان کو اپنا نائب اور عامل بنایا۔ جب رسولِ کریم ﷺ کی وفات ہوئی، تب آپ رضی اللہ عنہ نجران پر رسول اللہ ﷺ کے عامل تھے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ زندیق ہو اور رسول اللہ ﷺ اس کو مسلمانوں کے علم وعمل کے احوال پر امین خیال کر کے اپنا عامل مقرر کر دیں؟[5]

وہ روافض کے اس قول کی بھی تائید کرتا ہے کہ صحابہ کی ایک قلیل ترین جماعت حضرت علی کو خلافت و امامت کا حق دار خیال کرتی تھی اور حکومت ان سے چھینی گئی ...اس کے الفاظ ہیں:

''صحابہ کی ایک قلیل اور مخلص جماعت نے محسوس کیا کہ تیسری مرتبہ حضرت علی سے حکومت چھین لی گئی ہے، پہلی مرتبہ ان سے حکومت چھین کر پہلے صحابی کو دی گئی، دوسری مرتبہ چھین کر دوسرے صحابی کو دی گئی اور تیسری مرتبہ چھین کر ایک ایسے گرتے پڑتے بوڑھے کو دے دی گئی، جسے احسن طریقے سے حکومت چلانی آتی تھی نہ وہ عدل قائم کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس نے حکومت کی بھاگ دوڑ قریش کی گمراہ شدہ باقیات کے سپرد کر دی۔''[6]

اس تیسرے سے وہ خلیفہ راشد ذوالنورین حضرت عثمان غنی کو مراد لے رہا ہے، جن کو صحابہ کرام نے

---

[1] دیکھیں: مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام (٤/ ٤٥٨)
[2] المصدر السابق (٤/ ٤٧٢)
[3] المصدر السابق (٤/ ٤٧٧)
[4] نشأة الفكر الفلسفي (٢/ ٣١)
[5] مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام (٤/ ٤٥٤، ٣٥/ ٦٦)
[6] نشأة الفكر الفلسفي في الإسلام (١/ ٢٢٨)

بالاتفاق خلیفہ منتخب کیا تھا۔ گویا یہ الزام دے کر وہ تمام صحابہ کی عیب جوئی کر رہا ہے، لیکن اس برعکس وہ رافضہ کے بارے میں، جن کو اثنا عشریہ کے نام سے یاد کرتا ہے اور جو گذشتہ صفحات میں ذکر ہونے والے تمام کفر اور شناعت کے قائل ہیں، کہتا ہے:

''اثنا عشریہ شیعہ کے فلسفیانہ افکار تمام کے تمام خالص اسلامی ہیں۔''[1]

ان عجیب تضادات کو ملاحظہ کریں اور تعجب کریں!![2] وہ کہتا ہے، گویا ایسی گفتگو کرنے والا کوئی رافضی ہے:

''علی کے شیعہ جنھوں نے ایمان و یقین کے ساتھ علی کے ساتھ محبت کی اور وہ اس مطلق ایمان کی حالت میں امام کے قافلے کے ساتھ چلے کہ اسلام کی حقیقت کبریٰ کا وہی باقی اثر ہیں۔ اس کے مقابلے میں یہ ''عثمانیت'' یا ''امویت'' تھی، جو اسلام کے خلاف شدید ترین نفرت رکھتے تھے اور ان کے دلوں میں رسول اللہ، آپ کی آل اور صحابہ کے خلاف چھپا ہوا کینہ تھا۔''[3]

میں یہاں اسی ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں، کیوں کہ یہ مسئلہ بھی ایک مستقل تنقیدی مطالعے کا مستحق ہے۔

8 مسلمانوں کی تاریخ مسخ کرنا:

رافضہ نے ایسی کتابیں اور تحریریں تالیف کی ہیں، جن میں جان بوجھ کرامتِ اسلامیہ کی تاریخ کو بگاڑ کر پیش کیا گیا ہے۔ جس طرح کلبی،[4] ابومخنف[5] اور نصر بن مزاحم منقری[6] کی روایات ہیں، جو طبری کی تاریخ میں بھی

[1] المصدر السابق (/ ١٣)

[2] مجھ سے ڈاکٹر محمد رشاد سالم رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ اس آدمی کی زندگی میں یہ ساری تبدیلی اس کی کافر اور بدنما بیوی کے ساتھ رشتہ ازدواج اور سسرالیوں کی وجہ سے رونما ہوئی، اور عبدالناصر کی طرف سے زبردستی یورپ کے سفر کی وجہ سے یہ صورتِ حال نمودار ہوئی اور اس کی مالی حالت بھی بہت خراب تھی، جس کا اس کی سوچ اور اسلوب پر گہرا اثر تھا۔ جو صحابہ کرام کی گستاخی کرتا ہے، اس کے لیے یہ سزا کچھ بھی نہیں۔

[3] المصدر السابق (١/ ٢٢٨۔ ٢٢٩)

[4] محمد بن السائب بن بشر الكلبي، ابن حبان نے کہا ہے: یہ کلبی، سبائی تھا جو کہتے ہیں کہ علی فوت نہیں ہوئے، بلکہ دنیا میں لوٹ کر آئیں گے۔ یہ ۱۴۶ھ کو فوت ہوا۔ (ميزان الاعتدال: ٣/ ٥٥٨، نیز دیکھیں: ابن أبي حاتم: الجرح والتعديل: ٧/ ٢٧٠۔ ٢٧١، تهذيب التهذيب: ٩/ ١٧٨)

[5] لوط بن يحيىٰ بن سعيد مخنف الأزدي (أبو مخنف) کوفی۔ امام ابن عدی فرماتے ہیں: بڑا کٹر شیعہ ہے اور شیعہ روایات کا راوی ہے۔ یہ ۱۵۷ھ کو فوت ہوا۔ اس کی متعدد تالیفات ہیں، جن میں "الردة"، "الجمل" اور "صفين" وغیرہ شامل ہیں۔ (دیکھیں: ميزان الإعتدال: ٣/ ٤١٩۔ ٤٢٠، الأعلام للزركلي: ٦/ ١١٠۔ ١١١)

[6] نصر بن مزاحم بن سیار المنقری الکوفی، امام ذہبی فرماتے ہیں کہ یہ کٹر رافضی ہے، محدثین نے اس (کی روایت) کو چھوڑ دیا ہے، یہ ۲۱۲ کو ←

موجود ہیں، لیکن امام طبری ان روایات کو ان کی سند کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، تا کہ اہلِ علم ان کی حالت پہچان لیں۔[1]

اسی طرح مروج الذہب میں مسعودی اور تاریخ یعقوبی میں یعقوبی کی تحریریں بھی اس کی غمازی کرتی ہیں۔ محبّ الدین خطیب نے "العواصم" کے حاشیے میں ذکر کیا ہے کہ تاریخ کی تدوین کا آغاز اموی خلافت کے بعد شروع ہوا۔ اس لیے اس اچھائی کے اثرات و علامات کو مٹانے اور اس کی روشن پیشانی کو کالا کرنے میں شیعیت کے لبادے میں چھپے ہوئے باطنی اور قوم پرست ہاتھوں کا بھرپور کردار تھا۔[2]

جو شخص علامہ ابن العربی کی کتاب "العواصم من القواصم (علامہ محبّ الدین خطیب کے ممتاز حاشیے کے ساتھ)" کا گہرا مطالعہ کرتا ہے، اس کے سامنے یہ سازش بے نقاب ہوتی ہے۔ رافضی علما نے انسانیت کی تاریخ کی سب سے بہترین صدی کو گالیاں دینے میں ہزارہا صفحات سیاہ کر دیے اور انھوں نے مسلمانوں کی تاریخ کو مسخ کرنے کے لیے اپنے اوقات اور کوششیں مخصوص کر دیں۔ یہ بہت بڑا رافضی مواد جو رافضہ کی تالیف کردہ تاریخی کتابوں یا جن کی تالیف میں انھوں نے اپنی روایات کے ساتھ شرکت کی، ان میں بکھرا ہوا نظر آتا ہے، جو شیعہ کی کتبِ احادیث جیسے "کافی"، "بحار الانوار" یا ان کے قدیم علما کی تالیف کردہ کتب، جیسے: "احقاق الحق" یا "کتاب الغدیر" وغیرہ میں بھی نظر آتا ہے۔

یہ سیاہ، بدصورت، بدنما اور تعفن دار مواد اسلام کے دشمنوں مستشرقین اور غیر مستشرقین کی تحریروں کا بنیادی مرجع اور ماخذ ہے۔ اب یہ مسلمانوں کی روحانی طور پر شکست خوردہ نسل جو مغرب اور مغرب پرستوں ہی میں مثالیت (آئیڈیل) اور قابلِ تقلید نمونہ دیکھتی ہے، اس نے استشراقی قلموں کا لکھا ہوا سب کچھ قبول کر لیا اور اس کو اپنا مصدر و ماخذ

← فوت ہوا۔ اس کی کتابوں میں "وقعة صفين" (یہ مطبوع ہے) "الجمل" اور "مقتل الحسين" ہیں۔ (دیکھیں: ميزان الاعتدال: ٤/ ٢٥٣، العقيلي: الضعفاء الكبير: ٤/ ٣٠، ابن أبي حاتم: الجرح والتعديل: ٨/ ٤٦٨، لسان الميزان: ٦/ ١٥٧، الأعلام: ٨/ ٣٥٠)

[1] دیکھیں: روايات الكلبي في تاريخ الطبري: (١/ ٣٣٥، ٢/ ٢٣٧، ٢٣٨، ٢٧٢، ٣٧٠، ٤٦٥، ٣/ ١٦٨، ٢٧٤، ٢٨٦، ٤٢٥، ٤/ ١٠٨، ٣٦٨، ٥/ ٤٤٩، ٦/ ١٠٣، ٣٤٩، ٣٦٤) ابومخنف کی روایات بھی بہت زیادہ ہیں، جو تین سو سے زیادہ مقامات پر ہیں۔ ایک مستشرق ای بیل نے کہا ہے کہ ابومخنف نے تاریخ کے متعلق ۳۳ کتابیں لکھی ہیں، جو مختلف حوادث سے متعلق ہیں، جو پہلی صدی ہجری کے دوران میں پیش آئے۔ طبری نے اس کا بیشتر حصہ ہمارے لیے اپنی تاریخ میں محفوظ کر لیا ہے۔ اس کی منسوب کتابیں جو ہم تک پہنچی ہیں، وہ اکثر متاخرین کی وضع کردہ ہیں۔ (نیز دیکھیں: الأعلام: ٦/ ١١١، حاشيه)

نصر بن مزاحم کی روایات کے لیے دیکھیں: تاريخ الطبري (٤/ ٤٥٨، ٤٦٥، ٤٨٥، ٤٨٧) نیز دیکھیں: فهارس الطبري التي وضعها أبو الفضل إبراهيم (ج ١٠ من التاريخ)

[2] دیکھیں: العواصم من القواصم (ص: ١٧٧، حاشيه)

قرار دے دیا، اس طرح انھوں نے ان کے افکار قبول کر لیے اور ان کے شبہات کو ممالک اسلامیہ میں پھیلا دیا۔

اس تمام روش کے مسلمانوں کے افکار اور ثقافتوں پر بڑے خطرناک اثرات ہیں، لیکن اس تمام برائی کی اصل جڑ رافضیت ہے۔ مستشرقین کی آرا و افکار کا مطالعہ اور ان کا شیعہ کے ساتھ تعلق ایک بڑا اہم موضوع ہے، جو مطالعے اور تحقیق کا تقاضا کرتا ہے۔ یہاں اس بحث میں جگہ کی تنگی کے باعث ہم اس کی گہرائیوں میں نہیں اتر سکتے، اس لیے اشارہ اور تنبیہ ہی کافی ہے۔

کافر دشمن کا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف روافض کے شبہات، جھوٹ اور الزامات سے استفادہ کوئی آج کی بات نہیں۔ امام ابن حزم (المتوفی ۴۵۶ھ) کے زمانے میں عیسائی، رافضہ کے کتاب اللہ پر لگائے گئے الزام کو مباحثات میں مسلمانوں کے خلاف بہ طورِ دلیل استعمال کرتے تھے۔ علامہ ابن حزم نے بڑی دانائی سے ان شبہات کا جواب دیا اور واضح کیا کہ اس گروہ کے اقوال کی کوئی حیثیت نہیں، کیوں کہ روافض مسلمانوں میں سے نہیں۔[1]

❶ عربی ادب پر شیعہ کے اثرات:

ادب، شاعری اور نثر کی دنیا بھی اہلِ تشیع کی اثر اندازی سے محفوظ نہیں رہ سکی۔ شیعہ نے عربی ادب پر بڑے گہرے اپنے کالے اثرات چھوڑے ہیں۔ شیعہ کے شعرا اور خطبا نے عوام کے جذبات بھڑکانے، ان کے احساسات کو ابھارنے اور ان کو امت اور دینِ امت کے خلاف تحریک دینے کے لیے مصائب آلِ بیت کے نام پر بھرپور انداز میں فائدہ اٹھایا ہے۔

ہمارے پاس جو ادب پہنچا ہے، اس میں بعض شیعہ اعتقادی رجحانات بڑے واضح انداز میں نظر آتے ہیں۔ مصائب آلِ بیت کی منظر کشی میں انتہائی زیادہ مبالغے سے کام لیا جاتا ہے اور اس کو شیعیت کی اشاعت اور صحابہ پر طعن و تشنیع کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

شیعہ علما اور قائدین نے اپنے ائمہ سے منسوب خرافات اور اساطیر کو بڑے جذباتی اور متاثر کن واقعاتی انداز میں ڈھالنے کے لیے یا خطبات کی صورت میں پیش کرنے کے لیے یا ائمہ کی مدح سرائی میں مبالغہ آمیز شاعری کرنے کے لیے اپنے آپ کو بہت زیادہ مشقتوں میں ڈالا ہے۔

ان کی اس جدوجہد کے نتیجے میں عام لوگوں کے عقائد اور تصورات بھی بہت زیادہ متاثر ہوئے ہیں، حتی

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۱۳۸۲) دیکھیں۔

کہ اس نے ان کے عقیدۂ توحید کو بھی متاثر کیا ہے اور لوگوں نے ائمہ کو اللہ کے سوا رب بنا رکھا ہے (ہمارے معاشرے میں نام نہاد سنی بھی یا علی مدد اور پنج تن پاک کے نہ صرف نعرے لگاتے ہیں، بلکہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں)۔

سید محمد گیلانی لکھتے ہیں:

آپ دیکھتے ہیں کہ شیعہ نے ادب کا ایک نیا رنگ پیش کیا ہے، جو مسلمانوں کو زوال اور انحطاط کے گہرے گڑھے میں پھینکنے کا ایک سبب تھا۔ وہابی اپنے شہروں کی حد تک ان بہت ساری خرافات کو مٹانے میں کامیاب ہوگئے، لیکن باقی اسلامی بلاد وممالک میں ابھی تک صورتِ حال بالکل ایسے ہی ہے، جیسے تھی، حتی کہ تعلیم یافتہ طبقے کا بھی یہی حال ہے۔"[1]

اس موضوع پر شیعہ کے ایک مشہور اور قابلِ اعتماد قصیدے ''قصیدۂ ازریہ'' کا مطالعہ ہی کافی ہے۔[2] اسی طرح ان لوگوں نے امت اسلامیہ سے انتقام لینے کے لیے خلفا کی شہرت کو نقصان پہنچانے اور اسلامی معاشرے کی تصویر مسخ کرنے کے لیے بھی ادب کے پیشے کو بہ طورِ ہتھیار استعمال کیا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرے کے گمراہ، منحرف اور کمزور پہلو کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے، بلکہ معاشرے اور خلیفہ کو انتہائی گھٹیا اخلاقیات کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔ جس طرح ان لوگوں نے خلیفہ

---

[1] أثر التشيع في الأدب العربي: محمد سيد كيلاني (ص: ٤٣) دار الكتب العربي بمصر.

[2] اسے ''قصیدۂ ہائیہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ یہ شیعہ عالم محمد کاظم ازری (المتوفی ۱۲۱۱ھ) کا تحریر کردہ ہے۔ (الذريعة: ١٧/ ١٣٥) استاد محمود ملاح نے اس قصیدے کا رد "الرزية في القصيدة الأزرية" کے نام سے لکھا ہے، انھوں نے ذکر کیا ہے کہ میں نے یہ رد شیعہ عالم محمد رضا مظفر کو پیش کیا تو مظفر نے کہا کہ ان کا استاد، جواہر کا مصنف (محمد بن حسن بن باقر نجفی، المتوفی ۱۲۶۶ھ۔ یہ جواہر نامی کتاب شیعہ کی فقہ کی معتبر کتاب "شرائع الإسلام" کی شرح ہے۔ دیکھیں: محمد جواد مغنية: مقدمة لشرائع الإسلام) یہ تمنا کرتا تھا کہ اس کے اعمال نامے میں اس کی کتاب "جواهر الكلام" کے بجائے "القصيدة الأزرية" لکھ دیا جائے۔ پھر انھوں نے اس کے چند شعر ذکر کیے: یہ ابیات چیخ چیخ کا واضح کفر کا اعلان کر رہے ہیں؛ جیسے علی رضی اللہ عنہ کے متعلق وہ کہتا ہے:

وهو الآية المحيطة في الكون — في عين كل شيئ تراها

یعنی وہ کائنات میں احاطہ کرنے والی نشانی ہے۔ چناں چہ تو ہر چیز کی آنکھ میں اسے دیکھتا ہے۔

نیز وہ کہتا ہے:

كل ما في القضاء من كائنات — أنت مولىٰ بقائها وفناها

یعنی جو بھی دنیا میں فیصلہ ہوتا ہے تو ہی اس کی بقا اور فنا کا مالک ہے۔

ہارون الرشید اور شاعر ابونواس کے متعلق خبریں نقل کی ہیں۔ (کہتے ہیں کہ ابونواس علی الاعلان ہارون الرشید کے دربار میں لونڈے بازی کرتا تھا) حالانکہ یہ خلیفہ ایک سال حج کرتا اور دوسرے سال جہاد کے لیے نکل جاتا تھا۔

ادب نے ان کو جذبات و خیالات کے اظہار کے نام پر سانس لینے کے لیے ایک آزاد ماحول مہیا کیا، کیوں کہ جذبات و خیالات کی فضا میں تقیہ اٹھ جاتا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ امت اور خلیفہ کے خلاف اپنے دل میں پنپنے والی نفرت کو افسانے کے رنگ میں یا شاعری یا کسی ضرب المثل یا خطبے کے قالب میں ڈھال دیتے۔

ان سب باتوں کو جاننے کے لیے بہ طورِ مثال صرف ابو الفرج اصبہانی رافضی کی کتاب "الأغاني" کا مطالعہ ہی کافی ہے۔

سیاسی میدان

شیعہ، جس طرح ان کے اصول قطعیت کے ساتھ نقل کرتے ہیں، عالمِ اسلام میں کسی ملک کے قانونی و شرعی ہونے پر یقین نہیں رکھتے، ان کی رائے ہے کہ عالمِ اسلام کا خلیفہ طاغوت ہے اور اس کی حکومت وسلطنت غیر شرعی ہے، اس سے وہ امیر المومنین حضرت علی اور ان کے بیٹے حضرت حسن کی خلافت کے سوا کسی کو مستثنیٰ قرار نہیں دیتے۔ یہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ وہ کہتے ہیں:

''ہر وہ جھنڈا جو قائم کے خروج سے پہلے بلند ہوگا تو اس کا سربراہ طاغوت ہوگا۔''[1]

اس لیے امت کی تاک میں بیٹھے ہوئے دشمن نے شیعہ میں اپنی متاع گم گشتہ پالی اور شیعہ کے اس عقیدے کے ذریعے سے اپنے بہت سارے مقاصد حاصل کر لیے، جس کا لازمی نتیجہ مسلمان امیر کی محبت و اطاعت کا فقدان اور مسلمان امرا اور مسلم رعایا کے خلاف نفرت و عداوت کو دل میں پالنا ہے۔ اس لیے رافضی پارٹیاں دشمن کے ہاتھ میں کھلونا اور اس کے لیے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے تابع فرمان سواری بن چکی تھیں۔

عقیدہ تقیہ شیعہ عناصر کے لیے منصوبہ بندی کرنے اور سازشیں ترتیب دینے میں آسانی فراہم کرتا ہے۔ یہ لوگ فری میسنز کی طرح زمین دوز تنظیم کے ساتھ بہت حد تک مماثلت رکھتے ہیں، جو ظاہر میں امت مسلمہ کے سامنے اسلام کی چادر اوڑھ کر آتے ہیں اور مسلمانوں کے حکام کے سامنے محبت اور مودت کا لباس پہن کر آتے ہیں، لیکن باطن میں امت اور مسلم حکام کے خلاف سازشیں بنتے ہیں۔ ان کا قول ہے:

''اگر کوئی بیگانہ حکومت ہو تو ظاہر میں ان کے ساتھ میل ملاپ رکھو، لیکن باطن میں ان کے خلاف چلو۔''[2]

تاریخ کے مختلف ادوار میں شیعہ بعض ملحدوں کی سرگرمیوں میں استعمال ہوتے رہے ہیں، جو ان کو اپنے مقاصد کے حصول اور اپنے منصوبوں کو نافذ کرنے کے لیے آلۂ کار بنانے، پھر بڑے نامور زنادقہ بھی تشیع کے

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۸۹، ۹۰، ۷۷) دیکھیں۔

[2] أصول الكافي (٢/ ٢٢٠)

قافلے میں شریک ہوگئے، تاکہ ان کم عقل عوام سے بھرپور استفادہ کرسکیں۔ اسی لیے شیخ الاسلام نے ذکر کیا ہے:

''شیعیت کو قبول کرنے والے اکثر لوگ دینِ اسلام کا اعتقاد نہیں رکھتے، بلکہ وہ شیعہ کی کم عقلی اور جہالت کی وجہ سے شیعیت ظاہر کرتے ہیں، تاکہ ان کے ذریعے اسے اپنے مقاصد حاصل کرسکیں۔''[1]

تاریخی واقعات اور حقائق نے بھی ثابت کیا ہے کہ شیعیت ہر اس فتنے باز کے لیے جائے پناہ ثابت ہوئی ہے، جس نے اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف مکر کے جال بننے چاہے۔ ان فارسی فرقوں نے بھی، جن کی حکومت کا اسلام نے صرف سات سالوں میں مکمل خاتمہ کر دیا، تشیع میں اپنا گوہرِ مقصود دیکھا اور اسی طرح یہودیوں نے بھی اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے رافضیت کے ذریعے کو غنیمت جان کر استعمال کیا۔

آج تک اسلام کے دشمن اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں بنانے والے شیعیت کی آڑ لیتے ہیں۔ اثنا عشریہ کے جنم لینے والے بہت سارے فرقوں میں پھوٹنے والے اختلاف نے ان کے ایسے بہت سارے اعترافات ہمارے سامنے پیش کیے جو اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔ ایک شیعہ محقق نے یہ بات نقل کی ہے کہ ایران میں روس کا سفیر کنیاز دکورکی ان کے شیخ رشتی[2] کے درسوں میں شریک ہوتا تھا (یہ اثنا عشریہ کے ایک فرقے ''کشفیہ'' کا بانی تھا) جیسا کہ گزر چکا ہے۔[3] وہ یہ دروس کربلا میں ''شیخ عیسیٰ لنگرانی'' کے مستعار نام کے ساتھ دیتا تھا۔

اس بات کا انکشاف سوویت یونین (روس) کی وزارتِ خارجہ کی طرف سے ۱۹۲۴ ۔ ۱۹۲۵م کے لیے جاری ہونے والے رسالے ''الشرق'' نے کیا۔[4] اس طرح ایک ریٹائرڈ انگریز جنرل جعیفر علی خان (ایسے لگتا ہے کہ اس نے دھوکا دینے کے لیے یہ نام اپنایا) شیعہ لباس پہنتا اور کاظم رشتی کے درسوں میں حاضر ہوتا۔[5]

شیعہ محقق اس روش کی یہ توجیہ پیش کرتا ہے کہ دشمن:

''پہلے سے علم رکھتے تھے کہ ان دونوں علاقوں یعنی ایران اور عراق کے باسی آلِ بیت سے محبت رکھنے والے ہیں، تو وہ ان کی اعتقادی جانب سے آئے۔''[6]

اور انھوں نے، اس کے بقول، کشفی مذہب کے ذریعے ائمہ کے بارے میں غلو کا پرچار کرنا شروع کر دیا

---

[1] دیکھیں: منهاج السنة (٢/ ٤٨)

[2] اس کے حالات کے لیے دیکھیں: الأعلام للزركلي (٦/ ٦٧) نیز دیکھیں: أحسن الوديعة (١/ ٧٢)

[3] اسی کتاب کا صفحہ (ص: ۱۳۰) دیکھیں۔

[4] دیکھیں: آل طعمة: مدينة الحسين (ص: ٥٣)

[5] المصدر السابق (ص: ٥٣)

[6] المصدر السابق.

اور ان کو پیدا کرنے اور رزق دینے میں اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیا۔ نیز چھوٹے بڑے ہر گناہ کی سزا سے نفی کا عقیدہ عام کر دیا۔[1]

پھر کہتا ہے:

''اس طرح سامراجیت نے ان مسلم عرب علاقوں کی سر زمین کو اس کڑوے عقیدے کے درخت کو لگانے کے لیے بڑا زرخیز پایا۔''[2]

میں یہاں یہ اضافہ کروں گا کہ اس سے پہلے مجلسی، جزائری اور کاشانی جیسے علماے سو کے ہاتھوں غلو کے اصول کاشت کرنے میں صفوی رجحانِ فکر کا بڑا خوف ناک کردار رہا ہے۔ یہ دشمن جس نے شیعیت کا جھوٹا لبادہ اوڑھا اور شیعہ کی صفوں میں داخل ہوگیا، ان کے ہاں بہت بلند مرتبہ بھی پا سکتا ہے اور یہ کوئی ناممکن بات نہیں، کیوں کہ شیعہ کا اجماع کے متعلق عقیدہ کسی مجہول گروہ کے قول یا کسی مجہول و نامعلوم شخص کی رائے کو اس احتمال کی بنا پر ترجیح دیتا ہے کہ ہوسکتا کہ وہ مجہول، مہدی ہی ہو![3]

جو شخص تاریخی واقعات اور تاریخی معرکوں پر نظر رکھتا ہے، وہ جانتا ہے کہ تشیع کے دعوے داروں کا ہتھیار ان تمام ہتھیاروں میں سے خطرناک ترین تھا، جو چہار طرف سے سلطنتِ اسلام پر حملہ کرنے کے لیے استعمال کیے گئے، کیوں کہ وہ ظاہر میں مسلمانوں کے ساتھ ہوتے، لیکن باطن میں ان کے سب سے بڑے دشمن ہوتے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تو یہاں تک کہا ہے:

''ہر فتنے اور مصیبت کی جڑ شیعہ اور ان کے ہم نوا ہیں۔ اسلام پر جتنی تلواریں سونتی گئیں، ان میں

---

[1] المصدر السابق (ص: ٥٤)

[2] دیکھیں: آل طعمة: مدينة الحسين (ص: ٥٤)

[3] وہ تب ان تمام خواہشات سے محروم نہیں ہوگا، جن کو وہ شیعیت قبول کرنے سے پہلے پورا کرتا تھا۔ جنسی شہوت متعہ، شرم گاہ عاریتاً دینے اور عورتوں کی دبر استعمال کرنے کے ساتھ پوری ہوجاتی ہے، جو تمام چیزیں شیعہ کی شریعت میں مقرر ہیں۔ شرعی تکالیف میں نمازوں کو جمع کر کے تخفیف مل سکتی ہے یا بعض اوقات آلِ بیت کی محبت کی وجہ سے یہ سب ساقط ہوجاتی ہیں۔ جہاد اس وقت تک کالعدم ہے، جب تک منتظر نہ نکل آئے، لہٰذا جان کا کوئی خوف ہی نہیں۔ اگر آیت، حجت، مرجعیت کے مراحل تک پہنچ جائے تو پھر خمس کے نام پر اس کے قدموں میں سونے کے ڈھیر لگ جائیں گے۔
پھر منتظر کی نیابت کے نام پر تعظیم و تقدیس یا ''بابویت'' بھی مل جائے گی، لہٰذا اگر وہ شیعہ کی صفوں میں داخل ہو کر ان کے علما کی نشانی کالی چادر اوڑھ کر اپنی قوم کے لیے آرام سے کام کرتا رہے تو اس کو اس میں آخر کیا نقصان ہوگا، بلکہ وہ مکمل فائدہ اٹھانے کے لیے اپنے آپ کو عترتِ رسول کی طرف منسوب کر کے سید بھی بن سکتا ہے!

سے اکثر انھی کی طرف سے تھیں۔ زنادقہ نے بھی انھی کی آڑ لی۔"[1]

کیوں کہ یہ لوگ مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ سے بھی بڑا کافر سمجھتے ہیں،[2] اس لیے وہ دین کے یہودی، نصرانی اور مشرک دشمنوں کے ساتھ محبت اور موالات کے رشتے قائم کرتے رہے، جن کی اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ عداوت کسی کے سامنے ڈھکی چھپی نہیں، لیکن یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ان اولیا کے ساتھ عداوت بھی رکھتے ہیں، جو تمام اہلِ دین میں سے بھی بہتر اور متقیوں کے سردار تھے۔[3]

شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

"ہم نے دیکھا اور مسلمانوں نے بھی دیکھا کہ جب مسلمان کسی کافر دشمن سے پنجہ آزما ہوئے تو یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف ان کافروں کا ساتھ دیتے۔"[4]

ساری دنیا نے دیکھا کہ جب تاتاری بادشاہ ہلاکو خان ۶۵۸ھ میں شام میں داخل ہوا تو شام کے رافضہ اس کی حکومت قائم کرنے اور مسلمان بادشاہت گرانے کے سلسلے میں اس کے حکم کی تعمیل کرنے میں سب سے آگے اور اس کے اعوان و انصار بنے ہوئے تھے۔ اسی طرح ہر عام و خاص کو معلوم ہے کہ جب ہلاکو خان نے عراق پر یورش کی اور وہاں اتنا خون بہایا کہ جس کا صحیح اندازہ لگانا بھی مشکل ہے، اس وقت خلیفہ کا وزیر ابن علقمی اور رافضہ ہی اس کے حاشیہ بردار تھے، جنھوں نے اس کی کئی ظاہری اور پوشیدہ طریقوں کے ساتھ مدد کی، جنھیں بیان کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ (اس بحث کے آخر میں اس کے بعض واقعات کی تفصیل ذکر ہوگی)۔

اس سے پہلے اس کے دادا چنگیز خان کی بھی مسلمانوں کے خلاف انھی نے مدد کی تھی۔ مسلمانوں نے ان کو دیکھا، جب شام وغیرہ کے سواحل پر مسلمان اور عیسائی باہم برسرپیکار تھے، ان کی محبتیں عیسائیوں کے ساتھ تھیں اور وہ حسبِ امکان ان عیسائیوں کی مدد بھی کرتے۔ وہ رافضہ کے شہر فتح کرنا ناپسند کرتے تھے، جس طرح انھوں نے عکا وغیرہ کی فتح کو ناپسند کیا۔ یہ مسلمانوں کے خلاف ان کی حمایت کرنا پسند کرتے، حتیٰ کہ جب مسلمان ۵۹۹ھ کو غازان[5] کے ہاتھوں شکست کھا گئے اور شام مسلمانوں کی فوج سے خالی ہوگیا، تو انھوں نے

---

[1] منهاج السنة (٣/ ٢٤٣)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (٧٦٤) دیکھیں۔

[3] منهاج السنة (٤/ ١١٠)

[4] المصدر السابق (٣/ ٣٨)

[5] یہ خدا بندہ کا بھائی اور چنگیز خان کا پوتا تھا، جو ترکی کفار کا بادشاہ تھا، جنھیں تاتاری کہا جاتا ہے، جس واقعے کی طرف شیخ الاسلام نے اشارہ کیا ہے، اس کی تفصیل جاننے کے لیے دیکھیں: البداية والنهاية لابن كثير (١٤/ ٦)

شہروں میں فساد پھیلانا شروع کر دیا اور قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار خوب گرم کیا۔ انھوں نے صلیبی جھنڈا بلند کر دیا، عیسائیوں کو مسلمانوں پر ترجیح دی، مسلمانوں کے اموال، اسلحہ اور ان کے قیدی بنا کر قبرص وغیرہ میں عیسائیوں کے حوالے کر دیے۔ یہ اور ان جیسے واقعات کا لوگوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور جس نے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا، اس کے پاس ان واقعات کی تواتر کے ساتھ خبر پہنچتی رہی۔[1]

قدیم دور میں عیسائیوں کے بیت المقدس پر قبضہ کرنے میں ان لوگوں کا بہت بڑا ہاتھ تھا، حتی کہ مسلمانوں نے اس کو عیسائیوں سے چھین لیا۔[2] اس موضوع پر بحث بہت زیادہ طویل اور پھیلی ہوئی ہے۔ تاریخی کتابوں نے ان کڑوے واقعات کو بڑی تفصیل کے ساتھ محفوظ کیا ہے:

اگر اسلامی سلطنت کے اندر رہنے والے شیعہ کا یہ اثر ورسوخ ہے تو ان کی اپنی قائم شدہ حکومتوں کا اثر کتنا شدید ہوگا؟ یہی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام نے بنو بویہ[3] کی حکومت کے بارے میں لکھا ہے کہ اس سلطنت نے مذموم مذاہب کی اصناف سے تشکیل پائی تھی، جن میں ایک قوم زنادقہ کی تھی، ایک قرامطہ کی، ایک فلسفیوں کی، ایک معتزلہ کی اور ایک رافضہ کی۔ ان کی حکومت کے ایام میں اہلِ اسلام اور اہلِ سنت بہت زیادہ کمزوری کا شکار ہوگئے تھے، حتی کہ عیسائی اسلام کی سرحدوں پر قابض ہوگئے۔ مصر، مغرب، مشرق اور بہت سارے علاقوں میں قرامطہ پھیل گئے اور بہت سارے سانحات گزر گئے۔[4]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ خدا بندہ[5] کی حکومت کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

''دیکھیے! سلطان خدا بندہ کی حکومت میں ان کو کیا کیا مراعات حاصل ہوئیں، جس کے لیے اس نے یہ کتاب لکھی (یعنی ابن مطہر حلی نے اس کے لیے ''منهاج الكرامة'' لکھی، جس کا امام ابن تیمیہ نے ''منهاج السنة'' کے نام سے جواب دیا) ان میں سے کس طرح شر نے ڈیرے ڈال لیے، اگر یہ ہمیشہ رہتا اور مضبوط ہوجاتا تو یہ اسلام کے تمام احکام کو کالعدم کر دیتے، لیکن پھونکوں سے یہ

---

[1] منهاج السنة (۳/ ۲٤٤) نیز دیکھیں: (۳/ ۳۸۔ ۳۹) مزید دیکھیں: (٤/ ۱۰۰۔ ۱۱) والمنتقى (ص: ۳۲۹۔ ۳۳۲) تعليقات محب الدين.

[2] منهاج السنة (٤/ ۱۱۰)

[3] یہ عراق میں ظاہر ہوئے اور ایک قسم ایران میں ۳۳۴ھ کو ظاہر ہوئی اور ۴۴۷ھ کو مٹ گئی۔ اثنا عشریہ ان کو الٰہی حکومت شمار کرتے ہیں۔ (دیکھیں: الشيعة في التاريخ، ص: ۹۸، والشيعة في الميزان، ص: ۱۳۸۔ ۱٤۸)

[5] مجموع فتاوىٰ شيخ الإسلام (٤/ ۲۲)

[6] اسی کتاب کا صفحہ (۱۲۳۰) حاشیہ (۲) دیکھیں۔

چراغ بجھایا نہ جائے گا، جیسے اللہ تعالیٰ قائم رکھنا چاہے۔''[1]

اسی طرح شیخ الاسلام کے بعد صفویہ کی سلطنت میں معاملہ اس سے بھی کہیں زیادہ شدید تھا اور آج تک مسلمانوں کی سرزمین پر رافضی فساد کا اثر جاری ہے۔ ایران میں آیات کی حکومت ہے، لبنان میں ان کی تنظیمیں ہیں[2] اور خلیجی اور دیگر اسلامی ممالک میں ان کی زمین دوز جماعتیں تسلسل کے ساتھ شر پھیلا رہی ہیں۔

علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ مشرقی پاکستان کے علاحدہ ہونے میں بھی رافضی مکر کارفرما تھا۔ ان کے الفاظ ہیں:

''مشرقی پاکستان بھی قزلباش شیعہ کے ایک فرزند یحییٰ خان کی خیانت کا شکار ہو کر ہندوؤں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔''[3]

پاکستان میں شیعہ علما نے اسلامی شریعت کے نفاذ کی بھی مخالفت کی،[4] کیوں کہ یہ متعہ کے نام پر ان کی شہوت رانی پر روک لگاتی ہے اور ان کے ان جرائم کی سزا دیتی ہے، جن کا ارتکاب ان کے لیے اس حجت کی بنا پر کوئی اہمیت نہیں رکھتا کہ حبِ علی کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ نقصان نہیں دے سکتا۔

تاہم یہ بڑے بڑے مسائل کی طرف اشارے ہیں، جن کی تفصیل اور تحقیق کئی مولفات اور کتابوں کی محتاج ہے۔ میں یہاں عبرت کے طور پر صرف دو مثالیں پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔

پہلی مثال: اسلامی سلطنت کے اندر شیعہ کے اثر ونفوذ کے متعلق ہے۔ یہاں میں نمونے کے طور پر ابن علقمی کا واقعہ اور اسلامی سلطنت کے سقوط کے لیے اس کی سازش کا ذکر کروں گا۔

دوسری مثال: شیعہ حکومتوں کے مسلمانوں پر اثرات کے متعلق ہے، اس کے ضمن میں مَیں صفوی حکومت کا تذکرہ کروں گا۔

① ابن علقمی رافضی کی سازش:

اس واقعے کا خلاصہ یہ ہے کہ ابن علقمی، عباسی خلیفہ مستعصم کا وزیر تھا۔ خلیفہ اپنے باپ دادا کی طرح

---

[1] منهاج السنة (٣/ ٢٤٤)

[2] دیکھیں: أمل والمخيمات الفلسطينية للدكتور محمد الغريب.

[3] الشيعة والسنة (ص: ١١)

[4] دیکھیں! مظالم الشيعة (ص: ٩۔ ١٠) شیعہ کے راہنما مفتی جعفر حسین نے ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ شیعہ اسلامی حدود کے نفاذ کی مخالفت کرتے ہیں، کیوں کہ یہ اہلِ سنت کے مذہب کے مطابق ہوگا۔ (الأنباء الكويتية: ١/ ٥/ ١٩٧٩م)

سنی المسلک تھا، لیکن نرم مزاج، سادہ اور لا ابالی طبیعت کا مالک تھا۔

یہ رافضی وزیر خلافت کا خاتمہ کرنے، اہلِ سنت کو ملیا میٹ کرنے اور رافضی مذہب کے مطابق حکومت قائم کرنے کے لیے منصوبہ بندی کر رہا تھا، اس نے خلافت کی سلطنت کے خلاف اپنی سازش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنے منصب اور خلیفہ کی غفلت سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اس کی سازش کے تانے بانے تین مراحل سے گزرتے ہیں:

- اس مرحلے میں اس نے مسلمان افواج کی تنخواہ اور دیگر مراعات میں رکاوٹیں ڈال کر ان کو کمزور کرنے اور تنگ کرنے کے لیے کوششیں کیں۔

  حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

  ''وزیر ابن علقمی فوج کو متنفر کرنے اور دیوان سے فوجیوں کا نام خارج کرنے کی بھرپور کوشش کرتا۔ مستنصر کے آخری ایامِ خلافت میں فوجیوں کی تعداد تقریباً ایک لاکھ رہ گئی تھی۔ وہ ان کی تعداد کم کرنے میں مسلسل لگا رہا، یہاں تک وہ صرف دس ہزار رہ گئے۔''[1]

- تاتاریوں کے ساتھ خط کتابت:

  حافظ ابن کثیر کہتے ہیں:

  ''اس کے بعد اس نے تاتاریوں سے خط کتابت شروع کی اور ان کو ملک پر قبضہ کرنے پر اکسایا، ان کو اس کے لیے سہولیات دیں، ان کے سامنے حقیقی صورتِ حال بیان کی اور لوگوں کی کمزوری کو ان کے سامنے کھول دیا۔''[2]

- تاتاریوں سے لڑائی کرنے سے روکنا اور خلیفہ اور لوگوں کی حوصلہ شکنی کرنا۔

اس نے عام لوگوں کو ان سے لڑنے سے روک دیا۔[3] اس نے خلیفہ اور اس کے حاشیہ برداروں کو یہ باور کروایا کہ تاتاری بادشاہ ان کے ساتھ صلح کرنا چاہتا ہے، اس نے خلیفہ کو اشارہ کیا کہ وہ اس کے پاس خود جائے اور اس شرط پر صلح کرے کہ عراق کا آدھا خراج ان کو ملے گا اور آدھا خلیفہ کو۔ چنانچہ خلیفہ سات سو افراد کے قافلے میں، جن میں قضاۃ، فقہا، امرا اور نامور شخصیات شامل تھیں، اس کے پاس گیا، اس طرح خلیفہ اور اس کے

[1] البداية والنهاية (١٣/ ٢٠٢)

[2] البداية والنهاية (١٣/ ٢٠٢)

[3] منهاج السنة (٣/ ٣٨)

ساتھ امت کے راہنماؤں اور سربرآوردہ شخصیات کو تاتاریوں کی طرف سے بغیر کسی کوشش کے قتل کرنے کی سازش تیار کی گئی۔ رافضہ اور دیگر منافقوں کی جماعت نے ہلاکو کو مشورہ دیا کہ وہ صلح نہ کرے۔ وزیر ابن علقمی نے کہا کہ اگر آدھے پر صلح ہوگئی تو یہ ایک دو سال سے زیادہ جاری نہیں رہ سکے گی، پھر معاملہ اپنی پہلی حالت پر آجائے گا، انھوں نے اس کے لیے خلیفہ کو قتل کرنا ہی بہتر قرار دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کو قتل کرنے کا مشورہ وزیر ابن علقمی اور نصیر الدین طوسی نے دیا۔[2]

اس کے بعد یہ لوگ شہر کی طرف آئے اور جن مردوں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور کمزوروں کو قتل کر سکے، ان کو قتل کر دیا، ان سے صرف وہی بچے جو عیسائی، یہودی ذمی تھے یا جنھوں نے ان کے اور وزیر ابن علقمی کے گھر میں پناہ لے لی۔[2] انھوں نے کئی لاکھ مسلمانوں کو قتل کر دیا۔ اہلِ اسلام نے تاتاریوں سے بڑھ کر کوئی مقتل نہیں دیکھا۔ انھوں نے ہاشمیوں کو بھی قتل کر دیا، بنو عباس اور غیر بنو عباس سب کی عورتوں کو لونڈیاں بنا لیا۔ جو شخص کافروں کو آلِ رسول اور تمام مسلمانوں کو قتل کرنے اور ان کی عورتیں لونڈیاں بنانے کے لیے مسلط کر دے، کیا ایسا شخص آلِ رسول کے ساتھ محبت رکھنے والا ہوسکتا ہے؟[3]

خطبا، ائمہ اور حفاظِ قرآن کو قتل کر دیا گیا اور بغداد میں کئی مہینوں تک مساجد نمازوں اور جمعات سے بے آباد ہوگئیں۔[4] ابن علقمی کا یہ ہدف تھا کہ ''وہ اہلِ سنت کا مکمل صفایا کر دے، رافضی بدعت کو غالب کر دے، مساجد و مدارس کو ویران کر دے اور رافضہ کے لیے ایک بہت بڑا مدرسہ بنائے، جس کے ذریعے سے وہ اپنا مذہب پھیلا سکیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کی قدرت نہ دی، بلکہ اس نے نعمت چھین لی، بلکہ اس واقعے کے چند مہینوں بعد اس کی عمر ختم کر دی اور اس کو اس کے بیٹے کے پیچھے ہی بھیج دیا۔''[5]

اس عظیم سانحے اور بھیانک سازش پر غور کریں اور بعض اہلِ سنت کی غفلت کی حد تک نرم مزاجی سے بھی عبرت حاصل کریں کہ وہ اپنے سب سے بڑے دشمن کو اپنے قریب کر کے آستین کا سانپ پالتے رہے، نیز یہ بھی ملاحظہ کریں کہ روافض اہلِ سنت کے خلاف کتنا زیادہ حسد، بغض اور کینہ رکھتے ہیں؟!

---

[1] نصیر الدین طوسی ہلاکو کے ساتھ ہی تھا، اس نے جب الموت کے قلعے فتح کیے اور ان کو اسماعیلیہ کے ہاتھوں سے چھینا، تب سے ہلاکو خان اس کو اپنی خدمت کے لیے اپنے ساتھ ہی رکھا ہوا تھا۔ (ابن كثير: البداية والنهاية: ١٣/ ٢٠١)

[2] البداية والنهاية (١٣/ ٢٠١۔ ٢٠٢)

[3] منهاج السنة (٣/ ٣٨)

[4] البداية والنهاية (١٣/ ٢٠٣)

[5] المصدر السابق (١٣/ ٢٠٢۔ ٢٠٣)

یہ رافضی چودہ سال تک مستعصم کا وزیر رہا، اس کو اتنی زیادہ تعظیم اور مرتبہ ملا، جو کسی دوسرے وزیر کو نصیب نہ ہوا، لیکن یہ احترام اور رواداری بھی اس کے دل میں اہلِ سنت کے خلاف عداوت اور کینے کو زائل نہ کر سکی۔ متاخر رافضہ نے اپنے دلوں سے پردہ اٹھایا اور چھپے ہوئے راز کو افشا کرتے ہوئے ابن علقمی اور نصیر الدین طوسی کے مسلمانوں کو قتل کرنے کے جرم کو ان دونوں کے سب سے بڑے مناقب میں شمار کیا۔

خمینی، نصیر الدین طوسی کی کارستانی کو سراہتے ہوئے کہتا ہے:

''لوگ (اس کے شیعہ) خواجہ نصیر الدین طوسی اور اس جیسے دوسرے لوگوں کو کھو دینے کی وجہ سے، جنھوں نے اسلام کے لیے زبردست خدمات پیش کیں، بہت زیادہ خسارے کا احساس کرتے ہیں۔''[1]

وہ خدمات، جو وہ مراد لے رہا ہے، ان کو اس سے پہلے خوانساری نے نصیر الدین طوسی کے حالات بیان کرتے ہوئے ان الفاظ میں بے نقاب کیا ہے:

''اس کے جملہ معروف ومشہور کارناموں میں ایک یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے سلطان ذی وقار ہلاکو خان کی وزارت قبول کی۔ وہ سلطان مؤید کے قافلے میں لوگوں کی راہنمائی اور شہروں کی اصلاح کے لیے مکمل تیاری کے ساتھ دار السلام بغداد آیا، جہاں بنو عباس کے بادشاہوں کو ہلاک کر دیا گیا اور ان کیڑوں مکوڑوں کے پیروکاروں کا قتل عام کیا گیا، اس نے ان کے گندے خونوں کی نہریں بہا دیں اور وہ دریائے دجلہ میں جا گریں، پھر وہاں سے ہلاکت کے گھر جہنم کے ساتھ جا ملیں۔''[2]

یہ لوگ اس کی مسلمانوں کا قتلِ عام کرنے کی سازش کو اس کی سب سے بڑی فضیلت شمار کرتے ہیں، کیوں کہ یہ قتل عام شیعہ کے نزدیک لوگوں کی راہنمائی اور شہروں کی اصلاح کا طریقہ ہے۔ وہ مسلمان جو اس سانحے میں شہید ہوئے، ان کے نزدیک ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اس کا معنی یہ ہوا کہ بت پرست ہلاکو، جس کو یہ مؤید (تائید یافتہ) کا لقب دیتا ہے اور اس کا لشکر شیعہ کے نزدیک جنتی ہیں، کیوں کہ ان لوگوں نے ان روافض کے سینے میں مسلمانوں کے خلاف ابلنے والی نفرت کو تسکین پہنچائی۔ دیکھیے! ان کے دلوں میں کتنا زیادہ کینہ ہے کہ مسلمانوں کو قتل کرنا ان کی سب سے بڑی خواہش ہے اور کافر امتِ اسلام سے زیادہ ان کے قریب اور چہیتے ہو چکے ہیں!

---

[1] الحکومة الإسلامیة (ص: ۱۲۸)

[2] روضات الجنات (٦/ ۳۰۰۔ ۳۰۱) نیز دیکھیں: نصیر الدین طوسی پر روافض مدح و ثنا کے لیے دیکھیں: النوري الطبرسي: مستدرك الوسائل (۳/ ٤٨۳) القمي: الکنی والألقاب: ۱/ ۳٥٦)

یہ ابن علقمی کا واقعہ ہے، جس کو تاریخ کی اکثر کتابوں نے ذکر کیا ہے۔[1] شیعہ کی کتابوں نے بھی نہ صرف اس کا اقرار کیا ہے، بلکہ اس کو سراہا بھی ہے۔ اس کے باوجود ایک معاصر روافض نے اس واقعے کو کمزور کرنے اور اس کے ثبوت پر اعتراض کرنے کی کوشش کی ہے، دلیل یہ دی ہے کہ جنھوں نے یہ واقعہ بیان کیا ہے، وہ اس کے معاصر نہیں تھے، لیکن جب ابو شامہ شہاب الدین عبدالرحمٰن بن اسماعیل (المتوفی ۶۶۵ھ) کا ذکر ہوا، جو اس حادثے کا ہم عصر راوی تھا تو اس نے یہ جواب دیا کہ اگرچہ وہ زمانے کے اعتبار سے اس حادثے کا ہم عصر تھا، لیکن وہ دمشق کا رہنے والا تھا، اس لیے اس میں مکانی معاصرت پوری نہیں ہوتی۔[2]

یہ ابن سبا کے وجود کے انکار کی کوشش کی طرح اس واقعے کے انکار کی بھی کوشش ہے، جو مورخین کے ہاں معروف ومشہور ہے، میں نے تاریخ کی کتابوں میں تلاش جاری رکھی تو مجھے ایک بہت بڑے مورخ کی ایک بہت اہم گواہی ملی، جس میں تین صفات موجود ہیں:

- شیعہ اس کو اپنے رجال میں شمار کرتے ہیں۔
- یہ بغداد کا رہنے والا تھا۔
- یہ ۶۷۴ھ کو فوت ہوا۔

چنانچہ یہ شیعہ، بغدادی اور اس سانحے کا معاصر ہے، اس کا نام ''الإمام الفقيه علي بن أنجب'' ہے، جو ابن ساعی کے نام سے مشہور تھا، اس نے ابن علقمی کے جرم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ وہ ذکر کرتا ہے:

''اس (مستعصم) کے دور میں تاتاری بغداد پر قابض ہوگئے، انھوں نے خلیفہ کو قتل کر دیا اور اس کے ساتھ ہی عراق کی سرزمین سے عباسی خلافت کا خاتمہ ہوگیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ خلیفہ کا وزیر ابن علقمی رافضی تھا۔'' اس کے بعد اس نے یہ سارا واقعہ بیان کیا۔[3]

اس ابن ساعی کو محسن الامین نے شیعہ کے رجال میں شمار کیا ہے، وہ کہتا ہے:

''علی بن انجب بغدادی، ابن ساعی کے نام سے مشہور ہے، اس کی ''أخبار الخلفاء'' نامی کتاب

---

[1] اس کی سازش کا واقعہ جاننے کے لیے مزید دیکھیں: ابن شاكر الكتبي: فوات الوفيات: ٢/ ٣١٣، الذهبي: العبر: ٥/ ٢٢٥، السبكي: طبقات الشافعية: ٨/ ٢٦٢۔ ٢٦٣ وغيرها)

[2] دیکھیں: محمد الشيخ الساعدي: مؤيد الدين بن العلقمي وأسرار سقوط الدولة العباسية. بغداد یونیورسٹی نے یہ کتاب شائع کرنے میں تعاون کیا ہے۔

[3] مختصر أخبار الخلفاء (ص: ١٣٦۔ ١٣٧)

ہے۔ یہ ۶۷۴ھ کو فوت ہوا۔''[1]

اسی طرح ابن الطقطقی، شیعہ نے بھی اپنی کتاب "الفخري في الآداب السلطانية" میں اس کا ذکر کیا ہے۔ روافض کے مسلمانوں کے سانحات کے ساتھ تعلق ثابت کرنے اور ان پر مصیبتیں ٹوٹنے کی تمنا رکھنے کے سلسلے میں وہ خواہش آمیز کلمات ہی کافی ہیں، جو ان کے خوانساری اور خمینی جیسے متاخر اور معاصر علما کی زبانوں سے نکلے ہیں۔

۲ صفوی سلطنت[2]:

صفوی سلطنت میں، جس کی بنیاد شاہ اسماعیل صفوی نے رکھی، ایرانیوں پر جبراً اثنا عشری شیعیت مسلط کی گئی اور اس کو ایران کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا۔ اسماعیل ناقابلِ یقین حد تک ظالم اور خون کا پیاسا تھا۔[3] اپنے بارے میں یہ مشہور کرتا تھا کہ وہ معصوم ہے، اس کے اور مہدی کے درمیان کوئی واسطہ نہیں اور وہ بارہ اماموں کے احکام کے تقاضے کے بغیر ایک قدم بھی نہیں اٹھاتا۔[4] اس نے اپنی تلوار ننگی کی اور اہلِ سنت پر چلائی۔ وہ ایرانیوں کو آزمانے کے لیے خلفائے ثلاثہ کو دشنام طرازی بہ طورِ وسیلہ اختیار کرتا، جو ان سے گالی سنتا، اس کے لیے ضروری ہوتا کہ وہ یہ الفاظ کہے: ''بیش باد کم باد'' (جتنا بھی ہو کم ہے)

یہ آذر بائیجانی زبان کی عبارت تھی، جس کا مطلب ہے کہ سننے والا گالی سے اتفاق رکھتا ہے اور مزید کا مطالبہ کرتا ہے، لیکن اگر سننے والا یہ الفاظ ادا کرنے سے انکار کر دیتا تو فوراً اس کی گردن کاٹ دی جاتی۔ شاہ نے سرعام سڑکوں، بازاروں اور منبروں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر تبرا بازی کا حکم جاری کیا اور انکار کرنے والوں کو گردن زدنی کی سزا سے ڈرایا۔[5]

جب وہ کوئی شہر فتح کرتا تو اس کے باشندوں کو اسلحے کے زور پر فوراً رافضیت قبول کرنے پر مجبور کرتا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے جب شروع میں تبریز فتح کیا اور اس کے شہریوں پر جبراً شیعیت مسلط کرنا چاہی تو اس کو ان کے بعض علما نے مشورہ دیا کہ وہ عجلت سے کام نہ لے، کیوں کہ شہر میں دو تہائی آبادی اہلِ سنت کی ہے،

---

[1] أعيان الشيعة (١/ ٣٠٥)

[2] صفوی سلطنت کی بادشاہت ۹۰۵ھ سے ۱۱۴۸ھ تک قائم رہی۔ (مغنية: الشيعة في الميزان، ص: ١٨٢)

[3] علي الوردي: لمحات اجتماعية من تاريخ العراق الحديث (ص: ٥٦)

[4] كامل مصطفىٰ الشيبي: الفكر الشيعي والنزعات الصوفية حتى مطلع القرن الثاني عشر الهجري (ص: ٤١٣)

[5] المصدر السابق (ص: ٥٨)

وہ کسی صورت منبروں پر خلفائے ثلاثہ پر تبرا برداشت نہیں کریں گے۔ لیکن اس کا جواب تھا:

''اگر میں نے لوگوں کی طرف سے ایک کلمہ اعتراض بھی سنا تو میں اللہ کی مدد سے ان کے سامنے اپنی تلوار ننگی کر لوں گا اور کسی ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''[1]

ڈرانے دھمکانے کے ساتھ ساتھ دوسری طرف اس نے شہادتِ حسین کو نفسیاتی اثر ڈالنے کے لیے بہ طورِ ہتھیار استعمال کیا، اس نے اسی انداز میں مجالس شہادتِ حسین سجانے کا حکم دیا، جس طرح آج تک شیعہ کے ہاں ان کا انتظام کیا جاتا ہے،[2] اس کے ساتھ اس نے مجالسِ عزا کا بھی اضافہ کیا۔

یہ وہی ہیں، جن کو آج یہ ''شبیہ'' کہتے ہیں، جس میں قتلِ حسین کی تمثیل پیش کی جاتی ہے۔ اس لیے ان کا ان عجمیوں پر گہرا اثر تھا، بلکہ بعض کا خیال ہے کہ یہ ایران میں تشیع پھیلانے کا ایک اہم عامل ہے، کیوں کہ ان جلوسوں میں، غل غپاڑہ بہت زیادہ شور اور ڈھول کے جلو میں حزن وگریہ کے مظاہر پیش کیے جاتے، جو عقیدے کو ان کے دلوں کی گہرائیوں میں داخل کر دیتے اور سیدھے دل کے چھپے ہوئے تاروں کو ہلا دیتے۔[3]

روافض کے علما نے تشیع کو غلو کے مراحل میں داخل کرنے اور اسلحے کے زور پر اس کو ایران کے مسلمانوں پر مسلط کرنے میں صفوی بادشاہوں کی بھرپور مدد کی۔ ان علما میں سب سے زیادہ نمایاں شیعہ کے عالم علی کرکی کا نام ہے[4]، اس کو شاہ اسماعیل کے بیٹے شاہ طہماسپ نے اپنا مصاحب خاص بنایا ہوا تھا اور اس کو ملک میں اپنے احکامات جاری کرنے کی مکمل اجازت دے رکھی تھی، اس کرکی نے جو نئی بدعات ایجاد کیں، ان میں:

''وہ مٹی (ٹھیکری) بھی ہے، جس پر آج شیعہ اپنے نمازوں میں سجدہ کرتے ہیں۔ اس نے ۹۳۳ھ کو اس موضوع پر ایک کتابچہ تحریر کیا۔[5] اسی طرح اس نے شاہ اسماعیل صفوی کی ہم نوائی کرتے ہوئے بندے کے لیے سجدہ کرنے کے جواز میں بھی ایک کتابچہ لکھا۔[6] شاہ اسماعیل کے ساتھی بادشاہ کے بارے میں اتنا غلو کرتے تھے کہ وہ اس کی عبادت کرتے اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتے۔''[7]

---

[1] المصدر السابق (ص: ٥٨) نیز دیکھیں: تاريخ الصفويين (ص: ٥٥)

[2] الشيبي: الفكر الشيعي (ص: ٤١٥)

[3] الوردي: لمحات اجتماعية (ص: ٥٩)

[4] علی بن ہلال کرکی ۹۸۴ھ کو ہلاک ہوا۔ (نیز دیکھیں: أعيان الشيعة: ٤٢/ ٢٠٠۔ ٢٠١، مقتبس الأثر: ٢٢/ ٣٣٣)

[5] الفكر الشيعي (ص: ٤١٦) عن ترجمته في روضات الجنات (ص: ٤٠٤)

[6] لمحات اجتماعية (ص: ٦٣)

[7] اسی لیے حیدری لکھتا ہے کہ ''اسماعیل رافضیت کے راستے سے ہٹ گیا اور اس نے ربوبیت کا دعویٰ کر دیا، اس کی فوج اس کے سامنے سجدہ کرتی۔'' (عنوان المجد، ص: ١١٦۔ ١١٧)

شیعہ مذہب میں اس کی ایجاد کردہ بدعات اتنی زیادہ تھیں کہ غیر شیعہ مصنفین اس کو ”مخترع الشیعة“ یعنی شیعہ کا موجد لقب دیتے ہیں۔[1] اس نے ”نفحات اللاهوت في لعن الجبت والطاغوت“ کے نام سے شیخین رضی اللہ عنہما پر تبرا کرنے کے متعلق بھی ایک کتابچہ بھی لکھا۔[2] کہا جاتا ہے کہ مساجد میں جمعے کے دن تبرا بازی کا بھی اسی نے آغاز کیا۔[3] ملا باقر مجلسی بھی سلطنتِ صفویہ کے علما میں شمار ہوتا ہے، جس نے ایران میں مسلمانوں کو شیعیت سے متاثر کرنے میں حکومت کا ہاتھ بٹایا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی کتاب ”حق اليقين“ ستر ہزار ایرانی سنی کے شیعہ ہونے کا سبب بنی۔[4] قرینِ قیاس تو یہی ہے کہ یہ رافضہ کی مبالغہ آرائی ہے، کیوں کہ رافضیت ایران میں فکر ونظر اور دلیل و برہان کے نتیجے میں نہیں، بلکہ قوت و دہشت کے بل بوتے پر پھیلی تھی۔

اس کے بعد اگلی نسل سالانہ حسینی ماتمی جلوسوں کے سائے میں پروان چڑھی، جن کو صفویوں نے بہ تدریج ترقی دی، تاکہ ان کی تاثیر کی وجہ سے نئی نسل کے دل حسد وغضب سے بھر جائیں اور وہ اس کی وجہ سے کسی دلیل یا برہان کو سننا بھی گوارا نہ کریں۔ مجلسی کی کتاب ”بحار الأنوار“ کا شیعہ میں غلو پھیلانے میں بڑا اہم کردار رہا ہے۔ مجلس پڑھنے والے ذاکروں اور منبروں پر خطبہ دینے والے خطیبوں نے اس کتاب کا رخ کیا اور ان کو اس سے جو چیز اچھی لگتی، اس کو لے لیتے۔ اس طرح ان لوگوں نے عام لوگوں کے دلوں اور دماغوں کو غلو اور خرافات سے بھر دیا۔

یہ کتاب ان اولین مولفات میں شامل تھی، جو قاچاری عہد میں بڑے وسیع پیمانے پر اشاعت پذیر ہوئیں۔ عراق میں اس کتاب کے نسخے بڑی تعداد لائے گئے، جس کے سبب اس کی گھٹیا معلومات عراقی قوم کے درمیان اسی طرح عام ہوگئی، جس طرح ایران میں ہوا تھا۔[5]

اسی طرح سلطنت صفویہ کا ایک اور پہلو بھی ہے، جو نظروں سے اوجھل نہیں رہنا چاہیے کہ انھوں نے خلافتِ اسلامیہ کی سلطنت یعنی خلافتِ عثمانیہ کے خلاف بہت سی جنگیں کیں، مسلمانوں کے خلاف انگریزوں اور پرتگالیوں کی مدد کی، ان کی وہاں گرجے تعمیر کرنے اور عیسائی مشنریوں کو بھیجنے کی حوصلہ افزائی کی اور سنت اور اہلِ

---

[1] النواقض: الورقة (٩٨ ب)

[2] الفكر الشيعي (ص: ٤١٦)

[3] المصدر السابق.

[4] ڈونلڈز: عقيدة الشيعة (ص: ٣٠٢)

[5] لمحات اجتماعية (ص: ٧٧۔ ٧٨)

سنت کے خلاف محاذ آرائی کی۔[1]

یہ اس میدان میں ان کے افراد اور حکومتوں کے کچھ اثرات ہیں۔ اس موضوع پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے کلمات بڑے اہم اور غیر فانی ہیں۔ ان کو اگر حالاتِ حاضرہ پر منطبق کیا جائے اور ان کی روشنی میں تاریخ کے واقعات کا تجزیہ واستقرا کیا جائے تو ان کی صداقت سورج سے زیادہ روشن نظر آئے گی۔ وہ فرماتے ہیں:

''ہر عقل مند کو چاہیے کہ وہ اپنے زمانے میں رونما ہونے والے واقعات پر غور کر لے اور اس کے زمانے میں اسلام میں جو فتنے فساد اور برائی جنم لیتی ہے تو اس کو ان کی اکثریت رافضہ کی پیدا کردہ نظر آئے گی۔ وہ ان کو تمام لوگوں سے زیادہ فسادی اور شر پسند پائے گا اور وہ ہر ممکن طریقے سے امت میں فتنے، فسادات اور شرور کو پھیلانے میں آگے آگے ہوں گے۔''[2]

''ہم نے مشاہدے اور تواتر کے ساتھ یہ جانا ہے: وہ بڑے بڑے فتنے اور فسادات جن جیسا کوئی فتنہ نہیں، وہ انھی کی طرف سے نکلتے ہیں۔''[3]

---

[1] اس کے متعلق تفصیلات جاننے کے لیے دیکھیں: تاریخ الصفویین (ص: ۹۳ وما بعدھا) نیز دیکھیں: حاضر العالم الإسلامي للدکتور جمیل المصري (ص: ۱۱۷)

[2] منھاج السنة (ص: ۳/ ۲۴۳)

[3] المصدر السابق (۳/ ۲۴۵)

معاشرتی میدان

یہ ایک بڑا وسیع باب ہے، اس لیے میں صرف اس کے بعض خط و خال اور آثار و نشانات کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کروں گا۔

1 شیعہ کا مسلمانوں کے ساتھ تعلق:

شیعہ مسلمانوں کے ساتھ ہی رہتے ہیں اور اسلامی شناخت ہی رکھتے ہیں، ان کے اور دوسروں کے درمیان فرق کرنے والی کوئی چیز نہیں۔ مسلمانوں کے تعلق کی اساس، پیار، محبت، ایثار اور ایک دوسرے کی کفالت پر قائم ہوتی ہے۔

اسلام نے مسلمان اور اس کے مسلم بھائی کے درمیان محبت و پیار کے ستونوں کو بڑی مستحکم بنیادوں پر کھڑا کیا ہے۔ صحابہ کرام کی نسل نے قرآن و سنت کی ہدایات کو عملی جامہ پہناتے ہوئے محبت و وفا کی لافانی مثالیں قائم کیں۔ یہ ایک دوسرے کے ساتھ پیار، محبت اور اتفاق و اتحاد کی صورت بلاشبہہ امت کے دشمن کے مقاصد میں سے ایک مقصد تھا۔ اس لیے دشمن نے امت کی مضبوط عمارت کو توڑنے کے لیے بے شمار سازشیں کیں، یہ شیعیت میں داخل ہوگئے اور انھوں نے اس کے ذریعے سے اسلامی معاشرے کی اس مضبوط ترین بنیاد کو اکھاڑنے اور خراب کرنے کے لیے کام شروع کر دیا۔ اس لیے یہ بات معروف اور مشہور ہوگئی کہ ایک شیعہ شخص کا دوسرے انسان کے ساتھ تعلق، کسی بھی طریقے سے اس کو ایذا پہنچانے پر مبنی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا باعث ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کے خلاف دل میں نفرت اور عداوت کو چھپا کر رکھنا، ان کی ایک صفت ہے۔ بے وفائی اور حقوق کو پامال کرنا، ان کے مزاج کا حصہ ہے اور غداری، بد دیانتی سازش اور دھوکا، ان کے معروف کام ہیں، جو بعض اوقات قتل کی حد تک بھی پہنچ جاتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''رافضی جس کے ساتھ بھی تعلق رکھے گا، اس کے ساتھ ہی منافقت کرے گا، کیوں کہ اس کے دل میں ایک خراب دین ہے، جو اس کو جھوٹ، بد دیانتی، دھوکا دہی اور لوگوں کے لیے بری نیت پر

اُکساتا ہے۔ وہ انھیں نقصان پہنچانے میں کوئی موقع جانے نہیں دیتا اور جو تکلیف انھیں پہنچانے کی طاقت رکھتا ہے، وہ ضرور پہنچاتا ہے۔ جو اس کو نہیں جانتا، وہ اس کے نزدیک قابلِ نفرت ہوتا ہے، اگر یہ نہ بھی معلوم ہو کہ وہ رافضی ہے، تب بھی اس کے چہرے پر منافقت ظاہر ہو جاتی ہے اور اس کی زبان اس کا پتا دے دیتی ہے، اس لیے آپ اس کو دیکھیں گے کہ وہ کمزور ترین اور غیر متعلق لوگوں کے ساتھ بھی منافقانہ رویہ رکھتا ہے، کیوں کہ اس کے دل میں منافقت ہے، جو اس کے دل کو کمزور کر دیتی ہے...۔‘‘[1]

علامہ شوکانی یمن میں رافضہ کے درمیان رہے ہیں، اس لیے انھوں نے اپنی ذاتی مشاہدات پیش کیے ہیں اور ان کی بڑی عجیب باتیں نقل کی ہے، وہ حتمی انداز میں کہتے ہیں:

’’رافضی کے دل میں اپنے مذہب کے سوا کوئی مذہب رکھنے والے اور رافضیت کے علاوہ کسی دین کی طرف نسبت رکھنے والے کے لیے کوئی امانت داری نہیں ہوتی، بلکہ اس کو اگر کوئی سا موقع ملے تو وہ اس کا مال لوٹنا اور خون بہانا جائز کر لیتا ہے، کیوں کہ اس کے نزدیک اس کا مال اور خون دونوں حلال ہیں۔ جس محبت کا وہ اظہار کرتا ہے، وہ محض تقیہ اور دکھاوے کی ہے، جس کا اثر فرصت ملتے ہی ختم ہو جاتا ہے۔‘‘[2]

انھوں نے اس فرقے کے ساتھ عملی تجربہ کر کے یہ حقیقت بیان کی ہے، چنانچہ کہتے ہیں: ’’ہم نے کئی مرتبہ تجربہ کیا ہے کہ کوئی رافضی غیر رافضی کے ساتھ مخلصانہ محبت نہیں رکھتا، اگرچہ وہ اپنا سب کچھ بھی اس پر لٹا دے اور اس نے رافضی کے سارے خاندان کا بوجھ اٹھایا ہو اور ہر ممکن طریقے سے اس کی محبت نبھائی ہو۔ ہم کسی بدعتی یا غیر بدعتی مذہب میں اپنے مخالف کے لیے اتنی نفرت یا عداوت نہیں پاتے، جتنی ان میں اپنے مخالفوں کے لیے دیکھتے ہیں، پھر جس طرح ان کو درید ہ دہنی کے ذریعے قابلِ احترام عزتوں کی پامالی کرتے دیکھتے ہیں، کسی کو نہیں دیکھتے، ان کے ساتھ اگر کوئی ادنیٰ سا اختلاف یا معمولی سا جھگڑا بھی کر بیٹھے تو یہ اتنی غلیظ گالیاں نکالتے ہیں اور ایسی گندی زبان استعمال کرتے ہیں کہ توبہ توبہ! شاید اس کی یہ وجہ ہو کہ جب یہ سلف صالحین کو گالیاں دینے سے نہیں چوکتے تو باقیوں کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟ کیوں کہ یہ بڑا جرم اپنے سے چھوٹے گناہوں کا ارتکاب ہلکا کر دیتا ہے۔[3]

---

[1] منهاج السنة (٣/ ٢٦٠)

[2] طلب العلم (ص: ٧٠۔ ٧١)

[3] المصدر السابق (ص: ٧١)

امام شوکانی ذکر کرتے ہیں کہ یہ لوگ اسلامی معاشرے میں کسی گناہ یا حرام کاری کے ارتکاب سے بالکل نہیں ڈرتے۔ ہم نے بھی آزمایا ہے اور ہم سے پہلے لوگوں نے بھی تو انھوں نے کوئی ایک بھی ایسا رافضی نہیں دیکھا، جو دین میں حرام کاموں سے بچتا ہو، خواہ وہ جو کوئی بھی ہو۔

آپ ظاہری حالت سے دھوکا نہ کھائیں، آدمی بعض اوقات لوگوں کے سامنے گناہ چھوڑ دیتا ہے اور ظاہر میں سب سے زیادہ پرہیزگار اور نیک نام ہوتا ہے، لیکن جونہی موقع ملتا ہے تو نہ اس کو جہنم کی آگ ڈراتی ہے نہ جنت کی امید ہی منع کرتی ہے، وہ فوراً اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس کے بعد امام شوکانی اپنے ذاتی مشاہدات سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''میں نے ان میں ایک آدمی کو دیکھا، وہ مسجد میں اذانیں دیتا اور باجماعت نماز کا اہتمام کرتا، لیکن وہ چور نکلا۔ ایک دوسرا صنعا کی ایک مسجد میں امامت کرواتا تھا، وہ بڑا نیک سیرت اور باکردار تھا، ہمیشہ نیکی میں آگے ہوتا، میں تعجب کیا کرتا تھا کہ اس جیسا آدمی رافضی کس طرح ہوسکتا ہے، اس کے بعد میں نے اس کے متعلق ایسی باتیں سنی کہ جن کو سن کر دل کانپ اٹھتا ہے اور رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے ایک تیسرے آدمی کا ذکر کیا، جو تھوڑا سا رافضی تھا، اس کے بعد اس کی رافضیت نے اس قدر ترقی کی، حتی کہ اس نے صحابہ کی ایک جماعت کے عیوب پر ایک کتاب لکھ دی۔''

شوکانی کہتے ہیں:

''میں شروع میں اس کے بارے میں جانتا تھا کہ وہ بڑا پاک دامن اور سخت آدمی ہے، تو میں نے کہا: اگر کوئی رافضی پاک دامن ہے تو وہ یہ شخص ہے، لیکن اس کے بعد میں نے اس کے بارے میں ایسی ایسی باتیں سنی کہ خدا کی پناہ!''[1]

وہ مزید کہتے ہیں:

''اس فرقے کا یتیموں، مسکینوں اور جس پر ظلم کی طاقت رکھیں، ان کے اموال پر ٹوٹ پڑنا، کسی دلیل کا محتاج نہیں، بلکہ جو ان باتوں کے انکار کا دعویٰ کرتا ہے، اس کو یہ کہنا ہی کافی ہے کہ وہ خود ان کے حالات کا جائزہ لے تو اس کو ہماری تمام باتوں کے صحیح ہونے کا یقین ہو جائے گا۔''[2]

---

[1] طلب العلم (ص: ٧٣)

[2] المصدر السابق (ص: ٧٤)

یہ بڑے اہم مشاہدات ہیں، جو امام شوکانی نے لکھے اور یہ بیان کیا کہ رافضیت آدمی کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے اور اس کے مسلمانوں کے ساتھ تعلقات کو کس طرح بگاڑتی ہے، کیوں کہ شوکانی یمن میں اس رافضی فرقے کے ساتھ رہتے تھے، جو ''زیدیہ'' سے نکل کر رافضیت کے دائرے میں داخل ہوگیا تھا، جس کو جارودیہ کہا جاتا تھا،[1] جس کے بارے میں یہ باتیں عام ہیں۔

کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ یہ شوکانی کی گواہی ہے، جو رافضہ کا حریف تھا، اس لیے اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اہلِ سنت اس سے زیادہ انصاف پسند ہیں اور وہ اس فرقے پر ظلم کرنے یا جھوٹ بولنے سے کہیں زیادہ پرہیز کرنے والے ہیں، جس طرح واقعات نے ثابت کیا ہے، بلکہ وہ تو بعض رافضہ سے بھی زیادہ رافضہ کے خیر خواہ اور ان کے ساتھ عدل کرنے والے ہیں، اس بات کا وہ خود اعتراف کرتے اور کہتے ہیں:

''تم ہمارے ساتھ اتنا انصاف کرتے ہو کہ ہمارے بعض لوگ بھی دوسروں کے ساتھ اتنا انصاف نہیں کرتے۔''[2]

مجھے کلینی کی کتاب "الكافي" میں ایک بڑی اہم عبارت ملی ہے، جو امام شوکانی کے کلام کی تصدیق کرتی ہے اور جو انھوں نے کہا ہے، اس کی سچائی کی معترف ہے۔ اعتراف تمام دلیلوں کا سردار ہوتا ہے۔ یہ عبارت رافضی کے دوسرے لوگوں کے ساتھ تعلقات میں اس کے مزاج کو بیان کرتی ہے۔

"الكافي" میں ذکر ہوا ہے کہ ایک عبداللہ بن کیسان نامی شیعہ نے اپنے امام سے کہا:

''میں نے سر زمینِ فارس میں آنکھ کھولی ہے۔ میں تجارت وغیرہ کی وجہ سے لوگوں کے ساتھ میل ملاپ رکھتا ہوں۔ میں کسی ایسے آدمی کو ملتا ہوں، جو بڑا نیک صورت، اچھے اخلاق کا مالک اور بڑا امانت دار ہوتا ہے، جب میں اس کے بارے میں تحقیق کرتا ہوں تو وہ آپ کے دشمنوں (اہلِ سنت) سے نکلتا ہے، پھر میں ایسے آدمی سے ملتا ہوں، جو بڑا بد اخلاق، بد کردار اور بد دیانت ہوتا ہے، جب میں اس کے بارے میں تحقیق کرتا ہوں تو وہ آپ کے ساتھ موالات رکھنے والوں (شیعہ) میں سے نکلتا ہے...۔''[3]

---

[1] زیدیہ جارودیہ، اگرچہ زیدیہ کا نام استعمال کرتے ہیں، لیکن حقیقت میں یہ رافضہ ہیں، جو صحابہ کرام کی تکفیر کرتے ہیں۔ امامیہ کے عالم مفید نے اپنی کتاب "أوائل المقالات" میں زیدیہ کو شیعیت سے خارج قرار دیا ہے، لیکن ان میں سے جارودیہ کو شیعہ ہی قرار دیتا ہے، کیوں کہ وہ اس کے مذہب پر عمل پیرا ہیں۔ اسی کتاب کا صفحہ (٦٣) دیکھیں۔

[2] منهاج السنة (٣/ ٣٩)

[3] أصول الكافي (٢/ ٤) تفسير نور الثقلين (٤/ ٤٧)

یہ روایت اہلِ سنت کو بااخلاق، باکردار اور امانت دار بیان کرتی ہے، جب کہ رافضہ کو ان صفات کے متضاد صفات سے متصف کرتی ہے۔

کافی کی ایک دوسری روایت میں ہے:

''ایک آدمی نے اپنے رافضی دوستوں کی بھڑکیلی طبیعت، تیز مزاجی اور بیوقوفی کا اپنے امام سے شکوہ کیا اور اس نے کہا کہ اس کو یہ سب دیکھ کر بہت زیادہ رنج ہوتا ہے، جب کہ ان کے برعکس وہ اپنے مخالفین یعنی اہلِ سنت کو حسن سیرت و کردار کا مالک دیکھتا ہے تو ان کے امام نے کہا: حسنِ سمت (کردار) نہ کہو، کیوں کہ سمت کا مطلب طریق ہوتا ہے،[1] لیکن حسن السیما (بہترین نشان والے) کہتے ہیں: کیونکہ قرآن میں ہے: ﴿سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ﴾ [الفتح: ۲۹]، وہ کہتا ہے: میں اس کو حسن السیما اور باوقار پاتا ہوں تو اس کی وجہ سے رنجیدہ ہوجاتا ہوں۔''[2]

عبداللہ بن ابی یعفور نامی ایک تیسرا شیعہ اہلِ سنت کے اخلاق اور شیعہ کے اخلاق میں زمین و آسمان جتنا فرق دیکھ کر تعجب کا اظہار کرتا اور اپنے امام کے سامنے یہ بات اٹھاتے ہوئے کہتا ہے:

''میں لوگوں سے ملتا جلتا ہوں، تو ان لوگوں کو دیکھ کر میرا تعجب بڑھ جاتا ہے، جو فلاں فلاں (ابوبکر و عمر) کے ساتھ موالات رکھتے ہیں، وہ امانت، سچائی اور وفا کے پیکر ہیں اور ایک وہ قوم (رافضہ) ہے جو آپ کے ساتھ موالات رکھتی ہے، جن میں اس طرح کی امانت داری ہے نہ سچائی اور نہ وفا ہی!

وہ کہتا ہے: ابوعبداللہ سیدھے ہوکر بیٹھ گئے اور وہ غضب ناک ہوکر میری طرف متوجہ ہوئے، پھر کہا: جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیر متعین اور ظالم امام کی امامت کو تسلیم کرتا ہے، اس کا کوئی دین نہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ عادل امام کی ولایت کا دین کا رکھتا ہے، اس پر کوئی عتاب نہیں۔ میں نے کہا: اُن کا کوئی دین نہیں اور اِن پر کوئی عتاب نہیں؟ انھوں نے کہا: ہاں۔''[3]

---

[1] لغت میں یہ بات معلوم شدہ ہے کہ سمت کا معنی طریق کے ساتھ ساتھ وقار اور ہیئت بھی ہوتا ہے۔ مصباح اللغات میں مذکور ہے کہ سمت کا معنی طریق، قصد، سکینت، وقار اور ہیئت ہے۔

[2] أصول الكافي (۲/ ۱۱) اس شکوے کے بعد شیعہ امام کا جواب شیعہ کے عقیدہ طینہ کی بنا پر تھا، جس سے ہر دو فریق کی تخلیق ہوئی ہے۔ وہ اس حقیقت کا اثبات کرتا ہے، نفی نہیں۔ اس سلسلے میں شیعہ کے عقیدہ طینہ کے متعلق تفصیل کے لیے اسی کتاب کا صفحہ (۹۹۶) ملاحظہ کریں۔

[3] أصول الكافي (۱/ ۳۷۵)

یہ جواب جو شیعہ سے سزا و سرزنش اور مذمت کی نفی کرتا ہے، چاہے وہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب ہی کیوں نہ کریں، اسی نے ان کو لوگوں کے ساتھ اس طرح تعلق رکھنے کے اس گہرے گڑھے میں گرنے اور گناہوں کے ارتکاب پر جرأت مہیا کی ہے، کیوں کہ ان کا دین ولایتِ علی ہے اور علی کی محبت ایک ایسی نیکی ہے، جس کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ گناہ نہیں رہتا۔ جب تک اس بنیاد کی اصلاح نہیں کی جا سکے گی، تب تک یہ بدعات ان کے اندر موجود رہے گی۔

یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ ان کی کتابیں نظریہ اغتیال (دھوکے سے قتل کرنا) کو بھی مقرر کرتی ہیں، ان کے پروٹوکول کے مطابق، اس وقت اس اسلوب کے ساتھ دشمن کا کام تمام کرنا جائز ہے، جب اس کا شیعہ کو کوئی نقصان پہنچنے کا خدشہ نہ ہو۔

شیعہ کی کتابیں نقل کرتی ہیں کہ داود بن فرقد نے کہا: میں نے ابوعبداللہ سے پوچھا: ناصبی کو قتل کرنے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ انھوں نے جواب دیا: اس کا خون بہانا حلال ہے، لیکن میں تجھ سے تقیہ کرتا ہوں، اگر تو طاقت رکھے کہ اس پر دیوار گرا دے یا پانی میں ڈبو دے، تو یہ کر گزر، تاکہ تجھ پر کوئی گواہی نہ دے سکے۔[1]

رجال الکشی میں ایک شیعہ کا واقعہ لکھا ہوا ہے، جو اپنے امام کو بتاتا ہے کہ وہ کس طرح اس کے مخالفین کے ایک گروہ کو قتل کرنے میں کامیاب ہوا، وہ کہتا ہے:

''میں بعض کو سیڑھی کے ذریعے چھت پر چڑھا کر قتل کر دیتا، بعض کو میں رات کے وقت بلاتا اور قتل کر دیا، بعض کو مَیں اپنے ساتھ لے جاتا اور ویران جگہ میں جا کر قتل کر دیتا۔''[2]

وہ کہتا ہے کہ اس نے اس طریقے سے تیرہ مسلمانوں کو قتل کیا، کیوں کہ، اس کے دعوے کے مطابق، وہ حضرت علی سے براءت کا اظہار کرتے تھے۔[3]

شیعہ کا عالم نعمت جزائری کہتا ہے کہ ان کی روایات میں ہے:

''علی بن یقطین[4] ہارون الرشید کا وزیر تھا، اس کی قید میں مخالفین کا ایک گروہ اکٹھا ہوا، اس نے اپنے

---

[1] ابن بابويه: علل الشرائع (ص: ٢٠٠) الحر العاملي: وسائل الشيعة (١٨/ ٤٦٣) المجلسي: بحار الأنوار (٢٧/ ٢٣١)

[2] رجال الكشي (ص: ٣٤٢۔ ٣٤٣)

[3] المصدر السابق.

[4] جزائری نے اس کے متعلق بیان کیا ہے کہ وہ شیعہ کا خاص فرد تھا۔ (الأنوار النعمانية: ٢/ ٣٠٨) امام طبری نے ذکر کیا ہے کہ اسے زندیقیت کی وجہ سے قتل کیا گیا تھا۔ اسی کتاب کا صفحہ (٦٢٢) دیکھیں۔

لڑکوں کو حکم دیا کہ وہ اس پر جیل کی چھت گرا دیں، وہ چھت ان قیدیوں پر گری اور وہ سارے وہیں مر گئے، وہ تقریباً پانچ سو تھے۔ اس نے ان کے خون کے مابعد اثرات سے چھٹکارا پانا چاہا تو اپنے امام مولانا کاظم کے پاس ایک پیغام بھجوایا، جس کا انھوں نے یہ جواب دیا کہ اگر تو ان کو قتل کرنے سے پہلے میرے پاس آتا تو تجھ پر ان کے خون کے حوالے سے کوئی بوجھ نہ ہوتا، چوں کہ تم میرے پاس نہیں آئے، اس لیے اب ہر ایک کی طرف سے ایک بکرے کا کفارہ ادا کر، ان سے تو بکرا بھی بہتر ہے۔"[1]

دیکھیے! کس طرح یہ مسلمانوں کے درمیان رہتے ہیں اور ان کو قتل کرنے کے لیے چھوٹے سے چھوٹے موقعے کی بھی تلاش میں رہتے ہیں؟!

یہ شیعہ کے اعترافات ہیں، جو ان کے بدنما آثار پر گواہی پیش کرتے ہیں۔ یہاں اس کا امام اس کو پانچ سو مسلمانوں کے قتل کرنے پر کچھ نہیں کہہ رہا، بلکہ اس پر راضی ہے، کیوں کہ وہ رافضی نہیں تھے۔ صرف اس کو یہ کہہ رہا ہے کہ اس نے چوں کہ پہلے اجازت نہیں لی تھی، اس لیے ہر ایک کے کفارے کے طور پر ایک بکرا ذبح کر دے۔

اس سے ثابت ہوا کہ کوئی شیعہ اگر اپنے امام یا نائب امام سے، جو آج کے دور میں فقیہ ہے، اجازت لے لے، تو جو چاہے کرتا پھرے اور اگر اجازت نہ لے تو پھر ایک بکرے کو ذبح کرنے سے کوئی بڑی چیز نہیں۔ شیعہ کا عالم نعمت اللہ جزائری بکرے کی دیت پر حاشیہ لکھتے ہوئے کہتا ہے:

"یہ عظیم الشان دیت کو دیکھیے! جو ان کے چھوٹے بھائی، شکاری کتے کی دیت کے بھی برابر نہیں، اس کی دیت بھی بیس درہم ہے اور نہ ان کے بڑے بھائی یعنی یہودی، یا مجوسی کے دیت کے برابر ہے، جس کی دیت ۸۰۰ درہم ہے، آخرت میں ان کی حالت اس سے بھی گندی اور حقیر ہوگی۔"[2]

یہ اتنا گندا اور بدنما قول ہے، جو کسی تبصرے کا محتاج نہیں۔ یہ ان کے دلوں میں اہلِ سنت کے خلاف بھڑکنے والے کینے کو خود بول کر بیان کر رہا ہے کہ وہ شیعہ کے نزدیک مجوسیوں سے بھی بڑے کافر ہیں!!

۲ داخلی فتنے:

یہ ان کے وہ فتنے ہیں، جو یہ سالانہ ماتمی جلوسوں میں صحابہ کرام پر تبرا بازی کر کے بھڑکاتے ہیں۔ چوتھی صدی ہجری میں جب سے بغداد میں بنو بویہ نے محرم کے مہینے میں تعزیہ نکالنے اور عاشورہ کی رسوم ادا کرنے کا آغاز کیا، تب سے شیعہ ان سالانہ جلوسوں اور تعزیوں کے ذریعے بے انتہا فتنوں کو اٹھاتے ہیں۔ شیعہ کے

[1] الأنوار النعماية (۲/ ۳۰۸)

[2] الأنوار النعمانية (۲/ ۳۰۸)

صحابہ کرام پر تبرا کرنے کی وجہ سے اہلِ سنت اور شیعہ کے درمیان شدید جھگڑے جنم لے لیتے ہیں۔

بغداد کی تاریخ میں سب سے پہلے ۳۴۸ھ کو پہلے فتنے کا آغاز ہوا۔[1] اس کے بعد ان دونوں جماعتوں کے درمیان فتنوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوگیا،[2] جس کے نتیجے میں بہت زیادہ مسلمانوں کا خون بہایا گیا اور آج تک عالمِ اسلام میں جہاں شیعہ پائے جاتے ہیں، وہاں اس بدعت کے اثرات موجود ہیں۔

کتنی جانوں کو ہلاک کیا گیا، کتنی نفرتوں کو بویا گیا، کتنے فرقے، فتنے اور مصائب پہنچائے گے، اس کے باوجود آج شیعہ کا امام خمینی اس فتنے کی آگ پر مزید تیل ڈالتے ہوئے ایرانی ٹیلی ویژن پر ایک خطاب میں کہتا ہے:

> ''شروع اسلام سے لے کر آج تک نجات والے فرقے کا ایک ہی شعار اور ایک ہی علامت ہے اور وہ ہے ماتمی جلوس اور تعزیے نکالنا۔''[3]

نیز وہ کہتا ہے:

> ''سید الشہداء پر گریہ کرنا اور حسینی مجالس قائم کرنا ہی وہ عمل ہے، جس نے چودہ صدیوں سے اسلام کو محفوظ کیا ہوا ہے۔''[4]

شیعہ کے بعض علما کا یہ قول بھی پہلے گزر چکا ہے کہ ماتمی جلوس نکالنا اللہ تعالیٰ کے شعائر کی تعظیم ہے۔[5]

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے اس دن شہادت سے نوازا، ان کے سامنے ان سے پہلے شہید ہونے والے شہدا کا نمونہ بھی موجود تھا۔ ان کا قتل ہونا ایک بہت بڑی مصیبت تھی اور اللہ تعالیٰ نے مصیبت کے وقت ''انا للہ و انا الیہ راجعون'' کہنے کا حکم دیا ہے۔[6] رافضہ آج جو تعزیے نکالتے اور دیگر کام کرتے ہیں، ان کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ اس بدعت کو ایجاد کرنے والوں اور اس کی حوصلہ افزائی کرنے والوں کا مقصد امتِ اسلام کو اپنے ہی ساتھ مشغول رکھنا ہے، تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کے دین کو پھیلانے کے لیے فارغ نہ ہوسکے۔

---

[1] عبد الرزاق الحصان: المهدي والمهدوية (ص: ۷٤)

[2] مثلاً دیکھیں: حوادث سنة ٤٠٦، ٤٠٨، ٤٢١، ٤٢٢، ٤٢٥، ٤٣٩، ٤٤٣، ٤٤٤، ٤٤٥، ٤٤٧، ٤٧٨، ٤٨١، ٤٨٢، ٤٨٦، ٥١٠ إلخ في البداية والنهاية اور دیگر تاریخی کتابیں۔

[3] اسے ایرانی سنی عالم محمد ضیائی نے مجلّہ ''المجتمع'' (العدد: ٥٨٩، السنة الثالثة، ١٨/ ذوالحجه ١٤٠٢ھ) میں نقل کیا ہے۔

[4] جريدة ''الاطلاعات'' (العدد: ١٥٩٠١) في تاريخ ١٦/ ٨/ ١٣٩٩ھ بحوالہ ''إقناع اللائم على إقامة المآتم'' ٹائٹل پیج۔

[5] اسی کتاب کا صفحہ (١١٣٦) دیکھیں۔

[6] مجموع فتاویٰ شيخ الإسلام (٥١١)

اباحیت:

معاشرتی میدان میں شیعہ کے ثمرات کی جھلک اس اباحیت میں نظر آتی ہے، جس کی یہ دعوت دیتے، اس کے اسباب مہیا کرنے میں آسانیاں فراہم کرتے اور اسلامی معاشرے کے وسط میں "عارية الفرج" [1] (شرم گاہ عاریہ لینا) یا متعہ کے نام پر زنا کی پریکٹس اور اس کا ارتکاب کرتے ہیں، کیوں کہ ان کے متعے کا مطلب ہے: کسی بھی عورت کے ساتھ بدکاری کرنے کے لیے خفیہ معاہدہ کرنا [2]، خواہ وہ عورت کوئی فاحشہ [3] ہو یا خاوند والی یا شادی شدہ۔ [4]

اس لیے وہ کہتے ہیں کہ وہ اس کے ساتھ ایک دن کے لیے یا ایک دو مرتبہ کے لیے معاہدہ کر سکتا ہے۔ [5]

---

[1] شیعہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ "حسن عطار نے کہا: میں نے ابوعبداللہ سے شرم گاہ عاریتاً لینے کے متعلق دریافت کیا تو اس کا جواب تھا: اس میں کوئی حرج نہیں۔" (وسائل الشيعة: ٧/ ٥٣٦، تهذيب الأحكام للطوسي: ٢/ ١٨٥، الاستبصار: ٣/ ١٤١)

[2] طوسی کہتا ہے: "عورت کے باپ کی اجازت، گواہوں اور اعلان کے بغیر اس سے متعہ کرنا جائز ہے ..." (النهاية، ص: ٤٩٠)

[3] طوسی کہتا ہے: "اس میں کوئی حرج نہیں کہ آدمی فاحشہ عورت سے متعہ کرے۔ (النهاية، ص: ٤٩٠)

خمینی کہتا ہے: "زانیہ کے ساتھ متعہ کرنا جائز ہے۔" (تحرير الوسيلة: ٢/ ٢٩٢) شیعہ کی روایات میں منقول ہے کہ اسحاق بن جریر نے کہا: میں نے ابوعبداللہ سے کہا: یہاں کوفہ میں ایک مشہور بدکار عورت ہے، کیا میرے لیے اس کے ساتھ نکاحِ متعہ کرنا جائز ہے؟ انھوں نے کہا: کیا اس نے جھنڈا لگایا ہوا ہے؟ میں نے کہا: نہیں، اگر اس نے جھنڈا لگایا ہوتا تو اس کو بادشاہ لے جاتا۔ انھوں نے کہا: ٹھیک ہے، تم اس کے ساتھ نکاحِ متعہ کر سکتے ہو۔ وہ کہتا ہے: پھر انھوں نے اپنے ایک دوست کے کان میں کچھ کہا۔ میں بعد میں اس سے ملا اور اس سے پوچھا کہ تمھارے کان میں انھوں نے کیا کہا تھا؟ اس نے جواب دیا: انھوں نے کہا تھا: اگر اس نے جھنڈا لگایا ہوتا تو اس پر اس کے ساتھ شادی کرنے میں کچھ نہ ہوتا، وہ صرف اس عورت کو حرام سے نکال کر حلال میں داخل کر دیتا۔ (وسائل الشيعة: ١٤/ ٤٥٥، تهذيب الأحكام: ٢/ ٢٤٩)

[4] شیعہ کی روایات میں محمد بن عبداللہ اشعری سے مروی ہے کہ میں نے امام رضا (علیہ السلام) سے کہا: آدمی کسی عورت کے ساتھ شادی کرتا ہے، بعد میں اس کے دل میں خیال آتا ہے کہ اس کا تو پہلے سے خاوند ہے۔ انھوں نے کہا: اس پر کچھ نہیں ..." (وسائل الشيعة: ١٤/ ٤٥٧، بحواله تهذيب الأحكام: ٢/ ١٨٧) اس سے کہا گیا (یعنی جعفر سے جس طرح یہ خیال کرتے ہیں) ایک آدمی نے ایک عورت سے نکاحِ متعہ کیا تو بتایا گیا: اس کا تو خاوند ہے؟ تو اس نے اس عورت سے پوچھا۔ ابو عبداللہ نے کہا: اس نے اس عورت سے کیوں پوچھا؟ (المصدر السابق) اس لیے شیعہ کے شیخ طوسی نے کہا: "آدمی کو یہ نہیں پوچھنا چاہیے کہ اس کا خاوند ہے کہ نہیں۔" (النهاية، ص: ٤٩٠)

[5] دیکھیں: النهاية للطوسي (ص: ٤٩١) الخميني: تحرير الوسيلة (٢/ ٢٩٠) شیعہ کی روایات میں خلف بن حماد کی روایت سے ذکر ہوا ہے کہ اس نے کہا: میں نے ابوالحسن کو سوال بھیجا کہ متعہ کی کم از کم مدت کیا ہے؟ کیا ایک ہی مرتبہ ملاپ کی شرط پر آدمی متعہ کر سکتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ (فروع الكافي: ٢/ ٤٦، وسائل الشيعة: ١٤/ ٤٧٩)

شیعہ کے ایک آدمی نے شیخ محمد نصیف کو بتایا کہ ان کے ہاں باری کا متعہ بھی کیا جاتا ہے، جس کو شیعہ کے علما نے وضع کیا ہے۔[1]

اسی وجہ سے علامہ آلوسی کہتے ہیں:

''جو شخص اس زمانے میں رافضہ کے ہاں متعہ کے حالات کا جائزہ لیتا ہے، وہ ان پر زنا کاری کا حکم لگانے میں کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ ایک عورت ایک دن اور ایک رات میں بیس مردوں سے زنا کرتی ہے اور کہتی ہے کہ وہ متعہ کر رہی ہے۔

''شیعہ کے ہاں متعہ کرنے کے لیے مخصوص بازار لگائے گئے ہیں، جہاں عورتیں کھڑی ہوتی ہیں، ان کے باقاعدہ دلال اور بھڑوے ہوتے ہیں، جو مردوں کو عورتوں کے پاس لے کر آتے ہیں اور عورتوں کو مردوں کے پاس۔ جس کو جو پسند آئے، وہ اس کو منتخب کرتا ہے، زنا کی اجرت متعین کی جاتی ہے اور وہ ان کے ہاتھ پکڑ کر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور غضب کی راہ پر چل نکلتے ہیں ...۔''[2]

اس کے بعد انھوں نے وہاں ہونے والے کاموں کی کچھ تفاصیل اور واقعات ذکر کیے۔[3] یہ لوگ مردوں اور عورتوں دونوں کو اس بدکاری پر ترغیب اور ترہیب کے ذریعے اکساتے ہیں اور اس کو افضل عمل قرار دیتے ہیں،[4] وہ کہتے ہیں کہ جو اس سے بچتا ہے، قیامت کے دن اس کا مقدر ہلاکت ہوگا۔[5]

[1] باری کا متعہ یا گنتی کے متعہ کی یہ صورت ہے کہ لوگوں کا ایک گروہ ایک ہی عورت کو متعہ کرنے کے لیے کہے اور وہ ہر ایک کی باری مقرر کر لیں۔ (دیکھیں: مختصر تحفة الإثنی عشرية، ص: ٢٢٧) نجف کے بعض مدارس میں اس کے عام استعمال کی تفاصیل جاننے کے لیے شیخ عانی کی کتاب "الذريعة لإزالة شبه كتاب الشيعة" (ص: ٤٥۔ ٤٦) کا مطالعہ کریں۔
شیخ محمد نصیف نے شیعہ عالم احمد سرخان کے ساتھ مکالمے کے دوران میں باری کے متعے کے بارے میں اس کے منہ سے اعتراف اگلوایا۔ شیخ نصیف نے شیعہ عالم سے کہا: اہلِ سنت کے ہاں تو متعہ منسوخ ہے اور یہ شیعہ کے ہاں منسوخ ثابت نہیں، لیکن باری کے متعے کے بارے میں میں آپ لوگوں کی دلیل نہیں جانتا؟ اس شیعہ نے اس کا جواب دیا کہ عورت کے ساتھ متعہ کرنے والا، متعہ کرنے کے بعد اس کے ساتھ دائمی نکاح کر لیتا ہے، پھر دخول سے پہلے اس کو طلاق دے دیتا ہے۔ اس طرح اس عورت پر عدت نہیں ہوتی اور دوسرا اس کے ساتھ متعہ کر لیتا ہے اور آخر میں پہلے والے کی طرح کا کام کرتا ہے۔ اس طریقے سے عورت عدت کے بغیر ہی کئی مردوں کے پاس چکر لگا لیتی ہے۔ (دیکھیں: مجلة الفتح، شماره نمبر ٨٤٥، تاريخ إجراء: رجب ١٣٦٦ھ)

[2] كشف غياهب الجهالات (الورقة: ٣ مخطوط)

[3] المصدر السابق.

[4] اس موضوع پر شیعہ کی ایک روایت ہے کہ ''جو اس حالت میں دنیا سے گیا کہ اس نے متعہ نہ کیا ہو تو وہ قیامت کے دن ناک اور کان کٹا ہوگا۔'' (تفسير منهج الصادقين، ص: ٣٥٦)

[5] شیعہ کی بہت زیادہ روایات ہیں، جو اس کو سب سے بڑی عبادت قرار دیتی ہیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ پر وضع کردہ ←

اسی طرح شیعہ کے علما عورتوں کے ساتھ قومِ لوط والا عمل کرنا بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ شیعہ کا امام خمینی کہتا ہے:

''قوی تر اور واضح تر یہی موقف ہے کہ بیوی کی دبر میں جماع کرنا جائز ہے۔''[1]

اب اس گراوٹ کا ابن نجیم کے اس قول سے کیا مقابلہ، جو کہتا ہے:

''بیوی کے ساتھ لواطت کو جائز کرنا جمہور کے نزدیک کفر ہے۔''[2]

یہ مجموعی صورت حال مزدک اور بابک کے پیروکار خرمیہ فرقے کی اباحیت سے ملتی جلتی ہے، بلکہ یورپ کی اباحیت پسندی سے کم نہیں۔ انھوں نے اس اخلاقی گراوٹ اور جنسی بے راہ روی کو ستے متعے کے دلدادہ افراد کو گمراہ کرنے اور شیعہ مذہب قبول کرنے پر اُکسانے کے لیے استعمال کیا، جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے۔[3]

بلکہ شیعہ کی روایات صریح زنا کو، اگر وہ اجرت ادا کر کے کیا جائے، حلال قرار دیتی ہیں۔ عبدالرحمٰن بن کثیر، ابوعبداللہ سے روایت کرتا ہے کہ انھوں نے کہا: ایک عورت عمر (رضی اللہ عنہ) کے پاس آئی اور کہنے لگی: میں نے زنا کیا ہے، مجھے پاک کریں۔ انھوں نے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا۔ امیر المومنین کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے اس

➜ ایک حدیث میں یہاں تک کہا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے ایک مرتبہ متعہ کیا، اس کو حسین کا درجہ حاصل ہوگا، جس نے دو مرتبہ متعہ کیا، اس کو حسن کا درجہ ملے گا، جس نے تین مرتبہ متعہ کیا، اس کا درجہ علی کے درجے جیسا ہوگا اور جس نے چار مرتبہ متعہ کیا تو اس کا رتبہ میرے رتبے جیسا ہوگا۔ (تفسیر منہج الصادقین، ص: ٣٥٦)

بلکہ انھوں نے بدکاری پر اُکسانے والا ہر دروازہ کھولا ہے۔ جو شخص ان کی اس موضوع پر روایات کا مطالعہ کرتا ہے، اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ ان کو گھڑنے والے اباحیت پسند لوگ تھے، جو مسلمانوں کی عورتوں سے متعہ کرنا اور جنسی لذت اٹھانا چاہتے تھے۔

اس سلسلے میں انھوں نے جو روایات وضع کیں، ان میں ایک یہ بھی ہے: ''جب آدمی کسی عورت سے نکاحِ متعہ کرتا ہے، تو وہ اس کے ساتھ جو بات کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس کے لیے ایک نیکی لکھ دیتا ہے، ابھی وہ اس کی طرف ہاتھ بھی نہیں بڑھاتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک نیکی لکھ دیتا ہے ... یہاں تک کہ وہ کہتا ہے کہ جب وہ غسل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے جسم کے بالوں کے برابر گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔'' (وسائل الشیعة: ١٤/ ٤٤٢، من لا یحضره الفقیه: ٢/ ٥١)

انھوں نے یہ خیال آرائی بھی کی ہے کہ ایک عورت نکاح کے پیغام کو رد کر دیتی، کیوں کہ وہ نکاح کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتی تھی، لیکن اس نے عمر (رضی اللہ عنہ) کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے، جس طرح روایت کہتی ہے، اپنے چچا زاد کو پیغام بھیجا کہ وہ اس کے ساتھ نکاحِ متعہ کرنا چاہتی ہے۔ یعنی یہ عورت شرعی نکاح پر زنا کو ترجیح دے رہی ہے۔ (متعہ کے مزعوم ثواب کی تفصیل جاننے کے لیے ''وسائل الشیعة'' کے باب ''استحباب المتعة: ١٤/ ٤٤٢...) کا مطالعہ کریں۔

[1] تحریر الوسیلة (٢/ ٢٤١)

[2] الأشباه والنظائر (ص: ١٩١)

[3] اسی کتاب کا صفحہ (١٢٢٩) دیکھیں۔

سے پوچھا کہ تم نے کس طرح زنا کیا؟ اس نے کہا: میں ایک دیہات سے گزر رہی تھی کہ مجھے شدید پیاس لگ گئی، میں نے ایک دیہاتی سے پانی مانگا، تو اس نے کہا کہ اگر تم اپنا آپ میرے سپرد کر دو تو تب پانی دوں گا، وگرنہ نہیں۔ جب مجھے پیاس نے نڈھال کر دیا اور مجھے خدشہ ہوا کہ میں پیاس سے مر جاؤں گی، تو اس نے مجھے پانی پلایا، تو میں نے اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیا۔ امیر المومنین نے کہا: ''کعبہ کے رب کی قسم! یہ تو نکاح ہے۔''[1]

یہ لوگ اپنی اس اباحیت کو اپنی قوم تک ہی محدود نہیں رکھتے، بلکہ ان کا امام انھیں وصیت کرتا ہے کہ اہلِ سنت کی عورتوں[2] اور یہود و نصاریٰ کی عورتوں کو بھی نکاحِ متعہ کی پیش کش کریں۔[3] چنانچہ ان کی اباحیت اور بے راہ روی بڑی وسیع پیمانے پر تباہی پھیلا رہی ہے، جس معاشرے میں داخل ہو جاتی ہے، اس کو برباد کر کے رکھ دیتی ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے درمیان رہ کر، اسلام کا نام لے کر زنا اور بدکاری کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ شیعہ کے اقوال ان کے آثار کے شاہد ہیں۔

---

[1] فروع الكافي (٢/ ٤٨) وسائل الشيعة (١٤/ ٤٧١۔ ٤٧٢)

[2] دیکھیں: وسائل الشيعة (١٤/ ٤٥٢) و فروع الكافي (٢/ ٤٤)

[3] دیکھیں: وسائل الشيعة (١٤/ ٤٥٢) تهذيب الأحكام (٢/ ١٨٨) من لا يحضره الفقيه (٢/ ١٤٨)

معاشی میدان

شیعیت کے معاشی میدان میں مسلمانوں کی زندگی پر مختلف صورتوں میں اثرات رہے ہیں۔ شیعہ سربرآوردہ شخصیات زمانہ قدیم ہی سے حقِ آلِ بیت کے جھوٹے اور بے بنیاد دعوے کی بنا پر مسلمانوں کا مال لیتے رہے ہیں، ان اموال کو یہ اپنے ذاتی مفادات کے حصول اور امت کے خلاف سازشیں بننے اور ریشہ دوانیاں کرنے کے لیے استعمال کرتے رہے ہیں۔

ایک خطرناک فیصلہ سماعت فرمائیں:

شیعہ کی کتابیں کہتی ہیں:

''ابوالحسن جب فوت ہوا تو اس کے تمام نگرانوں کے پاس خطیر مال تھا۔ اسی وجہ سے انھوں نے اس کی موت کا انکار کیا اور اس پر توقف کیا۔ زیاد قندی کے پاس ۷۰ ہزار دینار تھے، علی بن حمزہ کے پاس تیس ہزار دینار تھے، ایک نگران کا نام عثمان بن عیسیٰ تھا، یہ مصر میں تھا، اس کے پاس بہت زیادہ مال اور چھے لونڈیاں تھیں۔ وہ کہتا ہے: اس کو ابوالحسن رضا نے ان کے اور مال کے بارے میں لکھا کہ وہ اس کو واپس کر دے، تو اس نے جواب دیا کہ تمھارا باپ فوت نہیں ہوا۔ اس نے اس کو لکھ کر بھیجا کہ میرا باپ فوت ہوگیا ہے، ہم نے اس کی وراثت تقسیم کر لی ہے اور اس کی موت کی خبر صحیح ہے، تو اس نے جواب دیا کہ اگر تمھارا باپ فوت نہیں ہوا تو تمھارے لیے کچھ نہیں اور اگر فوت ہوگیا ہے تو اس نے مجھے تجھے کچھ دینے کے لیے کچھ نہیں کہا۔ میں نے لونڈیوں کو آزاد کر کے ان کے ساتھ شادی کر لی ہے۔''[1]

یہ اقتباس اثنا عشریہ کی کتابوں سے ماخوذ ہے۔ ہم اس پہلو کو نظر انداز کرتے ہیں، جس کے لیے انھوں نے یہ روایت وضع کی (انھوں نے اپنے امام رضا کے قول سے توقف کا نظریہ غلط ثابت کرنے کے لیے یہ

---

[1] الإمامة: لعلي بن الحسين بن بابويه [والد الصدوق] (ص: ٧٥) نیز دیکھیں: رجال الكشي (ص: ٤٩٣، رقم: ٩٤٦) (ص: ٥٩٨، رقم: ١١٢٠) بحار الأنوار (٤٨/ ٢٥٣) الطوسي: الغيبة (ص: ٤٣)

روایت بنائی) اور اس دوسرے پہلو کو لیتے ہیں، جو پردے کے پیچھے ان کے مال پر ٹوٹ پڑنے کی سرگرمیوں کو بیان کرتا ہے۔ یہ لوگ جو شہروں میں گھومتے اور ان میں سے ہر کوئی کسی امام کی طرف بلاتا، ان کا اصل مقصد زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنا ہوتا۔

وہ ائمہ کے نام پر ان خود ساختہ دعوتی سرگرمیوں کے ذریعے سے مال کے ڈھیر جمع کرتے، جن کو یہ خفیہ عناصر آپس میں تقسیم کر لیتے۔ امتِ اسلامیہ کی تاریخ میں ظاہر ہونے والی بہت ساری شیعہ تحریکوں پر اگر غور کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ یہ تحریکیں امت کو دشمنوں سے غافل کرنے کے قوی ترین عوامل میں سے ایک عامل تھیں اور ان تنظیموں کی مالی امداد کا ماخذ کم عقل پیروکاروں سے آلِ بیت کے نام پر لیا جانے والا ''خمس'' تھا۔

بلکہ عالمِ اسلام میں آج بھی شیعہ تحریکوں کی اسی مصدر اور سرچشمے سے مالی معاونت کی جاتی ہے۔ شیعہ کے ''آیات'' دنیا کے بڑے بڑے سرمایہ داروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ آیت اور مرجع کا منصب ہر ایک کا مطمحِ نظر ہوتا ہے، کیوں کہ یہ سونے اور چاندی کے خزانوں کا منصب ہے۔

یہ مالی امدادی پہلو ماضی میں بھی اور آج بھی چھاپہ خانوں کو غذا مہیا کرتا ہے، جو سالانہ ہزاروں ایسی منشورات، کتابچے، کتابیں اور مآخذ چھاپتے ہیں، جو امتِ اسلام اور دینِ اسلام کے خلاف مواد سے بھرے ہوتے ہیں، ان فریب خوردہ پیروکاروں کی طرف سے شیعہ مراجع اور آیات کے قدموں میں پیش کیا جانے والا مال شیعیت کے پھیلاؤ اور اس کے اثر و نفوذ کا باعث بنا ہے۔ یہ آیات اور مراجع عام آدمی کی خواہشات کو مدنظر رکھ کر اپنے فتوے جاری کرتے ہیں، بلکہ ان کی خاطر داری کے لیے حقیقت کو چھپا لیتے ہیں۔[1] تشیع کے شیوخ و علما نے خمس کے نام پر چھیننے والے مال کے معاملات پر غیر معمولی توجہ دی ہے، جو ان کا ایک درہم بھی روکنا جائز سمجھے اس کو کافروں کی صف میں داخل کر دیتے ہیں۔[2]

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۱۰۶۸) دیکھیں۔

[2] وہ کہتے ہیں: جس نے اس سے ایک درہم یا اس سے بھی کم قیمت کسی چیز کو اس کے پاس پہنچانے سے روکا، وہ ان پر ظلم کرنے والوں (یعنی شیعہ کے خیال کے مطابق آلِ بیت پر ظلم کرنے والا) اور ان کا حق غصب کرنے والوں میں شامل ہوگا۔ بلکہ جس نے اس کو حلال سمجھا، وہ کافروں میں ہو جائے گا۔

ابو بصیر سے مروی روایت میں ہے: ''میں نے ابو جعفر سے کہا: وہ کیا معمولی سی چیز ہے، جس کے ساتھ آدمی جہنم میں داخل ہو جائے گا؟ انھوں نے جواب دیا: جس نے یتیم کے مال کا ایک درہم بھی کھایا اور ہم یتیم ہیں...۔'' (اليزدي: العروة الوثقى وبهامشها تعليقات مراجعهم في هذا العصر: ٢/ ٣٦٦) ڈاکٹر علی سالوس اس قانون پر طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں: اگر آج مسلمان چاہتے ہیں کہ جعفری ان کو کافر نہ کہیں تو ان کو چاہیے کہ اپنی آمدنی کا پانچواں حصہ جعفری علما کی خدمت میں پیش کر دیں!! (علی السالوس: أثر الإمامة في الفقه الجعفري، ص: ٣٩٤، حاشيه)

اسلامی فقہ کے ذخیرہ کتب کا مطالعہ کرنے والا شخص ''خمس'' کے نام پر کوئی مستقل کتاب نہیں پائے گا، بلکہ مالِ غنیمت کے خمس (پانچواں حصہ) کے متعلق احادیث کتاب الجہاد میں ملاحظہ کرے گا اور مدفون خزانوں کے خمس کے متعلق کتاب الزکاۃ میں حدیث ملے گی۔ لیکن شیعہ کے نزدیک معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے، ان کی کتابوں میں خمس کے لیے ایک مستقل فصل ہے، جس میں وہ اپنے پیروکاروں پر اپنے مالوں سے پانچواں حصہ نکالنا ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس کی کچھ تفصیل اس طرح ہے:

''سال کے اخراجات سے بچ جانے والا تجارتی، صنعتی، زرعی، منافع، کرائے کی آمدنی، مختلف پیشوں کی آمدن جیسے: درزی کا کام، لکھنے کا کام، نجاری کا کام، شکار، جائز چیزیں جمع کرنے کا کام، حج، نماز، روزے جیسی عبادات کے ذریعے حاصل ہونے والی تنخواہ، ٹریولنگ اور بچوں کو تعلیم جیسے کام جن کی اجرت ملتی ہے، ان سب سے سالانہ پانچواں حصہ نکالنا ہے۔''[1]

وہ کہتے ہیں: ''زیادہ محتاط قول یہ ہے کہ یہ مطلق نفع کی چیز میں ثابت ہے، چاہے وہ نفع کما کر حاصل نہ ہو، جیسے: ہبہ، ہدیہ، انعام اور وصیت سے ملنے والا مال وغیرہ وغیرہ۔''[2]

اسی طرح انھوں نے اصل سرمائے اور ضروری مشنری جیسے، بڑھئی کے آلات، کپڑا بننے والی مشینیں، کھیتی باڑی کے آلات، وغیرہ سے بھی پہلے خمس نکال لینا زیادہ محتاط قرار دیا ہے۔[3]

بلکہ انھوں نے یہ بھی کہا ہے:

''جو چیز اس نے اپنی خوراک جیسے گندم اور جَو وغیرہ کے طور پر خریدی اور ذخیرہ کی، جس کا وجود ختم ہوجاتا ہے، اگر وہ سال مکمل ہونے پر زیادہ ہو تو اس سے بھی خمس نکالنا واجب ہے، اگر وہ بستروں، برتنوں، کپڑوں، غلام، گھوڑے، کتابوں اور ایسی چیزوں، جن کا وجود باقی رہتا ہے، کی ضرورت محسوس نہ کرے اور یہ فالتو ہوں تو احتیاط اسی میں ہے کہ اس سے بھی خمس نکالا جائے۔''[4]

چاروں طرف سے آنے والے اس مال کا مصرف کیا ہوگا؟ اس کا انھوں نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ غَیبت کے زمانے میں شیعہ فقیہ کو دیا جائے گا۔[5]

---

[1] العروۃ الوثقی (۲/ ۳۸۹)

[2] المصدر السابق.

[3] العروۃ الوثقی (۲/ ۳۹٤۔ ۳۹۵)

[4] المصدر السابق (ص: ۲/ ۳۹۵۔ ۳۹٦)

[5] دیکھیں: علی کاشف الغطا: النور الساطع "وجوب دفع الخمس للفقیه زمن الغیبة" (۱/ ٤۳۹)

اب خمس نکالنے والے اسے اپنے فقہا کو دیں گے۔ شیعہ کے علما نے طے کیا ہے کہ خمس کے چھ حصے کیے جائیں، ایک اللہ کا حصہ، ایک نبی ﷺ کا حصہ، ایک امام کا حصہ، یہ تینوں اب صاحبِ زمان کے لیے ہوں گے[1] (یعنی ان کے مہدی منتظر کے لیے) جو غائب ہے اور اپنی پوشیدگی سے کبھی باہر نہیں آئے گا، کیوں کہ وہ اصل میں پیدا ہی نہیں ہوا۔ چنانچہ شیعہ فقیہ اس کے حصے کا مستحق ہوگا۔ امام کے خمس کا نصف حصہ، غیوبت کے زمانے میں اس کا معاملہ اس کے نائب کے سپرد ہوگا، جو شرائط پر پورا اترنے والا مجتہد ہے۔[2]

باقی تین حصے ''یتیموں، مسکینوں اور مسافروں'' کے لیے ہوں گے،[3] لیکن ان میں ایمان کی شرط کے ساتھ یعنی اس شرط کے ساتھ کہ وہ روافض ہوں، کیوں کہ ایمان کا نام صرف ان کے لیے مخصوص ہے، جس طرح ان کا جھوٹا دعویٰ ہے۔ یہ دوسرا نصف حصہ جو انھوں نے ان تین اقسام پر خرچ کرنے کے لیے کہا ہے، اس میں بھی ان کے بقول احتیاط یہی ہے کہ یہ بھی مجتہد کو دے دیا جائے۔[4]

نتیجہ یہ نکلا کہ یہ شیعہ کے علما کے تصرف میں دے دیا جائے گا، تاکہ وہ اس کو اپنی ذات اور ان مذکورہ تین اقسام پر خرچ کر لیں۔ کتاب ''النور الساطع'' میں مذکور ہے:

> ''فقیہ خمس کا آدھا حصہ اپنے لیے رکھے گا، باقی دوسرا نصف حصہ قدرِ کفایت تقسیم کر دے گا۔ اگر بچ گیا تو وہ اس کا ہوگا اور اگر کم ہوگیا تو وہ اپنے حصے سے اس کو پورا کرے گا۔''[5]

ڈاکٹر علی سالوس کہتے ہیں:

> ''ان دنوں جعفریہ کی عملی صورت حال یہ ہے کہ ان میں جو حج کرنا چاہتا ہے، وہ اپنے تمام اثاثہ جات کا تخمینہ لگاتا ہے، اس کے بعد اس کی قیمت کا خمس ان فقہا کی جھولی میں ڈال دیتا ہے، جنھوں نے اس خمس کے واجب ہونے اور جو اس کو نہ نکالے اس کے حج کی عدمِ قبولیت کا فتویٰ دیا ہے۔ ان فقہا نے باطل طریقے سے لوگوں کے مال حلال کر لیے ہیں۔''[6]

میں یہاں کہنا چاہوں گا کہ شاید یہی وجہ ہے کہ آیات کی حکومت ہر سال اپنے حج کے کوٹے میں اضافے

---

[1] العروة الوثقى (٢/ ٤٠٣) هداية العباد (ص: ١٧٨)

[2] العروة الوثقى (٢/ ٤٠٥) هداية العباد (ص: ١٧٩)

[3] العروة الوثقى (٢/ ٤٠٣) هداية العباد (ص: ١٧٩)

[4] العروة الوثقى (٢/ ٤٠٥) هداية العباد (ص: ١٧٩)

[5] النور الساطع (١/ ٤٣٩)

[6] أثر الإمامة في الفقه الجعفري (ص: ٣٩١)

کا مطالبہ کرتی ہے۔خمس کے بارے میں یہ نظریہ شیعہ کے عقیدہ امامیہ کا ایک اثر ہے کہ مال سارے کا سارا امام کے لیے ہوگا۔ اس نظریے کو زمانہ قدیم کے زنادقہ نے وضع کیا اور آج تک اس پر عمل جاری ہے، حالاں کہ خمس کا مسئلہ ایک بدعت ہے، جو ان لوگوں کی ایجاد ہے۔ اس کا عہدِ نبوی اور خلافتِ راشدہ کے زمانے حتی کہ امیر المومنین حضرت علی کے دور میں اس کا ثبوت نہیں ملتا، جن کے یہ لوگ شیعہ ہونے کے دعوے دار ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''رافضہ یہ جو کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی کمائی کا پانچواں حصہ ان سے لے کر اس کو دے دیا جائے، جس کو یہ امام معصوم کا نائب سمجھتے ہیں، یا کسی دوسرے کو، اس قول کو صحابہ میں سے کسی نے بھی نہیں کہا، نہ حضرت علی اس کے قائل تھے نہ کوئی دوسرا، نہ تابعیوں میں سے کوئی اس کے قائل تھے نہ آپ ﷺ کے قرابت داروں ہی میں سے کوئی۔

اس سلسلے میں حضرت علی یا علمائے آلِ بیت جیسے حضرت حسن، حضرت حسین، ابوجعفر باقر اور جعفر بن محمد سے جو کچھ نقل کیا جاتا ہے، وہ سب ان پر جھوٹ ہے۔ یہ عمل حضرت علی کی سیرت کے بھی خلاف ہے، جو تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچی ہے۔ وہ چار سال سے زیادہ عرصے تک خلیفہ رہے، آپ نے مسلمانوں کے اموال سے کچھ بھی نہیں لیا، بلکہ آپ کی ولایت وحکومت میں کبھی یہ تقسیم شدہ خمس نہیں رہا، مسلمانوں سے نہ حضرت علی نے خمس لیا نہ کسی دوسرے نے، لیکن کافروں سے جب مالِ غنیمت حاصل ہوتا تو کتاب وسنت کے مطابق اس سے خمس نکالا جاتا، لیکن حضرت علی کے عہد میں مسلمان فتنہ اور اختلاف پیدا ہونے کی وجہ سے کافروں کے خلاف لڑائی کے لیے فارغ ہی نہ ہو سکے۔

اسی طرح یہ بات بھی بدیہی طور پر معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے اموال سے کبھی خمس نہیں نکالا، نہ کبھی کسی مسلمان سے اس کے مال کے پانچویں حصے کا مطالبہ کیا...!''[1]

یہ اموال جو شیعہ علما اسلامی فریضے اور آلِ بیت کے حق کے نام پر لیتے ہیں، جو ہر علاقے سے سیلاب کی طرح ان کی طرف بہہ کر آ رہے ہیں، یہ آج تک اثنا عشریہ کی خرافت کی بقا کا سب سے بڑا عامل اور سبب ہیں اور شیعہ علما کے اپنے مذہب کے دفاع کے لیے جو جوش اور جذبہ پایا جاتا ہے، اس کا یہی محرک ہے، کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ جو ان کے مذہب پر اعتراض کرتا ہے، وہ حقیقت میں ان اموال کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کرنے کی

[1] منهاج السنة (٣/ ١٥٤)

کوشش کرتا ہے، جو ان کی طرف چل کر آتے ہیں۔ اسی وجہ سے ڈاکٹر علی سالوس کہتے ہیں:

''میرا خیال ہے کہ اگر یہ اموال نہ ہوتے تو آج جعفریہ اور تمام امتِ اسلام کے درمیان جو اختلاف کھڑا ہے، وہ اس حد تک نہ پہنچتا۔ شیعہ کے اکثر فقہا ان اموال کی حرص میں اس اختلاف کے شعلے کو بھڑکائے رکھتے ہیں۔''[1]

اقتصادی میدان میں شیعہ کے اثرات کے طور پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ یہ جن شہروں میں ہوتے ہیں، وہاں کی اکثر کمپنیوں بزنس اور غذائی سپلائی پر قبضہ جمانے کی کوشش کرتے ہیں، تا کہ لوگوں کی ضروریات اور غذا کو خود کنٹرول کریں۔ حالات حاضرہ اس کی سب سے بڑی دلیل ہیں۔[2]

اس میدان میں شیعہ کی اثر اندازی کی ایک یہ بھی صورت ہے کہ یہ شیعہ گروہ اسلامی ممالک اور ان کے باشندوں کے اقتصادی امور کو تباہ کرنے کے لیے تخریب کار تنظیمیں بھی تشکیل دیتے ہیں، کیوں کہ شیعہ کے نزدیک مسلمانوں کے مال کی کوئی حرمت نہیں، اس کو لینا جائز ہے اور اس میں ان کے ذہنوں میں کوئی شبہہ نہیں۔ بلکہ ان کی روایات ان کو اس کا حکم دیتی ہیں:

''ناصبی کا مال جہاں بھی ملے لے لو اور ہمیں خمس دو۔''[3]

ابوعبداللہ نے کہا۔جس طرح یہ لوگ افترا پردازی کرتے ہیں۔:

''ناصبی کا مال اور اسی کی ہر ملکیتی چیز حلال ہے۔''[4]

شیعہ کے علما نے ''ناصبی'' کے مفہوم کو بہت وسعت دے دی ہے، تا کہ یہ جعفریہ کے علاوہ سب کو شامل ہو جائے۔[5]

شیعہ فقہ کی کتابوں میں ذکر ہوا ہے:

''جب مسلمان کافروں پر حملہ کریں اور ان کا مال بھی لے لیں تو زیادہ محتاط بلکہ زیادہ قوی یہی بات

---

[1] أثر الإمامة (ص: ٤٠٨)

[2] دیکھیں: وجاء دور المجوس (ص: ٣١٢۔ وما بعدها)

[3] الطوسي: تهذيب الأحكام (١/ ٣٨٤) ابن إدريس: السرائر (ص: ٤٨٤) الحر العاملي: وسائل الشيعة (٦/ ٣٤٠)

[4] الطوسي: تهذيب الأحكام (٢/ ٤٨) الحر العاملي: وسائل الشيعة (١١/ ٦٠)

[5] انھوں نے اپنی روایات میں صراحت کی ہے کہ ہر وہ شخص ناصبی ہے، جو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو علی رضی اللہ عنہ پر فوقیت دیتا ہے۔ (دیکھیں: السرائر، ص: ٤٧١، وسائل الشيعة: ٦/ ٣٤١۔ ٣٤٢، بشارة المصطفى، ص: ٥١، نیز دیکھیں: المحاسن النفسانية في أجوبة المسائل الخراسانية، المسألة السادسة، ص: ١٣٨ وما بعدها)

ہے کہ اس کا خمس نکالا جائے، کیوں کہ وہ غنیمت ہے، چاہے یہ غیوبت کے زمانے ہی میں کیوں نہ ہو، اسی طرح جو مال وہ چوری کر کے یا دھوکے سے حاصل کرے۔ (اس کا بھی یہی حکم ہے)۔''[1]

''اگر وہ ان سے سود کے ساتھ یا باطل دعوے کے ساتھ مال لیں تو تب بھی قوی مذہب یہی ہے کہ اس کو بھی کمائے گئے منافع میں شامل کیا جائے اور سال کی ضروریات سے جو زیادہ ہو، اس کو اس میں شمار کیا جائے، اگرچہ احتیاط اسی میں ہے کہ اس کا مطلقاً خمس نکالا جائے۔''[2]

یہ پہلے گزر چکا ہے کہ اثنا عشریہ کے نزدیک کافر کا مفہوم ان کے فرقے کے علاوہ اکثر بلکہ تمام مسلمانوں کو شامل ہے۔[3] اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ غارت گری، چوری اور دھوکے کے ذریعے سے مسلمانوں کے اموال پر قابض ہوجانا جائز سمجھتے ہیں اور وہ سود اور باطل دعوے کے ساتھ بھی لوگوں کا مال ہتھیانا حلال سمجھتے ہیں۔ ان کے تاریخی واقعات بھی اس کی ترجمانی کرتے ہیں اور آج آیات کی حکومت کے واقعاتی حالات بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں، جو خلیج میں قزاقی کارروائیاں کرتے ہیں، انھوں نے خلیج کی سمندری حدود میں جہاز رانی کی آزادی کو خطرے میں ڈال دیا ہے، وہاں انھوں نے بعض لانچوں پر قبضہ کر لیا اور ان کو مالِ غنیمت تصور کیا، حالاں کہ وہ مسلمانوں کا مال تھا۔

یہ ان کے منفی اثرات تھے تو کیا امتِ اسلام کی تاریخ میں ان کے کوئی مثبت اثرات بھی ہیں؟

اس سوال کا علمی، دقیق اور تفصیلی جواب جاننے کے لیے ان کے حالات کا احاطہ کرنا، ان کے کردار کا جائزہ لینا اور ان کی تاریخ کی تفصیل جاننا از بس ضروری ہے۔ علماے اسلام نے ہمیں اس کی مشقت سے بچا لیا ہے، انھوں نے گواہی دی ہے کہ ائمہ فقہا میں سے، جن کی طرف سے رجوع کیا جاتا ہے، کوئی ایک بھی رافضی نہیں، جن بادشاہوں نے اسلام کی نصرت کی، اس کو قائم کیا اور دشمنانِ اسلام سے جہاد کیا، ان میں کوئی ایک بھی رافضی نہیں اور نیک سیرت وزرا میں سے بھی کوئی رافضی نہیں۔

رافضہ کی اکثریت کو ہم منافق ملحدوں اور زندیقوں میں دیکھتے ہیں یا جاہلوں میں، جن کو منقولات اور معقولات کا کوئی علم نہیں۔ انھوں نے دیہاتوں اور پہاڑوں میں پرورش پائی، مسلمانوں سے علاحدہ رہے اور اہلِ علم و دین کی صحبت اختیار نہ کی، یا ہم ان کو خواہش پرستوں میں پاتے ہیں، جنھوں نے اس کے ذریعے سے مال اور ریاست حاصل کی، یا پھر اہلِ جاہلیت کی طرح وہ نسبی تعصب میں مبتلا ہیں۔ لیکن مسلمانوں میں جو اہلِ علم

---

[1] اليزدي: العروة الوثقىٰ وبهامشه تعليقات مراجع الشيعة في العصر الحاضر (٢/ ٣٦٧۔ ٣٦٨)

[2] المصدر السابق (ص: ٣٦٨) نیز دیکھیں: شریعت مداری: هداية العباد (ص: ١٦٨)

[3] اسی کتاب کا صفحہ (٧٦٤) دیکھیں۔

اور اہلِ دین ہیں، ان میں کوئی ایک بھی رافضی نہیں۔[1]

لیکن شیعہ کی تفسیر، حدیث اور فقہ میں بڑی بڑی کتابیں اور تصنیفات تو ہیں، کیا اس کو اسلامی فکر میں ایک قابلِ تعریف اضافہ خیال نہیں کیا جائے گا؟ اس کے بارے میں مَیں یہ کہوں گا کہ ان مدونات اور ضخیم کتابوں پر جو انسان تامل کرتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ ان میں جو اچھا ہے، وہ انھوں نے اہلِ سنت ہی کی کتابوں سے لیا ہے۔ ان میں سے جس نے تفسیرِ قرآن میں کوئی کتاب تصنیف کی، وہ اس کا مواد اہلِ سنت کی تفاسیر سے حاصل کرتا ہے۔[2] جب وہ اپنی قوم سے نقل کرتا ہے، تب وہ تہہ در تہہ اندھیرے لے کر آتا ہے، جس طرح تفسیر قمی اور برہان وغیرہما ہیں۔

''جہاں تک حدیث کا تعلق ہے، تو اس کی سند اور متن کے متعلق ان کو کچھ علم نہیں، جس کتاب میں ان کو کوئی ایسی بات ملتی ہے، جو ان کی خواہش کی تسکین کرتی ہو، اس کو وہ حدیث کی معرفت کے بغیر (بلاتحقیق) لیتے ہیں۔''[3]

فقہ میں وہ تمام لوگوں سے پیچھے ہیں، ان کی کتابوں میں جو ''مفید علم'' ہے، وہ شیعہ کے علما کا نہیں، کیوں کہ اس پہلو میں وہ اہلِ سنت کے محتاج ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے انکشاف کیا ہے کہ وہ کس طریقے سے مسلم فقہا سے ''علمی مواد'' چراتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

''جب ان میں سے کوئی اختلاف اور اصولِ فقہ کے موضوع پر کوئی کتاب لکھتا ہے، جیسے موسوی وغیرہ نے ایسی کاوش کی ہے، اگر وہ مسئلہ علما کے درمیان اختلافی ہو، تو وہ اس کی اس دلیل کو لیتے ہیں، جو ان کے موافق ہو، پھر انھوں نے جن دلائل سے استدلال کیا ہو، ان سے استدلال کرتے ہیں اور جو دلائل انھوں نے حریف کے خلاف دیے ہوں، یہ بھی وہی دلائل ان کے خلاف پیش کر دیتے ہیں، لیکن جاہل شخص یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ اس نے تو فقہ اور اختلاف میں ایک بہت بڑی کتاب لکھ دی ہے، حالاں کہ یہ جاہل یہ نہیں جانتا کہ اس کتاب کا عام مواد علمائے اہلِ سنت کے کلام سے چرایا گیا ہے، جن کو یہ کافر کہتے ہیں اور جن سے عداوت رکھتے ہیں۔ جو انھوں نے اکیلے کام کیا ہے، وہ اس سیاہی کے بھی برابر نہیں، کیوں کہ سیاہی فائدہ دیتی ہے، نقصان نہیں اور یہ نقصان رساں ہے، فائدہ بخش نہیں۔''[4]

---

[1] منهاج السنة (١/ ٢٢٣)

[2] منهاج السنة (٢/ ٢٤٦)

[3] المصدر السابق.

[4] المصدر السابق.

دوسری فصل

شیعہ کا حکم

اس میں دو بحثیں ہیں:

پہلی بحث: بعض اہلِ علم کا حکم کہ یہ بدعتی ہیں، کافر نہیں۔

دوسری بحث: شیعہ کی تکفیر کا قول۔

پہلی بحث

یہ بدعتی ہیں، کافر نہیں

امام نووی[1] کہتے ہیں:

''محققین اور اکثریت کا اختیار کردہ اور صحیح موقف یہی ہے کہ خوارج کو بھی دیگر تمام بدعتیوں کی طرح کافر نہیں کہا جائے گا۔''[2]

ملا علی قاری اس اقتباس سے یہ سمجھتے ہیں کہ امام نووی روافض کی تکفیر کے قائل نہیں، کیوں کہ وہ بدعتیوں میں داخل ہیں، لیکن ملا علی قاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ رافضہ کا مذہب بدلتا رہتا ہے۔ متاخر رافضہ متقدمین کی طرح نہیں، ان کے زمانے کے جو رافضہ ہیں، وہ وہ نہیں جن کے بارے میں امام نووی نے خامہ فرسائی کی ہے، پھر وہ امام نووی کی بات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''میں کہتا ہوں: یہ بات ہمارے زمانے میں نکلنے والے رافضہ کے بارے میں نہیں، کیوں کہ یہ لوگ تمام اہلِ سنت و الجماعت تو ایک طرف رہے، اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی کافر کہتے ہیں۔ یہ لوگ بالاجماع اور بلا اختلاف کافر ہیں۔''[3]

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ امامیہ امام نووی کے زمانے میں یا تو صحابہ کو کافر نہیں کہتے تھے یا پھر امام نووی ان کے اس عملِ تکفیر سے ناواقف تھے اور یہی بات زیادہ درست لگتی ہے، کیوں کہ رافضہ کی بنیادی کتابوں میں، جو امام نووی سے پہلے وضع کی گئیں، ایسی روایات موجود ہیں، جو صحابہ کی تکفیر پر مشتمل ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں ذکر کیا ہے کہ ''امامیہ صحابہ کو کافر نہیں کہتے۔ ان کی رائے کے مطابق تکفیر غالی شیعہ کا کام ہے۔''[4]

---

[1] یحییٰ بن شرف بن حسن بن حسین النووي، حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ شافعی مذہب کے بہت بڑے عالم اور اپنے زمانے کے فقہا میں سے بلند رتبے کے حامل ہیں۔ یہ ۶۷۶ھ کو فوت ہوئے۔ (البداية والنهاية: ٣/ ٢٧٨۔ ٢٧٩)

[2] شرح النووي على صحيح مسلم (٢/ ٥٠)

[3] مرقاة المفاتيح (٩/ ١٣٧)

[4] دیکھیں: النووي: شرح صحيح مسلم (١٥/ ١٧٣)

دوسری بحث

شیعہ کی تکفیر کا موقف

امام مالک، احمد اور بخاری کی طرح کے کبار ائمہ اسلام کا یہی موقف ہے۔ ذیل میں اثنا عشریہ اور جعفریہ کے نام سے موسوم روافض کے بارے میں ائمہ اسلام اور علمائے مسلمین کے فتوے ذکر کیے جاتے ہیں۔[1] نیز شیعہ کے مشہور مقالات ونظریات کے متعلق، جو ان کی بنیادی کتابوں میں مذکور ہیں، علمائے اسلام کا موقف پیش کیا جاتا ہے۔

میں سب سے پہلے امام مالک کا فتویٰ ذکر کروں گا، اس کے بعد امام احمد کا، پھر امام بخاری، ان کے بعد بالترتیب وفات کے مطابق باقی ائمہ کرام کے فتویٰ جات کا ذکر کروں گا۔ میں نے ائمہ کبار کے فتاویٰ اور شیعہ کے ساتھ ایک ہی شہر میں رہنے والے علمائے کرام یا شیعہ کے بارے میں لکھنے والے اور شیعہ کے مذہب کی تحقیق کرنے والے علمائے کرام کے فتاویٰ کا انتخاب کیا ہے۔

① **امام مالک** رحمہ اللہ:

خلال نے ابوبکر مروذی سے روایت کیا ہے کہ میں نے ابوعبداللہ سے سنا کہ انھوں نے کہا: ''مالک نے کہا: جو اصحابِ النبی ﷺ[2] کو سب وشتم کرتا ہے، اس کا اسلام میں کوئی نام یا حصہ نہیں۔''[3]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت:

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۱۲۱، ۱۲۴، ۱۲۷) دیکھیں۔

[2] گذشتہ صفحات (ص: ۷۶۶) سے یہ امر واضح ہو چکا ہے کہ شیعہ صحابہ کرام پر لعنت کرنا دین اور شریعت قرار دیتے ہیں اور معدودے چند صحابہ کے علاوہ دیگر تمام صحابہ کرام کو کافر قرار دیتے ہیں۔

[3] الخلال: السنة (۲/ ۵۵۷) اس کتاب کے محقق نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ [الفتح: ۲۹]

''محمد اللہ کا رسول ہے اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ہیں، کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں نہایت رحم دل ہیں، تو انھیں اس حال میں دیکھے گا کہ رکوع کرنے والے ہیں، سجدے کرنے والے ہیں، اپنے رب کا فضل اور (اس کی) رضا ڈھونڈتے ہیں، ان کی شناخت ان کے چہروں میں (موجود) ہے، سجدے کرنے کے اثر سے۔ یہ ان کا وصف تورات میں ہے اور انجیل میں ان کا وصف اس کھیتی کی طرح ہے، جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اسے مضبوط کیا، پھر وہ موٹی ہوئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی، کاشت کرنے والوں کو خوش کرتی ہے، تا کہ وہ ان کے ذریعے سے کافروں کو غصہ دلائے۔''

کی تفسیر میں ذکر کرتے ہیں: ایک روایت میں امام مالک نے اسی آیت سے روافض کی تکفیر کا حکم نکالا ہے، جو صحابہ کرام کے ساتھ بغض رکھتے ہیں۔ انھوں نے کہا:

''کیوں کہ وہ ان کو بھڑکاتے ہیں اور جس کو صحابہ نے بھڑکایا، وہ اس آیت کے موجب کافر ہے اور علما کے ایک گروہ نے ان کے ساتھ اس بات پر اتفاق کیا ہے۔''[1]

امام قرطبی کہتے ہیں کہ امام مالک نے بڑی اچھی بات کہی ہے اور آیت کی صحیح تاویل کی ہے۔ جس نے کسی ایک صحابی کی بھی عیب جوئی کی یا اس کی روایت پر طعن کیا،[2] اس نے اللہ رب العزت کا رد کیا اور مسلمانوں کے احکام کو جھوٹا قرار دیا۔[3]

۲ امام احمد رحمہ اللہ:

ان سے روافض کی تکفیر کے متعلق کئی روایات مروی ہیں:

''خلال نے ابوبکر مروذی سے روایت کیا کہ میں نے ابوعبداللہ سے ان کے بارے میں پوچھا، جو حضرت ابوبکر، عمر اور عائشہ کو گالیاں دیتے ہیں، تو انھوں نے کہا: میں اس کو اسلام پر نہیں سمجھتا۔''[4]

---

[1] تفسیر ابن کثیر (٤/ ٢١٩) نیز دیکھیں: روح المعاني للآلوسي (٢٦/ ١١٦) اس آیت سے یہ حکم استنباط کرنے کے سلسلے میں مزید دیکھیں: الصارم المسلول (ص: ٥٧٩)

[2] شیعہ مرجع کا یہ بیان گزر چکا ہے کہ صحابہ کرام جیسے ابو ہریرہ، عمرو بن العاص، اور سمرۃ بن جندب کی روایات شیعہ کے نزدیک مچھر کے پَر کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتیں۔ (ص: ۳۷۵)

[3] تفسیر القرطبي (١٦/ ٢٩٧)

[4] الخلال: السنة (٢/ ٥٥٧) کتاب کے محقق نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ نیز دیکھیں: شرح السنة لابن بطة (ص: ١٦١) الصارم المسلول (ص: ٥٧١)

خلال نے کہا ہے: مجھے عبدالملک بن عبدالحمید نے بتایا، اس نے کہا: میں نے ابوعبداللہ سے سنا، انھوں نے کہا:

''جس نے گالی دی، مجھے اس پر روافض کی طرح کفر کا خدشہ ہے۔''

پھر کہا: ''جس نے صحابہ کرام کو گالی دی، بعید نہیں کہ وہ دین سے نکل چکا ہو۔''[1]

خلال نے کہا:

ہمیں عبداللہ بن احمد بن حنبل نے بتایا، اس نے کہا: میں نے اپنے والد سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا، جو کسی صحابہ کو گالی دیتا ہے، تو انھوں نے کہا: میں اس کو اسلام پر نہیں سمجھتا۔''[2]

امام احمد کی کتاب ''السنة'' میں ان کا روافض کے متعلق یہ قول مذکور ہے:

''یہ لوگ اصحابِ محمد ﷺ پر تبرا کرتے ہیں، ان کو دشنام طرازی کرتے ہیں، ان میں کیڑے نکالتے ہیں اور علی، عمار، مقداد اور سلیمان کے سوا ائمہ کو کافر کہتے ہیں، رافضہ کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔''[3]

اثنا عشریہ چند ایک صحابہ کے سوا جن کی تعداد انگلیوں کے بھی برابر نہیں، سب صحابہ کو کافر کہتے ہیں۔ یہ اپنی دعاؤں، زیارتوں، درگاہوں اور بڑی بڑی بنیادی کتابوں میں ان پر لعنت بھیجتے اور قیامت تک ان کی پیروی کرنے والوں کو کافر کہتے ہیں۔[4]

امام ابن عبدالقوی کہتے ہیں:

''جو شخص صحابہ سے براءت کا اظہار کرتا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دیتا اور ان پر وہ بہتان لگاتا، جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بری قرار دیا ہے، تو امام احمد اس کو کافر کہتے ہیں اور وہ یہ آیت پڑھتے:

﴿يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ [النور: ١٧] ''اللہ تمھیں نصیحت کرتا ہے، اس سے کہ دوبارہ کبھی ایسا کام کرو، اگر تم مومن ہو۔''[5]

لیکن امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مجموعہ فتاویٰ میں امام احمد وغیرہ سے روافض کی تکفیر میں اختلاف نقل کیا ہے۔[6] امام احمد کی جو پہلے عبارتیں گزری ہیں، وہ صریحاً اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ امام صاحب ان کی تکفیر

[1] الخلال: السنة (٢/ ٥٥٨) اس کی سند بھی صحیح ہے۔

[2] الخلال: السنة (٢/ ٥٥٨) نیز دیکھیں: مناقب الإمام أحمد لابن الجوزي (ص: ٢١٤)

[3] السنة: للإمام أحمد (ص: ٨٢) تصحيح الشيخ إسماعيل الأنصارى.

[4] اسی کتاب کا صفحہ (٧٦٦) دیکھیں۔

[5] ما يذهب إليه الإمام أحمد للإمام أبي محمد رزقا الله بن عبد القوي التميمي المتوفى ٤٨٠هـ (الورقة: ٢١)

[6] الفتاویٰ (٣/ ٣٥٢)

کے قائل تھے۔ تاہم شیخ الاسلام نے، جو لوگ روافض کو صحابہ کرام کو سب وشتم کرنے کی وجہ سے کافر نہیں کہتے، ان کی اس انداز میں توجیہ کی ہے، جس سے امام احمد کے اقوال میں خیال کیا جانے والا تعارض رفع ہوجاتا ہے:

''لیکن جس نے ان (صحابہ) کے بارے میں اس طرح کی بد زبانی کی، جس کی وجہ سے ان کی دیانت داری یا دین داری پر کوئی حرف نہ آتا ہو، مثلاً: بعض صحابہ کو بخیل، بزدل، کم علم یا دنیا دار کہنا، اس طرح کی باتیں کرنے والا تعزیر اور تادیب کا سزا وار ہے، صرف اس کی وجہ سے ہم اس کو کافر نہیں کہہ سکتے، اہلِ علم میں جو ان کو کافر نہیں کہتا تو اس کے کلام کو اسی مفہوم پر محمول کیا جائے گا۔''[1]

اس کا یہ مطلب ہوا کہ جو ان کے بارے میں ایسی بد زبانی کرتا ہے، جو ان کی دیانت، عدالت اور تدوین پر جرح کرتی ہو، اہلِ علم کے نزدیک اس پر کفر کا حکم لگایا جائے گا، لیکن جو تمام صحابہ کو مرتد خیال کرتا ہے، اس کا پھر کیا حال ہوگا؟

③ امام بخاری (المتوفی ۲۵۶ھ):

امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے:

''مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میں کسی جہمی اور رافضی کے پیچھے نماز پڑھوں یا کسی یہودی اور عیسائی کے پیچھے (یعنی یہ چاروں برابر ہیں) ان کو سلام نہیں کہنا چاہیے، نہ ان کی عیادت کرنی چاہیے، نہ ان کے ساتھ نکاح کیا جائے، نہ ان کے جنازوں میں شرکت کی جائے اور نہ ان کے ذبیحے ہی کھائے جائیں۔''[2]

④ عبداللہ بن ادریس[3]:

وہ کہتے ہیں: ''رافضی کو شفعہ کا حق حاصل نہیں ہے۔''[4]

---

[1] الصارم المسلول (ص: ٥٨٦) قاضی ابو یعلی نے عدمِ تکفیر کی روایت کی ایک توجیہ کی ہے۔ دیکھیں: الصارم المسلول (ص: ٥٧١)

[2] الإمام البخاري: خلق أفعال العباد (ص: ١٢٥)

[3] عبداللہ بن إدريس بن يزيد بن عبدالرحمن الأودي: امام ابو حاتم کہتے ہیں: وہ حجت اور مسلمانوں کے امام ہیں۔ امام احمد کے بقول وہ بے مثال ہیں۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ ثقہ مامون، کثیر الحدیث، حجت، اہلِ سنت جماعت والے ہیں۔ یہ ۱۹۸ھ کو فوت ہوئے۔ (تهذيب التهذيب: ٥/ ١٤٤۔ ١٤٥، الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: ٥/ ٨۔٩) یہ کوفے کے بڑے ائمہ میں سے ہیں۔ (الصارم المسلول، ص: ٥٧٠) یہ کوفہ روافض کی جائے پیدائش ہے، لہٰذا وہ رافضہ اور ان کے مذہب کو بہ خوبی جاننے والے ہیں، کیوں کہ گھر والا دوسروں سے زیادہ گھریلو اشیا کو جانتا ہے۔

[4] الصارم المسلول (ص: ٥٧٠) السيف المسلول على من سب الرسول: علي بن عبد الكافي السبكي، الورقة (٧١ أ مخطوط)

⑤ عبدالرحمٰن بن مہدی[1]:

امام بخاری نے کہا ہے:

''عبدالرحمٰن بن مہدی نے کہا: یہ دونوں علاحدہ ملتیں ہیں، ایک جہمیہ اور دوسرے رافضہ۔''[2]

⑥ الفریابی[3]:

خلال نے روایت کیا ہے کہ مجھے حرب بن اسماعیل کرمانی نے بتایا، اس نے کہا: ہمیں موسیٰ بن ہارون بن زیاد نے بیان کیا، اس نے کہا: میں نے فریابی سے سنا کہ ایک آدمی ان سے اس شخص کے بارے میں پوچھ رہا تھا، جس نے حضرت ابوبکر کو گالی دی، تو انھوں نے کہا: وہ کافر ہے، اس نے پوچھا: کیا اس کا جنازہ پڑھا جائے گا؟ انھوں نے کہا: نہیں، اس نے کہا: وہ لا الٰہ الا اللہ پڑھتا ہے، اس کے ساتھ کس طرح پیش آیا جائے؟ انھوں نے کہا کہ اس کو ہاتھ نہ لگاؤ، اس کو لکڑی کے ساتھ اٹھاؤ اور گڑھے میں دفنا دو۔[4]

⑦ احمد بن یونس[5]:

انھوں نے کہا:

---

[1] الإمام الحافظ العلم عبد الرحمن بن مهدى بن حسان بن عبد الرحمن العنبري، البصري، (المتوفیٰ ۱۹۸ھ). (تهذيب التهذيب: ٦/ ٢٧٩۔ ٢٨١)

[2] خلق أفعال العباد للبخاري (ص: ١٢٥) نیز دیکھیں: مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام ابن تيمية (٣٥/ ٤١٥)

[3] محمد بن يوسف الفريابی: امام بخاری نے ان سے ۲۶ احادیث روایت کی ہیں۔ یہ اپنے زمانے کے افضل ترین انسان تھے۔ یہ ۲۱۲ھ کو فوت ہوئے۔ (تهذيب التهذيب: ٩/ ٥٣٥)

[4] الخلال: السنة (٢/ ٥٦٦) کتاب کے محقق نے کہا ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی ''موسیٰ بن ہارون بن زیاد'' ہے، جس کے متعلق مجھے علم نہیں ہوسکتا۔ البتہ امام ابن تیمیہ نے ''الصارم المسلول'' (ص: ٥٧٠) میں حتمی طور پر اسے فریابی کی طرف منسوب کیا ہے۔

[5] أحمد بن عبدالله بن يونس. یہ اہلِ سنت کے امام اور کوفہ کے رہنے والے ہیں، جو رافضہ کا گڑھ اور جائے پیدایش ہے، لہٰذا یہ روافض اور ان کے مذہب سے خوب باخبر ہیں۔ امام احمد ایک شخص کو وصیت کرتے ہیں: احمد بن یونس سے جا کر علم حاصل کرو، کیوں کہ وہ ''شیخ الاسلام'' ہیں۔ کتبِ ستہ کے مولفین نے ان کی حدیث بیان کی ہے۔ امام ابو حاتم فرماتے ہیں: ''ثقہ'' اور ''متقن'' ہیں۔ نیز امام نسائی نے انھیں ''ثقہ'' اور امام ابن سعد نے ''ثقة صدوق و صاحب سنة و جماعة'' کہا ہے۔ حافظ ابن حجر ذکر کرتے ہیں کہ احمد بن یونس فرماتے ہیں: میں حماد بن زید کے پاس آیا تو میں نے ان سے کہا کہ مجھے کچھ فضائلِ عثمان رضی اللہ عنہ لکھوا دیں تو انھوں نے کہا: تم کون ہو؟ میں نے کہا: کوفہ کا رہنے والا ہوں۔ یہ سن کر انھوں نے تعجب کرتے ہوئے کہا: ایک کوفہ کا رہنے والا فضائلِ عثمان رضی اللہ عنہ کا خواستگار ہے!! پھر انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں صرف اس شرط پر تمھیں یہ فضائل لکھواؤں گا کہ تم بیٹھ کر لکھو اور میں تمھیں کھڑے ہو کر (بہ طورِ اکرام) لکھواتا ہوں۔ احمد بن یونس نے ۲۲۷ھ کو وفات پائی۔ (تهذيب التهذيب: ١/ ٥٠، تقريب التهذيب: ١/ ٢٩)

''اگر کوئی یہودی ایک بکری ذبح کرے اور کوئی رافضی بھی ذبح کرے تو میں یہودی کا ذبیحہ کھالوں گا، لیکن رافضی کا ذبیحہ نہیں کھاؤں گا، کیوں کہ وہ اسلام سے مرتد ہو چکا ہے۔''[1]

⑧ ابو زرعہ رازی[2]:

انھوں نے کہا:

''اگر آپ کسی آدمی کو دیکھیں جو اصحابِ رسول ﷺ میں عیب نکال رہا ہے تو جان لیں وہ زندیق ہے، کیوں کہ اس کا قول قرآن اور سنت دونوں کی تردید پر منتج ہوگا۔''[3]

⑨ ابن قتیبہ[4]:

امام ابن قتیبہ کہتے ہیں:

''رافضہ کا حبِ علی میں غلو جس کے نتیجے میں وہ اس کو اس پر مقدم کرتے ہیں، جس کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ نے ان سے (حضرت علی رضی اللہ عنہ) مقدم رکھا اور ان کا یہ دعویٰ کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت میں شریک ہے اور اس کی اولاد میں سے ائمہ کے لیے علمِ غیب کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان تمام اقوال اور خفیہ امور نے جھوٹ اور کفر کے ساتھ جہالت اور بیوقوفی کو ایک ساتھ اکٹھا کر دیا ہے۔''[5]

⑩ عبدالقاہر بغدادی[6]:

یہ کہتے ہیں: ''جارودیہ، ہشامیہ، جہمیہ اور امامیہ میں سے خواہش پرست لوگ جنھوں نے بہترین

---

[1] الصارم المسلول (ص: ٥٧٠) ابو بکر بن ہانی نے بھی ایسے ہی کہا ہے۔ (المصدر السابق) نیز دیکھیں: السيف المسلول على من سب الرسول: علي بن عبد الكافي السبكي: الورقة (٧١ أ مخطوط)

[2] عبداللہ بن عبدالکریم بن یزید بن فروخ، امام ابو زرعہ کبار حفاظِ حدیث اور ائمہ میں سے ہیں۔ انھیں ایک لاکھ حدیث یاد تھی اور کہا جاتا تھا کہ ہر وہ حدیث جسے ابو زرعہ نہیں پہچانتے، وہ حدیث بے بنیاد ہے۔ یہ ۲۶۴ھ کو فوت ہوئے۔

[3] دیکھیں: الكفاية (ص: ٤٩)

[4] ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری۔ بے مثال کتابوں کے مصنف ہیں، جو بڑے مفید علوم و فنون پر مشتمل ہیں، جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ یہ ۲۷۶ھ کو فوت ہوئے۔ (دیکھیں: وفيات الأعيان: ٣/ ٤٢۔ ٤٤، تاريخ بغداد: ١٠/ ١٧٠۔ ١٧١، البداية والنهاية: ١١/ ٤٨)

[5] الاختلاف في اللفظ والرد على الجهمية والمشبهة (ص: ٤٧) مطبعة السعادة بمصر ١٣٤٩هـ

[6] عبدالقاہر بن طاہر بن محمد البغدادی۔ اپنے زمانے میں ان کو ''صدر الإسلام'' کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ یہ ۱۷ فنون میں درس دیتے تھے۔ انھوں نے ۴۲۹ھ کو وفات پائی۔ (دیکھیں: السبكي: طبقات الشافعية: ٥/ ١٤٥، القفطي: أبناء الرواة: ٢/ ١٨٥، ١٨٦، السيوطي: بغية الوعاة: ٢/ ١٠٥)

صحابہ کو کافر قرار دیا ...ہم ان کو کافر کہتے ہیں، ہمارے لیے نہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے نہ ان کی نمازِ جنازہ ہی ادا کرنا روا ہے۔''[1]

نیز وہ کہتے ہیں: ''ان کی تکفیر واجب ہے، کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بدا (ظہورِ علم) کے قائل ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے، پھر اس کے لیے کوئی نیا امر ظاہر ہوتا ہے۔ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ جب کسی چیز کا حکم دیتا ہے، پھر اس کو منسوخ کرتا ہے تو منسوخ اس لیے کرتا ہے، کیوں کہ اس کو اس میں ''بدا'' ہوتا ہے۔ ہم نے کفر کی جس نوع کے بارے میں بھی سنا یا اس کو دیکھا، اس کی کسی نہ کسی فرع کو رافضہ کے مذہب میں ضرور پایا۔''[2]

⑪ قاضی ابو یعلیٰ[3]:

کہتے ہیں: ''رافضہ کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اگر وہ صحابہ کو کافر کہیں یا اس معنی میں فاسق کہیں جو ان کے لیے جہنم کو واجب قرار دے، تو وہ کافر ہے۔''[4]

روافض کے بارے میں شیعہ کی کتابوں کے عام ہوجانے کے بعد یہ واضح ہو چکا ہے کہ وہ اکثر صحابہ کو کافر کہتے ہیں۔

⑫ ابن حزم:

امام ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''ان کا (عیسائیوں کا) یہ کہنا کہ روافض قرآن میں تبدیلی کا دعویٰ کرتے ہیں، تو روافض تو مسلمان ہی نہیں،[5] بلکہ یہ ایک فرقہ ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پچیس سال بعد پیدا ہوا ... یہ فرقہ جھوٹ اور کفر میں یہود و نصاریٰ کے قائم مقام ہے۔''[6]

وہ کہتے ہیں: ''امامیہ کا قدیم اور جدید دور میں یہ موقف ہے کہ قرآن میں تبدیلی ہوئی ہے۔''[7]

---

[1] الفرق بين الفرق (ص: ٣٥٧)

[2] الملل والنحل (ص: ٥٢۔ ٥٣) تحقيق البير نصري نادر.

[3] محمد بن الحسین بن محمد بن خلف بن الفراء۔ اپنے زمانے کے اصول وفروع کے ممتاز عالم تھے۔ انھوں نے ۴۵۸ھ کو وفات پائی۔ (دیکھیں: طبقات الحنابلة: ۲/ ۱۰۳۔ ۲۳۰)

[4] المعتمد (ص: ٢٦٧)

[5] یعنی مسلمانوں اور قرآن کے خلاف ان کا قول حجت نہیں بن سکتا۔

[6] الفصل (٢/ ٢١٣)

[7] انھوں نے ان سے صرف تین کو مستثنیٰ کیا ہے، جیسا کہ گزر چکا ہے۔

پھر کہتے ہیں: ''یہ کہنا کہ کتابی صورت میں دو جلدوں کے درمیان جو قرآن ہے، اس میں تبدیلی ہوئی ہے، یہ صریح کفر اور رسول اللہ ﷺ کی تکذیب ہے۔''[1]

وہ مزید کہتے ہیں:

''اہلِ سنت معتزلہ، خوارج، مرجیہ اور زیدیہ، ان تمام اسلامی فرقوں کا اتفاق ہے کہ قرآن کریم میں جو کچھ ہے، سب کو لینا واجب ہے اور ہمارے ہاں اسی کی تلاوت کی جاتی ہے، لیکن اس کی غالی رافضیوں کی ایک جماعت نے مخالفت کی ہے۔ یہ کافر ہیں اور اسی کی وجہ سے وہ تمام اہلِ اسلام کے نزدیک مشرک ہیں۔ ہمارا کلام ان کے ساتھ نہیں، بلکہ ہمارا کلام اپنے ہم مذہب کے ساتھ ہے۔''[2]

وہ مزید کہتے ہیں:

''جان لو! رسول اللہ ﷺ نے شریعت کا ایک کلمہ بلکہ ایک حرف بھی چھپایا ہے نہ آپ ﷺ نے اپنی کسی بیٹی، چچا زاد بھائی، بیوی یا دوست یا ان جیسے کسی سب سے قریب اور مخصوص فرد کو شریعت کی کوئی ایسی چیز بتانے کے لیے مخصوص کیا، جو آپ ﷺ نے کسی کالے گورے، بکریوں کے چرواہے یا عام آدمی سے چھپائی ہو۔ آپ ﷺ نے تمام لوگوں کو جو دعوت دی، اس کے سوا آپ ﷺ کے پاس کوئی راز تھا نہ رمز اور نہ کوئی باطن، اگر آپ نے ان سے کچھ چھپایا ہوتا تو آپ ﷺ رسالت کو اس طرح نہ پہنچانے والے ہوتے، جس طرح آپ ﷺ کو حکم دیا گیا تھا اور جس نے یہ بات کہی وہ کافر ہے ...۔''[3]

⑬ الاسفرائینی[4]:

انھوں نے ان کے جملہ عقائد جیسے وہ صحابہ کی تکفیر کرتے ہیں، قرآن میں تحریف اور کمی زیادتی کے قائل ہیں، مہدی کا انتظار کرتے ہیں، جو آکر ان کو شریعت کی تعلیم دے گا، نقل کرنے کے بعد کہا ہے: امامیہ کے تمام فرقے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے، وہ ان عقائد پر متفق ہیں، اس کے بعد انھوں نے ان الفاظ میں ان پر حکم لگایا ہے:

''یہ فی الحال دین کی کسی چیز پر قائم نہیں، کفر کی اس نوع میں مزید اضافے کی کوئی گنجایش نہیں،

---

[1] الفصل (٥/ ٤٠)

[2] الإحكام في أصول الأحكام (١/ ٩٦)

[3] الفصل (٢/ ٢٧٤۔ ٢٧٥) جس عقیدے کے حامل کو امام ابن حزم کافر قرار دیتے ہیں، آج یہ اثنا عشری مذہب کا بنیادی عقیدہ بن چکا ہے اور اس مذہب کے سابقین اور معاصرین علما اسی نظریے کی تاکید کرتے ہیں۔ اسی کتاب کا صفحہ (٣٤٤) دیکھیں۔

[4] أبو المظفر شهفور بن طاهر بن محمد الإمام الأصولي الفقيه المفسر. ان کی متعدد تصانیف ہیں، جن میں "التفسير الكبير" اور "التبصير في الدين" شامل ہیں۔ یہ ٤٧١ھ کو فوت ہوئے۔ (دیکھیں: طبقات الشافعية: ٥/ ١١، الأعلام: ٣/ ٢٦٠)

کیوں کہ اس میں دین کی تو کوئی چیز باقی نہیں رہی۔"[1]

⑭ ابو حامد غزالی[2]:

امام غزالی کہتے ہیں:

"روافض نے اس مسئلے میں کم فہمی کی وجہ سے بدا کا ارتکاب کیا،[3] انھوں نے حضرت علی سے نقل کیا کہ وہ اس خدشے کے پیشِ نظر غیب کی خبر نہیں دیتے تھے کہ کہیں اللہ تعالیٰ کو اس میں بدا ہو جائے اور وہ اس میں تبدیلی کر دے۔[4] انھوں نے جعفر بن محمد سے بیان کیا کہ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ کو جس طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں بدا ہوا، کسی اور معاملے کے بارے میں اس طرح نہیں ہوا، یعنی ان کو ذبح کرنے کا حکم دینے کے متعلق یہ صریح کفر ہے[5] اور اللہ تعالیٰ کی طرف جماعت اور تبدیلی کی نسبت، نیز اللہ تعالیٰ کے ہر چیز کے علم پر محیط ہونے کے مستحیل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔"[6]

امام غزالی کہتے ہیں:

---

① التبصير في الدين (ص: ٢٤۔ ٢٥)

② محمد بن محمد بن احمد الغزالی۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: دنیا کے ذہین ترین انسان تھے، جو اپنے مختلف علوم وفنون میں مہارت رکھتے تھے۔ ان کی متعدد فنون میں معروف کتب ہیں۔ ان کی ایک کتاب "فضائح الباطنية" ہے۔ انھوں نے ۵۰۵ھ کو وفات پائی۔ (دیکھیں: البداية والنهاية: ١٢/ ١٧٣۔ ١٧٤، مرآة الجنان: ٣/ ١٧٧۔ ١٩٢)

③ جو شخص رافضیت کا مطالعہ کرے گا، اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ کم فہمی نہیں ہے، بلکہ یہ ان کا یقینی نظریہ ہے، جس کا سبب شیعہ کا اپنے ائمہ میں غلو کرنا ہے۔ امام غزالی کا یہ کلام آمدی کے کلام سے ملتا جلتا ہے وہ فرماتے فرماتے ہیں کہ رافضہ پر نسخ اور بدا میں فرق مخفی رہ گیا ہے۔
اس پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ عبدالرزاق عفیفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
"جو شخص رافضہ کی حالت سے آگاہ ہے، ان کے باطن کے فساد سے واقف ہے اور ان کے ظاہراً اسلام اور باطناً کفر کے عقیدے و زندیقیت سے آشنا ہے اور یہ جانتا ہے کہ انھوں نے اپنے اصول ومبادی یہود سے اخذ کیے ہیں اور اسلام کے خلاف چالبازیوں میں ان ہی کے طور طریقوں پر عمل پیرا ہیں تو وہ یہ امر پہچان لیتا ہے کہ ان کی اس افترا پردازی اور بہتان طرازی (بدا) کا سبب بدنیتی، حق اور اہلِ حق کے خلاف کینہ اور مذموم تعصب ہے، جس نے انھیں اس دھوکا دہی اور شرعی احکام اور اس بنیاد پر قائم حکومتوں کے خلاف سراً وظاہراً سازشیں تیار کرنے پر اُکسایا ہے۔ (الإحكام في أصول الأحكام: ٣/ ١٠٩۔ ١١٠، حاشيه)

④ یہ روایت مجلسی کے ہاں موجود ہے اور اس نے اسے "قرب الإسناد" کی طرف منسوب کیا ہے۔ (بحار الأنوار: ٤/ ٩٧) ایک دوسری روایت میں شیعہ نے یہ قول علی بن حسین کی طرف منسوب کیا ہے۔ (دیکھیں: تفسير العياشي: ٢/ ٢١٥، بحار الأنوار: ٤/ ١١٨، البرهان: ٢/ ٢٩٩، تفسير الصافي: ٣/ ٧٥)

⑤ یہ روایت "كتاب التوحيد لابن بويه" (ص: ٣٣٦) میں دیکھیں۔

⑥ المستصفى (١/ ١١٠)

''اگر کوئی شخص کھلے لفظوں میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے کفر کا اظہار کرے تو اس نے اجماع کی مخالفت کی، اور جو ان کی تعریف، ان کے ایمان کی صحت، ان کے یقین کی ثابت قدمی، ان کی تمام لوگوں پر افضلیت اور ان کو جنت کی بشارت کے متعلق بہت زیادہ روایات ذکر ہوئی ہیں، ان کی اس شخص نے نفی کی ہے۔''

پھر وہ کہتے ہیں:

''اس کے قائل کو اگر یہ تمام روایات پہنچی ہیں، اس کے باوجود وہ ان کے کفر کا عقیدہ رکھتا ہے تو ایسا شخص کافر ہے، کیوں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو جھٹلاتا ہے اور جو شخص آپ کے اقوال میں سے کسی ایک لفظ کو بھی جھٹلاتا ہے، وہ بالاجماع کافر ہے۔''[1]

⑮ قاضی عیاض[2]:

قاضی صاحب فرماتے ہیں:

''ہم غالی رافضہ کے اس قول کی وجہ سے کہ ''ائمہ انبیا سے افضل ہیں''[3] ان کی یقینی تکفیر کرتے ہیں، اسی طرح جو شخص یہ کہتا ہے کہ حضرت علی اور ان کے بعد والے امام رسول اللہ ﷺ کی نبوت میں شریک ہیں اور ہر امام نبوت اور حجت میں نبی کے قائم مقام ہیں، وہ بھی کافر ہے۔''

انھوں نے یہ بھی کہا ہے:

---

[1] فضائح الباطنية (ص: ١٤٩)

[2] عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرون یحصبی۔ مغرب کے بڑے عالم اور اپنے وقت میں اہلِ حدیث کے امام تھے۔ وہ ۵۴۴ھ کو فوت ہوئے۔ (دیکھیں: وفيات الأعيان: ٣/ ٤٨٣، والعبر للذهبي: ٢/ ٤٦٧، الضبي: بغية الملتمس، ص: ٤٣٧، النباهي: تاريخ قضاة الأندلس، ص: ١٠١)

[3] اسی کتاب کا صفحہ (۶۵۹) دیکھیں۔ شیعہ معاصرین اس کفر کو اپنا بنیادی اور ضروری عقیدہ قرار دیتے ہیں اور ان کے ضروری عقیدے کا انکار کفر ہوتا ہے۔ اسی کتاب کا صفحہ (۱۱۵۱) دیکھیں۔

شیعہ عالم ممقانی کہتا ہے:

''ہمارے مذہب کا ضروری عقیدہ ہے کہ ہمارے ائمہ -عليهم السلام- انبیاے بنی اسرائیل سے افضل ہیں، جیسا کہ متواتر روایات میں صراحت موجود ہیں۔ اہلِ بیت کی روایات کی ممارست کرنے والے کے نزدیک اس امر میں کوئی شبہہ نہیں کہ ائمہ علیہم السلام سے انبیاے بنی اسرائیل کی خوارق ظاہر ہوتے تھے، بلکہ ان سے کہیں زیادہ خرق عادت امور رونما ہوتے تھے، نیز انبیا اور سلف کے لیے علم کے ایک یا دو دروازے وا ہوتے تھے، جبکہ ائمہ علیہم السلام کے لیے عبادت و طاعت کی بنا پر، جو بندے کو اللہ تعالیٰ کی طرح بنا دیتی ہے کہ جب وہ کسی شے کو کہتا ہے: ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے، تمام دروازے کھل جاتے ہیں۔'' (تنقيح المقال: ٣/ ٢٣٢)

دیکھیں! شروع میں کس طرح وہ اپنے ائمہ کو انبیا پر فوقیت دیتا ہے اور بعد ازاں انھیں اللہ تعالیٰ کی طرح بنا دیتا ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی زندیقیت و الحاد ہوسکتا ہے؟!

''یہ اکثر رافضہ کا مذہب ہے،''[1] اسی طرح جس نے یہ دعویٰ کیا کہ ائمہ کی طرف وحی ہوتی ہے، اگرچہ اس نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔''[2]

وہ مزید کہتے ہیں:

''اسی طرح جس نے قرآن کے ایک حرف کا بھی انکار کیا یا اس میں کسی چیز کو بدلا یا اس میں کسی چیز کا اضافہ کیا، جس طرح باطنیہ اور اسماعیلیہ نے کیا ہے تو اس کو بھی ہم کافر کہتے ہیں۔''[3]

⑯ سمعانی (المتوفی: ۵۶۲ھ)[4]:

فرماتے ہیں:

''امامیہ کی تکفیر پر امت کا اجماع ہے، کیوں کہ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ صحابہ گمراہ ہوگئے تھے، نیز وہ ان کے اجماع کا انکار کرتے ہیں اور ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں، جو ان کی شان کے لائق نہیں۔''[5]

⑰ رازی[6]:

رازی ذکر کرتے ہیں کہ ان کے اصحاب اشاعرہ تین وجوہ کی بنا پر رافضہ کو کافر کہتے ہیں:

- انھوں نے مسلمانوں کے سادات اور سربرآوردہ شخصیات کو کافر قرار دیا اور جو کسی مسلمان کو کافر کہتا ہے، وہ خود کافر ہوتا ہے، کیوں کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

---

[1] شیعہ اثنا عشریہ کا دعویٰ ہے کہ امامت، نبوت سے زیادہ بڑا مقام ہے۔ (دیکھیں، ص: ۲۰۷) اور یہ کہ ائمہ تمام لوگوں پر رسولوں کی طرح حجت ہیں۔ (دیکھیں، ص: ۲۶۹)

[2] یہ بھی روافض کا نظریہ ہے۔ اسی کتاب کا صفحہ (۳۳۹) دیکھیں۔

[3] یہاں ایک انتہائی اہم امر ملحوظِ خاطر رہے کہ بعض ائمہ دین تحریفِ قرآن کا نظریہ اسماعیلیہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، جب کہ یہ اثنا عشریہ کا قول ہے اور اسماعیلیہ کا یہ نظریہ نہیں ہے، بلکہ وہ باطنی تاویل کی راہ پر چلتے ہیں۔

[4] الإمام الحافظ المحدث أبو سعد عبد الكريم بن محمد بن منصور التميمي السمعاني. یہ کتاب ''الأنساب'' وغیرہ کے مولف ہیں۔ انھوں نے طلبِ علم میں کئی سفر کیے اور بہت سے علما سے سماع کیا، حتی کہ چار ہزار اساتذہ سے لکھا۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ امام ابن خلکان نے ذکر کیا ہے کہ ان کی متعدد تصانیف ہیں اور ان کی ایک کتاب ہے، جس میں انھوں نے ایک سو استاد سے ایک ہزار حدیث جمع کی ہے اور ان پر سنداً و متناً بحث کی ہے۔ یہ کتاب انتہائی مفید ہے۔ یہ ۵۶۲ھ کو فوت ہوئے۔ (وفيات الأعيان: ۳/ ۲۰۹، البداية والنهاية: ۱۲/ ۱۷۵)

[5] الأنساب (٦/ ٣٤١)

[6] محمد بن عمر بن الحسين المعروف بالفخر الرازي. یہ بہت بڑے مفسر، متکلم اور اصولی ہیں۔ ان کی تصانیف میں تفسیر کبیر اور محصول وغیرہ ہیں۔ ان کی طرف کچھ تشیع بھی منسوب ہے۔ یہ ۶۰۶ھ میں فوت ہوئے۔ (لسان الميزان: ٤/ ٤٢٦، السيوطي: طبقات المفسرين (ص: ١١٥) عيون الأنباء (ص: ٤١٤۔ ٤٢٧)

''جس شخص نے اپنے بھائی سے کہا: او کافر! تو ان دونوں میں سے کوئی ایک تو ضرور اس کا بوجھ اٹھائے گا۔''[1] لہٰذا ان کی تکفیر واجب ہے۔

ⓘ انھوں نے ایسی جماعت کو کافر کہا، جن کی تعریف اور تعظیم رسول اللہ ﷺ نے واضح لفظوں میں کی ہے، لہٰذا ان کو کافر کہنا رسول اللہ ﷺ کو جھٹلانا ہے۔

ⓙ امت کا اجماع ہے کہ جس نے صحابہ کے سادات اور معزز ترین افراد کو کافر کہا، وہ خود کافر ہے۔[2]

⑱ ابن تیمیہ:

شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

''جنھوں نے یہ دعویٰ کیا کہ قرآن سے آیات کم ہوئی ہیں یا انھیں چھپا لیا گیا ہے، یا یہ دعویٰ کیا کہ اس کی باطنی تاویلات ہیں، جو مشروع اعمال کو ساقط کر دیتی ہیں تو ان کے کفر میں کوئی شک نہیں۔

''جس نے یہ دعویٰ کیا کہ چند اشخاص کے سوا تمام صحابہ رسول ﷺ کے بعد مرتد ہوگئے، یا ان کی اکثریت فاسق ہوگئی، تو ایسے شخص کے کافر ہونے میں بھی کوئی شک نہیں، کیوں کہ وہ قرآنِ کریم کی اس آیت ﴿رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾ اور ان کی تعریف کے بارے میں قرآنی آیات کو جھٹلانے والا ہے۔

''بلکہ کون ہے جو ایسے شخص کے کافر ہونے میں شک کرے؟ اس کا کفر تو متعین ہو چکا ہے، کیوں کہ ان کے اس نظریے کا خلاصہ یہ ہے کہ کتاب وسنت کو نقل کرنے والے کافر یا فاسق ہیں اور یہ آیت: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ [آل عمران: ۱۱۰] ''تم سب سے بہتر امت چلے آئے ہو، جو لوگوں کے لیے نکالی گئی۔'' جن میں بہترین قرنِ اول کے مسلمان تھا، ان کی اکثریت کافر یا فاسق تھی۔

''شیعہ کے نظریے کا موضوع یہ ہے کہ یہ امت تمام امتوں سے بدتر ہے اور اس امت کے سابقہ پیروکار بدترین لوگ تھے۔ العیاذ باللہ۔ اس نظریے کے حامل شخص کا کافر ہونا دین کے ان امور میں داخل ہے، جن کا معلوم ہونا بداہتاً ہر کسی کو معلوم ہے۔''[3]

شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

''یہ عام بدعقیدہ لوگوں سے بدتر لوگ ہیں اور ان کے خلاف جنگ کرنا خوارج کے خلاف جنگ

---

[1] اس کی تخریج آگے آئے گی۔

[2] الرازي: نهاية العقول (الورقة: ۲۱۲ أ مخطوط)

[3] الصارم المسلول (ص: ۵۸٦۔ ۵۸۷)

کرنے سے زیادہ اہم ہے۔'' [1]

''انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی پیش کردہ شریعت کے ساتھ بے شمار انداز سے کفر کیا، کبھی یہ آپ ﷺ سے ثابت شدہ احادیث کی تکذیب کرتے ہیں تو کبھی قرآن کریم کے معانی کی تکذیب کرتے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں صحابہ کرام کی تعریف کی اور ان پر اپنی رضا مندی کا اظہار کیا، جس کی حقیقت کا یہ لوگ انکار کرتے ہیں، اس نے اپنی کتاب میں جمعے، جہاد اور اولی الامر کی فرمانبرداری کا حکم دیا، یہ اس سے خارج ہیں۔ اس نے اپنی کتاب میں مومنوں کے ساتھ محبت، موالات اور ان کے درمیان اصلاح کرنے کا حکم دیا، جس سے یہ لوگ خارج ہیں۔ اس نے اپنی کتاب میں کافروں کے ساتھ دوستی رکھنے اور ان کے ساتھ تعلقات بڑھانے سے منع کیا، اس سے یہ لوگ خارج ہیں۔ اس نے اپنی کتاب میں مسلمانوں کے خون، اموال، عزتیں، ان کی غیبت اور ان پر طنز وتعریض حرام کی، یہ لوگ سب سے زیادہ ان کو حلال قرار دیتے ہیں۔

''اس نے اپنی کتاب میں اتفاق واتحاد کا درس دیا، اختلاف اور فرقے بندی سے منع کیا، لیکن یہ تمام لوگوں سے زیادہ اس حکم سے دور ہیں۔ اس نے اپنی کتاب میں رسول کی فرمانبرداری، محبت اور اتباع کا حکم دیا، جس کی یہ مخالفت کرتے ہیں۔ اس نے اپنی کتاب میں رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے حقوق بیان کیے، جن سے یہ لوگ بَری ہیں۔ اس نے اپنی کتاب میں اپنی توحید، خالص عبادت اور شرک نہ کرنے کا حکم دیا، یہ اس کے مخالف ہیں۔ یہ مشرک ہیں، کیوں کہ یہ ان قبروں کی بہت زیادہ تعظیم کرتے ہیں، جن کو انھوں نے اللہ کے سوا بت بنایا ہوا ہے۔

''اس نے اپنی کتاب میں اپنے اسما وصفات کا ذکر کیا، یہ ان کا انکار کرتے ہیں۔ اس نے اپنی کتاب میں ذکر کیا کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ ہر چیز کا خالق ہے، جو وہ چاہتا ہے، اس کو کوئی روک نہیں سکتا، نیکی کی استطاعت اللہ کی توفیق سے ہوتی ہے، لیکن وہ ان تمام امور کا انکار کرتے ہیں۔''

اس کے بعد شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

''جو کوئی اہلِ علم کی نسبت رکھنے والا یا کوئی دوسرا شخص یہ سمجھتا ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرنا کسی جائز اور معقول تاویل کے ہوتے، حاکمِ وقت کے خلاف بغاوت کرنے والی باغیوں کی جماعت کے

---

[1] مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام (۲۸/ ٤٨٢)

خلاف جنگ کرنے کے مترادف ہے، تو ایسا انسان غلط ہے اور شریعتِ اسلام کے حقائق سے ناواقف ہے، کیوں کہ یہ لوگ بہ ذاتِ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں ہی سے خارج ہیں، جو حروری خوارج کے خروج سے بڑا شر ہے، ان کے پاس کوئی جائز اور معقول تاویل نہیں ہے۔''[1]

''جائز تاویل وہ ہوتی ہے، جس کا کوئی جواب نہ ہو اور آدمی اس پر برقرار ہے، جس طرح اجتہاد کے مواد کے متعلق اختلاف کرنے والے علما کی تاویل۔ جب کہ ان لوگوں کی یہ تاویل کتاب وسنت اور اجماع کے ساتھ نہیں، ان کی تاویل یہود و نصاریٰ کی تاویل کی قسم ہے اور ان کی تاویل خواہش پرستوں (اہلِ سنت) کی تاویل سے بھی بدتر تاویل ہے۔''[2]

شیخ الاسلام ان نظریات کے حامل افراد کی تکفیر کرتے ہیں، لیکن ان کے نزدیک کسی مخصوص اور متعین شخص کی تکفیر اس پر حجت قائم کرنے اور اس تک حقیقت پہنچانے کے ساتھ مشروط ہے، اس لیے آپ نے ان رافضہ کے متعلق جن کو گرفتار کیا گیا، درج ذیل فتویٰ دیا۔

رافضہ کو مغلوب کرنے کے بعد ان کے متعلق شیخ الاسلام کا فتویٰ:

آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ سب کو معلوم ہے کہ شام کے ساحل پر ایک بہت بڑا پہاڑ تھا، جہاں ہزاروں رافضہ رہتے تھے، جو لوگوں کا خون بہاتے اور ان کا مال لوٹتے۔ انھوں نے ایک بھاری مقدار میں لوگوں کو قتل کیا اور ان کے اموال لوٹے، جب غازان[3] کے عہد میں مسلمانوں کو شکست سے دو چار ہونا پڑا تو انھوں نے گھوڑے، اسلحہ، قیدی؛ سب کو پکڑا اور قبرص کے عیسائی کافروں کو بیچ دیا۔ جو لشکر اُن کے پاس سے گزرتا، اس کو پکڑ لیتے۔ یہ مسلمانوں کے لیے تمام دشمنوں سے زیادہ ضرر رساں تھے، ان کے ایک سردار نے تو عیسائیت کے جھنڈے تک لہرا دیے۔ انھوں نے اس سے پوچھا: مسلمان بہتر ہیں یا عیسائی؟ اس نے کہا: عیسائی۔ انھوں نے پوچھا: قیامت کے دن تم کس کے ساتھ اٹھائے جاؤ گے؟ اس نے کہا: عیسائیوں کے ساتھ۔ انھوں نے مسلمانوں کے بعض علاقے تک ان کو دے دیے۔ اس کے باوجود جب ایک مسلمان حاکم نے ان کے خلاف جنگ کرنے کے متعلق مشورہ کیا اور میں نے

[1] دیکھیں: الفتاویٰ (۲۸/ ٤٨٤۔ ٤٨٥)

[2] دیکھیں: الفتاویٰ (۲۸/ ٤٨٦)

[3] اسی کتاب کا صفحہ (۱۲۴۲) دیکھیں۔

ان سے قتال کے متعلق ایک تفصیلی فتویٰ لکھا۔[1] ....ہم ان کے علاقے میں گئے تو میرے پاس ان کی ایک جماعت آئی، پھر میرے اور ان کے درمیان مناظرے اور مذاکرات ہوئے، جن کی تفصیل لکھنا طوالت کا باعث ہوگا۔ جب مسلمانوں نے ان کے علاقے فتح کر لیے اور مسلمان ان پر غالب آ گئے تو میں نے مسلمانوں کو انھیں قتل کرنے اور انھیں جنگی قیدی بنانے سے منع کر دیا اور انھیں مسلمانوں کے علاقوں میں منتشر کر دیا، تا کہ وہ اکٹھے نہ ہو سکیں۔"[2]

دیکھیے! یہ اپنے وقت کے امام اہلِ سنت کا فتویٰ ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ اہلِ سنت اس حق کی اتباع کرتے ہیں، جو ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے آیا ہے اور جس کو رسول اللہ ﷺ نے پیش کیا۔ وہ ہر ایک مخالف کو کافر نہیں کہتے، بلکہ وہ حق کو زیادہ جاننے والے اور مخلوق کے ساتھ زیادہ رحم کرنے والے ہیں، خواہش پرستوں کے بالکل برعکس جو خود ایک رائے کو ایجاد کر لیتے ہیں اور جو ان کی اس میں مخالفت کرے، اس کو کافر قرار دے دیتے ہیں۔[3]

⑲ ابن کثیرؒ[4]:

امام ابن کثیر نے وہ بعض صحیح احادیث نقل کیں، جو نص اور وصیتِ علی کے دعوے کی نفی کرتی ہیں، اس کے بعد ان الفاظ میں ان پر تبصرہ کیا:

"اگر معاملہ ایسے ہی ہوتا، جس طرح یہ دعویٰ کرتے ہیں، تو کوئی صحابی بھی اس کی تردید نہ کرتا، کیوں کہ وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بھی اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی تمام لوگوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے اطاعت گزار تھے۔ لہٰذا وہ ایسا کبھی نہیں کر سکتے تھے کہ آپ ﷺ پر افترا پردازی کرتے، حضرت علی کو محروم کر دیتے اور دوسرے کو ان پر مقدم کر دیتے، جس کو وصیت نے مقدم کیا تھا، اس کو موخر کر دیتے۔ حاشا وکلا۔ وہ ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ جو صحابہ کرام کے بارے میں یہ گمان رکھتا ہے، وہ ان تمام کو نافرمانی، رسول کی مخالفت اور آپ کے حکم اور وصیت کی روگردانی کی طرف منسوب کرتا ہے اور جو شخص اس حد تک پہنچ جائے، وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور ائمہ اعلام

---

[1] شاید وہ یہ فتویٰ ہے: الفتاویٰ (۲۸/ ۳۹۸)

[2] منهاج السنة (۳/ ۳۹)

[3] المصدر السابق.

[4] أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير الإمام المحدث المفتي المؤرخ. جیسا کہ امام ذہبی نے کہا ہے۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ ان کی بڑی مفید تصانید ہیں، جن میں ایک تفسیرِ قرآن ہے، جو سب سے اچھی نہیں تو بہترین تفاسیر میں سے ہے۔ وہ ۷۷۴ھ کو فوت ہوئے۔ (ابن حجر: الدرر الكامنة: ۱/ ۳۷۲۔ ۳۷٤، الشوكاني: البدر الطالع: ۱/ ۱۵۳)

کے اجماع کے ساتھ کافر ہوجاتا ہے، اس کا خون بہانا شراب بہانے سے زیادہ حلال ہے۔'' [1]

رافضہ کے بارے میں یہ ثابت ہے، جس طرح پہلے گزر چکا ہے کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ نے حضرت علی کے متعلق وصیت کی تھی، صحابہ نے اس نص سے روگردانی کی اور اس کی وجہ سے مرتد ہوگئے۔ معاصر رافضہ اور ان کے بزرگ یہی کہتے ہیں۔ [2]

⑳ ابو حامد المقدسی [3]:

وہ شیعہ کے فرقوں اور ان کے عقائد کے بارے میں گفتگو کے بعد کہتے ہیں:

''ہر صاحبِ بصیرت اور سمجھ دار مسلمان پر یہ پوشیدہ نہیں کہ اس سے پہلے باب میں ہم نے اس رافضی فرقے کی مختلف اصناف کے ساتھ جن عقائد کا ذکر کیا ہے، وہ صریح کفر اور بدتر جہالت کے ساتھ عناد بھی ہے، ان سے واقف ہوجانے کے بعد کوئی شخص بھی ان کے کافر ہونے اور ان پر دینِ اسلام سے خارج ہونے کا حکم لگانے میں دیر نہیں لگائے گا۔'' [4]

㉑ ابو المحاسن یوسف الواسطی [5]:

انھوں نے رافضہ کے جملہ کفریہ عقائد ذکر کیے اور ان کے ضمن میں کہا:

''یہ لوگ صحابہ کی تکفیر کی وجہ سے کافر ہیں، جن کی عدالت، دیانت داری اور تزکیہ قرآن کریم میں ثابت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ لِتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ﴾ [البقرة: ١٤٣] ''تاکہ تم لوگوں پر شہادت دینے والے بنو۔''

اللہ تعالیٰ کی ان کے بارے میں گواہی ہے کہ یہ کافر نہیں ہوئے تھے:

﴿ فَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا هَؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَٰفِرِينَ ﴾ [الأنعام: ٨٩]

''پھر اگر یہ لوگ ان باتوں کا انکار کریں تو ہم نے ان کے لیے ایسے لوگ مقرر کیے ہیں، جو کسی

---

① البداية والنهاية (٥/ ٢٥٢)

② اسی کتاب کا صفحہ (٦٧٦ و١١٣٤) دیکھیں۔

③ محمد بن خليل بن يوسف الرملي المقدسي. یہ بہت بڑے شافعی فقیہ ہیں۔ انھوں نے ۸۸۸ھ کو وفات پائی۔ (دیکھیں: السخاوي: الضوء اللامع: ٧/ ٢٣٤، الشوكاني: البدر الطالع: ٢/ ١٦٩)

④ رسالة في الرد على الرافضة (ص: ٢٠٠)

⑤ يوسف الجحال أبو المحاسن الواسطي. یہ نویں صدی ہجری کے عالم ہیں۔ (دیکھیں: السخاوي: الضوء اللامع: ١٠/ ٣٣٨ _ ٣٣٩)

صورت ان کا انکار کرنے والے نہیں۔‘‘

’’یہ لوگ قبرِ حسین کی زیارت کو حج کا بدل قرار دے کر حج سے مستغنی ہوجانے کی وجہ سے بھی کافر ہیں، ان کا نظریہ ہے کہ اس سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور وہ اس کو حج اکبر کہتے ہیں۔ یہ کفار کے خلاف جہاد ترک کرنے کی وجہ سے بھی کافر ہیں، جن کے بارے میں شیعہ کا دعویٰ ہے کہ یہ صرف معصوم امام کی معیت میں جائز ہے، جو غائب ہے۔‘‘[1]

’’یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی ادا کردہ ان متواتر سنتوں، جیسے: جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا، نفلی نمازوں، فرضی نماز سے پہلے اور بعد کی سنتوں اور ان کے علاوہ دیگر موکدہ سنتوں میں عیب جوئی کی وجہ سے بھی کافر ہیں۔‘‘[2]

⑳ علی بن سلطان بن محمد القاری[3]:

کہتے ہیں:

’’جس نے کسی ایک صحابی کو بھی گالی دی، وہ فاسق اور بالاجماع بدعتی ہے، لیکن اگر وہ یہ عقیدہ رکھے کہ ان کو گالی دینا جائز ہے، جس طرح بعض شیعہ کا مذہب ہے، یا ان کو گالی دینا موجبِ ثواب ہے یا وہ صحابہ اور اہلِ سنت کے کافر ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے تو ایسا شخص بالاجماع کافر ہے۔‘‘[4]

اس کے بعد انھوں نے صحابہ کی مدح سرائی میں قرآن وسنت سے دلائل پیش کیے اور ان سے یہ نتیجہ کیا کہ روافض صحابہ کے بارے میں اپنا مذہب رکھنے کی وجہ سے کافر ہیں۔[5] اس کے بعد انھوں نے رافضہ کے جملہ کفریہ عقائد کا تذکرہ کیا کہ وہ کتاب اللہ میں کمی اور تبدیلی کے قائل ہیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے ان کے بعض اقوال بھی درج کیے ہیں۔[6]

---

[1] المناظرة بين أهل السنة والرافضة (الورقة: ٦٦ مخطوط)

[2] المناظرة بين أهل السنة والرافضة (الورقة: ٦٧ مخطوط)

[3] على بن سلطان الهروي المعروف بالقاري الحنفي. یہ سربرآوردہ علما میں سے ہیں اور ان کی بڑی مفید تالیفات ہیں، جن میں سے ایک ’’مشكاة المصابيح‘‘ کی شرح ہے۔ یہ ان کی سب سے بڑی ہے، اسی طرح انھوں نے شفا اور نخبہ کی بھی شرح لکھی ہے۔ یہ ۱۰۱۴ھ کو فوت ہوئے۔ (دیکھیں: خلاصة الأثر: ٣/ ١٨٥۔ ١٨٦، البدر الطالع: ١/ ٤٤٥۔ ٤٤٦)

[4] شم العوارض في ذم الروافض (الورقة: ٦ أ مخطوط)

[5] دیکھیں: المصدر السابق (الورقة: ٢٥٢۔ ٢٥٤)

[6] المصدر السابق (الورقة: ٢٥٩ أ)

۲۳ محمد بن عبدالوہاب[1]:

امام محمد بن عبدالوہاب نے اثنا عشریہ کے جملہ عقائد پر یہ حکم لگایا ہے کہ وہ کفر ہیں۔ انھوں نے اثنا عشریہ کا صحابہ پر تبرا بازی کا عقیدہ ذکر کرنے اور اللہ تعالیٰ کی قرآن میں ان کی ثنا خوانی کا تذکرہ کرنے کے بعد کہا ہے:

''جب آپ نے یہ جان لیا کہ ان کی فضیلت کے بارے میں قرآنی آیات بے شمار ہیں اور متواتر احادیث ان کے کمال پر نص ہیں تو جس نے ان کے فاسق ہونے یا ان کے ایک گروہ کے فاسق ہونے، ان کے مرتد ہونے یا ان کی اکثریت کے مرتد ہونے کا عقیدہ رکھا یا ان کو گالی دینے کے جواز کا عقیدہ رکھا، یا اس اعتقاد کے ساتھ ان کو گالی دی کہ وہ اس کا حق رکھتے ہیں، تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا۔

''متواتر اور قطعی طور پر ثابت شدہ بات کا علم نہ ہونے کا عذر غیر مقبول ہے، اس کی تاویل کرنا اور کسی معتبر دلیل کے بغیر اس کے معنی کو حقیقی مفہوم سے پھیرنا غیر مفید ہے، مثلاً کوئی شخص اس بنا پر پانچ فرض نمازوں کا انکار کرتا ہے کہ اس کو ان کی فرضیت کا علم نہیں، تو وہ اس لاعلمی اور جہالت کی بنا پر کافر ہوجاتا ہے، اس طرح اگر وہ ان کی کوئی ایسی تاویل کرتا ہے، جو ان کے معروف معنی کے خلاف ہے، تو پھر بھی وہ کافر ہوجاتا ہے، کیوں کہ قرآنی نصوص اور احادیثِ رسول کے ذریعے ان کی فضیلت کے بارے میں حاصل ہونے والا علم قطعی ہے، جو بعض کو بد زبانی کے لیے مخصوص کرتا ہے، اگر وہ ان میں سے جن کی فضیلت اور کمال تواتر کے ساتھ ثابت ہے، جس طرح خلفا، اگر وہ ان کو گالی دینے کے حلال ہونے یا استحقاق کا عقیدہ رکھتا ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ سے قطعی طور پر ثابت ہونے والی بات کی تکذیب کی وجہ سے کافر ہوجاتا ہے، کیوں کہ آپ ﷺ کی تکذیب کرنے والا کافر ہے، اگر وہ ان کو گالی تو دیتا ہے، لیکن ان کو گالی دینے کے جواز اور برحق ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتا تو ایسا شخص فاسق ہے، کیوں کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔

---

[1] محمد بن عبد الوهاب بن سليمان بن أحمد التميمي النجدي. بارھویں صدی ہجری میں جزیرۂ عرب میں اسلام کی تجدید کرنے والے امام تھے۔ ان کی توحید خالص اور ترکِ بدعات کی دعوت وہ بیداری کی پہلی چنگاری تھی، جس نے ان کا تذکرہ تمام عالمِ اسلام میں پھیلا دیا، حتی کہ ہند، مصر، عراق اور شام وغیرہ میں اصلاح پسند افراد نے ان کا گہرا اثر لیا۔ یہ ۱۲۰۶ھ کو فوت ہوئے۔ (دیکھیں: عبد العزيز بن باز: الشيخ محمد بن عبد الوهاب دعوته وسيرته، و مسعود عالم الندوي: محمد بن عبد الوهاب مصلح مظلوم و مفترى عليه، وبهجة الأثري: محمد بن عبد الوهاب داعية التوحيد والتجديد في العصر الحديث وغيرها، نیز دیکھیں: أحمد أمين: زعماء الإصلاح، ص: ۱۰، مجلة الزهراء: ۳/ ۸۲۔ ۹۸)

''بعض علما نے شیخین کو مطلق گالی دینے والے کو کافر کہا ہے۔ اگر جس صحابی کو وہ گالی دیتا ہے، وہ ان میں سے نہیں، جس کی فضیلت و کمال تواتر کے ساتھ نقل ہوا ہے تو ظاہر یہی ہے کہ اس کو گالی دینے والا فاسق ہے، لیکن اگر وہ اس کو اعتبار سے گالی دے کہ وہ نبی کا صحابی ہو تو یہ کفر ہے۔

''ان روافض کی اکثریت جو صحابہ کے بارے میں دشنام طرازی کرتے ہیں، یہ ان کو گالی حق یا جائز بلکہ واجب سمجھتے ہیں، کیوں کہ اس بد زبانی کے ذریعے سے وہ (بزعم خویش) اللہ کا قرب حاصل کرتے اور سمجھتے ہیں کہ یہ ان کے دین کا ایک اہم معاملہ ہے۔''[1]

اس کے بعد کہتے ہیں:

''علما سے جو یہ صحیح منقول ہے کہ اہلِ قبلہ کو کافر نہیں کہا جائے گا تو یہ قاعدہ اس پر صادق آتا ہے، جس کی بدعت کفر یہ نہ ہو، ... یقیناً رسول اللہ ﷺ سے جو ثابت ہے، بلاشبہہ اس کی تکذیب کفر ہے اور اس جیسے معاملے میں جہالت کوئی عذر نہیں۔''[2]

وہ ان کی کتابوں میں قرآن کریم میں کمی اور تبدیلی کے دعوے کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:

''اس سے صحابہ حتی کہ حضرت علی کی بھی تکفیر لازم آتی ہے، کیوں کہ وہ اس عمل پر راضی تھے اور ان آیات کی تکذیب بھی ہوتی ہے، جس میں مذکور ہے:

﴿لاَ يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنهُمْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلاَ مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾

[فصلت/ حم السجدة: ٤٢]

''باطل اس کے آگے اور نہ اس کے پیچھے سے لگ آتا ہے، ایک کمال حکمت والے، تمام خوبیوں والے کی طرف سے اتاری ہوئی ہے۔''

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ إِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ٩]

''بے شک ہم ہی نے یہ نصیحت نازل کی ہے اور بے شک ہم اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں۔''

---

[1] رسالة في الرد على الرافضة (ص: ١٨۔ ١٩) بلکہ یہ لوگ گالیوں کے تکفیر کی حد تک تجاوز کر چکے ہیں، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ جو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے اسلام کا اعتقاد رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف دیکھیں گے نہ اس سے کلام کریں گے اور ایسے شخص کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اسی کتاب کا صفحہ (٣٧٧) دیکھیں۔ دن بہ دن صحابہ کرام کے متعلق ان کی طعن و تشنیع بڑھتی جاتی ہے، حتی کہ آج کل یہ غلو اپنی آخری حدوں کو چھو چکا ہے۔

[2] رسالة في الرد على الرافضة (ص: ٢٠)

جس نے یہ عقیدہ رکھا کہ یہ قرآن ساقط ہونے سے محفوظ نہیں اور جو اس سے ساقط ہوا ہے، وہ اس کا حصہ تھا، تو وہ کافر ہے۔"[1]

شیخ رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

"جس نے اللہ اور اپنے درمیان کسی کو وسیلہ بنایا، وہ رافضہ کی طرح ہے، جو اپنے ائمہ کو وسیلہ بناتے ہیں۔ جو اپنے درمیان اور اللہ کے درمیان وسیلے مقرر کرتا ہے، پھر انھیں پکارتا ہے، ان سے شفاعت طلب کرتا ہے اور ان پر بھروسا کرتا ہے، وہ بالاجماع کافر ہے۔"[2]

وہ مزید کہتے ہیں:

"جس نے ائمہ کو انبیا پر فضیلت دی، وہ بالاجماع کافر ہے، یہ بات کئی ایک اہلِ علم نے نقل کی ہے۔"[3]

۲۴ شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ[4]:

وہ اثناعشریہ کے معتبر مصادر و مراجع کی روشنی میں اس مذہب کا تفصیلی مطالعہ کرنے کے بعد کہتے ہیں:

"جو ان کے خبیث عقائد اور جن پر وہ مشتمل ہیں، ان تمام امور کی حقیقت تلاش کرتا ہے، وہ یہ جان لیتا ہے کہ ان کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں اور اس کے نزدیک ان کا کفر ثابت ہو جاتا ہے۔"[5]

۲۵ محمد بن علی شوکانی[6]:

علامہ شوکانی رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں کہ روافض کی دعوت کی بنیاد دین کے خلاف ریشہ دوانی اور مسلمانوں کی شریعت کی مخالفت پر مبنی ہے۔ علمائے اسلام اور دین کے سلاطین پر تعجب ہوتا ہے کہ انھوں نے ان کو کس طرح اس انتہائی زیادہ قبیح، منکر اور برائی پر چھوڑ دیا ہے! یہ ذلیل لوگ جب اس شریعت مطہرہ کی مخالفت اور تردید کرنا

---

[1] رسالة في الرد على الرافضة (ص: ١٤۔ ١٥)

[2] رسالة نواقض الإسلام (ص: ٢٨٣) ضمن الجامع الفريد، ط: الجميح.

[3] رسالة في الرد على الرافضة (ص: ٢٩) نیز اسی کتاب کا صفحہ (۶۵۹) دیکھیں۔

[4] عبد العزيز بن أحمد (الشاه ولي الله) بن عبد الرحيم العمري الفاروقي الملقب سراج الهند. علامہ محبّ الدین خطیب فرماتے ہیں: ہند میں اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے اور شیعہ کی کتب میں انھیں تبحر حاصل تھا۔ وہ ۱۲۳۹ھ کو فوت ہوئے۔ (دیکھیں: الأعلام: ٤/ ١٣٨، مقدمة مختصر التحفة الأثنىٰ عشرية لمحب الدين الخطيب، ص: يب)

[5] مختصر التحفة الإثنىٰ عشرية (ص: ٣٠٠)

[6] امام محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی۔ یمن کے بہت بڑے عالم تھے۔ ان کی کتابوں میں "فتح القدير" اور نیل الأوطار" وغیرہ مفید تالیفات شامل ہیں۔ یہ ۱۲۵۰ھ کو فوت ہوئے۔ (دیکھیں: في ترجمته البدر الطالع: ٢/ ٢١٤۔ ٢٢٥)

چاہتے ہیں تو اس دین کے حاملین (صحابہ کرام) کی عزتوں کو نشانہ بناتے ہیں کہ جن کی راہ کے بغیر دین تک پہنچنے کے لیے ہمارے پاس کوئی راہ نہیں۔

انھوں نے اس شیطانی ذریعے اور ملعون وسیلے کی وساطت سے کم عقلوں کو ورغلا لیا، جو تمام مخلوق کی بہترین ہستیوں کو علی الاعلان دشنام طرازی کا نشانہ بناتے ہیں، شریعت کے خلاف اپنے دلوں میں بغض رکھتے ہیں اور لوگوں کو احکامِ شریعت سے بے زار کرتے ہیں اور ان کو غیر فعال کرتے ہیں۔ کبیرہ گناہوں میں اس سے بدترین کوئی وسیلہ نہیں، یہ سب سے قبیح وسیلہ ہے، کیوں کہ اس میں اللہ، اس کے رسول اور اس کی شریعت کے خلاف عناد چھپا ہوا ہے۔ یہ جس روش پر قائم ہیں، اس کے نتیجے میں یہ چار کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کر رہے ہیں، جن میں ہر ایک کھلم کھلا کفر ہے:

- اللہ کے ساتھ عناد۔
- اللہ کے رسول کے ساتھ عناد۔
- شریعت مطہرہ کے ساتھ عناد اور اس کو غیر فعال بنانے کی کوشش۔
- صحابہ کی تکفیر (رضی اللہ عنہم) جن کی کتاب اللہ میں یہ صفت ذکر ہوئی ہے کہ وہ کفار پر بڑے سخت ہیں، کفار اُن کو دیکھ کر غضب ناک ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے۔

حالاں کہ شریعت مطہرہ میں ثابت ہے کہ جس نے کسی مسلمان کو کافر کہا، وہ خود کافر ہے، جس طرح صحیحین میں حضرت ابن عمر کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جب آدمی اپنے بھائی سے کہتا ہے: اے کافر! تو دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہوگی یا تو وہ کافر ہوگا، جس طرح اس نے کہا اور اگر نہیں تو پھر یہ کفر اس (کہنے والے) کی طرف لوٹ آئے گا۔''[1]

اس سے ثابت ہوا کہ ہر خبیث رافضی کسی ایک صحابی کو کافر کہنے کی وجہ سے خود کافر ہو جاتا ہے، تو جو سب کو کافر قرار دے اور کم عقلوں کی عقلوں پر پردہ ڈالنے کے لیے محض چند ایک کو مستثنیٰ قرار دے، اس کا کیا حال ہوگا؟![2]

[1] صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب من كفر أخاه من غير تأويل فهو كما قال (٧/ ٩٧) صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان حال إيمان من قال لأخيه المسلم: يا كافر! (١/ ٧٩) سنن أبي داود، كتاب السنة، باب زيادة الإيمان ونقصانه (٥/ ٦٤) رقم الحديث (٣٦٨٧) سنن الترمذي: كتاب الإيمان، باب ما جاء فيمن رمى أخاه بكفر (٥/ ٢٢) رقم الحديث (٢٦٣٧) موطأ الإمام مالك: كتاب الكلام، باب ما يكره من الكلام (ص: ٩٨٤) مسند أحمد (٢/ ١٨، ٢٣، ٤٤، ٤٧) الطيالسي (ص: ٢٥٢) رقم الحديث (١٨٤٢)

[2] الشوكاني: نثر الجوهر على حديث أبي ذر (الورقة: ١٥۔ ١٦ مخطوط)

سلطنتِ عثمانیہ کے علما وشیوخ:

زین العابدین بن یوسف الاسکوبی نے عثمانی سلطان محمد خاں بن سلطان ابراہیم خاں کے عہد میں ایک رسالہ لکھا، جس میں اس نے نقل کیا: ''سلطنتِ عثمانیہ کے تمام متاخر علما نے ان کے کافر ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔''[1]

ما وراء النہر کے علما[2]:

تفسیر ''روح المعاني'' کے مولف علامہ آلوسی کہتے ہیں:

''علمائے ما وراء النہر کی اکثریت اثنا عشریہ کے کافر ہونے کی قائل ہے، انھوں نے ان کے خون، اموال اور عورتیں حلال قرار دی ہیں، کیوں کہ وہ صحابہ کرام بالخصوص شیخین (ابوبکر وعمر) کو سب وشتم کرتے ہیں، جو آپ ﷺ کی آنکھ اور کان تھے، وہ صدیق (رضی اللہ عنہ) کی خلافت کا انکار کرتے ہیں، ام المومنین حضرت عائشہ پر وہ بہتان لگاتے ہیں، جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بَری قرار دیا ہے، وہ حضرت علی کو اولوالعزم نبیوں کے سوا ان تمام پر ترجیح دیتے ہیں، بلکہ ان میں سے بعض ان کو ان پر بھی ترجیح دیتے ہیں اور یہ لوگ قرآن کریم کے کمی و زیادتی سے محفوظ رہنے کا بھی انکار کرتے ہیں۔''[3]

یہ اس مسئلے کے متعلق بعض ائمہ مسلمین اور علمائے مسلمین کے فتوے ہیں، میں اسی قدر فتاویٰ پر اکتفا کرتا ہوں۔ فقہ کی کتابوں میں ان کی تکفیر کے متعلق بے بہا اقوال موجود ہیں، جن کی طرف بڑی آسانی سے رجوع کیا جا سکتا ہے، اس لیے ان کو ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔[4]

---

[1] الأسکوبي: الرد علی الشیعة (الورقة: ٥ ب)

[2] اس سے مراد خراسان کے علاقے جیحون کی نہر کے پیچھے والے لوگ ہیں۔ اس کی مشرقی طرف والے علاقوں کو ''بلاد الهیاطلة'' کہتے ہیں اور اسلام میں ان کا نام ''ما وراء النهر'' رکھا گیا ہے۔ اس کی مغربی جانب تو خراسان اور خوارزم کا صوبہ ہے۔ (معجم البلدان: ٥/ ٤٥)

[3] نهج السلامة (ص: ٢٩۔ ٣٠ مخطوط)

[4] مثلاً دیکھیں: العقود الدرية في تنقيح الفتاویٰ الحامدية لابن عابدين. اس میں مولف نے شیخ نوح حنفی کا فتویٰ ذکر کیا ہے، جنھوں نے رافضہ کو متعدد وجوہ کی بنا پر کافر قرار دیا ہے۔ یہ فتویٰ بہت طویل ہے۔ (دیکھیں: العقود الدرية، ص: ٩٢) اسی طرح مولف نے مفسرِ قرآن ابو مسعود کا قول بھی ذکر کیا ہے اور رافضہ کی تکفیر پر اپنے علما کا اجماع نقل کیا ہے۔ (المصدر السابق)
فتاویٰ بزازیہ لابن البزاز المتوفی ۸۲۷ھ میں ہے: ''کیسانیہ کی نظریہ بدا کی وجہ سے تکفیر ضروری ہے اور رافضہ کی تکفیر عقیدۂ رجعت کی وجہ سے لازمی ہے۔ (الفتاویٰ البزازية المطبوعة علی هامش الفتاویٰ الهندية: ٦/ ٣١٨) امام ابن نجیم حنفی کہتے ہیں کہ شیخین کو گالی دینا اور ان پر لعنت کرنا کفر ہے۔ (الأشباه والنظائر، ص: ١٩٠) نیز دیکھیں: نواقض الروافض لمخدوم ←

چند ضروری امور:

یہاں چند امور ملحوظِ خاطر رہیں:

- علماے اسلام کا روافض پر یہ حکم اس وقت کا ہے، جب ان کی کتابوں اور ان کے عقائد کا علی الاعلان اظہار اور اشاعت اس وسیع پیانے پر نہیں تھا، جس طرح آج ہے، اس لیے اس مقالے کے صفحات پر اثنا عشریہ کے ایسے عقائد بھی ذکر ہوئے ہیں، جنھیں علماے اسلام باطنی فرقے قرامطہ کی طرف منسوب کرتے تھے، مثال کے طور پر قرآن کریم میں کمی اور تحریف کا نظریہ، جو ان کی کتابوں میں مشہور تھا۔ اسی طرح ان کے اکثر اعتقادی اور اصولِ دین کے مسائل بھی انہی کی طرف منسوب تھے، پھر ان کے کچھ ایسے بھی عقائد تھے، جو معروف نہیں تھے، جیسے شیعی خمیر اور خاک کا عقیدہ وغیرہ ہے، اس کا یہ مطلب ہوا کہ ان علما کا آج رافضہ پر حکم اس سے بھی زیادہ سخت ہوتا۔
- متاخر اور معاصر رافضہ نے مذہب کا گھٹیا اور خطرناک ترین مواد اکٹھا کیا ہے۔ انھوں نے تقدیر کی نفی میں قدریہ کا نظریہ، صفات کی تردید میں جہمیہ کا نظریہ اور خلقِ قرآن کا عقیدہ، صوفیہ سے وحدۃ الوجود کی گمراہی، سبائیہ سے حضرت علی کو الوہی صفات کا حامل قرار دینے کا قول، خوارج اور وعیدیہ سے مسلمانوں کی تکفیر اور مرجیہ کے عقیدے کے مطابق حبِ علی کے ہوتے ہوئے کوئی برائی برائی نہیں رہتی، کا عقیدہ کشید کر کے شیعیت کو ان تمام گمراہیوں کا ملغوبہ بنا دیا ہے۔ بلکہ قبروں کی تعظیم، ان کا طواف، ان کی طرف منہ اور قبلے کی طرف پشت کر کے نماز پڑھنے، جیسے شرکیہ اعمال کے ذریعے سے وہ مشرکین کی راہ پر بھی چل نکلے ہیں جو عین مشرکوں کا مذہب ہے۔[1]

کیا اس کے بعد بھی اس میں کوئی شک باقی رہتا ہے کہ اس فرقے نے اپنے لیے اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا مذہب پسند کیا ہوا ہے؟ یہ لوگ اگرچہ کلمہ پڑھتے ہیں، لیکن انھوں نے بہت سارے کفریہ اعمال کے ذریعے سے اس کلمے کا کام تمام کر دیا ہوا ہے، لیکن پھر بھی کسی کو کافر کہنے کے بارے میں اہلِ سنت کے طریقے کار اور ان کے منہجِ تکفیر کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے:

''یہ تمام اقوال اور نظریات جن کے وہ قائل ہیں اور ان کے متعلق معلوم ہے کہ یہ رسول ﷺ کی پیش

← الشیرازي. اس میں مولف نے مذاہب اربعہ کے علی کے تکفیرِ رافضہ کے متعلق اقوال نقل کیے ہیں۔ (الورقة: ۱۸۷أ وما بعدها) و تكفير الشيعة، لمطهر بن عبد الرحمن بن إسماعيل (الورقة: ۵۱)

[1] اس کی تفصیل اور اثنا عشریہ کا اس عقیدے کو اپنانے کے ثبوت کے لیے اسی کتاب کا صفحہ (۱۱۰۲) دیکھیں۔

کردہ تعلیمات کے خلاف ہیں، یہ تمام اقوال کفریہ ہیں، اسی طرح ان کے وہ افعال جو کافروں کے افعال و اعمال کی جنس سے ہیں اور کافر اس طرح کا رویہ مسلمانوں کے ساتھ رکھتے ہیں، یہ بھی کفر ہیں۔ لیکن اہلِ قبلہ میں سے کسی ایک مخصوص اور متعین شخص کو کافر قرار دینا اور اس پر دائمی جہنمی ہونے کا حکم لگایا شروطِ تکفیر کے ثبوت اور عدمِ مانع پر موقوف ہے۔ ہم وعد و وعید اور تکفیر و تفسیق کی نصوص و آیات کا مطلقاً ذکر کرتے ہیں اور ان کے عام معنی میں کسی مخصوص شخص کو اس وقت تک داخل نہیں کر سکتے، جب تک اس میں تکفیر کا تقاضا کرنے والا کوئی عمل ثابت نہ ہوجائے، جس کا کوئی مخالف نہ ہو، اس لیے علماے اسلام ایسے شخص کو کافر نہیں کہتے، جو نیا نیا مسلمان ہونے کی وجہ سے یا کسی دور دراز کے علاقے اور علمی طور پر پسماندہ بستی کے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے کسی حرام کام کو حلال کر لے۔ کفر کا حکم پیغامِ اسلام پہنچانے کے بعد ہوتا ہے، اس لیے ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے، جن کو وہ نصوص اور دلائل نہ ملے ہوں، جو ان کے موقف کے خلاف ہوں۔ ہوسکتا ہے، اس کو علم ہو نہ کہ رسول اللہ ﷺ اس کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں۔ اس لیے مطلقاً کہا جائے گا کہ یہ قول کفر ہے اور اس کو کافر کہا جائے گا، جس پر وہ حجت قائم ہوجائے، جس کے تارک کو کافر کہا جا سکے، دوسرے کو نہیں۔'' [1]

---

[1] الفتاویٰ: ۲۸/ ۵۰۰۔ ۵۰۱) اسی مسئلے کی تفصیل کے لیے دیکھیں: الفتاویٰ (۱۲/ ٤٦٦ وما بعدھا، ۲۳/ ۳٤٥ وما بعدھا)

خاتمہ

الحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات، والصلاة والسلام على من ختم الله به النبوات وعلى آله وصحبه الذين كان ولاؤهم وتشيعهم لمحمد بن عبد اللهﷺ وللحق الذي جاء به، وكانوا بنعمة الله إخوانا في جميع الأوقات.

اس تحقیق کے مسائل پر غور وفکر کرتے ہوئے، شیعہ کے معتبر مصادر اور دیگر مآخذ سے اس کا علمی مواد اکٹھا کرتے ہوئے اور اس کی ترتیب، تصویب، تحقیق اور تنقید پر چار سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا۔

یہ کتنا تکلیف دہ مرحلہ ہے کہ آپ ایک ایسے گروہ کے بارے میں پڑھیں اور سنیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے بدبخت، گمراہ اور اندھا کر دیا ہے اور وہ ایک ایسے امام کے پیچھے چل رہے ہیں، جس کا وجود ہی نہیں۔ وہ ایک خیالی کتاب، مزعوم جفر اور دیگر خود ساختہ افسانوں کے سائے میں زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کی روایات اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ اور محفوظ کتاب پر حرف گیری کرتی ہیں، جبکہ اس پر امت کا صدیوں سے اجماع چلا آرہا ہے اور رسولِ کریم ﷺ کی سنت، جس کی جمع تدوین اور حفاظت کے لیے امت کے علما نے اپنی زندگیاں کھپا دیں، ان کی مرویات اس کو جرح وتنقید کا نشانہ بناتی ہیں۔ یہ لوگ اجماعِ امت کو پسِ پشت ڈال کر ایک مجہول گروہ کے قول کو اس گمان کے تحت قبول کرتے ہیں کہ ہوسکتا ہے، مہدی بھیس بدل کر اپنی کمین گاہ سے نکل آیا ہو اور ان کے ساتھ اس نے اپنی رائے دی ہو!

یہ لوگ بعض زندیقوں کی طرف سے آلِ بیت کی طرف منسوب جھوٹی روایات کو سچا مان کر، اصحابِ رسول ﷺ کو کافر کہتے ہیں، جن سے اللہ راضی ہو چکا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی، جنھوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور چہار دانگِ عالم میں اللہ تعالیٰ کے کلمے کو پھیلا دیا!

ان خرافات سے اللہ محفوظ رکھے اور عقل، ایمان اور یقین کی نعمت پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے، کم ہے۔ اس بحث کے اختتام پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ درج ذیل نقاط کے تحت بعض نتائج اور اہم جوانب ذکر کیے جائیں:

(1) تشیع کا لغوی معنی نصرت اور پیروی ہے۔ یہ معنی اور مفہوم آج تشیع کے دعوے داروں میں نہیں پایا جاتا۔ یہ رافضہ

ہیں، جس طرح ان کو سلف صالحین نے یہ نام دیا ہے، یا یہ لوگ تشیع کی طرف منسوب ہیں، حقیقی شیعہ نہیں۔

- لفظِ تشیع قرآنِ کریم میں بالعموم مذموم معنی میں ذکر ہوا ہے۔ احادیث میں خصوصیت کے ساتھ اس فرقے کا ذکر نہیں ہوا، ماسوائے چند ضعیف روایات کے، ان میں بھی رافضہ کا ذکر بہ طورِ مذمت ہی ہوا ہے۔
- شیعہ کے کئی ارتقائی مراحل، فرقے اور درجات ہیں، جن میں کچھ غلو میں مکمل طور پر ڈوبے ہوئے ہیں تو کچھ اس میں اعتدال پسند ہیں۔ اسی لیے تشیع میں پہلے لوگوں کے ہاں جو غلو کا مفہوم، بعد والے لوگوں میں رائج مفہوم سے مختلف ہے، بلکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ عصرِ حاضر کے شیعہ کے جملہ عقائد ان کے چوتھی صدی کے بزرگوں کے نزدیک شیعیت میں غلو خیال کیے جاتے تھے، تو پہلے شیعہ کے نزدیک وہ کیا ہوں گے؟

لہٰذا شیعہ کی تعریف ان کے آغاز کے مختلف ادوار و اطوار اور ان کے اعتقادی ارتقائی مراحل کے ساتھ منسلک ہے۔ ماضی میں جو حضرت علی کو حضرت عثمان پر فوقیت دیتا تھا، وہ شیعہ کہلاتا تھا، لیکن جب شیعہ کے علما نے کلینی، قمی، مجلسی اور ان کی طرح کے لوگوں کی کتابوں کو اپنے معتبر مصادر و مراجع قرار دیا تو شیعیت میں غلو پھیل گیا اور اس کا سفینہ انتہا پسندی اور تفریط کے ساحل پر لنگر انداز ہو گیا، حتیٰ کہ ہم نے دیکھا کہ عصرِ حاضر کا ان کا سب سے بڑا مرجعِ تقلید خوئی، ابراہیم قمی کی اپنی تفسیر میں ذکر کردہ روایات کو ثقہ قرار دیتا ہے، حالاں کہ وہ کفریات پر مشتمل ہیں۔

آج جو شخص شیعہ کے معاملے میں کسی شک اور تردد کا شکار ہے، اس کے لیے اتنا ہی کافی ہوگا کہ وہ اس کتاب کو ملاحظہ کر لے، جو شیعہ کے نزدیک معتبر کتاب ہے، تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ عصرِ حاضر کے شیعہ نے اپنے لیے جو دین پسند کیا ہے، وہ اسلام نہیں، بلکہ کوئی دوسرا دین ہے!!

- نام کے شیعہ علما نے ایرانیوں، رومیوں، یونانیوں، عیسائیوں، یہودیوں اور دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کے ادیان و مذاہب سے بہت سارے امور لیے اور ان کو تشیع کے رنگ میں رنگ دیا اور وہ رسول کریم ﷺ کی پیشین گوئی کے مصداق ہو گئے کہ اس امت کے بعض لوگ سابقہ امتوں کی سنتوں اور طریقوں کی پیروی کریں گے۔

شیعہ کے بعض اصول اور نظریات کو اسلامی معاشروں میں پھیلانے کا آغاز ابن سبا اور اس کے پیروکاروں کے ہاتھوں ہوا، لیکن کوفہ کے ایک چھوٹے سے گروہ کے سوا باقی کسی اسلامی علاقے میں ان کو پذیرائی نہ مل سکی، پھر حضرت علی اور حضرت حسین کی شہادت جیسے واقعات کی وجہ سے ان کے لیے تشیع کی آڑ عالمِ اسلام میں اپنا کام اور مذہب پھیلانا آسان ہو گیا۔

- شیعہ بہت زیادہ فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ بعض نے ذکر کیا ہے کہ ان کی تعداد تین سو تک پہنچ گئی۔ یہ آج

تین رجحانات میں منقسم ہیں: اسماعیلیہ، زیدیہ اور اثنا عشریہ۔ اثنا عشریہ سب سے بڑا فرقہ ہے اور ان کی تعداد بھی سب سے زیادہ ہے۔

میں نے ایک بات ملاحظہ کی، جو ایک مستقل بحث کے لائق ہے کہ تاریخ کے مختلف مراحل میں ظاہر ہونے والے کسی بھی شیعہ فرقے نے جو بھی رائے اور نظریہ قائم کیا، آپ کو آج اثنا عشریہ کے مآخذ میں غالباً اس کی دلیل اور شاہد مل جائے گا، حتی کہ ابن سبا، مختار بن عبید ثقفی، بیان بن سمعان اور مغیرہ بن سعید جیسے غالیوں کے پنڈتوں کی آرا بھی آپ کو ان کے مصادر میں مل جائیں گی۔

(۶) اثنا عشریہ، رافضہ، جعفریہ اور امامیہ کے القاب سے پکارے جاتے ہیں، ان کو قطعیہ اور موسویہ بھی کہا جاتا تھا۔ ایک جماعت کا یہ موقف ہے کہ آج جب شیعہ کی اصطلاح مطلقاً بولی جائے تو اس سے یہی مراد ہوتے ہیں۔

پھر اثنا عشریہ کی کوکھ سے کئی فرقوں نے جنم لیا، جیسے: شیخیہ، کشفیہ اور بابیہ وغیرہ ہیں۔

(۷) شیعہ اپنے شذوذ اور انحراف پر استدلال کرنے کے لیے ہر رجحان اور جہت پر چل نکلتے ہیں۔ کبھی یہ کہتے ہیں کہ ان کے مذہب پر دلالت کرنے والی قرآنی آیات کو صحابہ کرام نے حذف کر دیا تھا، تو کسی وقت یہ باطنی تاویلات کا سہارا لیتے ہیں، جن کی کوئی دلیل نہیں ہوتی اور کبھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے مذہب پر دلالت کرنے کے لیے ان کے ائمہ پر الٰہی کتابیں نازل ہوتی ہیں۔

کسی موقع پر اہلِ سنت کی اسناد سے مروی روایات کے ساتھ چمٹ جاتے ہیں، جو یا جھوٹی ہوتی ہیں یا ان کے مزعوم دعوے پر دلالت ہی نہیں کرتیں۔ یہاں ان کے پاس اتنے مکارانہ حیلے ہیں کہ یہودی بھی جن کا عشر عشیر نہیں جانتے۔ یہ تمام مکاریاں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ فرقہ اپنے مذہب کو شرعی اصول کے دلائل کے ساتھ ثابت کرنے سے عاجز ہے۔

(۸) شیعہ ۲۶۰ھ سے لے کر ایک معدوم کی پیروی کر رہے ہیں، جس کا کوئی وجود ہی نہیں۔ یہ لوگ اپنے علما کے شیعہ اور پیروکار ہیں، اہلِ بیت کے شیعہ نہیں، بلکہ یہ شیطانوں کی پیروی کرتے ہیں، جو ان کے سامنے امام غائب کی صورت میں حاضر ہوتے ہیں، جس طرح ان کی روایات مشہور ہیں، جو اس معدوم کے ساتھ ملاقات کا ذکر کرتی ہیں۔

اس معدوم کے قول اور نظریے نے شیعہ فرقوں کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھا ہوا ہے، کیوں کہ یہ ان کو آلِ بیت سے آزادی دلواتا ہے، جن میں نیک، متقی لوگ اور علما تھے، انھوں نے ان مفت کے مال خور طفیلیوں کا پردہ چاک کیا، جو آلِ بیت کے نام پر لوگوں کے باطل طریقے سے مال کھاتے ہیں اور اللہ کے دین میں بلا دلیل

بدعتیں نکال کرانھیں آلِ بیت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اس معدوم کی اتباع کی وجہ سے مال، عزت، دولت اور ریاست شیعہ علما کو ملی ہے، آلِ بیت کو نہیں۔

(۸) شیعہ کہتے ہیں: ''قرآن قیم (نگران) کے بغیر حجت نہیں اور یہ قیم بارہ اماموں میں کوئی ایک ہوتا ہے۔'' انھوں نے یہاں تک کہا ہے کہ امام قرآن ناطق (بولتا قرآن) ہے اور کتاب اللہ قرآن صامت (خاموش) قرآن ہے۔

ان کا دعویٰ ہے کہ قرآن کا سارا علم اس قیم کے پاس ہے، جس میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں، وہ اس کی تفسیر ہے، بلکہ وہی قرآن ہے۔ اس لیے اس کو قرآن کے عموم کی تخصیص، مطلق کی تقیید، مجمل کی تفصیل اور جو چاہے اس کو منسوخ کرنے کا حق رکھتا ہے، بلکہ دین کا سارا معاملہ امام ہی کے سپرد ہے۔

شیعہ کا خیال ہے کہ ہر آیت کا ایک باطنی معنی ہوتا ہے، پھر کہتے ہیں کہ ہر آیت کے سات باطنی معانی ہیں، پھر ان کے پیمانے اور اندازے مزید بھر گئے، تو انھوں نے کہہ دیا کہ ہر آیت کے ۷۰ باطن ہیں۔

شیعہ کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب جس کو اس نے امت کی ہدایت کے لیے نازل کیا، جو زندگی کے تمام پہلوؤں کے لیے کامل دستورِ حیات ہے، وہ صرف بارہ اماموں کے بارے میں اور ان کے دشمنوں کے بارے میں نازل ہوئی اور ان کے دشمن کون ہیں؟ ان کے بقول وہ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) ہیں!!

اس لیے یہ لوگ توحید، اسلام، ارکانِ ایمان اور حلال وحرام کی آیات کی بار اماموں کے ساتھ تفسیر کرتے ہیں اور شرک، کفر، بے حیائی، برائی اور ظلم و زیادتی کے متعلق آیات کی تفسیر صحابہ اور ان کے پیروکار مومنوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ یہ واضح ہو چکا ہے کہ ان تمام تاویلات کی اصل مغیرہ بن سعید اور جابر جعفی سے جا ملتی ہے، پھر ان کے بعد غالی رافضہ ان کے نقشِ قدم پر چل نکلے تو انھوں نے ان میں اتنا مبالغہ اور اضافہ کیا، جو سابقہ لوگوں کے گمان میں بھی نہیں گزرا ہوگا۔ عصرِ حاضر کے علما اس جھاگ سے بھری ہوئی ان مدونات اور مجلدات کو اپنا سب سے ثقہ اور معتبر مصادر قرار دیتے ہیں!!

(۹) ''تحریفِ قرآن کی کذب بیانی'' روافض نے دوسری صدی میں یہ قول پیش کیا اور یہ ہشام بن حکم اور شیطان الطاق کی طرف منسوب کیا گیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ان کے پاس اپنے پیروکاروں کو اپنے دعوے کے متعلق مطمئن کرنے کے لیے کوئی چیز نہیں تھی، کیوں کہ کتاب اللہ میں شیعہ کے ائمہ اور ان کے عقائد کے متعلق کوئی نص اور آیت موجود نہیں تھی تو انھوں نے قرآنِ کریم میں تحریف کا جھوٹ گھڑ لیا۔

لیکن جونہی چوتھی صدی آئی، پوری امت نے بیک آواز ان کو اس شرم ناک کھائی میں گرنے کی وجہ سے کافر قرار دیا تو ان کے بڑے (ابن بابویہ) نے شیعہ کی اس عقیدے سے لاتعلقی کا اعلان کیا اور کہا کہ جس نے یہ عقیدہ شیعہ کی طرف منسوب کیا ہے، وہ جھوٹا ہے۔ ابن مرتضٰی طوسی اور طبرسی نے بھی اس کے موقف کو اختیار کیا۔

یہی وجہ ہے کہ بعض اہلِ علم اس عقیدے کو باطنیہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، حالاں کہ باطنیہ اس نظریے کے متعلق بحث نہیں کرتے، اس سلسلے میں سب سے بڑے سرغنے اثنا عشری ہیں اور انھوں نے اس کے متعلق بہ کثرت روایات وضع کیں۔

یہ نظریہ شیعہ کی سب سے پہلے ظاہر ہونے والی کتاب سلیم بن قیس میں لکھا گیا، جس کو یہ شیعہ کی ابجد بھی کہتے ہیں، ان کے بعض علما نے اس کے متعلق انکشاف کیا کہ یہ کتاب جھوٹی ہے اور اس کا مولف کوئی مجہول اور گمنام آدمی ہے۔

(۸) سنت مطہرہ کے متعلق بھی ان کے ناقابلِ تسلیم اصول ہیں، جیسے ان کا یہ کہنا کہ امام پر وحی نازل ہوتی ہے، بلکہ اس کے پاس جبرائیل سے بھی بڑی کوئی مخلوق وحی لے کر آتی ہے!!

وہ کہتے ہیں کہ جس نے کسی امام سے کوئی حدیث سنی، اس کو یہ کہنا چاہیے: ''قال اللہ'' (اللہ نے کہا) کیوں کہ ان کا قول اللہ کے قول کی طرح ہے اور ان کی اطاعت اللہ کی اطاعت کی طرح ہے۔

نیز ان میں روح القدس بھی ہے، جس کے ذریعے ''وہ عرش کے نیچے سے لے کر زمین کے نیچے'' تک ہر چیز کو جانتے ہیں، اس کے ذریعے سے وہ سب دیکھتے ہیں، جو ان سے زمین کے اطراف اور آسمان کے کناروں میں اوجھل ہے، وہ ہر جمعہ کے روز رحمٰن کے عرش پر حاضری دیتے ہیں، تا کہ وہاں سے جو علم لینا چاہیں لے لیں۔

وہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ حضرت علی اور ائمہ سے سرگوشیاں کرتا ہے۔ یہ سب ان کے نزدیک ''علمِ حادث'' کے نام سے معروف ہے اور جو علم کتابوں کی شکل میں ہے اور ان کو رسول اللہ ﷺ سے وراثت میں ملا ہے، وہ بہت زیادہ خیالی کتابیں ہیں، جیسے جامعہ، جفر، کتابِ علی، عبیطہ اور دیوان الشیعۃ وغیرہ۔

وہ کہتے ہیں: تمام صحابہ کے سوا صرف حضرت علی نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بلکہ آپ کی وفات کے بعد بھی ان علوم، اَسرار اور کتب کی تحصیل جاری رکھی، سنتِ رسول معلوم کرنے کا وہ اکیلا دروازہ ہے، جس نے بھی دوسروں سے سننے کا دعویٰ کیا، اس نے شرک کیا۔

ان کے نزدیک ائمہ کے ذریعے ۲۶۰ھ وحی الٰہی تک جاری رہی، اس کے بعد مہدی کے نائبین کے ذریعے سے تقریباً ۷۴ سال تک مزید جاری رہی، اس کے بعد شیعہ علما کے ذریعے سے جاری رہی، جن کا ان کے مہدی کے

ساتھ خفیہ تعلق تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے علما نئی نئی بدعات اختراع کرتے رہتے ہیں، حتی کہ سلطنتِ صفویہ کے سرکاری عالم علی کرکی نے مخلوق کے لیے سجدے کا جواز اور نظریہ وضع کر لیا اور خاک پر سجدہ کرنے کی بدعت بھی گھڑ لی۔ ان کے امام خمینی نے مہدی کے تمام منصبی امور عملی طور پر اپنی اور اپنی سلطنت کی طرف منتقل کر لیے۔

شیعہ کی الگ سے حدیث کی کتابیں ہیں، جن میں انھوں نے رطب و یابس کو جمع کیا۔ ان کی یہ کتابیں مسلمانوں سے علاحدہ اور مستقل کتابیں ہیں۔ یہ چار مصادر ہیں: ① الکافی، ② التہذیب، ③ الاستبصار، ④ من لا یحضرہ الفقیہ۔ متاخرین نے ان کے ساتھ مزید یہ چار کتابیں ملا دیں: ① الوافی، ② البحار، ③ الوسائل، ④ مستدرک الوسائل۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے علما کی متعدد کتابوں کا اضافہ کر لیا اور ان کو بھی ان چار مصادر جیسی اہمیت دی۔

یہ اپنی کتابوں میں مذکور ہر روایت کو قبول کرتے تھے، حتی جب شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا دور آیا اور انھوں نے ابن مطہر حلی کی تردید میں ''منهاج السنة'' لکھی تو انھوں نے شیعہ کو یہ طعنہ دیا کہ وہ علمِ روایت سے ناواقف ہیں، تب ابن مطہر نے اپنی احادیث کو صحیح، حسن، موثق اور ضعیف میں تقسیم کا طریقہ کار وضع کیا۔ اس کا سبب عامہ (اہلِ سنت) کی لعن طعن سے بچنا تھا، جو شیعہ کے اس مسئلے میں اختلاف کی صورت میں سامنے آیا، جس کی وجہ سے یہ اخباری اور اصولی دو گروہوں میں تقسیم ہوگئے۔ یہ اس تحقیق کا ایک اہم نتیجہ ہے۔

شیعہ کے ایک عالم نے یہ اعتراف کیا ہے کہ اگر وہ اہلِ سنت کی طرح علمِ جرح وتعدیل کو عمل میں لائیں تو ان کے پاس کوئی حدیث نہیں بچے گی اور ان کو کوئی دوسرا مذہب تلاش کرنا پڑے گا۔ شیعہ کے رجالِ حدیث محض نام کی حد تک ہیں، جن کا کوئی وجود نہیں، ان میں سے اکثر خود اثنا عشریہ کی نگاہ میں فاسد مذاہب کی طرف منسوب ہیں اور وہ کافروں کی فہرست میں ہیں، لیکن وہ پھر بھی ان کی روایات قبول کرتے ہیں، کیوں کہ وہ شیعہ ہیں۔ اہلِ سنت، زیدیہ اور اہلِ بیت میں سے بارہ کے علاوہ وہ کسی کی روایت قبول نہیں کرتے، حتی کہ انھوں نے زید بن علی کی روایات بھی قبول نہیں کیں، لیکن وہ امامی جو ان کے مذہب پر قائم ہو، وہ جس طرح کا بھی ہو، اس کی بات قبول کی جاتی ہے!!

حتی کہ شیعہ کے ایک عالم نے کہا ہے:

''آدمی کے دین میں جرح اس کی حدیث کے صحیح ہونے پر اثر انداز نہیں ہوتی۔''

رافضہ اپنے تمام عقائد اور نظریات کی بنیاد ان روایات پر رکھتے ہیں، جن کو ان جھوٹے الزام تراشوں نے وضع کر کے ائمہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ ائمہ ان سے بَری ہیں، کیوں کہ ان ائمہ یں خلیفہ راشد حضرت

علی بھی داخل ہیں، جن کی اطاعت اپنے سے پہلے خلفا کی طرح واجب ہے اور ان ائمہ میں دین اور علم کے امام بھی شامل ہیں، جس طرح علی بن حسین، ابوجعفر باقر اور جعفر صادق ہیں، جو ان جیسے دیگر ائمہ دین اور علم کے لیے واجب ہے، وہی ان کے لیے بھی واجب ہے، کچھ ائمہ ان سے کم درجے کے تھے، کچھ ایسے بھی تھے جس کو بعض اہلِ علم نے ضعیف قرار دیا ہے، جس طرح حسن عسکری تھے، پھر ان ائمہ میں ایک معدوم بھی شامل ہے، جس کا کوئی وجود ہی نہیں۔ جس غلو کی نسبت وہ ان ائمہ کی طرف کرتے ہیں، وہ عہدِ رفتہ کے زنادقہ کی دماغی اختراع ہے۔

(۱۰) شیعہ کے نزدیک اجماع حجت نہیں، لیکن اگر کسی باب (دربان) کے ذریعے سے ان کے معدوم امام کی طرف کوئی قول منسوب کیا جائے اور ساری امت اس کے خلاف ہو تو حجت معدوم کا قول ہوگا، امت کا قول نہیں، بلکہ امت کی مخالفت ان کے مذہب کا ایک مقرر قاعدہ ہے، یہ یہاں تک کہتے ہیں: جو امت کے خلاف ہو، اس میں ہدایت ہے، بلکہ اگر شیعہ بھی ایک قول پر اتفاق کر لیں اور شیعیت کی طرف منسوب ایک مجہول گروہ ان کی مخالفت کرے تو اس مجہول گروہ کا قول حجت ہوگا، کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ وہی مہدی منتظر ہو، جو بھیس بدل کر آیا ہو اور اس گروہ کی رائے میں شریک ہوگیا ہو۔

اس کا یہ مطلب ہوا کہ ان کا مذہب قیامت تک پھیلتا رہے گا، کیوں کہ جب اس فرقے نے یہ نظریہ بنا لیا تو یہ جن و انسان کے شیاطین جو چاہیں، اس میں بنا کر داخل کر دیں۔

(۱۱) اصولِ دین اور توحید کے عقائد کے باب میں یہ لوگ نفیِ صفات کی وجہ سے جہمیہ، تقدیر کی نفی کر کے قدریہ اور یہ کہہ کر کہ ایمان امام کی معرفت اور محبت کا نام ہے، مرجیہ ہیں اور دوسروں کے لیے وعید یہ ہیں، کیونکہ یہ اپنے فرقے کے علاوہ تمام لوگوں کو کافر کہتے ہیں۔

یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ یہ کئی مسائل میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور الوہیت میں بھی شرک کرتے ہیں۔ کتابوں اور رسولوں کے متعلق ان کے عقائد ہیں کہ ائمہ پر آسمانی کتابیں نازل ہوتی ہیں، ان کے پاس انبیا کی کتابیں ہیں، جن کو یہ پڑھتے ہیں اور ان کی روشنی میں فیصلے بھی کرتے ہیں۔ نیز ائمہ کے انبیا کی طرح کے معجزات ہیں، بلکہ وہ رسولوں سے افضل ہیں، ان کے ساتھ ہی بندوں پر حجت قائم ہوتی ہے۔

آخرت پر ایمان کے متعلق شیعہ کا عقیدہ ہے کہ آخرت امام کی ہے، جنت حضرت فاطمہ کا مہر ہے، ائمہ دنیا ہی میں جنت کے کھانے کھاتے ہیں اور قیامت کے دن مخلوق کا حساب ائمہ کے سپرد ہوگا۔ اس جنت اور جہنم کے علاوہ جس پر مسلمان ایمان رکھتے ہیں، ایک اور جنت اور دوزخ بھی ہے، جن میں مردوں کو دفنایا جاتا ہے۔ قم میں

ایک دروازہ ہے، جو جنت میں کھلتا ہے اور اہلِ قم قیامت کے دن تمام لوگوں کی طرح اکٹھے نہیں کیے جائیں گے۔

(۱۰) ان کے امت سے علاحدہ کچھ دوسرے عقائد بھی ہیں، جیسے بارہ اماموں کی امامت، ان کی عصمت، تقیہ، مہدیت، غیوبت، رجعت، ظہور، طینہ اور بدا۔

ان کے نزدیک مسلمانوں کی امامت اور سربراہی بارہ اماموں کا حق ہے، ان کے علاوہ جو بھی مسلمانوں کا سربراہ بنتا ہے، وہ طاغوت ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ اس کی طرف دیکھے گا نہ اس کے ساتھ کلام ہی کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ اسی طرح جس نے ایسے شخص کی بیعت کی یا اس کی بیعت پر رضا مندی کا اظہار کیا، اس کا بھی یہی انجام ہوگا۔

ان بارہ اماموں کو سہو ہوتا ہے نہ نسیان اور یہ اپنی ولادت سے لے کر تمام عمر تک غلطی نہیں کرتے۔

جب ائمہ کے اقوال اور افعال ان کے نظریہ عصمت کی مخالفت کرتے تو انھوں نے اپنے مزاعم اور خیالات پر پردہ ڈالنے کے لیے بدا اور تقیے کے عقیدے گھڑ لیے، چنانچہ ائمہ کے ان افعال کو، جو مسلمانوں کے مطابق ہیں، وہ تقیے پر محمول کرتے ہیں اور ان روایات کو جو حقیقت اور حالات پر پوری نہیں اترتیں، وہ بدا پر محمول کرتے ہیں۔ جب شیعہ نے ائمہ کی متعین اشخاص کے ساتھ تحدید کی تو حسن عسکری کے لا ولد فوت ہو جانے کی وجہ سے ائمہ کا سلسلہ منقطع ہو گیا، جس سے ان کو بہت زیادہ صدمہ ہوا، اس لیے انھوں نے بہت زیادہ ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد یہ بات نکالی کہ ان کا ایک بیٹا ہے، جو ابھی بچہ ہے اور وہ چھپ گیا ہے، اس لیے اب وہی مسلمانوں کا امام ہے اور وہ ان کے سامنے ظاہر ہو جائے گا۔

اس کے بعد شیعہ کے علما نے نائبین اور سفرا کے ذریعے سے اس کے اختیارات پر قبضہ جما لیا اور اس کو تدریج کے ساتھ اپنے علما کے درمیان پھیلا دیا چنانچہ وہی حاکم بن گئے، جو شیعہ عوام پر اپنا حکم چلاتے اور ان کو فریب سے یہ باور کرا رکھا ہے کہ وہ اہلِ بیت کے پیروکار ہیں، جبکہ وہ حقیقت میں معدوم کے پیروکار ہیں یا شیطان کے تابع ہیں!!

عقیدہ رجعت میں وہ مرنے کے بعد دنیا میں دوبارہ آنے کا خواب دیکھتے ہیں اور اپنے دشمنوں سے، جو صحابہ و تابعین اور اہلِ سنت ہیں، انتقام لیں گے۔

عقیدۂ ظہور کے مطابق، رجعت مزعومہ کے علاوہ، ائمہ قیامت سے پہلے بعض لوگوں کے سامنے اپنی قبروں سے نکلتے ہیں، یہ ایک نیا عقیدہ ہے، جس کو مجلسی نے اپنی کتاب "بحار الأنوار" کے ایک مستقل باب میں لکھا ہے۔

عقیدہ طینہ، یہ ان کا خفیہ عقیدہ ہے، جس کے مطابق اہلِ سنت کی نیکیاں شیعہ کے لیے ہیں اور شیعہ کے کبیرہ گناہ اہلِ سنت کے سر ڈال دیے جائیں گے۔ ان کے معاشرے میں زمانہ قدیم ہی سے جو ظلم، گناہ اور بدکاریاں ہو رہی ہیں، ان تمام کی وہ اسی عقیدے کی روشنی میں تفسیر کرتے ہیں۔

معاصر شیعہ مصادر حصولِ معرفت اور مراجع میں ماضی کے شیعہ کے ساتھ جا ملتے ہیں، بلکہ یہ سلطنت صفویہ کے کفر اور الحاد سے بھری ہوئی کتابوں اور افتراء ات کو بھی من وعن قبول کرتے ہیں۔ چھاپہ خانوں نے ان کتابوں کو چھاپ کر ان کے معاشرے میں اندھیرا پھیلانے کے کام میں مزید آسانی پیدا کر دی ہے اور یہ غلو کے اس پہاڑ پر چڑھ چکے ہیں، جس سے اترنا بہت مشکل ہے۔

لیکن یہ لوگ اہلِ سنت کو دھوکا دیتے ہیں کہ یہ صحابہ کے خلاف زبان درازی نہیں کرتے اور رجعت کے قائل نہیں، اس مقالے کے صفحات نے ان دعووں کی حقیقت کھول کر رکھ دی ہے۔ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ تقیے پر عمل ختم ہو چکا ہے، حالانکہ ان کی روایت ان کو اس وقت تک اس پر عمل کرنے کا حکم دیتی ہیں، جب تک ان کے مہدی کا خروج نہ ہو جائے، ان کے اقوال اور افعال بیان کرتے ہیں کہ اس پر آج بھی عمل جاری ہے اور ان کا یہ قول تقیہ در تقیہ ہے۔ شاید روئے زمین پر کوئی بھی ایسا فرقہ نہ ہو، جو جھوٹ کو دین قرار دیتا ہو، بلکہ وہ اس فرقے کی طرح دین کا نوے فیصد حصہ جھوٹ کو قرار دیتا ہو!

۱۶۔ عالمِ اسلام پر ان کے اثرات سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے منفی اثرات امتِ محمدیہ میں شرک کو پیدا کرنے، اللہ کے دین سے روکنے، الحاد اور زندیقیت کے فرقوں کے ظہور، مسلمانوں کو سنتِ نبویہ سے گمراہ کرنے کی کوششوں، ادب اور تاریخ پر منفی اثرات اور بعض نام کے مسلم مفکرین کی سوچ تک پھیلے ہوئے ہیں، ان کے پاس لوگوں کو گمراہ کرنے کے ظاہر اور خفیہ بہت سارے وسائل ہیں۔

ان کے معاشرتی میدان میں اثراتِ بد، مسلمانوں کے درمیان داخلی فتنوں کو بھڑکانے، مسلمانوں پر بالعموم اور اسلامی قیادتوں کو بالخصوص ظلم، زیادتی اور اگر موقع ملے تو قتل کا نشانہ بنانے تک پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ باری کے متعے کے ذریعے اور دیگر وسائل کے ساتھ مسلمانوں میں بے راہ روی، اباحیت اور فحاشی پھیلانے کے لیے بھی سرگرم عمل ہیں۔

معاشی میدان میں بھی ان کا اثر ونفوذ بالکل واضح ہے۔ یہ قوت اور دھوکے کے بَل بوتے پر مسلمانوں کا مال ہتھیاتے ہیں اور امت کی معیشت برباد کرنے کے لیے ہر ذریعہ استعمال کرتے ہیں۔ یہ آلِ بیت کے نام پر

جو مال اکٹھا کرتے تھے، وہ شیعہ علما کا امت کے ساتھ اختلاف برقرار رکھنے اور اپنے انحراف کو باقی رکھنے کی رغبت کا سب سے بڑا سبب تھا۔

یہ ثابت ہوچکا ہے کہ یہ کافر ہیں، ان لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے، صحابہ کو کافر قرار دینے، کتاب اللہ میں کیڑے نکالنے اور دیگر کفریہ عقائد کی وجہ سے اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا عجیب وغریب بات ہوگی کہ لاکھوں افراد پر مشتمل یہ فرقہ ان خرافات کا اسیر بنا ہوا ہے، اس کی یہی توجیہ پیش کی جاسکتی ہے کہ شیعہ علما بہت سارے پرفریب ذرائع استعمال کر کے اپنے پیروکاروں کی نگاہ سے حقیقت کو چھپاتے ہیں۔ شاید ان میں نمایاں ترین دعویٰ یہ ہے کہ ان کے نظریات کی اہلِ سنت کی اسانید سے مروی روایات کے ذریعے سے بھی تائید ہوتی ہے اور ان کا دین آلِ بیت اور ان کے اَتباع کی محبت پر قائم ہے۔

اس دعوے کے سائے میں وہ آلِ بیت پر ہونے والی زیادتیوں کی تصویر کشی کر کے عام لوگوں کے جذبات اور احساسات کو بھڑکاتے ہیں اور اپنے بچوں کی بچپن ہی سے یہ تربیت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نے ۔نعوذ باللہ۔ آلِ بیت کا حق چھین کر ان پر بہت بڑا ظلم کیا ہے۔

پھر وہ شبیہ ذوالجناح کے نام پر سانحہ کربلا کی تمثیل پیش کرتے ہیں، تعزیے نکالتے ہیں اور مجالسِ عزا قائم کرتے ہیں، جن میں ذاکرغم واندوہ اور گریہ زاری کے ایسے مناظر پیش کرتے ہیں، جو دل کو ہلا دیتے ہیں، پھر ان جلوسوں میں ڈھول دھمال اور اتنا شور وغوغا ہوتا ہے کہ الامان والحفیظ، اس مزعوم ظلم کی کہانیاں بیان کرنے میں میڈیا بھی آگے آگے ہوتا ہے اور لالچی واعظ بھی۔

اس کے سبب عوام اور دین سے بے بہرہ لوگوں کی عقل شل ہوجاتی ہے اور دماغ ماؤف اور وہ اندھا دھند اس مذہب کو قبول کر لیتے ہیں۔

شیعیت کی اس حالت کا مقابلہ کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ یہ ہے کہ ہر جگہ مختلف وسائل کے ذریعے سے مسلمانوں کے سامنے سنت اور اہلِ سنت کا مذہب بیان کیا جائے اور اعتدال کے اندر رہتے ہوئے شیعہ مذہب کی حقیقت اور اس کا اسلام کے اصول کے خلاف ہونا بیان کیا جائے۔

وصلى الله وسلم على نبينا محمدﷺ وآله وصحبه أجمعين. والحمد لله رب العالمين.